اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

ہزار ہزار شکر اُس ناظم کون و مکان کا کہ زبان اُردو کے شعرائے ماضی و حال کا یہ مکمّل تذکرہ موسُوم بہ

جس کا تاریخی نام

خمخانۂ جاوید

قرار پایا ہے اور جو

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر صاحب پیر سٹر مگہاشی رئیس دہلی کی لگاتار محنت تلاش اور کوشش کا نتیجہ ہے

مطبع منشی نول کشور واقع لاہور میں چھپکر شایع ہوا

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپا

بار اول ، [illegible] (علاوہ محصول)

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

۱۳۲۵ھ

خمخانۂ جاوید

مؤلفہ

لالہ سری رام ایم اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب
آنریبل رائے بہادر گوپال سرگباشی

مطبوعہ مخزن پریس دہلی



بحضور اقدس اعلیحضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر محبوب علیخاں بہادر

فتح جنگ آصف جاہ سادس جی-سی-ایس-آئی-جی-سی-بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہندوستان میں زبان اردو کی تصنیف یا تالیف کیلئے اس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہو سکتی کہ شاہ دکن اعلیحضرت میر محبوب علیخاں جی-سی-ایس-آئی-جی-سی-بی اپنے نام پر اسکا ڈیڈیکیشن منظور فرماویں انتہا جو آج توجہات شاہانہ سے میری تالیف کو حاصل ہوتا ہے کہ اردو کے سب سے بڑے سرپرست نے جو علاوہ سریر آرائے سلطنت ہونے کے خود اقلیم سخن کا بھی تاجدار ہے۔ اس ناچیز نذر کو خلعت قبول عطا فرمایا ہے میرے لئے ہمیشہ سرمایہ ناز رہیگا۔ برسوں کی محنت کا صلہ بندگان عالی کی اس ذرہ نوازی سے ملگیا۔

غبار راہ گشتم سرمہ گشتم توتیا گشتم
بہ چندیں رنگ گشتم تا بہ چشمت آشنا گشتم

میں نہایت ادب کے ساتھ تذکرہ خمخانہ جاوید کو حضور کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس مبارک نام کی بدولت یہ تذکرہ بھی حیات جاوید پائے گا۔

گذرانیدہ خادم انام سری رام

دیباچہ

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

حضرات ناظرین! جب میں ابتدائی تعلیم کے پنجے سے چھوٹا اور کالج میں داخل ہوا تو اِدھر مذاقِ سخن دامنگیر ہوا۔ اُدھر تعلیم کی مشکلیں گلوگیر۔ غرض ایک طرف کلام اور اہل کلام کی واقفیت کا عشق تام تھا۔ دوسری جانب دنیوی دھندوں اور خاندانی حصول علم کا تقاضا صبح وشام۔ نہ اسے چھوڑے بنتی تھی اور نہ اس سے مُنہ موڑے سرتی تھی۔

یہ از خود رفتہ جنوں یہاں تک بڑھا کہ گھر کے مطالعہ کو طاق پر اور اوقات کالج کو زبردستی سر پر رکھا۔ اساتذۂ سلف وحال کی خوش کلامی کو مونس اور اُن کے حالات کو اپنا وظیفہ قرار دیا۔ اور دل میں ٹھیرایا کہ جملہ اساتذہ و دلدادگان سخن کی ایک مجلس منعقد ہو۔ اور اُن کے کلام کا لُبِ لباب یکجائی صورت میں مہیا کیا جائے۔

اس خیال سے مختلف تذکروں کی فراہمی اور مطالعہ شروع کیا۔ مگر افسوس اُن میں سے کوئی بھی دل میں نہ کھبا۔ آبِ حیات جو تلاش و تحقیقات کی انتہا۔ تنقید حسنہ کا قابل قدر نمونہ اور اُردو ادب و زبان کی خدمت میں ایثار کے ساتھ فصاحت وبلاغت اور اعلےٰ انشاپردازی کا ایک بے مثال مرقع ہے۔ اس کی نسبت شروع سے میرا یہ خیال تھا کہ یہ تذکرہ شفقانِ زبان و مشتاقانِ عروض اور خاصکر مشتاقانِ انشاپردازی کے حق میں خضر راہ ہوگا۔ اور آبِ حیوان کا کام دیگا۔ مگر جب مجھ تشنہ لب سخن کی ان اوسوں سے پیاس نہ بجھی تو کسی دوسرے سرچشمہ کی تلاش ہوئی۔ کیونکہ اس کے جامع نے اول تو اس میں خاص الخاص چند مشاہیر شعراء کے

حال اور برائے نام کلام کے سوا دیگر مشتاقان سخن سے غرض نہیں رکھی۔ دوسرے کلام بھی لیا تو بطور نمونہ ہی لیا۔ انتخاب کا خط نہ آنے دیا۔ گو انہوں نے مجبوراً یہ امر امر اختیار کیا۔ ورنہ چار دور کیا۔ وہ ایک دور کے شاعر بھی نہ لکھ سکتے۔ مگر اس سے وہ بات نہ ہوئی جس سے اپنی طبیعت کھلتی۔ اور اُن اہل دور کا میلان طبع معلوم ہوتا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو جدید و قدیم بیسوں تذکرے دیکھ ڈالے۔ سینکڑوں بیاضیں وقفِ نظر کر دیں۔ لیکن افسوس صد افسوس جملہ تذکروں کو عام اور رہمہ گیر پایا۔ اُن مدوّنوں نے رطب و یابس۔ عام و خاص۔ بلکہ عوام الناس میں بھی کچھ تمیز نہ رکھی۔ یہاں تک کہ بعض تذکرے تو عامیانہ درجے پر پہنچ گئے۔ بھرتی کے شاعروں اور اُن کے کلام کی وہ بھر مار دیکھی کہ ان سے طبیعت پھر گئی۔ اس طوفان بے تمیزی میں تو لنگڑے لُولے ہر قسم کے سوار بھرتی تھے۔ جنہیں قافیہ کی خبر۔ نہ ردیف کی سُدھ۔ خوبیٔ مضمون سے بحث نہ موزونیت سے لینا +

ہاں گلستانِ سخن۔ گلشن بیخار اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ دونوں تذکرے مجھے پسند آئے اور دل سے پسند آئے۔ ارکان تذکرہ نویسی سے مالا مال۔ محققانہ پابندی سے اپنے مدوّنوں کا کمال دکھا رہے تھے۔ لیکن گلستانِ سخن نے جس کی تدوین مولانا امام بخش صہبائی نے کی۔ اور مرزا قادر بخش صابر نے اپنے نام سے چھپوایا۔ دہلی سے آگے قدم بڑھانے کو عار سمجھا۔ لفظ صابر کی رعایت سے اس نے شاہجہانی شہر پناہ کے اندر کی زمین کو زمین اور اُس کے اوپر کے آسمان کو آسمان جانا۔ صرف سرو قدانِ دہلی سے کام رکھا۔ باہر کے لہلہاتے ہوئے شمشادوں کو وہیں کھڑا رہنے دیا۔ البتہ دوسرے گلشن سدا بہار نے خاص خاص رنگ کے پھول چُنے اور ان کے گلدستے بنائے مگر پھر بھی چمنستان سخن کے صد ہا خوشنما پھول گلچین کی مہربانی یا تغافل (جو چاہو اس کا نام رکھ لو) کی بدولت اپنی شاخوں پر پژمردہ ہو کر رہ گئے +

متاخرین میں سخن شعرا کا پایہ بڑھ جاتا۔ اگر وہ غلط بیانی اور ذاتی تعریف پر نہ جھک پڑتا +

غرض اِدھر تو کوئی دلپسند مجموعۂ کلام دستیاب نہ ہُوا۔ اور اُدھر اپنا شوق پورا کرنے کے واسطے مختلف شعراء کا کلام جمع کرنا پڑا۔ پس یہی اس کی تدوین اور ترتیب کا باعث ہُوا۔ اور یہاں تک ذخیرہ بڑھا کہ اس تذکرۂ ہزار داستان کو پانچ جلدوں میں تقسیم کئے بغیر کوئی اور صورت نظر نہ آئی +

اس تذکرہ کی پہلی جلد پیش نظر ہے۔ اس وقت کو جب میں نے دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا اوّل جزو لکھا تھا آج پورے سترہ برس ہو گئے۔ گو سترہ برس کہنے میں دو لفظ اور سُننے میں ایک بات ہے۔ مگر اس برق رفتار زمانے میں کسی کام کو انجام تک پہنچانا درحقیقت نہایت دشوار کام ہے۔ تعلیم کی تکمیل۔ امتحانات کی تیاری۔ ملازمت کی پابندی۔ خاندانی سانحات تفکرات و مکروہات اور دائمی مریض رہنے کے باعث یہ تذکرہ اس عرصہ تک تعویق اور التوائے اشاعت میں پڑا رہا۔ مگر پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہا۔ میرے دل کی کیسی ہی حالت کیوں نہ ہوئی۔ ناپسند واقعات زندگی نے کتنا ہی مجبور کیوں نہ کیا۔ مجھے مختلف بیماریوں نے کیسا ہی کیوں نہ گھیرا۔ گرم و سرد زمانہ نے کتنا ہی جی سرد اور دماغ بیکار کیوں نہ کیا۔ اس تذکرے کی تکمیل کا جن میرے سر سے نہ اُترا۔ اور اس کی اشاعت کی دُھن عاشقانہ دُھن بن کر میرے دل و دماغ کو اُبھارے گئی +

جس دوست یا بزرگ کی خدمت میں باریابی ہوئی۔ شعراء کے حالات اور کلام کا ذکر میرا مشغلہ اور مکالمہ ٹھیرا۔ بات کوئی ہوتی۔ مگر میری زبان سے اُس کے جواب میں کسی شاعر کا کلام یا اُس کا ذکر نکل جاتا +

بارے خدا کا شکر ہے کہ جناب باری کے فضل و کرم سے آج یہ دن نصیب ہُوا کہ

ارباب مذاق کے حضور میں یہ دل شگفتہ کرنے والا گلدستہ جو چمن چمن کے پھولوں گلشن گلشن کی پتیوں۔ ڈال ڈال اور پات پات کی کلیوں سے چن چن کر موزوں ہوا ہے پیشکش کرنے سے ان کے دل کی شگفتگی اور قبولیت کا فخر حاصل کروں جس طرح گلدستہ کی تہ جمانے کے واسطے طرح طرح کی پتیاں اور اس کے دلاویز بنانے کے لئے رنگ برنگ کے پھول قرینے سے لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ اس مجموعۂ کلام و مجمع اہلِ کلام میں مختلف مذاق۔ مختلف خیال۔ مختلف انداز پائینگے۔ کہیں طرزِ جدید۔ کہیں طرزِ قدیم کے سخن سنجوں سے ملاقات فرمائینگے۔ یہ وہ محفل ہے کہ اس میں سلطان ابن السلطان۔ خاقان ابن الخاقان۔ امیر سے امیر اور غریب سے غریب موزون طبع۔ فصیح الکلام کا پہلو دباتے نظر آئینگے۔ اگرچہ میں اس بات کو دل سے مانتا اور انصاف سے جانتا ہوں کہ تاریخ نویسی کی نسبت تذکرہ نگاری ایک بڑے دماغ۔ بڑی تلاش۔ طبع نقاد اور ذہن وقاد کا کام ہے۔ جملہ شعرائے ماضی و حال کا بتمامہٖ حال لکھنا۔ کیا بقید ولدیت وسکونت۔ کیا بہ تخصیص اُستادیا و لاوت و ممات سخت دشوار امر ہے اور خاصکر زمانۂ حال کی شاعری کہ طوائف الملوکی سے کم درجہ نہیں رکھتی اور ہر شخص بزعم خود اُستاد ہے۔ ایسی صورت میں شعرائے حال کا حصر محالات سے تھا۔ اساتذہ نے بہت سے تذکرے لکھے اور لکھینگے۔ لیکن ہر شخص کا مذاق جدا۔ کوئی بال کی کھال کھینچنی پسند کرتا۔ کوئی نکتہ چینی کو اپنا فرض جانتا ہے۔ کوئی بالغ نظری پر گرا ہوا ہے۔ کوئی معاملہ بندی پر جھکا ہوا ہے۔ کوئی محاورہ بندی کا دلدادہ ہے۔ کوئی روزمرہ پر فریفتہ۔ کسی کو سادگی پسند ہے۔ کسی کو لفاظی۔ کوئی مراعات ومناسبات لفظی کا پابند ہے۔ کوئی تماثیل ونظائر کا دلبتہ۔ کوئی بلاغت پسند ہے۔ کوئی فصاحت طلب مگر میں آورہی باتوں کا دیکھنے والا ہوں۔ میرے نزدیک جس کلام سے دل پر چوٹ لگے۔ جس بات سے سوتا ہوا چونک پڑے۔ جو نصیحت دل میں گھر کرے۔ جو ذکر نمونہ

بننے کا سبق دے۔ جو حکایات شکایت سے بچاۓ۔ وہی غذاۓ روح اور حفظِ نفس ہے۔ لیکن ہیں پھر بھی اس تذکرہ کی خوش اسلوبیوں پر ناز زیبا نہیں جس طرح ہر گل کے ساتھ خار لازم اور ہر پنکھڑی کے ساتھ کچھ نہ کچھ خلش مستلزم ہے۔ پس ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں بعض مندرجات نقّادانِ سخن اور مبصّرانِ کلام جدید وکہن کی نظروں میں کھٹکیں۔ مگر ان کی ذات بابرکات سے امید ہے کہ وہ میری اُس حالت پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ منصفانہ نظر ڈال کر ان لغزشوں اور کوتاہیوں کو راقم کی کم مائگی پر محمول فرماکر طبع ثانی کے موقع تک اُن نقائص سے آگاہ فرمائینگے تاکہ اس کا دوسرا اڈیشن حسب دلخواہ ہوسکے۔ کیونکہ میں نے اس تذکرہ کے لکھنے میں بہم رسانیٔ حالات۔ فراہمیٔ کلام گم شدہ از یاد رفتہ سے ہی سترہ برس تک سروکار نہیں رکھا۔ بلکہ جہاں تک بنا ہے۔ اُن ڈانواں ڈول طبیعتوں کو ابھار دیا جو موجودہ زمانے کی تیز رفتاری سے ٹھوکریں کھا کھاکر گر رہی تھیں۔ اُن افسردہ اور ٹھٹھرے ہوئے دلوں کو گرمایا جو زمانہ کی سرد مہری اور ناگزیر صدموں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دم واپسین سے کشمکش کرنے والوں۔ بستر مرگ پر دم توڑنے والوں کے سرہانے جا جا کر بیٹھا۔ تذکرہ کا ذکر چھیڑ کر اپنی طرف مخاطب کیا۔ جن جوہر نایاب کے اُن کے ساتھ دفن ہوجانے میں ذرا شبہ نہ تھا۔ دم دلاسا دیکر اُن کے سینوں کے گنجینوں سے اکثر ایسے بے بہا لعل اور دُرِ شاہوار۔ جن کی چمک کے آگے چاند ماند اور آفتاب بے آب وتاب تھا۔ نکال کر لایا۔ اکثر سخن سنجوں کو یہ سمجھایا کہ اس سے تمہاری زندگی ہمیشہ قائم رہیگی۔ لوگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم دلوں میں رہوگے۔ سخن فہم تمہارے اشعار سے حظ اُٹھائینگے اور ہمیشہ دعاے خیر سے یاد رکھینگے۔ گو زمانے کی ناموافقت نے انہیں خاک میں ملا رکھا تھا۔ اور اُنھوں نے مجبور اً ان جگر گوشوں کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن اس خوشہ چین ارباب سخن نے بہم پہنچا کر آنکھوں سے دھویا۔

پلکوں سے برش کیا اور رہبرانِ سخن کو دکھایا۔ جنہوں نے اس تلاش و جستجو کی داد دی اور سچی قدر دانی سے حوصلہ بڑھایا +

میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ اکیلے کا انتخاب۔ ذاتی پسند۔ شخصی مذاق اس قابل ہو کر ہر رنگ میں اپنا رنگ پیدا کر دے اور سب کو اپنا سا بنا لے۔ لہذا اس کے انتخاب اور اقتباس میں یہ التزام رکھا کہ متقدمین کا کلام ہو یا متاخرین کا۔ طرز قدیم کے وابستہ ہوں یا طرز جدید کے ہوا خواہ۔ ان کی طبیعتوں کی اصلی میلان۔ ان کے دلوں کا رُجحان۔ بلند پروازیوں کا رنگ جوں کا توں قائم ہے +

نہ تو میں شاعر کہ شعراء کے کسی زمرہ میں شامل ہو کر دھڑے بندی یا طرفداری سے کام رکھوں۔ یا حریفانہ دل آزاری سے اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ نہ میں کسی خاص ٹکسالی شہر کی محبت کا گرفتار کہ ہر طرح سے اسی کو ترجیح دئے جاؤں۔ مجھے اپنے وطن اور غیر وطن کی تخصیص منظور نہیں۔ فرخ آبادی روپیہ ہو یا نہ ہو۔ سچے کھرے روپے سے کام ہے وہ جے پوری ہو اخواہ جودھ پور کا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کن استادوں کے نام لیوا ہیں اور کن شہروں کے بسیا۔ میں ایک ادنےٰ سا خوش کلاموں کے کلام کا جامع اور اُن کی مختلف طبائع کا مداح ہوں۔ حسد میرے پاس نہ میں حسد کا رُوشناس۔ جو لوگ کچھ بھی شاعر کہلانے کا استحقاق رکھتے تھے۔ اُنہیں کو ہزار داستان کے مشاعرہ میں جگہ دی۔ اور اُنہیں کے آگے شمع مشاعرہ نئے لئے پھرا۔ تک بندوں سے ملا اور نہ اُن کے کلام سے اس مجلس مشاعرہ کو بھرا۔ کس لئے کہ تک بندی کا نام شاعری نہیں۔ اور ہمارے تذکرے کو دو مصرعی شاعروں سے واسطہ نہیں۔ بہت سے اصحاب صرف تذکرہ کے شاعر ہیں۔ مگر اشعار کہنے کے شاغل نہیں۔ ہمیں فہرست کو طوالت دینا مقصود نہیں۔ اس انتخاب کی حالت میں بھی جو سات سو صفحوں کی اوّل جلد ناظرین باتمکین کی پیش نظر ہے۔ گویا اس خمخانۂ جاوید کے پانچ دوروں میں سے ایک دور۔ یا

پانچ کنٹروں میں سے ایک ساغر ہے۔ اسی سے صاحب نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کے مدوّن نے نازک مزاجی یا استخراج و تخریج سے واسطہ نہیں رکھا۔ ہاں بعض جگہ معمولی شعراء کے بعض اشعار کی خوبی نے جو ہمارے نزدیک کسی حالت میں بھی مسلم الثبوت استادوں کے کلام سے گرے ہوئے نہ تھے۔ ہمارے قلم کو نہیں روکا۔

اس تذکرہ میں صرف مروجہ یا اب تک شائع شدہ تذکروں ہی سے مدد نہیں لی بلکہ چند غیر مطبوعہ قلمی تذکرے بھی ایسے بہم پہنچے جو اُن تذکرہ نگاروں کے وارثوں اور شوقینوں کے کتب خانوں میں محفوظ تھے۔

جن جن تذکروں سے ہم نے مدد لی۔ اُن کے نام نامی ذیل میں درج ہیں:۔
گلستانِ سخن۔ گلشن بیخار۔ نغمۂ عندلیب۔ انتخاب یادگار۔ سخن شعراء۔ سراپا سخن۔ آبحیات شمیم سخن۔ تذکرہ شعرائے دکن۔ طبقات الشعرائے شوق۔ تذکرہ قاسم۔ تذکرہ مصحفی۔ تذکرہ منولال۔ شمع سخن۔ مجموعۂ یوسفی۔ ریاض فردوس۔ تذکرہ نواب کلب حسین نادر۔ طور کلیم۔ طرازۂ عشق۔ غنچۂ ارم۔ تذکرہ شبستان عالمگیری۔ آثار الشعراء۔ چمنستان کشمیر مجموعہ سخن۔ تذکرہ شعرائے پٹنہ۔ تذکرہ لطف۔ جلوہ خضر۔ نکات الشعراء۔ فرح بخش۔ طبقات الشعراء جسے ڈاکٹر فیلن صاحب نے فرنچ زبان سے گارسی سن ڈی ٹیسی کے تذکرہ سے اردو میں ترجمہ کرایا اور مولوی کریم الدین نے اس میں اپنے وقت کے شعراء کو بڑھا کر قبل از غدر چھاپا۔ تذکرہ شعرائے ہنود۔ تذکرہ شعرائے بدایون۔ بریلی تذکرہ شعرائے ٹونک۔ تذکرہ ضیغم۔ تذکرہ مولوی مظہر الحق۔ غرض ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

ان کے علاوہ سینکڑوں قلمی بیاضوں۔ کچکولوں۔ اگلے پچھلے گلدستوں۔ رسالوں قلمی و مطبوعہ دیوانوں۔ نامی اخباروں۔ غیر مشہور قلمی دیوانوں سے بھی بہت کچھ سامان

حاصل کیا۔ اور اپنے وقت کے موجودہ شعراء میں خاص خاص شعراء سے خط و کتابت کر کے اُن کا کلام اور اُن کے حالات منگوائے۔ بعض مرحوموں کے دیوان اپنے صرف سے چھپوائے۔ صدہا اصحاب سے وعدے لئے کہ ہم اپنا اور اپنے بزرگوں کا کلام تذکرہ کے لئے دینگے۔ لیکن ۹۵ فیصدی صورتوں میں وہ "کل" کے وعدے آج پورے ہوتے ہیں۔ فقط کلام اور حالات کے فراہم کرنے اور بہم پہنچانے پر ہی جس کی اکثر تذکروں میں کمی ہے زور نہیں دیا بلکہ جہاں تک ممکن ہُوا۔ بقید سن و سال درج تذکرہ کیا تاکہ ہر زمانے کے شعراء کی زبان اُن کے خیالات کا فرق۔ زبان کی ترقی و تنزل کا بخوبی پتہ لگ جائے +

اگرچہ آجکل کے لوگوں کا دماغ اور ہی خیالات اور مصروفیت کا رخ لئے ہوئے ہے۔ تو تغزل اور شاعری کے بالکل برخلاف ہے اور ایک نہ ایک زمانے میں یہ رنگ بالکل بدل جائیگا۔ مگر ایسی صورت میں بھی ہمارا تذکرہ گراموفون کا کام دیگا۔ جو زبان۔ جو آوازیں۔ جو راگ۔ جو لہجے ان صندوقچوں میں محفوظ ملینگے وہ ہمیشہ اپنے اپنے وقت کا راگ گائینگے۔ اور مصلحان کو پکار پکار کر رستہ بتائینگے۔ اس برق رفتار تبدیلی کے زمانے میں اور نئی روشنی کے شور و شغب کے سامنے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ گراموفون جس میں گلشن سخن کے نواسنجوں کے رنگا رنگ ترانے بھرے ہوئے ہیں ایک آواز بے ہنگام ٹھیرے۔ لیکن یہ اخیال ہے کہ عین اس وقت جبکہ ہماری تہذیب اور تمدّن کا ہر صیغہ معرض تغیر میں ہے تو اُن کے ساتھ ساتھ زبان اور فن شاعری بھی ہلچل میں ہے۔ موقع ہے کہ پُرانی آوازوں کو جنہیں زمانہ عنقریب بھلا دیگا۔ ایک مجموعی اور یادگاری حیثیت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔ پس یہ نخانہ جاوید جو سرستان ازل کا اکھاڑا ہے۔ ابد تک زبان داہل زبان کو اپنی مستانہ آواز سناتا اور غفلت کے ماتوں کو جگاتا رہیگا +

ہم نے کسی شاعر پر چوٹ کرنا خود چوٹ کھانے سے کم نہ سمجھا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے رنگ اور اپنی اپنی حالت میں اچھا جانا ہے جس طرح کوئی مخلوق بیکار نہیں اسی طرح کوئی تصور کوئی مضمون خالی از اسرار نہیں بقول غالب ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ سریرِ خامہ نوائے سروش ہے

ہم نے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ جن کے دیوان ابھی تک نہیں چھپے ان کا کلام زیادہ لیا ہے۔ تاکہ اُن کو اپنی جوہر نمائی کا موقع از سر نو مل جائے اور تلافی مافات ہو سکے +

استادان دہلی میں اکثر کے کلام نہ تو اُن کے خاندان والوں نے جمع کرائے۔ اور نہ جن لوگوں کے ہاتھ دستبرد زمانہ سے لگے۔ اُنہیں یہ بات گوارا تھی۔ مگر میری نظر سے وہ گزرے اُن کا انتخاب کیا اور بہت سا کلام ایسے لوگوں کے عزیزوں سے سن سن کر لکھا۔ جب مختلف لوگوں سے بھی اُس کی تصدیق ہوگئی تو درج تذکرہ کیا۔ مشہور و مستند شعراء کے شاگردوں اور رشید تلمیذوں کے حالات سے بھی پہلوتہی نہیں کی۔ بلکہ کوئی تاریخی واقعہ اُن سے متعلق ہوا تو اُسے بھی بخوشی تذکرہ میں جگہ دی + زمانہ جس عاشقانہ روش پر چل رہا ہے اُس سے کوئی بے خبر نہیں۔ بچے بچے کے دل میں عشق و محبت کا بیج بوتا چلا جاتا ہے۔ موزونیٔ طبع اور تُک بندی گھٹی میں پڑگئی ہے۔ سریلی آواز ہو یا نہ ہو مگر تھیٹروں کی لے نے آدھا گویا بنا دیا ہے۔ جو گاتے گاتے ایک دن کلاونت ضرور ہو جائیگا۔ پس ان ہونہار اُمنگوں کا توڑنا اور اُنہیں مایوس کر دینا۔ میری طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ جس طرح مجھے اپنے ذاتی مذاق سخن کا خیال رہا۔ اسی طرح میں نے پابندی کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ رکھا کہ شعرائے قدیم و جدید کے نتائج افکار جنہیں اُنہوں نے خون جگر کھا کر پبلک کی تفریح و دلبستگی کیواسطے تیار کیا تھا۔ بقائے نام و یادگار دوام کے واسطے قائم و برقرار رکھوں +

گو کسی تذکرہ نویس نے اس فن کو شاخ تاریخ قرار نہیں دیا۔ بطور بیاض یا کچکول جس طرح چاہا۔ اُن کے حالات اور کلام کو لکھ لیا۔ لیکن اس وقت کہ زبانِ اردو منجھ دھار میں غوطے کھا رہی ہے۔ یہ بھی بسا غنیمت ہُوا کہ پچھلے حالات کی جستجو کے لئے بنیاد پڑ گئی۔ اور آئندہ کے لئے اساس اٹھانے کی آس بندھی۔ ہمارا تذکرہ اس حالت میں بھی ایسے لوگوں کا ممنون اور اُن کا خوشہ چین ہے۔ گو اُنہوں نے بپاس حسد یا بلحاظ رشک سچے حالات لکھنے سے گریز کی۔ یا اپنے کمال کے آگے اَوروں کے کمال کی حقیقت نہ سمجھی۔ البتہ عبارت آرائی میں آسمان زمین کے قلابے ملا دئے۔ کالے کوسوں کے رہنے والے۔ فرانس کے باشندے گارسی سن ڈی ٹیسی نے فرانس میں بیٹھے ہوئے انہیں تذکروں اور اپنے ایجنٹوں کی تحقیقات سے فرنچ زبان میں ایسا با اصول تذکرہ لکھا کہ ہر ایک ملک والے کو پسند آیا اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہُوا +

مجھے افسوس ہے تو اس کا کہ ہم لوگ اپنے ملک میں رہ کر وہ کام نہیں کر سکتے۔ جو ہزاروں کوس کے رہنے والے ہم سے بہتر اور صحیح کر گزرتے ہیں۔ میں اس تذکرہ کو آئندہ نسلوں کے واسطے ایک ذخیرہ سمجھ کر اب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور بشرط حیات مستعار آئندہ بھی اضافہ کے ساتھ طبع کراتا رہونگا +

یہ مثل سچ ہے کہ خدا تعالےٰ کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا۔ پس میری محنت بھی ٹھکانے لگی۔ اور ایسی صورت سے ٹھکانے لگی کہ اس کا فخر مجھ کو۔ میرے خاندان کو۔ میرے احباب کو بلکہ ہزار داستان کے تمام موجودہ و از جہان رفتہ ندیموں۔ جلیسوں ہمنشینوں کو تا قیام تذکرہ وہ شرف و افتخار حاصل رہیگا جس کی تمنا میں لوگ عمریں گنوا دیتے ہیں اور میسّر نہیں ہوتا۔ بھلا وہ کونسا فخر ہے وہ یہی فخر ہے کہ ہمارے ہندوستان کی شاہی زبان کے حامی۔ اُردو کے پورے پورے سرپرست۔ اہل سخن کے قدردان۔ سخن سنج۔ سخن گو۔ سخن شناس۔ سخن فہم۔ اعلےٰ حضرت۔ والا شوکت۔ بندگان عالی متعالی سپہ سالار۔ مظفر الممالک

فتح جنگ ہزہائینس میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک۔ آصف جاہ سادس جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہ نے اپنی کمال قدر دانی و جوہر شناسی سے اپنے نام نامی کے ساتھ اس کا معنون ہونا منظور فرمایا۔ نہیں نہیں بلکہ دیگر ہواخواہانِ اُردو کا دل بڑھایا +

آخر میں میں اُن دوستوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے ترتیب تذکرہ میں شعرا کے حالات اور کلام کی فراہمی سے امداد کی۔ ان میں سب سے اول نمبر پر اردو زبان کے فدائی اور اس کے استقلال و قیام پر اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کرنے والے منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وظیفہ خوار نظام قابل تذکرہ ہیں۔ منشی صاحب ممدوح نے جلد اول کے ابتدائی اجزا کی نظر ثانی کی اور ضروری مشوروں سے امداد دی +

ان کے بعد صاحب عالم مرزا مجاہد الدین شاہی گورگانی جنہیں اب مرحوم اور مغفور کہتے سخت افسوس ہوتا ہے۔ آپ نے اکثر حضرات خاندان شاہی دہلی کے حالات اور بالخصوص مرزا ارشد کے سوانحات زندگی بہ تصریح ارقام فرمائے۔ اور ہمیشہ اس کام سے دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ آپ نے ایک چند روزہ علالت کے بعد عین ہنگام اشاعت تذکرہ میں انتقال کیا۔ صاحب عالم مغفور آخری تاجدار ہند بہادر شاہ کے نبیرہ اور مرزا مغل مرحوم کے فرزند تھے +

مشفقی و مکرمی شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کو بھی ہمیشہ اس علمی خدمت سے خاص دلبستگی رہی اور اس کی اشاعت کے متعلق وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے راقم کی امداد کرتے رہے +

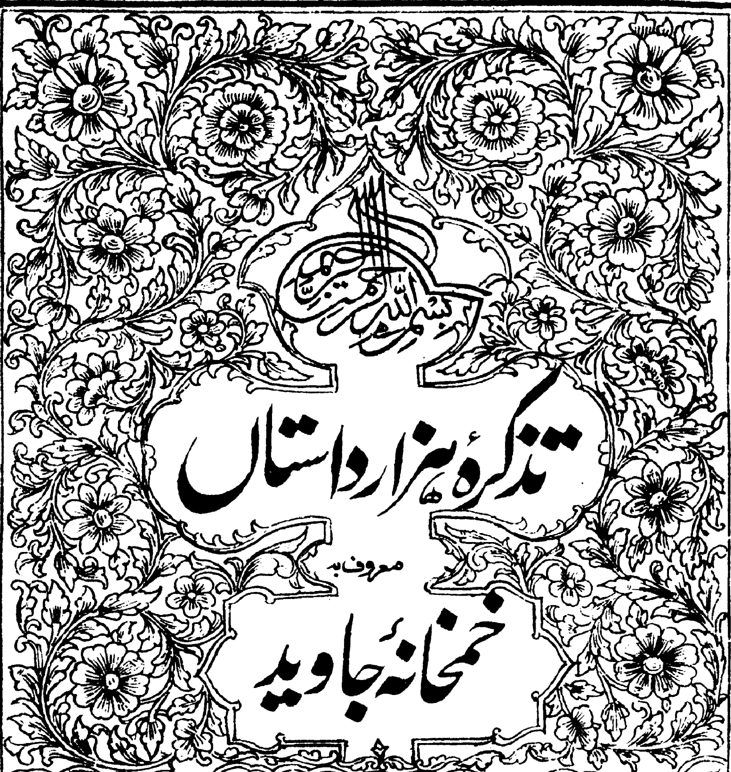
اسی طرح میرے محب بے ریا مخلص باوفا سیٹھ کیخسرو سوراب جی جو پارسی نژاد ہونے کے باوصف ہماری مادری زبان سے ایک خاص مذاق رکھتے ہیں۔ میرے

دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اس تذکرہ کی تالیف وترتیب میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی۔ اُن کی اس عنایت کا نہ صرف مجھے بلکہ تمام ہوا خواہان اُردو کو شکر گزار ہونا چاہئے۔ محبی پنڈت برج موہن وتاتریہ کیفی دہلوی بھی ہمیشہ تذکرہ کی عام ترتیب اور انتظام اشاعت میں معقول امداد دیتے رہے ۔

آخر میں اپنے محب صادق اور مخلص گرامی نواب ذوالفقار علی خاں صاحب رئیس مالیرکوٹلہ کا خاص طور پر ممنون ہوں جنہوں نے دوران اشاعت تذکرہ میں انتہا درجے کے خلوص اور نوازش کا اظہار فرمایا۔ اور اس علمی کام کی نسبت اظہار پسندیدگی سے راقم کا حوصلہ بڑھایا ۔ فقط

لاہور۔ ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۸ء { خادم انام گمنام سری رام دہلوی





آباد - مرزا مہدی حسن خاں خلف مرزا غلام جعفر خاں لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شیخ ناسخ کے نامی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ۱۲۲۸ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگ لکھنؤ کے عمائدین میں سمجھے جاتے تھے۔ نواب فرخ آباد کے قریبی رشتہ دار تھے۔ تمام عمر لکھنؤ میں رہے اور اپنی عمر فراغ بالی سے بسر کی۔ اگلے لوگوں کی طرح وضعداری کے پابند اور مجالسِ مشاعرہ کے ازبس دل دادہ تھے۔ وضعداری جو پُرانے لوگوں کا عام شیوہ تھا ان کا خاص شعار تھا۔ چنانچہ آجتک مشہور ہے۔ کہ آپ مشاعروں میں نہایت پابندی سے شریک ہوتے۔ اور حتی الامکان کوئی جلسہ غزل خوانی سے ناغہ نہ ہونے دیتے تھے ان کی پُرگوئی بھی شہرت رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک تذکرہ نویس نے تو یہانتک غلو کو کام فرمایا ہے

کہ عروض کے ہر ایک بحر میں ان کا ایک ایک دیوان ہے بہر حال دو اور بقول بعض اس سے زیادہ دیوان اور ایک مثنوی - تین واسوخت ان کی یادگار ہیں - جن میں سے ایک دیوان موسوم بہ نگارستان عشق ۱۲۶۲ھ ہجری میں لکھنؤ کے مرتضوی مطبع میں شایع ہُوا تھا - اب یہ بھی کمیاب ہے - مگر ان کی مستقل یادگار بہارستان سخن سے قایم ہوئی جس میں ناسخ آتش کے بالمقابل ہم طرح غزلیں درج ہیں - یہ مجموعہ بیشک ملتا ہے - حق یہ ہے کہ گو ان کا کلام اُن دونوں اُستادوں کے پایہ کو نہیں پہنچتا مگر تاہم بجائے خود قادر الکلامی کا پتہ دیتا ہے - اگرچہ ان کی طبیعت بھی استعارہ پسندی سے (جو اس زمانہ میں عام رواج تھا) خالی نہیں مگر اس کے سوا کہیں کہیں اخلاقی اشعار بھی لطافت طبع کی جھلک دکھا رہے ہیں - چھوٹی بحروں میں اکثر زور فکر لائق تحسین ہے - واسوخت بھی اپنے رنگ میں بہت مقبول اور معاملہ بندی کا پہلو لئے ہوئے ہے - مگر محاورات سے اس نے بھی پہلو تہی کی ہے - نمونۂ کلام بطور انتخاب ذیل میں درج ہے :—

واللہ کیا ہے حُسن بتوں کے غرور کا
بندوں کو شک ہُوا ہے خدا کے ظہور کا

شعبدے سے دکھلائے حسنِ یار نے ہردم نئے
سامنے آنکھوں کے یہاں کیا کیا تماشا ہو گیا

کوئی ثروت میں بھی ایذائے غربت دل سے جاتی ہے
نہ بھولا تخت پر یوسف کو صدمہ چاہِ کنعاں کا

پائے گا اک دن کمالِ سربلندی شکلِ بدر
ماہِ نو کی طرح جو بہرِ تواضع خم ہُوا

فوراً تڑپ کے حرف سے ہر حرف ہو جُدا
لکھ دوں جو خط میں حال کبھی اضطراب کا

سیلابِ اشک سے نہ فقط ہر مکاں گرا
کرّوبیوں میں غُل ہے کہ اب آسماں گرا

بلبل ہُوں ایسے گلشنِ نازک بہار کا
موجِ شمیم گل سے میرا آشیاں گرا

اتنا بھی نہ رہ محفلِ ہستی میں تو بدمست
دُور آنکھوں سے کرشمہ مئے بےخبری کا

جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا
جیتے جی میں گلشنِ جنت میں داخل ہو گیا

تیری آنکھوں کی فسوں کاری جو دیکھی اے پری
کچھ نہ بولا سامری پر دل میں قائل ہو گیا

وا رہیں بعد فنا قبر میں آنکھیں آباد
حشر تک حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

ہجر میں اے رشکِ شیریں جان شیریں تلخ ہے
کام نالے کر رہے ہیں تیشۂ فرہاد کا

روشنی پائی سخاوت سے جہاں میں نام ہے
ہر درہم گویا چراغِ مرقدِ حاتم ہوا

بگڑ گیا جو نکلتے ہی روح کا نقشہ
طلسم تھا کوئی یا اپنا خانۂ تن تھا

جب ہوئے برباد اے آباد تب پایا پتا
بے نشاں ہو کر ملا ہم کو نشانِ کوئے دوست

ترے غم میں گریباں گیر ایسی ناتوانی ہے
کہ گر پڑتا ہوں ساتھ اشکوں کے میں بھی اپنے دامن پر

ہاتھ کیا اس نے اٹھایا سینکڑوں بسمل ہوئے
دے رہا ہے عاشقوں کو موت کا پیغام رقص

ممکن نہیں کسی کا رہے برقرار رنگ
ہے مثلِ گل جہان کا ناپائدار رنگ

اے گل ذرا شباب دو روزہ کی قدر کر
کس پھول کا ہمیشہ رہا برقرار رنگ

فقط امید ہے بخشش کی تیری رحمت سے
وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں

جو تم کو انس ہے آباد کو محبت ہے
تمہیں نہیں تو اسے بھی تمہاری چاہ نہیں

مثالِ چرخ گردوں جن کے لاکھوں قصرِ عالی تھے
اب ان کی خاک اڑتی پھرتی ہے دشت بیاباں میں

قیامِ زندگی بحرِ فنا میں غیر ممکن ہے
یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

ہے رنگ کب گلوں میں جو ہے روئے یار میں
اک عندلیب کیا ہے میں کہہ دوں ہزار میں

کوئے صنم سے دیکھئے آتی ہے پھر کے کب
اپنی نظر کے آپ ہیں ہم انتظار میں

محوِ جمالِ یار نہیں مجھ سا دوسرا
جھپکی نہ تا بہ زیست پلک انتظار میں

خوں گرفتہ نہ کوئی عشق میں ہم سا ہوگا
دم بدم منتِ جلاد کیا کرتے ہیں

پس از مردن بھی مجھ سے دشمنی ہے شوخ بدظن کو
مرے مرقد سے جاتا ہے اٹھا لے اپنے دامن کو

جہاں تک ہو سکا اپنی زباں سے اس سے کہہ گذرے
جتائی بات ہم نے دوستی کی لے کے دشمن کو

دل لگانے میں تو ہے جور اٹھانے کا مزہ
لطف کیا ہے کہ جو معشوق ستمگار نہ ہو

لطف جینے کا یہ ہے جان کسی پر نکلے
نہ جیئے وہ جسے مرنے سے سروکار نہ ہو

تجھ کو جو دیکھے خراماں وہ نہ آئے آپ میں
دل کو وارفتہ کرے وہ طور ہیں رفتار کے

کب دیکھیں چھڑاتا ہے خدا قیدِ الم سے
اُلجھے ہوئے ہیں سلسلۂ زلفِ صنم سے

کچھ پوچھ نہ حال خرد و صبر کو اے عشق
مُدت ہوئی ان دونو کو چھوٹے ہوئے ہم سے

دل کرے گا نہ خیالِ رخِ جاناں خالی
کبھی اس گھر کو نہ چھوڑے گا یہ مہماں خالی

ہے تماشہ کی جگہ عالمِ اسباب مجھے
بخت بیدار دکھاتا ہے نئے خواب مجھے

اب بھی منظور نظر ہونے کے قابل کیا نہیں
پس کے دل سرمہ ہوا طرزِ خرامِ یار سے

ابرِ غم میں گھر گئے آباد زلفیں دیکھ کر
بجلیاں دل پر گریں برقِ نگاہِ یار سے

بھلا دیکھیں گے کیونکر غیر اس کو
مری آنکھوں کے پردے میں نہاں ہے

سینکڑوں ہی کشتۂ رفتارِ جاناں ہو گئے
پاؤں رکھا جس جگہ گنجِ شہیداں ہو گئے

اُمید قطع ہوئی پُرزے ہو گئے دل کے
پیامبر کا سر آیا جواب کے بدلے

آباد

(آباد) شیخ علی باقر ساکن عظیم آباد سنہ ۱۳۲۲ھ ہجری میں ان کا دیوان بھی چھپ گیا ہے - چند سال ہوئے کہ انتقال فرمایا - خان بہادر سید علی محمد صاحب **شاد** عظیم آبادی کے شاگرد تھے - شعر خاصا کہتے تھے - کلام مُغلقِ الفاظ سے پاک سیدھا سادا اور دل گداز ہے - بطور یادگار چند اشعار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں :-

قتل کرتا ہے شوق ہی دل کا
مفت میں نام بد ہے قاتل کا

صاف کہتا ہے حالِ دشمن و دوست
دل ہے آئینہ حق و باطل کا

میری آنکھوں سے دیکھ اے مجنوں
پردہ اُٹھا ہوا ہے محمل کا

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں

گلوں کو کہتی ہے چٹکا کے یوں نسیمِ سحر
چلے چلو کہ ٹھہرنے کا یہ مقام نہیں

خدا کی یاد میں حوروں کی یاد اے واعظ
نگاہ غیر پہ کرنا - یہ کیا حرام نہیں

گلے پہ چلنے دو رُک رُک کے تیغِ قاتل کو
مقامِ صبر ہے عجلت کا یہ مقام نہیں

قیامت آئے اُٹھے روئے یار سے پردہ	خدا وہ صبح دکھائے کہ جسکی شام نہیں
سمندِ عمر کو آباد روکئے کیونکر	زیادہ اس سے کوئی رخشِ تیز گام نہیں

آباد

(**آباد**) ان کا نام یعقوب علی تھا - اور والد کا اسحاق خاں - دہلی شاہ جہاں آباد کے قدیم باشندے تھے - نہایت خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے - مگر افسوس ہے کہ اس حُسن صورت پر حُسن سیرت کا شفاف آئینہ زنگ آلود تھا - گو طبیعت کی اس ناہمواری نے پڑھنے لکھنے پر اچھی طرح دل نہ جمنے دیا مگر موزونی طبع نے درس گاہ سخن میں ضرور داخل کر دیا جس کی بدولت سلک نظم میں کہیں کہیں ان کے اشعار کے موتی اپنی چمک دکھا رہے ہیں - عمر کا ٹھیک حال معلوم نہیں لیکن یہ سنتے ہیں کہ ۵۷ء کے غدر میں جوان تھے - اگرچہ ان کے چند اشعار سے پورا پورا طبیعت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا مگر صاف گوئی میں شبہہ نہیں - چنانچہ اس شعر میں اپنی بدصحبتوں کا خود متاسفانہ اقرار کرتے ہیں ؎

ان خراباتیوں کی صحبت نے	تجھ کو آباد کیا خراب کیا

اشعار ذیل ان کی زندہ یادگار ہیں :-

اُس کے قامت کی یاد میں ہم نے	مصرعِ سرو انتخاب کیا
تو نے دریا میں اک نگاہ کے ساتھ	قطرۂ آب کو شراب کیا
اِن خراباتیوں کی صحبت نے	تجھ کو آباد کیا خراب کیا

آباد

(**آباد**) منشی سید تہذیب حسین - بریلی کالج میں تعلیم پائی ہے - ایام طالب علمی کی کلام سے چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوتے ہیں :-

عاجز ہم آ گئے فلکِ بد شعار سے	جائیں گے اب وہاں کہ جہاں آسماں نہ ہو
یہ تھی آرزو وقتِ رحلت ہماری	بنے اس کے کوچے میں تربت ہماری
ترے ہجر میں نیم جاں ہو رہے ہیں	تاسّف کے قابل ہے حالت ہماری

حسینوں پہ آباد مائل نہ ہوتا		یہ تم یاد رکھنا نصیحت ہماری

آبرو

(**آبرو**) شاہ نجم الدین عرف شاہ مبارک۔ ان کا نسبی سلسلہ ایک مشہور بزرگ شاہ محمد غوث گوالیاری سے ملتا ہے۔ آپ عالم شباب میں دہلی چلے آئے اور یہیں رہ کر مشق سخن سے اپنے ریختے کی بنیاد کو مستحکم کیا یہاں تک کہ مسلم الثبوت اُستاد مانے گئے طبقہ اول کے نامی شعرا میں آبرو کو نہایت آبرو کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ باوجود مشاق خان آرزو اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھا لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر نے اپنی یادگار ایک بہت بڑا دیوان چھوڑا مگر غدر کی دست بُرد نے اس مرتبہ پر پہونچا یا کہ اب وہ عنقا سے کم نہیں۔ ہاں راقم نے اپنے ایک دوست کے پاس ایک مختصر دیوان دیکھا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبع رسا کو تشبیہات وصنعت ایہام کا زیادہ شوق تھا گوان صنعتوں کا الجھاؤ معاملہ سلجھانے میں ہارج تھا لیکن ساتھ ہی اس کے محاورہ کی گرد بھی لگا تےجاتے ہیں طبیعت رسا اور فکر معنی یاب تھی۔ محمد شاہی عہد کے شاعروں میں تھے۔ اُسی کس مپرسی کے زمانہ میں زندگانی کا شیریں عیش تلخی سے مبدل ہوگیا تھا +

مرزا جان جاناں **مظہر**۔ **ناجی**۔ **مضمون** کے معاصرین میں تھے۔ مرزا صاحب سے کبھی کبھی نوک جھوک بھی ہو جاتی تھی۔ آپ سب کو ایک آنکھ دیکھتے تھے +

حضرت کو شاہ کمال بخاری کے بیٹے **پیر مکھن** متخلص بہ **پاکباز** سے کمال اُنس تھا اپنے مرغوب الطبع دوست پیر مکھن کے نام کا سجع بھی کہا ہے گویا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرکے دکھایا ہے۔ وہ سجع یہ ہے :-

عالم ہمہ دوغ ست و محمدؐ مکھن

اگلے زمانے کے شرفا کی علمی تحقیقات تحصیل حاصل ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعلیم عام نہ تھی ایسی حالت میں اگر خواص بھی جاہل رہتے تو صفحہ عالم پر عبادت گاہوں کی طرح درس گاہوں میں بھی اللہ ہی نظر آتا پس یہ کہنا بیجا نہیں کہ شاہ مبارک آبرو۔ کم از کم دہی علوم وفنون

سے ہرگز بے بہرہ نہ تھے۔ اپنی خوش خلقی اور نیکدلی سے دلوں کو تسخیر کر رکھا تھا۔ اپنے زمانہ کے لوگوں میں ہردلعزیز تھے۔ اگرچہ اُن کے کلام میں پُرانے محاورے اور اس وقت کے متروک الفاظ بکثرت ہیں۔ مگر جن اشعار کو اس وقت کی ہوا نہیں لگی وہ بالکل اس زمانہ کے موافق ہیں اور ہو بہو آج کل کے روزمرہ کا لطف دے رہے ہیں لہذا ناظرین تذکرہ کو دو دو چاشنیوں کا لطف چکھایا جاتا ہے +

چھوڑ مت دام زلف سے دل کو — بال باندھا غلام ہے تیرا

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہُوا — جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہُوا

اندازے سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں — جو خال اپنی حد سے بڑھا سو مسا ہُوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے — کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جُگ بیتا

لگا دل یار میں تب اس کو کیا کام آبرو ہم سے — کہ زخمی عشق کا پھر مانگ کر پانی نہیں پیتا

نین سے نین جب ملائے گیا — دل کے اندر مرے سمائے گیا

یہ رسم ظالمی کی دستور ہے کہاں کا — دل چھین کر ہمارا دشمن ہُوا ہے جاں کا

بوسہ لباں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا — پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس گلی — ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

گرچہ قائل ہوں سجن تیری کمر معدوم کا — لیک مشکل ہے بیاں اس رمز نامعلوم کا

رو رو کے بے وفا کو کیا آشنا کیا ہے — دیکھو تو آبرو نے کس گھاٹ لا اوتارا

بوالہوس کو ہُوا ہے تب سے دماغ — جب سے تم نے اُسے بلا بھیجا

دل تو دیکھو آدمِ بے باک کا — عشق سے بھرتا ہے پُتلا خاک کا

کیوں چھپا ظلمت میں گر اس لب سے شرمندہ نہ تھا — جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

آبرو کے قتل کو حاضر ہوئے کس کر کمر — خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھکر

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقطے — کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

نکلے تم آ صبا کی طرح جب چمن میں بھول
گلشن کے دیکھ تجھکو گئے ہاتھ پاؤں بھول

دھمکاؤتے ہیں ہم کو کمر بند باندھ کر
کھولیں ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یہاں تک تو فنِ عشق میں کامل ہوا ہوں میں

مت تھر سیتی ہاتھ میں لے دل ہمارے کون*
جل جائیگا پکڑتا ہے ظالم انگارے کون*

ٹک باغ میں شتاب چلو اے بہارِ حُسن
گل چشم ہو رہا ہے تمہارے نظارے کون

پھر پھر کے دیکھ ہم کو کیوں مسکراوتے ہو
مدت میں آپڑا ہے یہ اتفاق حسنہ

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ
تار تار اسکی ہیں دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

وہ بخت کا رکب لکھتا ہے نامہ
نہیں کچھا جو لیوے ہاتھ خامہ

نہ دیوے لے کے دل وہ جعد مشکیں
اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

پھرتے تھے دشت دشت دیوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

شور ہے اُس کی اشک باری کا
آبرو چشم تر قیامت ہے

رستم تیری آنکھوں کے ہوئے اگر مقابل
آنکھوں کو دیکھ تیری تلوار بھول جاوے

کیا شیخ و کیا برہمن جب عاشقی میں آوے
تسبیح کرے فراموش زنار بھول جاوے

اب دین ہوا زمانہ سازی
آفاق تمام دھریا ہے

تم نے بجاوسنے کو جب ہاتھ بیچ نے لی
مجنوں ہو گئے سب یہ اس طرح کی نے لی

تمہارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

تمھارا دل اگر ہم سے پھرا ہے
تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگھولا (بگولہ) ہے

لباس پُنبئی بن کیونکہ گذرے موسم سرما
قیامت ہے تری یہ سرد مہری تس پہ بے رُوئی

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل انکھیاں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں قتل ہووے

نوٹ*: اس زمانہ میں بجائے کو کی مستعمل تھا۔

تم اپنی بات کے راجا ہو پیارے	کہے سے ضد تمہیں ہووے سوائی
اب تلک کھینچ کھینچ جور و جفا	ہر طرح دوستی نباہی ہے
طور کیا پوچھتے ہو کافر کا +	شوخ ہے بانکا ہے سپاہی ہے
آبرو کیوں نہ ہو رہے خاموش	درد کہنے کی یہاں منائی ہے
ملو جا آبرو سے خود بخود تم	کہ اُس کو تو پیارے بیخودی ہے

آبرو

(آبرو) سید اصغر علی ساکن علی گنج واقع ٹونک ۱۸۹۷ء میں دربار ٹونک (راجپوتانہ) کے دفتر الانشاء میں ملازم تھے۔ اعتبار الملک سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی کے شاگرد ہیں طبیعت رواں ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ بندش بھی بُری نہیں ہے۔ کلام میں صفائی ہے زبان سُتھری ہے۔ جو کلام ہماری نظر سے گزرا اُس سے طبیعت کی مشاقی معلوم ہوتی ہے +

صدقے ہزار جان سے تجھ پر بہار گل	قربان لاکھ دل سے تری بانکپن کے پھول
پہلو میں خار بن گیا دل واہ ری خلش	غربت میں یاد آئے جو ہم کو وطن کے پھول
کھائیں گے کبک ٹھوکریں رفتار یار سے	جائیں گے آنکھیں دیکھ کے پاؤں ہرن کے بھول
وہ بیماروں سے بدتر کیوں نہ جس سے نہ تم بولو	وہ اچھا کیوں نہ ہو بیمار غم جس کی دوا تم ہو

آتش

(آتش) اِن کا نام خواجہ حیدر علی اور باپ کا نام خواجہ علی بخش تھا۔ خواجہ زادوں کے خاندان سے تھے جن میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ خواجہ صاحب کے تاریخی حالات اور تذکروں میں بالاجمال اور تذکرہ آب حیات میں بالتفصیل موجود ہیں پس ہم اختصار پر اکتفا کرتے ہیں +

خواجہ صاحب اور شیخ ناسخ چونکہ دونوں اُستاد ہمعصر تھے اور ایک ہی جگہ ہونے سے گویا ایک بن میں دو شیر تھے اس باعث سے اکثر باہم چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ معتمد الدولہ نواب آغا میر کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ یہ وہی مشاعرہ ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ نواب صاحب نے آتش کے مقابلہ میں شیخ صاحب کو خلعت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ دونو

اُستاد اپنی اپنی غزلیں لکھ کر لے گئے۔ پہلے شیخ صاحب نے غزل پڑھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے	تماشا ہے تہِ آتش دُھواں ہے

خواجہ آتش بھی پرکالۂ آتش تھے آتش کا لفظ سنتے ہی آگ بگولا ہوکر بھڑک اُٹھے جب شمع سامنے آئی تو یہ مطلع پڑھا ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے	زمیں جسکی چہارم آسماں ہے

حسن اتفاق سے یہ مطلع حسب حال ہوگیا کیونکہ جو منزلہ مکان کی چھت پر مشاعرہ ہورہا تھا (یہ مکان اب تک موجود اور آغا میر کی ڈیوڑھی کے نام سے مشہور ہے) نواب صاحب نے دونو استادوں کو خلعت سے مفتخر فرمایا +

دونو کے معتقد اپنی اپنی عقیدت کے جوش میں ایک دوسرے کو جو چاہیں سو کہیں مگر دراصل آتش و ناسخ اپنی اپنی روش و رنگ میں کامل تھے۔ اگر شیخ صاحب موزونی وصحت الفاظ و تلاش مضامین عالی میں بڑھے ہوئے تھے تو خواجہ صاحب بھی لطف محاورہ فصاحت۔ نفاستِ بندش۔ خوش اسلوبی طرز بیان میں اُن سے کم نہ تھے۔ اسی وجہ سے پڑھنے والے کے دل پر ان کے کلام کا بالمقابل زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں باہم کچھ مخالفت تھی تو صرف اتنی کہ ہر ایک اصناف سخن میں فوق لیجانا چاہتا تھا نہ کہ دلوں میں عداوت ومخاصمت جمی ہوئی تھی اُس زمانہ کے شرفا۔ وضعداری۔ انصاف پسندی اور حق گوئی پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ اُن کی طبیعت میں حسد و نفسانیت کو بہت کم دخل تھا چنانچہ باوجودیکہ شیخ ناسخ نے خواجہ صاحب سے نو برس پہلے انتقال کیا مگر خواجہ صاحب نے یہ وضعداری برتی کہ اُس وقت سے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا جس سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر میں ناسخ کے بعد کلام کی داد دینے والا کوئی نہ تھا۔ ہم اس جگہ اُن کے مذہب اور اُن کے والد کی اصلی مقام سکونت کو زائد از بحث سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں +

چونکہ خواجہ صاحب کو شعر گوئی کا شوق ابتدا سے سن شعور ہی سے دامنگیر ہوگیا تھا اس وجہ

میری ایذا کے لئے مُردے میں جاں آتی ہے
کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے

ظاہر ہے یہ اے یار تیری کم سخنی سے
لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہنی سے

بیخود ہے یار دولت حسنِ شباب سے
سچ ہے زیادہ نشۂ زر ہے شراب سے

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے
زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آنی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی ✣

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

جو چلن چاہے چلیں آتش بتانِ بیوفا
حُسن جب پیدا ہُوا سب عیب پنہاں ہوگئے

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقام ہُو نظر آیا مجھے

دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہکر کمانداروں میں ہم
اس نشانے کو اُڑا دے جو وہ تیرانداز ہے

آثم

(آثم) شاہ عنایت اللہ نام تھا مگر شاہ آثم مشہور تھے۔ شاہ خادم صفی کے مرید اور مولوی محمد حسن بلگرامی کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک مختصر دیوان مطبع دریائے لطافت کانپور میں چھپا تھا۔ انکے کلام میں کچھ معرفت کا رنگ بھی جھلکتا ہے ✣

بیخودی میں عجب مزا دیکھا
سرِ مخفی کو برملا دیکھا

اس دل میں اگر جلوۂ دیدار نہوتا
زنہار یہ دل مظہرِ اسرار نہوتا

ہے دل وہاں بفضلِ خدا آپہنچا ہُوا
وہم فرشتہ بھی نہ جہاں پر رسا ہُوا

شکل جانانہ جابجا ہیں ہم
کہیں ناز اور کہیں ادا ہیں ہم

عاشقِ زار ہوں جز عشق مجھے کام نہیں
طالبِ کفر نہیں تابعِ اسلام نہیں

عجب تو نے جلوہ دکھایا مجھے
کہ عالم میں پھر کچھ نہ بھایا مجھے

اسلام اور کفر ہمارا ہی نام ہے
کعبہ کنشت میں اپنا مقام ہے

آثم

(آثم) مرزا والا بخت گورگانی مقیم بنارس۔ مرزا قیصر بخت بہادر فروغ مرحوم کے خلف اکبر اور شاگرد رشید تھے علوم مروجہ میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ وجیہ۔ خوش خُلق۔ ذی مروّت۔ شریف نواز

حکام رس - صاحبِ رسوخ تھے - عنفوانِ شباب میں جب شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو چند شعر کہہ ڈالے جب اتفاق سے وہ صاحبعالم مرزا فروغ کی نظر پڑ گئے - اپنے نورِ نظر کے اس کلام موزون سے متبسم ہوئے - ہونہار سمجھکر اصلاح دینے لگے - یہ بھی ذہن کی رسائی - طبیعت کی شوخی - فکرِ بلیغ سے چند ہی روز میں اچھے مشاق ہو گئے - ابھی جوانی کی حد سے آگے نہ بڑھے تھے کہ ۱۰ - جون سنہ ۱۹۰۰ء کو ۳۱ برس کی عمر میں دنیا سے دوں کو خیرباد کہکر عالمِ جاودانی میں گھر جا بسایا - ترتیب تذکرہ کے موقع پر جس قدر اِن کے چھوٹے بھائی صاحب نے ان کا کلام بھیجا وہ ہی درج تذکرہ ہُوا +

ملو نہ غیروں سے عزت پہ حرف آئیگا ‎ ‎ کہ آب جا کے پھر آتی نہیں ہے گوہر پہ
اجل نے آنکھیں نکالی ہیں مجھپہ غصے کی ‎ ‎ نہیں ہے حلقہ جوہر تمہارے خنجر پہ
ساغر میں ہے ضیا جو رُخِ شعلہ تاب کی ‎ ‎ ہر بوند آفتاب ہے ساقی شراب کی

آثم

(آثم) حافظ حضور احمد خاں صاحب بریلی کے رہنے والے اور امیر مینائی کے شاگرد تھے گو ابتدا میں حکیم نیاز احمد خاں صاحب ہوش کو بھی اپنا کلام دکھایا تھا - تذکرہ منظور حق اِن کی یادگار ہے ۱۸۹۱ء میں کلکتہ جا کر تجارت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا اِن کے چند شعر درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

یوں محبت پہ مری ناز ہے اسکو اے چرخ ‎ ‎ شاد تھی جیسی دلِ قیس کو لیلا لے کر
حسینانِ جہاں دیکھیں جو اُسکے روئے روشن کو ‎ ‎ یہ حسرت ہو ملا دیں خاک میں سب اپنے جوبن کو
جو ہیں اہلِ کرم شرمندہ ہوتے ہیں وہ سائل سے ‎ ‎ جھکاتا ہے سرِ ساغر پہ شیشہ اپنی گردن کو

آرام

(آرام) منشی مکھن لعل صاحب کالیستھ دہلی کے رہنے والے تھے - میر انشاءاللہ خاں انشا کے شاگردوں میں خیال کئے جاتے ہیں اُنکے صرف یہ دو شعر دستیاب ہوئے - جن سے کلام کی فصاحت اور محاورہ کی لطافت ٹپکتی ہے ؎

ہمدمو مجھسے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل ‎ ‎ اسکو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

کیسے حال کی تجھکو نہیں خبر مطلق
تڑپ رہا ہے پڑا ایک نیم جاں کیسا

کرے ہے پند ہیں پند گو خدا کی شان
کہاں کا آج ہمارا یہ غمگسار آیا

رو رو کے خون اُس نے بھی حسرت نکال لی
عاشق کا تو نے خوں نہ بہایا تو کیا ہوا

آزادگاں کو مانع وحشت نہیں ہے قید
زلفوں میں تم نے دل کو پھنسایا تو کیا ہوا

ہے وہی غفلت اور وہی بے نیازیاں
احوال دل گر اُس کو سنایا تو کیا ہوا

یہاں بیخودی ہے مانع نظارہ ہم نفس
اُسنے جمال اپنا دکھایا تو کیا ہوا

آرزو مے کی مجھے کیا ہے کہ ساقی ہر دم
ان نگاہوں سے ہی سرشار ہوا جاتا ہوں

نگاہوں کے ملاتے ہی نہ تھا گویا کہ سینہ میں
عجب ہی دل کے لینے کا ہے ڈھب اُس شوخ پرفن کو

آخر اُس آہوئے رم خوردہ کو لایا ہی نہ کھینچ
میرے اس جذبۂ الفت کے اثر کو دیکھو

زاہد نہ توڑ بت کو کہ اس کا ہی ہے ظہور
کرتا ہے کیا معاملہ ناداں خدا کے ساتھ

رہتا ہے غم سدا ترے اِس مبتلا کے ساتھ
گویا کہ آشنا کو ہے ربط آشنا کے ساتھ

اس پر بھی بد دماغ وہ ہوتے ہیں یا نصیب
ہر چند بات کہتے ہیں ہم التجا کے ساتھ

وہاں بے نیازیوں سے نہیں کچھ خیال بھی
ہم لب کو کس امید پہ کھولیں دعا کے ساتھ

اس کو لڑائیوں کا کہاں ضعف سے دماغ
کیجے نہ جنگ آرزوئے مبتلا کے ساتھ

احباب جو کچھ حال کہیں میرا تو کہو سے
لے بیٹھے ہو تم ذکر کہاں کا مرے آگے

ہے ایک بوسہ پہ سودا ہمارے دل کا کہ ہم
لحاظِ نفع و خیالِ ضرر نہیں رکھتے

روز یُوں ہی وصل میں لازم ہے تمکو گفتگو
شوق بڑھتا ہے زیادہ آپ کی تکرار سے

آرزو کو بھی نہ افسوس قضا نے چھوڑا
عاشقوں میں ترے اک یہ ہی رہا تھا باقی

فارغ البال ہوئے تم بھی مجھے دے کر بوسہ
ابھی سو طرح کا ہے آپ سے دعوی باقی

بعد مرنے کے بھی اُسکی ہے تمنا باقی
سر تو باقی نہیں اور ہے وہی سودا باقی

(آرزو) منشی سید بندہ رضا خلف حکیم مولوی سید حسن رضا خاں بلگرامی وزیر شاہ اودھ سے انکا

آرزو

سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے ۔ ۱۲۷۸ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے ۔ عربی کی صرف و نحو منطق اور طب کی کتابیں علمائے لکھنؤ سے دیکھیں ۔ جب طبیعت نے شعر و سخن کی طرف میلان کیا تو منشی محمد زکی صاحب زکی بلگرامی اور شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کو اپنے کلام کا مشیر بنایا ۔ مرثیہ گوئی میں میر انیس کے شاگرد ہوئے اکثر مجالس عزا میں لکھنؤ سے باہر جانے کا بھی اتفاق ہوتا رہا ۔ کتب دینیات کی تصنیف کے علاوہ تین ۳ واسوخت اور ایک دیوان غیر مطبوعہ موجود ہے ۔ ترتیب تذکرہ کے ایام میں جو کلام براہ راست حضرت موصوف سے دستیاب ہوا شکریہ کے ساتھ درج تذکرہ کیا جاتا ہے طبیعت میں جودت اور کلام میں بلند پروازی پائی جاتی ہے ؎

ہوئی ایذا میں راحت یہ ہے احساں دشمنِ جاں کا
لبِ زخمِ جگر پر لی جو چٹکی لگ گیا ٹانکا

زلیخا نے تو رسوائی میں کچھ باقی نہ رکھا تھا
خدا پردہ نہ رکھ لیتا اگر یوسف کے داماں کا

کیا ہم سے تمکو کام ہے غیروں کی لو خبر
ناخوش ہیں یا کہ خوش ہیں تمہاری بلا سے ہم

بتوں کے دور میں اچھی بڑہی توقیر پتھر کی
جدہر دیکھو ادہر پجنے لگی تصویر پتھر کی

نہ منہ سے بولتے ہو کچھ نہ سر سے کھیلتے ہو کچھ
اجی کیوں آدمی سے بن گئے تصویر پتھر کی

نہ دیکھا اک نظر مڑ کر ادہر سے بار ہا نکلے
بڑے ناآشنا نکلے بڑے تم بیوفا نکلے

یہ کیا جب آؤ تو ہنستے ہوؤں کو تم رلا جاؤ
کرو وہ بات دل سے ایک عالم کی دعا نکلے

دوبارہ جان بخشی آرزو کو ایک بوسے میں
دکھایا معجزہ عیسیٰؑ کا تم معجز نما نکلے

آرزو

(آرزو) نواب جعفر علی خاں رئیس کرنول علاقہ ریاست حیدر آباد دکن ۔ جناب محفوظ شاگرد حضرت داغ مرحوم سے مشورہ کرتے ہیں زیادہ حال معلوم نہیں ۔ گو حضرت محفوظ کے شاگرد ہیں مگر کلام میں جناب فصیح الملک داغ کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں ؎

شوق تھا تیغ آزمائی کا +
کہئیے کیا حال ہے کلائی کا

بخدا ان بتوں کے ہاتھوں سے
تنگ ہے قافیہ خدائی کا

بن ٹھن کے پیش داورِ محشر چلے تو ہو	ہو جائے سامنا نہ کہیں دادخواہ کا
ہوئی جاتی ہیں وہ ترچھی نگاہیں پار سینوں کے	دلِ خوں گشتہ پر تیر ونکی یہ بوچھار کیسی ہے
عشق میں ایسے ہو گئے بیخود	دل کے جانے کی بھی خبر نہوئی

آرزو

(آرزو) منشی ممتاز احمد صاحب خلف دوم امیرالشعراحضرت امیر مینائی مرحوم قریباً ۴۰ سال کی عمر ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - کیوں نہ کہیں کس باپ کے بیٹے ہیں - طبّاعی - ذہانت - قابلیت اِن کا خاندانی ورثہ ہے - بیان میں صفائی - کلام میں مزہ - خیال پاکیزہ ہے - زبان اچھی ہے مطلب سلیقے سے ادا کرتے ہیں - اشعار ذیل انکی موروثی طبیعت کا نتیجہ ہیں

پہلے سنگھا کے زلف مجھے لاؤ ہوش میں	پھر مجھسے پوچھنا مرے بیمار کیا ہوا
ہو کے برباد کسی کا قدِ بالا دیکھا	خاک میں مل کے قیامت کا تماشا دیکھا
یہ ہچکیاں نہیں کشتوں کی زیرِ خنجرِ ناز	دعائیں مانگتے ہیں اپنے قدرداں کے لئے
وہ حور ہے مرے گھر میں رقیب جلتے ہیں	تڑپ رہے ہیں پڑے دوزخی جناں کے لئے
ذرا سا دل ہے وہ کیا مجھکو آزمائیں گے	کلیجا چاہیے عاشق کے امتحاں کے لئے
گئے وہ قہر بھری انکھڑیاں دکھا کے مجھے	پیالے زہر کے تھے چلدئے پلا کے مجھے
کسی کا نقشِ قدم لے کے راہ میں بیٹھیوں	کہ لوگ سجدہ کریں ہر طرف سے آ کے مجھے
سنگھائیں آپ اگر بوئے گیسوئے مشکیں	اٹھائے غش سے اُسیوقت ہوش آ کے مجھے
دہائی داورِ محشر کی ہو مرا انصاف	بتوں نے لوٹ لیا ہے غریب پا کے مجھے
بے وفائی کے گلے پر ناز سے کہنے لگے	بیوفا کو کیوں دیا دل تم سے نادانی ہوئی

(آرزو) صاحبزادہ محمد یونس خاں عرف چھٹن صاحب - آپ صاحبزادہ محمد اسفندیار خاں مرحوم عزیز والئ ٹونک کے فرزند ارجمند ہیں اور اعتبارالملک منشی سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی کے شاگردِ رشید - عمر میں نوجوان - صورت شکل میں نہایت وجیہ - خوش وضع - خوش فکر - رئیس زادے ہیں - شکار کا بہت شوق ہے گھوڑے پر خوب سوار ہوتے ہیں - ایک لاکھ روپے کے قریب

سالانہ جاگیر ہے - ان کا ہر ایک شعر جولانی طبع کا نمونہ ہے جب عالم نو مشقی میں یہ کیفیت ہے
تو آیندہ ترقی کرنے کی کیوں نہ امید ہو چند اشعار ذیل ہدیہ ناظرین ہیں ؎

تاریکی لحد کا ہو کیا آرزو خطر
ہے داغ دل چراغ ہمارے مزار کا

میں جھوٹا ہوں تو مجھ جھوٹے سے پردہ کی ضرورت کیا
جو سچے ہو تو چھپتے مجھ سے کیوں روز جزا تم ہو

تمہاری آرزو تو مینے کی ہے مجھ سے تم بگڑو
خطائے آرزو کیا آرزو سے کیوں خفا تم ہو

آرزو

(آرزو) منشی سید انوار حسین لکھنوی خلف اصغر میرزا ذاکر حسین - یاس شاگرد جناب جلال لکھنوی
پہلے ان کا تخلص - امید تھا - اب آرزو ہے - تیس بتیس برس کی عمر ہے طبیعت میں روانی
ہے - صاف صاف اور سیدھا سیدھا مزیدار کلام ہے زبان بھی اچھی ہے - روزانہ مشق آیندہ
ترقی کی گواہی دیتی ہے اشعار ذیل زیب تذکرہ ہیں ؎

کوئی امید نہیں اور جان دیتے ہیں
یہ دل ہے ہجر کے صدمے اٹھانیوالوں کا

وہ باتیں کرتی ہو تم کم نہیں جو نشتر سے
یہی علاج ہے میرے جگر کے چھالوں کا

یہ بلائیں اگر آئیں تو مجھی پر آئیں +
اُن کی زلفیں ہوں پریشاں تو مرے شانوں پہ

کلمہ پڑھ کر ہوئے جاتے ہیں بتوں کے بندے
قہر ٹوٹا ہے خدا کا یہ مسلمانوں پہ

دل کا آنا دے رہا ہے جان جانے کی خبر
انتہا پہچان لی ہے ابتدا کو دیکھ کر

اثر آفت کا ہے سوز نہاں میں
کہ دل میں آگ ہے چھالے زباں میں

ترا دل نرم کر سکتے نہیں صرف
وگرنہ لاکھ تاثیریں فغاں میں

بچے کیا غیر کی کاوش سے دامن بزم جاناں میں
بہت ابھرا ہے یہ کانٹا جگہ پا کے گلستاں میں

ترقی چاہئے اب اے زلیخا سوز پنہاں میں
کہ سنتے ہیں اندھیرا ہے بہت یوسف کے زنداں میں

کیا ترک تعلق گل سے نگہت نے گلستاں میں
نکل چل تو بھی تن کو چھوڑ کر اے روح زنداں میں

یہ ہیبت جسکی آمد میں ہے جلوہ اسکا کیا ہوگا
کہ تیرہ ہو گیا دن بھی خیال شام ہجراں میں

ان حسینوں نے نہ چھوڑا کوئی پہلوئے ستم
کہ جفا دوست کو ایذا بھی یہ کم دیتے ہیں

شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو فرماتے ہیں / ڈھونڈ کر کوئی حسیں اور لگا لے دل کو

آرزو عشق میں تنگ آئے ہیں ایسے اس سے / خود کئے دیتے ہیں دشمن کے حوالے دل کو

رکھے دیتے ہیں اسے مجمع خوباں میں ہم آج / مستحق جو کہ ہو اس کا وہ اٹھا لے دل کو

حال اور وہ بیوفا پوچھے مگر مطلب یہ تھا / شکر ہو جائے شکایت تا زباں آتے ہوئے

ادھر ہوش آیا ادھر تیری یاد / یہ پھر کھائی ٹھوکر سنبھلتے ہوئے

درد فرقت اسی باعث سے سوا ہوتا ہے / تیرا خنجر جو گلے مل کے جدا ہوتا ہے

در پہ اک بت کے جبیں سا ہیں مسلماں ہو کر / جو مقدر کا لکھا ہے وہ ادا ہوتا ہے

بیخود عشق ہوں میں مست مئے حسن وہ ہیں / ہوش دونوں کو نہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

ہزار جاں سے اس روٹھنے کے میں صدقے / کہ دل لبھانے کی جس میں ادا نکلتی ہے

پسند آئی ہے اس درجہ کو سننے کی ادا / کہ مرنے والے کے دل سے دعا نکلتی ہے

نشانہ دل کا اڑا دے کوئی تو ہم جانیں / سنا ہے آپکے ناوک خطا نہیں کرتے

آپ مٹ جائیں ہم مگر دل سے / داغ الفت نہیں مٹانے کے

جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں / صدقے اس منہ چھپا کے جانے کے

زبانوں پر لگا دی ضبط نے مہر خاموشی / کہیں ان دردمندوں سے شکایت ہونیوالی ہے

نکلنے کے لئے بیتاب ہے وہ مہر پردے سے / سنبھل جا دیکھنے والے قیامت ہونیوالی ہے

گرا ہے پاؤں پر سر کٹ کے ٹھکرانے کے پہلے قاتل / جبیں پر ثبت اک مہر شہادت ہونیوالی ہے

یہ کہتا ہے ترا گردن جھکا کر حال دل سننا / کہ شکوہ کرنے والے کو ندامت ہونیوالی ہے

فرقت میں ساتھ چھوڑ دیا کیوں جناب دل / خود ہو گئے الگ ہمیں آفت میں ڈال کے

زباں جسکی نہو جز صبر وہ فریاد کیا جانے / دہان زخم او بیداد گر فریاد کیا جانے

دعا بھولے سے بھی لب تک نہیں آئی جدائی میں / جو مرتا ہو بتوں پر وہ خدا کی یاد کیا جانے

(آرزو) حافظ محمد احمد صاحب۔ غالباً امیر مینائی کے شاگردوں میں خوش کلام چلبلی طبیعت کے

آدمی ہیں-اِنکے کلام سے طبیعت کی جودت اور مضمون آفرینی ٹپکتی ہے ؎

دل بچنے کی اب کیا کوئی تدبیر نکالے	سینے پہ چڑھے بیٹھے ہیں دل چھیننے والے
ہم ہاتھ ملیں خونِ دل آنکھوں سے بہاکر	ھیہات کہ بوسے ترے ہاتھونکے حنا لے
اے آزؔ نہ بیدل ہو غمِ عشقِ بتاں میں	کھاتے ہیں یونہی ٹھوکریں سب چاہنے والے

آزاد (**آزاد**) میر فقیر اللہ دکنی- طبقہ اول کے شعرا میں گذرے ہیں-شاہ ولی الدین-ولیؔ کے ہمعصر اور اپنے وقت کے مسلم الثبوت اُستاد تھے-درویشانہ اوقات بسر کرتے تھے- افسوس کہ اب ان کا کلام نہیں ملتا صرف ایک شعر دستیاب ہُوا جو لکھا جاتا ہے ؎

سب صنعتیں جہاں کی آزادہم سکو آئیں	پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد (**آزاد**) منشی رام سنگھ دہوی-گو بعد تحصیل علم نابینا ہو گئے تھے مگر دل کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں شعر گوئی میں ایسا ملکہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے شاعر اُنکے سامنے غزل پڑہتے چکراتے تھے- نواب مہدی علیخاں **عاشق**-صاحبِ تذکرہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے تھے-اپنے عہد کے جرأت مانے جاتے تھے- افسوس کہ اِن کا کلام تلف ہو گیا صرف ایک شعر ہاتھ لگا جو تیمناً درج کیا جاتا ہے ؎

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اَور ہے	طور چشمک اور ہے طرحِ تبسّم اَور ہے

آزاد (**آزاد**) حسان الہند مولانا سید غلام علی واسطی بلگرامی- میر عبدالجلیل بلگرامی کے نواسے تھے-انہوں نے ہندوستان کے عربی گوشعرا کا تذکرہ موسوم بہ سبحۃ المرجان عربی زبان میں لکھا ہے جو بمبئی کے علاوہ مصر میں بھی شایع ہُوا ہے-عربی-فارسی کے زبردست عالم-ادیب اور ایک قادر الکلام سخنور تھے-فارسی گوشعرا کے بھی دو تذکرے لکھے ہیں ایک کا نام سروِ آزاد اور دوسرے کا خزانۂ عامرہ ہے یہ چھپے ہوئے ملتے ہیں-خزانۂ عامرہ میں صرف اُن شعرا کو لیا ہے جنہیں اپنے کلام کے صلے میں امرا کی سرکاروں سے انعام یا خلعت مِلا-ایک تذکرہ موسوم بہ مآثر الکلام فی التاریخ بلگرام بھی انہیں کی تالیف ہے اسمیں خاص بلگرام کے علما وصلحا وشعرا کے حالات درج ہیں- ایک

تذکرہ موسوم بہ شجرۂ طیبہ اپنے خاندان کا لکھا ہے۔ آخر الذکر دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ اُردو زبان میں بھی ایک جو ہے بلی نامہ رقم کیا ہے۔ سید صاحب ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ ہجری کو بلگرام میں پیدا ہوئے اور اپنی عمر کا اخیر حصہ اورنگ آباد دکن میں بسر کیا۔ یہاں انکی زرخرید جائداد اب تک موجود ہے۔ قصیدہ گوئی اور تاریخ میں ید طولیٰ حاصل تھا بعض کا خیال ہے کہ اُردو زبان میں حکیم قایم چاندپوری سے مشورہ لیتے تھے۔ ۲۱۔ ذیقعد ۱۲۰۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا ان کی ایک غزل دستیاب ہوئی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ؎

کیا دھواں دھار اس مسی سے اسکی ہے تحریر لب	دل جلوں کا ہے یہ دُود آہ دامن گیر لب
جسکی ٹھوکر سے مسیحائی ہو اسکے لب کو میں	گر لب عیسیٰ سے دوں تشبیہ تو ہے تحقیر لب
دانہ خال لب سے اسنے دام میں باتوں کے آہ	کل دکھا کر مرغ دل میرا کیا تسخیر لب
تیری تحریر مسی نے قتل اک عالم کیا	ہے بجا اسکو میاں کہیے اگر شمشیر لب
باد کی تحریک سے ہلتے جو دیکھا برگ گل	پھر گئی اس بت بنے کی آنکھوں میں تصویر لب
کیا مسی یہ رنگ یاں ہے زلف مشکیں کی قسم	پھر یہ کس سودائی کا ہے خوں گریباں گیر لب
اس بت پُرفن کی میٹھی باتوں کے افسوں سے ہیں	وحش و طیر و انس و جن مور و ملخ تسخیر لب
اسکی باتوں سے کلیجا چھن کے چھلنی ہوگیا	آہ یہ باتیں نہیں ہیں بلکہ ہیں یہ تیر لب
لب ہلانا روبرو قایم کے ہے ترک ادب	عذر کر آزاد تا ہو عفو یہ تقصیر لب

ایک دو مصرعی تاریخ ہندی میں بھی کہی تھی وہ یہ ہے ؎

بھلی تاریکھ ہندی موں کہانی	رہے آنند سوں یہ پتر گیانی

(آزاد) کپتان الگزینڈر ہیدرلی۔ مسٹر جیمس ہیدرلی فرانسیسی کے چھوٹے بیٹے ایک مسلمان شریف زادی کے بطن سے تھے۔ ان کے والد اُن چند یوروپین سے تھے جنہیں ہندوستان جنت نشان کی آب وہوا خصوصاً دارالسلطنت شاہجہاں آباد کی دلچسپیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا چنانچہ ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لینے کے باعث اُنھیں کی طرز معاشرت بھی اختیار

کرلی تھی- الگزینڈر ہیدرلی کی تربیت و پرورش دہلی کے شرفائے اہل اسلام کی مانند ہوئی اور یہیں کی صحبتوں نے ان میں شعروسخن کا مذاق پیدا کردیا- اٹھارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے- طبیعت کی شوخی اور چلبلے پن نے اپنا ظاہری رنگ بھی اُن پر چڑھادیا جسکے سبب سے بہت جلد ان کا نام بدلہ سنج احباب کی زبانوں پر چڑھ گیا ہیدرلی کی زندہ دلی اور رنگین مزاجی نے اخیر دم تک انکی صحبت کو مرجع ارباب مذاق بنائے رکھا- آغاز شباب میں آگرہ چلے گئے تھے مشورۂ سخن نواب زین العابدین خاں عارف سے لیتے تھے جنکی تعریف میں ایک قصیدہ بہاریہ اور ماتم میں ایک مرثیہ مع تاریخ وفات ان کے دیوان میں موجود ہے -فن طب میں بھی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی تھی - مریضوں کا صرف علاج ہی نہیں کرتے بلکہ دوا بھی اپنے پاس سے مفت دیتے تھے - اس طریق عمل سے شہرت بڑھتی اور دولت گھٹتی گئی مجبوراً ملازمت اختیار کی جو انکی شان کے لایق ریاست الور میں مل گئی- انکی وجاہت ولیاقت سے امید تھی کہ توپ خانہ کی کپتانی سے جلد ترقی کر کے کسی اعلیٰ منصب پر پہنچیں گے مگر تفنگ اجل نشانہ لگائے بیٹھا تھا اسنے اتنی مہلت نہ دی اور ۷- جولائی ۱۸۶۱ء میں بتیس ۳۲ برس کی عمر پاکر ملک جاودان کو سدھارے-

ان کے بڑے بھائی طامس ہیدرلی نے جو ریاست بھرت پور میں ڈپٹی تھے اپنے بھائی کے دوست میر شوکت علی فتحپوری کی مدد سے ان کا متفرق کلام جابجا سے جمع کر کے ترتیب دیا اور ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ میں شایع کرایا- دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں رنگینی اور مضمون آفرینی کا خاصا مادہ تھا- زبان بھی سلیس پائی تھی -سنگلاخ زمینوں میں صفائی زبان رسائی خیال کا لطف دکھایا ہے -قطعات میں بھی کہیں کہیں اچھوتے خیال- پاکیزہ بول چال کا پتہ لگتا ہے - اخیر میں ناسخ وغالب کی دوغزلیں تضمین کی ہیں ان خمسوں سے کپتان آزاد کی سخن فہمی ونکتہ سنجی صاف ظاہر ہے - خلاصۂ کلام یہ ہے ؎

واعظوں سے جو سنا کرتے تھے جنت کا نشاں　　جب کہ تحقیق کیا کوچۂ جاناں نکلا
کیا کہوں اُسکا شب ماہ میں عالم آزاد　　وہ فلک پہ یہ زمیں پر مہِ تاباں نکلا

سے پی کے تجھے دیکھئے تو لطف ہے دونا
وہ گرم روِ راہ معاصی ہوں جہاں میں
کچھ پاؤں میں طاقت ہو تو گردشت نوردی
کھلتی ہی محبت ہی تری اور نہ عداوت
تیروں کی جراحت جو مرے سینہ میں کم ہے
چہلم کو عیادت کے لئے وہ مری آئے
ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا
دیکھا وہ جہاں میں جو نہ دیکھا تھا ولیکن
جب کعبہ سے بتخانہ میں آیا میں تو آزاد
جب مصیبت آپڑی جز صبر بن آتا نہیں
غموں سے گھل کے نہ کچھ تیر سے خستہ تن میں ہا
زہر قاتل ہے دوا درد محبت کے لئے
کیا کریں تم نے گر چرائی آنکھ
سُن چکے حال بس ترا آزاد
ہو گیا کچھ کشش دل میں اثر آپ سے آپ
کوئی باعث نہ کوئی وجہ نہ موجب نہ سبب
سوکھتا غم سے میرے حق میں ہوا ہے مرہم
کاہش تن او ضعف سے آزاد عشق میں یاں تک پہونچی ہے نوبت
ترک عادت بھی تو بیجا ہے چھٹے کیونکہ شراب
چمن کوچۂ جاناں کا خریدار ہوں میں
ہم وہ آزاد زمانہ ہیں کہ اکثر اوقات

دیکھیں تری آنکھیں تو نشا اور بھی چمکا
گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا
ہاتھوں سے مزا دیکھ ذرا جیب دری کا
ہے سب سے نیا ڈھنگ تری عشوہ گری کا
باعث ہے ستمگر یہ تری کم نظری کا
آزاد ٹھکانا بھی ہے اس بے خبری کا
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا
دریائے محبت کا نہ ساحل نظر آیا
جلوے مجھے واللہ نظر آئے ہیں کیا کیا
نو گرفتار قفس پھڑ پھڑا کے رہ گیا
رہا تو کچھ یونہیں دھوکا سا پیرہن میں رہا
تھا مرا فیصلہ اک دم میں جو در ماں ہوتا
آپ سے کچھ لڑا نہیں جاتا
ہم سے آگے سنا نہیں جاتا
آ گئے کل وہ یکایک مرے گھر آپ سے آپ
کھچ گیا ہم سے بتِ رشک قمر آپ سے آپ
ہو گئے خشک مرے زخم جگر آپ سے آپ
کو وہ ہوا ہے رائی ہم کو کن کی بدولت انکی بدولت
ہو جو ہے آمدِ ماہِ رمضاں اے واعظ
مفت بھی دے تو نہ لوں باغِ جناں اے واعظ
ذکر بت کرتے ہیں مسجد میں بھی ہاں اے واعظ

سارے عالم میں نہ کیونکر ہو مرا غم روشن — چرخ فانوس ہے اور آہ ہے فانوس میں شمع +

تیرہ روزی میں نہ کیوں آہ غنیمت ہووے — ہے یہ ظلمت کدۂ عاشقِ مایوس میں شمع

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے — سر دُھنا کرتی ہے پروانہ کے افسوس میں شمع

جب سے پایا دُشمنوں نے پانو کا میرے سُراغ — سر کے بل چلتا ہوں تب سے کوئے جاناں کی طرف

کھوئے گئے ہم ایسے کہ ڈھونڈا کئے مگر — آزاد ہمکو اپنا نہ پایا نشاں تلک

وہ اُس سے بلا میں ہے تو ہم اس سے غضب میں — آنکھوں سے گلا دل کرے اور دل سے گلا ہم

ہے سجدہ اودھر فرض جدھر رُخ ہے ہمارا — کاشانہ تیرا قبلہ ہے اور قبلہ نما ہم

ہنگامِ سحر بادہ گساری کا مزا ہے — اوقات کریں اپنی تلف بہرِ دعا ہم

ہیں شمع صفت انجمنِ دیر میں آزاد — سرگرم رہِ وادیِ اقلیمِ فنا ہم

جیتا نہ ایک دم بھی رہوں ہجرِ یار میں — مجبور ہوں کہ موت نہیں اختیار میں

پردہ ہمارا خاک اُڑانے میں رہ گیا — آئے نظر کسی کو نہ گرد و غبار میں

اولٹا جہاں میں گر ہمیں کھویں کہا کریں — سر کے ہی بل چلیں گے سدا کوئے یار میں

تنگی ہے میکشی کی بدولت جنوں نہیں — کپڑے گلے کے بک گئے فصلِ بہار میں

ہے مجکو وہم ہم ہی غیر راہ سے — چھوٹے بڑے ہیں نقشِ قدم رہگزار میں

بھولے نہیں ہیں تنگیِ کاشانہ یاد ہے — کرتے ہیں شکر لیٹ کے کُنجِ مزار میں

کیا گھر میں تمھارے در و دیوار کو دیکھوں — تم اپنی جو صورت سبھے مجھے دکھلاؤ تو آؤں

گر کوئی بُلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ ضد سے — آزاد کو محفل میں نہ بلواؤ تو آؤں

سبک جو کر کے مجھے تم نے کردیا ہلکا — تو پھول ہو کے تمہارے گلے کا ہار ہوں میں

سب پالیا بدن کے چُرانے کو دیکھکر — ہیں شوخیاں غضب تری شرم و حیا کے ساتھ

نہ پڑو جان کے پیچھے مرا پیچھا چھوڑو — لے کے دل دیں بھی لو پر مجھے جیتا چھوڑو

بھبھکا چھلکے نہ جن سے مرہم جلے نہ جن سے — اُن میں جلن نہو گی وہ داغِ غم نہونگے

اُس شرمگیں کی شرم کا اُٹھنا محال ہے
جاں تم اپنی بچاؤ گے کہاں تک آزاد

کب سے ہیں زنداں میں ہم دیکھو تو گھس گھس کر تمام
قالب ہوں اُسپہ عشق میں جو خشک و تر ملے

کی فقیروں کی بھی اغیار نے بندی آزاد
اندیشۂ فراق نے قصہ کیا تمام

اہل جنت کے لئے ہیں نہ وہ رضواں کیلئے
سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا

نازک بہت ہے کیونکہ وہ توڑے حجاب کو
یا مرو عشق میں یا عشق کا دعوے چھوڑو

طوق آدھا رہ گیا زنجیر آدھی رہ گئی
کھانے کو داغ پینے کو خونِ جگر ملے

اب درِ یار پہ کیا خاک رسائی ہوگی
کہتے تھے روز مر بھی کہیں لو جی مر چکے

جو مزے آج ہیں حاصل ترے درباں کیلئے
درد دیوار سرِ کوچۂ جاناں کے لئے

آزاد

(آزاد) میرزا اعظم شاہ - معروف زلفوں والے نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی - ذکی الطبع وجیہہ - قوی الجثہ - رند مشرب - آزاد وضع تھے - حافظ قطب الدین مشیر سے بھی مشورہ سخن کیا ہے - لکھنؤ میں نشو و نما پائی تھی - ان کے والد مرزا عادل شکوہ کو سرکار انگریزی سے گزارے کے لائق وظیفہ ملتا تھا مرزا اعظم شاہ انکے بڑے بیٹے تھے انکے والد صاحب اگرچہ سلوک ہوتے رہتے تھے مگر مذہبی تخالف کی وجہ سے کہ وہ شیعہ تھے اور یہ سنی باہم کشیدگی رہتی تھی سنہ ۱۳ ہجری تک زندہ تھے اجمیر اور دکن بھی گئے تھے آخر عمر میں دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی سَتّر برس سے زیادہ عمر میں انتقال کیا ہے

ہم یہ سمجھے تھے چھپائے گا گنہ گاروں کو
گھبرائے گا کیا جی مرا تنگیٔ قفس سے

وہ اور ہیں جنکی شبِ ہجراں کو سحر ہے
آزاد کو مت پوچھو کیا اُس کا ٹھکانا ہے

آزاد چپکا رہنا آنکھوں پہ سر بُرا ہے
عجیب اعجاز ان آنکھوں نے دکھایا چشم قاتل میں

پر بہت تنگ ہی محشر تراداماں دیکھا
سو بار بھی کیا ہو کے گرفتار نہ آیا

یاں شام ہوئی حشر کی اور یار نہ آیا
جس کوچہ میں دن گذرا واں شب بھی رہا ہوگا

پھٹ جائے گا کلیجہ کچھ بات بھی کیا کر
کہ اک تیر نگہ اور آکے بیٹھے لاکھ کے دل میں

تمھارا جذبۂ الفت جو لیجائے تو لیجائے		وگرنہ کام کیا ہم بیخودوں کا روزِ محشر میں
آزاد تیرے پاس نہ زر ہے نہ زور ہے	،	تجھسے کوئی ملے تو کس امید پر ملے
یہ تو کہیئے کہ ملے گا مجھے مرقد میں تو چین		یاد ہاں بھی ہے کوئی فتنہ اُٹھانا باقی

آزاد

(آزاد) شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب دہلوی۔ جنہوں نے تذکرۂ آبِ حیات لکھکر اپنے نام کو زندۂ جاوید بنادیا۔ مولوی باقر علی مرحوم دہلوی کے خلف الرشید ہیں۔ حضرت آزاد کے والد خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کے دلی دوست اور شمالی ہندوستان میں اُردو اخبار نویسی کے موجد تھے۔ حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کے سایۂ عاطفت میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور نکات عروض وفن سخن۔ انہیں کے فیض سے حاصل کئے۔ علوم مروجہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں پرانے دہلی کالج کے مشہور ترین یادگاروں میں سے ہیں۔ اس حُسن عقیدت اور خاص لحاظ سے جو انہیں اپنے اُستاد حضرت ذوق سے آج کے دن تک قائم ہے فی الواقع انکے شاگرد رشید بلکہ زندہ یادگار کہلانے کے صرف یہی مستحق ہیں اپنے اُستاد کی بدولت اکثر نامی گرامی اشخاص سے ملتے جلتے رہے اور معرکہ کے مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کمال حاصل کیا اسمیں زیادہ حصہ اُستاد کی فیض صحبت کا ہے۔ حضرت ذوق کی وفات کے بعد بڑی سرگرمی و تن دہی سے انکے کلام کی ترتیب کے اہم کام میں مصروف ہوئے مگر افسوس ہے کہ ہنگامہ غدر نے کئی سال کے علی الاتصال محنتوں اور مشقتوں کا یک قلم نشان مٹا دیا یعنی وہ تمام مجموعہ دہلی کی تباہی کے وقت برباد و تاراج ہوگیا اور حضرت خاقانی ہند کے صلبی فرزند کے ساتھ روحانی اخلاف بھی واصل رحمت الٰہی ہوئے۔ حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کی وفات کے بعد حکیم آغا جان صاحب عیش سے بھی جو دربار شاہی میں بزمرہ اطبا منسلک تھے استفادہ کیا ہے۔ جناب آزاد کی تصانیف میں سے کوئی مجموعۂ نظم ۱۸۶۷ء سے پہلے کا دستیاب نہوا چند غزلیں جو کلام آزاد میں طبع ہوئی ہیں وہ غدر کے بہت بعد کی کمائی ہے۔ غالباً پرانا ذاتی سرمایہ بھی غدر ہی میں تلف ہوگیا۔ آزاد اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد ۱۸۵۷ء کے اخیر میں عیال و اقربا کے ہمراہ

لکھنؤ پہنچے وہاں کے مشاہیر سے ملے اور کچھ عرصہ تک اطراف و جوانب میں سفر کرتے پھرے
۱۸۶۴ء میں تقدیر راہ پر آئی لاہور آکر سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے۔ حضرت آزاد کی
بابرکت زندگی کا بڑا حصہ لاہور ہی میں گذرا ہے انجمن پنجاب کے جلسوں کا بانی اگر آپ کو کہا جائے
تو بیجا نہیں۔ انہیں کی کوششوں سے حکام بالا کی عموماً اور افسران تعلیم کی خصوصاً زبان اُردو
کی نشوونما اور ترقی کی طرف خاص توجہ مبذول ہوئی یہ بھی آپ ہی کی کوشش کا یادگار نتیجہ تھا
کہ نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب کے قدوم میمنت لزوم سے انجمن پنجاب میں مشاعرہ کی بنیاد
پڑی۔ حضرت آزاد کچھ عرصہ تک اسسٹنٹ سکرٹری رہے اور یونیورسٹی کالج کے صیغہ علوم
مشرقی میں بعہدہ پروفیسری مدتوں کام کیا۔ اسی اثنا میں تعلیمی کاموں کے علاوہ ملکی خدمات
بھی وقتاً فوقتاً کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ۱۸۶۵ء میں بکار سرکار کلکتہ کا
سفر کیا اور کچھ دنوں بعد پنڈت من پھول صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے ہمراہ کابل و بخارا
کا سفر کیا ۱۸۸۵ء میں دوبارہ ایران گئے۔ کرنل ہالرائیڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم
پنجاب نے جناب آزاد سے قصص ہند کا دوسرا حصہ لکھوایا جو مصنف کی اعلیٰ زباندانی و لیاقت
کی شہادت دے رہا ہے۔ اُردو زبان کی ترقی کے واسطے جس شخص نے کہنہ طرز سخن کو
بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی تعشقانہ خیالات کو قدرتی مضامین کی طرف سب سے پہلے
ڈھالا وہ کس کی لیاقت کا نتیجہ ہے سچ پوچھو تو انہیں حضرت آزاد کی آزادانہ طبیعت کا ظہور ہے
اس طرز کے رواج دینے کو آپ نے پہلے بطور نمونہ چند چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں۔ یہ طرز ایسی مقبول
خلائق ہوئی کہ وہ پرانے اور نامی ایشیائی شاعر جنکی طبیعتوں پر پرانی روش اپنا سکہ جما چکی تھی یک قلم
بھول گئے اور بمصداق کل جدید لذیذ اس نئی مفید طرز پر ایسے فریفتہ و دلدادہ ہوئے کہ کہ دمہ
نے یہی رستہ اختیار کر لیا۔ شمس العلما مولوی حالی صاحب کی جدید شاعری اور جزرومد اسلام کا
رہنما حضرت آزاد ہی کا روشن خیال ہے۔ جناب آزاد نے اپنے نیرنگ خیال کے دو حصے
۱۸۸۰ء میں تالیف کئے۔ اسمیں زیادہ تر انگریزی روش کا پرتو ہے جس میں مضمون نویسی کی

جدید طرز کا چربہ اُتارا ہے۔ تذکرۂ آبِ حیات جو مشاہیر شعراء اُردو کا مُنہ سے بولتا تذکرہ ہے اسی
روشن دماغ کی قابل قدر تالیف ہے۔ یہ کتاب طرز بیان۔ سلاست زبان۔ شستگی الفاظ۔
برجستگی۔ بیساختگی۔ روشن خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے اس نادر تالیف کی جسقدر تعریف و توصیف
کی جاے کم ہے۔ یہ تذکرہ تمام تذکروں سے ہر طرح فایق و ممتاز ہے اسلئے کہ محققانہ طریقے
سے ہر ایک شاعر کا حال قلمبند کیا ہے اور ہر پہلو پر انصافاً نظر ڈالی ہے حق یہ ہے کہ پروفیسر آزاد
کا رنگ تحریر ایسا موثر اور شوق انگیز ہے کہ اُسکی نظیر اسوقت تک نہیں دیکھی گئی سیدھے سیدھے
صاف اور سادے بیان میں جا بجا رنگینی طبع کی ایسی جدولیں کھینچی ہیں کہ کہیں بھی بھونڈا پن جھلکنے
نہیں دیا۔ سیدھی بات کو پیچدار الفاظ میں بیان کر جاتے ہیں مگر کیا مقدور کہ پڑھنے والے کو مطلب
سمجھنے میں ذرا بھی دقت یا رکاوٹ ہو۔ انکی ایک پُرانی تالیف موسوم بہ دربار اکبری۔
جسے خود ترتیب و نظر ثانی کر کے نہ چھپوا سکے حال میں شایع ہوئی ہے مگر اس صورت میں بھی
یہ کتاب عبارت کی رنگینی کے اعتبار سے اُنکی بہترین تصنیفات میں ہے۔ کچھ عرصے
پیرانہ سالی او بعض امراض کی وجہ سے دماغ کی حالت خراب ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی اس
دلاویز تصنیف کو خود نہ چھاپ سکے مگر اس بگڑی ہوئی حالت پر بھی جب کبھی قلم دوات کے نصیب
کُھلجاتے ہیں تو عجیب عجیب گُل افشانیاں کرتے ہیں کہ اب کوئی ذی ہوش بھی ایسی گُلکاریاں
نہیں دکھا سکتا۔ اس زمانہ کی دو ایک تالیفیں جنہیں پروفیسر صاحب الہامی باتیں کہتے ہیں
مولوی ممتاز علی صاحب نے چھپوا دی ہیں جن میں سے ایک رسالہ کا نام سیاک و نماک رکھا ہے
اس جنون کی ابتدا ۱۸۸۹ء سے ہوئی ہے مکرمی و معظمی جناب عموی رائے بہادر
ماسٹر پیارے لال صاحب فرماتے ہیں کہ جنون کے شروع میں ایک دن آزاد مجھسے ملنے آئے
اور تقریباً دو ڈھائی گھنٹے باتیں کرتے رہے مگر ان الفاظ کے بجز اور کچھ زبان پر نہیں لائے (رائے
صاحب آپ اس شعر کو پڑھا کیجیے اور اسکے معنی آپ جو چاہیں سمجھ لیں شعر

پردۂ رخسارِ صنم اُٹھ نہیں سکتا		پردہ درِ کعبہ سے اُٹھا دینا ہے آساں

جناب ماسٹر صاحب ممدوح وہ شخص ہیں جنہوں نے جناب آزاد کی از ابتدا تا انتہا بہت حالتیں
دیکھی ہیں اور وقتاً فوقتاً بہت سے کاموں میں انکو مدد دیتے رہے ہیں - ماسٹر صاحب فرماتے
ہیں کہ جب ۱۸۵۶ء میں حضرت آزاد پنجاب میں وارد ہوئے تو اول اول مولوی رجب علی صاحب
کے پاس جگرانواں میں مقیم رہے پھر مولوی صاحب کے ذریعے سے پنڈت من پھول صاحب لفٹنٹ
گورنر صاحب کے میرمنشی کے پاس آئے اور میرمنشی صاحب کی سفارش سے لاہور میں ڈائرکٹر
سررشتہ تعلیم کے دفتر میں پندرہ روپے ماہوار کے ملازم ہوئے - اونیٰ عہدہ کی وجہ سے نہیں
ایسا موقع ملتا تھا کہ اپنی لیاقت و استعداد کو اعلیٰ افسروں پر ظاہر کریں - اسکے علاوہ میجر فلر صاحب
ڈائرکٹر اگرچہ عربی فارسی کا مذاق رکھتے تھے - علم دوست تھے مگر اجنبی کے لئے انکا ظاہری رعب
داب اُن تک پہنچنے میں سدِ راہ تھا - اتفاق سے اسی زمانہ میں جناب قبلہ ماسٹر صاحب موصوف
کسی سرکاری کمیٹی میں شریک ہونے کی غرض سے لاہور تشریف لائے چونکہ فلر صاحب
ماسٹر صاحب سے ازحد مانوس تھے - اس موقع پر حضرت آزاد نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ ہم کو
میجر صاحب سے نہیں ملادیتے؟ ماسٹر صاحب نے ان سے وعدہ کرلیا اور موقع کے منتظر رہے -
کمیٹی سے فارغ ہوکر میجر صاحب سے جو ملے تو صاحب نے ایک تحریر ماسٹر صاحب کو دکھائی
اسمیں صاحب بہادر نے لفظ (ایجاد) کو مونث لکھا تھا - ماسٹر صاحب نے دیکھکر اعتراض کیا کہ
یہ لفظ مذکر بولا جاتا ہے - صاحب نے جواب میں فرمایا مولوی کریم الدین صاحب سررشتہ دار کو یہ تحریر
دکھائی ہے وہ اس عبارت کی صحت کے ذمہ دار ہیں - مولوی صاحب بلائے گئے میجر صاحب
نے ماسٹر صاحب کا اعتراض بیان کیا - مولوی صاحب نے جواب میں سند چاہی - عالی جناب
ماسٹر صاحب نے حضرت آزاد کے لئے یہ موقع مناسب خیال کرکے میجر صاحب سے کہا کہ
آپ کے دفتر میں ایک شخص محمد حسین آزاد دہلی کے رہنے والے ہیں انہیں مثال کے ہزاروں
شعر یاد ہیں - یہ سنتے ہی آزاد صاحب طلب کئے گئے اور فلر صاحب بہادر نے اُن سے
دریافت کیا کہ لفظ ایجاد مذکر ہے یا مونث؟ پروفیسر صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ مذکر -

صاحب نے سند مانگی انھوں نے برجستہ سودا کا یہ شعر پڑھ دیا شعر

ہاے کس بھڑوے کا یہ ایجاد ہے	نسخے میں معجون زر ابنساد ہے

اسوقت سے فلر صاحب کی خدمت میں حضرت آزاد کی رسائی ہوگئی اور کچھ ترقی بھی ہوئی اُسکے بعد کرنل ہالرائیڈ صاحب نے اُن کی قدردانی فرماکر پچھتر روپے کرکے سب اڈیٹر مقرر کردیا۔ جس اخبار کے یہ سب اڈیٹر ہوئے اسکے اڈیٹر راے بہادر جناب ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب تھے اخبار کا نام اتالیق پنجاب تھا۔ یہ اخبار سرکاری تھا۔ سلانہ قیمت پبلک کے اخباروں سے نسبتاً کم تھی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ سرکاری تھا اور زیادہ تر اس باعث سے کہ اڈیٹر و مددگار دونوں نہایت قابل و یگانۂ روزگار تھے یہانتک مقبول خاص و عام ہوا کہ اپنے ہمعصر اخباروں سے بدرجہا بڑھ گیا اسکے مضامین کی خوبی۔ عبارت کی برجستگی و خوش اسلوبی نے ہردلعزیز بنا دیا یہ کیفیت دیکھکر ہندوستانی اخباروں نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ گورنمنٹ کا رعایا کے مقابلے میں اخبار شایع کرنا درپردہ ملکی لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ گورنمنٹ کی عادلانہ پالسی نے یہ معقول عذر تسلیم کرکے اخبار مذکور کی جگہ ایک رسالہ پنجاب میگزین کے نام سے جاری کردیا۔ حضرت آزاد کے بعد خواجہ حالی نے بھی کچھدنوں اتالیق پنجاب کی سب اڈیٹری کا کام انجام دیا۔ چونکہ آزاد طبع حضرت آزاد کے مزاج میں کچھ تعلی و خودبینی کا مادہ بھی موجود تھا اِس وجہ سے اکثر اپنے معاصرین سے علمی نوک جھوک اور مخالفت رہا کرتی تھی۔ یہ پروفیسر صاحب کا خاندانی مذہب امامیہ ہے مگر بعض بعض باتوں میں اپنی ذاتی راے خاندانی مذہب سے الگ رکھتے ہیں انکی گفتگو اور بعض مضامین سے پایا جاتا ہے کہ آپ آواگون کے قائل ہیں بلکہ اس خیال کی تائید میں اکثر اوقات فرمایا ہے کہ ہمارے اُستاد ذوق بھی تناسخ کی صحت کے قائل تھے۔ اسوقت جگت اُستاد حضرت آزاد کو خدمات ماضیہ کے صلے میں گورنمنٹ سے پچھتر روپے ماہوار پنشن ملتی ہے۔ حضرت موصوف نے اپنی تصانیف اور کفایت شعاری سے خاصا سرمایہ جمع کرلیا ہے۔ یہ قابل زیارت پروفیسر لاہور موچی دروازہ میں رہتے ہیں۔ اور اب

نوٹ ۱۸۸۷ء کی جوبلی پر آپ کو شمس العلما کا خطاب ملا۔

پچھتر سال کے قریب عمر ہے اگرچہ دماغی عارضہ کے سبب اب عدم و وجود برابر ہے تاہم علم دوست طبیعتوں۔قدرداں نگاہوں کے لئے اِن کا شربت دیدار مسرت افزا ہے۔چنانچہ اس موقع پر یہ شعر حسب حال ہے ؎

تیری دانائی کے قائل تھے سب افلاطوں منش	شاعری نے کردیا اے داغ سودائی تجھے

حضرت ممدوح نے اپنی ذاتی تالیفات و تصنیفات کے علاوہ اپنے استاد ذوق کا حق شاگردی بھی کما ینبغی ادا فرمایا ہے یعنی اُستاد ذوق کا ایک دیوان خاص اپنے اہتمام سے مرتب کیا ہے جسمیں انکی سوانح عمری اور اوائل عمر سے بالترتیب کلام جمع کرکے دکھایا ہے کہ فلاں غزل فلاں قطعہ فلاں محل اور موقعہ پر کہا تھا۔یہ دیوان چھپ گیا ہے۔بعض لوگوں کا اسکی نسبت خیال ہے کہ آپ نے اسمیں جابجا تصرف کیا ہے بہرحال مجموعی حیثیت سے یہ امتیاز ضرور ہے کہ سابقہ مرتب دیوان سے اسکا کلام زیادہ ترصحیح ہے۔حضرت کی تالیفات و تصنیفات مطبوعہ ذیل ہیں۔ تذکرہ آب حیات۔نیرنگ خیال (دوحصہ)۔زباندان فارس۔ دربار اکبری۔ مجموعہ نظم اُردو۔قصص ہند کا دوسرا حصہ۔ابتدائی درسی کتب اُردو۔جامع القواعد فارسی۔قواعد اُردو اِن کے سوا بہت سی مختلف نظمیں اور مضامین۔جنون کے زمانہ کی سیاک و نماک مزید برآں ہیں۔اُردو نظم کا انتخاب یہ ہے :۔ ؎

بلا سے دشمن جانی مرا سارا جہاں ہوتا	کسی صورت سے اے جان جہاں تو جان جاں ہوتا
جو کوئی چوٹ دل کے ساتھ تیشے کے اثر کرتی	تو جائے آب ہر چشمہ سے شیریں خوں رواں ہوتا
صنم ہے گردش عالم نگاہ مہر سے تیری	اگر تو مہرباں ہوتا تو عالم مہرباں ہوتا
خدا کے واسطے آزاد رو کو نالۂ دل کو	کہ کوئی آن میں کون و مکاں ہی لامکاں ہوتا
ہاتھ جو میں گھرے گبر و مسلماں دونوں	ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا
سر اپنا کاٹ کے پھینک آیا کوسے قاتل میں	یہ بوجھ تھا مری گردن پہ سو اُتار آیا
جوان معرکہ حسن و عشق تھا آزاد	چلا نہ دل پہ جو قابو تو جان ہار آیا

ہم اُن سے دُور بظاہر ہزار بیٹھے ہیں پہ لاکھ جان سے دل میں نثار بیٹھے ہیں

ادھر بھی چشمِ عنایات ہو ذرا ساقی کہ مست دیر سے امیدوار بیٹھے ہیں

چمن میں اُلجھے ہوئے ہیں جو دامنِ گُل سے وہ دل ہیں بلبلِ شیدا کے خار بیٹھے ہیں

جلا کے ہجر میں تم نے جو خاک کر دیا دل ہم اُس کا داغ لئے یادگار بیٹھے ہیں

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ جو بظاہر حال بگاڑ بیٹھے ہیں یاں وہ سنوار بیٹھے ہیں

نگاہِ ناز کا ساقی کے ایک ہے یہ کمال کہ بزم ہو گئی مدہوش و یار بیٹھے ہیں

کمان ابروئے جاناں کے دل سے ہوں قرباں کہ جتنے تیر ہیں سینے کے پار بیٹھے ہیں

وہ صاف ہوویں گے کیا اپنے خاکساروں سے کہ آپ دِل پہ یہ بن کر غبار بیٹھے ہیں

تمہارے زلف کو تھے باندھتے پریشاں ہم سو دامن آج لئے تار تار بیٹھے ہیں

نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتا وہ صید افگن دلوں کو ہاتھوں پہ رکھے شکار بیٹھے ہیں

گئے وہ غیر کے گھر اُٹھ کھڑے ہو حضرتِ دل اب آپ کس کا کئے انتظار بیٹھے ہیں

عمامہ شیخ کا چھوڑیں گے کیا بھلا وہ رند جو اپنی پگڑی کو پہلے اُتار بیٹھے ہیں

قمارِ عشق میں اب کیا لگائیں گے آزاد کہ نقدِ دل کو تو پہلے ہی ہار بیٹھے ہیں

دلوں میں کرتے جو اُلفت سے ہیں جہانداری جہاں کو ایک نظر میں غلام کرتے ہیں

اس دلِ پُر داغ سا گلشن میں اک لالہ تو ہو پر یہ گُل جیسا ہے کوئی دیکھنے والا تو ہو

آفریں ہمت کو اُس کی دل کی جس نے عشق میں جاں تک پیاری نکی ایسا جگر والا تو ہو

ایک ہی ساغر میں کچھ ایسا پلا دے ساقیا بے خبر دنیا و دیں سے تیرا متوالا تو ہو

ہاتھ خالی مردمِ دیدہ بتوں سے کیا ملیں موتیوں کی پنجۂ مژگاں میں اک مالا تو ہو

ناخنِ خار آ کے خود عقدہ ترا کر دے گا وا پہلے پائے شوق میں پیدا کوئی چھالا تو ہو

کچھ نہ کچھ آزاد کو بھی چاہیئے دل بستگی گر نہ ہو بتخانۂ چیں سیرِ بنگالہ تو ہو

پوچھتا حالت ہے کیا میرے دلِ ناشاد کی آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

تیری الفت نے کیا جینے سے بیزار مجھے
جان سے کھوتا ہے پیار سے یہ ترا پیار مجھے

دیتے کیا کیا ہیں دلاسے شبِ فرقت میں ہم
دلِ بیمار کو میں اور دلِ بیمار مجھے

دیکھنا قید تعلق میں نہ آنا آزاد
دام آتے ہیں نظر سبحہ و زنار مجھے

دُنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اُسے
پی جامِ مرگ آبِ بقا ہی سمجھ اُسے

جو کچھ فلک کے نیچے ہے سب گرد باد ہے
پھر جو ہوس ہو دل میں ہوا ہی سمجھ اُسے

سنے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہاں میری
تمہارے عشق کی ہے داستاں اور ہے زباں میری

سناؤں داستانِ عشق سب قلقل کے پردہ میں
صراحی کے دہن میں کاٹ کر رکھ دو زباں میری

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجکو چاک کر ڈالو
تمنا ہے یہ دامن کی اڑا دو دھجیاں میری

ہوا لیلیٰ پہ مجنوں کوہکن شیریں پہ سودائی
محبت دل کا اک سودا ہے جسکی جس سے بن آئی

انتخاب از مثنوی موسم زمستان

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھسے
سازِ عشرت کے لئے برگ و نوا ہے تجھسے

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

ہند کو کابل و کشمیر بنا دیتا ہے
ملکِ تاتار کی تصویر بنا دیتا ہے

ابر و باراں تو تہِ چرخ بریں دیکھا تھا
یہ برستا ہوا کافور نہیں دیکھا تھا

جبکہ ہوتا ہے گزر جانبِ کہسار ترا
فن صنعت سے وہاں اور کھلے یار ترا

بت تراشی میں ہے تو غیرتِ فرہاد وہاں
قصرِ شیریں کی ہے تو ڈالتا بنیاد وہاں

اِک طلسمات کا عالم ہے دکھاتا جاتا
صورتیں برف سی کیا کیا ہے بناتا جاتا

پتے پتے کا ہے تصویر میں انداز درست
اور ہر اک میوہ ہے قدرت سے خدا ساز درست

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن
مُنہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے ❊ گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے
تو نہ تھا جب تو نہ تھا جان کو جینے کا مزا ❊ تھا نہ کھانے کا مزا اور نہ پینے کا مزا
اب عمل میں ترے آرام سے سب جیتے ہیں ❊ گرم کھاتے ہیں غذا آبِ خنک پیتے ہیں

خطاب بہ قلم

آ قلم آ کہ سرِ نامہ لکھوں نامِ خدا ❊ جو کہ لے نامِ خدا اُس پہ ہے انعامِ خدا
تو جوانی میں مری تیغ شرر بار رہا ❊ کرتا اعدائے بداندیش کو فی النار رہا
پر اب ایامِ ضعیفی نظر آتے ہیں قریب ❊ فضل اپنے سے جو اللہ کرے عمر نصیب
اے مرے دوست نہ تو مجھ سے جدا ہو جانا ❊ اپنے آزاد کی پیری کا عصا ہو جانا

مناجات

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں ❊ آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے ❊ اور کرتا صدقِ دل سے دعا بار بار ہے
مجکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض ❊ رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض
یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے ❊ وہ بات دے زباں کو کہ دل پہ اثر کرے

انتخاب از مثنوی شب قدر

قطعہ

اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے ❊ ہر گوہر اُس میں ملک حبش کا خراج ہے
ہر چند مہر حسن میں کیا کیا پھبن نہیں ❊ پر وہ دمک ہے تجھ میں کہ جس میں کرن نہیں
روشن تجھی سے رُوے زمیں پر چراغ ہیں ❊ اور کھلتے آسماں پہ ستاروں کے باغ ہیں
بجلی ہنسی تو اُسکی تجھی سے بہار ہے ❊ شبنم سے تیرا فیض کرم آشکار ہے
اے رات سلطنت کا ترے دیکھکر حشم ❊ کھاتا فلک ہے تاروں بھری رات کی قسم

زاہد مراقبہ کا ہے دم سب کو دے رہا / اور آپ مارے نیند کے جھوکے ہے لے رہا

سونے کو مہر بھی ہے بخواب عدم گیا / دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

اے رات تیرے وصف کہاں تک رقم کروں / اور اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر / بیٹھا تھا جس کا سکہ زمیں آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے / رکھ کر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے

اسکے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے / سکہ ہے اب ستاروں پہ اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اُس کا تو راحت ہے پھل ترا / چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا

قطعہ

مزدور تھے جو دن کو مصیبت اُٹھا رہے / اور پاؤں تک سروں کے پسینے بہا رہے

سو طرح کے بار دلوں پر اُٹھائے ہیں / جب چار پیسہ شام کو لے گھر میں آئے ہیں

قطعہ

اکثر امیر ہیں کہ یہاں بے نظیر ہیں / دولت کے آسمان پہ بدر منیر ہیں

اُن کو خدا کی یاد نہ بندوں کی شرم ہے / دن ہو کہ رات عیش کا بازار گرم ہے

قطعہ

اور وہ جو لکھپتی ہے مہاجن جہان میں / آدھی ڈھلی ہے پر وہ ابھی ہے دکان میں

گنتی میں دام دام کے ہے دم دئے ہوئے / بیٹھا ہے آگے سب بہی کھاتا لئے ہوئے

ہے سارے لین دین کی میزان تمام کی / پر سو گئے کیا کہ بد نہیں ملتی چھدام کی

انتخاب از مثنوی ابر کرم

منہ پر زمیں کے دیکھو تو ہے خاک اُڑ رہی / اور گرد چار سوتہ افلاک اُڑ رہی

دنیا میں بوند بوند کو خلقت ترس رہی / پانی کی جائے آگ فلک سے برس رہی

شہروں میں سوکھ سوکھ کے جنگل چمن ہوئے / اور جنگلوں میں دھوپ سے کالے ہرن ہوئے

طفل نبات پیاس کے مارے بلک رہے / خلق خدا کے نالے بہت دور تک گئے

سیماب ہو کے سینے سے ہر دل نکل چلا / اور آفتاب شمع کی صورت پگھل چلا

دل تشنگی کے مارے یہ بیتاب ہو گئے / انساں تڑپ کے ماہیِ بے آب ہو گئے
پر آب ہے دور دورۂ برشگال کا / چھایا فلک پہ ابر ہے جاہ و جلال کا
آنے سے تیرے آگیا آنکھوں میں نور ہے / دیوار و در سے آج برستا سرور ہے
تیرے ہی دم قدم کی یہ سب لہر بہر ہے / سیراب کوہ و دشت تو شاداب شہر ہے
اے ابر سب یہ ساز و نوا تیرے دم سے ہیں / یہ لطفِ عیش و لطفِ ہوا تیرے دم سے ہیں
غنچوں کے مارے پیاس کے تھے منہ کھلے ہوئے / گلشن کے نونہالوں کے منکے ڈھلے ہوئے
یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے / کیا جانے کن دلوں کے ہیں ارماں نکل پڑے
اے ابر تو تو چھایا ہوا ہے جہان پر / چھایا ہوا سماں ہے زمین آسمان پر
چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر / اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی / سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی اِدھر صبا ہے اُدھر ہے نسیم بھی / اور اُن کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی
مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا / جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا
سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز / سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز
جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے / اور بچے آم کے ہیں پپیہے بجا رہے
ساون کے گیت اُٹھائے ہے طوفاں دُو نیں ہیں / پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں
ہر تان میں ملہار کے مستی کا شور ہے / بادل گرج کے پردے میں دیتا ٹکور ہے
اے ابر تیری رات کی تعریف گر کروں / لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں
کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا / گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا
سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا / چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا
بجلی کبھی کبھی نگہِ فتنہ ساز سے / کرتی نقاب ابر میں چشمک ہے ناز سے

(آزاد) سید محمد امیر الدین عرف شاہ میرزا خاں لکھنوی شاگرد عشرت و فضل احمد کیف۔ اِن کا حال

آزاد

زیادہ معلوم نہیں مگر یہ سب جانتے ہیں کہ شعر و سخن کا ایک رسالہ موسوم بہ گلدستہ شعرا انکے اہتمام سے شہر لکھنؤ میں جاری تھا - مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے -

ان کا کلام یہ ہے ؎

کچھ غم نہیں مٹا جو نشاں میری قبر کا
کافی ہے یہ نشان کہ میں بے نشاں گیا

غفلت میں آ پکی میں گیا اپنی جان سے
فرمایئے تو آپ کا کیا مہرباں گیا

سختیٔ نزع کا تو بتائے علاج کچھ
بالیں سے میری اُٹھ کے مسیحا کہاں گیا

مہمان ہم بھی ہیں کوئی دم کے جہان میں
کیا غم جو وہ رقیب کے گھر میہماں گیا

پیش نظر تھی موت فراقِ حبیب میں
گزرا ہے مجھپہ نزع کا عالم تمام شب

جی چاہتا ہے بس یہی بے اختیار آج
دریا پہ کھیلئے بطمے کا شکار آج

وہی ہیں ہم کہ ہیں اب خار دشت غربت کے
شگفتہ رکھتی تھی دل کو کبھی وطن کی بہار

فرقت میں جان دینے کا ہر دم رہا خیال
ڈھونڈی کہیں چھری کہیں تلوار کی تلاش

کیا سناتا ہے صدا سے لن ترانی وقت نزع
چاہیئے مشتاق کو صورت دکھانی وقت نزع

وصل لیبر نہوا سینکڑوں تدبیریں کیں
سچ کہا ہے کہ ہر اک کام ہے تقدیر کے ہاتھ

(آزاد) منشی محمد امجد علی ولد محمد امداد علی صاحب - قصبۂ گوپا مؤ ضلع ہردوئی کے رہنے والے ہیں ۱۲۶۳ھ ہجری میں پیدا ہوے - ریاست بھوپال میں محکمہ نظامت کے سررشتہ دار ہیں - فارسی - اُردو دونو زبانوں میں شعر کہتے ہیں انکا اُردو کلام یہ ہے ؎

جلا کے خاک کیا جس کو اک نظر دیکھا
بھری ہے کیسی الہی نگاہِ یار میں آگ

لیا جو بوسہ شبِ وصل بولے جھنجلا کر
چلو ہٹو لگے ایسے تمہارے پیار میں آگ

شفق یہ پھولی ہے کب آہ آتشیں سے مرے
لگی ہے دامن چرخِ ستم شعار میں آگ

(آزاد) خواجہ ضیاء الدین دہلوی انکی طبیعت کی موزونی خداداد تھی - اصلاح کسی سے نہیں لیتے تھے صرف طبیعت کی رسائی سے شعر کہتے تھے - زندہ دل اور خلیق آدمی تھے -

انکا کلام ہدیۃً درج ذیل ہے

کہتے ہیں نعش پر تری آیا بجائے گا	لو خاک میں بھی ہمکو ملایا بجائے گا
جز دیداُن سے اور تمنا نہ کیجئے	لے بڑھ گئی تو شوق گھٹایا بجائے گا
اُس روے آتشیں کا نہ دل میں خیال لا	شعلہ بھڑک اُٹھا تو بجھایا بجائیگا
دعوے آب و تاب اور اُس رشک مہر سے	مُنہ بھی تو آئینہ سے دکھایا بجائے گا
اعجاز گو تمام کریں حضرت مسیح	مارا ہُوا بتوں کا جلایا بجائے گا

آزاد

(آزاد) حکیم غلام حسین خاں ولد حکیم غلام رسول خاں کشمیری۔ کچھ عرصہ سے انکے آبا و اجداد نے رام پور کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ نواب احمد علیخاں والی رام پور کے عہد میں نیابت کے عہدہ پر مامور تھے شعر و سخن کے شغل سے بھی دلچسپی تھی۔ انکی دیانت داری و نیک کرداری کی ایک روایت مشہور ہے جو تذکرۂ انتخاب یادگار میں حضرت امیر مینائی مرحوم نے اسطرح لکھی ہے کہ "جب زیارت حرمین شریفین کو چلے تو لاکھ روپے انکے پاس تھے۔ سب اموال کی فرد بناکر نواب صاحب کے حضور میں پیش کی۔ حکم ہُوا کہ مال تمہارا ہے سرکار کو اس سے کچھ علاقہ نہیں" انکے انتقال کے بعد بھی انکے اقارب سرکار رام پور کے دامن دولت سے وابستہ رہے انکے دو شعر انتخاب یادگار میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں اشعار

جا بجا کرتے ہیں چرچا تری بد وضعی کا	دو کہیں چار کہیں پانچ کہیں سات کہیں
فہم پر تیری ہنسی آتی ہے مجکو آزاد	چھوٹتی ہی نہیں کہتا ہے مری بات کہیں

آزاد

(آزاد) مولوی ابوالحمید۔ اصل وطن انکا غازی پور زمانیہ ہے۔ ریاست حیدر آباد دکن میں عدالت عالیہ کے سرآوردہ وکیلوں میں ہیں۔ نواب فصیح الملک مرحوم داغ دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ انکے اسلاف شاہی زمانہ میں اچھے اچھے منصبوں پر ممتاز تھے اُنوں نے السنۂ مشرقیہ میں معقول استعداد پیدا کی اور قانون کو اکتساب معاش کا ذریعہ قرار دیکر دکن میں اقامت اختیار کرلی۔ انکا سن پچاس برس سے کم نہیں ہے مگر کلام سے شباب کی شوخی اور اُستاد کے

فیض کی جھلک ٹپک رہی ہے - آپ اُن خوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے داغ مرحوم کے زمانہ قیام دکن میں پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی - جسوقت سے حضرت داغ دکن میں پہنچے اُسوقت سے اپنے شفیق اُستاد کے انتقال تک روزانہ حاضر باشی میں فرق نہ آنے دیا - اُستاد بھی انہیں خاص لوگوں میں سمجھتے تھے اور اپنے عزیزوں کا سا انکے ساتھ برتاؤ کرتے رہے - چھوٹی موٹی کوئی تقریب غیر معمولی بات آزاد صاحب کی شرکت بغیر نہیں ہوتی تھی - حضرت داغ کا تیسرا دیوان مہتاب داغ انہیں کے اہتمام سے چھپا ہے - جناب آزاد نہایت شریفانہ خیال کے آدمی ہیں - دکن کے اکثر گلدستے انکے گل سخن سے زینت پاتے ہیں - انکے تازہ کلام کا گلدستہ نذر ناظرین ہے ؎

بجلی آتے ہی لیا اُس بت نے نام آزاد کا
وہ کن انکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں
اس دُھٹائی کے تصدق اِس جسارت کے نثار
اور یہ دو دم ملیں مجکو تو عمر اچھی کٹے
تم نئے ہو تو فسانہ بھی نرالا ہی سنو
تغافل ہائے بیجا دیکھتا ہوں
مآل کار الفت سوچتا کیا
ہے اقتضائے رشک عدو مانع قیام
پہلو میں آج میرے دلِ ناتواں نہیں
جب تک فغاں تھی لب پہ میرے یا اثر نہ تھا
مزا اُسوقت آئے جب کسی کا کوئی شیدا ہو
یہ کیا تو نے کہا دل مجکو دے ڈالو تو اچھا ہو
ڈرائیں تو اُسے جو کوئی بدنامی سے ڈرتا ہو

مُسکرا کر پھر کہا قائل ہوں میں اس یاد کا
وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا
داورِ محشر سے دعویٰ ہے مری فریاد کا
اِک تری شمشیر کا اک خنجرِ فولاد کا
ہو گیا قصہ پُرانا قیس کا فرہاد کا
گلہ آتا نہیں لیکن زباں پر
نظر کیا کیجیے سود و زیاں پر
کتنا ہے ضعف بیٹھ بھی جا کوئے یار میں
کیا جانے یہ غریب کہاں ہے کہاں نہیں
وقت اثر ہُوا تو مجالِ فغاں نہیں
مجھے رُسوا کیا جس نے الٰہی وہ بھی رُسوا ہو
تجھے اسواسطے دیدوں کہ تو لے اور جلتا ہو
جو خود محتاج ہو خود سر ہو اُسکو خوف کیسا ہو

یہی ہے رسم الفت کی یہی شیوہ محبت کا / جو تمکو چاہتا ہے چاہیے تم بھی اُسے چاہو

مجھے دعویٰ نہیں ہیں باز آیا دادخواہی سے / جو ہونی ہو وہ مجھپر ہو الٰہی وہ نہ رسوا ہو

دیکھنا فرط نزاکت سے نہ اُٹھا عکس یار / رہ گیا حیران مصوّر اور ششدر آئینہ

میرے دل کا آئینہ ہو آپ کی تصویر پر / ہاتھ آنے کا نہیں پھر اس سے بہتر آئینہ

وقت تزئیں تو میری حیرت کا باعث کچھ نہ پوچھ / دیکھتا ہوں دیکھتا ہے تجھکو کیونکر آئینہ

اسے نہ ہے قسمت ہوا میں انکا جو محو جمال / دیکھتے ہیں میری صورت وہ سمجھکر آئینہ

بے وفا میں ہوں کہ دشمن باوفا تم ہو کہ میں / اب ہوا جاتا ہے اسکا حال سب پر آئینہ

واں شب اقرار صرف زیب و زینت ہو گئی / یاں غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی

جھوٹے وعدوں نے کسی کے کر دیا خانہ خراب / منزل دل رہگذار یاس و حسرت ہو گئی

جب تلاش شاہد مقصود میں رکھا قدم / رہ نمائی کے لئے آگے مصیبت ہو گئی

جفا میں لطف۔ کرم میں جفا نکلتی ہے / ادا ادا میں تمہاری ادا نکلتی ہے

مرے نکالے نہ نکلے گی یہ شب فرقت / جو تم نکالو ابھی یہ بلا نکلتی ہے ⁂

عشق کر بیٹھے مگر کس کو خبر / سہل کیا اس میں ہے کیا دشوار ہے

کیا چیز ہے کیا سینۂ بسمل میں نہیں ہے / دل تیر میں یا تیر ترا دل میں نہیں ہے

کیوں سمجھے نہ کوئی ترے اقرار کو انکار / ہاں تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے

آزاد

(آزاد) مولوی سید محمود صاحب ابن سید اسد الدین حیدر۔ جہانگیر نگر ڈھاکہ کے قدیم باشندے آغا احمد علی احمد کے شاگرد ہیں*۔ فارسی۔ اُردو دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے۔ چند قصیدے نہایت پُرزور لکھے ہیں۔ اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں عرصہ تک انکی قلم سے ظرافت کے مضمون نکلتے رہے ہیں قابل دید نوابی دربار آپ ہی لکھا کرتے تھے دیوان آزاد اور خیالات آزاد یہ دونو کتابیں چھپ گئی ہیں اُردو انشا پردازی کے بے جان قالب میں انکی تحریروں نے ایک نئی روح پھونکدی ہے۔ جدت پسندی اور ظرافت انکی طبیعت کا

* اب آپ کی ۶۰ برس کی عمر ہے۔

خلقی جوہر ہیں نواب ڈھاکہ کی سرکار سے انہیں کچھ وظیفہ بھی ملتا ہے - شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے موقعہ پر کلکتہ کے جلسہ میں ان کا قصیدہ پیش کش شاہزادہ ہوا تھا - یہ اُردو کلام کا لب لباب ہے ۵

بیخودی شوق کی اور عرضِ تمنا اُن سے	نہیں معلوم کہ مُنہ سے مرے کیا کیا نکلا
لاکھ نیرنگوں کا رکھتا ہے اثر جلوہ ترا	لاکھ امیدوں کی دیتا ہے خبر جلوہ ترا
اے وفا تیرا بُرا ہو کہ بنا نغمۂ شکر	لب پہ بھولے سے بھی گر شکوۂ بیداد آیا
اے ضطراب دل وہ سُنیں میرا حال کب	دیتا ہے فرصت اِن کو عدو کا خیال کب
واقف تو ہوں ذرا مرے دردِ جگر سے آپ	اے کاش دیکھیں اپنے کو میری نظر سے آپ
آزاد نظم ریختہ کچھ میرا فن نہیں	واقف ہیں فارسی کے مرے شعر تر سے آپ
ہم اور اخفائے غم عشق بایں بیتابی	آپ اور پردہ دری سینہ میں پنہاں ہو کر
نئی روش ہے ترے ظلم جانستاں کے لئے	ستم ہے ہمیہ رقیبوں کے امتحاں کیلئے

(آزاد) حافظ سید فضل حق صاحب رئیس عظیم آباد - بانکے پور کے مشہور نامی گرامی شاعر ہیں گذشتہ زمانہ میں اخبار الپنچ بانکے پور میں اُنکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُردو شاعری کے علاوہ فارسی میں بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر سخن کرتے ہیں - عربی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے آج کل رسالہ مخزن لاہور اور اُردوئے معلیٰ علیگڈھ میں اِن کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا ہے - معمولی فرسودہ خیالات سے آپکی جدت پسند طبیعت متنفر ہے - آپکی نظم میں اچھوتے نیچرل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں - اگرچہ کہیں کہیں بوجہ علوی معلومات و تبحر علمی شوکت الفاظ زیادہ ہوتی ہے مگر نہ ایسی جو قابل گرفت ہو - آپکی ذات مجمع کمالات ظاہری و باطنی ہے آپ کی کوئی نظم لُطف سے خالی نہیں پائی بلکہ جدتِ خیال اور سلاست بیان اس پر مستزاد ہے - اگر حضرت کی مشہور نظموں کا انتخاب ہی درج تذکرہ کیا جاوے تو صدہا صفحے درکار ہوں اور اصول تذکرہ نویسی کے برخلاف اسلئے صرف عاشقانہ غزلوں کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے ۵

شراب حسن سے آنکھوں کو خوب مست کیا	ہمارے قتل کا قاتل نے بندوبست کیا

نگاہِ ناز نے کیا خوب بندوبست کیا
ابھی اُس نونہال پر عالم
چشم بدور آنکھ ساقی کا +
نظر آتی ہے نظر بند پری شیشے میں
حور پردے میں ہے چوتھی کی دُلہن چلمن میں
نخل مینا میں لگا ساغر گلرنگ کا پھل
نگہِ ناز کوئی چشم فسوں ساز میں ہے
ہوں سخن سحر تو عجب کیا آزاد
بجلیاں گرتی ہیں دل پر ساز کی +
جس کو دیکھا اُس کو بسمل کر دیا
جا چکی گلشن سے جب فصلِ بہار
زلف سے دونی ہے عارض کی بہار
اُسکی آنکھوں کے کرشمے دیکھئے
جام مے سرشار ساقی مہرباں
رنگ میں آزاد یہ اُردو غزل
موت سے لو لگائے بیٹھے ہیں
گھر چمن میں بنا لیا تھا تُو نے
لالہ کو کہاں نصیب وہ داغ
خنجر ہوا اسر خرو لہو سے
جاری ہو وہ لین دین ساقی
جینا دشوار کر دیا ہے

کہ ایک جام سے ساقی نے سب کو مست کیا
باغباں سے ہے نکلتی کو پھل کا +
اُس میں ڈورا سیاہ کاجل کا
آج ساقی نے مئے سرخ بھری شیشے میں
مئے گلرنگ سے ہر یالال پری شیشے میں
اب نہیں وہ اثرِ بے ثمری شیشے میں
یا بھری ہے یہ مئے بے خبری شیشے میں
انہیں باتوں سے اُترتی ہے پری شیشے میں
اُس میں پھر شرکت تری آواز کی
چھیڑ دیں چھُریاں نگاہِ ناز کی
آہ کب رخصت ملی پرواز کی
شب کو کھلتی ہے گرہ آواز کی
سحر کی کہئے نہ کچھ اعجاز کی
لب تک آ جائیں نہ باتیں راز کی
ہے بھری بوتل مئے شیراز کی
یہ بھی تیری نظر نہ ہو جائے
اے دوست ہیں وہ مقام سُو نے
جو دل کو دیئے ہیں آرزو نے
لالی رکھ لی رگِ گلو نے
ساغر نے لیا دیا سُبو نے
اے شوقِ وصال یار تُو نے

لوگ آبرو کو بیچ کے لیں جان دے کے لیں — ٹکڑا ملے جو علم وہنر کی جناب سے
کسب کمال علم وہنر سے شرف یہ ہے — انسان ورنہ کم نہیں ہرگز دواب سے

آزاد

(آزاد) منشی صدیق حسن انصاری - سہارنپور کے باشندے اور ریاست بھوپال میں ملازم ہیں انکے یہ چند شعر ایک گلدستہ میں نظر سے گزرے وہی درج کئے جاتے ہیں ؎

جب یار نہو پاس تو پھر جینے سے حاصل — مرجاؤں کہ ہو نام ہی اربابِ وفا میں
مختار ہیں اب آپ جلائیں کہ کریں قتل — گردن ہے مری خم رہِ تسلیم ورضا میں
ہیں عشق حقیقی کے مزے جنکے دلوں میں — حاصل ہے حیات ابدی ان کو فنا میں
آزاد کا دل بہرِ خدا کیجیے آزاد — کیوں قید کیا تم نے اُسے زلف دوتا میں

آزاد

(آزاد) بابو کالی چرن ایک موزوں طبیعت کے آدمی ہیں - کلام سیدھا سادا اور صنائع شعری سے آزاد ہے ؎

دام کاکل سے کیوں کیا آزاد — اب کہاں جائے تیرا آزار افسوس
ہے بجا بدشکل دنیا میں کریں جتنا حجاب — اچھی صورت تو نہیں صاحب چھپانے کیلئے
جب کہا مینے کہ مرتا ہوں تو بولا وہ صنم — ہم نے کب تم سے کہا تھا دل لگانے کے لئے

آزاد

(آزاد) منشی الطاف احمد سہارنپور کے رہنے والے مولانا بیدل سہارنپوری کے شاگرد ہیں ان کا صحیح پتا نہیں معلوم ہوا اس وجہ سے زیادہ حالات درج تذکرہ نہو سکے دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

تجھسے اے نورِ مجسم ہر مکاں پُرنور ہے — ہر کلیسا کعبہ ہے ہر کوہ کوہِ طور ہے
بدزبانی کی بھی کوئی حد ہے آخر تا کجا — ہر کہ تنگ آمد بہ جنگ آمد مثل مشہور ہے
ہو چکے آزاد دن آرام کے ++ — آدمی بن جاؤ بس اب کام کے
ہم تو صبح شام ہی کے ہو لئے — گر یہی وعدے ہیں صبح شام کے
کب تک آخر وقفِ ناکامی رہیں — کام آجاؤ کسی ناکام کے ++

کر دیئے اے نا امیدی تو نے پست	حوصلے سارے دلِ ناکام کے

آزاد

(آزاد) منشی سید افتخار عالم خلف سید مقبول عالم نبیرہ حضرت صاحب عالم المتخلص بہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مارہرہ ضلع ایٹہ ممالک متحدہ - آپ کی ولادت ۱۲۸۱؁ ہجری میں ہوئی - اُردو فارسی کے علاوہ انگریزی بھی معمولی کارروائی کے لایق جانتے ہیں - ۱۸۹۶؁ء میں انگریزی زبان میں مثل عربی فارسی اُردو بحساب جمل تاریخ نکالنے کا قاعدہ قائم کیا اور انگریزی حروف کے اعداد مقرر کئے - کئی تاریخیں بھی لکھیں مگر غیر ضروری ہونے کے باعث یہ ایجاد مقبول نہ ہُوا - انہوں نے ایک تذکرۃ الخواتین کا ترجمہ کیا اسکا نام حور مقصورات رکھا - دوسری محمڈن کالج کی ہسٹری تالیف کی ۱۹۰۴؁ء میں چند مہینے اخبار مفید عام آگرہ کی اڈیٹری کو بھی زینت دی کبھی کبھی اپنا تخلص بجائے آزاد عالم بھی لکھتے ہیں - حیدرآباد جاکر سال ڈیڑھ سال کے قریب حضرت داغ کے پاس رہے اور انکے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے یہ خلاصۂ کلام ہے ؎

یوں سنور کر بیٹھنا اچھا نہیں	موت کس کی آئی دیکھا چاہیے
جذبِ دل خود کھینچ لے گا اسکو آپ	دل کسی پر بیسرا آنا چاہیے
ازل سے سبحہ و زنار میں رشتہ ہے جب قائم	تو پھر تم میں لڑائی کافر و دیندار کیسی ہے
اگر خاکِ شفا مجھکو نہیں ملتی تو کیا پروا	مریضِ ہجر کو خاکِ درِ دلدار کیسی ہے

آزاد

(آزاد) مولوی احمد ابو محمد صاحب غازی پوری - دوڑتی ہوئی طبیعت اور تلاش مضامین کے مائل پائے جاتے ہیں - کلام خاصہ ہے اور اُسی سے یہ اندازہ ہے ؎

کیوں پریشاں ہے طبیعت جاں کیوں مشکل میں ہے	میں نہیں ہوں اُسکے دل میں وہ تو میرے دل میں ہے
اک قدم بڑھتا ہے تو بڑھتی ہے منزل دو قدم	کسکے بختِ نارسا کا کارواں منزل میں ہے
میرے قاتل جان سے پہلے نکلجاتی کہیں	دید کی حسرت جو اسدم دیدۂ بسمل میں ہے
گھبراتے کیوں ہو کشمکش دادخواہ سے	فتنے ہی کیوں اُٹھیں جو چلو راہ راہ سے
آؤ تو دل لو جانے لگو تم تو جان لو	باز آیا میں حضور کی اِس رسم و راہ سے

آزاد

(آزاد) منشی سید محمد نذیر احمد صاحب ملازم دفتر رجسٹری سیتاپور۔ جدت پسند۔ ظرافت خیز ولولہ انگیز طبیعت پائی ہے۔ روزمرہ قابل داد اور کلام صاف صاف عام فہم ہے ؎

آپ بیتی کبھی اک ہم بھی کہانی کہتے
غم نہیں اسکا جو ہم جان سے اے جان گئے

کیا کہیں شوق نہیں آپ کو افسانے سے
خیر عاشق تو ہمیں آپ کا سب جان گئے

بادہ خواروں سے یہ چھپ چھپ کے شرابیں پینا
شیخ جی آج تو سب آپ کو پہچان گئے

کیا کہوں سینہ میں تھا جو دل بیتاب کا حال
جس گھڑی کہہ کے وہ "اللہ نگہبان" گئے

لاکھ پردے میں چھپیں آپ تو کیا ہوتا ہے
کہیں چھپتی ہی چھپائے سے بھی صورت اچھی

نقد دل دیتا ہوں انکار عبث کرتے ہو
دے بھی دو بوسۂ رخ ملتی ہے قیمت اچھی

آزاد

(آزاد) مولوی نعیم الحق شیخوپوری۔ علمی استعداد معقول اور حضرت امیر مینائی کے خرمن فیض سے بہرہ اندوز اور نکات شاعری سے باخبر معلوم ہوتے ہیں انکا کلام رسالہ فتنہ میں اکثر نظر سے گزرتا رہا ہے انتخاباً چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

دل مضطرب کو تو کاکل میں باندھا
اب آنچل ہیں کیا جانے کیا باندھتے ہیں

قیامت بپا ہو گی اُٹھے گا فتنہ
وہ جوڑا نہیں اک بلا باندھتے ہیں

ہم قفس پا بھی بن کے نہیں پاتے بیٹھنے
باد صبا اُٹھاتی ہے کوئے حبیب سے

شکوہ کسی سے ہے نہ شکایت ہے غیر کی
جو کچھ شکایتیں ہیں وہ اپنے نصیب سے

پیری میں دل سے پوچھ نہ حالت شباب کی
ذکر چمن خزاں میں نہ کر عندلیب سے

آزاد

(آزاد) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ مچھلی شہر کا ــــ رسالہ فتنہ میں کچھ شعر نظر سے گزرے پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

وحشت دل کا ٹھکانا چاہئے
چارہ گر اور ایک صحرا چاہئے

زندگی کا کچھ سہارا چاہئے
مر رہے ہیں ایک بوسا چاہئے

اور سب کو چھوڑ دینا چاہئے
فضل پر مولا کے تکیہ چاہئے

آزر

(آذرؔ+) نواب ذوالفقار علیخاں نبیرہ معتمد الدولہ نواب احمد علیخاں جو احمد شاہ ابدالی کے وزیر اور شاہ ولی خاں کے بھتیجے تھے دلّی کے رہنے والے۔ بادشاہ کی طرف سے شاہجہاں آباد کے قلعہ دار تھے۔ نواب اسداللہ خاں غالب سے تلمذ تھا خوبصورت وجیہہ۔ جامہ زیب نوجوان تھے۔ کلام میں جدّت اور طبیعت میں جودت پائی جاتی ہے ٥

شکر پرواں زبان کٹتی ہے +		شکوہ کرنے کی کیا مجال ہیں
میرے ستانے نے کام اس سے اِک جہاں کیلیے		جو میں نہوں تو نہو گردش آسماں کے لئے
ہونے ناخوش ستاں دیکھا جو مجھکو		خدنگِ غمزہ نے گویا خطا کی +

آزر

(آزرؔ) پنڈت جوالا پرشاد خلف بشن چند پار مو۔ انکا اصل وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اوائل عمر میں اپنے بڑے بھائی گنگا پرشاد۔ رندؔ کے پاس بریلی اور اکبرآباد میں رہے پھر بتقریب ملازمت محکمہ پولیس مظفر نگر۔ شاہدرہ۔ اور متھرا میں متعین رہے انجام کار پنشن لے کر باقی زندگی متھرا میں بسر کی۔ فن شعر میں اپنے بڑے بھائی رندؔ سے مشورہ لیتے تھے۔ ۲۱۔ دسمبر ۱۸۶۲ء میں پینسٹھ برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔ کلام میں روانی اور طبیعت میں رجحان فقیری پایا جاتا ہے۔ اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ٥

شوق نے کھلائے ہیں اک چہرۂ گل گون کے گل		کیوں نہ رنگیں ہوں مرے گلشن مضموں کے گل
نہ ہمیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی		اسکا جی چاہے سو یہ گردش افلاک کرے
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں		ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے
دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے	رباعی	عقبےٰ میں حساب معصیت سے چھوٹے
ہر چار طرف کے مٹ گئے وہم وخیال		ہم عشق میں کُل کشش جہت سے چھوٹے

+ اس لفظ کی کتابت میں بعض لوگوں کی بے پروائی سے بجائے زائے معجمہ ذال معجمہ داخل ہوگئی ہے حالانکہ کسی لغت سے ذال کا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں۔ آزر بفتح زائے معجمہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے چچا کا نام تھا چونکہ انہوں نے ابراہیم کو پالا تھا اور اہل عرب چچا کو بھی باپ کہتے ہیں اسی سبب سے قرآن میں بھی باپ سے تعبیر کیا گیا الخ +

(آزر) منشی لچھمن پرشاد عرف لچھمن نراین کایستھ۔ اِنکے والد منشی ہرسکھ راے صاحب نواب ٹونک کی سرکار میں ملازم تھے دربار قیصری کے موقع پر دلّی بھی آئے تھے۔ یار باش و خلیق آدمی ہیں۔ منشی دیبی پرشاد کے مشورہ سے شعر کہتے ہیں۔ کلام پُر لطف اور سید ہاساد ا ہے ملاحظہ ہو

کیا کروں تصویر کھنچوا کر تری اے غنچہ لب	میں تو ہوں مشتاق تیرے خندۂ گفتار کا
ہے محبت میں عبث ہندو مسلماں کا خیال	عشق میں رہتا نہیں ہے دین وایماں کا خیال
کہیں بیٹھ جائے نہ بنیاد گردوں	کہ اشکوں سے طوفاں اُٹھا چاہتا ہے

آزردہ

(آزردہ) وحید العصر یکتاے دہر افضل العلما مولوی مفتی صدر الدین خاں صاحب خلف الرشید مولوی لطف اللہ کشمیری شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و مولوی فضل امام والد مولوی فضل حق منطقی خیرآبادی قبل از غدر حکام وقت کی طرف سے عہدہ صدر الصدور پر ممتاز تھے یہ عہدہ اہل ہند کے لئے اُس زمانہ میں اعلیٰ ترین عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ باوجود مشاغل ملازمت فکر سخن کا بھی شوق رکھتے تھے۔ بعض تذکروں میں مرقوم ہے کہ اوائل میں چند غزلیں شاہ نصیر صاحب کو دکھائیں اور کچھ دنوں میاں مجرم اکبرآبادی سے بھی مشورہ لیا انجام کار میر ممنون کے شاگرد ہو کر اس فن میں کمال حاصل کیا۔ اِنکی تاریخ ولادت لفظ چراغ (۱۲۰۴) اور تاریخ وفات چراغ امم (۱۲۸۵) سے نکلتی ہے۔ عربی۔ فارسی۔ ریختہ تینوں زبانوں پر قادر تھے ہر ایک زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت سے دادِ سخن دی ہے۔ جناب آزردہ مرحوم ان چند اشخاص میں تھے جنھوں نے اعلیٰ درجے کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک سخن میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھایا ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے مشاہیر سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوصف آپکی طبیعت ظاہری نمایش سے کوسوں دور تھی۔ دنیوی آسایش کے تمام سامان بہم پہنچائے مگر خود سیدھی سادی وضع سے بسر کرتے رہے۔ عدالتی کاروبار سے فرصت کے وقت طلبا کا حلقہ آپکے گرد رہتا تھا طالب علموں

کو بڑے شوق سے پڑہاتے تھے - علمی فیض کے علاوہ ضرورتمند کے ساتھ نقد و جنس سے
بھی مسلوک ہوتے تھے - نہایت منصف مزاج - خوش مزاج - نیک نفس - نفاست پسند تھے -
چنانچہ آپکی نفاست پسندی کی اکثر حکایتیں مشہور ہیں - اِن اوصاف کے ماسوا - زندہ دل خلق
مجسم کہنا مبالغہ نہیں ہے - انکے شاگردوں میں کئی شاگرد صاحب کمال اور نامور گزرے ہیں -
آپ کے انتقال سے برسوں پہلے یہ بات زبان زدِ خاص و عام تھی کہ جسنے آپ سے فیض
پایا اور موردِ عنایات رہا وہ ضرور اعلےٰ مدارج پر پہنچا - نواب یوسف علیخاں - ناظم - والی ریاست
رامپور نے بھی اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں اِن سے پڑہا تھا - نواب صدیق حسن خاں مرحوم
شوہر رئیسہ بھوپال - آنریبل ڈاکٹر سرسید احمد خاں بہادر بانی محمڈن کالج علی گڈہ جیسے فرد زمانہ
اصحاب کے نام آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہیں سرسید کے حال پر تو آپ کی خاص
نظر عنایت تھی - آپ کاملین کے نہایت قدردان تھے - انہیں کے اجلاس میں حضرت
غالب مرحوم یہ شعر بطور جواب دعویٰ پڑہا تھا شعر

رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایکدن		قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں

مفتی صاحب نے یہ شعر سنکر اِنکے قرضہ کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر دیا - غدر ۱۸۵۷ء کے
بعد آپ بھی مختلف مصائب اور دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبان زد
خاص و عام ہے یعنی مفسدوں نے آپ سے جواز جہاد کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ
نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھدیے (فتوے بالجبر) مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھکر
پیچھا چھوڑ دیا - مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب
طلب کیا آپ نے فتوے بالجبر ثابت کرکے رہائی پائی - اسی رستخیز بے جا کے زمانہ میں تمام
جائداد بھی ضبط ہو گئی تھی - جب کوئی جرم عاید نہوا تو لاٹ صاحب کے رحم نے نصف جائداد واگزاشت
کر دی - اسی ہنگامہ دار و گیر میں کچھ روز حوالات میں نظر بند رہے - وہاں بیٹھے بیٹھے ایک ترکیب بند
لکھ ڈالا جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

آ پھنسے بد مذہب الٰہی دیکھئے کیسی بنے		مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

ذوق - مومن - غالب - صہبائی - شیفتہ - نیر رخشاں سے دلی اتحاد تھا - ۱۲۸۵ھ ہجری مطابق ۱۶ - جولائی ۱۸۶۸ء میں اکیاسی برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا - اور درگاہ چراغ دہلی میں دفن ہوئے ایک تذکرہ شعراے ریختہ انکی یادگار ہے مگر نایاب ہے - دیوان مرتب ہونے نہ پایا بلکہ متفرق کلام کا بھی بڑا حصہ تلف ہوگیا - باوجود شوق طبع زادگان سخن کی غور پرداخت پر زیادہ توجہ نہ تھی کبھی کبھی دوستوں کے اصرار یا تفنن طبع کے لحاظ سے شعر کہہ لیا کرتے تھے - ایک مرتبہ آپ کے اس شعر پر ؏

اس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے		گر ہم بھی سبک حرکت نا اہل سے ہوتے

کسی نے اعتراض کیا کہ حرکت بفتحتین چاہئیے اس پر آپ نے اساتذہ فارس کے بیسیوں شعر راے مہملہ کے سکون کی سند میں پیش کر کے مخالف کو ساکت کر کے چھوڑا - آپ کے اشعار ہر قسم کے اغلاق و تنافر سے پاک ہوتے تھے جو عربی کے جید عالم فاضل کے لئے کچھ آسان بات نہیں ہے - شوخیٔ طبع - سلاست زبان دیکھکر بھی تعجب ہوتا ہے کہ آپ کسطرح استعداد عربی کے زبردست اثر کو غالب نہیں آنے دیتے تھے - غدر کے بعد آپ کی شاعری بھی طبیعت کی طرح سرد پڑگئی اگر کبھی کچھ کہتے بھی تو حضرت شیفتہ یا حضرت غالب کے اصرار سے کہتے -

آپ دہلی میں مجالس علمیہ کے رکن رکین تھے آپ کی وفات سے شعر و سخن کی دنیا کو بڑا صدمہ پہنچا

آپ کی یہ وضعداری بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ قلعہ کے ترپولیے میں حضرت بہادر شاہ کی سواری قریب سے گزر گئی نہیں معلوم آپ اسوقت کس دُھن میں تھے سلام نکر سکے جب صاحب رزیڈنٹ بہادر کو یہ خبر ہوئی تو انہوں نے بلاکر دو روپے جرمانہ کیا - آپ نے اُس دن سے مرتے دم تک کسی کے ساتھ بھی سلام کرنے میں سبقت نہیں کی گویا خود سلام کرنے کی عادت ہی اڑادی -

لطیفہ - ایک روز مکرمی منشی بہاری لال مشتاق اپنے دوست لالہ رامچند قمر کے ساتھ جناب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شعر شاعری کا ذکر چلا - قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت

تعریف کی۔ مولانا نے چین بجبیں ہو کر فرمایا کہ نہایت مشکل کہتا ہے اور پھر زانو پر ہاتھ مار کر شگفتہ جبیں ہوئے اور فرمایا کہ ہاے اچھا کہتا ہے تو ایسا کہتا ہے ؎

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا مری جو شامت آئے	اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

مفتی صاحب کے صلبی اولاد نہ تھی اس وجہ سے اپنی بیوی کے حقیقی بھانجے مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب سابق ڈپٹی کلکٹر محکمہ دریافت انعامات گورنمنٹ نظام دکن کو متبنٰے کر لیا تھا۔ آپکے اشعار آبدار کا انتخاب ہدیۂ اولو الالباب ہے ؎

مر کر بھی ہمارا دلِ بیتاب نہ ٹھہرا	کُشتہ بھی ہُوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا
اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکلجائے	آزردہ میرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر
ہو نہ دامنگیر کوئی جانکر قاتل تجھے	تو بھی رونا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر
برگشتہ بخت جذبۂ دل تم کو آفریں	آکر وہ پھر گیا مرے بیت الحزن کے پاس
آمد آمد ہوئی پھر موسمِ گل کی شاید	اِن دنوں چاک کو پائی ہیں گریبان سے اُنس
ہوئے ہیں وہ ناقابلوں میں شمار اب	جنہیں مانتے تھے زمانے کے قابِل
کروں چاک سینہ تو سو بار لیکن	نہیں داغِ دل یہ دکھانے کے قابِل
یہ کہہ کے رخنہ ڈالیے اُن کی نقاب میں	اچھے بُرے کا حال کُھلے کیا نقاب میں
کیا جانو کیا اثر ہے دلِ شعلہ تاب میں	یہ وہ ہے برق آگ لگا دے نقاب میں
قسمت تو دیکھ کھولی گرہ کچھ تو رہ گئی	ناخن ہمارے ٹوٹ گئے بندِ نقاب میں
یارب وہ خواب حق میں مرے خواب ہو گئے	آوے وہ مستِ خواب اگر میرے خواب میں
حال اس نگہ کا اُسکے سراپا میں کیا کہوں	مورِ ضعیف پھنس گئی جا شہدِ ناب میں
یارب یہ کس نے چہرہ سے اُٹھا نقاب ہے	سو رخنے اب نکلنے لگے آفتاب میں
خورشید زار رہو وے زمیں دے جھلک ذرا	سو آفتاب ہیں ترے گردِ نقاب میں
کیا عقل محتسب کی کہ لایا ہے کھینچکر	سودا زدوں کو محکمۂ احتساب میں

اُٹھنے میں صبح کے یہ کہاں سر گرانیاں
زاہد نے مے کا جلوہ یہ دیکھا ہے خواب میں

تحقیق ہو تو جانو کہ میں کیا ہوں قیس کیا
لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں

ہر ہر روئیں سے خرقے کے میرے ہے خوں چکاں
غوطے تو سو دئے اسے زمزم کے آب میں

ہیں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم لگا ہے یاں تری بزمِ شراب میں

امدادِ چشم کیا ہو لگی دل کو آگ جو
جلنے کے بعد خوں نہیں رہتا کباب میں

ہیں دو نو مثلِ شیشہ پہ سامانِ صد شکست
جیسا ہے میرے دل میں نہیں ہے حباب میں

یہ عمر اور عشق ہے آزردہ جائے شرم
حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں

پلا ساقیا مئے خنک آب میں
کہ تھمتی نہیں توبہ مہتاب میں

گیا دین کیسا حضورِ نماز
وہ یاد آئے ابرو جو محراب میں

ملے کچھ تو زخمِ جگر کا مزہ
بجھا کر رکھا تیغ زہر آب میں

الٰہی فلک جس سے پھٹ جائے وے
وہ تاثیر آہِ جگر تاب میں

بلند آشیانوں پہ بجلی گری +
جو نیچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں

وہ عریاں ہیں سر تا بپا جنکی شب
گزرتی سمور اور سنجاب میں

نہ آئے ہوں آزردہ لیتا خبر
پڑی دھوم یہ سارے پنجاب میں

کاش مقبول ہو دعائے عدو
کیا کروں وہ بھی مستجاب نہیں

اب تو اس چشمِ تر کا چرچا ہے
ذکرِ دریا نہیں سحاب نہیں

جمع طوفان و چشمِ تر سرف
اب مصارف کا کچھ حساب نہیں

دھو دیا سب کو دیدۂ تر نے
وہ نہیں درس وہ کتاب نہیں

عشق بازی کا منہ چڑاتا ہے
اب وہ موسم نہیں شباب نہیں

تیری آنکھوں کے دور میں کیا کیا
سحر رُسوا نہیں خراب نہیں

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے
اِسکو آرام اُس کو خواب نہیں

جوں سراپائے یار آزردہ ÷
تیرے دیواں کا انتخاب نہیں

یہ چھیڑ دیکھو مجھے شبِ وصل میں کہے
تو اجنبی ہے بندِ قبا کیونکہ وا کروں

ہزار شیوہ ہیں پنہاں کہ جی ہی جانے ہے
تری نگہ کا تغافل ہی اک جواب نہیں

شب جوشِ گریہ تھا مجھے یادِ شراب میں
تھا غرق میں تصورِ آتش سے آب میں

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمین و زمیں آسماں نہیں

قاتل کی چشم تر نہو یہ ضبطِ آہ دیکھ ÷
جوں شمع سر کٹے پہ اُٹھایاں دھواں نہیں

آنکھوں سے دیکھکر تجھے سب ماننا پڑا
کہتے جو تھے ہمیشہ چنیں ہے چناں نہیں

افسردہ دل نہو درِ رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا درِ پیرِ مغاں نہیں

لب بند ہوں تو روزنِ سینہ کو کیا کروں
تھمتا تو مجھسے نالۂ آتش عناں نہیں

ملنا ترا یہ غیر سے ہو بہرِ مصلحت
ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں

شب اُسکو حالِ دل نے جتایا کچھ اسطرح
ہیں لب تو کیا نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

بے وقت آئے دیر میں کیا شورشیں کریں
ہم پیر و پیرِ میکدہ بھی نوجواں نہیں

اس بزم میں نہیں کوئی آگاہ ورنہ کب
واں خندہ زیرِ لب اِدہر اشکِ نہاں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ناز و نگہ روش سبھی لاگو ہیں جان کے
ہے کون ادا وہ تیری کہ جو جانِستاں نہیں

آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے رو برو
مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ نے پڑھی غزل اک میکدہ میں کل
وہ صاف ترکہ سینۂ پیرِ مغاں نہیں

نکلتا ہوا دل سے دشوار کیوں
یہ اک آہ ہے اُس کا پیکاں نہیں

یہ ہاتھ اُس کے دامن تلک پہونچے کب
رسائی جسے تا گریباں نہیں

فلک نے بھی سیکھے ہیں تیرے سے طور
کہ اپنے کئے سے پشیماں نہیں

مرا نامۂ شوق تلووں تلے ÷ ÷
نہ ملئے یہ خونِ شہیداں نہیں

اُسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر
کہیں پرسشِ داد خواہاں نہیں

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو
ہے فکر بخیہ تجھکو گریباں کے چاک میں

دلِ پُر زخم ہی کو آگ لگا دی ہم نے
چارہ جز شعلہ پئے خانۂ زنبور نہیں

محتسب کو کیا بیکار تری آنکھوں نے
ایک میخانہ بھی اس دور میں معمور نہیں

مژدہ اے چرخ کہ اب میری طرح سے رکھتا
طاقت اُٹھنے کی ذرا نالۂ رنجور نہیں

ہے نیا قاعدہ یاں ذبح کا قاتل کی طرف
دیکھنا پھر کے کن انکھیوں سے بھی دستور نہیں

دامن اُسکا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں

کون سا دن ہے کہ خورشید جہانتاب سحر
خاکِ در سے ترے دریوزہ گرِ نور نہیں

ترک روئی خوش آزردہ محالات سے ہے
یوں خدا کی تو خدائی سے ہے کچھ دور نہیں

گیا کون سا صید افگن ادھر سے
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

کھڑے گھبرا کے کھُلے بالوں ہر اک کھٹکے پر
کیوں نکل آتے ہو دھوکے میں جو بیتاب نہیں

اے بلبلان شعلہ دم اک نالہ اور بھی
گم کردہ راہ باغ ہوں یاد آشیاں نہیں

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ
اک قہر تھی بلا تھی قیامت تھی جاں نہیں

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شبِ فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

گو اسیری میں ہوں پر مثلِ اسیرِ تصویر
نہ غم قید نہ پروائے رہائی مجھکو

ترے مجروح کے سینے میں کچھ گرمی سی باقی تھی
وہیں بس ہو گیا ٹھنڈا جو کھینچا تیرے پیکاں کو

اُلجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب
لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلفِ پریشاں کو

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے
گر ہم بھی سبک حرکت و نا اہل سے ہوتے

عالم خراب ہے نہ نکلنے سے آپ کے
نکلو تو دیکھو خاک میں کیا گہر کے گھر ملے

پروانہ وار ہے حدِ پرواز شعلہ تک
جلنے ہی کے لئے مجھے یہ بال و پر ملے

باہم ملاپ تھا یہ ترے دورِ حسن میں
یہ رسم اُٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے

دل نے ملادیں خاک میں سب وضعداریاں
اُسکی گلی میں لے گئے آزردہ کو اُسے

آنکھ اُٹھائی نہیں وہ سامنے سو بار ہوئے
کامل اس خرقۂ زہاد میں اُٹھا نہ کوئی

نہ اُٹھی بیٹھ کے خاک اپنی ترے کوچے میں
صبح لے آئینہ اُس بت کو دکھایا ہم نے

کچھ تعجب نہیں گرا بکے فلک ٹوٹ پڑا
مصر میں آج تجھے دیکھ کے پچھتاتے ہیں

مبتذل میں ہی تو ہوں آپ جو کہیے سچ ہے
یہ ہیں آزردہ جو کہتے ہوئے شیئاً للہ

مبتذل دوست بنایا نہ اُسے کیوں اول
مکھڑا وہ غضب زلفِ سیہ فام یہ کافر

نقشے تو بہت صانع قدرت نے بنائے
بالیں پہ کھڑا روتا ہے راتوں کو مسیحا

جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے
دی تھی دعا یہ کس نے کہ جنت میں گھر ملے

ہجر میں ایسے فرامشگرِ دیدار ہوئے
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح یار ہوئے

ہم نہ یاں دوش ہوا کے بھی کبھی بار ہوئے
رات اغیار سے ملنے کے جو انکار ہوئے

آج نالے جو کوئی اور بھی دو چار ہوئے
سادہ لوحی سے جو یوسف کے خریدار ہوئے

رات جھگڑے تو مجھی پر سرِ بازار ہوئے
آج دریوزہ گرِ خانۂ خمار ہوئے

جس نے اُس شوخ کی نظروں میں کیا خوار مجھے
کیا خاک جئے کوئی شب ایسی سحر ایسی

پر بن نہ سکا پھر وہ دہن ایسا کمر ایسی
کچھ آن بنی ہے ترے بیمار پر ایسی

انتخاب مُسدّس مرثیہ دہلی

جنکو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا
انکی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا
اہل نا اہل سے خلط جنہیں زنہار نہ تھا
آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی واں بار نہ تھا
وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشاں دربدر
خاک بھی انکو نہیں ملتی کہ ڈالیں سر پر

زیورِ الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا
بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا

گاج کا جن سے ڈوپٹہ نہ سنبھالا جاتا
لاکھ حکمت سے اُڑھاتے نہ اُڑھایا جاتا

سر پہ وہ بوجھ لئے چار طرف پھرتے ہیں
دو قدم چلتے ہیں مشکل سے تو گر پڑتے ہیں

طبع جو گہنے سے پھولوں کے اذیت پاتی
شام سے صبح تلک نیند نہ جن کو آتی
منہدی ہاتھوں میں لگا سوتی تو کیا گھبراتی
ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی

اُنکو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
سنگ پہلو سے اُٹھایا تو سرہانے رکھا

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جان پہ بن جاتی ہے
سر ہے اور جوش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے
مصطفیٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

کیوں نہ آزردہ نکلجائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

آس

(آس) للن میاں کے نام سے مشہور ہیں ۔ قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں رہتے ہیں ۔ ۲۵-۲۶ برس کی عمر ہے ۔ سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد اور طبیعت فن شاعری سے بہت مناسبت رکھتی ہے ۔ مزاج میں مزاح و ظرافت بہت ہے ۔ فارسی کی قابلیت خاصی ہے ۔ کچھ عربی سے بھی بہرہ یاب ہیں اور انگریزی سے بھی ماہر ۔ اگرچہ مشق سخن کو بہت زمانہ نہیں گزرا مگر طبیعت کی جودت نے اچھا ملکہ حاصل کیا ہے ۔ اپنے طرز بیاں کو فصیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں ۔ اُستاد ظہیر انکو بہت چاہتے اور اکثر انکی غزلوں کی تعریف فرماتے ہیں ۔ تھوڑا سا کلام انتخاباً درج ہے ؎

نہ ملو کھل کے تو چوری کی ملاقات رہے
چال رفتار میں گفتار میں کچھ گھات رہے
حسرت دید نہ ارمان ملاقات رہے
آیا جایا کرو تم رات گئے رات رہے
لطف تو جب ہے کہ ہر بات میں اک بات رہے
آس پھر جائیں مرے دن جو وہ اک رات رہے

وصل کی شام کی اللہ کرے صبح نہو
ایک شب کو جو وہ آئے تو گئی رات رہے

چھین لوں گا تمیں اغیار سے میں لڑ بھڑ کر
تو سہی حشر کا میدان میرے ہات رہے

وہ چلے جائینگے پہلو سے مرے پچھلے پہر
صبح ہو جائیگی افسوس یہاں رات رہے

نہ وہ رونق نہ وہ رنگت نہ وہ جوبن نہ وہ روپ
کچھ بتائیں تو سہی آپ کہاں رات رہے

کھینچتا ہوں جو تصور میں کسیکی تصویر
مدعا ہے کہ وہ آگے مرے دن رات رہے

مانگتا ہے کوئی ساغر کو تو دیتا ہے وہ خم
شاد آباد مرا پیر خرابات رہے

سچ اگر پوچھو تو انصاف کے یہ معنی ہیں
ہے جہاں غیر سے مجھسے بھی ملاقات رہے

میری آنکھوں کی اگر اشک فشانی دیکھے
پانی پانی عرق شرم سے برسات رہے

جو کیا آس نے الفت میں کرے گا نہ کوئی
یاد یہ آپ کو سو بات کی اک بات رہے

آسان

(**آسان**) منشی سید محمد جعفر کانپوری ابن مولوی میر محب علیؒ صاحب سلیس مرحوم مرثیہ گو متوطن کانپور۔ خواجہ مرتضٰے خاں بقا معروف بہ مستند الشعرا کے شاگرد رشید اور نواب سید بنیاد حسین صاحب جاہ رئیس اعظم کانپور کے صاحبزادے کے اتالیق ہیں۔ رنگینی طبع خوش فکری ہر شعر سے ظاہر ہے۔ تشبیہیں اور استعارے نہایت لطافت سے باندھے ہیں۔ روزمرہ صاف ہے سن شریف پچاس سال کے قریب ہے ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام وصول ہوا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ۵

شگفتہ ہو گیا دل دیکھکر ہر ایک بسمل کا
کھلا ہے باغ کیسا جوہر شمشیر قاتل کا

ہلال آسماں بھی صورت ماہی نظر آئے
جو دریا آئے طغیانی پہ آب تیغ قاتل کا

پس مردن بھی میرا نام روشن ہے زمانے میں
بنا ہے غیرت خورشید ہر کاسہ مری گل کا

برستے ہیں سر عشاق مقتل میں تماشہ ہے
اٹھا ہے ابر کیسا جوہر شمشیر قاتل کا

خدا محفوظ رکھے ناز و انداز حسیناں سے
وہ دشمن جان کا میری یہ دشمن ہے مرے دل کا

ہوا ہے جلوۂ وحدت سے یکتا یہ صفائی میں
ذرا دیکھیں تو آ کر آپ آئینہ مرے دل کا

ہزاروں داغ کھائے جو ہمارے مثل اے آسان　　جگر ایسا ہے قمری کا نہ دل ایسا عنادل کا

فروغِ حسن جہاں میں جو تجھکو ہے منظور　　زبانِ شمع کی مانند رکھ زباں خاموش

خفا ہو کس سے کہو تو یہ رنج کس سے ہے　　بتاؤ بیٹھے ہو کیوں آج مہرباں خاموش

ہے فزوں تر گلِ تر سے بھی بہارِ عارض　　کس طرح بلبلِ دل ہو نہ نثارِ عارض

میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے　　یوں سمجھ کر کہ یہ تھا عاشقِ زارِ عارض

کثرتِ تارِ نظر سے نہ رہائی دیجے　　پھینک کر دامِ نگہ کیجیے شکارِ عارض

کہکشاں مانگ سے ہے اُنکی شبِ یلدا زلفیں　　خال رخ پر ہیں ستارے مہِ انورِ عارض

دام میں طائرِ دل کو نہ پھنسائیں اپنے　　دانۂ خال کو زلفوں میں دکھا کر عارض

آنسو مرا آنسو نہیں اے اہلِ نظر ہے　　دریا ہے روانی میں صفائی میں گہر ہے

جاتا ہے اُدھر رخ ترے عاشق کا جدھر ہے　　قرباں ہیں اس تیر کے کیا تیرِ نظر ہے

یہ چشم ہے یا ہے صدفِ قلزمِ الفت　　یہ اشک ہے یا بحرِ محبت کا گہر ہے

تعریف کروں اور میں کیا اس سے زیادہ　　تارِ نظر دیدۂ عنقا وہ کمر ہے

ہوتی نہیں آخر کسی صورت یہ خدایا　　کیا صبحِ قیامت شبِ فرقت کی سحر ہے

پاتا ہے جو قاتل تری تلوار کا پانی　　اب رنگ میں ہمشکل گلِ زخمِ جگر ہے

ہے موتیوں کے ہار میں اک لعلِ بدخشاں　　اشکوں میں ہمارے یہ نہیں لختِ جگر ہے

اب ہوش میں آ خوابِ تغافل سے ہویدا　　پیری نہ سمجھ شامِ جوانی کی سحر ہے

مشکل نہیں فردوس تجھے حشر میں پانا　　آسان غمِ شبیر ترے دل میں اگر ہے

عشق میں حسن دکھائے جو طبیعت میری　　صاف آئینہ حسینوں کا ہو حیرت میری

آسماں عیش کے پردے میں ستم کرتا ہے　　لفظ عسرت سے بدلدیتا ہے عشرت میری

فرقت کی شب ہے، درد مرا کچھ نہ پوچھئے　　ہر حال میں ہے شکرِ خدا کچھ نہ پوچھئے

کس شوخ نے کیا ہے مجھے بسمل میں کیا کہوں　　تڑپا گئی ہے کس کی ادا کچھ نہ پوچھئے

جسنے گلے لگا لیا اُس کو ہُوا شہید | حال عروسِ تیغِ ادا کچھ نہ پوچھیے
اچھا تپِ فرقت سے بھلا کیوں نہیں کرتے | ہو رشکِ مسیحا تو دوا کیوں نہیں کرتے
کیا اہل جہاں کرتے ہیں ظاہر کی صفائی | آئینۂ باطن کو جِلا کیوں نہیں کرتے
جز ذاتِ خدا اور بقا کسکو ہے آسان | فانی ہے جہاں یادِ خدا کیوں نہیں کرتے
کُنجِ قفس ملا عوضِ بوستاں مجھے | افسوس لے گئی مری قسمت کہاں مجھے
بولے وہ گردِ مجمعِ عشاق دیکھکر | یوسفؑ سمجھ کے گھیرے ہے یہ کارواں مجھے
پستی میں اوج اوج میں پستی رہی مدام | ہے آسماں زمیں تو زمیں آسماں مجھے
مشتاق میں اشارۂ ابرو کا رہ گیا | خنجر تمہارا چھوڑ گیا نیم جاں مجھے
اہل عدم نے مڑ کے نہ دیکھا جو میرا حال | سمجھے تھے کیا غبارِ پسِ کارواں مجھے
باطن میں پاس یار کے رہتا ہوں رات دن | ظاہر میں دیکھتے ہو تم آساں یہاں مجھے

آسی

(آسی) - مولانا شاہ عبد العلیم صاحب سکندر پوری آج کل غازی پور میں مقیم ہیں ایک نہایت لائق - برگزیدہ اخلاق - ستودہ صفات - صوفی مشرب - عالم باعمل - ادیب کامل - مانے جاتے ہیں - صدہا طالبین با صدق وصفا نے آپ سے فیض پایا ہے - آپ کو عربی وفارسی میں وہی قدرت حاصل ہے جو اپنی مادری اُردو زبان میں دسترس ہے - فن شاعری میں بھی ید طولٰے رکھتے ہیں - علوم صوری کے درجے طے فرما کر علوم معنوی میں روز افزوں ترقی کر رہے ہیں اسوقت سن شریف بہتّر برس کے قریب ہے مگر طبیعت ہنوز جوان اور عالم شباب کی طرح بدستور زوروں پر ہے - اعلیٰ درجے کے مستغنی المزاج - اکابرین سلف کی زندہ یادگار ہیں ایام طالب علمی سے شعر وسخن کی طرف بھی طبع مائل رہی ہے - اس فن میں **ناسخ** مرحوم کے خاندان سے مشورہ لیا ہے - ناسخ اور میر علی اوسط - رشک - نے جو روش اختیار کی ہے اُسی کی تقلید کرتے ہیں - ایک زمانہ میں آپ کا کلام بالکل عالمانہ ومشکل پسند رنگ لئے ہوئے تھا - لیکن جب سے آپ کی توجہ تصوف کی طرف مائل ہوئی وہ رنگ ہی بدل گیا عشق مجازی سے

عشق حقیقی میں مستغرق ہو گئے - آپ کے کلام سے آپکی خوشیِ طبع - بلند پروازی - بندشِ مضمون - تلاشِ الفاظِ مانوس و موزوں - برجستگی کلام - شستگیِ زبان کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے - غرض اصنافِ علوم پر پورے پورے قادر اور ہر علم و فن سے بخوبی واقف و ماہر ہیں مگر افسوس ہے کہ تدوین کلام کی مطلق اجازت نہیں دیتے جو کچھ متبرک کلام مختلف ذرایع سے ہم پہنچا ہے وہی نور افزاے ناظرین تذکرہ کیا جاتا ہے وہو ہذا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا
اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

میں اور گوے عشق مرے اور یہ نصیب
ذوقِ فنا خضر کی طرح رہ منا ہوا

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے
کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

رباعی

پھر بادۂ تند غصہ پینا ہوگا
پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں کے مار ڈالا آسی
سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

رباعی

یا مجھکو ترا حسن نہ بھایا ہوتا
یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا
ہر جزو بدن کو دل بنایا ہوتا

وہ کون حسرت بھی دل کے اندر کہ وقت صدیق وتاب ہوکے
جب آنکھوں تک ہوش کھا کے آئی ٹپک پڑی خونناب ہوکر

ہزاروں کی جان لے چکا ہے یہ چہرہ زیرِ نقاب ہوکر
مگر قیامت کروگے برپا جو نکلوگے بے حجاب ہوکر

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں
کسیکو لوٹا ثواب ہوکر کسی کو مارا عذاب ہوکر

وہ ہیں سوارِ سمندِ خوبی ہلالِ شوال کی یہ شوخی
گلے لگا اُنکے ہو کے کنٹھا قدم لئے ہیں رکاب ہوکر

بلندی اُسکی اُسیکی پستی ہر ایک شے میں اُسکی ہستی
عروج اُسی کا رسول ہوکر نزول اُسی کا کتاب ہوکر

وہ حسن جسپر نظر نہ ٹھیرے بہار اسکی دکھا رہی ہے
کہیں صباحت نقاب ہوکر کہیں ملاحت حجاب ہوکر

خبر جو محشر میں بھیڑ کی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسیکے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہوکر

شناخت اُسکی ہو سہل کیونکر کہ جب نہ تب بھی اک بنا ہو
وہ دن کو خورشید ہو کے نکلے تو رات کو ماہتاب ہوکر

میں دل سے اس شیخ کا ہوں قائل کہ میکدہ میں پڑا ہے تجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہوکر

فراق میں اس قدر تردد ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بیقراری وصال میرکا میاب ہوکر

نہ کر تو اتنی مذمت اسکی بہشت کی چیز ہے یہ واعظ　　یہ ملک ہے جوشِ بحرِ رحمت اگرچہ آیا شراب ہوکر
وہ تھا بدن یا کوئی گلِ تر پھر اسکی خوشبو وہ روح پرور　　جدھر سے گذرے بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہوکر
نگاہیں برچھی نہیں ہیں انکی کہ غمزہ انکا نہیں ہے خنجر　　کرینگے اقرار خون عاشق کبھی تو وہ لاجواب ہوکر
جناب ناسخ کی یہ ہدایت ہے یاد رکھنا تم اسکو آسی　　غزل میں ایسے ہوں شعر جن میں کمی نہو انتخاب ہوکر

نا بکے حسرتِ وصل و غمِ فرقت مجھکو　　اپنی ہستی سے کسی طرح ہو غفلت مجھکو
ہوں گنہگار مگر حسرتِ دیدار ابھی ہے　　جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھکو
میں بھی باطل میری ہستی بھی سراسر باطل　　یہ سجھائی ہے انا الحق کی حقیقت مجھکو
نور خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے　　تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہو خلوت مجھکو
بے حجابی کبھی ممکن نہیں جب تک میں ہوں　　خلل انداز ہوں کر دیجئے رخصت مجھکو
اب تو دیدار دکھا دیجئے تقصیر معاف　　ہو گیا وعدۂ فردا بھی قیامت مجھکو

میں کہاں میں تو ہوں معدوم مگر ہے کوئی　　کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہئے
قطرہ وہ ہے کہ رو کشِ دریا کہیں جسے　　یعنی وہ میں ہی کیوں نہوں سمجھا کہیں جسے
بیمارِ غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے　　وہ دردِ دل میں دے کہ مسیحا کہیں جسے
یہ بخشش اپنے بندۂ ناچیز کے لئے　　تھوڑی سی چیز ایسی کہ دنیا کہیں جسے
آسی جو گل سے گال کسیکے ہوئے تو کیا　　معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

عہدِ شباب عہدِ وفا سے نگار ہے　　کتنا ہی پائدار ہو ناپائدار ہے
کیوں تجھکو اسقدر غمِ روزِ شمار ہے　　اے محتسب شراب بڑی غمگسار ہے
صیاد و عندلیب میں کیا واقعہ ہوا　　گل دلفگار سنبل تر سوگوار ہے
خونریز توبہ زہد شکن اتقا گداز　　رات آپکے شباب کی صبح بہار ہے
کیا چیز تیری نذر کروں اے رسولِ یار　　اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے
ہستی ہے عین موجۂ دریائے نیستی　　درکار قوتِ نگۂ اعتبار ہے

بنیادِ روزگار کی نامحکمی نہ پوچھ	گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے
واعظ مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ	میں ہوں گناہگار وہ آمرزگار ہے
مستی میں کوئی راز جو آسی سے فاش ہو	معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

آشفتہ

(**آشفتہ**) شاعرِ باکمال عنبر شاہ خاں - باشندۂ رام پور شاگرد قائم چاند پوری - جوانِ وجیہ تھے - شگفتگیِ طبع - خوش روئی - لطیفہ گوئی - بذلہ سنجی میں مشہور تھے - ۷۰ برس کی عمر پائی - فنِ انشا پردازی سے بخوبی واقف و ماہر اور نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل تھی - اُردو فارسی دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے - فارسی میں قدرت اللہ **شوق** سے اصلاح لیتے تھے ۱۲۳۰ھ ہجری تک زندہ تھے مزاج میں ظرافت حد سے زیادہ تھی - قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں انہیں حافظ بڈھا کا شاگرد لکھتے ہیں - فارسی کا زیادہ شوق تھا - ریختہ کی طرف کم توجہ تھی - کبھی کبھی مشاعروں میں دوستوں کے اصرار سے غزل پڑھ دیا کرتے تھے - انکا اکثر کلام نظر سے گزرا - محاورات کہنہ اور زبانِ قدیم کا بہت استعمال کیا ہے کبھی کبھی صاحبقراں کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے - رنگین عبارت لکھنے میں فرد تھے - بہت سی کتابیں انہوں نے تالیف و تصنیف کیں منشآت میں **گلشنِ فیض** - جوشش ہوش - گلزارِ عنبر - اشراق الخیال - سودائے عنبر - اور فارسی قواعد میں جوہرِ عنبر - ایذان الاوزان - نوادر المصادر - اور مصطلحات میں **مرأۃ الاصطلات** اور ذکرِ شعرائے ہند و عجم میں ایک بیاض **ریاضِ عنبر** اور دو **دیوان** انکی یادگار ہیں - اُردو دیوان کا نام **تدقیق الخیال** اور فارسی دیوان کا نام **تشریق الخیال** ہے - فارسی میں اپنا تخلص **عنبر** رکھتے تھے - مراد آباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھیر میں دفن ہوئے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؂

زندہ مانندِ شمع پھر نہ اُٹھا	اس کی محفل میں جا کے جو بیٹھا
نہ پھرا اس شرمِ نارسائی سے	خط مرا نامہ بر کو کھو بیٹھا
کسلئے کرتے ہو تم یہ نظرِ ہوش رُبا	بس ہے عشاق کو اسکا اثرِ ہوش ربا
قتلِ عشاق کی خاطر نہ نکالو خنجر	ہمکو کافی ہے تمہاری نظرِ ہوش رُبا

دل سے ہے واماندہ اور اُس زلف کی ہے راہ دراز
سخت پیش آئی ہے اسکو سفر پوش لیا

زباں سے اسنے نگاہِ بتاں کا کام لیا
حضورِ قلب سے جسنے خدا کا نام لیا

حُبک رواں نہیں منت پذیرِ اہلِ کرم
تہی حباب نے دریا سے اپنا جام لیا

رہائی دل کی ہے مشکل کہ قید کو اسکے
مژہ نے اُسکے قفس گیسوؤں نے دام لیا

کہی نہ بات بھی ہنگامِ دلستانی کی
دیا دل اُسکو اور اُسنے بھی لا کلام لیا

رہائی اُسکے رخ و زلف سے ہے بس دشوار
دل اپنا یا بنے آشفتہ صبح و شام لیا

نکال منہ سے نہ آشفتہ نام قامتِ یار
جہاں میں شورِ قیامت کو تو نکر برپا

ہر باغ میں ہے شورشِ آوازِ عندلیب
فصلِ بہار پھر ہوئی دمسازِ عندلیب

خوباں بغیر کون ہے عاشق کا راز داں
گل کے سوا نہیں کوئی ہمرازِ عندلیب

ہے ہجوم داغ سوزاں اور دلِ مایوس ایک
ہر طرف جلوہ چراغاں کا ہے اور فانوس ایک

دل جگر تاب و تواں فرقت میں اُسکے چل بسے
رہ گئی زندانِ تن میں جانِ غم مایوس ایک

وصل کی شب خوف سے اُسکی رہی اُس سے جدا
روزِ ہجراں دل میں ہے اپنے یہی افسوس ایک

عشق گلرویاں میں بلبل اور ہم یکرنگ ہیں
جسکو ہم سر پر چڑھا دیں وہ گلے کا ہار ہو

آفتابِ حشر تارک پر تری روشن ہوا
اب تو اے آشفتہ مستی سے ذرا ہشیار ہو

مثلِ حباب بحرِ جہاں میں الم کے ساتھ
وابستہ اپنی زندگی ہے ایک دم کے ساتھ

گو کف پہ آبلہ ہے صدف ساں پہ مثلِ بحر
اہلِ سخا کو کام ہے ہر دم کرم کے ساتھ

پاس نفس سے راہِ رواں چوں حبابِ بحر
اک دم میں آشنا ہے وجود و عدم کے ساتھ

آشفتہ نامِ عشق نہ لے پھر تمام عمر
دیکھے جو کوئی میرے دلِ زار کی شبیہ

قاصد مرے نامہ میں عبارت نہیں رنگیں
ملفوف ہیں دل میں دلِ مہجور کے ٹکڑے

اپنا دل ملول ہے وہ غنچہ اے نسیم
گلشن میں جو کھلا نہو بادِ بہار سے

کشورِ عشق میں ہے اپنا مکان بر سرِ راہ
جو غم زدہ ہے سو آ کے یہاں رہتا ہے

برنگ نقش پا دایم ہو افتادہ کہ آشفتہ
بگولے کی طرح نت سرکشوں کے خاک برسر ہے
بھبوت اُس حسن سنیاسی پسر کا زیب پر ور ہے
رخ آئینہ خاکستر سے پیوستہ منوّر ہے
حذر تردامنوں سے صاف دل کے حق میں بہتر ہے
کہ چشم آئینہ پانی کی صحبت سے مکدر ہے
آیا نہ کچھ نظر ہمیں بیداری میں مگر
شب خواب میں تھی اُسکی کمر دست کے تلے

آشفتہ

(آشفتہ) حکیم مرزا رضا علی بیگ خلف حکیم محمد شفیع اکبرآبادی۔ آگرے میں پیدا ہوئے مگر جب عہد شباب آیا تو لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں میرسوز کی شاگردی اختیار کر کے شعرا کے دربار میں داخل ہوگئے۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں خود بھی بزم مشاعرہ منعقد کرتے رہے۔ زبان پاکیزہ۔ صاف اور دردمندانہ طبیعت اس فن کے مناسب حال پائی تھی۔ شعر گوئی اور شعر خوانی میں اپنے اُستاد کا بہت تتبع کرتے تھے۔ علم طب کی فضیلت کی شہرت بلاد مشرقیہ تک پہنچی تھی۔ چنانچہ حسب الطلب نواب مبارک الدولہ ناظم بنگالہ کے معالجے کے لئے مرشدآباد گئے گو وہ جاں بر نہوئے۔ مگر اُنکے قدرداں خلف نواب ناصر الملک بہادر اِن سے بہت اچھی طرح مسلوک ہوئے کامل سات برس تک اپنے پاس رکھا۔ آشفتہ بدرجہ غایت بے پروا۔ وارستہ مزاج اور فراخ دست آدمی تھے۔ اسلئے اکثر مقروض رہا کرتے تھے۔ آخر کار ۱۲۱۱ھ ہجری میں کلکتے چلے گئے وہاں بھی اُنکی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔ مرزا علی لطف اور مصحفی دونوں نے اپنے تذکروں میں اِن کا حال لکھا ہے۔ فن موسیقی میں درجہ کمال حاصل تھا۔ اور شعر گوئی میں مہارت تام رکھتے تھے۔ شعر صاف اور دردانگیز کہتے تھے۔ شوق کے تذکرے میں بھی اِن کا کلام ہے۔

اٹھتے تو اُس سے رات میں غصہ میں لڑ لیا
پھر جب وہ اُٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا
جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں
یاں تلک انتظار تھا دل میں
مر گئے پھر بھی ہم کو خاک نہ دی +
آج تک یہ غبار تھا دل میں
فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
اِدھر اُدھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ

اگرچہ ہووے گی تصدیع لیکن آہ آشفتہ
کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ

چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے
الٰہی موت دے گزرا میں ایسے جینے سے

اپنے کے ہوتے بھلا غیروں کو تو صد قے نکر
ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے

چلا ہے کعبے کو آشفتہ پارسا بنکر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے

آشفتہ

(آشفتہ) عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں دہلوی قوم کے افغان - ایک وارستہ مزاج اور میر محمدی مائل کے شاگردوں میں تھے - فارسی میں فرزند علی مضمون سے مشورہ سخن کرتے تھے - مشہور ہے کہ معروف نے سو روپے دے کر ان سے فقط ایک لفظ ہری چگ خرید لیا تھا یہ ۱۷۹۳ء میں کچھ عرصے تک لکھنؤ میں بھی رہے ۱۲۱۱ھ ہجری میں وفات پائی - اخیر عمر میں دنیوی تعلقات قطعی ترک کر دئے تھے اور کسب باطن کی طرف متوجہ ہو کر مولانا فخرالدین کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ فکر سخن سے بھی دست بردار ہو گئے تھے - مقطع میں اکثر زلف کا مضمون لاتے تھے - فارسی اور ریختہ دونو زبانوں میں دیوان موجود ہیں - انتخاباً اُردو کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں ۵

ناخواندہ مرے خط کو اُلٹا ہی پھرا لایا
قاصد کا گلہ کیا ہے قسمت کا لکھا لایا

ہوتا ہے تازہ آہ سے جوں گل ایاغ دل
کھلتا ہے اس نسیم سے اپنا تو باغ دل

جام گدائی ہاتھ میں لے نت شام سویرے پھرتے ہیں
شمس و قمر ہیں دونو بھکاری حسن کے تیرے بھرتے ہیں

پنڈت پوچھو ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پر
بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کسکے پھیرے پھرتے ہیں

عقل ہوئی اب سلب ہماری آہ جنوں رے واہ جنوں
کوچہ بکوچہ اب تو ہمکو لڑکے گھیرے پھرتے ہیں

یوں کاندھے پر زلفیں اُسکے بل کھاتی ہیں وقت خرام
مار سیہ کو ڈال گلے میں جیسے سپیرے پھرتے ہیں

جوگ لیا آشفتہ نے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی
گلیوں گلیوں حال پریشاں بال بکھیرے پھرتے ہیں

دیوانگی ہماری ہر لحظہ یاں ہے تازہ
شیدا ہیں اُس پری پر ہم گرچہ مدتوں سے

سر دیا یار پہ اک گام نہ سرکے آگے	پاؤں کو توڑ جو بیٹھے ترے در کے آگے

آشفتہ

(آشفتہ) منشی گلاب سنگھ دہلوی - قوم کے کھتری اور نہایت وجیہ طرحدار جوان تھے عین آغاز شباب میں بنو نامی ایک خانگی پر عاشق و فریفتہ ہو گئے - اور وہ بھی ہزار جان سے انکی شیدا و والہ تھی - کچھ ایام تو نہایت عیش و عشرت سے ایک جگہ بسر کئے - مگر زمانہ کے انقلاب نے آخرکار عاشق و معشوق میں جدائی کرادی - وفور شوق و اضطراب سے بے بس ہو کر جب دوسرے پر کچھ بس نہ چلا تو خنجر آبدار سے اپنا ہی کام تمام کر ڈالا - انکی چوٹ کھائی ہوئی طبیعت سے ''وہ مضامین نکلتے تھے جنہیں سُن سُن کر عاشقانِ دلریش بے اختیار کلیجہ پکڑ لیتے ہیں - آشفتہ کے فیض صحبت سے وہ نازنین بھی فکرِ سخن کرنے لگی تھی - بعد اکبر شاہ ثانی غازی الدین خاں کے مدرسے میں جب مجلسِ مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی تو یہ بھی کبھی کبھی اُس مشاعرے میں شریک ہو کر دادِ سخن لیا کرتے تھے - غدر سے پچیس برس پہلے انتقال کیا - مگر کلام اب تک زندہ ہے انتخاب ملاحظہ ہو

پوچھتے کیا ہو کہ شب آشفتہ کیونکر مر گیا	اُسمیں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا
جان دی عاشق نے تیرے شکوۂ نالہ کے ساتھ	آدمی تھا آخرش صدمہ اُٹھا کر مر گیا
جدائی میں زبس آشفتہ جینے سے ہے تنگ	سُن ہی لوگے اک نہ اک دن پھوڑ کر سر مر گیا
تیرا شکوہ کبھو لب پر نہ آیا	پہ تجھکو رحم اے کافر نہ آیا
نہ سوئے ہم شبِ وعدہ سحر تک	نہ آیا تو ہی ظالم پر نہ آیا
اسی غم نے رُلایا ہم کو ~~عمر بھر~~	کہ تجھکو بولنا ہنسکر نہ آیا
نہ کر [illegible] اتنا شکوہ ہر دم	نہ ادے وہ جفا جو گر نہ آیا
گو دعا کے ہی لئے ہو ہے خدا کا تو خیال	کیا بنے گی گر کبھی وہ بدگماں پاجائے گا
ہائے یہ غیروں سے کہنا اُسکا رک رک کر اب	مجھکو مت چھیڑو کہیں آشفتہ یاں آجائیگا
زلفوں سے بھی زیادہ کیا رُخ نے دل پہ جور	کافر جو تھے سو تھے یہ مسلماں کو کیا کہوں
درد دکھ جو جہاں میں آتے ہیں	وہ میری ایک جاں پہ آتے ہیں

اک نہ آنے سے تیرے سر اے ظالم — شکوے سو سو زباں پہ آتے ہیں
رکھا سر پاؤں پر اُس کے تو بولا — کہ تو بھی سب بے سر و پا کس قدر ہے
دم کا مہماں ہے اور آشفتہ — بے خبر تجھکو کچھ خبر بھی ہے

آشفتہ کی معشوقہ ہنوا انکے انتقال کے بعد کسی سے ملتفت نہوئی - اور اپنے عاشق صادق کے فراق میں برابر چھ مہینے تپ محرقہ میں گھُل گھُل کر اپنے عاشق جاں باز سے جاملی بطور یادگار اُسکے بھی چند شعر لکھے جاتے ہیں جو درد مفارقت کے اثر سے دردانگیز اور حسرت خیز ہیں ؎

چھوڑ کر مجھکو کہاں اے بت گمراہ چلا — تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا
چھُٹ گیا غم سے میرا کشتۂ ابرو مرکر — اک چھُری میرے گلے پر بھی میری آہ چلا
میں تپ غم سے جلوں اور یہ کریں دق کا علاج — ہو سمجھ اُلٹی طبیبوں کی تو کیا اسکا علاج
نہ تو موت آتی ہے نے زیست کا یارا مجھکو — ہائے آشفتہ تیرے مرنے نے مارا مجھکو
موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ — تُو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھکو
اب کسے چین کہاں عیش کدہ ہر بستر خواب — نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھکو
کیا ہوئی ہائے فغاں کی تیرے شور انگیزی — لے چلے تجھکو تو تُو نے نہ پکارا مجھکو
ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں کمبخو — موت آجائے تو ہو غم سے دو بارا مجھکو
نعش آشفتہ کو بیرحموں نے پھونکا آگ سے — آتش غم بھی جو انا مرگ کی کچھ کم نہ تھی

آشفتہ

(آشفتہ) حکیم منور علی خاں خلف سید علی نواز مقیم شاہ جہاں آباد - فن طب میں حکیم غلام حیدر خاں کے شاگرد - اور فن شعر میں حکیم مومن خاں اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم سے مستفید تھے - مزاج میں خلقی بے باکی تھی - کچھ دنوں میرٹھ کی عدالت میں ڈگری نویس رہے - نہایت ذکی وفہیم تھے - اور فن سخن سے قدرتی مناسبت رکھتے تھے - ۱۸۴۸ء میں چالیس سال کے قریب عمر تھی ؎

اجل تو نے کیا کیا مجھے شرمندہ قاتل سے — تماشہ تھا اُسے میرے تڑپنے کی اذیت کا

کانٹا سا ہو گیا تھا میرا سوکھ کر بدن
لاشہ اُلجھ کے دامنِ قاتل میں رہ گیا

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی
کسیکا ہم نے بتلاؤ لیا کیا

ہم وحشیوں کا گھر ہے کہ لڑکوں کا کھیل ہے
دن میں ہزار بار بنا اور بگڑ گیا

غیر اچھا ہے یا بُرے ہیں ہم
آپ ہی دل سے پوچھئے صاحب

سر پر اور آنکھوں پہ ہے ناصح نصیحت آپکی
پر کروں کیا دل پہ میرا کچھ نہیں ہے اختیار

آشفتہ تیری گور میں تڑپے سے ساری خلق
ہے بیقرار آمدِ محشر کو جان کر

تم غیر سے ملے میں کسی سے ملا نہیں
سچ ہے کہ بے وفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

عاشق کو لطف سے ہے فزوں لطف جور میں
یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں ؎

نے قتل کا خیال اُنہیں اور نہ موت کا
قسمت میں کیا خدا میرے مرنا لکھا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں
اب جی میں ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم
ظاہر میں ہُوں پاس پر جدا ہُوں

آوارہ ہُوں آپ پر جہاں کو
میں خضر کی طرح رہ نما ہوں

اللہ رے یاوری طالع ؎
ٹھکرا کے چلے وہ میرے سر کو

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہوگی
یار ہے گا یہ غم و رنج و الم جان کے ساتھ

غش ہونگے ہم آشفتہ تاب رُخِ جاناں سے
پوچھے گا قیامت میں بیہوشوں سے کیا کوئی

میرا ہی کیا قصور ہے بیتاب و بیقرار
جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے
ستم کو وہ بد خواہ جانتا ہے

ہے جلّاد کی سادگی میں بھی شوخی
میرے خوں کو رنگِ حنا جانتا ہے

سُنا تھا ہم نے آشفتہ کہ کوئی دم کا ہے مہماں
کئی دن ہو گئے اُسکو نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے

(آشفتہ) جز الدولہ ضیغم الملک ہادی علی خاں بہادر قائم جنگ خلف نواب حیدر علی خاں بہادر نواب محسن الدولہ بہادر کے سی ایس آئی کے علاتی بھائی اور لکھنؤ کے نواب زادوں میں تھے۔ شیخ امان علی سحر کے شاگرد تھے اُنکا یہی ایک شعر لا

خون سے میرے حنابندی کسے منظور ہے	چشمِ ناخن سے جو کرتے ہیں اشارے ہاتھ پاؤں

آشفتہ

(آشفتہ) شاعرِ بے نظیر پنڈت امرناتھ کشمیری دہلوی۔ شاگردِ رشید خدا بخش خان تنویر دہلوی آپ صوبۂ پنجاب میں عہدۂ منصفی پر ممتاز تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں تربیت پائی فکرِ رسا کی اعانت اور طبیعت کی مشاقی نے استادی کے رتبہ پر پہنچا دیا تھا۔ اِن کی اکثر غزلیں اربابِ نشاط کے مُنہ سے نکلکر موسیقی کی تاثیر کو دوبالا کرتی اور عاشق مزاجوں کو بن چُھری ذبح کر دیتی ہیں شوخ پن کا انداز بھی نہایت دل پسند اور مرغوب تھا۔ سبزہ رنگ۔ کشیدہ قامت۔ قوی الجثہ آدمی تھے۔ خلق و مروت اور اہلیت میں یگانۂ عصر تھے۔ سنہ ۱۳۰۰ ہجری میں اگرچہ آپکا سن پچاس برس سے گزر چکا تھا اور علی پور واقع ملتان جیسے دور و دراز اور ریگستانی مقام میں متعین تھے مگر شغلِ سخن کے لوازم ساتھ رہے۔ دیوان مرتب کر لیا تھا مگر شائع ہونے نہ پایا۔ کلام کی سادگی میں شوخی کے نشتر برابر چبھا کرتے تھے۔ فکرِ رسا نے سلیس زبان میں بعض لطیف اور پیچیدہ مضمون ادا کئے ہیں۔ خاندانی اساتذہ کا رنگ طبیعت پر اس قدر غالب نہ تھا جتنی صفائیٔ زبان پر نظر تھی۔ اسی وجہ سے اُن کی زندگی ہی میں کلام کو خاصی شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۸۸۵ء کے قریب انتقال فرمایا۔ کلام کا خلاصہ درج ذیل ہے ؎

غیر ممکن ہے کہ چھوٹے اُس سے آشفتہ کا دل	حلقۂ دامِ بلا حلقہ ہے زلفِ یار کا
نزع میں دیدارِ جاناں کا میسر ہو گیا	اپنا مرنا مجھکو جینے کے برابر ہو گیا
تن پہ جب پنجۂ وحشت نے نہ چھوڑا اک تار	تو دیا دشتِ جنوں نے مجھے داماں اپنا
اِن دنوں تم جو ہوا آشفتہ پریشاں خاطر	کس پہ ہوش آپنے کھوئے ہیں کہاں دل آیا
اپنا کیا عاشقِ بیمار نے درماں سمجھا	لب کو عناب سیہ خال کو ریحاں سمجھا
مرہمِ داغ جگر تیر کا پیکاں سمجھا	زیست کو موت میں اور موت کو درماں سمجھا
جس نے غارتگرِ مذہب کو دیا دل زاہد	عشق کو دین محبت کو ہے ایماں سمجھا
روزنِ زخم کئے بندستاں سے اُسنے	وہ عیادت کو میری غیر کے شامل آیا

آشفتہ بزمِ یار میں ساقی بنا ہے غیر
کی ہوگی اُس نے بادہ کشی بزمِ غیر میں
یاد آگئی وہ جنبشِ ابرو تو کیا کہوں
بھیجدو خاک پر شہیدوں کے
درماں نہیں مریضِ محبت کا اے طبیب
میرا بھی دل ہے زلف کو آہستہ کھولئے
دیکھکر ہووے گا اس آفت جاں کو کیا حال
جنکے باعث سب کی نظروں سے گرے
لگا بیٹھا حنا وعدہ کی شب جاناں کفِ پا کو
حسرتیں دل کی سب مٹیں آکے ملے جو ماہ رو
یاد میں تیرے اشکِ غم آنکھوں سے یوں بہا کئے
اُلجھا ہے بیطرح یہ دل کاکلِ پر شکن میں ہائے
تیرا مریضِ دلربا ہوگیا غم میں قیس سا
تیرے اسیر فتنہ گر کرتے ہیں شغل رات بھر
باغِ جہاں میں ڈھونڈھتی کسکو پھرے ہے اے صبا
کوئے جاناں دو قدم ہے ناتوانی دل نچھوڑ
دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال
میں تو شکوہ نہیں کرتا ہوں غمِ فرقت کا
ہمارا کام چشمِ فتنہ زا سے ہائے کیا نکلے
یہ وقتِ واپسیں ہے یا خدا اب بھی وہ آ نکلے
کیا ہے دل کا خوں شاید کسی پائے نگاریں نے

کیونکر پیوں کہ کرتی ہے ٹکڑے جگر شراب
تلخی رہی جو میری زباں پر تمام رات
رکھ لی گلے پہ رات کو بے اختیار تیغ
پھینکتے کیوں ہو فرشِ خواب کے پھول
اچھے نہ حشر تک کبھی ہونگے دوا سے ہم
زلفوں کی طرح دل بھی بجائے بکھر رہیں
جس کے بن دیکھے ہی بیتاب ہوا جاتا ہوں
اُنکے کچھ بھی ہم نہ آئے دھیان میں
جلاتی آتشِ غم ہے مرے دل کی تمنّا کو
بوسہ بہ بوسہ لب بہ لب دیدہ بدیدہ رو برو
لجہ بہ لجہ نم بہ نم چشمہ بہ چشمہ جُو بہ جُو
دام بدام خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مُو بمُو
خال بہ خال خط بہ خط چہرہ بچہرہ ہُو بہو
شور بہ شور غل بہ غل نعرہ بہ نعرہ ہُو بہو
برگ بہ برگ گل بہ گل رنگ برنگ بُو بہ بُو
گو قدم اُٹھتا نہیں پر کچھ تو ہمت چاہئے
لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی
تم ہی کرتے ہو گلے مجھسے مری جاں اُلٹے
کہ جو خود مدعی ہو اُس سے کیونکر مدعا نکلے
دیا جلدی کہیں سینہ سے جانِ مبتلا نکلے
کہ جو آنسو مری آنکھوں سے ہمرنگِ حنا نکلے

اجی اب ہم نے صاحب حضرتِ غم تم کو پہچانا
کرم فرمائے من تم تو پرانے آشنا نکلے

سمجھ کر ہمکو دیوانہ پکارے ہے پری پیکر
جنوں میں ہم تو مجنوں سے بھی ہیں بڑھ کر سوا نکلے

لگکلک اس طرح خنجر کہ میں قرباں ہو جاؤں
دہانِ زخم سے قاتل ترے حق میں دعا نکلے

مجھے مارا ہے بیدردی سے ہے ہے جس مسیحا نے
اُسی سے میرے یہ ہمدرد بھی لینے دوا نکلے

کروں گر فتنہ پردازوں کی نسبت سے زباں بندی
نہ تو تقدیر ہی میں پھر تو کیونکر مدعا نکلے

ہمیں جس زلفِ کافر کیش سے ڈر تھا بلاؤں کا
اُنھی زلفوں کے اے آشفتہ تم بھی مبتلا نکلے

ہی

ترچھی نگاہ یار کی کیا کام کر گئی
دنیا اُلٹ نظر میں ادھر کی اُدھر گئی

دل سے جو اسکی یاد ہمارے اُتر گئی
کیا ہائے موت تو بھی زمانہ سے مر گئی

تیغِ نگاہ اُسکی غضب کاٹ کر گئی
سینہ سے دل میں دل سے جگر میں گذر گئی

معشوق کی بگاڑ میں بھی سو بناؤ ہیں
جتنے وہ بگڑے اُتنی ہی رنگت سنور گئی

وہ چور ہے صبا بھی کہ آتی ہے باغ میں
دامن قبائے غنچہ و گل کا کتر گئی

گویا نگاہِ شوق کترنی سے ہے سوا
چاکِ نقابِ عارضِ زیبا کتر گئی

گھبرا رہا تھا پہلے ہی دل انتظار میں
بیتابیوں سے اور بھی بن جان پر گئی

جب یہ سُنا کہ یار نے عزمِ سفر کیا
قالب سے پا تراب مری روح کر گئی

عُریانیِ حباب کا رکھا نہ کچھ خیال
مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی

ٹکڑے اِدھر جگر ہے اُدھر چاک چاک دل
مقراضِ چشم یار کی گل سا کتر گئی

یاد آئی بکھری بکھری جو آشفتہ اسکی زلف
دل کی طرح سے جان پریشان کر گئی

آشفتہ

(**آشفتہ**) حاجی عبداللہ۔ ولد عبدالحمید۔ سلہٹ کے رہنے والے ہیں۔ حافظ ضیغم بنگالی کے شاگرد ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں ۱۲۹۱ھ ہجری تک زندہ تھے۔ انکے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

قطعہ

ہوا نہ حور میں انداز گر بشر کا سا
تو رنجِ خلد میں ہوگا ہمیں سقر کا سا

وہی عالم اچھا تھا آشفتہ جس میں
وجودِ عدم کا نہ رنج و محن تھا

نہ ہستی کا نام و نشاں تھا ذرا کچھ ۔۔۔ نہ ہم تھے نہ دل تھے نہ غم جان و تن تھا
نہ خوفِ قیامت نہ تشویشِ دنیا ۔۔۔ نہ مرگ اور نہ سودائے گور و کفن تھا
نہ سر تھا نہ شورِ جنوں کی یہ شورش ۔۔۔ نہ دل تھا نہ اُس کا یہ دیوانہ پن تھا
کُھلی آنکھ خوابِ عدم سے تو دیکھا ۔۔۔ اجل سر پہ اور رُوبرُو گور کن تھا

آشفتہ

(آشفتہ) مولوی شیخ نصیر الدین خلف الرشید شیخ محمد ظہیر الدین ظہیر جہاں آبادی ۔ میر منشی مہاراجہ صاحب اجے گڈھ ملک بندھیل کھنڈ ۔ نہایت ذی علم اور با استعداد ہیں ۔ اُردو اشعار میں نواب شمشیر بہادر اخگر سے مشورہ لیا کرتے ہیں ۔ انکے اُستاد جناب اخگر نے کچھ غزلیں عنایت کی تھیں جنکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

دشتِ وحشت میں تپکتے ہیں پھپولے پاؤں کے ۔۔۔ دو قدم چلنا ہمیں اب سخت مشکل ہو گیا
عشق میں تیرے ہُوا آشفتہ ایسا ناتواں ۔۔۔ آہ کیسی سانس لینا بھی تو مشکل ہو گیا
جب یہ سمجھ لیا کہ محبت میں ہم نہیں ۔۔۔ لاکھوں پھر انقلابِ فلک ہوں تو غم نہیں
ابرو کا بوسہ لے ہی کے اب تو ٹلیں گے ہم ۔۔۔ ہٹ جائیں معرکہ سے اجی ایسے ہم نہیں
دیکھا کسی کو شاد نہ دنیا میں آج تک ۔۔۔ آشفتہ کون ہے جسے رنج و الم نہیں

آشفتہ

(آشفتہ) خواجہ محی الدین نام ۔ حیدر آباد دکن کے رسالوں میں اُنکا کلام نظر سے گزرا چند شعر انتخاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

اب کہاں شکوہ بیوفائی کا ۔۔۔ بھاگیا طرزِ دلربائی کا
زاہد اُس بت کو دیکھ لے جو کبھی ۔۔۔ پھر نہ لے نام پارسائی کا
لوٹنے لگتے ہیں کالے سے مری چھاتی پہ ۔۔۔ یاد آتی ہیں جو وہ کاکلِ پیچاں ابتک
تیغ کھینچے ہوئے ہیں ابروئے پُرخم کب سے ۔۔۔ نیزہ تانے ہوئے ہے پنجۂ مژگاں ابتک
تیغ ابرو ہے نگہ تیر مژہ ہے خنجر ۔۔۔ پھر بھی کہتے ہو نہیں قتل کا ساماں ابتک
خال و خط زلفِ سیہ گیسوئے مشکیں کاکل ۔۔۔ حُسن کے تیرے نگہبان ہیں سارے پیارے

آشنا

(**آشنا**) مرزا محمد اکرم ولد مرزا محمد اسلم۔ ریاست رام پور کے متوسلوں میں تھے۔ مرد متین اور زہین تھے۔ متانت کے ساتھ ظرافت بھی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اِنکا کلام لطیف ہوتا تھا۔ پچھتر برس کی عمر پاکر ۱۲۲۹ھ ہجری میں انتقال کیا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار میں دو شعر درج تھے وہ ہی یہاں نقل کئے جاتے ہیں ؎

آئینہ اُس کے ہاتھ سے اک بارِ گر پڑا	آنکھوں کی اپنی جب اُسے مستی نظر پڑی
آشنا کو نہ اُٹھا بزم سے اپنی ظالم	ایسے ملنے کے نہیں ناز اُٹھانے والے

آشنا

(**آشنا**) میر زین العابدین عرف میر نواب۔ اول میں گجرات کے رہنے والے تھے۔ مگر بعد میں دہلی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ انکے باپ کا نام حکیم اصلح الدین تھا۔ خانِ آرزو کے ہم عصر تھے ؎

ہم سے بندوں پہ ظلم کرتے ہیں	اِن بتوں کا کوئی خدا بھی ہے

آشنا

(**آشنا**) منا سنگھ نام تھا۔ قوم کے کھتری تھے۔ محمد شاہ کا زمانہ پایا تھا۔ طبقۂ اول کے شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے۔ یہاں ایک اُردو کا شعر لکھا جاتا ہے ؎

تری برگشتہ مژگاں جب سے میں دیکھی ہے اے ظالم	وہی آن اب تلک جی میں مرے ہر دم کھٹکتی ہے

آشنا

(**آشنا**) حکیم میر علی سہارنپوری مرحوم۔ قوم سادات سے تھے۔ مدت تک نجیب الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم رہے۔ فنِ طب میں یدِ طولے رکھتے تھے۔ نجیب الدولہ بہادر کے بعد نجف قلیخاں مرحوم کے طبیبوں میں داخل ہوئے۔ اُردو اور فارسی دو نو زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرد باد کے مانند دم کا آشنا تھا دل	اُڑ گیا خدا جانے کون سے بیاباں کو

آشنا

(**آشنا**) مرزا جگن۔ قاضی رحمت اللہ کے خلف الرشید تھے۔ جوان صالح۔ نیک خو۔ خوش طبع اور کشادہ رو اور بحرِ سخن کے آشنا تھے۔ یہ انہیں کی فکر سخن کا خلاصہ ہے ؎

نامِ خدا جوان ہو شوخی کو چھوڑ دو	مہندی لگا کے چپکے رہو تو لگی رہے
گر زو بیع مجھکو کہنے لگا آشنا ہے تو	گردن جدا تو کیا کروں اِک جو لگی ہے

آشنا

(**آشنا**) میر امیر علی[1] نام - میر سبزو مرشد آبادی کے فرزند اور مرزا غلام حسین آتش کے شاگرد تھے - سنہ ۱۲ ہجری میں انتقال کیا - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - انکے دو شعر درج ذیل ہیں ؎

وہ حسن جلوہ گر ہے وہ رُخ بے نقاب ہے
مجھکو تو بات کل کی نہیں یاد آشنا

لیکن کچھ اپنی آنکھوں کا پردہ حجاب ہے
کہتے ہیں روزِ حشر کو دینا حساب ہے

آشنا

(**آشنا**) سید محمد نام تھا - حافظ سید وارث علی مرحوم لکھنوی کے بیٹے اور شیخ ناسخ کے شاگرد تھے - مگر اُستاد کے رنگ کی ہوا تک نہ لگی سیدھے سیدھے شعر کہہ لیتے تھے چنانچہ نمونۂ دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

کیونکر نہ رگڑوں آنکھیں میں ہر بار پانوں میں
زنجیر سے باندھئے دستِ گناہ گار

اسے دل لگی ہے خاکِ درِ یار پانوں میں
چوکھٹ کا کاٹ ڈال دے دِلدار پانوں میں

آشنا

(**آشنا**) مولوی عبد الکریم خاں - فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے منشی تھے - گلشن نگران کا وطن تھا - کلکتے میں رہتے تھے - اگرچہ شعر کم کہتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے سنہ ۱۲۸۲ یا ۱۲۸۳ ہجری میں انتقال کیا ؎

جو قطرہ خوں کا مرے دل کے داغ سے ٹپکا
چھاتی اُٹھی تری دل خلق کا خرسند ہوا
ضبطِ نالہ باعث چاکِ گریباں ہو گیا

تو گویا شعلۂ تر اک چراغ سے ٹپکا
شکرِ للہ شجرِ حسن برومند ہوا
کام یوں دستِ جنوں کا اپنے آساں ہو گیا

آشوب

(**آشوب**) میر امداد علی خاں خلف میر روشن علی **فروغ** - شاگرد میر نظام الدین ممنون - ساکن شاہجہاں آباد - سادات عظام بارہ سے تھے - خوش خلقی اور روشن ضمیری کے سبب ہمعصروں میں ہر دل عزیز تھے اپنے اُستاد کی طرز پر اس طرح سخن طرازی کرتے تھے - کہ بعض لوگوں کو اُستاد کے کلام کا دھوکا گزرتا تھا - سنہ ۱۸۳۶ء میں عالمِ شباب تھا - بعد کی خبر نہیں - یہ انکا کلام ہے ؎

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک نہ پہنچ سکے
نہ آتو میری بالیں پہ تماشہ جذبۂ دل کا

اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا
دکھا دوں گا تجھے گر آپ میں میں بھی کبھو آیا

پوچھا جو میں نے یار سے انجام سوزِ عشق
کوئی دم خاک میں ہم خاک کے آسودہ نکو

ناوکِ غم سے چھنایاں تک تن اس ناکام کا
دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئینگے

پاس آلودگیٔ دامنِ قاتل نہ کیا
دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں

یہ دیدہ و دل اس پر مائل میرے دونو ہیں

شوخی سے اک چراغ کو اُس نے بجھا دیا
اُسکے ہنگامۂ رفتار نے سونے نہ دیا

استخواں پر ہے گماں میرے ہماکو دام کا
ہائے اپنا بھی ہؤا اوان سے پھر آنا مشکل

کسقدر ذوق تپیدن سے پشیماں ہوں میں
ہائے کتنا شبِ ہجراں میں پریشاں ہوں میں

دشمن میرے دونو ہیں قاتل میرے دونو ہیں

آشوب

(**آشوب**) قبلہ وکعبہ معظمی ومحترمی عالی جناب راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب۔ راقم تذکرہ کے عم نامدار ہیں ۱۸۳۶ء میں بمقام دہلی جو تین سو برس سے بزرگوں کا مسکن ہے پیدا ہوئے ان کے جدامجد راے بال مکند وراے سیتا رام مرہٹوں کے عہد میں عمدہ ہاے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ خاندانی نسبی سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل تک پہنچتا ہے۔ جنکے آئین وقوانین دربارہ مال گزاری آج تک دستور العمل چلے آتے ہیں۔ پُرانے دہلی کالج کے برگزیدہ متعلموں سے ہیں۔ آپ ٹنڈن فرقہ کے کتری اور آنگرس گوتر سے ہیں ؛

ریاضی کے مشہور پروفیسر ماسٹر رام چندر اور مولانا صہبائی آپکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کسب علم اور حصول کمال کے شوق نے مرزا غالب کی خدمت میں بھی پہنچایا تھا راے بہادر ماسٹر صاحب مرزا غالب مرحوم کی پہلی ملاقات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جب ہم گوڑگانوے میں ہیڈ ماسٹر تھے تو وہاں کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کووان صاحب بہادر کی تبدیلی کا موقع پیش آیا صاحب موصوف ہمارے حال پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے انکی مفارقت کے متعلق جو جلسہ قرار پایا اُس میں لوگوں کی راے ہوئی کہ صاحب ممدوح کو کوئی چیز بطور یادگار نذر دینی چاہیے چنانچہ کمیٹی کی راے سے چاندی کا ایک قلمدان تجویز ہؤا۔ اور اُس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرا دینا قرار پایا۔ راے صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت تک مرزا صاحب سے ہمیں خاص تعارف نہ تھا۔ ہم اس شعر کے واسطے

اپنے ایک دوست کے ساتھ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی وقت سے روزافزوں تعارف کی بنیاد پڑی - مرزا صاحب نے قلمدان کے واسطے جو قطعہ موزوں فرمایا وہ یہ ہے ؎

گوڑگانویں کی ہے جتنی رعیت وہ یک قلم سو یہ نکر فروز قلمدان نذر ہے	عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی مسٹر کوآن صاحب عالی مقام کی ہا

مرزا صاحب کو جو محبت رائے صاحب سے تھی اسکی شہادت اُردو ئے معلیٰ کے چند رقعوں سے ملتی ہے - ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں میک لاؤڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا - اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اُس دربار میں شریک ہوئے - مرزا صاحب بوجہ ضعیفی کسی سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتے تھے - رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے ایسے موقع پر مرزا صاحب کو سہارا دینے کے لئے رائے صاحب ہمراہ ہو گئے - میک لاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر نے مرزا صاحب سے پوچھا کیا یہ تمھارا بیٹا ہے - مرزا صاحب نے جواب میں کہا نہیں مگر بیٹے سے زیادہ عزیز ہے" رائے صاحب جب دہلی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا - کبھی اتفاق سے جانے میں دیر ہو جاتی تو بارہا مرزا صاحب ایک نہ ایک شعر لکھکر رائے صاحب کے پاس بھیجدیتے جس کا مضمون حسن طلب ہوتا - چنانچہ ایک شعر جناب کو اب تک یاد ہے **شعر**

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤ گے	یا فقط رستہ ہمیں بتلاؤ گے

دہلی کالج کے تمام درجے طے کرکے ۱۸۵۷ء میں تکمیل علم کے لئے آگرہ کالج میں تشریف لے گئے - وہاں سے سند حاصل کرنے کے بعد ۱۸۵۸ء میں بریلی جاکر سرکاری ملازمت اختیار کی - مگر ایک سال کے بعد پنجاب چلے آئے تھوڑے عرصے تک گوڑگانویں اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے ۱۸۶۶ء میں دہلی سے تبدیلی کے وقت جو سپاس نامہ اہل شہر کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش ہوا اس سے اُس خلوص و عقیدت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے جو ہر طبقہ کے لوگوں کو آپ کی ذات خاص

کے ساتھ تھی۔ حضرت غالب مرحوم نے جو فقرہ اُس کاغذ پر اپنے دستخط کے نیچے لکھا تھا وہ قابلِ ذکر ہے آپ لکھتے ہیں "بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہُوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہیں رہا"۔

آپ نے لاہور میں آکر سررشتہ تعلیم کی کیوریٹر کے نازک عہدے کے فرائض کو ۱۵-۱۶ برس تک نہایت بیدار مغزی۔ ہوشیاری۔ لیاقت اور دیانت سے انجام دیا۔ اُنہیں خدمات کے صلے میں جب ہندوستانیوں کو عہدۂ انسپکٹری مدارس ملنے کی تجویز سرکار سے منظور ہوئی تو آپ ہی سب سے اول اُس عہدۂ گرامی کے واسطے منتخب ہوئے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۳ء سے سنہ ۱۸۹۵ء تک کامل بارہ برس دہلی اور جالندھر میں اس عہدہ کا کام انجام دیا سنہ ۱۸۶۴ء میں آپ ہی نے دہلی لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی اور ایک عرصے تک اُس کے سکرٹری رہے۔ اور متعدد لکچر علمی اور تاریخی مضامین پر دئے۔ قیام لاہور کے زمانہ میں کئی برس تک سرکاری اخبار کے اڈیٹر رہے۔ حکام وقت کی نگاہوں میں اپنی اعلیٰ قابلیت اور حسنِ خدمت کے لحاظ سے ہمیشہ موقّر و ممتاز رہے خاصکر میجر فلر صاحب اور سائم صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب تو آپ سے نہایت مانوس تھے۔

میجر فلر صاحب عربی فارسی اُردو کے خوب ماہر تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے جو سررشتہ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات آیا کرتے تھے اُن کے جواب میجر فلر صاحب خود لکھا کرتے اور اُن میں اکثر راے بہادر صاحب سے مدد لیتے تھے۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسجع و مقفّیٰ عبارت میں کیا فرق ہے مع مثال بیان کرو۔ حسب معمول یہ سوال بھی راے صاحب کے پاس بھیجا۔ راے صاحب نے یہ سوال بجنسہ مرزا غالب کے پاس بھیجدیا اور اُنہوں نے اسکا جواب مع امثال نظم میں لکھکر دیا جسکا اخیر شعر یہ تھا شعر

تحریر ہے یہ غالبِ یزداں پرست کی		تاریخ اِس کی آج نویں ہے اگست کی

شمس العلما پروفیسر مولوی محمد حسین آزاد اور شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی آپ کی وجہ سے اپنے ابتدائی زمانے میں بہت کچھ فروغ پا چکے ہیں۔ بلکہ سُنا ہے کہ مولانا حالی کو نیچرل شاعری کا شوق اور خیال

آپ ہی کی صحبت میں ہُوا اور آپ ہی کی مدد سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی +

معظمی و محترمی جناب عموی راے صاحب بہادر نے اگرچہ نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اپنے کلام کی ترتیب و تدوین نہیں فرمائی - اِس کی وجہ اہم مشاغل سرکاری کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آپ نے مدت ہوئی کہ اپنے دل سے اس قسم کے خیالات قصداً محو کر دئے ہیں - اور جب کبھی اس طرف توجہ تھی اُسوقت بھی محض تفنناً نہ کہ شاعر بننے کی غرض سے کچھ کہہ لیا کرتے تھے - شاعری کی ابتدا مکتب ہی سے ہوگئی تھی اُنکے ہم مکتب و ہم عمر متخلص بہ طرب ایک مرتبہ ایک غزل لکھکر لائے اُس میں خاکے کا ایک قافیہ سبز کیا دعوی تھا کہ ایسا کوئی کہے تو جانیں - راے صاحب کی خلقی طبّاعی اور ذہانت میں اسوقت ایک خاص حرکت ہوئی آپنے اُسی وقت چند شعر اسی ایک قافئے میں کہہ ڈالے اِسکے فیصلہ کے واسطے حضرت صہبائی کے چھوٹے بیٹے عبدالکریم سوز کے پاس وہ شعر لے گئے اُنھوں نے بہت داد دی بلکہ اپنی طرف سے کچھ اور شعر بڑھاکر راے صاحب کی غزل پوری کردی کہا کہ اب مشاعرے میں جاکر بیدھڑک پڑھ دو - آپ ہی نے تخلص بھی آشوب رکھ دیا - اب تو اپنے اُستاد کی شفقت اور خداداد جودت طبع کی بدولت روز بروز مشق بڑھتی گئی - افسوس ہے کہ بندہ کے از حد اصرار پر بھی جناب راے بہادر نے اپنے اشعار گُہر بار سے اس تذکرے کو افتخار نہ بخشا - نہ وہ بیاض ہی ملی جس میں کبھی کبھی کچھ اشعار لکھ دیا کرتے تھے - آپکی تصانیف اور ترجمہ کی ہوئی کتابوں میں سے چند کتابوں کے نام اِس جگہ لکھے جاتے ہیں +

رسوم ہند کے پہلے تین باب - قصص ہند حصہ اول و سوم - اُردو کی تیسری کتاب - ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں رسالہ اتالیق پنجاب کے اکثر مضامین - ترجمہ دربار قیصری ۱۸۷۷ء مولفہ مسٹر وہیلر اس شُستہ و بامحاورہ بلکہ برجستہ و دل آویز ترجمہ کے صلہ میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر کیطرف سے ایک تمغہ اور ایک جلد مطلا و مذہب مرحمت ہوئی - سنہ ۱۸۹۲ء سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو ہیں - سنہ ۹۲ میں رائے بہادری کا خطاب سرکار سے ملا - سنہ ۱۸۹۵ء میں کامل ۳۴ سال کی ملازمت کے

بعد پنشن لیکر گا ہے لاہور گا ہے دہلی رہے مگر اب مدت سے اپنے وطن مالوفہ میں سکونت پذیر ہیں
آپکے حسن اخلاق دہلی میں ضرب المثل ہیں - جب بات کرتے ہیں تو اسطرح خندہ پیشانی اور
خوش بیانی سے تکلم ہوتے ہیں کہ دشمن کا دل بھی موہ لیتے ہیں - ہر ایک کار خیر میں جھک پڑنا
آپ کا وتیرہ ہے - اور ہر شخص کی مصیبت میں ہمدردی فرمانا آپ کا قدیمی شیوہ - ہنود آپ کو
دیوتا اور مسلمان ولی کامل کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں - اگر کوئی دشمن بھی صلاح مانگتا ہے تو گو
اُنکے حق میں وہ خود مضر ہو مگر یہ کبھی بُری صلاح نہیں دیتے - دہلی میں رفاہ عام اور خاصکر تعلیمی انتظام
کے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں - ہندو کالج دہلی کے ٹرسٹی اور منتظم ہیں - سینکڑوں
بے روزگاروں کو روزگار سے لگا دینا - بیکاروں کو مناسب حیلہ و کام بتا دینا آپ کی ہمدردی کا
ایک ادنی نمونہ ہے - ہماری دعا ہے کہ اِس فیض رسانی اور انسانی دردمندی کے ساتھ
خدا تعالیٰ ہمیشہ اُن کو زندہ و سلامت رکھے - آمین یارب العالمین تبرکاً چند شعر تذکرہ کئے جاتے ہیں

گر شیخ پاکدامن طالب ہو ریا کا	رندوں کی محفلوں میں اُسکا اُڑے نہ خاکا
مجنوں کو ہمنے اپنے مانند خاک دیکھا	گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی	اور ہمنے اپنے دل پر کھینچا ہے تیرا خاکا
اپنا تو سر جھکے ہے دونو طرف کہ اُسکی	تصویر میکدے میں اور ہے حرم میں خاکا
آشوب خستہ جاں کو پھر ہے ہوس وہیں کی	کل ہی تو اُڑ چکا ہے اُس کی گلی میں خاکا
زاہد چھوئے جو دامن رندان بادہ کش	تو چاہئے کہ مے سے اُسے شست و شو کریں

آصف (آصف) وزیر الممالک نواب یحییٰ خاں عرف میرزا امانی معروف بہ آصف الدولہ بہادر
فرماں روا سے لکھنؤ - وہ وزیر حضرت شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - نواب شجاع الدولہ صوبۂ لکھنؤ
کے فرزند رشید اور جانشین تھے - ستائیس برس کی عمر میں بمقام فیض آباد ۱۱۸۸ہجری میں مسند نشین
ہوئے کسی نے اسطرح تاریخ جلوس موزوں کی ہے

گشت از پائے† آصف الدولہ	رونق مسند وزارت ہند

† اِس مصرع میں پانچ کا تعمیہ ہے جو پائے آصف الدولہ کی ہا سے ہوتا ہے کیا گیا ہے ۱۲

نواب آصف الدولہ فن سخن اور جملہ علوم و فنون کے قدر دان تھے - ان کا مولد فیض آباد اور مسکن و مدفن لکھنؤ ہے - ملک الشعرا مرزا رفیع السودا اور خدا ئے سخن جناب میر اور میر سوز - انکی سرکار دولت مدار کے مداح و وظیفہ خوار تھے - میر سوز صرف مداح ہی نہیں انکے اُستاد بھی تھے - آصف الدولہ کے زمانۂ حکومت میں لکھنؤ نے ہر قسم کی ترقّی کی - امن و اماں اور قدرِ کمال کی شہرت سُن سُن کر اکثر امرا - شرفا و کملائے دہلی وہاں چلے گئے - نواب ممدوح کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا اور شکار کے بڑے شوقین تھے سچ ہے ؂

شہاں را ضرور است مشقِ شکار	که آید پئے صید دلہا بکار

ان کی سخاوت ہندوستان میں ضرب المثل ہے - چنانچہ مشہور ہے "جسے نہ دے مولا اُسے دے آصف الدولہ" یہ مثل آج تک زبان زد خاص و عام ہے - انکی فیاضی کی عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں - ایک مرتبہ آپ نے لاکھ کے دانوں کی تسبیح بھوے بن کر ایک بُڑھیا سے لاکھ رُوپے میں خرید لی - کسی اور موقع پر ایک ضعیفہ کو اُسکے اُس گمان پر کہ وہ کچے لوہے کی تلوار کو پارس سمجھتی تھی اُس تلوار کے ہم وزن سونا دلا دیا - غربا کی پرورش اور اہل کمال کی قدر افزائی کی نئی نئی تجویزیں نکالا کرتے تھے - داد و دہش کو بمنزلۂ ضروریات زندگی سمجھتے تھے - اِن کا اُردو زبان پر بڑا احسان ہے کہ اُس کے منشا و مرکز (دہلی) پر تباہی آنے کے وقت اہل کمال کی دستگیری فرمائی - اور فکرِ معاش سے آزاد کر کے زور طبع دکھانے کا موقع دیا - میر مغفور کی بے اعتنائیوں کا بُرا نہ ماننا اور ارکانِ ریاست سے زیادہ اُن کی توقیر کرتے رہنا خاص سرداری اور سچی قدر دانی کی شان تھی - فیض آباد کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ کو دار الامارۃ بنایا اور اُسے بہت کچھ رونق دی - لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ جو فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے قحط کے امدادی کام کی پہلی مثال ہے - انکی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ جو باکمال لکھنؤ پہنچ کر باریاب ہوجاتا تھا پھر اُسکا جی وہاں سے نکلنے کو نہ چاہتا تھا - انکے کلام میں اپنے اُستاد میر سوز کی سی سادگی و درد نمایاں ہے - خیال ستھرا ہے زبان پاکیزہ - لکھنؤ کے شاہی کتب خانہ میں اِن کا دیوان موجود تھا - ۱۲۱۲ھ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء میں آپ نے انتقال فرمایا -

تک فیاضی و نیک نامی کا چشمہ جاری رکھکر حوض کوثر کی سیر کو سدھارے۔ فیاضی میں حاتم سے بڑھکر اور سخاوت و ہنر پروری میں اسلاف سے زیادہ نام پایا نواب وزیر علی خاں انکے بیٹے جو ایک حرم کے بطن سے تھے جانشین ہوئے مگر چند ماہ بعد اُنہیں اپنے چچا نواب سعادت علیخاں کے لئے مسند خالی کرنی پڑی۔

بڑی شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
چُھلکے گا رُو برُو کس کس کے معاملہ دل کا

یا ڈر مجھے تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہتا ہے بہت کچھ وہ مجھے چپکے ہی چپکے
ظاہر میں یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ق
مو اہے تیرے لئے تیرا عاشقِ غم کش
ذرا تو فاتحہ پڑھ چل کے تا کجا وسواس

وہ قبر سے نہ نکل آئے گا میرا ذمہ
ٹک اُسکی روح تو خوش ہو نہ دل میں لا وسواس

ق
جب مرنے لگی بلبل شوریدہ قفس میں
آصف یہ ہی کہتے تھے بہ تکرار دم نزع

صیاد تجھے بخشش دیا خون میں اپنا
ٹک جا کے دکھا لا مجھے گلزار دم نزع

ق
کل ہنس کے بولا نالۂ بلبل پہ یوں پتنگ
کم ظرف دیکھ ہم بھی تو آخر ہیں زارِ شمع

رو رو کے یہ جواب دیا عندلیب نے
انصاف دل میں کیجیو اے دل فگارِ شمع

ہے شمع کے بھی دل میں محبت پتنگ کی
گر ہے پتنگ سوختہ جاں بیقرارِ شمع

پروانہ کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام
جینا بغیر یار کے ہے ننگ و عارِ شمع

فریاد و آہ و نالہ بھلا کس کئے کرے
جیتے موئے پتنگ رہا ہم کنارِ شمع

گل مہرباں سنا ہے کبھی عندلیب پر
تُو شکر کر کہ مہر و وفا ہے شعارِ شمع

میں آہ آہ و نالہ نہ کھینچوں تو کیا کروں
جلتی ہیں غم سے میری رگیں مثل تارِ شمع

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں
وہاں اپنا ہم سر قلم دیکھتے ہیں

جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں
خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں

گزرتے ہیں سو سو خیال اپنے دل میں
کسی کا جو نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بتوں کی گلی میں شب و روز آصف		تماشہ خدائی کا ہم دیکھتے ہیں
ایک دن یار سے یہ میں نے کہا	ق	اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف		یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے
تو اپنے شیوۂ جور و جفا سے کیوں گزرے		تری بلا سے میرا دم رہے رہے نہ رہے
قمر کو ہوتا ہے ہر ماہ میں کمال زوال		ترے بھی حسن کا عالم رہے رہے نہ رہے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے		پر ہم کو چاہئیے کہ تگ و دو لگی رہے

آصف

(**آصف**) اعلیحضرت بندگان عالی کیواں خدم دارا حشم نوشیرواں معدلت سکندر شوکت حاتم سخا خورشید عطا مہر سپہر اقبال زیبندۂ تخت اجلال حضور پرنور رستم دوراں افلاطون زماں فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ سادس جی ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی و جی ۔ سی ۔ بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ +

آپ ۱۸ ۔ اگست ۱۸۶۶ء کو عالم وجود میں جلوہ افروز ۔ اور ۲۶ ۔ فروری ۱۸۶۹ء کو کچھ کم تین برس کی عمر میں مسند آرائے سلطنت ہوئے ۔ آپ نواب قمر الدین خاں آصف جاہ اول کے وارث اور جانشین ہیں جو اولاً شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی افواج میں ایک بہت ہی بڑے ممتاز اور سربرآوردہ افسر تھے اُن کا نسبی سلسلہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے نواب قمر الدین خاں آصف جاہ ۱۷۲۳ء میں محمد شاہ شہنشاہ دہلی کی طرف سے صوبہ داری دکن کے منصب جلیلہ پر مامور اور نظام الملک کے خطاب سے ممتاز ہوئے تھے ۱۷۴۸ء میں حضرت ممدوح رہگرائے عالم بقا ہوئے ۔ اُس وقت چونکہ اُنکے خلف اکبر نواب غازی الدین خاں دربار دہلی میں وزارت کے عہدے پر مشرف تھے اس وجہ سے آصف جاہ کے دوسرے فرزند ناصر جنگ مسند آرائے ریاست ہوئے ۔ نواب غازی الدین خان کے بعد گو اُنکے بھتیجے نواب مظفر جنگ بہادر نے مسٹر ڈپلے فرانسیسی گورنر کی حمایت سے صوبہ داری دکن کا دعوی کیا مگر اپنی مراد کو نہ پہنچے اور نواب ناصر جنگ انگریزوں کی مدد سے صوبہ دار ہو گئے ۔ لیکن جب دو ہی برس نواب

ناصر جنگ کو باغی پٹھانوں نے قتل کر ڈالا تو نواب مظفر جنگ فرانسیسیوں کی اعانت سے حیدرآباد دکن کے بے کھٹکے صوبیدار ہوگئے انہوں نے پانڈی چری کے قریب فرانسیسی گورنر کو ایک قطعہ ملک اور شہر اور ضلع مچھلی پٹن عطا فرمایا۔ نواب مظفر جنگ ایک فوجی بغاوت میں شہید ہوئے۔ چونکہ انکا اکلوتا بیٹا نابالغ تھا اس سبب سے نواب صلابت جنگ جو آصف جاہ کے تیسرے فرزند تھے فرانسیسی اثر کی وجہ سے مسندنشین ہوئے انہوں نے فرانسیسیوں کی امدادی فوج کی تنخواہ وغیرہ کے نام سے شمالی سرکار کے کئی ضلاع انکے نام لکھدئے۔ اور اسکے علاوہ انکے ساتھ بہت کچھ مراعات کیں۔ سنہ ۱۷۵۶ء میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ شروع ہوئی تو انگریزی فوج نے فرانسیسیوں کو شمالی سرکار سے نکال دیا۔ نواب صلابت جنگ اولاً انگریزوں کی مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر سنہ ۱۷۵۹ء میں ایک معاہدے کے رو سے اُنہوں نے انگریزوں کو مچھلی پٹن اور دیگر اضلاع جن کا رقبہ سات سو مربع میل تھا بطور انعام کے مرحمت کردیا اور اپنے ملک سے فرانسیسیوں کے نکال دینے کا وعدہ کیا۔ نواب صلابت جنگ کے بعد اُنکے بھائی نواب نظام علی وارث مسند ریاست ہوئے اُنکے اور انگریزوں کے مابین ایک عہدنامہ ہوا جس کی رو سے بعض اضلاع کے عوض برٹش گورنمنٹ نے نظام سے عندالضرورت فوجی اعانت کا وعدہ کیا۔ اور نظام نے بھی انگریزوں کو اسی قسم کی مدد دینی منظور فرمائی۔ بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عہدنامہ منسوخ ہوگیا۔ سرجان شور صاحب کے زمانے میں جب نظام کو مرہٹوں کے خلاف فوجی کمک کی ضرورت ہوئی اور گورنمنٹ ہند نے اُس سے انکار کیا تو نواب نظام نے فرانسیسی افسروں کی سرگردہی میں ایک فوج قائم کی اور انگریزی فوج کو برخاست کردیا۔ مگر جب نواب نظام علی کے بیٹے عالی جاہ نے بغاوت کی تو اُنہوں نے گورنمنٹ انگلشیہ سے پھر معاون فوج کی واپسی کی درخواست کی سنہ ۱۷۹۸ء کے عہدنامے کی رو سے امدادی فوج مستقل طور سے قائم ہوگئی۔ ٹیپو سلطان کے مقابلے میں نظام نے سرکار کمپنی کی فوج اور روپیہ سے امداد کی اور فتوحات میں سے ایک ثلث حصہ پایا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں نظام علی نے انتقال کیا اور اُنکے بیٹے سکندر جاہ مسندِ حکومت پر متمکن ہوئے چھبیس سال کی حکومت کے بعد یہ بھی سُکرا سے عالم جاودانی ہوئے اور سنہ ۱۸۲۹ء میں اُنکے بیٹے نواب

ناصر الدولہ نے مسند ریاست کو زینت دی - انکے زمانے میں معاون فوج کے مصارف کی بابت انگریزوں کو برار کے اضلاع دھاراسیو اور رائچور دو آب سپرد کئے گئے - نواب ناصر الدولہ نے ۱۸۵۷ء میں رحلت کی اور اُنکے خلف اکبر نواب افضل الدولہ مسند نشین ہوئے - اس زمانہ میں نواب سر سالار جنگ اول مدار المہام ریاست تھے - بلوائیوں نے رزیڈنسی پر حملہ کیا - مگر سر سالار جنگ کی بیدار مغزی اور عالی دماغی کام آئی - اور اس نازک وقت میں انہوں نے ہر طرح سے سرکار انگریزی کی اعانت کی اور امن و امان قائم رکھا - نظام افضل الدولہ نے جن کو گورنمنٹ نے جی سی - ایس آئی - کا خطاب دیا تھا - ۲۶ - فروری ۱۸۶۹ء کو چند روزہ علالت کے بعد انتقال فرمایا - اور حضور پرنور نواب میر محبوب علیخاں بہادر آصف جاہ سادس اُنکے اکلوتے فرزند و سادہ آرائے ریاست ہوئے - چونکہ اُسوقت ہز ہائینس کی عمر تین برس سے زیادہ نہ تھی اسلئے ایک ریجنسی کے قیام کی ضرورت ہوئی - انتظام ریاست کے فرائض سر سالار جنگ اول و امیر کبیر شمس الامرا بہادر کے سپرد ہوئے لیکن فی الحقیقت عنانِ حکومت سر سالار جنگ ہی کے ہاتھ میں رہی - نوعمر نظام کی تعلیم و تربیت کی نسبت ابتدا ہی سے بے انتہا کوشش ہوئی - چنانچہ سر سالار جنگ کی رائے کے اتفاق سے اول کپتان جان کلارک صاحب جن کو سابق میں انگریزی شاہزادوں کی تعلیمی خدمت سپرد تھی اور پھر اُنکے بھائی کپتان کلاڈ کلارک صاحب سی - آئی - ای - ہز ہائینس کی تعلیم کی نگرانی پر مامور ہوئے - انکے علاوہ انگریزی عربی فارسی - اُردو میں تربیت کے لئے برگزیدہ اتالیق اور لائق معلم مقرر ہوئے - شہسواری تیر اندازی - نشانہ بازی - کرکٹ اور دیگر مردانہ کھیلوں میں ہز ہائینس کو باقاعدہ مشق کرائی - چنانچہ ہز ہائینس نے عربی - فارسی - اُردو - انگریزی میں کافی دست گاہ بہم پہنچائی - فوٹوگرافی میں بھی مہارت حاصل ہے آپ نے اپنے والد ماجد نواب افضل الدولہ بہادر کے انتقال کے بعد اپنی دادی دلاور النسا بیگم صاحبہ کے زیر سایہ پرورش پائی یہ بیگم صاحبہ نواب ناصر الدولہ بہادر کی زوجہ اور نواب افضل الدولہ کی والدہ تھیں - ہز ہائی نس کو امور سیاسی میں سر سالار جنگ مغفور سے تعلیم ملی ہے - ۸ - فروری ۱۸۸۳ء کو سر سالار جنگ اول نے دنیا سے فانی سے رحلت

کی اور مہاراجہ نرندر پرشاد صاحب بجائے مدار المہام کونسل آف ریجنسی کا کام انجام دیتے رہے ہز ہائینس کو لارڈ رپن نے ۵۔ فروری ۱۸۸۴ء کو کامل انتظامی اختیارات ریاست عطا کئے۔ نیز اسی دربار میں آپ نے نواب لائق علیخاں صاحب سر سالار جنگ ثانی کو عہدۂ وزارت سے ممتاز فرمایا۔ فروری ۱۸۸۴ء میں اعلیحضرت قیصرۂ ہند کے حضور سے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب مرحمت ہوا +

ہز ہائی نس کے عہدِ معدلت مہد میں بہت سی ترقیاں اور اصلاحیں عمل میں آئیں۔ حیدرآباد۔ گلبرگہ۔ اورنگ آباد میں مختلف قسم کے کارخانے جاری ہوئے۔ تمام ریاست میں پہلے کی نسبت بہت کچھ ترقی ہوئی۔ آب پاشی کے کاموں میں بھی کافی اصلاحیں ہوئیں۔ جن سے ریاست کے محاصل میں ترقی اور معقول اضافہ ہو گیا۔ چونکہ ہز ہائینس تعلیم کے بہت بڑے حامی و مددگار ہیں اس سبب سے تمام ریاست میں جابجا مختلف مدارس اور کالج قائم ہو گئے ہیں۔ اعلیٰ رؤسا و عہدہ داران ریاست کی اولاد کیلئے خاص مدرسے اور تکمیل علمی کے لئے ولایت جانے کو وظائف کا انتظام کیا گیا۔ عورتوں کی طبی تعلیم اور شفاخانوں کے قیام سے ایک اشد ضرورت اولکی نہایت فراخ حوصلگی سے پوری کی ہے۔ ہز ہائینس نے وقتاً فوقتاً اپنی خیرسگالی اور وفاداری کے نمایاں ثبوت دئے ہیں۔ جس نے ہمیشہ سے انکے خاندان والا دودمان کو دولت برطانیہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں حضور نظام نے مہم مصر کے لئے گورنمنٹ ہند سے اپنی امدادی فوج دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اسی قسم کی درخواست آپ نے اُس زمانے میں بھی کی تھی جب کہ روس افغانستان پر حملہ کی دھمکی دے رہا تھا۔ اسوقت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنة آپ کے وزیر اور مدار المہام ہیں جو مہاراجہ چندو لال سابق مدار المہام کی نسل میں ہیں۔ حضور نظام کو شکار کا بہت شوق ہے۔ آپ کا فیاضانہ اور رحیمانہ برتاؤ مشہورِ انام ہے۔ آپ کے عہد میں صدہا مفیدِ انام بلکہ باعثِ قیام نام کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں جنمیں سے فرہنگ آصفیہ مولفہ کرمی منشی سید احمد دہلوی کی دستگیری نے تمام ہندوستان میں حضور نظام کی قدردانی کی دھوم مچا دی۔ اگر یہ لغات نہ چھپتی تو اُردو زبان

بلا مبالغہ نامکمل اور ادھوری خیال کی جاتی - بلکہ قدیم محاورے تو دنیا سے نابود ہی ہوجاتی حضور ممدوح نے صرف خریداری اور انعام سے ہی اعانت نہیں فرمائی بلکہ مصنف کا پچاس ۵۰ روپیہ کا وظیفہ تاحیات مقرر کردیا - اسکے علاوہ تمدن عرب - سوانح عمری نواب سرسالار جنگ - تاریخ دکن - وغیرہ بہت سی قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں حضور ہی کی قدردانی کی بدولت حیدر آباد جملہ علوم و فنون اور بالخصوص شاعری کا مرجع بن رہا ہے ✤

حضور نظام اوصاف مذکور الصدر کے علاوہ شعر و سخن سے بھی خاص لگاؤ رکھتے ہیں - اُردو زبان میں آپ کا کلام کیا بلحاظ فصاحت کیا بلحاظ بلاغت و مضمون آفرینی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے - آپکی شاعرانہ قابلیت ایک بادشاہ کثیر الاشغال ہونے کی حیثیت سے ضرور قابل داد ہے - آپ آصف تخلص فرماتے ہیں - نواب فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دہلوی مرحوم کو آپ کی اُستادی کا شرف حاصل تھا زبان کے لحاظ سے حضور کے کلام میں مرزا داغ کے کلام سے کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا - آپ اپنے اُستاد سے اکثر مشورہ کلام اسطرح لیا کرتے تھے کہ اپنے دست و قلم سے غزل لکھکر ایک لفافہ میں بند کرکے خاص چوبدار کی معرفت اُستاد کے پاس بھیجدیتے تھے - جناب داغ کی عالمگیر شہرت کے ساتھ ساتھ حضرت آصف کی اُستاد نوازی مشہور انام ہے - ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ کے علاوہ سات سو روپیہ ماہوار کا منصب اُستاد کی صاحبزادی اور نواسے کا مقرر فرمایا جو ابتک بدستور جاری ہے - اس قدردانی کی مثال اب مفقود ہے اسیطرح مولانا شبلی نعمانی - ملک الشعرا شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی - مولوی عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی - مولانا غلام قادر گرامی مولانا ظہیر دہلوی - مولانا قدر بلگرامی حضرت امیر مینائی - وغیرہ صدہا باکمال عالم و مصنفین نے اس دربار دُربار سے وہ فیض پایا ہے اور پا رہے ہیں کہ مامون رشید اور ہارون رشید کی علمی قدردانیوں کو پرے بٹھادیا - ہمارے تذکرہ میں اس قدر گنجایش نہیں کہ ہم اس جلیل القدر - علمی قدردان رئیس کا ایک شمہ حال بھی حسب دلخواہ لکھ سکیں ✤

ہزہائی نس ہی کے بابرکت عہد میں ریاست میں متعدد ریلیں جاری ہونے سے سفر میں سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں - حضور نظام کی آمدنی کل ممالک محروسہ ہند کی ریاستوں سے زیادہ ہے - جاگیرداران اور

صرف خاص کے علاوہ تقریباً چار کروڑ سالانہ محاصل ہے - اور اقطاع مفوضہ برار کے علاوہ ریاست دکن کا رقبہ بیاسی[۸۲] ہزار چھ سو ستانوے میل مربع ہے اور آبادی ایک کروڑ پندرہ لاکھ - نظام حیدر آباد کی سلامی ۲۱ ضرب توپ ہے - ہز ہائینس کے صاحبزادے اور ولی عہد کا نام میر عثمان علیخان ہے جو ۲۱ - مئی ۱۸۸۶ء کو تولد ہوئے - آپ نے اطراف ہند کی خوب سیر فرمائی ہے دربار قیصری ۱۸۷۷ء میں اور جشن تاجپوشی ملک معظم منعقدہ ۱۹۰۳ء میں بھی بمقام دہلی رونق افروز ہوئے تھے - اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

انصاف اپنا اے بت عیار ہو چکا — جب تو ہوا عدو تو خدا یار ہو چکا
بس انتظار وعدۂ دیدار ہو چکا — وہ آئے یا نہ آئے یہ بیمار ہو چکا +
کرتا ہوں آہ تیغ نگہ کھا کے سنبھل — اب میرا وار روک ترا وار ہو چکا
میں بھی تو آزمائش مہر و وفا کروں — میرا تو امتحان کئی بار ہو چکا +
پوچھا یہ میرے مردہ پہ اُس بدگمان نے — کچھ اس میں جان ہے کہ یہ بیمار ہو چکا
جلوۂ یار کیا کہوں کیا تھا — اُس کی قدرت کا اک تماشہ تھا
اب یہ جانا کہ ہم کو دھوکا تھا — دل ہمارا نہ تھا تمہارا تھا
لوٹتا تھا کوئی تڑپتا تھا — کوئے قاتل میں اک تماشہ تھا
حشر میں بھی کہیں گے تجھسے ہم — تجھ پہ دعوی ہے تجھ پہ دعوی تھا
کہتے ہیں وہ کہے سنے پہ نہ جاؤ — غیر کے پاس تمنے دیکھا تھا
اللہ بچائے کہ یہ کہتا ہے وہ کافر + — میں ساری خدائی کو گنہگار کروں گا
دیکھا یہ شعبدہ تری چشم سیاہ کا — محفل میں ہو گیا ہے تماشا نگاہ کا
بجلی بنی کبھی کبھی تلوار بن گئی + — دیکھا عجیب شعبدہ اُس کی نگاہ کا
برسوں میں اُسنے ملنے کا وعدہ کیا ہے آج — اس شرط پر کہ حرف نہ آئے گناہ کا
کس کو سنوگے کون سا قصہ پسند ہے — یوسف کی چاہ کا کہ زلیخا کی چاہ کا

یہ اسکے دل سے پوچھ یہ اُسکے جگر سے پوچھ
کیسا مزہ ہے چاہنے والے کو چاہ کا

یہ ہاتھ سے چُرائے تو وہ آنکھ سے چُرائے
دزدِ حنا سے چور ہے بڑھ کر نگاہ کا+

آصف سے یہ چُھٹا ہے نہ ہرگز کبھی چھٹے
لپکا ہے اس کو دید کا چسکا ہے چاہ کا

واہ رے شانِ کریمی ترے صدقے قرباں
جس گناہگار کو دیکھا وہ گنہگار نہ تھا

عاشق و معشوق کی دل کی لگی میں ہے یہ فرق
شمع گھُلتی ہی گھُلی پروانہ پل میں خاک تھا

اتنی رہاوں پر نہ نکلی حسرتِ بسمل ذرا
سینہ تیروں سے ہے چھلنی تیغ سے دل چاک تھا

فیضِ پیرِ میکدہ سے یہ گیا دریا سے طے
کیوں نہ پیتے پارسا بھی آبِ دریا پاک تھا

گو بظاہر وہ نہ زاہد تھا نہ وہ تھا متقی
عاشقِ صادق تھا آصف عشق اسکا پاک تھا

اے کماندار تجھے شست کی حاجت کیا تھی
مرغِ دل آپ ترے تیر پہ قرباں ہوتا

میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح
تو نہ ہوتا میرا اللہ نگہباں ہوتا

بے تمنا بھی کہیں عشق میں ہوتی ہے بسر
ایک مٹتا تو مجھے دوسرا ارماں ہوتا

مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تمنے
آن سے تیغ کھنچی ناز سے خنجر نکلا

وہ تشنہ کام پھر لبِ کوثر پہ کیا کرے
جس کو مزا ہو یار کی جھوٹی شراب کا

پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور
کس کو دعوے ہے پارسائی کا

کھیل ہے دل لگی ہے کیا ناصح
چھوٹ جانا لگی لگائی کا+

ذکرِ محشر عبث ہے اے واعظ
اس خدائی میں اُس خدائی کا

وہ نقشِ پائے غیر مٹاتے ہوئے چلے
نقشِ قدم پہ اور بھی نقشِ قدم ہُوا

ایسا گمان تجھ پہ نہ تھا اے دغا شعار
دھوکا بڑا مجھے ترے سر کی قسم ہُوا

فریاد بے سبب تو نہیں داد خواہ کی
تو نے ستم کیا تو کسی پر ستم ہُوا

ہوتا چلا ہے رنگ گلابی نقاب کا
چُھپتا ہے کب چھپانے سے چہرہ عتاب کا

جس بات کی چُھن بندھ گئی وہ کر ہی کے چھوڑی
سُنتا ہے کہا کب دلِ دیوانہ کسی کا

اللہ رے تجاہل تجھے اب تک نہیں معلوم
عالم کی زبانوں پہ ہے افسانہ کسیکا

دعوے سے ہے غلط شیخ و برہمن یہ تمہارا
مسجد نہ کسیکی ہے نہ بتخانہ کسیکا

آصف کا یہ ہے قول سینے صاحب غیرت
احساں نہ لے ہمت مردانہ کسیکا

میں اگر غم کہوں جدائی کا
شور محشر میں ہو دُہائی کا

نالہ کیا لب تک آکے رہ جاتا
پاس ہے عرش کبریائی کا

وہ بھی کیا دن تھے ہمیں غم سے سروکار نہ تھا
دل کو ارمان نہ تھا جان کو آزار نہ تھا

جان دیتا نہ تڑپ کر یہ وہ بیمار نہ تھا
دل پہ جب ہاتھ رکھا تمنے تو آزار نہ تھا

ایلچی کو بھی کوئی قتل کیا کرتا ہے
میں خطاوار تھا قاصد تو خطاوار نہ تھا

منصفی شرط ہے شایان کرم غیر ہی تھی
میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا

کیا عیادت کی توقع ہو ستمگر تجھ سے
بچ گیا کوئی تو کہتا ہے یہ بیمار نہ تھا

عرصۂ حشر کی مانند تھی نفسی نفسی
اُس کو محفل میں کسیکا بھی کوئی یار نہ تھا

مجکو کیا کوئی پھنسائے گا ازل سے اب تک
دل تو آزاد رہا میرا گرفتار نہ تھا

جنس دل واپس کے ہم اپنی بغل میں لے آئے
جا کے بازار کو دیکھا تو خریدار نہ تھا

نرگس جادو دکھا کے کوئی جادوگر گیا
دوست تو لینا خبر میرا دل مضطر گیا

گھلتے گھلتے عاشق بیمار تیرا مر گیا
دل میں زہر عشق آخر کام اپنا کر گیا

آئے تھے میرے دل کے خریدار بنکے وہ
دل دیکھتے ہی اُن کا خریدار ہو گیا

ہم کہے دیتے ہیں اے دل عشق ہے خانہ خراب
اسنے جب رکھا قدم پھر لاکھ کا گھر خاک تھا

خوبرویوں کی بھی حالت ایک سی رہتی نہیں
اب مسیحا اُس کو دیکھا جو کبھی سفاک تھا

انقلاب دہر کی نیرنگ دیکھو تو سہی
لہلہاتا سبزہ ہے جس جا خس و خاشاک تھا

جلانے والوں کو اللہ یوں جلاتا ہے
رقیب پر ہے وہ پروانہ شمع رو ہو کر

تمکین میں شرارت تری دیتی ہے مزہ اور
شوخی میں ترا حسن بڑھاتی ہے حیا اور

دزدیدہ نگہ دل کو چُرا کے ہوئی بدنام
پروا نہیں کچھ اُس کی ہمیں دے گا خدا اور

میخانہ میں کیا لطف ہے کیا مانگ ہے ساقی
آواز چلی آتی ہے لا اور پلا اور

جب دل دیا کسی کو تقدیر یہ پکار رہی
درد و الم ہو فرح و رنج و محن مبارک

کشتے کو اپنے قاتل دے ہاتھ سے جو اپنے
خلعت سے ہو زیادہ اُس کو کفن مبارک

کہتے ہیں ناز سے وہ ہے ملک حسن اپنا
آصف تمہیں تمہارا ملک دکن مبارک

کیا ہے پوشیدہ وہ غارتگریاں اب تک
کعبے جاتے ہیں ہزاروں جو مسلماں اب تک

گھل کے پانی بھی ہوا بن کے وہ آنسو بھی بہا
کیا مرے دل میں دھرا ہے ترا پیکاں اب تک

خراب و خستہ ہو کر خوب سنبھلا
محبت میں بگڑ کر بن گیا دل

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور نہ کریں
مرد جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیتے ہیں

ان حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نہ کرے
خوں بہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں

لب جاناں کو چکھائیں گے مزہ وصل کی شب
ہوتی آئی ہے کہ چھوٹے کو سزا دیتے ہیں

قطعہ

دل نہ دیتا اگر تو کیوں سنتا
چار کے طعنے چار کی باتیں

بے وفا ایک تیری خاطر سے
سن رہا ہوں ہزار کی باتیں

کہا جب میں نے رنجیدہ عدو ہو
وہ بولے سنتے ہی وہ کیوں تو ہو

ادھر میں ہوں ادھر محشر میں تو ہو
جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

تجھے دل میں تو رگوں میں یہ ہے شک
اُسی میں جان ہو تمہیں ہی تو ہو

گداز عشق نے چھوڑا بھی کیا ہے
مژہ سے ٹپکے گر دل میں لہو ہو

شب وصل یوں ہی بسر ہو گئی
نہیں کہتے کہتے سحر ہو گئی

تمہاری نرگس بیمار بھی بیمار کیسی ہے
کہ یہ بیمار ہو کر بھی غضب آزار کیسی ہے

نامہ بر دیکھ لے خط لفظ ہیں سارے پیارے
میں نے لکھے اُسے مضمون بھی پیارے پیارے

تیرے صدقے ترے قرباں یہ ضد خوب نہیں
مان لے مان لے کہنے کو ہمارے پیارے

سچ ہے پیاروں کی ہر اک بات ہے پیاری ہوتی
لطف کیا جور بھی ہمکو ہیں تمہارے پیارے

جاں لو جان ہماری بھی گئی ساتھ کے ساتھ
اپنے گھر تم جو خفا ہو کے سدھارے پیارے

پیار تیرا اخلاص کی باتوں میں یہ رنجش کیسی
شرط جو پیار کی تھی تم اسے ہارے پیارے

ناتواں قلب ہوا ہجر میں تیرے ایسا
دم بھی آتا ہے تو لے لیکے سہارے پیارے

کیوں نہو عشق حسینوں کا ثواب اے واعظ
جو ہیں اللہ کے پیارے وہ ہمارے پیارے

سہل ہے بات جو بگڑی کو بگاڑے کوئی
کام اسکا ہے جو بگڑی کو سنوارے پیارے

ابھی کمسن ہو نہ کہتے ہیں کسیکے آنا
نہ ابھرنا جو کوئی تمکو ابھارے پیارے

کھل گیا راز عدو اس سے یہ کہدو آصف
ہم تمہارے ہیں نہ تم اب سے ہمارے پیارے

یہ دل آشنا اور نا آشنا ہے
بھلوں سے بھلا اور بروں سے برا ہے

نہیں ہے اگر تو ہمارا تو کیا ہے
زمانے میں کوئی کسی کا ہوا ہے

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزا ہے
یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

مزا ہے یہی بات میں بات نکلے
ادا سے ادا جب نہو پھر تو کیا ہے

نشانہ نہ بنے دیکھیئے کون سا دل
یہ تیر دعا ہے وہ تیر ادا ہے

کریں بتکدہ سے عبث قصد کعبہ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

کہاں جائے انسان انسے نکل کر
زمیں فتنہ گر ہے فلک فتنہ زا ہے

شب وصل کسطرح طے ہو یہ جھگڑا
نہ تم مانتے ہو نہ دل مانتا ہے

کہو پھر تو گھبرا کے ذکر عدو پر
نہیں ہم تو واقف خدا جانتا ہے

یہ کافر حسیں ایک جا جمع ہونگے
جہنم میں بھی اک طرح کا مزا ہے

بہت دور ہے منزل وصل اے دل
جو یہ طے ہوئی پھر خدا ہی خدا ہے

کوئی بے وفاؤں کے دم میں نہ آئے
محبت جو کی تھی یہ اسکی سزا ہے

ہمارے بھی ہے امتحاں میں یہ آصف
لگانا ہی دل کا سراسر خطا ہے

رات تڑپتے کٹی چین نہیں دن کو بھی +　　دل کو مرے اضطراب دیکھئے کبتک رہے

ازل کے روز سے اِک لاگ حسن و عشق میں ہے　　نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا اُس کی +

نہ اِن کا قول ہے میری بلا سے تجھسے　　بلائیں اُس کی بھی لوں گر ملے بلا اُنکی

نیا ہو ناز ہر اک ناز میں نزاکت ہو　　ادا ادا سے ادا ہو ادا ادا اُن کی

تجھکو دل دے کے اپنی رسوائی　　وہ ہوئی اب جو عمر بھر نہوئی

پھر کہاں جائیں گے الٰہی ہم +　　خلد میں بھی اگر بسر نہوئی

بت کدے میں جو دیکھی ہے صورت　　وہ بھلے کو خدا کے گھر نہوئی

عمر بھر جتنی جفا ہو سب اُٹھانی چاہیے　　چاہیے جسکو اُسے تازندگانی چاہیے

تشنۂ مے ہوں شراب ارغوانی چاہیے　　ایسے پیاسے کے لئے ایسا ہی پانی چاہیے

داغِ فرقت دے گئے وہ اپنے چھلّے کے عوض　　عاشقِ مہجور کو کچھ تو نشانی چاہیے

رفتہ رفتہ دن مصیبت کے گزر ہی جائینگے　　اِن بتوں کی کیا خدا کی مہربانی چاہیے

تیسوں روزے ہو چکے رخصت ہُوا ماہِ صیام　　عید کے دن بھی نہ کیا پینی پلانی چاہیے

صدمے بیاں کیا ہوں شبِ انتظار کے　　سو بار چُپ ہُوا ہوں اجل کو پکار کے

دل میں ہمارے ایک صنم پردہ دار ہے　　آئے خیالِ غیر تو پردہ پکار کے

بیتابِ دل کے ہاتھ سے ہی میری لاش بھی　　اندر مزار کے کبھی باہر مزار کے

یہ عرصہ گاہ حشر ہی محفل نہیں تری　　اغیار لے تو جائیں تجھے اب اُبھار کے

آجکل ہمنے زمانے کی یہ حالت دیکھی　　ایک کے دل میں مروّت نہ محبت دیکھی

غم کونین بھی کھاکر نہیں سیری اے دل　　دیکھی دیکھی ارے بھوکے تری نیت دیکھی

ایک ہی جام پلا کر جو کرے اپنا سا　　ہمنے یہ پیرِ مغاں ہی میں کرامت دیکھی

رخصت کے وقت ہائے اس انداز کے نثار　　انگڑائی لے کے اُسنے کہا دیکھنا مجھے

مزا جداں ہو تمہیں جب تمیں سے کچھ نہ ہُوا　　مریضِ عشق کو راس آگئی دوا کس کی

ہزار رنگ سے نیرنگ ہیں ہم زمانے میں	ہوئی ہے شعبدہ گر چشم فتنہ زا کسکی

آصف

(**آصف**) حکیم سید محمد آصف۔ حضرت جلال لکھنوی کی شاگردی سے نامور ہیں۔ موجودہ رسالوں میں اکثر کلام شائع ہوتا رہتا ہے اُس سے انکی استعداد علمی خاص معلوم ہوتی ہے طبیعت موزوں اور زبان صاف ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ناصحوں کے کہنے میں آتا نہیں	ایسوں کو میں دھیان میں لاتا نہیں
ہے عجب دلکش مقام کوئے دوست	جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں +
دینا اُسے پیامبر عاشق چشم کا پیام	آنکھیں سفید ہوگئیں آپکے انتظار میں
نہ پوچھ اے شیخ بت ہے یا خدا وہ	اے بندہ بھلا کیا جانے کیا ہے
تری بد دعا ہی دعا ہوگئی	کہ بیمار غم کو شفا ہوگئی

آصفی

(**آصفی**) مرزا عبدالرحمن بیگ نام ہے حیدرآباد دکن میں قیام ہے۔ اور علاقہ مہاراجہ یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد کے شفاخانے میں منشی ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

یہ نہ کل کو لے کے دل میرا	اور ہو جائیں یار کی باتیں
یہ بھی اچھا ہوا کہ اپنی دعا	کبھی شرمندۂ اثر نہوئی
وعدہ کرتے تو ہو قیامت کا	وہ بھی تقدیر سے اگر نہوئی
اُسنے چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا	موت بھی اپنی چارہ گر نہوئی
کیوں جی الفت اسی کو کہتے ہیں	مر گئے ہم تمہیں خبر نہوئی
نہ مرتا ہے عاشق نہ ہوتی شفا ہے	الٰہی عجب یہ مرض لا دوا ہے

آغا

(**آغا**) مرزا آغا جان عرف آغا صاحب۔ دہلی کے باشندے تھے۔ اصل میں عیسائی تھے مگر اپنے اُستاد سید محمد امیر پنجہ کش کی ہدایت و تلقین سے مسلمان ہوگئے تھے۔ خوشنویسی میں ایسی مشق بہم پہونچائی تھی کہ سید محمد امیر پنجہ کش کے شاگردوں میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ اخیر دم تک ریاست الور میں ملازم رہے۔ ۱۲۷۳ھ کے ایام غدر میں یہ دونوں اُستاد شاگرد گوروں کے ہاتھ

سے گولیاں کھاکر راہئ ملکِ بقا ہوئے - کچھ عرصہ ریاست جھجّر میں بھی ملازم رہے تھے وہاں نواب صاحب نے ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے ایک نہایت بیش بہا اور قابل قدر گلستاں ان سے لکھوائی - پھر الور میں ملازم ہوکر ویسی ہی دوسری گلستاں لکھی - یہ دونو نسخے خوشخطی اور خوبئ نقش ونگار کے باعث عدیم النظیر ہیں - جھجّر والی گلستاں مہاراجہ منگل سنگھ مرحوم والی الور نے خرید کر دوران سیاحت پنجاب میں ۱۸۸۰ئہ میں مہاراجہ راجندر سنگھ مغفور روالئ پٹیالہ کو بطور ہدیہ دیدی تھی - دوسرا نسخہ اب تک الور کے کتب خانے کی زینت ہے اسپر متعدد نمایشوں میں تمغہ بھی ملا ہے - آغا صاحب گاہے گاہے فکر سخن بھی کرتے تھے - دو شعر ملے بطور یادگار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کوئی دارا کوئی جم اور کوئی اسکندر ہؤا	داغ سر اپنا ہیں تاج خدا افسر ہؤا
سرخ ہے مو باف قاتل آج دیکھا چاہئے	قصد اس قاتل کا اب ہے کس کے شبخوں پر ہؤا

(آغا) سخنور شیریں بیاں میرزا آغا حسینؔ مرحوم اکبرآبادی خلف میرزا علی اعظم - میرزا آغا حسین میر علی حسین قیصر مغفور کے حقیقی بھائی تھے اور فن سخن میں میرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی - راجہ بلوان سنگھ راجہ - مرزا عنایت علی ماہ وغیرہم کے ہم صحبت و ہم مشق رہے - شعر خوب کہتے تھے - دیوان ریختہ چھپ گیا ہے - ۱۲۹۶ھ ہجری میں انتقال کیا - کلام صاف - بامزہ اور پرلطف ہے ؎

شوق زور وں پہ ہے ضعفِ دلِ بیمار گھٹا	آؤ میخانے چلیں آئی دھواں دھار گھٹا
للہ الحمد کہ پانچوں ہیں میسر آغا	مئے و معشوق پری وش - گل و گلزار - گھٹا
کوچۂ یار کو دعوے ہے کہ جنت میں ہوں	خلد کہتے ہیں کسے روضۂ رضواں کیسا
دل کے آئینہ میں تصویر صنم رکھتا ہے	نہیں معلوم کہ آغا ہے مسلماں کیسا
گلچین سے دوستی تھی موافق زمانہ تھا	اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
وحشت نے یہ دھجیاں اڑائیں	باقی نہیں تار پیرہن کا +
بے سبب زاہد نہیں خالق سے جنت مانگتا	زہد کے بدلے میں ہے مزدور اجرت مانگتا

تیرہ بختی نے نچھوڑا ایک دم چھپا مرا +
رنج آگے سے مرے ملتا تو راحت مانگتا

جب تک رہی بہار زرِ گل لٹا کیا
کیا جانے اسکے پاس کہاں کا خزانہ تھا

بجائے اشک مژگاں پر اگر لختِ جگر ہوگا
ترا احسان میرے حال پر اسے چشمِ تر ہوگا

کترے پیروں کو نہ اے بانیٔ ستم صیاد
قفس کو توڑ کے اُڑ جائیں گے نہ ہم صیاد

کرے گا قتل مجھکو یار کیونکر +
اُٹھے گی ہاتھ سے تلوار کیونکر

گھٹا آئی ہے بوندیں پڑ رہی ہیں
نہ ٹوٹے تو یہ منجھار کیونکر +

اپنے کئے کی آپ سزا کیوں نہ پائے شمع
خود کیوں جلے اگر نہ کسیکو جلائے شمع

مرنے کی مانگتے ہیں دعائیں خدا سے ہم
تنگ آ گئی ہے ہم سے دوا اور دوا سے ہم

نگاہوں میں اقرار سارے ہوئے ہیں
ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں

سچ ہے کہ بُرے وقت نہیں کوئی کسیکا
لب خشک ہیں اور دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

کیا قید سے جنکو آزاد تم نے
وہ حسرت سے طوق و رسن دیکھتے ہیں

ابھی مُنہ موڑ کر نہ جا قاتل
جان باقی ہے ترے بسمل میں

ہر کوئی پھرتا ہے اپنے قتل کی تدبیر میں
یہ نئے جوہر ہیں اے قاتل تری شمشیر میں

کاٹ بڑھکر تیغ سے ہے ابروے خمدار میں
سینکڑوں بیدم ہوں یہ جوہر کہاں تلوار میں

بوسہ کا نیل عارضِ جاناں سے دُور ہو
دھبا خدا کرے مہِ تاباں سے دُور ہو

کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہو
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہو

قتل کا حکم نہ بے جرم و خطا دے مجھکو
میرے قاتل کو کوئی الزام لگا دے مجھکو

جیتے جی کے آشنا ہیں پھر کسی کا کون ہے
نام کے اپنے ہوا کرتے ہیں اپنا کون ہے

جانِ جاں تیرے سوا رشکِ مسیحا کون ہے
مار کر ٹھوکر جلا دے مجھکو ایسا کون ہے

وہ آئے سب اسیروں کو آزاد کر گئے
محبس جو مہربان ہوئے پر کتر گئے

تیغِ نگاہِ ناز سے کلیجے پہ چھل گئی +
جانِ قتیلِ حسرتِ قاتل نکل گئی

اچھی صورت پہ حسینو تمہیں نخوت کیا ہے	چار دن کی ہے فقط حُسن کی دولت کیا ہے

آغا

(**آغا**) میرزا آغا حسن لکھنوی - شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم لکھنوی ۱۳۰۱ھ ہجری تک مرزا سلیمان قدر بہادر کے ہاں داروغہ تھے - شعر خاصا کہتے تھے - عیوب ظاہری سے ان کا کلام پاک و صاف ہے مگر اُسی پُرانی ڈگر پر چلتے ہیں جو ابتدا سے ایشیائی شعرا نے اختیار کر رکھی ہے - زبان - بندش ترکیب بیان کے لحاظ سے کلام میں کوئی نقص نہیں ہے - مولوی عبدالغفور نساخ اپنے تذکرے میں اس نام اور تخلص کا ذکر اسطرح کرتے ہیں کہ آغا حسن ولد مرزا میر لکھنوی شاگرد صبا ۱۲۸۰ھ ہجری میں بمقام کلکتہ تجارت کرتے تھے - شاید یہی آغا حسن ہوں بلکہ ظن غالب ہے کہ یہی ہوں گے - کیونکہ جس غزل کے اشعار ہمنے آخر میں درج کئے ہیں اُنکا مقطع تذکرہ نساخ سے لیا ہے ۵

لُوٹ لی میری دولتِ ایماں کعبۂ دل کو تو نے ڈھاکے	ہاں ذرا بھی اُو بتِ کافر تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا
ہٹا دو انکھو بالیں سے مری وہ خوف کھائینگے	سُنا ہے دم نکلتا ہے بڑی مشکل سے عاشق کا
وصل کی شب یہی کرتا ہوں دعا اے آغا	حشر تک اب نظر آئے نہ سحر کی صورت
تمہارے بعد تمہیں یاد کرتے سب آغا	کوئی تو زیست میں ایسی بھی بات کر جاتے
نکلنا سخت مشکل ہو نہ کیونکر کوئے قاتل سے	تڑپتے ہوں جہاں عاشق ہزاروں مرغ بسمل سے
ترے کوچہ میں اُو ظالم نہ میں آتا نہ میں آتا	مگر مجبور ہوں کچھ بس نہیں بیتابیٔ دل سے
تپِ فرقت سے ایسا پڑ گیا ہے ضعف اے آغا	کہاں کروٹ بدلنا سانس بھی لیتا ہوں مشکل سے

آغا

(**آغا**) مرزا عبدالقادر خاں عرف میرزا آغا جان - رئیس سونگھڑہ (مالوہ) شاگرد حضرت داغ دہلوی - اُنکے والد میرزا جان کابلی الاصل اور مدار المہام ریاست سونگھڑہ ہیں - انتخابِ کلام ہدیۂ ناظرین ہے آپکی فارسی قابلیت بہت اچھی ہے ۵

خاک میں چاہنے والوں کو ملا دیتے ہیں	فتنۂ حشر وہ اُٹھتے ہی اُٹھا دیتے ہیں
آدمی سُن نہیں سکتا ہے کسی کے طعنے	دل میں شمشیر سے یہ زخم سوا کرتے ہیں
ادا ہے کون سی حوروں میں جسپر دم نکلتا ہے	کسی کافر میں بھی زاہد وہی عالم نکلتا ہے

ترے نظروں میں بھی تیرِ قضا کا رنگ ہے ظالم — جسے تو دیکھ لیتا ہے اُسی کا دم نکلتا ہے
بوسہ دینے میں جو پوچھا کہ بگڑتا کیا ہے — بولے لینے میں کہو آپ کو ملتا کیا ہے
ہم بھی ہاں مانتے ہیں رشکِ مسیحا تم ہو — مگر اس جاں بلب غم کا مداوا کیا ہے
ہاتھ آیا تجھے کیا میرے ستانے والے — کیا ملا تجکو میرے جی کے جلانے والے
سُن کے شہرے تمہاری قامت کے — ہوش جاتے رہے قیامت کے
میرے زخموں پہ وہ چھڑک کے نمک — کہتے ہیں یہ مزے ہیں چاہت کے
جگر تک آئی یہ برچھی کدھر سے — کوئی یہ پوچھ دے ترچھی نظر سے

آغا

(آغا) منشی عبدالاحد خاں۔ باشندۂ رام پور (روہیلکھنڈ) شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم۔ تخمیناً ۵۰ برس کی عمر ہوگی۔ سرکار رام پور میں ملازم ہیں۔ کلام مزیدار ہے طبیعت میں متانت ہے اور بیان میں صفائی پائی جاتی ہے کیوں نہو آخر ہیں کس اُستاد کے خوشہ چینوں میں۔ کلام حاضر ہے ہ

دل لے کے پوچھنا کہ دلِ زار کیا ہوا — خیر اُو ستم شعار فسوں کار کیا ہوا
تم جاگتے میں آتے تو آنے کا لطف تھا — طالع ہوا جو خواب میں بیدار کیا ہوا
رکھ لوں اسے کلیجے میں گر اختیار ہو — کیا پیاری پیاری شکل مرے دلربا کی ہے
دامن سے چھوٹنے کا نہیں لاکھ دھوئیے — قاتل ہمارے خون میں رنگت وفا کی ہے
دل کیا ہے کروں جان بھی میں اُسکے حوالے — لینے کو جو پردے سے کوئی ہاتھ نکالے
جانباز جو لاکھوں ہیں تھکا جاتا ہے قاتل — اے موت گھڑی کیا ہے ذرا ہاتھ بٹا لے
آئے تھے جو سننے کو فسانہ مرے غم کا — وہ جاتے ہیں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

آغاز

(آغاز) منشی امداد حسین خاں کانپوری۔ شاگرد حضرت عزم مرحوم۔ یہ ہمارے زمانے کے شاعر ہیں کلام خاصا اور اچھا ہے۔ ملاحظہ ہو ہ

نہیں ہر وقت کی یہ ضد اچھی — کبھی کہنا بھی مان لیتے ہیں
ہم تو مرتے ہیں کسی سفاک پر — چارہ اس کا ابن مریم کیا کریں

ہم کو غم کھانے کا دعویٰ تھا مگر	خود ہمیں کھانے لگا غم کیا کریں
صورت ہی سے سوال کو پہچان جائیے	دل میں ہمارے جو ہے صنم جان جائیے
یہ تو خوشی ہے آپ کی میری خوشی نہیں	میں کس طرح کہوں کہ مری جان جائیے

آفاق

(**آفاق**) میر فرید الدین خلف سید بہاؤ الدین - شاہ سلیمان متخلص بہ اولیا باشندۂ دہلی کے قرابت داروں میں تھے اصل میں انکا وطن کشمیر تھا - حکیم ثناء اللہ خاں **فراق** سے تلمذ رکھتے تھے قدرت اللہ **شوق** کے تذکرے کی ترتیب کے وقت دکن بھی گئے تھے اور وہاں نواب مشیر الملک کی سرکار میں بعزت و آبرو بسر کرتے تھے خلاصہ کلام یہ ہے ؎

تسکین ہوئی دل کو آرام ہوا جی کو	وہ راحتِ جاں میرے پہلو میں جو آ بیٹھا
اُس گل سے مل کے پیوین گے جام شراب ہم	لالہ کا دل جلا کے کریں گے کباب ہم
میخانۂ دنیا میں ہر اک مست ہے غافل	ہے مرد وہی جو رہے ہشیار نشہ میں
ہاتھ کا اُس کے خط لکھا لایا	تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

آفاق

(**آفاق**) منشی غلام حسین خان - باشندۂ بنارس - شعر خاصا کہتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں سُنا ہے کہ اب **جلیل** کے شاگرد ہو گئے ہیں کلام درج تذکرہ ہے ؎

کہتے ہیں کہ ہم غیر سے یوہیں گے ہنسیں گے	تم بزم سے اُٹھ جاؤ جو دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں میں پھرا کرتی ہیں وہ شوخ نگاہیں	نظروں سے وہ جادو کا تماشا نہیں جاتا
ٹھہر کے دیکھ لے بسمل کا لوٹنا قاتل	شہیدِ ناز یہی خوں بہا سمجھتے ہیں
جو پوچھا لینے کہ تمکو وفا نہیں آتی	بگڑ کے بولے کہ کہہ تو دیا نہیں آتی
یا خدا کیا ہے جو ہوتی ہے کھٹک سی بار بار	پھانس ہے دل میں چبھی یا وہ نگاہِ ناز ہے
گردن میں میری طوقِ محبت پنہا دیا	باہیں گلے میں اُسنے شبِ وصل ڈال کے
وہاں محتسب سر پٹکتا رہا	یہاں خوب رندوں نے ڈیکتی رہی

آفت

(**آفت**) میرزا منیر بیگ ابن مرزا وزیر بیگ ۱۸۵۷ء میں بمقام قصبہ پیٹن ضلع اورنگ آباد دکن

پیدا ہوئے ہائی اسکول اورنگ آباد میں جماعت انٹرنس تک عربی فارسی انگریزی میں تعلیم پاکر ۱۸۹۲ء
میں سررشتۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے آجکل خاص اپنے وطن کے مدرسہ میں مدرس انگریزی ہیں۔
ملازمت اختیار کرنے کے بعد شاعری کا شوق ہوا تھوڑے عرصہ بعد اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی
تو حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی سے استفادہ کیا۔ اب اُنکے شاگردوں میں آپ کا نام عزت
سے لیا جاتا ہے۔ مذاق سخن اچھا ہے۔ زبان اور خیالات بھی پاکیزہ ہیں ہنگام اشاعت تذکرہ کچھ
کلام موصول ہوا اُسمیں سے جسقدر اشعار پسند آئے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کسقدر رازِ محبت جلد افشا ہو گیا
دل اِدھر آیا اُدھر دنیا میں چرچا ہو گیا

روکنے پر بولے "صبحِ وصل" جانے دیجئے
دیکھئے اب آپکا کہنا بھی پورا ہو گیا

دل کو لے لیتے تم تو اچھا تھا
کیا یہ اِک بوسہ کو بھی مہنگا تھا

ہجر کا حال پوچھتے کیا ہو
سو بلاؤں میں دل اکیلا تھا

میرے ہی دل کا وہ دھُواں نکلا
جس کو میں آسمان سمجھا تھا

ابتدائے شباب اے آفت
ہائے وہ بھی عجب زمانہ تھا

اہل ظاہر کہتے ہیں جس عشق کو آزارِ جاں
فی الحقیقت ہے وہی آرامِ جانِ اہلِ درد

بھلا دیا در پر اُسکے آخر
تقدیر نے دربدر پھرا کر

اب نکلی کدورت اُنکے دل کی
خوش ہیں ہمیں خاک میں ملا کر

سمجھتے ہیں وہ اب کیا قید سے میری یہ چھوٹیگا
جبھی دیوانۂ گیسو کو بے زنجیر رکھتے ہیں

بتاؤ وعدہ کی شب انتظار ہو کہ نہو
جو تم نہ آؤ تو دل بیقرار ہو کہ نہو

جو تیغ ہاتھ میں لی ہے تو سوچنا کیسا
لگا بھی دو کوئی تقصیر وار ہو کہ نہو

دشمنوں کی دشمنی سے دوست کی ہوتی ہے قدر
چاہئے ہمدرد دوا پنے تو بیگانے بھی دو

جب میں کہتا ہوں کہ تم پہ جان جاتی ہے مری
ہنس کے وہ فرماتے ہیں اچھا تو ہے جانے بھی دو

دل لگانے کا لگا کر جرم وہ لیتے ہیں جاں
دل کا دل لو اور پھر دل ہو کے جرمانے بھی دو

خدایا بڑہے دردِ الفت زیادہ
سہے اِس رنج میں مجکو راحت زیادہ

ہمیں سے ہے تمکو عداوت زیادہ
تمہیں سے ہے ہمکو محبت زیادہ

محبت دبانے سے دبتی نہیں ہے
چھُپانے سے ہوتی ہے شہرت زیادہ

وہ کم کرتے ہیں جس قدر مجھسے مِلنا
مجھے اُن سے ہوتی ہے الفت زیادہ

غضب اُس ستمگر کی محشر خرامی
قیامت سے ہے یہ قیامت زیادہ

دل اِک بوسہ پر دیدو آفت خوشی سے
نہ آئے گی اب اِس سے قیمت زیادہ

بلائیں بھی وہیں آتی ہیں جس جا تنگدستی ہے
یہ زنجیرِ مصیبت بیکسوں کو خوب کستی ہے

یہ کیا کم ہے اگر ہے میرے دل کی قیمت اِک بو
محبت اُس صنم کی جان دیکر بھی تو سستی ہے

لینے دل دینے میں تکرار جو کی بولے وہ
جائیے جائیے بس آپ کی الفت دیکھی

دشنام میں ملا ہمیں بوسہ سے بڑھکے لطف
ہاں گالیاں سنائیے دو چار اَور بھی

آنکھ اور رہو گئی ہے پڑکر نگاہ تجھپر
دل اور رہو گیا ہے جبسے کہ دل میں تو ہے

مٹجاؤں ذات میں بھر جی جاؤں خاک ہوکر
وہ جان کی ہے خواہش یہ دل کی آرزو ہے

آیا رکی محفل میں دکھادیں تجھے زاہد
اک حور اُتر آئی ہے گلزارِ ارم سے

وعدہ میں نہیں شبہہ کچھ اے قول کے پورے
شک دل میں جو آتا ہے تو بس تیری قسم سے

تھا عشق سے پہلے ہمیں عزت کا بہت پاس
یہ بات بھی الفت کی بدولت گئی ہم سے

آفتاب

(**آفتاب**) حضرت فردوس منزل ابوالمظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ غازی - خلف الرشید عرش منزل عزیز الدین عالم گیر ثانی سنہ ۱۱۳۱ ہجری قلعہ معلی دہلی میں پیدا ہوئے - اور ۱۴ جمادی الاول ۱۱۷۳ ہجری مطابق ۱۷۵۹ء میں بمقام کھتولی نواح پٹنہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا اپنے والدِ ماجد کی وفات کے وقت میرزا عالی گوہر شجاع الدولہ صوبہ اودہ کے ساتھ ملک بنگال پر قبضہ کرنے کی نیت سے عظیم آباد کا محاصرہ کیئے پڑے تھے - والدِ ماجد کی خبر وفات سُنکر شاہ عالم کے لقب سے تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا اور اپنے خلفِ اکبر میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جواں بخت کو ولیعہد

قرار دیکر دار الخلافہ میں بجائے خود نائب مقرر فرمایا۔ اور قلمدان وزارت نواب شجاع الدولہ کو مرحمت کیا ۱۷۶۵ء مطابق سنہ ۶ سال جلوس میں ملک بنگالے۔ بہار۔ اور اوڑیسہ۔ کی دیوانی چھبیس۲۶ لاکھ روپے سالانہ کے بالعوض تاجران فرنگ کی کمپنی کو عطا فرمائے۔ دس سال یعنی ۱۷۸۲ء تک الہ آباد میں مقیم رہے۔ پھر مہاراجہ مادہوجی سیندھیا کی ترغیب سے دہلی آ گئے اور انتظام مہام سلطنت مرہٹوں کے ہاتھ میں آگیا ۱۷۸۹ء میں کو رنمک غلام قادر رُہیلے نے اس واجب التعظیم بادشاہ کی دہلی کے دیوانِ خاص میں چھاتی پر چڑھ کر آنکھیں نکال لیں۔ اور خاندان شاہی پر بڑی بڑی سختیاں اور زیادتیاں کیں۔ چونکہ ظلم سرسبز نہیں ہوتا مہاراجہ پٹیل مادھوجی سیندھیہ نے بہت جلد اِس نابکار کو اپنے کیئے کے پاس بٹھایا اور بادشاہ کو پھر تخت نشین کر دیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کا دہلی میں تسلط ہو گیا اور ذاتی املاک کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر ہو گیا۔ ۷۔ رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں نوے برس کی عمر پاکر راہیِ ملکِ بقا ہوئے آستانۂ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے غرب میں دفن ہوئے۔ انتقال کی تاریخ میر نظام الدین ممنون معروف بہ فخر الشعرا نے برعایت تخلص یہ فرمائی ہے ؎

شور بس روے زمیں سے یہ اُٹھا	ہے کسوفِ آفتابِ سلطنت

مگر مرقد منور پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

وہی آفتاب روے زمیں بود بیش ازل	شد آفتاب زیر زمیں آہ و آسماں

"فردوس مکان شاہ عالم بادشاہ" سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے فنِ شعر سے کمال اُنس تھا۔ آفتاب تخلص فرماتے تھے۔ سودا۔ میر۔ نصیر۔ انشا۔ اعظم۔ زار۔ ممنون۔ احسان۔ قائم۔ فراق۔ سب ان کی سرکار کے دعاگو تھے۔ چار دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر اب کمیاب ہیں شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے قول کے بموجب ایک ضخیم قصۂ نثر بھی نہایت شستہ دلچسپ عبارت میں حضرت کی یادگار رہے۔ اُردو کلام کے بعد وہ مرثیہ شہر آشوب لکھا جاتا ہے جو

سلطنت دہلی کی تباہی کے وقت حضرت شاہ عالم نے فارسی زبان میں فرمایا تھا [۵]

خوب ہی سیدھا بنے گا دیکھ اے سرو چمن
اسکی رعنائی سے تو مست اپنی رعنائی ملا

بعد مجنوں کیوں نہ ہوں میں کارفرمائے جنوں
عشق کی سرکار سے ملبوس رسوائی ملا

کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا
ہم تو بندے اُسکے ہوں وہ یار ہو اغیار کا

خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اُسنے آہ
ہو جیو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا

دیکھکر کل نبض میری یوں لگا کہنے طبیب
کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا

صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ
ڈھونڈ جا کر ہر طرف نقشِ قدم دلدار کا

اس قدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب
دیکھکر ہوتا ہے تجکو تنگ دل گلزار کا

چھیڑنے کا تو مزا یہ ہے کہو اور سُنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سُنو

آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر
اے آفتاب دولتِ دیدار سمجھئے

قطعہ

صبح تو جام سے گزرتی ہے
شب دل آرام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گذرتی ہے

صرصرِ حادثہ برخواست پئے خواری ما
داد برباد سر و برگِ جہانداری ما

آفتابِ فلکِ رفعتِ شاہی بودیم
بُرد در شام زوال آہ سیہ کاری ما

چشم ما کندہ شد از جورِ فلک بہتر شد
کہ نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما

داد افغاں بچہ شوکتِ شاہی برباد
کیست جز ذات منزہ کہ کند یاری ما

کردہ بودیم گناہے کہ سزا اش ایں بُود
ہست امید کہ بخشند گنہ گاری ما

کرد سی سال نظارت [۵] کہ مرا داد بباد
زود تر یافت تلافی ستمگاری ما

نازنینانِ پریچہرہ کہ ہمدم بُودند
نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

حقِ طفلاں کہ ز سی سال فراہم کردند
کرد تاراج نمودند سبکساری ما

عہد و پیماں ہمہ بر دادہ نمودند دغا
مخلصاں خوب نمودند وفاداری ما

[۵] ناظر مراد از منصور علی خاں ۱۲

قوم افغان[1] و مغلیہ ہمہ باغی ولوند	بسکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما
آن گدا زادۂ ہمدان کہ بدوزخ برود	بانی جور و ستم شد بدل افگاری ما
گل محمد کہ ز مردان بشرارت کم نیست	چہ قدر کرد وکالت بگرفتاری ما
ہم اللہ یار و سلیمان و بدل بیگ لعیں	ہمہ بستند کمر بہر دل آزاری ما
شاہ تیمور[2] کہ دارد سر نسبت با من	زود باشد کہ بیاید بمددگاری ما
مادھوجی سیندھیا و زند جگر بند من است	ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
راجہ و راؤ زمیندار و امیر و چہ فقیر	حیف باشد کہ نسازند بغم خواری ما
حال ما گشتہ بتر ہمچو اماماں زیزید	گر د تقدیر یا ازل روزئی ما خواری ما
بود جاں کاہ ز زوال جہاں ہمچو قفس	دفع از فضل الٰہی شدہ بیماری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من آند	چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما
آفتاب از فلک امروز بتباہی دیدی	باز فردا دہد ایزد بسر و سرداری ما

آفریں

(آفریں) شیخ قلندر بخش ساکن سہارنپور۔ انکا سلسلہ نسب حضرت امام ابو حنیفہ سے ملتا ہے۔ اوائل انیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ عروض و صنائع بدائع شعر سے خوب باخبر تھے چنانچہ ایک رسالہ موسوم بہ تحفۃ الصناعۃ مرتب کیا تھا۔ جملہ اصناف سخن مثل قصیدہ۔ مثنوی۔ غزل پر قادر تھے۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں جوانی کا عالم تھا۔ کلام کا خلاصہ بھی درج ذیل ہے ؎

بجا چمن میں تو اب آفریں کہ جوں غنچہ	لبوں میں اُسکے نہاں ہے بہار خندۂ گل
بہت ہیں گرچہ تمہیں اور ناز کرنے کو	بُرے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

آگاہ

(آگاہ) میر حسن علی نام۔ دہلی کے رہنے والے اور بادشاہی قصہ خواں تھے۔ ان کی جودت طبع اور جدت ذہن مشہور تھی۔ قصہ خوانی کے علاوہ چند اور فنون میں بھی درک رکھتے تھے۔ قصہ خوانی

[1] افغان مراد از غلام قادر روہیلہ نمک حرام ۱۲

[2] تیمور مراد از تیمور شاہ والی کابل پسر احمد شاہ ابدالی کہ خواہر شاہ عالم در نکاح او بود و زمان شاہ خواہر زادہ شاہ ہند بود ۱۲

میں میر احمد مشہور قصہ خواں کے شاگرد تھے اس کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ میر ضیاء الدین ضیا کے شاگرد تھے۔ اپنے زمانے کے خوش رو جوانوں میں شمار ہوتے تھے ۱۸۵۷ء تک زندہ موجود تھے۔ افسوس کہ اُنکا یہ ایک ہی شعر دستیاب ہُوا ؎

مرنے پہ آج یہ بھی گنہ گار گرم ہے		ہاں تیغ کھینچ اے بتِ نازک مزاج تو

آگاہ

(آگاہ) نورخاں نامی۔ قوم کے افغان اور قصہ خوانی کیا کرتے تھے۔ ضیا کے شاگردوں میں تھے زیادہ حال نہیں معلوم ہُوا یہ دو شعر اُنکی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

ہے کہاں کاہیں درپیش سفر دیکھیں تو		حلقۂ چشم میں کیوں آج ہے دم بار رکاب
باتیں بنا بنا کے نہ کیجے نباہ کی	.	مُنہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کی

آگاہ

(آگاہ) پنڈت جوالا ناتھ خلف پنڈت داتارام برہمن۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے تذکرۂ سخن الشعرا مولفہ نساخ کی ترتیب کے وقت آپ کلکتے میں قیام پذیر تھے جسے سنہ ۱۲۹۰ ہجری کا زمانہ سمجھنا چاہئے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہُوا یہ دو شعر جو اُس تذکرے میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں جن سے طبیعت کی شوخی اور درد ظاہر ہوتا ہے ؎

	دیکھئے کیا ہو تماشا کیا ہے		جان جاتی ہے تڑپتا ہُوں پڑا	
	اِس سوا اور تمنا کیا ہے		تیرا دیدار میسر ہووے	

آگاہ

(آگاہ) نواب سید محمد رضا دہلوی معروف بہ احمد میرزا خاں خلف الصدق سید امیر میرزا ابن نواب معظم الدولہ محمد علی خاں مغفور شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب۔ آپ ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۵ھ ہجری میں بمقام دہلی پیدا ہوئے آپکے جد امجد نواب روشن الدولہ سید مظفر مرحوم محمد شاہ کے دوران سلطنت میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ایام غدر تک دو موضع صدر پور و رئیس پور ضلع میرٹھ جمعی سات ہزار سالانہ آپکی دادی کی جاگیر میں تھی بعد غدر ضبط سرکار ہوئی پریشانئ غدر میں شدہ شدہ جے پور میں پہونچے اور بہ سرپرستی مہاراجہ سوائی رام سنگھ بیکنٹھ باشی جے پور میں سکونت پذیر اور سرکار مہاراجہ سوائی جے پور میں بصیغہ روزینہ داران منسلک ہوئے تا حال اُسی

سرکار فیض رسان کے دعا گو ہیں۔ گو سن شریف ۷۰ سال کے قریب ہے، مگر طبیعت اب بھی جوانی کی آن بان دکھائے جاتی ہے۔ مزاج کی سادگی اور وضع کی پابندی نے شغل سخن کو ذریعہ شہرت بنانے کی انہیں اجازت نہ دی۔ آپ نے اپنے واجب الاحترام اُستاد سے فارسی کی وہ پیچیدہ بندشیں اور نغز گفتاری حاصل کرنے کے بجائے خیال کی بلند پروازی اور نشست الفاظ کا سلیقہ بہم پہنچایا اور اُس طرز کو پورا پورا نبھایا ہے ❖

جناب محمد سلیم خاں صاحب خستہ حضرت ظہیر اور سید لمراؤ مرزا انور کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ غدر سے پہلے شہزادہ مرزا خضر سلطان بہادر خلف ظل سبحانی حضرت ابو ظفر کے مصاحب تھے ❖

حضرت آگاہ سے اُس نواح کے لوگوں کو بہت کچھ فیض پہنچا ہے جس کی وجہ سے علاقہ جے پور میں آپ کا دم غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ دیوان مرتب ہو چکا ہے مگر اشاعت کا خیال نہیں آیا۔ انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے ❖

جھوٹی شراب اُسکی ہوئی قسمت رقیب
اب زہر ہے علاج ہمارے خمار کا

گھر غیر کا ہو راہ میں یہ بھی مری قسمت
لایا تو اُسے جذبہ محبت کا یہیں تھا

اسی کی یاد میں سب عمر ہم نے کاٹی ہائے
جسے خیال ہمارا نہ ایک بار آیا

یہ کس کی چشم مست کا ساقی اثر ہے آج
جو ہے وہ میکدہ میں ترے بیخبر ہے آج

ابر آئے تو اسے بادہ کشوں توبہ ہے کسکی
توڑ دو اُسے قفل در میخانہ سمجھ کر

جلوہ ہر جائی جب اُسکا ہے دوئی پھر کیسی
کھینچ دو ایک جگہ دیر و حرم کی تصویر

کاٹیں گے کس امید پہ فرقت کا ہم پہاڑ
شیریں نے جب لئے نہ کبھی کوہکن کے پھول

الفت عجیب شے ہے کہ جب کیجیے خیال
آتے نظر ہیں خار بھی اپنے وطن کے پھول

ایک دم میں قلق ہجر مٹا دیتے ہیں
لب پہ جب وہ لب جاں بخش ہلا دیتے ہیں

خوگر جور ہیں اتنے کہ دم مشق جفا
جو نہ سوجھے اُسے ہم اور سجھا دیتے ہیں

جو نگاہیں اُٹھ نہ سکتی تھیں خدایا شرم سے
بے حجابانہ وہ کیونکر دل میں پیکاں ہو گئیں

تمکو اس انداز سے خنجر بکف آتا نہ تھا
کیا کہیں کس کس کی جانیں مفت قرباں ہو گئیں

شکر ہو کس سے ادا قاتل کی تیغ تیز کا ۔ موت کی دشواریاں دم بھر میں آساں ہو گئیں

غیر تو انجمن ناز سے ٹلتا ہی نہیں ۔ یہ بھی کیا دم ہے ہمارا کہ نکلتا ہی نہیں

ایک ہم ہیں کہ گھلے جاتے ہیں یوں شمع صفت ۔ اور اک دل ہے تمہارا کہ پگلتا ہی نہیں

تم ہمیں دل سے بھلا دو لاکھ بار ۔ ہم نہ بھولیں گے تمہاری یاد کو

اب کہاں آگاہ غالب سا شفیق ۔ روئیے دل کھول کر اُستاد کو

قہر میں لطف کے آثار خدا خیر کرے ۔ مہرباں وصل میں ہے یار خدا خیر کرے

غیر سے آنکھ لڑی تو اثر بھی ہوتا ۔ اب تمہاری نگہ ناز میں رکھا کیا ہے

یہ بھی اک رنگ ہے محبت کا ۔ روئیں ہم اور ہنسا کرے کوئی

آہ

(آہ) نام معلوم نہیں۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں تھے یہ تین شعر اُنکے دستیاب ہوئے ۵

آہ اور نالے کو ہے درد و اثر سے نسبت ۔ جس طرح چشم کو ہوتی ہے بصر سے نسبت

قصد کرتا ہوں جو اُس جا سے کہیں جانے کا ۔ دل یہ کہتا ہے کہ تو جا میں نہیں جانے کا

نہ وہ در کھولتا ہے اور نہ ہم چوکھٹ سے ٹلتے ہیں ۔ یہ راز و ناز کا جھگڑا ہے دیکھو کیونکر ملتے ہیں

آہ

(آہ) شیخ فرید الزماں خاں۔ شیخ وحید الزماں خاں مرحوم کے خلف اکبر۔ ان کا اصل وطن قصبہ بجنور مگر بہ باعث ملازمت دار الریاست رام پور میں قیام پذیر رہے۔ آغاز جوانی میں بطور تفنن طبع شعر و سخن سے مذاق رہا۔ آدمی ذہین اور ذکی تھے۔ فارسی کلام میں قاضی محمد خاں اختر سے اور اُردو میں مولوی ہادی علی اشک سے مشورہ لیتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں سب کلام تلف ہو گیا۔ تذکرہ انتخاب یادگار مولفہ جناب امیر مینائی کی ترتیب کے وقت ان کی عمر پچاس برس کی تھی۔ اُردو کے دو شعر ان کی یادگار ہیں ۵

خوب پرزے اُڑائے قاصد کے ۔ میرے نامے کا یہ جواب آیا

بعد مُردن بھی ہوا رنج کا باعث میں آہ ۔ ذبح کے بعد مرے روتا ہے صیاد مجھے

آہ

(آہ) منشی میر اکبر علی خاں لکھنوی ولد سید ولایت علی خاں بن محمد حسین خاں مخاطب بہ مرصع رقم خاں

صاحب دیوان گزرے ہیں۔ اپنے رنگ میں اچھا کہتے تھے۔ تذکرۂ سخن الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے یہ اُنہیں کا شعر ہے شعر

اس قدر رویا ہوں خوں میں یادِ چشمِ مست میں	ہیں حنائی پنجۂ مژگانِ تر کی انگلیاں

آہ

(آہ) مولوی محمد عبدالعزیز ملازم محکمۂ بندوبست ریاست بھوپال۔ امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ کلام درج ذیل ہے ؎

ابرو کی طرح کاٹ مژہ کر نہیں سکتی	تلوار کا دے کام سناں ہو نہیں سکتا
یہ کہہ رہی ہیں وصل میں آنکھوں کی شوخیاں	کیسا لحاظ اب نگہِ شرمسار کا
ڈر تھا کہ وصل میں کوئی جوبن نہ لوٹ لے	پہرہ بٹھا دیا نگہِ شرمسار کا
خون سے میرے بجھی اُسکی پیاس	تیغ قاتل پہ ہے احساں میرا
مجھکو غش آیا تو ہنس کر بولے	اور دیکھو رخِ تاباں میرا

آہ

(آہ) منشی ممتاز علی ولد منشی سخاوت علی رئیس قصبۂ امیٹھی۔ فی الحال ڈونگر گڑھ میں بعہدۂ تحصیلداری ممتاز ہیں۔ ۴۰۔ ۴۵ سال کے قریب عمر ہے۔ انکی تعلیم و تربیت ارباب ثروت کی طرح بہت اچھی ہوئی۔ مذاق سخن بزرگوں سے ورثے میں ملا۔ طبیعت رسا واقع ہوئی آغاز مشق ہی میں پھبتے ہوئے شعر کہنے لگے۔ جب سے امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی سونے میں سُہاگہ ہو گیا۔ اُستاد سے فیض حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ رام پور میں عرصہ تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری بھی رہے پہلی جلد پوری اور دوسری جلد کا ایک حصہ انہیں کے اہتمام سے شائع ہوا۔ اسوقت امیر مینائی کے مشہور شاگردوں میں ان کو بھی امتیازی نمبر حاصل ہے۔ ترتیب دیوان کا ابھی تک خیال نہیں آیا مگر متفرق غزلیں اور منتخب اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اشعار انتخاب یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

چلانا مارنا کیا مجھ حزیں کا	کرشمہ ہے تمہاری ہاں نہیں کا
اُڑائی خاک وحشت میں یہاں تک	بنایا آسماں ہمنے زمیں کا
معرفت سے قصۂ غم مختصر ہو جائیگا	جو خبر پائیگا اُسکی بیخبر ہو جائیگا

بحرِ ہستی میں مری ہستی ہے مانند حباب
بھرتا ہوں دم انہیں کا کچھ اپنا نہیں خیال

جب کھُلے گی آنکھ دنیا سے سفر ہو جائیگا
وہ دل کو کیا مجھے بھی ملائے ہوئے سے ہیں

خدا ان کی جدائی کا نہ دے داغ
میں زخموں کو لگائے ہُوں جگر سے

شانِ رحمت دیکھکر زاہد کو پچتانا پڑا
کیا مزا ہے مینے پی اسکو پشیمانی ہوئی

تیری تصویر کی شوخی ہے کہتی
کہ مجھ میں جان عاشق کی پڑی ہے

یہ زاہد جیتے جی ہی مر گئے ہیں
کہ ان کی جان جنت میں پڑی ہے

بلبے دعویٰ لیکے دل اُٹھتا ہے جو اُس بزم سے
چتونیں کہتی ہیں پھر آؤ گے پچتاتے ہوئے

قطعہ

خدایا رقیب اب کسے میں کہوں
اُنہیں آپ اپنی ادا بھا گئی

جفا پران سے کوئی لاکھ روٹھے
مگر جب وہ منانے کی نظر سے

گلے میں مسکرا کر ڈالدیں ہاتھ
بھلا پھر ضبط کیونکر ہو بشر سے

کہتی ہے شوخی نظر گھری پڑی عشاق پر
شرم سکھلاتی ہے چتون اور شرمائی ہوئی

تو اور اُس در پہ مری خاک بھلا رہنے دے
کیوں اُڑاتی ہے مجھے بادِ صبا رہنے دے

لوٹا ہے اُس نگاہ نے ملکر نگاہ سے
یہ چوری گیا ہے دل انہیں آنکھوں کی راہ سے

آنکھوں میں رکھ لیا تجھے دل میں بٹھا لیا
ہم تجکو لے کے اُٹھے تری جلوہ گاہ سے

غل ہوگیا کہ ایسا گنہ گار بچ گیا
رحمت کی دھوم ہوگئی میرے گناہ سے

ہٹ گیا آنچل تو غمزے نے کہا چل دور ہو
تُو نے کی اور تجسے جوبن کی نگہبانی ہوئی

رباعی

سرکار سے جو تجھے ملا دیتا ہے
نادان اپنی گرہ سے کیا دیتا ہے

ملتی ہے تجھے مفت میں دولت یعنی
لیتا ہے دعائیں تو خدا دیتا ہے

گر پڑی تیغ دستِ قاتل سے
لڑ گئی آنکھ جب چشم بسمل سے

کوئی جیسے پناہ لے آکر
تیر لپٹا ہوا ہے یوں دل سے

ملیں آنکھیں ترازو ہو گیا تیرِ نظر اُس کا
کوئی جیسے بتا دیتا ہے ظالم کو کہ یہ دل ہے

نگاہِ یاس کے ہاتھوں دگرگوں ہو گئی حالت
کیا ہے کیسا کیسا پیار ہے پھر بھی جی نہیں بھرتا
سلامت چاہنے والے رہیں پھر پاؤں کیوں رکھے
یہ تم کیا جانو کیوں دن رات نالے آہ کرتے ہیں

جو بسمل تھا وہ قاتل ہے جو قاتل تھا وہ بسمل ہے
وہ بھولی بھولی صورت دل میں رکھ لینے کے قابل ہے
ادہر زیرِ قدم دل ہے اُدہر زیرِ قدم دل ہے
تمہارے سینہ میں پتھر ہمارے سینہ میں دل ہے

آہ **(آہ)** منشی غلام لیسین نام ہے اور ابو نصر کنیت - اصل وطن دہلی ہے - مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم ہیں - جوانی کے ساتھ طبیعت میں بھی نہایت شوخی اور رنگینی پائی جاتی ہے - عربی فارسی میں اچھی قابلیت ہے چنانچہ فنونِ مختلفہ میں انکے اکثر مضامین رسالہ زمانہ وغیرہ میں شایع ہوتے رہتے ہیں جن سے اِن کی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے - اِس وقت اخباری دنیا میں خاصی شہرت ہے - کلکتے سے ایک رسالہ بھی **الصدق** نامی شائع کیا تھا - ایک مرتبہ حیدرآباد دکن بھی گئے تھے - مگر بے نیل مرام واپس آئے - نثر کے علاوہ نظم میں بھی خاصی دستگاہ ہے - جدت شوخی اور طرزِ بیاں قابل تعریف ہے - فن سخن میں حضرت داغ دہلوی مرحوم سے اصلاح لی ہے - انتخاب کلام حاضر ہے ؎

کیا کہوں خنجر اُٹھایا اُسنے کس انداز سے
تپِ عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے
اب نہ وہ جوشِ جوانی ہے نہ داغوں کی بہار
چارہ گر چپکے سے کیا پڑھ کے دوا دیتے ہیں
ہم فقیروں کو بھی کچھ حسن کی خیرات ملے
کیوں کروں میں خلشِ خارِ تمنا کا علاج
روبرو کی چوٹ ہے وہ بھی بڑا بیباک ہے
موجزن اِک نور کا دریا نظر آیا مجھے

مرنے والا قتل سے پہلے ہی بسمل ہو گیا
مجھے بھی جلائیگی دل کو جلا کر
صبح ہجری آئی بجھتے ہیں چراغِ شام عشق
کوستے ہیں مجھے ظالم کہ دعا دیتے ہیں
جن کو دیتا ہے خدا راہ خدا دیتے ہیں
یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو مزا دیتے ہیں
دیکھئے صاحب دم تزئین سنبھل کر آئینہ
آگیا جس وقت اُس رُخ کے برابر آئینہ

قطعہ
اسراف کی دُھوم ہر کہیں ہے
پابندیِ رسم دلنشیں ہے

اور اسکا نہیں خیال دل میں ۔ اب گھر میں ہمارے کچھ نہیں ہے
اب تو سید ہی کیجیئے ترچھی نگاہ ۔ سینکڑوں ٹکڑے جگر کے ہو چکے
سرِ قبر ٹھوکر لگاتے ہوئے ۔ چلو سوتی قسمت جگاتے ہوئے

کبھی وہ جان کا دشمن وہ قاتل یاد آتا ہے ۔ کبھی پہلوئے خالی دیکھکر دل یاد آتا ہے
کبھی جس دل کو ظالم دمبدم تو یاد آتا تھا ۔ اب اپنا ہمکو وہ آیا ہوا دل یاد آتا ہے
ہماری بیگناہی پوچھتی رہتی ہے قاتل سے ۔ کبھی تمکو کوئی ناکام بسمل یاد آتا ہے
اثر کیونکر رہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا ۔ مزاج اپنا ہے رندانہ طبیعت لاؤبالی ہے
یہ کس نے اپنے پیارے ناخنوں سے چٹکیاں لی ہیں ۔ کہ دل میں جو نشانِ زخم باقی ہے ہلالی ہے

آہ (آہ) لالہ رام کشن باشندۂ لکھنؤ ۔ منشی جے نراین اثر لکھنوی کے شاگرد اور عزیز ہیں چند سال ہوئے کہ عین عالمِ شباب میں رہگرائے عالمِ بقا ہوئے ؎

دل مرا لے کر ادائے یار بولی ناز سے ۔ بیوفا تھا کھو گیا جاتا رہا جانے بھی دو +
سانس بسمل میں بھی تو باقی نہیں کیا فکر ہے ۔ دم اگر تلوار کا جاتا رہا جانے بھی دو
بناہ الفت کا ان دو نازکوں میں سخت مشکل ہے ۔ ادھر نازک مزاج یار اُدھر نازک مرا دل ہے
وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں سے آمت توڑ ۔ وہ کہتا ہے کہلونہ ہے میں کہتا ہوں مرا دل ہے
ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہے سخت جھگڑے میں ۔ جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہے مشکل ہے

آہ (آہ) منشی سید یعقوب علی لکھنوی ۔ شاگرد مولوی سید محمد مصطفےٰ خورشید مالک رسالہ انتخاب لکھنؤ ۔ اسی رسالے کے دفتر میں ملازمت بھی کر چکے ہیں ۔ کلام کا خلاصہ حاضر ہے ؎

شکوۂ بیداد بھی کرتا نہیں ہوں اب تو میں ۔ کچھ تو ان باتوں سے وہ بت مہرباں ہو جائیگا
جان و دل حاضر ہیں لیجیے بوسے دیتے جائیے ۔ دل ہی دل میں کچھ حسابِ دوستاں ہو جائیگا
نہ چین آیا نہ تم آئے اور نہ موت آئی ۔ شبِ فراق نہ کس کس کا انتظار کیا
حالِ طولِ شبِ فراق نہ پوچھ ۔ مر گئے ہم مگر سحر نہوئی

جب اُن سے دل کا حال بیاں ہی نہ کر سکیں	بیکار پھر زبان ہمارے دہن میں ہے
حشر میں تم بلوسوا اس کے	اور مرنے کا مدعا کیا ہے

آہی

(آہی) ۔ میر عبدالرحمٰن خلف ارشد ناظم تبریزی میر حسین تسکین ۔ شاگرد و برادر زادۂ حکیم مومن خاں مومن درسیہ کتابیں مولوی امام بخش صہبائی سے دیکھی تھیں ۔ معمّے کے فن میں مہارت کامل رکھتے اور سرکار رامپور سے وظیفہ پاتے تھے ۔ عربی و فارسی کی تحصیل عالمانہ درجے تک پہنچی ہوئی تھی ۔ صاحب مذاقِ سلیم سخن فہم بے نظیر ۔ بڑے طباع ۔ خلیق ۔ ملنسار اور زندہ دل لوگوں میں تھے ۔ مومن مرحوم نے انہیں متبنّیٰ کر لیا تھا ۔ عزیز آبادی بیگم کی حویلی میں جو مشاعرے غدر بعد ہوئے تھے اُن میں آپ میر مشاعرہ تھے ۔ وہیں یہ مصرع طرح ہوا تھا مصرعہ

گر شوق بڑھ گیا تو گھٹا یا نجائے گا

یہ امر خاص کر قابلِ ذکر ہے کہ اکثر سخن سنجانِ گرامی کے زعم میں ان جیسا سخن فہم کوئی کم ہوا ہوگا ۱۸۸۱ء کے قریب انتقال فرمایا انتخابِ کلام درج ذیل ہے ؎

دیکھا تھا اگر اسکو ہم بزم رقیبوں سے	تو چاہیے تھا قاصد جلتا نہ پھرا ہوتا
ہے غلط جھوم کے نکلا تھا وہ گھر سے باہر	شہر میں چاک کسی کا تو گریباں ہوتا

تمہارے حسن میں گرمی کہاں ہے	اگر ہو وے تو وا بندِ قبا ہو
مژدہ اے شوق تپیدن خلق میں ہے آج دھوم	زہر میں خنجر کو وہ اپنے بجھا کر لے گئے
اُٹھ کہیں ہے آمد آمد اس ستمگر کی وداں	اہل محشر مجکو یہ مژدہ سُنا کر لے گئے
واعظ اخلد سے لا خانۂ خمار میں رکھ	قدر واں مے کی ہے جس جا کوئی میخوار رہے
سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی	اُٹھ جائے گی جہان سے اب رسم چاہ کی +
شکوہ کہاں کا کیسا گلہ جی نکل گیا	شرما کے یار نے جو ہیں نیچی نگاہ کی +
کچھ تمہیں بھی خبر ہے آہی کی +	لوگ کہتے ہیں مر گئے کب کے
کُھل گیا دروازۂ جنت بھی اپنی گور میں	پر دلِ وحشی یہ کہتا ہے بیاباں چاہیے

دل لئے جاتی ہیں حوریں نزع میں اے ہمدمو		سامنے رکھنی مرے تصویر جاناں چاہئیے

آہی

(آہی) آنریبل ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر المخاطب بہ جوّاد الدولہ عارف جنگ - کے - سی ایس - آئی - ایل ایل ڈی - بانیِ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علیگڈہ - عزیزالدین عالم گیر ثانی کے دربار سے انکے دادا میرہادی کو منصب ہزاری ذات پانسو سوار اور خطاب جوّاد الدولہ جواد علی خاں مرحمت ہوا اور اُنکے بعد بھی یہی خطاب انکے والد سید محمد تقی خاں کو بحال رہا - انکے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں بہادر دبیر الدولہ امین الملک مصلح جنگ پہلے سرکار کمپنی سے شایستہ توسل رکھتے اور شاہ ایران کی سفارت پر مامور ہوئے تھے - اُنھوں نے اپنے حسن تدبیر سے بڑی بڑی مہیں سر کی تھیں - ایک مدت کے بعد دہلی میں آکر اکبر شاہ ثانی کے وزیر ہوئے - اوپر کا حال تذکرۂ گلستان سخن مولفہ مرزا صابر سے لیا گیا ہے اور یہی امر اس بیان کی تصدیق کے واسطے کافی ہے گو مخالف کچھ ہی کہا کریں ؎

سید احمد خاں ۱۷ - اکتوبر سنہ ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے - علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سرکار انگلشیہ کی ملازمت اختیار کی - اور سر رشتہ داری سے ترقی کرکے اپنے وطن ہی میں ایک مدت تک منصفی کے عہدے پر ممتاز و دادگستری و انصاف کی وجہ سے خاص و عام میں نیکنام رہے - دہلی کے بعد کچھ دنوں فتح پور سیکری میں اسی عہدے پر کام کیا - غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے زمانے میں سید بجنور کے منصف تھے - سنہ ۱۸۵۹ء میں دوران قیام مراد آباد میں ایک رسالہ "اسباب بغاوت ہند" چھپوایا - جس میں اُنھوں نے غدر سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے صحیح وجوہ دکھائے تھے - غازی پور - بنارس اور دیگر مقامات میں بھی وقتاً فوقتاً سب ججی کے عہدۂ جلیلہ کے فرائض کو انجام دیتے رہے یکم اپریل سنہ ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوئے - اور اپنے دو نوں صاحبزادوں سید حامد اور سید محمود کو بغرض تکمیل تعلیم وہاں چھوڑ کر اکتوبر سنہ ۱۸۷۰ء میں ہندوستان واپس آگئے - ولایت سے واپسی کے بعد ۲۴ - مئی سنہ ۱۸۷۵ء کو علی گڈہ میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی سنہ ۱۸۷۶ء میں پنشن لے کر اپنی زندگی کو اپنی قوم کے لئے وقف کردیا - آج علمی دنیا میں سرسید کے کارناموں سے

ہر فرد بشر واقف ہے ۔ مسلمانوں میں نئی تہذیب اور مغربی علوم کا پھیلانے والا اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ سرسید ہی ہے ۔ انکی مفصل اور مکمل لائف شمس العلما مولنا حالی نے لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کر دئے ہیں ؛

تذکرۃ الشعرا میں سرسید کا ذکر کرنا لوگوں کو تعجب میں ڈالتا ہے ۔ مگر بات یہ ہے کہ اُنکے ابتدائی زمانے میں عموماً تمام ملک کے شرفا اور خصوصاً دلّی کا بچہ بچہ مذاقِ سخن سے لذت یاب تھا ۔ اُس زمانے کا یہ ایک عام مشغلہ تھا کہ ضروری تعلیم کی تکمیل کے بعد اکثر تفنّنِ طبع کے لئے اس مشغلہ کو اختیار کر لیتے تھے جنکا کلام اچھا ہوتا تھا وہ قلعہ تک پہنچکر شاہی رسوخ حاصل کرتے تھے ۔ سرسید کے ابتدائی زمانے میں ۔ جناب صہبائی ۔ غالب ۔ ذوق ۔ مومن ۔ شیفتہ ۔ آزردہ ۔ جیسے باکمال اساتذہ موجود تھے ۔ مہینے میں دو ایک مرتبہ مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے ۔ ایسی حالت میں اور خاص کر ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر کیوں نہ شعر گوئی کا شوق ہوتا ہر حال سرسید نے اُسی زمانے میں کبھی کبھی اس مشغلے سے اپنا جی بہلایا ہے ۔ مگر چونکہ بہت جلد سرکاری ملازمت کی وجہ سے دہلی کو خیرباد کہنا اور ملکی مشاغل میں منہمک رہنا پڑا اس سبب سے اس لایعنی ۔ مشغلے سے نجات پائی ۔ اُنکے اشعار کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی ۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ سرسید نے جو کچھ لکھا نہ تو اُسے جمع کیا اور نہ اُسکے چھپوانے کا شوق ہُوا ۔ ہم نے اس تذکرے میں تبرّکاً شاعروں کے زمرہ میں اُنکا ذکر کر دیا ہے ورنہ وہ تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

مقصود فضل ماست کمالِ ہنروری	حاشا کہ فخر از ہنرِ شاعری کنیم

سرسید کی تصانیف سے سلسلۃ الملوک ۔ آثار الصنادید ۔ اسباب بغاوت ہند ۔ خطبات احمدیہ تفسیر القرآن ۔ اور سینکڑوں مضامین مفید یادگار ہیں ۔ سرسید نے اپنی یادگار میں صرف اُس عالیشان کالج ہی کو نہیں چھوڑا جس کی اُنھوں نے بنیاد ڈالی بلکہ ایک قومی کالج کی زندہ اور زندہ کن طاقت، اُس کے تعلیم یافتہ گروہ کی اعلیٰ تربیت حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اُن کی اخلاقی حالت اُس ریفارمر کی زندہ جاوید یادگار ہے ۔ آپکے بڑے صاحبزادے سید حامد صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہوگیا تھا - دوسرے صاحبزادے آنریبل جسٹس سید محمود بڑے نامور بیرسٹر اور الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے ؛

سید ۲۴ - مارچ ۱۸۹۸ء کو بعارضہ احتباس بول علیل ہوئے اور آخر اسی عارضے میں ۲۷ - مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ ۸۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے میں دفن ہوئے - ایک شعر انکا دستیاب ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے ٥

ہزار حیف کہ عمر اپنی مفت صرف ہوئی	نہ کچھ خدا کی عبادت کی نے بتوں کی چاہ

آہی

(آہی) مرزا محمد داؤد خاں نام - اور نواب سید محمد زکریا خاں صاحب زکی کے تلمیذ با تمیز ہیں جو نواب اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد رشید تھے - آپ نواب مولوی عطاؤ اللہ خاں بہادر مستقیم جنگ رئیس دہلی کے پوتے ہیں سلسلۂ نسب نواب شرف الدین محمد خاں بہادر بخشی الملک اور نواب حسام الدولہ حسام الدین خاں بہادر وزیر شاہ عالم بادشاہ سے ملتا ہے جو دہلی میں ایک موقّر خاندان مانا جاتا ہے طبیعت میں روانی ہے - کلام میں صفائی اور دلچسپی - صاحب دیوان اور فی الحال وارد حیدر آباد دکن ہیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ٥

سجدے کل پاؤں پر اُس بت کے دم رخصت تھے	آج آہی تمہیں دعوے ہے مسلمانی کا
اُس کا کہیں جو خواب میں دیدار ہوگیا	یوسف متاعِ جاں سے خریدار ہوگیا

مسیحائی نہیں کرتے ترے لب	ترا بیمار مر جائے تو اچھا
وہ ہمسے پوچھتے ہیں چھیڑ کر کہ اے آہی	کہو گزرتی ہے اب کسطرح تمہاری رات
نہ ہے وصل ممکن نہ ہے صبر ہمدم	بتا تو ہی پھر زندگانی کی صورت
ہوئی خود ہی نقاش قدرت کو حیرت	بنا کر مرے یار جانی کی صورت
ٹھوکریں کھاتی ہے محشر میں قیامت کیا کیا	اُس ستمگر کی جو ہے شوخیٔ رفتار پسند
آہی وصال میں بھی رکھا اُسنے تلخ کام	یہ کہہ کے بار بار کہ جاتے ہیں گھر کو ہم
ان مریضوں میں ہیں ہم چارہ گرد	درد دل کو جو دوا کہتے ہیں

اسکا جلوہ وداع طاقت ہے
زندگانی تھی جس کو سمجھے موت

دیکھ اے ہمنشیں سنبھال ہمیں
مر کے حاصل ہؤا وصال ہمیں

کسطرح سیر چمن سے دل غمگین وا ہو
خواہش اُس گل کی ہے مجھکو جو گلستاں میں نہیں

تیرے ہم صدقے برہنہ پائی
خار صحرا کے مزا دیتے ہیں

مت بجاؤں کیوں نہ ہو جاؤں فدا
جب تجھے دیکھا نئی اِک آن میں

اسلیئے بند کیئے آنکھ پڑے رہتے ہیں
کہ کہیں مُنہ نہ دکھائے شبِ ہجراں ہمکو

منتظر یار کی ٹھوکر کا پڑا ہوں میں تو
دیکھو اے حضرتِ عیسٰیؑ نکمو تم مجھکو

دیکھکر اُس کو ہوئے حضرتِ موسیٰؑ بیخود
آنکھ آپ اُس سے ملائینگے ادھر دیکھیں تو

کعبہ کا رہا نہ دیر کا وہ
جس دل نے تمہاری آرزو کی

بتوں کو کیا فائدہ ہمکو ستا کر
کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے

طلب بوسہ پہ جھنجلا کے وہ بولے آہی
کیوں اجل آئی تری کیوں تری شامت آئی

کچھ ہے گنتی کا ہمکو نہ جسکا تھا اعظو
خوبی یہ سارے آپ کے حسن بیاں کی ہے

اہل حرم نزد کیئے جانے سے دیر کے
یجائیں گے وہیں مری مٹی جہاں کی ہے

کوئی دن کی ہے رونق باغِ عالم
تو کیا شاد اے باغباں ہو رہا ہے

فغانِ الم ہے یہ ہے بھول تیری
کہ مرغِ چمن نغمہ خواں ہو رہا ہے

مسلماں کعبہ سمجھے ہیں برہمن بتکدہ سمجھے
خدا جانے بنائی یار نے تربت کہاں میری

شور رستاخیز پامالِ خرام ناز ہے
فتنۂ محشر ہیں اسکی ٹھوکریں کھائے ہوئے

ابجدی

(ابجدی) ایک پُرانے گم نام شاعر کا تخلص ہے۔ انکا دیوان دکھنی زبان میں تھا۔ لیکن اُردو زبان سے مشابہت رکھتا تھا۔ تذکرۂ شعرائے ہند مرتبہ مسٹر ایف فیلن صاحب بہادر میں ان کا حال تحریر ہے جسکا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں بقول شکسپیر یہ شاعر بمبئی کے قریب ایسے مقام میں رہتا تھا جہاں کی زبان آگرے اور دلّی کی بول چال سے مشابہ ہے۔

اُسکا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا - یہ حال تذکرہ گارسین ڈی ٹیسی سے لکھا گیا - اِس شخص کا دیوان موسوم بہ "دیوانِ ابجدی" ولایت کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے - اسوجہ سے اُسکے اشعار کا انتخاب متعذر ہُوا کہ وہ یہاں مفقود ہے ؛؛

ابد

(ابد) نواب فیض اللہ خاں خلف نواب عبداللہ خاں نبیرۂ نواب بہادر خاں رئیس قلعہ شاہ جہاں پور نہایت صاحب مروت - حلیم - شجاع - خلیق اور ذی حوصلہ امیر تھے - اہلِ کمال کی عموماً اور شعرا کی خصوصاً بڑی ہی قدردانی فرماتے اور خود بھی شاعری میں اچھا مذاق رکھتے تھے - ایک رسالہ رسمِ خط میں بہت اچھا لکھا تھا - قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت ابد کا عالمِ شباب تھا - فن شعر میں نثار اور مرزا مظہر سے مشورہ لیا کرتے تھے ؎

سر کو ٹھکرا ئے کے سرو رد کو پوچھا میرے	آج ایسی ملی ہے لذتِ بیداد کہ بس
کچھ تو کبھو رحم آنسوؤں پر یار	لوٹتے ہیں زمین پر بالک
تو دل کو چاہتا ہے کہ باتیں ہیں بے مول	سودا انھو کا زلف کی اپنی گرہ تو کھول
احوالِ فراق اسے قلم لکھ	گر بینش نہ لکھ سکے تو کم لکھ

ابر

(ابر) منشی سید تفضل حسین نام - میر مظفر علی اسیر کے شاگردوں میں تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں کلام موجود ہے ؎

جس سے کہ فیض خلق کو ملتا تھا اے فلک	وہ ہاتھ خشک ہے صفتِ پشتِ خار آج
گلگشت میں جو ساتھ وہ نازک بدن نہیں	جتنے ہیں گُل نظر میں ہمارے ہیں خار آج
انساں کو ہے مصاحبِ بد سے کمال رنج	دیتا ہے پڑ کے آنکھ میں مژگاں کا بال رنج

ابر

(ابر) حکیم منشی سید علی محسن خاں نقوی خلف حکیم سید محمد نقی خاں صبر ابن سید محمد عرف میرن صاحب لکھنوی - شوقِ سخن ۱۸ سال کی عمر سے دامنگیر ہُوا اسلئے تکمیل علوم کی نوبت نہ آئی اسوقت ۱۹۰۸ء میں ۴۶ سال کی عمر ہے - شیخ محمد جان صاحب شاد پیرو میر مرحوم کے تلمذ سے بہرہ یاب ہیں اور فی الحقیقت شاگرد رشید ہیں چنانچہ اُنکا دیوان بھی چھپوا کر حق شاگردی ادا کر دیا ہے

کئی سال سے معیار ان کے اہتمام سے نکلتا ہے - جو اشعار درج کیے جاتے ہیں اُن سے خوش کلامی ٹپکتی ہے ؎

قبر میں جاتے ہیں شاید رنج سے راحت ملے
اس زمیں سے دُور کچھ تو آسماں ہو جائے گا

حالت مری کہتی ہے کہ موت آئے شبِ ہجر
قسمت مری کہتی ہے ابھی دردِ جگر اور

جی بھر کے انہیں وصل میں دیکھا نہ اسی سے
جُھک جائے نہ زانو پہ کہیں شرم سے سر اور

میں بھی غم دوست ہوں یہ دل بھی ہے دیوانۂ غم
نیند آجائے جو چھیڑے کوئی افسانۂ غم

دل مردہ کا ہے ہر عضو بدن ماتم دار
چار دیوارِ عناصر ہے عزا خانۂ غم

شمع کی خاک نہ برباد کرا اے بادِ سحر
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے پر پروانۂ غم

انکی تصویر لئے ہاتھ میں یہ کہتا ہوں
تُو نے چُپ رہ کے بنایا مجھے دیوانۂ غم

کمسن ہیں انہیں تیر لگانے کی خوشی ہے
کچھ اس سے نہیں کام یہ دل ہے کہ جگر ہے

اُن سے کہدو جو ہیں ہر بات سے ڈرنے والے
آپ ہٹ جائیں تو مر جائیں یہ مرنے والے

خونِ ناحق کا تو محشر میں کیا تھا دعوےٰ
کیا کروں میں جو مُکر جائیں مُکرنے والے

ہے زیست کی مدت کا شمار اپنے نفس پر
جھونکے یہ ہوا کے ہمیں برباد کریں گے

ابر (ابر) منشی واحد علی - پیشکار مدار المہام ریاست رام پور رُہیلکھنڈ - جناب امیر مینائی کے شاگردوں میں نہایت خوش مذاق - اور خوش کلام شاعر ہیں - ان کی متانت و سنجیدگی کے لحاظ سے ان کی نازک خیالی عظمت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے - اہل سخن ان کے کلام کی جسقدر ستایش کریں موزوں ہے - طرزِ بیان بہت ہی دلچسپ ہے کوئی شعر لطافت و متانت سے خالی نہیں - پاکیزہ الفاظ کی تلاش اور خاص موقع و محل پر انکا برتاؤ قابلیت کے کمال کی داد دیتا ہے انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

مقرر بلا سر پہ لائے گی کوئی
تری زُلف پیچاں پریشان ہو کر

جو ہونا تھا وہ ہو چکا وصل کی شب
پشیماں نکر اب پشیمان ہو کر

ہمکو اندازۂ تاثیرِ دعا ہے معلوم
کچھ تو ہے بات جو ہم ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں

پاک دامن ہو تو یہ خون کا دھبا کیسا
منکرِ قتل بھی ہو اسکو چھڑاتے بھی نہیں

مجھ شکستہ دل کی طرز دادخواہی ہو جدا
جو صدا نکلے شکستِ رنگ سے فریاد ہو

جی لگا کر پھر سنون گا حرمتِ مے کا بیاں
شیخ جی دو گھونٹ پی لوں میں تو پھر ارشاد ہو

شرم اے جذبِ محبت در تک آ کر وہ پھرے
کچھ کرامت تجھ میں گر ہوتی تو آ کر بیٹھتے

ان کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی یادِ عہدِ غیر
میری خواہش بھی کوئی خواہش تھی کیونکر بیٹھتے

حلق پہ تیغ ہے وہ سینے پر
قابلِ نازِ گنہ گاری ہے

کہنے کو تیغ ہوائی ہے نظر
زخمِ ظالم کا مگر کاری ہے

مفت دل ملتا ہے اور اُسپر بھی
نہ پسند آئے تو ناچاری ہے

پروا نہ عجز کی نہ اُنہیں التجا کی ہے
بت بے نیاز بنگئے قدرت خدا کی ہے

جائیگی جان بھی جو یہ صورت ادا کی ہے
آتا نہیں ہے اُنکا یہ آمد قضا کی ہے

نظارہ سوز ہو تو عجب کا مقام کیا
گرمی حسن دیکھتے ہو کس بلا کی ہے

کس بیکسی سے تکتے ہیں منہ دادخواہ کا
اک اک گھڑی پہاڑ اُنہیں روزِ جزا کی ہے

آئینہ دیکھا بڑی تہمت یہ نادانی ہوئی
شانِ یکتائی ہم آغوشِ پشیمانی ہوئی

دستِ وحشت سے اُڑیں جب پیرہن کی دھجیاں
خاکِ غربت پردہ دارِ شرمِ عریانی ہوئی

نگاہِ شوق جب حدِ ادب سے بڑھ کے ڈالی ہے
جھڑی چین جبیں نے کھاکے بل مجھ پر نکالی ہے

بوجھ تلوار کا اور تیری کمر
اُس کو تو تارِ نظر بھاری ہے

(ابر) منشی غلام دستگیر حیدرآبادی - مولانا محمد کاظم شیفتہ کے شاگرد ہیں - گو موجودہ زمانہ کے شعرا میں ہیں مگر زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اُنکا کلام ہے

آجائے جسمِ عاشقِ مضطر میں جاں کہیں
صاحب ہلائیے لبِ معجز بیاں کہیں

اُٹھیں گھٹائیں ابر کا دل بیقرار ہے
اب جلد پیرِ میکدہ کھولے دُکاں کہیں

اب خدا حافظ ہے جانِ بلبلِ ناشاد کا
پتہ پتہ پر نظر ہے آج کل صیاد کی

سخت جاں جیسا ہوں میں ویسا ہی قاتل نازنیں	کس طرح نکلے وہ ارماں قتل کا جو دل میں ہے
زندگی میں واعظو کیونکر چھٹے گی مے کشی	الفت بنت العنب رندوں کی آب و گل میں ہے

ابر — (ابر) منشی بلدیو پرشاد - ورما - فتح پور ہنسوہ کے رہنے والے ہیں - حضرت داغ دہلوی کے شاگرد اور مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی کے معتقد ہیں - نمونۂ کلام ملاحظہ ہو

شرنگیں آنکھیں ہیں کیا جادو بھری	جس کو دیکھا اک نظر وہ مر گیا
تیغ ابرو نے کیا مجھکو حلال	کون کہتا ہے قضا سے مر گیا
ہے کہاں امید کی دل میں جگہ	حسرت و ارماں سے یہ گھر بھر گیا
تمہیں پر پہلے دل آیا تمہیں پر جان جائے	ہماری ابتدا تم ہو ہماری انتہا تم ہو
دو دن کی بہار ہے نمو ہے	بلبل کی ندا یہ چار سو ہے

ابر — (ابر) پنڈت بشن نراین صاحب در کشمیری لکھنوی بیرسٹر ایٹ لا - زبان انگریزی میں ید طولےٰ رکھتے ہیں - پولٹیکل معاملات میں ساعی جمیلہ فرمانے کے سبب ہندوستان کے ممتاز اور برگزیدہ اہل الرائے مشاہیر کے طبقے میں انکا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے - انگریزی زبان میں سنجیدہ مضامین نگار ہیں اکثر اخبارات میں انکے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں علاوہ ان اوصاف کے وسیع الاخلاق - خندہ پیشانی - شیریں زبان - نیک طینت - پاک صورت ہیں بمقتضائے رنگینئی طبع کبھی کبھی اپنی مادری زبان اُردو کے معلی میں بھی گوہر افشانی فرماتے ہیں چنانچہ مثنوی گلزار کشمیر آپ ہی کی طبعزاد ہے - مرحمت الدولہ بہار الملک حضرت حکیم لکھنوی خلف الرشید حضرت اسیر مرحوم سے استفادہ کیا ہے - سن شریف اسوقت ۵۰ برس کے قریب ہے ایک غزل کے چند اشعار تیمناً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں

غنچوں کو گو زباں بھی ملی اور گل کو گوش	رازِ ریاضِ دہر مگر کچھ کھلا نہیں
گل سے یہی اشارہ شبنم ہے باغ میں	رونے کا ہے مقام یہ ہنسنے کی جا نہیں
زیب بدن ہوا اتنی ہی جتنی ہو چاک چاک	کچھ کم قبائے گل سے ہماری قبا نہیں

سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں	نوارے کی زباں پہ یہ جاری ہے رات دن

اٹل

(اٹل) عبد الجلیل نام - قوم سادات سے تھے - مولف تذکرۂ شعراء ہند (مسٹر الیف فیلن صاحب نے انکو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے - اور مولوی عبد الغفور نساخ نے تذکرۂ سخن شعرا میں دہلوی بیان کیا ہے - جناب نساخ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے - مسٹر الیف فیلن صاحب نے غالباً علامہ میر عبد الجلیل واسطی بلگرامی کے دہوکے میں ان کو بھی بلگرامی لکھدیا - حالانکہ وہ جعفر زٹلی کے زمانے سے پہلے گزر چکے ہیں اور اٹل جعفر زٹلی کے شاگرد ہیں - بہر حال یہ شاہجہاں آباد دہلی ہی میں رہتے تھے - اور اپنے اُستاد جعفر زٹلی کے قدم بقدم تھے - معمولی قابلیت کے آدمی تھے - کبھی کبھی فارسی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے - طبیعت از حد شوخ تھی اپنے معاصرین سے اکثر الجھتے رہتے تھے - دہلی کے رنگیلے اور بانکے نوجوانوں میں شمار کیے جاتے تھے - اکثر محمد عطا بانکے سے نوک چوک رہتی تھی - اکثر مزخرفات کہا کرتے تھے - ان کا جتنا کلام نظر سے گزرا اُسمیں صرف ایک شعر ان عیوب سے پاک اور صاف پایا چنانچہ سب سے اول وہی درج کیا جاتا ہے باقی چند اشعار تفریحاً ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

جنبشِ ابرو ہے یا جھنجال ہے	زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے

زلفاں کج و ابرو کج و مژگانِ خنجردار کج	رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج
دستار اُو کمدار کج زلفش عجب بل دار کج	ظالم کمالے شوخ و خنگ او بے مروت پُر جفا
گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتیار کج	کرتی ہے قتلِ عاشقاں برچھی ہے وہ ترچھی نگاہ
گاہے کج وطرہ کج واس طرہ پر ہر تار کج	این طرۂ خوش رنگ او نیرنگ کاری بر دل
ہنستے کرے گفتار کج جانے اچھی رفتار کج	سید اٹل مقبول ہووے راجو بان وہ بھول وو
روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اُچک اُچک	دیکھ جن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی
ناگن ہو کالی کالی لہراتی جوں پون میں	زلفیں لٹک کے آئیں اسطرح تجھ لگن میں
نازک کمر وہ لچکے ہر ہر قدم چلن میں	جوبن کے مدہ کے ماتے پگ دھر لچک چلے ہے

کل سے آنکل گیا ہے وہ مجھ سے روٹھ کر کے		رہ چھت میرا لگ رہا ہے اس سا نور سے سجن میں

اثر

(اثر) سید محمد میر۔ برادر خرد و شاگرد رشید خواجہ میر درد مرحوم و خلف اصغر خواجہ ناصر عندلیب۔ علوم ضروریہ و مروجہ کی تحصیل خواجہ احمد خاں سے اور نکات علوم باطن و تصوف جو اس خاندان میں سینہ بسینہ چلے آتے تھے اپنے برادر بزرگ سے حاصل کئے بھائی کی محبت میں جو حسن عقیدت وارادت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہانتک کہ سخن طرازی بھی اپنے برادر والا قدر کی روش پر کرتے تھے۔ انکے چھوٹی بحروں کے اشعار نہایت پُراثر اور پُرلطف ہوتے تھے اور جو کچھ کہتے شگفتہ بحر میں کہتے جس سے اہل درد کے دل بھر آتے۔ ان کا کلام آورد سے پاک آمد سے لبریز اور عجب لطف انگیز ہے۔ تصنع کا نام نہیں۔ روزمرہ کے سوا اجنبی الفاظ کا کام نہیں۔ تصوف سے خوب ماہر تھے۔ کلام میں محاورے کی خوش اسلوبی کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ایک چھوٹا سا دیوان اور مثنوی **خواب و خیال** ان کی یادگار ہے۔ مثنوی لاجواب لکھی ہے۔ دیوان ابھی تک طبع نہیں ہوا مگر تلاش سے مل جاتا ہے۔ راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے۔ غدر سے بیشتر ان کی مثنوی بہت مشہور اور جابجا موجود تھی مگر اب وہ بھی عنقا ہے۔ ترکمان دروازے کے باہر اپنے برادر مبرور میر درد کے پہلو بہ پہلو یاد اللہ کے تکیے میں آسودہ ہیں +

خواجہ میر درد کے عالم ضعیفی میں اُنکے ایک مرید نے عرض کی کہ دنیا دار فانی ہے اور حضرت کا وقت آخر حضور ہدایت فرمائیں کہ آپ کے بعد کسکو آپ کا جانشین اور صاحب سجادہ مانیں آپ یہ سنکر آنسو بھر لائے اور جواب یہ قطعہ پڑھا **قطعہ**

موت کیا ہم سے فقیروں سے تجھے لینا ہے	مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے	درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

تبرکاً حضرت کے کلام کا انتخاب پیش کش ناظرین ہے +

انتخاب دیوان سید محمد میر۔ اثر

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا		ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا +

منت رہیگی حشر تلک تیری اے اجل
گو جی گیا پہ ہمکو تو آرام ہوگیا

کبھو مُنہ بھی مجھے دکھائیے گا
یا یوہیں دل مرا دکھائیے گا

دل چُراتے ہی بس چُرائی آنکھ
ابھی آگے تو جی چُرائیے گا

کون ہوئے چلے ہو کسلئے دل
نام اپنا ذرا بتائیے گا

دل ہر اک سے لڑاتے پھرتے ہو
آنکھ تو ہم سے بھی لڑائیے گا

جی میں ہے کچھ ارادۂ فاسد
ٹک سمجھ کر ادہر کو آئیے گا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہی خیال رہا

شمع ساں جلتے بلتے کاٹی عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا

کون وہ ہے کہ خیر خواہی سے
حال میرا تجھے سناوے گا

دیکھیو یہ انتظار مرا
ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا

یاد رکھنا بھلا نمل بہتر
پھر کبھو تو خدا ملاوے گا

اثر اب تو ملے ہے تو اُس سے
پر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

کچھ اور بھی شاہی کے سوا رتبہ ہے شاہی
گر یوں ہیں نہیں ہے تو کوئی شاہ نہوتا

خواہ بوسہ وہ خواہ گالی سے
کچھ تو دل کے عوض دیا ہوتا

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا
قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

اُس سنگدل کے دلمیں تو نالہ گیا نہ آہ
کیا فائدہ جو اوُر کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جور اُسکے معلوم
داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا ✤ ✤
دل میں آتر اُس کے راہ کرنا

تیرا وہ جور میرا یہ صبر
انصاف سے ٹک نگاہ کرنا

کیا لطف ہے لے کے دل مکرنا
اور اُسلئے مجھے گواہ کرنا

جی اسکے بجا خدا خدا کر
پھر اور بتوں کی چاہ کرنا

کہوں کیا دل اڑانے کا ترا کچھ ڈھب نرالا تھا | وگرنہ ہر طرح سے اب تلک تو میں سنبھالا تھا
ترا غم کھا گیا میرا کلیجہ دل سبھی ایک بار | ہوا ہوگا کہاں سے سیر یہ تو اک نوالہ تھا

ترے مکھڑے کو یوں تکے ہے دل | چاند کو جوں رہے چکور رنگا +

یہ خاک نشین ترے سر راہ جو بیٹھا | جوں نقش قدم رہی مٹا لیک نہ سرکا

دل تھا تو سبھی بات تھی اُس سے متعلق | اب نفع کی امید نہ ہے خوف ضرر کا

دام الفت میں مجھے پھنسوا دیا | دیدہ و دل آہ تمنے کیا کیا

جو کیا خوب کیا اور جو ہوگا سو قبول | تجھسے کب ہمنے کسی بات کا تکرار کیا

عشق ترے کا دل کو داغ لگا | دیکھ تو بھی نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا | جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا

زیست ہوتی تو تعجبات ہے اب | مرہی جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت | واہ اپنی بنی ہے کیا قسمت

جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن | ہوا دوست وہ بھی یا قسمت

خود فروشی میں کرے ناز نہ کیوں یا رب | جنس نایاب ہے اور ہیں گے خریدار بہت

شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپی | کب چھپے ہے یہ مُنہ نقاب کے بیچ

تو ہی بتا نے گی یوہیں بات کسطرح | بالفرض دن کٹا یہ کٹیگی رات کسطرح

شب زندہ داریوں آتر مردہ دل ہو درد | مانوں نہ پیر تیری کرامات کسطرح

جوں گل تو ہنسے ہے کھل کھلا کر | شبنم کی طرح مجھے رُلا کر +

کن نے کہا اور سے نہ مل تو | پر ہم سے بھی کبھو ملا کر +

نالہ مرا نہ پہنچا ترے کان تک کبھی | جاتا ہے گو زمیں سے لے آسماں تلک

دل سے گزر کے نوبت یہ پہنچی ہے گو کہ جاں تک | تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ہو یارب یہ امتحان کہیں | یا نکل جائے اب یہ جان کہیں

تیری کیا کیا میں باتیں مانیں ہیں
تو بھی ایک بات میری مان کہیں

تھامتا ہوں اثر میں آہوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ہے یہ جی کی بے چینی
یا رب آرام دل کو ہووے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یاں پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانہ
تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہیئے خاطر داری
اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کریں

انکے آزاد کیئے ہووے گر آزاد کوئی
تو یہ صیاد بھی ہموں کو آزاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کیئے
ایک بھی گل نے پر سنا ہی نہیں

واہ ری عقل تجھسے دشمن سے
دوستی کا گمان رکھتا ہوں

حال میرا نہ پوچھئے مجھسے
بات میری جو معتبر ہی نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھکو میری وفا ہی راس نہیں

تو ہی بہتر ہے آئینہ ہے سے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

اس بیکسی میں آہ مرا تو نہیں کوئی
دل ایک ہے سو اور کے بس اپنے بس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی
فریاد سے یہی کوئی فریاد رس نہیں

تجھسے تھا جو کچھ کہ گماں سو یقیں ہوا
جو تجھسے تھا یقین سو اُسکا گماں نہیں

مر تو چلے کہاں تیرا اب سے گزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں یہ آپ نہیں تو جہاں نہیں

یہ دولتمند ہیں پابندِ انواعِ گرفتاری
چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں کیا جانئے کس بات سے میں

آسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں / نقشِ قدم نہیں ہیں یہ لوحِ مزار ہیں

نہ لگا لے گئے جہاں دل کو / آہ لیجائیے کہاں دل کو

یوں تو کیا بات ہے تری لیکن / وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو

رکھ نہ تو اب دریغِ نیم نگاہ / مار مت دیکھ نیم جاں دل کو

بیگناہوں سے دل کو صاف کرو / نہیں تقصیر پر معاف کرو

امیدوار تیرے لبِ گور تک بھی آہ / ساتھ آرزو لئے گئے بوس و کنار کی

مانا اثر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں / لیکن کٹی نہ آج یہ شبِ انتظار کی

ٹک آ کے سیر کر جگرِ داغدار کی / ہوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

دل اپنا پڑا اُس بتِ بے مہر کے پالے / دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

ساقی مئے جلوے سے انہیں کیجیے معمور / ہیں خالی پڑے مثلِ حباب آنکھوں کے پیالے

سب چلیے حوالے سے تمہارے ہو نہیں واقف / مت آئیے پر دل تو مرا کیجیے حوالے

بیکسی میں اثر یگانہ ہے / دل بھی اس کا نہیں یگانا ہے

راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے / آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

ایک دم سے لگی ہے کیا کیا کچھ / جان ہے تو جہان اپنا ہے

غیر کا تو کہاں سے دوست ہوا / دشمن اپنا گمان اپنا ہے

اب غیر سے بھی تیری ملاقات رہ گئی / سچ ہے کہ وقت جاتا رہا بات رہ گئی

نہ ترا زور چلے اُس پہ نہ تجھ پاس ہے زر / کوئی آتا ہے اثر یار فقط زاری سے

کیجیے نامہربانی ہی آ کر / مہربانی اگر نہیں آتی

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن / رات کٹتی نظر نہیں آتی

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے / دل تجھے اعتبار آتا ہے

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا / دشمنی پر تو پیار آتا ہے

کہوں کیا خدا جانتا ہے صنم
محبت تری اپنا ایمان ہے
آج ایدہر کدہر کو بھول پڑے
سچ کہو کیا یہ جی میں آئی ہے
بیگانہ تو کس حساب میں ہے
رکھے نہ توقع آشنا سے
اُٹھ گیا سب جہاں سے قول و قرار
یا د وعدے کیا کرو بیٹھے
اس بحر میں جوں حباب سب کے
سر میں بھری اور ہی ہوا ہے
نسبت مجھے آہ تجھسے کیا ہے
بندہ بندہ خدا خدا ہے

ہیں حیرت سے آپ ہی تجکو دیویں کیا جواب اسکا
کہ تجھ بن اب تلک کسطرح سہنے زندگانی کی
یا رب قبول ہووے اتنی دعا تو بارے
دونو جہاں ہارے عاشق یہ جی نہ ہارے
سب ہے ایک بار مرنا برحق کسی طرح ہو
جو آپ جی کو مارے پھر کون اُسکو مارے
ہم راست گو مسلماں حق ہی بتاں کہیں گے
تم بندے ہو خدا کے ہم بندے ہیں تمہارے

(اثر) نواب حسین علی خاں لکھنوی خلف ارشد نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خاں وزیر نواب آصف الدولہ بہادر شیخ ناسخ کے شاگرد اور صاحب دیوان و مثنوی تھے۔ ۱۸۴۵ء میں بانوے برس کی عمر پاکر وفات پائی۔ ایک مرتبہ بطریق سیر کلکتے بھی گئے تھے۔ اِن کا دیوان رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور خلاصہ کلام یہاں حاضر ہے ٥

درس وحشت تھا بیاضِ چشمِ آہو سے مجھے
گوشۂ صحرا مراطفلی میں مکتب خانہ تھا
حسن کے قُلِ شب تا درِ زنداں وہ آکر پھر گیا
شیونِ زنجیر بخت خواب کو افسانہ تھا
تھا اثر مرگ شبِ فرقت میں یہ سامانِ عیش
سینہ کوبی خلق کی شادی کا نوبت خانہ تھا
دلا سوتے میں قندِ لب کا خاطر خواہ بوسہ لے
مثل مشہور ہے دنیا میں گُر میٹھا ہے چوری کا
گر تصور میں وہ رشکِ مہِ کنعاں ہوتا
دل مرا یوسفِ یعقوب کا زنداں ہوتا
سیر گلشن میں جو اُس کی چار آنکھیں ہوگئیں
نرگسِ بیمار کی بیمار آنکھیں ہوگئیں
کیا دیں دہن کو نقطۂ موہوم سے مثال
عنقا کا ذکر کیا کریں عنقا کے سامنے

اثر

(اثر) منشی عبدالرزاق خلف منشی عبدالرحمٰن تمنا شاگرد صہبائی - پُرانے دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے - بہت مدت تک مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں رہ کر زبانِ فارسی اور فنِ سخن میں کمال حاصل کیا تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت ان کا عالم جوانی تھا - کلام پاکیزہ اور پُرلطف ہے ؎

پہلو میں درد سینہ میں چاک اشک آنکھ میں
تیرا ہر ایک سے ملنا بتِ وفا دشمن
ہوئی بدولتِ ضعف آہ سے بھی خاطر جمع
خواہش ہے میرے دستِ جنوں کو بہار کی
ہوں کامیاب لعل لبِ یار سے عدو
کیا جانتا تھا وہ کہ ستم کیا ہے جور کیا
وحشت تو دیکھئے کہ پسِ مرگ بھی مرے
تم اور عیش و بادہ و اغیار ہمنشیں
اے حضرتِ اثر کہیں عاشق ہیں آپ جو

مجھ سے تو کہہ اثر کہ ترا دل لگا کہیں
کرے گا دیکھئے کس کس سے آشنا مجھکو
اثر پہ جس کے کچھ اک اعتبار تھا مجھکو
اور آرزو ہے آبلۂ پا کو خار کی
حسرت نہ نکلی آہ دلِ سوگوار کی
باتیں ہیں سب یہ اس دلِ الفت شعار کی
جنگل میں اُڑتی پھرتی ہے مٹی فرار کی
ہم اور مصیبت آہ یہ شبہائے تار کی
یوں خاک اُڑاتے پھرتے ہیں ہر کوہسار کی

میں اور یار اور شبِ ماہتاب ہے
اے چشم اسکے سامنے رو کر نہ بہک
پامالِ غیر ہے مری نعش اُس گلی میں آج
عشقِ بتاں میں خاک بسر ہے تو اے اثر
ایک دن فاتحہ پڑھتا تھا کسی قبر پہ وہ
گر جاں کا نام آتا ہے آتی ہے قیامت

یارب مجھے خیال ہے یا یہ کہ خواب ہے
انساں کی آبرو جو ہے موتی کی آب ہے
مر کر بھی میری خاک پہ کیا کیا عذاب ہے
دنیا خراب اور ترا دین بھی خراب ہے
حیلہ اک اور بھی باقی ہے وہ مر دیکھیں گے
مضموں تری رفتار کا باندھا نہ کرینگے

اثر

(اثر) قاضی حاجی حب حسن بدایونی ابن قاضی غلام شہید - اصلی وطن بدایوں ہے - انکے والد عدالت شاہجہاں پور میں وکیل تھے یہ خود اوائل شباب میں شعر بھی کہتے تھے اور مذاق بدایونی

سے اصلاح لیتے تھے اب عرصہ سے شعر گوئی ترک کردی ہے جب کہتے تھے اچھا کہتے تھے۔ جناب اثر کا منتخب کلام یہ ہے ؎

جیتے تھے ہم تو کیا تھا اور اب مر گئے تو کیا
جانبازوں کو ڈر ہی نہیں مرنے سے۔ ہُوا کر
دا ہوگا اثر وقت سحر بابِ اجابت
بھید ہے اور ہی کچھ بے خبری میں اُسکے
جس سے دل ٹھنڈا تھا پہلے اُس سے اب جی سڑے
زندگی کیسی مصیبت تھی کہ اللہ کی پناہ
ہر چشم حیرتی سے رواں ہے جو سیل اشک

ہے کوئی سوگوار نہ جب غمگسار تھا
تو اِک ملک الموت مجسم شبِ فرقت
پر آہ کہاں صبح تلک ہم شبِ فرقت
یہ نہ سمجھو کہ مری آہ میں تاثیر نہیں
جو دوا سے ورد تھی اب وہ ہی جی کا درد ہے
جان نکلی ہے تو اب ہوش ٹھکانے آئے
کس درجہ آج گرمی بازارِ دید ہے

(اثر) شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب خلف الرشید مولوی سید وحید الدین خاں بہادر صدر اعلیٰ مرحوم رئیس قصبہ نیورہ ضلع پٹنہ۔ ۱۷۔ اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ صوبۂ بہار کے ایک ممتاز خاندانِ سادات میں سے ہیں۔ سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے۔ اور آپ کے والد خان بہادر سید وحید الدین مغفور کا حسب سید حسن خنگ سوار تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سید فیروز جو سید ابو الفرح واسطی کے نسل سے تھے ہندوستان میں آئے آپ کے آباؤ اجداد ہمیشہ سے سرکار انگلشیہ میں مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے ہیں۔ آپ کے والد شمس العلما سید وحید الدین خاں بہادر صدر الصدور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ڈسٹرکٹ رجسٹرار جج خفیفہ۔ اور جسٹس آف دی پیس کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ آپ کے خاندان کے اکثر نوجوان اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور بعض بیرسٹر ہیں ✣

شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب نے حسب معمول عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی علوم ریاضی و معدنیات و حیوانات۔ مناظرہ۔ فلسفہ جدیدہ و قدیمہ سے بخوبی ماہر ہیں۔ زبان انگریزی میں بھی کافی دستگاہ حاصل ہے آپ اُردو کے خوش فکر خوش گو اور باخبر شاعر ہیں۔ انگریزی

اشعار بھی آپ نے نظم کئے ہیں - آپ کی تصنیفات میں اکثر کتابیں موجود ہیں - کتاب مراۃ الحکما - اور کتاب الاشمار مصنفہ شمس العلما - زبان سوئیڈن میں ترجمہ ہوئی ہیں اور وہ سوئیڈن اور ناروے کی یونیورسٹیوں میں جاری ہیں - آپ نے ایک کتاب کاشف الحقائق معروف بہ بہارستانِ سخن تصنیف کی ہے جس میں آپ نے مصری - یونانی - لاطینی - ایطالوی - جرمن - انگریزی - عربی - فارسی - اُردو - سنسکرت - بھاشا - چینی - جاپانی - اور برہما کی طرز شاعری پر ایک محققانہ دلچسپ بحث کی ہے آپ کو با این ہمہ علم وفضل شہسواری اور صید افگنی کا بھی بہت بڑا شوق ہے - آپ کے دو صاحبزادے سید علی امام اور سید حسن امام مشہور بیرسٹر ہیں - آپ کی سکونت قصبہ نیورہ (بہار) میں ہے - اُردو کلام دیوان بھی چھپ گیا ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

کیونکر نہو تی دل کو اُس دلربا کی خواہش
رہتی ہے تجکو اُسکی زلفِ دوتا کی خواہش
ظالم وہ کون دل ہے جسمیں نہیں بھری ہے
خونِ جگر جو کھا کر آسودہ ہو رہا ہو
باقی ہے روح بیشک فانی نہیں ہے ہرگز
پامال جور ہم ہیں باغ جہاں میں ورنہ
اے شیخ و برہمن تم کچھ تو ہمیں بتاؤ
ہے موت ہی مسیحا ہے دردہی مداوا
آغاز عشق ہی میں اے دل بیانِ مطلب
دُنیا طلب کا شیوہ ہاتھوں کا ہے اُٹھانا
ہمنے اثر سُنا ہے اہلِ رضا کو کہتے

ناصح ہے سب پہ بالا رب العلا کی خواہش
خواہش بھی ایسی خواہش اے دل بلا کی خواہش
تیرے ستم کی حسرت تیری جفا کی خواہش
ایسے مریضِ غم کو کیا ہو غذا کی خواہش
وابستہ اس لئے ہے اُس سے بقا کی خواہش
تیرے قدم سے نکلی کیا کیا حنا کی خواہش
کیا ہے بتوں کی خواہش کیا ہے خدا کی خواہش
تیرے مریضِ غم کو کیا ہو شفا کی خواہش
لایا زباں پہ ناداں کس انتہا کی خواہش
دل میں جنہ اکو رکھ کر کیا ہو دعا کی خواہش
اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش

مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ
ناداں کہیں پناہ نہیں موت سے تجھے

ہیں اہلِ حشر اس ستم ایجاد کی طرف
کیا دیکھتا ہے قلعۂ فولاد کی طرف

ناصح اگر ستم نہ سہیں ہم تو کیا کریں
دل دوڑتا ہے یار کی بیداد کی طرف

عدو کا رشک ہے ہنگامۂ محشر کے ساماں میں
قیامت ہے نہاں انکے تبسم ہائے پنہاں میں

اسی جادو نے ارباب نظر کو مار رکھا ہے
کہ شوخی ہے حیا کے ساتھ انکی چشم فتاں میں

سبھی گل زر بکف گلشن میں ہیں انصاف کر یارب
غضب ہے رند خالی ہاتھ ہوں فصل بہاراں میں

کیا کیوں ذکر اسکی دشنۂ خونریز مژگاں کا
چبھویا تو نے نشتر چارہ گر میری رگ جاں میں

اسی سے پائی ہے شیرازۂ کونین نے بندش
دو عالم کی ہے جمعیت تری زلف پریشاں میں

جفائیں ہوتی ہیں گھٹتا ہے دم ایسا بھی ہوتا ہے
مگر ہم پر ہے جو تیرا ستم ایسا بھی ہوتا ہے

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا
محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

ہمیں بزم عدو میں وہ بلاتے ہیں تمنا سے
کرم ایسا بھی ہوتا ہے ستم ایسا بھی ہوتا ہے

کرتا ہوں عاشقی میں صنم کوہکن کا کام
کچھ کم نہیں پہاڑ سے دن انتظار کے

قید ہستی سے فنا ہو کر رہا ہو جائیے
نکہت گل بنکے گلشن سے ہوا ہو جائیے

ہے پیام مرگ میں مضمر نوید زندگی
تا بقا کی شکل پیدا ہو فنا ہو جائیے

ہے دل بے آرزو ہونا کمال بندگی
بندۂ بے مدعا ہو کر فدا ہو جائیے

نقاب اسنے جو اپنے چہرۂ روشن سے الٹا ہے
نمایاں نور کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے

خزان زندگی ہے تفرقہ اہل محبت کا
مزا دنیا میں جینے کا بہار دوستاں تک ہے

اثر

(اثر) عالیجناب مولوی خواجہ امام الدین رئیس اجمیر خلف خواجہ سید منیر الدین صاحب خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ طبیعت کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے اعلیٰ درجہ کے سخن فہم و قدردان سخن ہیں۔ فارسی استعداد بھی اچھی ہے۔ شیریں کلامی اور خوش گوئی ہر ایک شعر سے ہویدا ہے۔ بالفعل اپنے وطن میں عہدۂ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر ممتاز ہیں [illegible]
[illegible]

جگر کو تاکا نگہ نے تو دل خگار کیا
کسی پہ باندھا نشانہ کسی پہ وار کیا

بنا بنا کے بگاڑیں گے زلف ساری رات
وہ آ چکے شبِ وعدہ اگر سنگھار کیا

رقیب لاکھ شکایت کریں نہیں شکوہ
گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی اعتبار کیا

کسی کا دھیان بھی ہے کچھ کہاں گئے تھے اثر
تمھیں خبر بھی ہے کس کس نے انتظار کیا

دیکھتے ہی دیکھتے تلوار آنکھیں ہو گئیں
دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہو گئیں

عشق میں آخر کو اِن دونو پہ آفت آگئی
دل نکما ہو گیا بیکار آنکھیں ہو گئیں

روتے روتے پڑ گئے ناسور آنکھوں میں اثر
ہوتے ہوتے زخم دامن دار آنکھیں ہو گئیں

کیا کروں شکوۂ بیداد کروں یا نہ کروں
داورِ حشر سے فریاد کروں یا نہ کروں

ہجر میں وصل کے آرام میں بھولوں کیونکر
شبِ غم عیش کے دن یاد کروں یا نہ کروں

کب تلک ضبط کئے جاؤں محبت میں اثر
دل میں ہو درد تو فریاد کروں یا نہ کروں

وہ ہمسے چپ ہیں ہم اِن سے چپ ہیں منانیوالے منا رہے ہیں
شکایتیں دل کی ہو رہی ہیں مزے محبت کے آ رہے ہیں

بہارِ رخسارِ عارضی ہے خزاں برابر لگی کھڑی ہے
جوانی دو دن کی پاؤنی ہے یہ دن کسیکے سدا رہے ہیں

معینِ ملت معینِ دین ہو بھلے بُرے کے تمہیں دھنی ہو
تمہارے قدموں میں سر دیا ہے تمہاری بستی میں آ بسے ہیں

آپکو چاہنے والوں کی ضرورت نہ رہی
خوش رہیں آپ یہاں بھی وہ طبیعت نہ رہی

اگلی باتیں نہ رہیں تمکو وہ الفت نہ رہی
مجھکو بھی جانِ جہاں تمسے محبت نہ رہی

اے صنم تجھکو کیا یاد خدا کو بھولے
منہ دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی

دل لگاتے ہی اثر تمنے تو جی چھوڑ دیا
چار ہی دن میں وہ صورت وہ شباہت نہ رہی

بے نقاب آج رخِ یار ہوا چاہتا ہے
دیکھئے کیا سرِ بازار ہوا چاہتا ہے

اُنکا اقرار کے انداز کہے دیتے ہیں
اب کوئی لحظے میں انکار ہوا چاہتا ہے

ذبح کرتا ہے مجھے رشکِ شبِ وصلِ عدو
یہ بھی اب آپ کی تلوار ہوا چاہتا ہے

غیر کیا دوست بھی سب میرے مخالف ہیں اثر
دل بھی اب اُنکا طرفدار ہوا چاہتا ہے

آئے ہیں غیر کے گھر سے وہ لگا کر مہندی
تمہارے جاتے ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے

بُری بنے گی اثر دیکھنا قیامت میں
یہ نئی آگ لگائی ہے جلانے کے لئے

تم ایسے ہنستے ہوئے آئے تھے رُلا کے چلے
بتوں کے ساتھ اگر سامنے خدا کے چلے

اچھی صورت کے لئے چاہیے عادت اچھی
ورنہ کس کام کی اچھی سے بھی صورت اچھی

دیکھا بت خانے میں اللہ کی قدرت کا ظہور
ایک سے ایک نظر آتی ہے صورت اچھی

نقش ہو جائے جو دل میں وہی نقشہ اچھا
اپنی آنکھوں میں جو بس جائے وہ صورت اچھی

جان پر آن بنی ضبطِ محبت میں اثر
ایسی کمبخت محبت سے عداوت اچھی

خرامِ ناز سے دو گام تم جو چل جاتے
تمہارے دیکھنے والوں کے دم نکل جاتے

نہ ہوتا رشک کسی کا تو یہ بھی ممکن تھا
ترے خیال میں دو چار دن بہل جاتے

یہ دل ہی موردِ برقِ جمال ہے ورنہ
یہ آگ وہ تھی کہ جس میں پہاڑ جل جاتے

ذقن میں پڑتا جو عکس اُس جبیں کی افشاں کا
کنوئیں کی تہ میں ہزاروں چراغ جل جاتے

شرابِ عشق میں تھا جوش اس قدر ساقی
جو میں نہ پیتا تو یہ ظرفِ نُہ فلک اُبل جاتے

اثر (اثر) لالہ جے نرائن ورما لکھنوی مالک رسالۂ ناول۔ پہلے صانع تخلص تھا۔ بی اے تک کیننگ کالج میں تعلیم پائی ہے عنفوانِ شباب سے کسبِ کمال اور فن شاعری کا شوق ہے۔ چند انگریزی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ایک دوست کی معرفت کچھ کلام ہم پہنچا جس کا انتخاب درجِ ذیل ہے۔ افسوس کہ عین عالمِ شباب میں ماہ مارچ ۱۹۰۰ء رہگرائے عالمِ بقا ہوئے چھبیس ۲۶ برس کی عمر پائی ہے

آپ سُن سکیئے تو سنئے داستانِ اہلِ درد
ہے زبانِ بے زبانی سے بیانِ اہلِ درد

اضطرابِ دل کا شکوہ کفر سے کچھ کم نہیں
اے اثر ہے درد ہی آرامِ جانِ اہلِ درد

بجز درد و غم و اندوہِ حرماں
خبر لے کون اپنی بے کسی میں

میرے سوالِ وصل پہ تم بھی تو ہاں کرو
میں تم سے دل کہو واسطے کرتا نہیں نہیں

جان اک رشکِ مسیحا پہ دئیے جاتے ہیں
کس طرح اُن سے ہو اظہارِ تمنائے وصال

روز مرتے ہیں مگر پھر بھی جئے جاتے ہیں
غرضِ مطلب پہ وہاں ہونٹ سئے جاتے ہیں

دے کے فقرہ کہیں چلکے کریں گے توبہ
بات رکھ لیتے ہیں ہم ساقی و واعظ کی اثر
مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کئے ہوئے

آج میخانہ میں واعظ کو لئے جاتے ہیں
جام بھی پیتے ہیں توبہ بھی کئے جاتے ہیں
کعبے کو جائیں یا دبتوں کی لئے ہوئے

کوچۂ یار پہ ترجیح اُسے میں دوں گا
ہم نے بتخانہ میں اللہ کا جلوہ دیکھا

زاہدا ایسی کہاں کی تری جنت آئی
عین کثرت میں نظر صورتِ وحدت آئی

اثر

(اثر) سید مخدوم عالم صاحب پیرزادہ قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ۔ حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم **مقبول** کے خلف اکبر ہیں۔ فارسی میں عمدہ قابلیت ہے۔ ذہن رسا اور خیالات عالی پائے ہیں۔ رجب ۱۲۸۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ خود انگریزی بہت کم جانتے ہیں مگر خیالات نہایت پاکیزہ اور روشن ہیں۔ نثر اور نظم دونوں میں طرزِ بیان دلچسپ اور مرغوب ہے۔ متانت کے ساتھ طبیعت میں ظریفانہ شوخی بھری ہوئی ہے۔ انتخابِ کلام ملاحظہ ہو

دُرِ شہوار بحر کو بخشا
زندگانی کی راہ تھی تاریک
ہے تعجب کہ دے دیا سب کچھ
اب تو کعبہ بھی رہ گیا پیچھے

کوہ کو لعلِ شب چراغ دیا
اس لئے عقل کا چراغ دیا
لیکن اپنا نہ کچھ سراغ دیا
گھر ترا کتنی دور ہے یارب

رباعی در تعریف انبہ

میووں میں اثر قابلِ تعظیم ہے آم
ہے آم کا نام اپنے اسلام پہ دال

فردوس میں ہم مشربِ تسنیم ہے آم
اللہ و محمد کا الف میم ہے آم

واعظ کبھی سے خانے میں ہوگا نہ گزر کیا
جو جا ہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

تڑپتا ہے مریضِ ہجر مرجائے تو اچھا ہو
تمھارے عاشقوں میں نام کرجائے تو اچھا ہو

مدتیں گزری ہیں شغلِ مے کشی چھوٹے ہوئے
وہ پڑے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے
بات سچ تھی کی جو سُنی کھو گئے
اور سُنا اے دلِ خوابیدہ بخت
سُن کے وہ افسانہ ترا سو گئے

زاہد ہمیشہ قبلے کا رُخ پوچھتا پھرا
ہم بت کدے میں جب گئے بے پیش و پس گئے

زخم جگر میں یوں مرے نوکِ سناں رہے
جیسے کسی کے منہ میں کسی کی زباں رہے

پیغامبر کو آج سے موقوف ہی کریں
جو باعثِ فساد ہے کیوں درمیاں رہے

جب کہ دل ہی میں ہو موجود کسی کا جلوہ
کس لئے کوئی طوافِ حرم و دیر کرے

وائے قسمت کہ عیادت کو رقیب آتا ہے
کام جو دوست کے کرنے کا ہو وہ غیر کرے

ہم نہ توڑیں گے کبھی عہد وفا جیتے جی
بیوفائی اُسے کرنا ہے تو وہ خیر کرے

کی بھلائی جو بھلائی کے عوض میں تو کیا
بات تو جب ہے کہ تو شر کے عوض خیر کرے

(اثرؔ) منشی حسین الدین احمد۔ اوائل مشقِ سخن میں حضرت امیر مینائی کے شاگرد جناب نعیم و جناب وسیم کو کلام دکھایا ہے۔ پھر کچھ دنوں خود حضرت امیر سے اصلاح لی۔ امیر اللغات کے دفتر میں بھی کام کرتے رہے ہیں کلام حسب ذیل ہے ؎

بُری ہوتی ہے آگ الفت کی پیارے
وہی جانے جو مبتلا ہے کسی کا

ہو گیا جا کر گرفتار آپ دلِ
یار کے گیسوئے پُر خم کیا کریں

جھوٹی باتیں ہیں تیری سحر کہ ہم
جاننے پر بھی مان لیتے ہیں

اک میں کہ جھوٹی بات کا کرتا ہوں اعتبار
اک تم کہ سچی بات کا تمکو یقیں نہیں

پائی ہے میں نے ضبط سے رخصت اک آہ کی
خیر آج تیری اے فلکِ مفتیں نہیں

گیا ہاتھ چھوٹ اس ادا سے کہا
کلائی مری دیکھو بل کھا گئی

پڑے ہیں جو تربت میں پھیلائے پانو
تھکے عمر بھر کے تھے نیند آگئی

ہُوا عاشق اس بے وفا پر آثر
ترے دل میں کمبخت کیا آگئی

اثر

(اثر) مولوی افتخار علی - موضع گنور نواح بدایوں کے رہنے والے ہیں مولوی احمد حسن شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

قیامت اپنے قامت سے تو ہر لحظہ دکھاتے ہو
دکھانا زلف عارض کا یہ یکبار روز و شب کیسا

دسترس ہو تو ابھی چوم لوں دستِ قاتل
کس صفائی سے اُڑایا ہے نشانہ دل کا

بتو نکے غم میں چشمِ تر سے یاں پتھر برستے ہیں
ہمیں کیا ابرِ نیساں سے اگر گوہر برستے ہیں

سوزِ دل نے آثر دکھایا رنگ
آہ جو آئی شعلہ بار آئی

اثر

(اثر) حکیم محمد مہدی لکھنوی - عظیم آباد میں رہتے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

تیرِ قاتل نہ تھی یہ تجھ سے امید
ہائے تو بھی تو ہو گیا دل کا

ہیں کچھ نہ کچھ تو تیر میں قاتل کی شوخیاں
بے چین جس سے دل ہے جگر بیقرار ہے

نِکلا جو میکدے سے تو بوتل بغل میں تھی
سُنتے تھے ہم آثر کو کہ پرہیزگار ہے

چال اُس غارتگرِ دیں کی عجب مستانہ ہے
شیخ از خود رفتہ ہے اور برہمن دیوانہ ہے

سُن کے وہ مجھ سے سوالِ وصل کس انداز سے
سر جُھکا کر مُسکرا کر بولے کچھ دیوانہ ہے

نہیں ہم کو گوارا آپ کی اِک دم کی بھی فرقت
چلے جاؤ یہ کیونکر آپ کے مُنہ سے نکلتا ہے

اُس نے جب قصد کیا صبح کو چلنے کے لئے
مستعد جاں بھی ہوئی تن سے نکلنے کے لئے

اثر

(اثر) منشی الٰہی بخش سوداگر مقیم ریاست ریواں - فنِ سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے - شاید آلٰہی بھی انہیں کا تخلص ہے - کلام یہ ہے ؎

عبث ہے بیانِ غم و رنجِ فرقت
سُنے جب نہ کوئی فسانہ کسیکا

گالیاں دینے لگا وہ بت لبِ جاں بخش سے
اب ہمارے واسطے آبِ بقا بھی سم ہُوا

مرا دل لوٹ ہے کوئے بتاں پر
تصدق شیخ جی باغِ جناں پر

گِرے کیوں طُور پر عرش چھوڑ کے موسیٰؑ
کوئی پوچھے تو کیا دیکھا وہاں پر

قفس سے اب کہاں جائے گی بلبل
کترتا ہے عبث اے باغباں پر

چھپے بیٹھے ہیں بھلا سر کو اٹھائیں کیونکر
دل چرائے ہیں وہ آنکھیں نہ چرائیں کیونکر

اثر

(اثر) شیخ فیض الدین-احسان شاہجہاں پوری کے شاگرد ہیں ؎

کہتے ہیں کام ہمارا ہے جلانا دل کا
ایسے بے درد پہ اچھا تھا نہ آنا دل کا

شکوۂ جور و ستم سن وہ کہتے ہیں آثر
ہاں جی ہاں ہمکو تو آتا ہے ستانا دل کا

یہی نا مٹ گیا نام محبت
ملا کر خاک میں تجھکو ملا کیا

آثر پچھتاؤ گے دیکھو نہ دو دل
جفا کاروں سے امیدِ وفا کیا

ہزار وعدے کئے ایک بھی وفا نہ کیا
تمہارے قول کا کسطرح اعتبار آئے

اثر

(اثر) موی سید جلال الدین نظاری ساکن حیدرآباد دکن ؎

تم آؤ تو آباد ہو ویرانہ کسیکا
تم چاہو تو گلشن بنے کاشانہ کسیکا

لنڈھا دے خم کے خم محفل میں پیارے
تہی میخانہ ہو خالی سبو ہو

وہ مے جسکی ہوس رہجائے ساقی
وہ مے پھر جسکی دل میں آرزو ہو

وہ مے جس سے طبیعت ہو شگفتہ
وہ مے جس سے ترقی اور نمو ہو

وہ مے جس سے مضامیں مجکو سوجھیں
رواں طبع رواں جوں آبجو ہو

اثر

(اثر) منشی محمد حبیب الحق واصل باقی نویس تحصیل ملہارگڑہ علاقہ ریاست جاورہ-قمر گلشن آبادی کے شاگرد ہیں-حال کے نومشق شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں یہ اُنکا کلام ہے ؎

مجھسے اور ترک عشق اے ناصح
توبہ توبہ یہ کیا خیال ہوا

ملتا نہیں کفن میں مرا جسم ناتواں
منکر نکیر ڈھونڈ رہے ہیں مزار میں

زاہد تو بے خبر ہے رہِ عشق سے ابھی
ناداں بڑا مزا ہے حسینوں کے پیار میں

ہرگز وہ جام کوثر و تسنیم میں نہیں
زاہد جو کچھ مزا ہے مئے خوشگوار میں

حوصلہ کہتا ہے غمسے دل لگی ہوتی نہیں
اے فلک کچھ اور دے دلبستگی ہوتی نہیں

اثر

(اثر) مرزا احمد اللہ بیگ حیدر آبادی ۔ خلف ذوالفقار علی شاہ سجادہ حسینی علم۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں ؎

فصلِ گل تو جا چکی کمبخت جھٹ پٹ کر کیا کرے	تھی رہائی بھی اسیری بلبل ناشاد کی +
پاؤں سے مرے دل کو نہ مل اے بتِ کافر	اللہ کا گھر ہے ارے اللہ کا گھر ہے

اثر

(اثر) منشی اصطفےٰ خاں لکھنوی ۔ منشی محمد افتخار علی جگر بسوانی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں یہ اُنکا کلام ہے ؎

ملے گا اور کہاں انکو اسقدر آرام	غم و ملال مرے دل سے جا نہیں سکتے
مئے طہور مبارک ہو زاہد و تم کو	زباں سے کہتے ہو لیکن بلا نہیں سکتے
یہ ڈرتے ہیں نہ تمنا بھی انکی ہو مجروح	وہ تیر دل پہ ہمارے لگا نہیں سکتے
لبوں پہ دم بھی جو اے شوخ تند خو آئے	مریضِ غم کو نہ تسکین دینے تو آئے
سوال وصل پہ تیوری چڑھا کے کہتے ہیں	اب آج سے نہ کبھی ایسی گفتگو آئے

اثر

(اثر) سید ظفر حسن خاں بی اے خلف سید دیوان محمد آنریری مجسٹریٹ سرسہ ضلع حصار۔ نومشق شاعروں میں ہیں اور آغا شاعر دہلوی کے شاگردوں میں ہیں علیگڈہ کالج میں تعلیم پائی ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

اُف رے بے رحمیاں قاتل نمک افشاں نہوا	بجھ گئے زخم ترے سامنے دامن ہو کر
ہونٹ سی دینا اگر نالہ و فریاد کریں	ہے قسم آپ نہ جی بھر کے جو بیداد کریں
ذبح کرنے لگے کیوں اُلٹی چھری سے ہم کو	ایسی سب بے دردیاں اور تمسے پریزاد کریں
محو آرائش جلوہ گہ سینہ ہوں میں	جلد آئینۂ رخسار دکھائے کوئی +
جان آنکھوں میں نظر دریہ تمنا دل میں +	اب تو دم بھر کو خدا کے لئے آئے کوئی +

اثر

(اثر) نواب عبد الجلیل خاں رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈہ خلف اصغر نواب عبد الشکور خاں صاحب شروانی ۔ مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب حسرت شروانی کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں۔

اوائل میں حضرت داغ مرحوم سے مشورہ تھا - ۲۲-۲۳- برس کی عمر اور نوابانہ طبیعت سے ایشیائی رئیس زادوں کی طرح عیش دوست اور رنگین مزاج ہیں کلام گلدستۂ ریاض سخن میں جو احسن مارہروی کے اہتمام سے نکلتا تھا دیکھا گیا - وہ انتخاباً درج تذکرہ ہے ؎

گئے صبح کو وہ مری جان ہو کر	جو آئے تھے کل شب کو مہمان ہو کر
بلا کی ہیں زلفیں تری کالی کالی	غضب ڈھا رہی ہیں پریشان ہو کر
جدائی کے غم میں مروں میں نہ کیونکر	رہو دور مجھ سے مری جان ہو کر
ادھر دیکھئے آپ کیوں جھینپتے ہیں	گئے تھے کہاں شب کو مہمان ہو کر
بتاؤ ہمیں کس پہ مرتے ہو صاحب	اثر پوچھتے ہیں وہ انجان ہو کر
تھم گئے وہ بھی تماشہ کی غرض سے دم بھر	کام نکلا دل ناداں کے مچل جانے سے
جب آتا ہے کبھی ذکر وفا وہ ٹال دیتے ہیں	سمجھ جاتے ہیں اب میری شکایت ہونیوالی ہے
ابھرنے والی سب چیزیں ابھر آئینگی سب ظالم	جوانی آنے والی ہے قیامت آنے والی ہے
لطف دے جائیگی مری داستاں	تیرے دل میں درد ہونا چاہئے

(**اثر**) مرزا محمد شاہ مالک نیرنگ ؎

ہم حشر کے دن ڈھونڈ نکالیں گے کسیکو	قاتل جو ہمارا ہے نہاں ہو نہیں سکتا
ابھی وہ سن ہے کہ آنکھوں نہیں سماتے بھی نہیں	دل چرانا تو کجا آنکھ چراتے بھی نہیں

(**اثر**) منشی راد ھے لال صاحب رئیس فرخ آباد - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎

جو مجھ پر مہرباں اپنے کرم سے یار ہو جاتا	تو دریائے الم سے میرا بیڑا پار ہو جاتا
اگر آنکھیں لڑاتا کوئی عاشق فرط الفت سے	ترا تیر نظر اسکے جگر کے پار ہو جاتا
عجب کیا تھا عیادت کے لئے سنکر چلے آتے	کوئی حیلہ جو بن پڑتا تو میں بیمار ہو جاتا
جمال یار کی عالم میں شہرت ہونے والی ہے	خرام ناز سے برپا قیامت ہونے والی ہے
ابھی واقف نہیں ناز و ادا سے وہ کہ کمسن ہے	جوانی میں اسی قد سے قیامت ہونے والی ہے

اثر

(اثر) خواجہ حسین خاں صاحب امیر مینائی کے جانشین منشی جلیل حسن کے شاگرد اور خوش کلام سخنور ہیں ؎

دل سے تا مرگ جدا یار کا پیکاں نہ ہوا
جان دی رنج میں پر عیش کا خواہاں نہ ہوا
ایک بوسے پہ جتاتے ہو ہزاروں احساں

یہ بھی کوئی مری حسرت ہوئی مہماں نہ ہوا
درد میرا کبھی منت کش درماں نہ ہوا
دے دیا ہمنے جو دل یہ کوئی احساں نہ ہوا

اپنی آہوں سے جو امید رسائی ہوتی
مئے اطہر کی بہت آپ لیا کرتے ہیں
وہ دوا مانگے بجز موت کے کچھ اور نہیں

ہمنے کیا جانئے کیا آگ لگائی ہوتی
شیخ جی یاروں کو اک دن تو پلائی ہوتی
جسمیں بیمار محبت کی شفا رکھی ہے

اثیم

(اثیم) منشی محمد علی باشندۂ گورکھپور ۱۸۴۲ء میں گورکھپور کی عدالت میں ڈگری نویس تھے۔ کئی سال بعد بنارس میں منصفی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ عبد الرؤف شعور سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ معدن الحکمت اِن کی یادگار ہے۔ تذکرۂ گلدستۂ نازنیناں سے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

دم خنجر میں اگر اُس کے دم عیسےٰ ہے
دیکھ اُس دستِ حنائی کو منجم نے کہا
خدا جانے اسے منظور ہے کس کس کی بربادی
صدائے شیونِ زنجیر سے معلوم ہوتا ہے

خضر کیوں کر نہ بھلا کشتۂ خنجر ہو گا
خون عشاق کا اِن ہاتھوں سے اکثر ہو گا
بنایا ہے جو گھر صیاد نے اپنا گلستاں میں
تڑپ کر مر گیا شاید کوئی محبوس زنداں میں

اثیم

(اثیم) خواجہ عبد الرحیم خاں۔ رئیس ڈھاکہ۔ نواب ڈھاکہ کے خاندان سے ہیں۔ اور سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد ہیں زبان اور بندشِ الفاظ عمدہ ہے۔ نومشق شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ؎

تھی الفتِ شیریں میں مگر نزع کی تلخی
تجھ سے تو زیادہ ترے انداز ہیں قاتل
جو لطف خلش ہے تری مژگاں میں کماندار

فرہاد گیا جان سے اُس کوہکنی میں
ہیرے میں نہیں زہر ہے ہیرے کی کنی میں
پیکاں میں ہیں یہ لذت ہے نہ برچھی کی انی میں

مٹتا ہے کوئی دل سے ترا نقش محبت
یہ نام تو کندہ ہے عقیق یمنی میں
تم ظلم سے خوش ہو مجھے مطلب ہے خوشی سے
کیجے نہ کمی کچھ مری خاطر شکنی میں
رکھے خدا پناہ میں بندہ کو چاہ سے
نکلے بشر نہ بھول کے الفت کی راہ سے
شوخی ٹپک رہی ہے سراسر نگاہ سے
بجلی کہیں گرے نہ تری جلوہ گاہ سے
خالی ہوا نہ دل یہ حسینوں کی چاہ سے
اٹھا بتوں کا دخل نہ بیت اللہ سے
میں اور عشق حور رقیبوں کے شر ہیں یہ
وہم غلط ہے آپ کو اس خیر خواہ سے
اب حشر بھی اٹھا ہے تو اٹھنا محال ہے
ایسا گرایا آپ نے مجھکو نگاہ سے
ان کی نزاکتوں نے یہ کیسا ستم کیا
ناکام پھر کے جاتے ہیں ہم قتل گاہ سے
یکسر چراغِ گورِ غریباں بجھا دئے
کیسی ہوا چلی مرے بختِ سیاہ سے
اپنی تو سجدہ گہ ہے درِ پیرِ مے فروش
دیر و حرم سے کام نہ کچھ خانقاہ سے
ہوتی ہے بعد رنج کے راحت مگر اثیم
یوسف عزیز مصر ہوئے گر کے چاہ سے

(اثیم) حافظ شیخ محمد ابراہیم خلف حافظ محمد باقر علی آنریری مجسٹریٹ و رئیس کانپور عنفوان شباب سے شاعری کا شوق دامنگیر ہے اور اُسمیں حضرت آہ لکھنوی سے مشورہ کرتے ہیں - ایک بیاض کلام شعرا موسوم بہ ترانۂ عشاق سنہ ۱۳۱۷ھ میں شائع کر چکے ہیں اُسمیں بعض اساتذہ کے کلام کے ساتھ ہی اپنا کلام بھی درج کیا ہے جسے بہ نظرِ انتخاب معائنہ کیا تو بمشکل یہ چند شعر قابلِ اندراج نظر آئے ہے

آپ جاتے ہیں تو اچھا جائیے
سچ ہے کسیکو چاہتے ہیں سو نہیں
زہر منگوا کر ابھی کھاتے ہیں ہم
تہمت ہے - تمکو غیر کی الفت ذرا نہیں

جو حال زار ہے میرا وہ آکے دیکھ لو تم
بیان کی کوئی حاجت نہیں عیاں کے لئے
غضب کی لاگ تھی بجلی نے وہ بھی پھونکدئے
جو تنکے چُنکے کئے جمع آشیاں کے لئے

تڑپنے پر مرے وہ شوخ بولا
دکھاؤ درد تو مجھکو کہاں ہے

بوسے اتنے لئے کہ وہ بولے	۔	پیار کی کوئی انتہا بھی ہے	

(احد) مولوی حکیم عبدالاحد صاحب مدرس اوّل عربی مدرسۂ مرزاپور - آپ کے صاحب استعداد اور باکمال ہونے میں شبہہ نہیں باوجود مشاغل علمی (آپ واعظ بھی ہیں اور طبیب بھی) شعرگوئی سے رغبت رکھتے ہیں - ۳۳ - ۳۴ برس کی عمر تک فنون عربیہ - منطق - فلسفہ وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہے - استعارہ اور تشبیہ سے طبیعت کو ایک خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے - خیال کی بلندی اور بندش کی چستی مزید برآں ہے - زبان بھی بُری نہیں - ہمنے سرسری نگاہ سے جسقدر اشعار آپکے مطبوعہ دیوان میں اپنے مذاق کے مطابق پائے تذکرہ میں درج کردئے ۵

لکھوں دیواں میں گر کچھ قصہ طولِ زلفِ جاناں کا
ازل مطلع ہو دیواں کا ابد مقطع ہو دیواں کا

جو شب کو میرے ماتم کے لئے منہ کھول کر آیا
ہوا روشن چراغِ آرزو شہرِ خموشاں کا

لبِ جاں بخش کی سرخی کا عالم دیکھکر اے جاں
ہُوا جاتا ہے ٹکڑے ٹکڑے دل لعلِ بدخشاں کا

چھپانے سے نہیں چھپنے کا قاتل خونِ ناحق یہ
شہادت نامہ ہے دامن ترا خونِ شہیداں کا

بہارِ گلشنِ فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں
اٹھا دیتے ہو پردہ جس گھڑی رخسارِ تاباں کا

نمک پاشی کا زخموں پر مرے جب قصد کرتے ہو
خوشی مُنہ چومتی ہے ہنسکے اپنے زخمِ خنداں کا

جلوۂ رُخ سے کیا گھر بیخودی نے آنکھ میں
جب اُٹھا پردہ اُدہر تو پھر اِدہر پردہ ہُوا

جان کے جانے کی کچھ پروا نہیں پر غم یہ ہے
دامنِ قاتل پہ میرے خون کا دھبا ہُوا

کُشتۂ تیرِ نگاہِ ناز مدفوں ہو گیا
اب تو دل اوکا وشِ مژگاں ترا ٹھنڈا ہُوا

رہتا ہے بے چین مدت تک تعلق دل کا بھی
غیر کے پہلو میں بیٹھے درد یاں پیدا ہُوا

مرگیا عاشق تمہارا ہو گیا قصہ تمام
آرزو دے وصل کا بھی آج منہ کالا ہُوا

سُوئے مہ گر ہوا ایما خنجرِ ابروئے قاتل کا
نظر آئے فلک پر بھی تماشا رقصِ بسمل کا

لگایا اپنے سینے سے اُٹھا کر اُسکو قاتل نے
تڑپ کر جا پڑا قدموں پہ جب سر اُسکے بسمل کا

خدا کا شکر اب تک کمالِ حسن ہے ورنہ
کمال اک شب فقط رہتا ہے جہاں ماہِ کامل کا

ہنسی معشوق کی ہوتی ہے وجہ گریۂ عاشق
چمن میں خندۂ گل سے ہے بس نالہ عنادل کا

جو عاقل ہیں انہیں راحت کی فکر اصلا نہیں ہوتی
خیال عیش رکھنا ہر گھڑی ہے کام کاہل کا

ترا نقشہ بنا کر صانع قدرت نے فرمایا
بناؤں گا نہ اب میں دوسرا تیرے مقابل کا

طواف کعبۂ رخ ہو چکا بس اب یہ باقی ہے
بجائے سنگ اسود بوسہ لوں رخسار کے تل کا

قاصد کو موت کوچۂ جاناں میں آگئی
میں منتظر ہی بیٹھا ہوں خط کے جواب کا

زاہد تو اسکے کوچے میں مے پی لے میرے ساتھ
جنت میں کیا حرام ہے پینا شراب کا

اللہ رے اسیریٔ بلبل کا انتظام
صیاد عطر مل کے چلا ہے گلاب کا

روشنی ہے در و دیوار پہ پھیلی ہر سو
چاندنی گھر میں ہے اک ماہ لقا سے پیدا

وہ کہتے ہیں تمہارا کیا گیا سودا ہے الفت میں
مجھے اس پردے میں رسوائے خاص و عام ہونا تھا

اللہ رے شوق قتل کہ کہتا ہوں بار بار
پھر جائے مجھ پہ خنجر قاتل کسی طرح

کیا جانئے کہ کیا ہے جو پہلو میں ایک دم
رکتا نہیں ہے آج مرا دل کسی طرح

جو پوچھا تھے کہاں اتنے دنوں تو ہنسکے فرمایا
کسی کمبخت کے دل میں تھے اب تک مدعا ہوکر

مجھے مسجد میں جاتے دیکھکر بولے ادھر آؤ
خدا کو بھی دکھا دینگے کبھی شان خدا ہوکر

حسینوں کو محبت بھی ہو تو سمجھو کہ آفت ہے
وفا آخر کو ان کی رنگ لاتی ہے جفا ہوکر

کہیں لیلی کی صورت جلوہ آرا ہے نہاں ہوکر
کہیں رسوائے عالم صورت مجنوں عیاں ہوکر

کہیں تو قاتل عالم نظر آتا ہے عالم میں
پھڑکتا ہے کہیں بسمل کی صورت نیم جاں ہوکر

کبھی تو بتکدے میں صورت ناقوس ہے نالاں
کبھی مسجد میں بول اٹھا موذن کی اذاں ہوکر

تھی تمنا اڑ کے دامن سے لپٹ جاتی یہ خاک
وہ اگر آتے کبھی گور غریباں کی طرف

سحر کیا جانئے قاتل نے کیا ہے ہم پر
دم نکلتا ہے مگر کہتے ہیں قاتل قاتل +

اتنی فرصت دے ہمیں جلدی نہ کر تو قتل میں
دیکھ لیں دم بھر نظر بھر کر اسے جلاد ہم

کیا قتل ایک عالم کو ولیکن وائے بیدردی
نہ دیکھا مڑ کے تو نے کسطرح بسمل تڑپتے ہیں

کعبہ سمجھ کے توڑتے ہیں دل کو اور بھی	سچ تو یہ ہے بتوں کو خدا کا بھی ڈر نہیں
قبر کو میری یہ ٹھکرا کے لگا کہنے وہ شوخ	فتنۂ حشر کو بیدار کروں یا نہ کروں
بیکسی و نامرادی ساتھ اب چھوڑینگی کیا	شام غربت ہی میں گئی صبح وطن کی آرزو
صدا ہے دردناک ایسی ہمارے شور و شیون کی	بیانِ دوست کیا چھاتی پھٹی جاتی ہے دشمن کی

تیغ نگہِ ناز نے کشتہ کیا سب کو	عالم میں جدھر دیکھو دہائی ہے نظر کی
چھوڑ کر عشقِ بتاں کو اے احد	کعبے کو بت خانے سے کیونکر چلے
کیا بدنام مجھکو مارا تو نے	قضا رو کر یہ کہتی ہے ادا سے

جب دونوں کی خلقت ہوئی اِک گِل کی صراحی	پھر شیخ میں ہے کیا جو برہمن میں نہیں ہے
وہی فضل الٰہی ہے شریکِ مجرماں ہر دم	وہی بخشش وہی رحمت جو آگے تھی سو اب بھی ہے
بے خودی میں اس قدر محوِ جمالِ یار ہوں	جس طرف میں دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے

کہتے ہیں وہ کہ میری بلا بھی نہ آئیگی	کیا وہ نہ آئیں گے تو قضا بھی نہ آئیگی

احسان - شاعر خوش کلام سخن ور عالی مقام حافظ عبدالرحمٰن خاں خلف حافظ غلام رسول خاں شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے - استاد سلاطینِ زمن کے لقب سے مشہور اور شعرائے پایۂ تخت میں ممتاز و سربلند تھے - مرزا قادر بخش صاحب صابر مولف تذکرہ گلستانِ سخن پہلے انہیں کے شاگرد تھے - مشق سخن کمال کو پہنچی ہوئی تھی ساٹھ ستر برس کا ملکہ تھا جملہ اصنافِ سخن پر قادر اور فارسی و ریختہ دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے - مگر طبیعت اُردو کی جانب زیادہ مائل تھی - چنانچہ اپنے ایک شاگرد کو اُردو میں غزل کہنے کا شوق دلانے کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی است" باایں ہمہ فارسی کی زبردست استعداد رکھتے تھے - اساتذۂ فارس کے ہزاروں شعر آپ کو زبانی یاد تھے اور جب کوئی آپ کے شعر میں کسی لفظ یا ترکیب پر اعتراض کرتا تھا آپ تڑاق سے سند میں اُستادوں کا کلام پیش

کر دیتے تھے۔ استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ پوری پوری غزلیں اور مختلف اشعار شعرا معہ تخلص نوک زبان تھے۔ اپنے دیوان اور مثنوی میں بھی کئی جگہ کسی غیر معمولی حرکت یا ترکیب الفاظ کی سند میں آپ نے کئی کئی شعر حاشیے پر لکھدئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اعتراض کی گنجائش نہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ عالم بادشاہ کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" پر آپ نے فی البدیہ یہ مصرع چسپاں کیا ع نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں۔ اور پھر حضور کی فرمائش سے اسی زمین کی غزل کے بہت سے شعر اس طرح سنا دئے گویا گھر سے یاد کرکے آئے تھے۔ اسی صحبت میں کسی نے "وقت سحرگاہ" کی ترکیب پر شبہہ ظاہر کیا اور لفظ گاہ کے ساتھ وقت کو فضول زائد قرار دیا آپ نے فوراً مرزا صائب کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد	خواب در وقت سحرگاہ گراں می گردد

قلعہ معلی کے قریباً تمام شاہزادے اور دہلی کے اکثر امیرزادے آپکی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور حضرت شاہ عالم تو آپ کے حال پر خاص نظر عنایت فرماتے تھے۔ مجلس خاص کے وقت جس میں گنتی کے آدمیوں کو بار ملتا تھا آپ اکثر موجود ہوتے تھے۔ بادشاہ ان کے اشعار بڑے شوق اور رغبت سے سنا کرتے تھے۔ حضرت اکبر شاہ ثانی کے حضور میں بارہا آپکے اور شاہ نصیر کے مطارحات ہوئے اور اس پر بھی دربار شاہی میں آپ کی عزت برقرار رہی۔ باوجودیکہ خدا تعالی نے طبیعت شاعرانہ اور رنگین عطا فرمائی تھی مگر اس پر بھی آپکو زمانہ کی ہوا نہ لگنے دی اور حافظ قرآن ہونے کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ چنانچہ شاہ نصیر نے بھی ایک مرتبہ کسی بات پر بگڑکر حافظ قرآن ہونے پر اسطرح چوٹ کی تھی ؎

اے خالِ رخ یار تجھے ٹھیک بناتا	پر چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھکر

علوم متداولہ اور فنونِ نفیسہ میں کامل دستگاہ تھی اپنے زمانے کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ بڑی عمر ہونے کی وجہ سے اگر ایک طرف جرأت۔ انشا۔ مصحفی اور نصیر کے ہم آہنگ

تھے تو دوسری جانب ذوق - ممنون - مومن - اور غالب کے ہم عصر تھے - چنانچہ انکے کلیات میں ان سب اساتذہ مذکورہ کی ہم طرح غزلیں موجود ہیں - آپ کی اُستادی میں کچھ کلام نہیں - زبان کی صفائی - الفاظ کی شستگی اور برجستگی میں آپ نے بڑی کدوکاوش کی جہانتک بنا مغلق الفاظ بیچیدہ تراکیب و تکرار اضافت کو پاس نہ آنے دیا - ہاں رعایت لفظی و معنوی سے مُنہ نہ موڑا تاہم طرز بیان نہایت صاف - سہل اور بے تکلف ہے - ابو ظفر سراج الدین بادشاہ خاتم سلطنت مغلیہ نے ہمیشہ آپکی عزت و توقیر فرمائی اور حضرت احسان کو تا زیست وظیفہ شاہی کے احسان سے سبکدوش نہونے دیا - حسب اتفاق ایک مرتبہ وظیفہ میں کچھ دیر ہوئی تو آپ نے عین شکار ماہی کے موقع پر یہ قطعہ فی البدیہ لکھکر پیش کیا ؎

صید ماہی و صید دل شاہا	خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا	یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے	وہ دو ماہا گیا ہے میرا ڈوب
اُس کو بھی حکم ہو نکل آئے	صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

اسی طرح ایک اور مرتبہ تنخواہ رُک جانے کی شکایت میں ایک طویل قطعہ موزوں فرماکر حضور شاہی میں گزرانا تھا جسکی وہی زمین ہے جو مرزا غالب کے اس مشہور قطعہ کی ہے ؎

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک	خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

اس قطعہ میں حضرت احسان نے کہاروں - بینیے اور بینی کی گفتگو بڑی لطیف و معنی خیز بیان کی ہے - عجب نہیں جو مرزا غالب کو اس زمین کا خیال احسان ہی کے قطعے سے پیدا ہوا ہو +

علی ہذا ایک اور مزے دار قطعہ جسے ہمنے انتخابیہ کلام کے شروع میں ہدیۂ ناظرین کیا ہے آپ نے حضرت اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں اُس موقع پر پیش کرایا تھا کہ دشمنوں نے انکی طرف سے کان بھر کر قلعہ معلی میں آمدرفت سلام و مجرا سب بند کرا دیا تھا +

آپ کے کلام میں عاشقانہ رنگ خوب ہوتا ہے اکثر قطعے بڑے لطیف اور مزیدار لکھے ہیں

اور اُن سے اُس زمانے کے بعض تاریخی واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کا کلیات اب عنقا کا حکم رکھتا ہے بڑی تلاش و جستجو سے ایک قلمی کلیات جو ضخامت میں تیس جزو کے قریب ہے دستیاب ہؤا ہے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی یوسف زلیخا بھی بہت عمدہ لکھی ہے۔
یوں شاگرد تو سیکڑوں تھے لیکن اِن سب میں صرف مرزا ثابت اور مرزا صابر نے اُستادی کا درجہ حاصل کیا۔ ایام ضعیفی میں بھی شوقِ سخن کا یہ عالم تھا کہ کوئی مشاعرہ ناغہ نہوتا تھا۔ نواب اعتمادالدولہ سید فضل علیخاں دہلوی کی وزارت میں ایک مرتبہ لکھنؤ بھی گئے مگر وہاں اُنکے کمال کی جیسا چاہیے قدردانی نہوئی آخرکار پچاسی برس کی عمر سنہ ۱۲۶۷ ہجری میں رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے مرزا صابر نے تاریخ وصال اسطرح موزوں فرمائی ؎

عین ہنگام الم میں صابرِ دل گیر نے	اپنے دل کو تھام کر با صد غم و با صد بکا
کی رقم اُس معدنِ احساں کی تاریخ وفات	دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احساں اُٹھ گیا ۱۲۶۷ھ

مولوی عنایت الرحمٰن خاں مرحوم سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم حیدرآباد دکن اور مولوی احسان الرحمٰن خاں رئیس دہلی اُنکے پوتے ہیں۔ مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے خاں بہادر غلام محمد حسین خاں دہلی میں میونسپل کمشنر ہیں اور اُنکے چھوٹے بھائی ابوالحسن خاں صاحب منصفی کے عہدے پر ممتاز اور راقم تذکرہ کے کرمفرما ہیں لال کنوئیں کے بازار میں انکی بنائی ہوئی ایک عالیشان حویلی اب تک موجود ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

قطعہ

ہوں شہرِ ہند کا اُستاد یہ ہے فخر مجھے	شہرہ میرا تو شہا تا شہرِ ایران گیا
عرضِ غمّاز پذیرا جو ہوئی حق میں مرے	کیا گیا میرا مگر اُسکا ہی ایمان گیا
حُکم والا یہ ہؤا قلعے میں احسان نہو	سُن کے اس بات کو اک شہر کا اوسان گیا
اسے شہنشاہِ جہاں قدرشناسِ احساں	خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو	قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا
قاضی مٹے گنگوں کی حرمت ہے کتابوں میں	لیکن ہے بڑی ذلّت رشوت کا بجا جانا

قطعہ

بے معنی نفس معنی اس رمز کے دلکش ہیں
مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بجا جانا

ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہوا یعنی
جب رات بچی آدہی ہم پاس تو آجانا

چھٹ گیا قصہ دنیا سے تو مر کر منعم
کہ غمِ مال گیا اور غمِ اولاد گیا

دلِ صد چاک کی یہ پوچھی جو خبر اُسنے وہاں
گُلِ صد برگ مرے سامنے لاکر توڑا

دلا دو زلف سے دل ورنہ سب سے کہتا ہوں
کہ مجکو ایک لٹیرے نے ابھی ہے لوٹا

قطعہ

دل مرا زندانِ الفت میں سدا قیدی رہا
پہلے اُسکی ابروئے پُرخم پہ مائل ہوگیا

جب ہوا وہاں سے رہا پھر زلف میں جاکر پھنسا
طوق سے چھوٹا تو پابندِ سلاسل ہوگیا

اگر ہوا اتفاق آپس میں تنگی بھی گزر جائے
گزارا ایک پیراہن میں ہے یا دامِ توام کا

یاروں سبھوں کو میرے گریباں کی فکر ہے
ناصح کے مُنہ کو آن کے کوئی نہ سی گیا

سخت نادانی کی احساں جو کہا عاشق ہوں
بھید کہتا ہے کسی سے کوئی دانا دل کا

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں مجکو شکایتیں کیا کیا

پہونچ اے اجل کہ لب پر آلگا ہے کام جاں کا
حامی ہے کون تجھ بن آفت رسیدگاں کا

کبھی شادی کبھی غم ہے یہی عالم ہے عالم کا
مہِ عید الضحیٰ اگزرا تو چاند آیا محرّم کا

آتش جگر میں گاہے گہ شعلہ جاں میں دیکھا
اللہ ہمنے کیا کیا عشق بتاں میں دیکھا

تجکو کبھی نہ دیکھا دیکھا جہان سارا
گرچہ تجھی کو میںنے سارے جہاں میں دیکھا

قطعہ

مشہور ہے لکھنؤ کا لیکن نعوذ باللہ
مومن جو وہاں ہیں انکو کفرِ نہاں میں دیکھا

دلی کے ہندوؤں میں ہیں اہلِ دل ہزاروں
دلی سا شہر کس نے ہندوستاں میں دیکھا

جو ہیں کھرے اُنہیں کو دس کھوٹیاں سنائے
ہمنے نیا سلیقہ اِس نوجواں میں دیکھا

خاک ہوکر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا
کیا کہوں لیک نہ کمبخت حیا نے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لے گیا
خوں محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

بجھی جو شمع تو پروانوں پر ہوا روشن
کہ بعد مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

ہماری جان پہ گرتی ہے برقِ غم ظالم
ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ سا احساں

تجھے تو سہل سا ہے شغل مسکرانے کا
وہاں ہے شغل اُسے زلف کے بنانے کا

۴ ادھر تو لختِ جگر پر ٹہ ہے اُدھر یہ نوحہ ہے پکا ہے
وہ تعزیہ ہے یہ مرثیہ ہے دلِ حزیں کا دل غمیں کا ۶

اے خوشی آجا کہ بعض تیری رخصت غم آج ہے
تڑپا جو میں تو برقِ فلک ناز نے کہا
جب کہ تجسا صنم اے بت ہو میسر تنہا
مارا خیالِ زلف نے دل پر جو دام رات
دم کھنچا آتا ہے ساتھ اسکے مرا اے ہمدم

غم تجھے رخصت کہ لایا ابر پیغام شراب
اللہ رے مشتِ خاک وکفِ گل کا اضطراب
پھر خدا ہے کہ رہے ہے بندے کا ایمان درست
دیکھا کیا ہوں خواب پریشاں تمام رات
آہ پہلو سے مرے ناوکِ دلدار نہ کھینچ

تنخواہ ایک بوسہ ہے تسپر یہ حجتیں
یاں اُسنے ہے چبایا تک دیکھو یہ تماشا
فکرِ شراب دل میں ذکرِ بتاں ہے لب پر

ہے ناوہند آپ کی سرکار بے طرح
بنتا ہے یاں زمرواب لعلِ ناب کیونکر
میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر

محکومت ٹھکرا و بس چلئے سنبھل کر دیکھکر
کوٹھے پہ چڑھ کر تو مری جان سمجھ کر
سرو سے قمری پھرے ہے بگڑی بگڑی باغ میں
فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
نہ چمن باغ میں مجکو نہ بہار آئے نظر
کشتۂ خنجرِ مژگاں ہوں کہ جس دم سوؤں
دوش بدوش دوش تھا مجسے بتِ کرشمہ کوش
غازہ بروسی بلب پان بدہن حنا بکف
بل ہیں مریض وہ کرے دم میں شفا دے مجھے
منکر مے تھا شیخ کل آج یہ حال ہے کہ ہے

چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھکر
پریاں نہ اُتر آئیں پرستان سمجھ کر
کیا شگوفہ تو گیا سرو چراغاں چھوڑ کر
ہے نہ یارا ئے سخن اور نہ یارائے نظر
کیا نظر آئے کہ جب تو ہی نہ یار آئے نظر
کوئی کھینچے ہوئے سینے پہ کٹار آئے نظر
پردہ درِ خیام عقل رخنہ گرِ حریم ہوش
سلک درِ عدن لبِ طرۂ عنبریں بدوش
آہ وہ چشم مے پرست واہ وہ لعلِ بادہ نوش
جام بدست وخم بسر شیشہ ببر سبو بدوش

نچھوڑ زوجۂ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص

اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص

یاد تو حق کی تجھے یاد ہے پر یاد رہے
یاد دشوار ہے وہ یاد جو ہے یاد کا حق

گو مرچکا ہوں پر دلِ مضطر کے ہاتھ سے
میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

گر ہے دنیا کی طلب زاہدِ مکار سے مل
دیں سے ہے مطلوب تو اِس طالبِ دیدار سے مل

گر وفا چاہئے تو ہمسے وفادار سے مل
زر ہے درکار تو جا کر کسی زردار سے مل

ڈھونڈتے بہرِ شکم ہیں رات دن دولت کو ہم
یاں تو دوزخ کی پڑی ترسینگے واں جنت کو ہم

قیمتِ بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ
آج بے قیمت ہی لینگے جنسِ بے قیمت کو ہم

ق

زاہدا واحد ہے وہ وحدت میں اسکے شک نہیں
رازِ وحدت کیا سُنائیں تجھسے بے وحدت کو ہم

شعر یہ کندہ تھا اُس شیریں بیاں کی قبر پر
خوب روئے دیکھکر فرہاد کی تربت کو ہم

واہ واہ اے بادشاہِ عشق تیری منصفی
راحت اوروں کے لئے خدمت کو ہم محنت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور
اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

غم ساتھ ہو گیا گلی سے تیری
اِک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
گر عسس منع کرے اُسکا لہو پی جاؤں

میں تڑپتا ہوں غمِ عشق بتاں میں احساں
حکما فضلِ الٰہی خفقاں کہتے ہیں

خفا مت ہو مجھکو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر ہے آستانے بہت ہیں

مجھکو مت چھیڑو کہ سرتا بپا تاثیر ہوں
برق ہوں آہ سحر ہوں نالۂ شبگیر ہوں

سوالِ وصل پہ دیتا ہے شمع رو یہ جواب
دیا دِیا نہ دیا مجھ پہ کچھ یہ دَین نہیں

قطعہ

حکم والا ہو کہ یہ دلّی بھی پھر آباد ہو
یا علیؑ تم بن کوئی اِس شہر کا والی نہیں

یا گجر ہی صبح کا فرقت کی شب بجتا نہیں
یا کوئی اس شہر نا پرساں میں گھڑیالی نہیں

بس ترے آتے ہی مجھکو چین سا کچھ آگیا
اب وہ بے چینی وہ بیتابی وہ بےحالی نہیں

نالۂ آتش عناں ہے برق اسکو مت سمجھ
دودِ آہِ عاشقاں ہے یہ گھٹا کالی نہیں

دو ہی دن کے عشق میں احساں یہ صورت بنگئی
مُنہ پہ وہ رونق نہیں چہرہ پہ وہ لالی نہیں

اہلِ دیں ساہم جان کر بہرِ زیارت تھے گئے
عکس پروین دیکھ کر بولا وہ پرفن آب میں

جو سیہ روئے ازل ہیں وہ سپید اصلا نہوں
خریدار ایک قطرہ کا ہوں میں طوفانِ الفت سے

ترے دیدار کو جو چھوڑ کر قانع ہیں جنت پر
خدا محفوظ رکھے اِن بتوں سے اے مسلمانو

بنائے قصرِ عمر اپنی ڈھئی جاتی ہے یاں ہر دم
ہمارے لعلِ بختِ دل نہ لیویں گاہ یا قسمت

جگر کو دل کو مژدہ دے تو اے پیک اجل جا کر
چھیڑ تو دیکھو سُنا کر مجھے غیروں سے کہا

عشق ہی جسکو نہیں ہے اُسے ایمان نہیں
ہتھیلی پر ہے سر اور پاؤں اُس کوچے میں ہے اپنا

شکم پرور قیامت کو نہ بخشائیں تو میں جانوں
مسجد میں یاد آوے جو نامِ خدا وہ بت

فرطِ الفت سے یہ فرمایا ظفر نے احساں
عرض کی مینے کہ میں ذرہ ہوں اور تم خورشید

اور یہ اور عنایات گدا پر اپنے
دو بھی بوسہ مجھے یک ماہ میں اے ماہ ندو

جیوں میں کیونکہ خفا مجھسے آہ جب تم ہو
اُس سے پوچھے ہے جو احسانِ وفا پیشہ کبھی

حالِ دلِ حزیں جگرِ خستگاں بے رحم

حضرتِ احساں کو دیکھا ایک دنیا دار ہیں؛
کس نے پھینکی ہے بتوں کی میری چمرن آب میں

آ اگر ہے شبہ کچھ دھو دیکھ جا من آب میں
مگر جو لوگ دریا دل ہیں دریا مول لیتے ہیں

وہ دیں کو بیچتے ہیں اور دنیا مول لیتے ہیں
وہ بے ایمان یہ ہیں جو کہ ایماں مول لیتے ہیں

قصورِ عقل سے ہم قصر و ایواں مول لیتے ہیں
یہ مرجانے کی باتیں ہیں وہ مرجاں مول لیتے ہیں

کہ بہرِ سینۂ احساں وہ پیکاں مول لیتے ہیں
آج عاشق ہم کو صدقے کے لئے درکار ہیں

اپنے مذہب میں وہ کافر ہے مسلمان نہیں
خریدارِ محبت ہاتھ میں بیعانہ رکھتے ہیں

کہ دوزخ کے لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں
سر پٹکوں اس طرح سے کہ منبر کو توڑ دوں

قطعہ

"ہم تمہیں جانتے ہیں تم ہمیں کیا جانتے ہو"
فخر ذرہ ہے کہ ذرہ کو ذرا جانتے ہو

گرچہ اُستاد ہوں شاگرد تمہا جانتے ہو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ ندو

کہ میری زیست کے اے جانِ من سبب تم ہو
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

مینے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

جنت میں مجکو اُسکی گلے سے ہیں لے چلے — کیا جانئے کہ مجسے ہوا آہ کیا گناہ

آگ اِس دل لگی کو لگ جائے — دل لگی آگ بھڑکانے لگی

مہر جیتری سے ہے تری تفتہ جگری روزِ حشر — دامن صحرائے محشر اُسکا اِک رومال ہے

سرمۂ چشم بتاں کی کہوں کیا عجب ہے بھلی — گھر کے گھر کھو دئے اور آنکھوں میں گھر کرتا ہے

دکھایا زلف کا عالم تو بس یہ میرا عالم ہے — اساسِ صبر برہم ہے بنائے عقل درہم ہے

نہیں ہے خرمی زیرِ نگین تاجداراں بھی — اگر شاہجہاں یاں ہے برائے نام خرم[51] ہے

بوسہ لیا تو ہو کے خفا دلربا چلے — ہے ہے مزے کی بات ہے تم بیزا چلے

پیرِ مغاں کی یہ ہے کرامات ساقیا — یوں میکدے میں ساغر بدست و پا چلے

مرنے کے بعد آن کے گنو ہیں پڑیاں — لو آج اپنے کشتے کی منت بڑھا چلے

ذرا تو دم لے دم تیشۂ غم شیریں — کہ سانس لینے کی طاقت تو کوہکن میں رہے

مجکو مسجد سے نکالا تو بس اب لے یہ ثواب — زاہدا تو ہی بتا خانۂ خمار مجھے

نتہ ئی داغِ دل غمِ الفت میں مل گئی — دولت لکھی تھی جو مری قسمت میں مل گئی

دلدادہ تیرے سایۂ طوبیٰ میں ہیں کھڑے — قامت کی تیری داد قیامت میں مل گئی

قطعہ

اگر جنگل میں لٹ جائے تو کوئی کیا تعجب ہے — مگر تحقیق ہو تو چور کی مشکل رہائی ہے

مری تنخواہ لوٹی اِن لٹیروں نے حویلی[52] میں — بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دوہائی ہے

چین تجکو بھی نہو میرے ستانے والے — تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانے والے

بس خاکِ قدم دیجئے تکرار بہت کی — مٹی مری اِس خاک نے ہی خوار بہت کی

احسان

احسان) اِن کا نام نہیں معلوم - لکھنو کے رہنے والے اور مرثیہ گوئی میں مشہور تھے - نواب سعادت علی خاں اور نواب غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا - اُنکا ایک شعر دستیاب ہوا وہی لکھا جاتا ہے

[51] اسمیں لطف یہ ہے کہ شاہجہاں کا ایام شاہزادگی خرم نام تھا ۱۲

[52] قلعہ معلی دہلی کو عوام لال حویلی بھی کہتے تھے ۱۲

دل میں ہمارے تو ہے ہمیں دل عزیز ہے		مجنوں کو اپنی لیلی کا محمل عزیز ہے

احسان

(**احسان**) منشی احسان علیخاں احسان ولد منشی اکرام الدین علیخاں - سرکار رامپور کے قدیم متوسل اور وہاں کے سخن سنجوں میں ممتاز ہیں - ابتدائی عمر میں مولوی حسین شاہ بغدادی سے استفادہ کیا - عربی فارسی کی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی - آغازِ شباب سے طبیعت شعرگوئی پر مائل ہوئی - باوجودیکہ آپ خود ایک کہنہ مشق شاعر ہیں مگر پھر بھی حضرت داغ دہلوی کی قادر الکلامی اور سحر گفتاری کے قائل اور اُنکی شاگردی کا دم بھرتے ہیں - حضرت داغ کے قیام رامپور کے زمانہ میں اسقدر فیض اُٹھایا کہ فی زمانہ وہاں کے سخنوروں میں رتبۂ یگانگی حاصل ہے اپنے بلند نام اُستاد کی دلفریب اور دلگداز طرز کو پورا پورا اپنا یا اور نباہ رہے ہیں - زبان کی صفائی اور کلام کی دلبستگی کے لحاظ سے آپ نامی معاصرین پر فوق رکھتے ہیں اسوقت میں سن شریف ساٹھ برس کے قریب ہے - مشق سخن کمال کو پہنچی ہوئی ہے - آپکی ہمت عالی کچھ غزل ہی تک محدود نہیں بلکہ اکثر اصناف سخن پر قادر ہیں - خیال کی رسائی اور معاملہ کی بندش سخن فہموں کو اپنی طرف کھینچتی ہے امیر مرحوم اپنے تذکرۂ انتخاب یادگار میں انکے حالات اسطرح تحریر فرماتے ہیں کہ "اِن کو مجالس عزا میں سوزخوانی کا شوق ہے نوحہ اور سلام کہنے کا ذوق ہے - فکر اچھی ہے طبیعت ذکی ہے - نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہیں - اکثر انہیں کی صحبت میں رہتے ہیں" بہرحال اسوقت حضرت داغ دہلوی کے نامی تلامذہ میں آپ کا دم غنیمت ہے ۵

شور ماتم کیا ترانہ ہے مبارکباد کا		شاد کیوں ہوتے ہو سنکر غل مری فریاد کا

جلوۂ ہوش رُبا یار کا اچھا دیکھا	ہو گئے آپ تماشہ یہ تماشا دیکھا
ہم رہے آپ میں جبتک نہ وہ جلوہ دیکھا	ہوئے بیخود تو خدائی کا تماشا دیکھا
اُف رے بالیدگی قطرۂ اشکِ حسرت	آنکھ سے گرتے ہی ہمنے اسے دریا دیکھا
ذبح بہروں میں کیا کُند چُھری سے مجھکو	گھڑیوں پھر میرے تڑپنے کا تماشا دیکھا
بن گیا آئینہ میرے لئے سارا عالم	اُٹھ گئی آنکھ جدھر یار کا جلوہ دیکھا

قطعہ

لائی تاثیرِ محبت اُنہیں میت پہ مری — کھول کر بندِ کفن کے مرا چہرا دیکھا

مُنہ پہ مُنہ رکھ کے بصد رویہ رو کر بولے — پیار اخلاص وہ سب آپکا جھوٹا دیکھا

بے ملے چلدئے افسوس بڑی جلدی کی — میرے آنے کا بھی احسان نہ رستہ دیکھا

کیا ہی آرام سے نیند آئے اگر ایسا ہو — ہاتھ تکیہ کی جگہ ہو تہِ گردن اُن کا

سر جھکا لینے کا انداز بھی ہے قاتلِ خلق — تیغ و خنجر سے سوا ہے خمِ گردن اُن کا

عید سے بڑھکے خوشی آج ہی ہے دن بھر — صبح دیکھا تھا جو اُٹھکر رُخِ روشن اُن کا

جو نہ تھا ہمکو گوارا وہ گوارا ہو گیا — اس محبت کا بُرا ہو ظلم پیارا ہو گیا

غافل بُتوں سے کسی حال میں احساں نہ ہوا — مرتے مرتے بھی تو کمبخت مسلماں نہ ہوا

گھر میں اللہ کے واعظ سے نہ لو بو زردو — لے چلو اسکو اٹھا کر سرِ منبر باہر

بسم اللہ اُٹھیے کسئے کمر امتحان پر — آیا ہوں میں بھی کھیل کے آج اپنی جان پر

بازار میں بکیں تو ڈریں محتسب سے ہم — جو جا بکتے ہیں کرتے ہیں اپنے مکان پر

ضبطِ فغاں نکرتے اگر ہم شبِ فراق — ہوتا فلک زمیں پہ زمیں آسمان پر

اچھی کہی یہ شیخ نے دنیا کو چھوڑ دو — کیا اسکو ترک کرکے رہیں آسمان پر

کس کس مزے سے کھاتے ہیں ہم ہجر یار میں — وہ زہر جس کو کوئی نہ رکھے زبان پر

پینے گئے تھے یا اُسے سمجھانے شیخ جی — دیکھا تھا مے فروش کی بیٹھے دوکان پر

مطلع

تمہیں جانا ہے بیشک ہوں اسی تعزیر کے قابل — جگر ہے تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل

روکے ہوئے ہے چار طرف راہِ بیخودی — ہوش و حواس کہتے ہیں آئیں کدھر سے ہم

سمجھو تو کیا سمجھتے ہیں ہم تمکو جانِ جان — دیکھو تو دیکھتے ہیں تمہیں کس نظر سے ہم

دل کو بوسہ کے عوض دینے لگا میں تو کہا — دام کھوٹے نہ دو ہم مال کھرا دیتے ہیں

نہ پوچھیں آپ مجھسے مبتلا ہو کس پہ سچ کہہ دو — بتادوں جس پہ مرتا ہوں دکھا دوں جس پہ مائل ہوں

پی کے ہم بادۂ عرفاں کو اگر دیکھتے ہیں — جلوہ اپنا نظر آتا ہے جدھر دیکھتے ہیں

یہ اختر تیرا ہم اسے دور قمر دیکھتے ہیں
بے ہنر عیش میں ہیں اہل ہنر دیکھتے ہیں

قطعہ

پڑ گیا ہے ہمیں غم کھانے کا لپکا ایسا
رنج ہوتا ہے مسرت کو اگر دیکھتے ہیں

راہ وہ چلتے ہیں ہم لگتی ہے جس میں ٹھوکر
کام وہ کرتے ہیں ہم جس میں ضرر دیکھتے ہیں

قطعہ

عشقِ بتاں میں سود ہے اے دل زیاں نہیں
سر دے کے بھی ملے تو یہ سودا گراں نہیں

میں ہوں وہ جان جس کو نہیں احتیاجِ جسم
وہ جسم ہوں میں کچھ جسے پروائے جاں نہیں

میں وہ زیاں ہوں سود کا جس میں نہیں پتہ
وہ سُود ہوں میں نام کو جس میں زیاں نہیں

ہوں وہ خزاں بہار کی جس کو نہیں امید
میں وہ بہار ہوں جسے خوفِ خزاں نہیں

وہ درد ہوں کہ جس کی میسّر نہیں دوا
وہ حال ہوں جو قابلِ شرح و بیاں نہیں

کرتا تھا پہلے نفع بھی اکثر ہمیں ضرر
اب تو یہ حال ہے کہ زیاں بھی زیاں نہیں

یہ جھوٹ ہے خدا کو یہ بت جانتے نہیں
یہ خوب جانتے ہیں مگر مانتے نہیں ✤

اچھا ہے آپ ہم کو اگر جانتے نہیں
خوش رہئے ہم بھی آپ کو پہچانتے نہیں

تیری ضرور مانیں گے احسان بیٹھ بھی
یہ بت خدا رسول کی تو مانتے نہیں

آسماں ٹوٹ پڑے سر پہ مصیبت آئے
پر کسی بُت پہ الٰہی نہ طبیعت آئے

کیونکر اُسکی خبر ملے جب تک
آدمی بے خبر نہو جائے

کھا تو لیں ہجر میں مگر ڈر ہے
زہر قاتل شکر نہو جائے

قطعہ

کیوں نہ آئینہ سے ہو مجکو تنفر احساں
عیب یکتائی انساں میں لگا دیتا ہے

اِس سے بڑھکر نہیں آفاق میں مشرک کوئی
ایک کے دو یہی کمبخت بنا دیتا ہے

مجھ پہ دیتے ہیں غیر کو ترجیح ✤
اِس ستم کو ملاحظہ کیجیے

میں یہ کہتا ہوں نہ نکلے غمِ جاناں دل سے
دل یہ کہتا ہے کہ مشکل مری آساں ہو جائے

اُف رے بالیدگی اے دردِ محبت تیری
گر لگے پھانس کلیجے میں تو پیکاں ہو جائے

اُس کو یقیں ہے آکے میں زندہ نہ پاؤنگا
مُڑ مُڑ کے دیکھتا ہے مرا نامہ بر مجھے

کچھ عجب حال ہے جب سے اُسے دیکھا کیا ہے	ہم نہیں آپ میں احسان یہ تماشا کیا ہے

احسان

(**احسان**) حاجی احسان اللہ صاحب سوداگر ڈیرہ دون - اپنے آپ کو مرزا غالب مرحوم کا شاگرد بتاتے ہیں اشعار ذیل سے اُستاد شاگرد کے کلام کا موازنہ ہوسکتا ہے ۵

مینے کہا کہ غیر کے کوچے میں کیوں گئے	کہتے ہیں کس ڈھٹائی سے پھر تمکو کیا غرض
ٹوٹے گا رنگ تار کے زُنار کی طرح	کھینچا اگر خیال میں تصویر یار کو
نہ اتنا ہوسکا احباب سے افسوس اے احسان	کبھی جا کر ہمارے حال کی انکو خبر کرتے

احسان

(**احسان**) ابو الاعجاز منشی احسان علیخان خلف منشی قاسم علی شاہجہاں پوری - حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ سید جلال الدین بخاری کی نسل میں سے ہیں سنہ ۱۲۷۴ ہجری میں بمقام اونلا ضلع بریلی پیدا ہوئے - پھر انکے والدین شاہجہانپور چلے آئے اور یہیں مستقلاً سکونت اختیار کی - چنانچہ انکی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی - سولہ برس کی عمر میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی حافظ نثار احمد خاں تائب سے اصلاح لینی شروع کی - جب کچھ مشق بڑھی تو کسی سخنور کامل کی ضرورت محسوس ہونے لگی چنانچہ حکیم میر ضامن علی صاحب جلال سے جو اس زمانہ میں سرکار نواب کلب علیخاں مرحوم والی رامپور میں ملازم تھے استفادہ شروع کیا یہ سنہ ۱۸۸۰ء کا ذکر ہے - سنہ ۱۸۸۴ء میں بہ تلاشِ معاش گورکھپور پہونچے اور محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کر کے ۶ برس تک گرداوری - منصرمی اور پیشکاری کی خدمات انجام دیتے رہے - بالآخر سنہ ۱۸۹۰ء میں سند مختاری حاصل کر کے وطن آکر عدالت فوجداری و کلکٹری میں مختاری شروع کردی - اب یہی وجہ معاش ہے سنہ ۱۸۹۶ء میں گلدستہ ارمغان جاری کیا جو کئی سال تک جاری رہ کر بند ہوگیا - برسوں سے آپ کا کلام مشہور گلدستوں کی زینت کا موجب خیال کیا جاتا ہے - دیوان اول موسوم بہ خمکدۂ خیال سنہ ۱۸۹۳ء میں شایع ہوچکا ہے دوسرا دیوان بھی تیار ہے جس سے آپ کی پُرگوئی کا اندازہ ہوسکتا ہے - فی الحال اپنے وطن شاہجہاں پور کی تاریخ لکھ رہے ہیں فن تشبیہ میں ایک رسالہ موسوم بہ تشبیہ یار ارمغاں کے ہمراہ شائع ہوا کرتا تھا - وہ بھی آپ ہی کی

تصنیف تھا آپ اسوقت حضرت جلال لکھنوی کے شاگردوں میں اختصاص کا درجہ رکھتے اور شعرائے روہیلکھنڈ میں مستند مانے جاتے ہیں۔ نواح بریلی وشاہجہانپور کے نومشق شعرا اکثر آپ ہی سے مشورہ لیتے ہیں۔ آپکی بدولت اُس علاقہ میں حضرت جلال کا نام خوب چمک رہا ہے۔ عربی کی لیاقت بقدر ضرورت اور فارسی کی استعداد زبردست ہے۔ آپکے اشعار عیوب واسقام سے مبرا اور پاک ہوتے ہیں۔ بلندیٔ مضمون وشیرینیٔ زبان کلام میں دلچسپی پیدا کرتی ہیں طبیعت غزل گوئی کی طرف زیادہ مائل ہے گو چند قصیدے بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں اپنے اُستاد کے حکم سے نواب صاحب بہادر منگرول کی تعریف میں ایک قصیدہ مشتمل مناظرہ حسن وعشق نہایت نفیس و پُرمضمون لکھا جسکے صلہ میں چارسو روپیہ انعام پایا۔ آخر دسمبر ۱۸۹۱ء میں منگرول بھی تشریف لے گئے کئی برس ہوئے آپ دکن جا کر حضرت داغ مرحوم کے بھی شاگرد ہوئے تھے مین ہنگام اشاعت تذکرہ کلام وحالات موصول ہوئے۔ چنانچہ باختصار حال ضبط تحریر میں آیا اب دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اس کو نہ سوچئے کہ ستم یا کرم ہوا
خنجر اُٹھائیے سر تسلیم خم ہوا

دل کیا ہے جان بھی ہم صدقے کرینگے تیر
جو کچھ دیا ہے تو نے وہ سب ہل تیرا

تم سلامت رہو مٹجانے دو امیدوں کو
بات کیا تھی کہ جو افسوس تمنا ہوتا

کوئے جاناں سے نکلوائے گئے
وحشیوں کو خاک اُڑا کر کیا ملا

چھاتی سے لگی رہتی ہے تصویر ہمیشہ
جی سے تری صورت کو اُترنا نہیں آتا

سو جلوے ہر نگاہ میں ہیں وقت انتظار
آنکھوں کو پتلیوں نے تماشا دکھا دیا

روز آتے ہیں وہ دیکھنے کو میرا اضطراب
دردِ جگر نے مجکو تماشہ دکھا دیا

آنکھ ملتے ہی دلِ دردآشنا جاتا رہا
کیا کہیں کیا مل گیا آج اور کیا جاتا رہا

برسوں خرامِ ناز کی کھائی ہیں ٹھوکریں
مجکو مٹائے گا ستم روزگار کیا

پیار وہ آئینہ میں عکس کو اپنے کرکے
مجھسے کہتے ہیں بُرا ہوتا ہے آندل کا

روزِ جزا اسے گا ہماری سی کسطرح
فریب مہر و وفا اب بھی مرنیوالوں سے
کُھل گیا اک بات میں قفلِ دہن
انتہا بدنام ہونے کی یہ ہے
چتون سے اشارہ ہے یہی چینِ جبیں کا
چل گئی ناوکِ نگہ کس پر
آہِ سوزاں سے پھنک گیا عالم

وہ دل کہ جو بتوں کا طرفدار ہی رہا
وہی تو دل ہے ترا جو کسی پہ آ نہ سکا
یار کو مُنہ چوم کے گویا کیا
ہم نے رُسوائی کو بھی رسوا کیا
یوں چھین لو دلکو ہے عاشق نہ کہیں کا
کس کو آنکھیں اُٹھا کے دیکھ لیا
تم نے ہمکو جلا کے دیکھ لیا

وہ نیند کا وصل میں بہانہ وہ نیچی نظروں سے دیکھنا پھر
جو حسرتیں ہیں دل میں اُنہیں تم نکال دو

یہ کہتی ہے چشمِ نیم بستہ ابھی ہے باقی حجاب آدھا
رہنے دو اک نشان محبت کے داغ کا

مکتوب نہ آیا کوئی پیغام نہ آیا
مجھے پہلے تم اک نظر دیکھ لینا
تمہاری نگہ کے مدیے کھڑے ہیں
اُسکا بھی ہے رحم کہ ہمکو ستائے گا
تنہا نجانے پاؤ گے تم بزمِ غیر میں
اے رشک تو نے یہ بھی اجازت نہیں ہے
نجائے گی دل سے تمہاری محبت
پھر کیا مضطرب کسی نے ہمیں
ہاتھ رکھکر ہمارے دل پر وہ

لکھا میری تقدیر کا کچھ کام نہ آیا
جدھر جا رہا ہو پھر اُدھر دیکھ لینا
جوانی کا صدقہ ادھر دیکھ لینا
اُسکی بھی ہے صلح کہ آنکھیں لڑائے گا
ٹھہرے رہو کہ دل بھی مرا ساتھ جائیگا
سُنتے زبانِ غیر ہی سے ماجرائے دوست
کہ ہے جاں سے بڑھکے پیاری محبت
پھر نئی ہوگئی پُرانی چوٹ
کہتے ہیں ہوگئی اب اچھی چوٹ

خانۂ دل میں وہ کب رہتے ہیں مہماں کیطرح
لپٹا تو لے تڑپکر انہیں اے جوشِ تمنا
ہمکو یہ لطف بھی حاصل نہیں اُو تیرافگن

آئے ناوک کیطرح بیٹھے تو پیکاں کی طرح
سنتے ہیں بہت کچھ وہ برابر سے نکل کر
زخم ہنستا لبِ سوفار کا بوسہ لے کر

مہمان تو ہونے دو مرے گھر میں انہیں آج ۔ یہ دیکھنا ہے مجھکو وہ کل جاتے ہیں کیونکر
آنکھوں نے مری دل کو زخود رفتہ بنایا ۔ او شوخ یہ جادو ترے چل جاتے ہیں کیونکر
وہ کافر ہے نگہ جو یار کو سوگندِ قرآں پر ۔ سکھاتی ہے کبھی قائم نہ رہنا عہد و پیماں پر
مُنہ دکھانے کو کہا ہنسنے تو یہ بولا وہ بت ۔ آپ کیا ایمان لائے ہیں خدا کو دیکھکر
تیز ناقے کو لئے جاتا ہے کیوں اے ساربان ۔ خاک مجنوں کو ذرا آ لینے دے محمل کے پاس
کوچۂ یار میں مٹنا ہے تو پھر دیر ہے کیا ۔ تجکو سمجھائیں گے ہم اسے دلِ شیدا کب تک
دو گھڑی بیٹھ کے کہتے ہیں وہ وقتِ رخصت ۔ گھر کو ہم جاتے ہیں اب درد اُٹھے کا کب تک
خاک اُڑائیں بھی تو دیں گوشۂ داماں میں جگہ ۔ کبھی برباد نہو وہ جسے برباد کریں ❊

رہی برسوں دلِ حسرت نشاں میں ۔ محبت بھی عجب شے ہے جہاں میں
مجھے شرمِ گنہ زاہد کو نخوت ۔ وہ دوزخ میں رہے گا میں جناں میں
گھر میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں مرنے والے ۔ قتل ہونے کے لئے کوچۂ قاتل میں رہیں
بُرا سننے میں بھی ملتی ہے لذت ۔ مزہ ہے خوبرویوں کی زباں میں
قائل ہیں ہم تو اسے نگہِ منتظر ترے ۔ جالیں تار نکلے کسی کی نقاب میں
لڑتی ہیں اک زمانے کی تجھی سے آنکھیں ۔ بھروئے تو نے مئے عشق سے ساغر لاکھوں
مجھسے کہتا ہے وہ ظالم کہ بچائے رکھنا ۔ دل کو میں آنکھ ملاتے ہی اُڑا لیتا ہوں
بتادیں کہ ہم تمسے کیا چاہتے ہیں ۔ تلافیٔ جور و جفا چاہتے ہیں
آئے جگر و دل ترے تلووں کے تلے کیا ۔ پامال ہوئے جاتے ہیں نازوں کے پلے کیوں
گھر سے آئے تھے فقط عرض تمنا کیلئے ۔ آپ کیوں ہمسے خفا ہوتے ہیں لو جاتے ہیں
دلِ غیر کے حوصلے ہمکو دے دو ۔ وہاں سے تو آخر نکالے ہوئے ہیں

تری اُٹھتی جوانی نے دئیے ہیں داغ لاکھوں کو ۔ ہزاروں نقش اس اُبھرے ہوئے جوبن کے بیٹھے ہیں
کہتے ہیں وہ کہ دل کی تڑپ کا یقیں نہیں ۔ جب تک نہ اپنی آنکھ سے تڑپا کے دیکھ لوں

خدا نے حشر میں پوچھا ہمیں کو کہ اے شیخ
مزہ گناہ میں آیا کہ بے گناہی میں

اٹھائے ہاتھ جو مستوں نے ابر گھر آیا
کمی ہوئی نہ کبھی رحمتِ الٰہی میں

یوں تو تنہائی میں باتیں ہیں ہزار
اُنکے مُنہ پر کچھ کہا جاتا نہیں

اب ساتھ نہیں چھوڑتے ہشیار بڑے ہیں
وہ میرے برابر صفِ محشر میں کھڑے ہیں

اُس بت کی محبت میں سبھی ہو گئے کافر
گننے کے لئے ایک مسلمان ہمیں ہیں

بادہ خوارانِ محبت کا خدا ہے ساقی
خلد سے ساغرِ صہبائے طہور آتے ہیں

جی میں کیا سوچ رہے ہو سرِ تربت آکر
جسطرح چاہو مری خاک کو برباد کرو

اچھا ہے اِک زمانہ بتوں پر نثار ہو
انکو کسی کے مرنے کا تو اعتبار ہو

دونو جگر و دل مرے جلنے کو ہیں مہیا
پوچھوں نگہِ یار سے لیجائیگی کس کو

حال پر غیر کے جس لطف سے پیار آتا ہے
تم دکھا دو وہی اندازِ ترحم مجکو

یہ ہوا حضرتِ واعظ کی نصیحت کا اثر
توبہ کرنے سے بھی ہر مست نے کرلی توبہ

شیخ جی جھوٹ نہ بولو کہ خدا سنتا ہے
آپ کے سامنے مجھ رند نے کب کی توبہ

پارسائی مری اک دن سے زیادہ نہ رہی
جب کبھی صبح کو کی شام کو توڑی توبہ

تم اپنے وصل کے سائل کے منہ میں رکھ دو زباں
اگر یہ چاہتے ہو لاجواب ہو جائے

کہتا ہے سُن کے بیخبری کا گلہ وہ بت
تم کِسکو یاد تھے جو فراموش ہو گئے

میری الفت مدعی کا عشق دونو دیکھکر
فیصلہ کر دیجئے جھگڑا حق و باطل کا ہے

ایک ہی بار اسے فلک دیدے
جتنے صدمے ہیں میری قسمت کے

گئیں ہیں عرش تک آہیں نیازمندونکی
تو سُنی نہ تمہیں نے خدا کے بندونکی

ڈھونڈا بتوں میں ذاتِ خدا کو تمام عمر
اے شیخ مرتکب ہوئے ہم کس گناہ کے

معشوق سے ملے رہے ہم سے خفا رہے
مطلب ہی کے یہ حضرتِ دل آشنا رہے

شاد ہیں عیش خداداد سے قسمت والے
بے نصیبوں کی تمنا ہے تمنا کوئی

فتنہ سازی نگہ ہوش رُبا رہنے دے
آنکھ کے سامنے بیہوش پڑا رہنے دے

خدا کی شان کریمی کو پوچھے ہم سے کوئی
گنا ہگار بھی ٹھیرے تو بے گناہ رہے

ابھی نہیں ہے وصل کی شب یہ نہیں نہیں
کہنا مرا خدا کے لیئے مان جایئے

بے وجہ کب میں آج تصدق ہوں آپ پر
وہ کل کا ناز کل کی ادا جان جایئے

کہتے ہو کیا ہماری گلی میں ہے کون دفن
ٹھوکر لگا کے پوچھ لو کسکا مزار ہے

دلِ مضطر میں میرے پھانس بن بنکر کھٹکتی ہیں
تری پلکیں ہیں اے سفاک یا نوکیں ہیں نشتر کی

نہ پوچھو وصل کیا شے ہے کہ جسپر دم نکلتا ہے
یہ وہ آیا ہوا ارمان ہے جو کم نکلتا ہے

اُسکے آگے ہوش تو رہتا نہیں
کیا کہے جا کر یہ سامی دیکھیئے

کیوں اب گلی میں خاک اڑاتا نہیں کوئی
وہ تیرے گیسوؤں کے پریشان کیا ہوئے

ملا میں خاک میں تمنے ملا یا
ہوا نام وفا مجھسے کہ تم سے

(احسان) منشی شیخ احسان الٰہی خلف منشی محمد تاجر۔ ونوت۔ پنجاب ان کا اصلی وطن ہے فی الحال دہلی کے خوش باش لوگوں میں ہیں تجارت کا شغل ہے۔ پچاس سال کے قریب عمر ہے زندہ دل آدمی ہیں۔ اپنے والد سے اصلاح لیا کرتے تھے اب کچھ عرصہ سے شعر گوئی کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے ؂

تھا طوفِ حرم میں بھی ترے گھر کا تصور
کعبہ مری نظروں میں صنم خانۂ چیں تھا

خاکسترِ رقیب پہ روتے ہیں وہ کھڑے
جل جائیں کاش آپ ہی اپنی فغاں سے ہم

محو بیگانہ وحشی جان گئے ہیں شاید
آشنا یا نہ جواب جب مجھسے ملا کرتے ہیں

محتسب اور تو کچھ دینے کو یاں خاک نہیں
ہاں جو مرضی ہو تو اک جام پلا دیتے ہیں

خُسرو دادِ ستم داد و ندہے اور کسی کی
گر روا دیکھی وہ بت بیداد گر آئے

قابلیت بھی شرط ہے ورنہ
قطرہ قطرہ گہر ہو جائے

رندوں کا بھی دل خوش کیا قاضی کو بھی راضی
مے پی کے گئے مدرسہ اور توبہ کر آئے

(**احسان**) شاعرِ باکمال سخنورِ شیریں مقال صاحبزادہ محمد احسان اللہ خاں صاحب حقیقی ہمشیرزادہ و داماد عالیجناب نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر **خلیل** - والی حال ریاست ٹونک نواب احمد سعید خاں صاحب **عاشق** تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی کے شاگردوں میں نامور ہیں - مذاقِ سخن بہت اچھا ہے - عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جدت کے ساتھ طبیعت میں شوخی بھی ہے کلام بہت پُرلطف و مزیدار ہے اثنائے ترتیب تذکرہ میں آپ نے جو کلام ارسال فرمایا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

سمائے ہیں نگاہوں میں خدا جانے وہ کیا بنکر
کہ اُنکے شکوے تک بھی لب پہ آئے التجا بنکر

یہ آنکھیں کیوں نہیں ملتیں نگاہیں کیوں نہیں ملتیں
یہ کس کی آرزو پھرتی ہے آنکھوں میں حیا بنکر

مجھے تم چھوڑ بیٹھے غیر کو امید اب کیا ہو
کچھ اپنا ہی کیا نقصان تمنے بے وفا بنکر

وہ کہتے ہیں وفائیں لاکھ میرے حسن پر قرباں
ضرورت کیا مجھے میں کیا کروں گا باوفا بنکر

دکھائے گا تماشا دیکھنا کیا کیا تمھیں اک دن
جفاؤں پر ہمارا صبر تاثیرِ دعا بنکر

ظلم کرتے ہیں تو کچھ ظلم میں ایجاد کریں
کہہ سکیں جس کو نہ بیداد وہ بیداد کریں

قتل کر ڈالنا غصہ کو فرو ہونے دو
کہیں ایسا نہو پھر آپ مجھے یاد کریں

شکوۂ جور پہ کہتے ہیں کہ فریاد کرو
ہم نے فریاد کبھی کی ہو تو فریاد کریں

ہمیں منظور ہے گھٹ گھٹ کے قفس میں مرنا
کیا رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

سُن کے شکوہ کو کہا وہ بھی ہوئے اہلِ دل
کوئی منہ بھی نہ لگاتا تھا وہ دن یاد کریں

بارِ خاطر ہوں تو کیوں جائیں کسی محفل میں
خود بھی ناشاد ہوں اوروں کو بھی ناشاد کریں

تجربہ یہ ہوتا تو احسان نہ ہوتا شکوہ
اُسے ناشاد ہی سمجھو وہ جسے شاد کریں

پرسش کے جب مزے ہیں کہ ہو دل کو دل سے راہ
اور یُوں تو پوچھ لیتے ہیں غیروں کو گاہ گاہ

الفت کے لطف لطف میں پنہاں ہے زہرِ غم
اسکی خرابیوں پہ کسیکی نہیں نگاہ

دل پھٹ گیا ہے جب سے یہ میں نے سنا کہ وہ
غیروں کے پیچھے چھوڑتے ہیں مجھسے رسم و راہ

شکوہ پہ جور کے یہ کہا اِس کا کیا گلہ
یہ اپنی اپنی رسم ہے یہ اپنی اپنی راہ

پیغامِ غیر بن کے چلا آؤں کیا کروں
آنے کی آپ تک کوئی ملتی نہیں ہے راہ

واں تو یہ شوق ہے کہ ہر اک سے ہو چھیڑ چھاڑ
ایسوں سے حشر تک کبھی ہوتی نہیں ہے نباہ

اپنے تو آپ خیر سے برتاؤ دیکھئے
الزام مجھکو دیتے ہو پھر واہ واہ واہ

مینے تو خیر آپ کو بدنام کر دیا
اور دشمنوں نے خوب کیا نیکنام واہ

افسوس ہم تو کیا اُسے اپنی نہیں خبر
الفت میں جس کی حال یہ اپنا ہوا تباہ

شکووں سے اپنے آپ مجھے انفعال ہے
میری تو اُس کے سامنے ہوتی نہیں نگاہ

احسان اور ہی سے لگانا تھا دل تجھے
کمبخت کی وفا بھی تو اچھے سے واہ واہ

احسان

(احسان) محمد عبدالرحیم خاں دہلوی - نومشق شاعروں میں ہیں - آغا شاعر دہلوی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جائیے جائیے دل آپ ٹھہر جائے گا
میرے دل پر جو گزرنا ہے گزر جائے گا

نادان نہ پھنس دانہ کے لالچ میں خبردار
بلبل تجھے کیا دام دکھائی نہیں دیتا

سخت جاں ہوں کوئی آسان نہیں قتل مرا
پہلے وہ اپنے کلیجے کو تو فولاد کریں

مریضِ عشق مرتا ہے مسیحا بد
کوئی چارہ کوئی تدبیر ہوتی

آپڑے گیسو جو رخ پر تیرے بل کھاتے ہوئے
چاند پر دو سانپ دیکھے ہمنے لہراتے ہوئے

احسان

(احسان) میر احسان علی نام - مولانا حبیب الرحمن خاں بیدل کے شاگرد ہیں - حیدرآباد دکن میں قیام ہے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جس جگہ عشق نہ ہو حسن کی قیمت کیا ہو
کوئی یوسف کا فرشتوں میں خریدار نہ تھا

کسی گلرو کے پھندے میں پھنسا دل
منزلِ عشق میں جو رکھے قدم
ذرا بچ کے احسان رہنا بتوں سے

بڑی مشکل سے اب ہوگا رہا دل
چھوڑ دے ننگ و عار کی باتیں
کہ الفت نہیں انکی قہرِ خدا ہے

احسان

(احسان) مولوی محمد احسان حسن صاحب باشندہ چھپرا یہ - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ خلاصہ کلام ہے ؎

ہنستا ہی رہا بسمل مضطر تہِ خنجر
اُف تک نہیں لا یا وہ زباں پر تہِ خنجر

کیوں کر نہ لیا تیز اسے پہلے سے ظالم
تڑپا کیا جو بسمل مضطر تہِ خنجر

کچھ اپنی اداؤں سے بھی لے میرے لئے کام
آنے کی نہیں موت ستمگر تہِ خنجر

احسان

(احسان) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ رسول پور ضلع مظفر پور بہار کا - کلام سے طبیعت کی رنگینی اور زباں کی صفائی کے ساتھ روزمرہ کا لطف آشکار ہے ؎

ستم سہیں گے جفا سہینگے ہزار ذلت اُٹھائینگے ہم
سر اپنا دیدینگے تیرے در پر یہاں سے لیکن نہ جائینگے ہم

یہ چارہ گر تجھ سے آرزو ہے لگا نہ زخموں میں میرے مرہم
کبھی وہ سفاک جو ملے گا تو زخم اپنے دکھائینگے ہم

عدو جو بیٹھے ہیں گرد اُنکے ہیں سب پرانے اُٹھائی گیرے
جو وقت آئیگا امتحاں کا تو اُنکی چالیں دکھائینگے ہم

ہے رات برسات کی یہ ساقی لگا دے مُنہ سے جو کچھ ہو باقی
خبر ہے کیا وقت پھر مزے کا یہ پائینگے یا نہ پائینگے ہم

ہیں صرف قاصد کی باتیں احسان یقین اسپر کہاں ہے ہمکو
وہ دن بھی ہوگا کہ وصل کی شب گلے سے اُنکو لگائینگے ہم

احسن

(احسن) - محمد احسن یا احسن اللہ نام تھا - طبقہ اول کے شعرا میں آبرو وغیرہ کے ہمعصر تھے - اِنکی طبیعت میں ایہام پسندی بہت تھی - اپنے زمانے کی زبان کے موافق بندش کی چستی اور مضامین کی جدت بھی خاصی تھی - اِن کا مرتب دیوان نظر سے نہیں گزرا مگر پروفیسر آزاد نے جو ایک غزل اور چند شعر لکھے ہیں وہی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں - ۱۱۵۸ھ ہجری تک یہ زندہ و سلامت تھے

نازک کمر یہ اپنی کرتے ہو تم جو غرہ
موسی کمر نے تمکو فرعون سا بنایا

صبا کہیو اگر جاوے ہے تو اُس شوخ دلبر سوں (سے)
کہ کر کر قول پرسوں کا گیا برسوں ہوئے برسوں

غزل اس طرح سے کہتے بھی احسن تجھ سوں بن آوے (سے)
جواب اب آبرو کب کہہ سکے مضمون بہتر سوں (دنبال سے)

لام نستعلیق کا ہے اُس بتِ خوشخط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے سنوں اس لام کے (سے)

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ
کہ حُسنِ ماہرویاں عارضی ہے

آگ سی میرے دلکو لگتی ہے
جل گیا ہوں حنا کے ہاتھوں سے

احسن

(احسن) مرزا احسن علی۔ انکے نام میں ذرا اختلاف ہے۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں احسن قلی لکھا ہے۔ مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس تھے پہلے میر ضیاء الدین ضیا سے اصلاح لیا کرتے تھے پھر مرزا رفیع السودا کو اُستاد بنایا لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ کی سرکار میں بزمرہ شعرا داخل ہوئے مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر کے اشعار ظرافت آمیز ہوتے تھے اور یہ شخص پہلے خواجہ محمد یونس خاں کی خدمت میں رہا بعد ازاں نواب آصف الدولہ مرحوم کے ہاں چلا آیا ۱۲۱۵ھ میں کئی برس سے سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں کی رفاقت میں ایام زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے فن نظم میں اور فنوں سے زیادہ نام پیدا کیا۔ بہرحال حضرت احسن صاحب دیوان شاعر تھے۔ اِنکے کلام میں لطافت و فصاحت دونو مزے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

حُسن پر اپنے ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

ٹکڑے اُڑ جائینگے سینہ میں جگر کے احسن
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

یا رو وہ صنم کیوں نہ کرے کام خدا کا
رام اُسکا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل بے اِدھر نظر نہ لگا

رہی جو تن میں مری جان ٹک رمق باقی
لگا کے زخم کہا صیف کارگر نہ لگا +

اسی لئے تو میں تجھسے خفا ہوں اے احسن
گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

اشکِ گلگوں کو نہیں لعل و گُہر سے پیوند
یہ رکھے سنگ سے نسبت و جگر سے پیوند

یہ راہ ہے کہئے کہ ترے گھر تلک آتے
ہر گام پہ ہم بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر + +

جو دل گیا وہاں سو وہ مٹی میں مل گیا
تیری گلی میں خاک کروں جستجوئے دل

سجدہ گہ ہے خاکِ احسن اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اُسنے کسکے حسرت پابوس میں

کل جو اُس تُرکِ ستمگر نے دکھائیں آنکھیں
برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں

۲ رہ گئے خاک میں ہم پھر بھی تو اس ظالم نے	نہ ملائیں نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں
دو بس دوں کسکو نہیں اسمیں کسی کی تقصیر	آفتیں دل پہ مرے ہیں یہی لائیں آنکھیں
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنے نکیجو نرگس	آنکھیں کھل جائینگی جب اُسنے دکھائیں آنکھیں
بزم میں اُسکی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی +	دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہو +

گیا دل جو کوچہ میں جبینِ جبیں کے	نہ پھر واں سے نکلا عجب سرزمیں ہے
قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر	کہا مان میرا - یہ گھر دل نشیں ہے
نہ کھینچ آسمان پر سر اپنا تو احسن +	سمجھ آخرش سب کا مدفن زمیں ہے
تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے	بات یہ بھی ہے کوئی آپکے فرمانے کی

احسن (**احسن**) احسن خاں نام - قوم سے افغان اور شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے علمی فضیلت اور خداداد استعداد سے کامل بہرہ رکھتے تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق کی ترتیب کے وقت تک جوان اور زندہ موجود تھے اُنکے دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ٥

بتاں کی سرد مہری کی بیاں کیا کیجئے صورت	ہمارے اشک بھی افسردگی سے مثلِ ژالہ ہیں
سیاہ دردکے چہرے ہیں داخل دفتر دلمیں	نظر کر عشق کی دولت سے کیا صاحب رسالہ ہیں

احسن (**احسن**) صاحب عالم و عالمیاں شاہزادہ مرزا احسن بخت خلف الرشید شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - آپ سلطنت کی برہمی کے بعد مخالفتِ روزگار و نامساعدتِ زمانۂ ناہنجار سے قلعۂ دہلی کی سکونت ترک کر اول چند روز بارادۂ ملک گیری از راہ اُولو العزمی راجپوتانہ و چتوڑ میں گشت لگاتے رہے پھر بدیں امید عازم کابل ہوئے کہ شاہ تیمور کی اعانت سے موروثی ملک کو فتح کریں - مگر شوئی طالع سے کوئی کام حسب مراد نہ بنا - بڑے عالی حوصلہ سیر چشم - باذل - اور نہایت شجاع و جری تھے - فنون شمشیرزنی و سپہ گری میں کامل مہارت رکھتے تھے - موزونی طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی فکر سخن بھی فرماتے تھے - نومشقی کا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا وہی تبرکاً درج تذکرہ ہوتا ہے - صاحب زبان تھے عاشقانہ مضامین کی جان تھے ٥

یاد ہے گلعذار کی صورت
گُل ہے نظروں میں خار کی صورت

فرقت میں اُسکی یارب کھینچیں ہم آہ کب تک
آنکھیں تو تھک گئی ہیں دیکھیں گے راہ کب تک
گھر سے نکل کے باہر اپنے ذرا تو آؤ
در پر کھڑا رہے گا یہ بے گناہ کب تک
دن رات میں ہزاروں کرتے ہو بد خلافی
احسن تمھارا پیارے بخشے گناہ کب تک

بوسہ میں اسکے یوں گا کہا کر نہیں نہیں
مانوں گا میں نہیں تو پڑا کر نہیں نہیں
ساقی قسم ہے تجکو کہ دینے میں جام کے
سب پر نہیں ہُوا کرے ہم پر نہیں نہیں
پروا کچھ نہیں ہے ہمیں گھر کی دوستو
کوچہ سلامت اُس کا رہے گھر نہیں نہیں
احسن کو دیکھ اسکے چھٹتا ہے کس طرح
کیسی نہیں نہیں نہیں کیونکر نہیں نہیں

دوستو گرچہ غم نہ کھانے دو
لیکن آنسو تو ٹک بہانے دو
زندگانی نہو گی بن دیکھے
تجکو کوچے میں اُسکے جانے دو
اے رقیبو خدا سے ڈر کے ذرا
یار کو میرے پاس آنے دو
ہاتھ مت پکڑو کوئی قاتل کا
اُس کو تلوار تم لگانے دو
منع مت کیجو میرے اشکوں کو
گھر رقیبوں کے سب ڈوبانے دو
اپنے معشوق سے ملو احسن
پڑے لوگوں کو غل مچانے دو

مجسے وحشی کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اے مصوّر صورتِ دلگیر کھینچا چاہیے
سب یہ کہتے ہیں کہ اس سودا زدہ کے پاؤں میں
مست ہاتھی کی طرح زنجیر کھینچا چاہیے
اُس کماں ابرو سے بیٹھا ملکے گوشہ میں رقیب
آہ پہلو سے مرے یہ تیر کھینچا چاہیے

جب گذر جی میں بار جاتا ہے
دل سے صبر و قرار جاتا ہے
تیغ ابرو سے وہ مرا قاتل
ایک عالم کو مار جاتا ہے
یاد میں تیری زلف و رُخ کے سدا
مجکو لیل و نہار جاتا ہے

(احسن) حسین علی خاں خواجہ سرا مخاطب بہ احسن الدولہ۔ شاگرد محمد رضا برق۔ لکھنؤ کے

رہنے والے اور سرکار واجد علی شاہ کے متوسل تھے۔ ایک دفعہ کلکتے میں بھی گئے تھے۔ مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے انکو وہیں دیکھا۔ اُنکا قول ہے کہ مولف تذکرۂ سراپا سخن نے ان کا تخلص حصین لکھا ہے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

صنم کی آنکھوں کے ڈوروں کی خلق بسمل ہے
عبث میں رکھتی ہے تلوار کا اثر رگِ سنگ

صنم کو دیکھ کے پتھر اگئیں مری آنکھیں
عجب نہیں ہے جو ہو رشتۂ نظر رگِ سنگ

بتوں کے ہجر میں وہ سخت جاں ہوں عالم میں
بجا ہے رشتۂ جاں کو کہوں اگر رگِ سنگ

احسن

(احسن) حکیم مظہر حسن خاں ولد حکیم محمد مجتبیٰ خاں باشندۂ رام پور۔ خطِ نستعلیق میں کامل اور ہفت قلم ہیں۔ فنِ سخن میں منشی مظفر علی اسیر سے استفادہ کیا ہے ابتدائے شوق میں مرزا غالب کو بھی چند غزلیں دکھائی تھیں۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ طب میں قرابادین مختصر تحریر فرمائی اور عروضِ سیفی کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں ایک رسالہ موسوم بہ خورشیدِ آفاق بھی جاری کیا تھا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار مولفہ امیر مینائی مرحوم کی ترتیب کے وقت انکی عمر چھبیس برس کی تھی۔ کلام حاضر ہے ؎

یا رب ہوئی ہے عمر اسی شغل میں بسر
کوثر پہ اہتمام ہو مجھ بادہ خوار کا

خدا کے واسطے گیسو ہٹا دے اپنے چہرے سے
ارے ظالم نکر رتبہ برابر کفر و ایماں کا

نامہربانیوں پہ تو مرتا ہے اک جہاں
کہئے کہ کیا غضب ہو اگر مہرباں ہوں آپ

بات کرنے میں تو شرماتے ہو
ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ

کبھی زندہ کبھی مردہ ہیں جب سے تیری فرقت ہے
قیامت ایک سنتے تھے یہاں ہر دم قیامت ہے

ایک ہیں غیر کہ رہتے ہیں وفا پر ناخوش
ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی ترے شاد رہے

ہر دم ہے جانکنی ترے عاشق کے واسطے
کہتے ہیں جس کو مرگ غمِ انتظار ہے

پیشِ نگاہ چہرۂ پُرنورِ یار ہے
موسیٰ ہیں ہم یہ جلوۂ پروردگار ہے

ؔ۱ بصاد مہلہ۔ محکم و استوار نیز یعنی قید خانہ ۱۲

ہائے کب تک میں کروں پاسِ دماغ نازک
اتنا تو میرے عشق نے آخر اثر کیا
مے پی ہے رات محفلِ اعدا میں ضرور
آنکھیں اُٹھا کے دیکھ لِلّٰہ اک نظر

ضبط کی قید میں کب تک مری فریاد رہے
مضطر ہوں میں یہاں وہ وہاں بیقرار رہے
اب تک تمہاری آنکھوں سے ظاہر خمار ہے
بندہ بھی چشمِ لطف کا امیدوار رہے

احسن

(احسن) حکیم محمد احسن خاں احسن دہلوی خلف حکیم محمد محسن خاں صاحب مغفور - دہلی کے نامور اطبا میں سے تھے - اور میرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم کے شاگردوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے - عین جوانی بلکہ عنفوان شباب میں ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا - ہنگام ترتیبِ تذکرہ کچھ کلام اُنکے ایک عزیز نے عنایت کیا درج تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

بے سبب آہ نے آتش سے کیا عرش پہ فرش
مجھ پہ مت ظلم روا رکھ کہ بچے گا پھر کون
لامکاں تک ہے رسائی خیالات مری
قدم یار ہے یہ جائے ادب اے احسن
سوجھتا کچھ نہیں جز عارضِ جاناں مجکو
کیا خبر لیوے ہماری کہ وہ ماہِ کنعاں
لے کے ہر ذرہ سے خورشید جہاں تاب تلک
جان پر کھیل چکے ہم تو کبھی کے لیکن
اُن سے پوچھا کہ ہمیں داغ دئے کیوں اتنے
ناتوانی سے یہ عالم ہے کہ ہیں اور نہیں
ظلم کرا اور کہو وجہ تسلی کچھ تو
اُس پریوش سے عجب عیش اُڑاتے احسن

خانۂ غیر جلاتی تو یہ تھا عرش پہ فرش
چادر اشک سے گریہ ہوا عرش پہ فرش
کہ بچھاتا ہوں میں ہر روز نیا عرش پہ فرش
کہ مناسب نہیں جز نور خدا عرش پہ فرش
اُسکے جلوے نے کیا اور بھی حیراں مجکو
خود نظر آئے ہے محبوسِ زنخداں ہمکو
وہی اک جلوہ ہے ہر جائی نمایاں ہمکو
عشق کہتا ہے ابھی طفلِ دبستاں ہمکو
تو کہا چاہئے اک تازہ گلستاں ہمکو
دیکھیں اب روکے گا کیونکر ترا درباں ہمکو
لذت ظلم کا ہے شوق فراواں ہمکو
بھر چند سے ہی خدا کردے سلیماں ہمکو

احسن

(احسن) مولوی محمد احسن خلف محمد احمد - بزرگوں کا وطن بلگرام تھا مگر آپ صفی پور ۱۲۹۴ھ میں

پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - اٹھارہ برس کی عمر میں تکمیل علوم کے لیے لکھنؤ گئے - مولوی احسان اللہ ممتاز اور مولوی گل محمد خاں ناطق کلانی کے شاگرد رشید اور خود نظم و نثر فارسی میں یگانۂ عصر ہیں سنہ ۱۲۹۴ھ تک حیدرآباد میں نواب سر سالار جنگ کی سرکار میں متوسل رہے پھر حسب الطلب نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھوپال آکر اُنکے صاحبزادوں کی اتالیقی کے منصب پر مامور ہوئے - صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں - کارنامۂ فرہنگ - آئینۂ حسن - صحیفۂ شاہجہانی - لغت شاہجہانی - تحفۂ صدیقیہ و مصطلحات شاہجہانی وغیرہ بہت سے رسالے آپکی تصنیف سے ہیں - فارسی میں اکثر اور ریختہ میں گاہے گاہے فکرِ سخن کا اتفاق ہوتا ہے ؎

اثر دیکھو شہیدانِ محبت کی تواضع کا	نکلتا ہے مرے سینہ سے تیر اسکا کماں ہوکر
تن کا یہ نقشہ کہ ہل سکتا نہیں جوں نقش پا	دل کی وہ حالت کہ سو سو بار نکلا جائے ہے
گمانِ ذوقِ کرم تو نکر خدا کے لئے	وفا میں کرتا ہوں ظالم تری جفا کے لئے
وہاں بھی ناز سے تم میرا خوں بہا دینا	کروں میں حشر میں دعویٰ جو خوں بہا کے لئے
دیر تک ٹھیرے وہ پس کشتن	بدگمانی کا مجھ پہ احساں ہے

احسن

(احسن) سخنور باکمال سید مہدی حسن لکھنوی نبیرۂ حکیم نواب مرزا شوق صاحب مثنوی بہارِ عشق و زہرِ عشق آپکے نانا حکیم آغا حسن صاحب آزل بھی ایک مشہور شاعر تھے ایک عالی دماغ سخن گو ہیں جنہوں نے زمانے کی ضرورت پر نظر فرماکر ڈراما نویسی پر توجہ فرمائی - اور اس رنگ میں بڑی کامیابی و شہرت حاصل کی - ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی (نیو الفریڈ بمبئی) آپ کی معقول قدر کرتی ہے - طبیعت ایسی رسا ہے کہ زبان کی صفائی و محاورے کی پابندی کے ساتھ موسیقی کی خوش آیندہ و خاطر فریب دُھنوں میں بڑی خوبی سے ہر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرتے ہیں - اس فن میں ترقی کرنے کے علاوہ آپ نے غزل گوئی میں بھی عاشقانہ راز و نیاز کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں کو خوبی سے نباہا ہے - اشعار ولولہ انگیز و دل نشین و معنی خیز ہوتے ہیں - آپکی تصنیف سے متعدد ناٹک مشہور و مقبول ہوچکے ہیں کمپنی کے تعلق کیوجہ سے آپ اکثر اقطاع و جوانب ہندوستان

کی سیاحت فرما چکے ہیں اور اکثر بڑے بڑے شہروں کی مجالس شعر و سخن میں شریک ہوئے ہیں۔ مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں آپ نے مہارت بہم پہنچائی ہے۔ جس سے اہل مجلس بہت کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ شاعری اور معاملہ بندی آپ کا خاندانی جوہر ہے لکھنؤ کے اکثر خاندانی اساتذہ سے آپ کو قرابت حاصل ہے۔ عرصہ سے حضرت انیس کی سوانح عمری لکھنے کا بھی ارادہ کر رہے ہیں اس زمانے میں آپ کی قدر اچھے اچھے اُستادوں سے بڑھ کر ہو رہی ہے یہاں بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

لذت درد کی مشتاق رہی جانِ حزیں — دل کا دشمن تھا وہ ناوک جو دل آزار نہ تھا

کہانتک روئے گا اے مرنے والے جینے والوں کو — کچھ اپنی فکر کر تجکو برائے غم سے کیا مطلب

ملے جو خاک میں ان پر فشار ہوتے ہیں — زمیں کے دل میں بھی کیا کیا غبار ہوتے ہیں

دامنِ دشت ہو غربت میں کفن بعدِ فنا — ہر بگولا مری میت کو اُٹھانے آئے

خوں بہا فرہاد کا خسرو کی گردن پر رہا — جانِ شیریں تو فقط اُجرت تھی جوئے شیر کی

ہے یہ حسرت کہ وہ دریافت کریں اور میں کہوں — اے مرے پوچھنے والے مرا حال اچھا ہے

زینتِ دامنِ قاتل ہیں لہو کے آنسو — دلِ خوں گشتۂ عاشق کا مآل اچھا ہے

پروانوں نے سکھائی طرزِ وفا جہاں کو — انجام عشق یہ ہے مرجائے کوئی جل کے

راحت پسند منعم راحت رساں نہیں ہے — اوروں کا رہنما ہو پہلے چراغ جل کے

شمع کو دیکھ میرے دل کے جلانے والے — آپ ہی جل بجھے غیروں کے جلانے والے

حسرت اے قاتل لہو مجھ میں نہیں — خون کی پیاسی تری تلوار ہے

لو اُلٹتے ہیں وہ چہرے سے نقاب
تم ملے ساری خدائی مل گئی
اِن جفاؤں پہ وفا کوئی کرے مشکل ہے
راہ چلتی ترے کوچے میں بہت مشکل ہے

امتحانِ طالبِ دیدار ہے
جس کے تم ہو اُسکو کیا درکار ہے
یہ ہمارا ہی کلیجہ یہ ہمارا دل ہے
کیا رکھوں پاؤں کہ اک اک قدم پر دل ہے

بے ترے سیرِ چمن ہے مجھے اندوہ فزا	خندۂ گل میں بھی آوازِ شکستِ دل ہے
اثرِ عشق نہ تجھ پر ہو یہ ممکن ہی نہیں	گو ترے بس میں ہے پھر بھی یہ بہالدِل ہے
ہے شبِ ہجر مرے گھر میں عجب سناٹا	کہ سرِ شام سے خاموش چراغِ دل ہے
پیش ہے دعویٰ خوں گرم ہے ہنگامۂ حشر	اک تماشہ ہے ادہر ہم ہیں اُدہر قاتل ہے
وہ گلے ملکے چلے ختم ہوئی وصل کی رات	شمع خاموش ہے بجھنے کو چراغِ دل ہے
دم تو لینے دے کمانکش ستم پے در پے	کوئی پتھر نہیں ظالم یہ بشر کا دل ہے
زندگی اپنی سمجھتے ہیں جو مرتا عاشق	آبِ شمشیر میں کیا آبِ بقا شامل ہے
لذتِ درد کو ہم سے کوئی پوچھے احسن	اللہ اللہ کہ ہر عضوِ بدن اک دل ہے
رشک سے داغ کو جو جا ہیں کہیں لوگ احسن	ورنہ سب دل ہیں سمجھتے ہیں کہ کیا دل ہے

احسن　**احسن**) مولوی محمد احسن ولد مولوی حسن بخش باشندہ کاکوری مقیم قصبہ مین پوری ان کا زیادہ حال معلوم نہیں ہے

تجھ سے دشمن کو دوست سمجھا	دل نے مرے ساتھ دشمنی کی
خالِ ابرو نے مار ڈالا	کعبے والوں نے رہزنی کی
جی بھی نکلا تو وائے حسرت	نکلی حسرت نہ اپنے جی کی
احسن کیوں چپ ہو کسی ہے یاد	کچھ ہم سے کہو تو اپنے جی کی

احسن　**احسن**) سید علی احسن خلف حاجی سید مجتبیٰ متخلص بہ **حسن** قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے پیرزادوں میں ایک طبیعت دار آدمی ہیں فارسی اچھی جانتے ہیں اور عربی بقدر ضرورت شوال ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے صغر سنی سے شعر گوئی کا شوق ہو گیا ۱۸۹۶ء میں ایک گلدستہ موسوم بہ **ریاضِ سخن** جاری کیا تھا جو نواب ابراہیم علیخاں صاحب **خلیل** والئ ریاست ٹونک کے حضور تک کسی وسیلے سے پہنچا۔ جس پر ایک ہزار روپیہ نقد اور آیندہ امداد کا وعدہ ہوا چنانچہ اسی وجہ سے ریاضِ سخن کا نام **ریاضِ خلیل** رکھا گیا مگر وہ امداد ان تک نہ پہنچی جسکے باعث رسالہ بند کرنا پڑا۔

اِس وقت میاں احسن فرصت پاکر حضرت داغ کی خدمت میں حیدرآباد میں تعلق ہو جانے کی امید پر حاضر ہوئے وہاں رہ کر داغ مرحوم کی سوانح عمری موسوم بہ **جلوۂ داغ** شائع کی اور ترغیب دلاکر ایک کتاب **فصیح اللغات** محاوراتِ داغ کے متعلق اپنے نام سے لکھنی شروع کی۔ نواب فصیح الملک داغ آپ پر بہت مہربان تھے ۱۹۰۳ء میں میاں احسن وہاں سے چلے آئے اور حضرتِ داغ کا انتقال ہو گیا۔ تلاشِ معاش کی فکر میں لاہور پہنچے اور راقم تذکرہ کے پاس تیس روپیہ ماہوار پر ملازم ہوئے۔ تین چار مہینے کے بعد قطع تعلق کر کے مطبع مفید عام میں نوکر ہو گئے۔ پھر اِس سے بھی کنارہ کشی اختیار کر کے وطن چلے گئے۔

قیامِ لاہور کے زمانہ میں **فصیح الملک** کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور انکا آخری نامکمل دیوان یادگارِ داغ شائع کیا۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

ظالم کچھ تو ہی رحم کھا کر	مظلوم کے واسطے دعا کر
اُدھر ظرفِ وضو ہے اور زاہد	اِدھر جام و سبو ہے اور میں ہوں
وہ کہتے ہیں کہاں جاتا ہے احسن	ٹھہر جا آج تو ہے اور میں ہوں

اِک آگ سی لگی جاتی ہے دل اور جگر میں	کیا قوتِ برقی ہے محبت کی نظر میں
تھمتا ہی نہیں آنسوؤں کا جوش کسی دم	کیا بند سمندر ہے مرے دیدۂ تر میں
کیوں اور کسی چیز سے کرتا ہے اُسے بند	میں آنکھ ہی رکھ دوں نا ترے روزنِ در میں
باقی ہیں بعد مرگ بھی آثار ضعف کے	اُڑنے کی بھی سکت نہیں میرے غبار میں
نہ اذاں ہو نہ سحر ہو نہ گجر ہو شبِ وصل	کیا مزا ہو جو کسیکو نہ جگائے کوئی
پھرا وہ بُت تو ہمکو لگ گئی کو اپنے خالق سے	بنی رہبر رہِ تسلیم میں یہ بے رخی اچھی
لے پی چکا شراب سرور آگیا تجھے	ہاں شیخ حال حور کا اب تو سنا مجھے
بخوشی اے زاہدِ خشک اُسکی رحمت کا ادھر ہوگا	مری تر دامنی بہتر ہے تیری پارسائی سے
ہمارے پھول سے دلکو وہ ملتے ہیں مسلتے ہیں	کبھی دستِ حنائی سے کبھی پائے حنائی سے

ہمارا نام احسن ہے یہ ہمسے ہو نہیں سکتا
تمہارا ذکر احسن اور ہم کرتے برائی سے

حسرتوں کا خون میرے دل کی قربانی ہوئی
تب کہیں جا کر غمِ جاناں کی مہمانی ہوئی

سینکڑوں مانگنے والے ہیں یہ تنہا دل ہے
کس کو دوں کسکو نہ دوں ہائے بڑی مشکل ہے

غیر کے باب میں کیا آپ سے تکرار کریں
نہ کوئی اسکا نتیجہ ہے نہ کچھ حاصل ہے

دکھا کر ہر گھڑی تلوار تم دیتے ہو کیا دھمکی
ادھر او دشمن - جو ایسی ہی خوشی ہے میرے ماتم کی

قیامت ہے بھڑکنا آتشِ الفت کا سینہ میں
یہ چنگاری نہیں بجھتی اگر بجھی تو پھر چمکی

نہ پھریے بے نقاب اسطرح ڈریئے چشم بد بیں سے
کہ للچائی ہوئی پڑتی ہیں نظریں ایک عالم کی

کبھی دیکھا نہیں خوش تجکو رندوں کی طرح ناصح
ارے کمبخت پیدائش ہے کیا تیری محرم کی

بلا کا ہے یہ نظارہ دل اسمیں پھنس ہی جاتے ہیں
کھڑا ہونا کھُلے سر پھر ادائیں زلفِ پُرخم کی

جب اُن سے اور آئینہ سے برملا ہوئی
جتنی خودی سمائی تھی سر میں ہوا ہوئی

کیا ہی ستم ظریف ہے وہ شوخ چشم بھی
یہ پوچھتا ہے ہجر میں تکلیف کیا ہوئی +

ملنے کا لطف یہ ہے کہ وہ بولتے بھی کچھ
جب بات ہی نہ کی تو ملاقات کیا ہوئی

احسن

(احسن) منشی حافظ آغا جان دہلوی - خلف مرزا انور اللہ بیگ مرحوم کابلی دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی ہے کلام میں کوئی خاص دلچسپی نہیں پائی جاتی پُرگو ضرور ہیں ۵۴ برس کی عمر ہے کلام بھی ملاحظہ ہو

کہیں خندہ کہیں گریہ کہیں رحمت کہیں زحمت
تماشا گاہِ ہستی اک تماشہ ہے مداری کا

جوہرِ عقل نہ ہوتا تو نہ ہوتی کوئی فکر
ایک رہبر سے ہوئے سینکڑوں رہزن پیدا

گرد ہے آٹھ پہر ہائے عدو ایک نہ ایک
کسطرح ربط کرے یار سے احسن پیدا

ربط سے چاہئے اے شیخ کہ جنت میں شراب
دفعتہً تم جو پیو گے تمہیں اچھو ہو گا

رہائی میں اسیری کا مزہ ہم یاد کرتے ہیں
وہ بلبل ہیں تلاشِ خانۂ صیاد کرتے ہیں

ایسے ساقی کی نگہ پڑتی ہے مجھ پر احسن
جسکی ہیں غیرتِ صد ساغرِ صہبا آنکھیں

آسمان لے کے اسے سر پہ رکھے جائے ہلال
پھینک دے تو جو تراشوا کے زمیں پر ناخن

شرق پر غرب کو تفوّق ہے
دہلوی سر ہیں لکھنوی پا ہیں
قولِ فیصل یہ سُن لو احسن سے (ق)
گو کہ سب کچھ ہیں لکھنوی کیا ہیں

احسن

(احسن) مرزا احسن بخت گورگانی - مرزا صابر کے شاگرد اور مقیم بنارس ہیں - یہ انکا کلام ہے

یہ ضعف وقتِ شہادت ہے جسمِ لاغر پر
کہ خون چڑھ نہیں سکتا سرِ ستمگر پر
وہ سمجھا اپنی ہی تازِ نگاہ کا پرتو
نظر پڑی جو کسی کی تمہارے ساغر پر
غریب جان کے بلبل پہ ظلم کرتے ہیں
گلوں کو ناز ہے گلشن میں کسقدر زر پر

احسن

(احسن) میر باقر حسن دہلوی - زیادہ حال معلوم نہیں - دستیاب شدہ کلام حاضر ہے

اب آنہ کہ آہ خبر لے رقیب کی
ہاں دل جلا کے رہتے تو ہیں بے خبر سے آپ
شرم و حیا سے آپ کی نیچی نہیں نظر
جاتے ہیں کوئے غیر میں پائے نظر سے آپ
ہے لاگ برقِ آہ کو گھر سے رقیب کے
رہئے گا دُور دُور ذرا اُسکے گھر سے آپ
ہم بھی چلیں گے خرمنِ جاں پھونکتے ہوئے
برقِ ستم گرائیے چلیں گے جدھر سے آپ
شبِ وصال میں دشمن کی گفتگو کیا ہے
لیا ہے دل تو یہ پوچھو کہ آرزو کیا ہے
نہ خوں ہو دل ہی میں جس کا وہ آرزو کیا ہے
کٹے نہ تیغ سے خنجر سے وہ گلو کیا ہے
ذرا تو چاہیئے پاسِ ادب بھی عاشق کا
زباں کو روکو یہ کہنے ہو کیا کہ تُو کیا ہے
ہزار بار یہ دن بھر میں زاہدا ٹوٹے
ہماری توبہ کے آگے ترا وضو کیا ہے

احسن

(احسن) مولوی نظیر الحسن باشندہ دیوبند اِن کے والد وحشی تخلص کرتے ہیں - انہیں سے مشورۂ سخن کرتے ہیں

بتوں نے دل کے جلانے میں کچھ حذر نکیا
خدا کے گھر میں بھی رہ کر خدا کا ڈر نکیا
وہ مری لاش پہ آئے تو یوں لگے کہنے
اجل نے رحم کچھ اِس نوجوان پر نکیا
بتوں کے ظلم سے روتے ہو کس لئے احسن
کیا تھا عشق تو پتھر کا کیوں جگر نکیا

ہو جو منظور کہ اب ہوش میں آئے کوئی	لخلخۂ گیسوئے مشکیں کا سنگھائے کوئی
خوگر ہجر ہوا ہے دلِ بیتاب مرا	اب تو پروا نہیں آئے کہ نہ آئے کوئی

احسن

(**احسن**) میر گوہر علی احسن موسوی شاگرد حضرت داغ - حیدرآباد دکن کے رہنے والے ۲۶-۲۷ برس کے نوجوان ہیں - ابھی مشق سخن کی ابتدا ہے - انتخاباً چند شعر درج ہیں ۵

حالت دھری دیکھ کے کہتا ہے ہنسی سے	یہ شخص مقدر رہا دیوانہ کسیکا +
یہی ہے آرزو دل کی ہمارے	کہ زیر خنجر قاتل گلو ہو
زبان پر نام ہو تیرا مری جاں	دلِ پُر آرزو میں تو ہی تو ہو

احقر

(**احقر**) مرزا جواد علی قزلباش - انکے آبا و اجداد کا اصلی وطن خراسان تھا - احقر میر حسن دہلوی کے موقر شاگردوں میں تھے - ابتدائے عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ کربلائے معلی و نجف اشرف وغیرہ کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوئے تھے - سنہ ۱۷۹۳ء میں کہ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا بائیس برس کی عمر تھی اور لکھنؤ میں رہتے تھے - جوان حلیم الطبع و سلیم المزاج تھے چند بہم رسیدہ شعر لکھے جاتے ہیں جنسے طبیعت کی جودت کا حال ظاہر ہے +

۵

بزم میں اُسکی جو شب چاند کا مذکور چلا	اُٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بت مغرور چلا
ہو وے نصیب جلد کہیں وصل یار کا	احوال بے طرح ہے دلِ بیقرار کا
آنسو کی جگہ چشم میں لخت جگر آیا	دل کا مجھے احوال بُرا کچھ نظر آیا
بندہ ہوں ترا اے اثر آہ جگر سوز	صدقے سے ترے نالہ مرا کام کر آیا
مرے حق میں یہ بہتر ہے مجھے آرام ہو ویگا	وے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہو ویگا
احقر وہ بد معاملہ ہے بن لکھے پڑھے	تو نے جو دل دیا اُسے ناداں غلط کیا
کبھی دیدار بھی دکھائیے گا	یا یونہیں در بدر پھرائیے گا

احقر

(**احقر**) منشی محمد ملوک - عبد الجلیل سائل اور منشی فیض اللہ مکن پوری کے دوستوں میں

تھے - تذکرۂ شوق کی تیاری سے قبل انتقال کر چکے تھے - یہ دو شعر اُن کے نتائج افکار سے ہیں ؎

مت چھیڑ باغباں جو کوئی آگئی ہوا		ہم آپ ہی سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقت روا روی ہے اُٹھے قافلے کے لوگ		ساقی چلے پیالہ جہاں تک کہ بس چلے

احقر

(احقر) منشی سید غلام نبی دہلوی - عربی فارسی کے زبردست عالم اور ضروریات فن سے بخوبی ماہر تھے - فارسی شعرگوئی کی طرف توجہ زیادہ مائل تھی - احباب کے اصرار سے کبھی کبھی اُردو میں بھی کہنے کا اتفاق ہو جاتا تھا - ۱۲۷۰ھ میں حیات تھے انکے بیٹے سید آل نبی لائق تخلص کرتے تھے - انتخاب کلام موجود ہے ملاحظہ ہو ؎

نقاش نے قاتل کی جو تصویر کو کھینچا		ابرو کی جگہ پر دم شمشیر کو کھینچا
جس وقت فاتحہ کو اُٹھے دلربا کے ہاتھ		ماتم سے شل ہوئے سر اہل عزا کے ہاتھ
زور بازار جنوں ہے یوچھتے ہو حال کیا		کردیا شہری غزالوں نے بیابانی مجھے

احقر

(احقر) عالی جناب معلی القاب راجہ سری پرشاد بہادر سررشتہ دار افواج سرکار نظام حیدرآباد دکن - مشہور رؤسائے دکن میں تھے - راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ راجہ بنسی بہادر کالیتھ سکسینہ محبوب نواز ونت بہادر باقی مرحوم کے حقیقی برادرزادے اور لالہ خوب چند کے خلف اور خود بھی راجہ کے خطاب سے مفتخر تھے - منشی کھنو لال تائب لکھنوی کے شاگرد تھے - بعد وفات اپنے عم نامدار کے اُنکے علاقے کے مہتمم اور اپنے چچازاد بھائی کے سرپرست مقرر ہوئے - چند سال کا عرصہ ہوا کہ ۲۵ سال کی عمر میں بمقام مدراس انتقال فرمایا - اُنکا کلام بطور یادگار درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

اِنہیں نے لوٹ لیا دل مرا دکھا کے جھلک		اِدھر سے روز جو آنکھیں چُرائے جاتے ہیں
ہم تو تم پر جان دیں اور تم کرو غیروں کو پیار		بندہ پرور یہ ہماری خوبیٔ تقدیر ہے
کہیں لائے نہ خونِ بیگنہ رنگ		ہو تو لو تجھے بہر ڈالو آستیں سے

کرچکے تم قتل ہمکو ہوگیا اِسکا یقیں
خونِ عاشق کرنے سے جنکو نہ در آئے ذرا

آپ تھرا تے ہُو سر کاٹو گے کیا شمشیر سے
اے دل اُمیدِ وصال اور اُس جبیں پیر سے

احقر

(احقر) منشی احمد جان دہلوی تلمیذ مولانا عبدالرحمن راسخ دہلوی طبیعت شوخ پائی ہے اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ٥

سنگدل تم ہو تو میں بھی سخت جاں ہوں دیکھنا
مُنہ نہ پھر جائے تمہارے خنجرِ فولاد کا

کہتے ہیں یہ بھی ہماری آن ہے
میری آنکھوں سے دیکھے اے مجنوں
نہ سہی بوسہ گالیاں ہی سہی ✤
کسکی نظروں سے چاک ہے سینہ

آن میں خوش ہیں خفا ہیں آن میں
پردے اُٹھے ہوئے ہیں محمل کے
دام دلوایئے مرے دل کے
کسنے ٹکڑے اُڑائے ہیں دل کے

احقر

(احقر) سید محمد حسن باشندہ شمس آباد صوبہ اودھ۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی مرحوم بسبیلِ روزگار ریاست کوٹہ میں آجکل مقیم ہیں ٥

سلامت رہے گا نہ اب سر کسی کا
اشاروں سے وہ مانگنا میرا بوسہ
ذرا دیکھ کر ناز سے ہو خراماں
غیر تیرِ نظر کا لطف اُٹھائیں
نگہِ لطف سے مردوں کو جلایا تم نے

کہ ہوتا ہے پھر تیز خنجر کسی کا
وہ مُنہ پھیرنا ہائے ہنسکر کسیکا
نہ پس جائے دل او ستمگر کسی کا
ہم سے پھر جائے چشمِ یار افسوس
قم باذنی کا اثر تیرِ نظر رکھتے ہیں

احقر

ہشاؤ وصل میں رخسارِ انور سے دوپٹہ کو
چلو چلکر اُنھیں ہم لائیں ہاتھوں ہاتھ اے رندو
کہا اُس سے یہ میں نے اپنے دل کو ہاتھ میں لیکر
جواب اِس بات کا فوراً دیا اُس شوخ نے ہنسکر

قطعہ

دلِ مشتاق دیتا ہوں میں تمکو رونمائی میں ✤
سُنا ہے شیخ کعبہ چھوڑ کے میخانے آتے ہیں
بھلا بُوجھو تو ہم اک چیز مٹھی میں چھپاتے ہیں
تمہارے ہاتھ میں دل ہے کہو کیسا بتاتے ہیں

احقر

(احقر) نواب غوث محی الدین بہادر رئیس حیدرآباد دکن۔ مولانا حبیب الرحمان بیدل سے

مشورۂ سخن کرتے ہیں ابھی نو مشقی کا عالم ہے ؎

شکل پیاری ہے نگہ پیاری اشارے پیارے	تیرے جوبن ترے انداز ہیں سارے پیارے
جان جانے کو ہے آجاؤ خدارا اب بھی	دل میں ارمان رہے جاتے ہیں سارے پیارے
قتل غیروں کو کیا ہائے ہمارے ہوتے	مر گئے ہم فقط اس شرم کے مارے پیارے

احقر

(احقر) مولوی حافظ شاہ رحمت اللہ۔ مظفر پور بہار کے باشندے اور مدرسہ جامع العلوم کے بانی اور مہتمم ہیں۔ بچپن سے شاعری کا شوق رہا۔ چند غزلیں جناب تیر بنارسی کو دکھائیں۔ پھر حضرت داغ دہلوی سے رجوع لائے۔ مگر چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ اُنکا انتقال ہوگیا اب کسی سے مشورہ نہیں کرتے طبیعت میں شوخی ہے خیال معاملہ گوئی کیطرف دوڑتا ہے زبان بھی اچھی ہے نیچرل شاعری کی طرف طبیعت کا رجحان ہے۔ اب تقریباً ۳۶ برس کی عمر ہے کلام ملاحظہ ہو ؎

کہتے ہیں کیا رو رہے ہو دل گیا	ہم جو تم سے مل گئے سب مل گیا
اب لڑی بس اب لڑی اُن سے نظر	اب گیا بس ہاتھ سے اب دل گیا
آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا	آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج
اے بتو اس چار دن کے حُسن پر	یہ مزاج - اتنا مزاج - ایسا مزاج
بھلا ہو بیخودئ شوق تیرے صدقے میں	ہمیں غرا پنی خبر ہے نہ اب کسیکی خبر
زندگی میری محبت ہے تری	تجھ پہ مرتا ہوں تو جیتا ہوں میں
تیرے ملنے سے خدا ملتا ہے	سو کی اک بات یہ کہتا ہوں میں
یہاں وہ نہیں یاد ہاں وہ نہیں	حرم بتکدہ میں کہاں وہ نہیں
باغ میں تم آئے کلیاں کھل گئیں	عندلیبوں کی مرادیں مل گئیں
تم شبِ وعدہ نہ آئے جاؤ بھی	حسرتیں مٹی میں ساری مل گئیں
جب شبِ غم میں تڑپ کر آہ کی	آسماں کانپے زمینیں ہل گئیں
فرقت دلدار میں موت آگئی	نامرادوں کی مرادیں مل گئیں

سے مجبور ہوں واعظ ورنہ ہم تو کیسے ہی [illegible] ہوں میں

وقتِ آخر بھی نہ کچھ نکلی ہماری آرزو
رہ گئے منہ دیکھ کر جب حشر میں اُن سے کہا
دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے ساری آرزو
ہم ہوں شرمندہ یہی ہے کیا تمہاری آرزو

قیامت ہے کسی کمسن کا کہنا میری تربت پر
کیا ہو شکوۂ جور و جفا جس نے وہ کافر ہو
چلو اُٹھو ملو کیوں مجھ سے حق ناحق خفا تم ہو
کسی کے جھوٹ سچ کہنے پہ کیوں مجھ سے خفا تم ہو

وہ سر ہے ہے جس میں سودا ترا
محبت میں احقر کو سمجھائیں خاک
وہ دل ہے ترا جس میں ہو یاد کچھ
سمجھتا بھی ہو خانہ برباد کچھ

وہ کہتے ہیں سنتے پڑے ہیں ہزاروں
جفا کو وفا کہنے والے یہیں ہیں
بڑے اک تمہیں ہو وفا کرنے والے
تمہیں ہو وفا پر جفا کرنے والے

اِس گھڑی تم جاؤ کوئی بات ہے
ایک وہ لاکھ چاہنے والے
منہ برستا ہے اندھیری رات ہے
جان آفت میں پڑ گئی اُن کی

جتوں یہ کہہ رہی ہے کسی خورد سال کی
اچھا شباب آنے دو پھر دیکھنا مجھے

ساتھ میرے رہ کے لکھتے ہو بُرائی تم مری
کچھ مروت بھی کراماً کاتبیں آنکھوں نہیں ہے

نہ پڑے وقت کسی پر یارب
مجھ پہ تقدیر مری ہنستی ہے

احقر

(**احقر**) مرزا امیر الملک عرف مرزا بلاقی گورگانی دہلوی خلف مرزا الٰہی بخش آپ کے سلسلۂ نسب جہاندار شاہ بادشاہ تک پہنچتا ہے۔ سرکار انگلشیہ سے پانچ روپیہ ماہوار اور سرکار نظام سے سو روپیہ ماہوار منصب پاتے ہیں خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت کے باعث آپ کو سرکار سے کرسی نشینی کا اعزاز حاصل ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ بہت ہیں۔ فکرِ سخن کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اکثر فارسی غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں کبھی کبھی غزل گوئی کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے اگر طبیعت پر زور دیں تو اچھا کہنے لگیں۔ تلمذ کسی سے نہیں ہے۔ خلیق و ملنسار بزرگ ہیں مجالسِ سوز و سماع میں اکثر شامل ہوتے ہیں۔ اب ۵۶ برس کے قریب عمر اور دہلی میں رہائش ہے
انتخابِ کلام ملاحظہ ہو

اپنے پہ آپ ہو گئے کچھ مبتلا سے ہم +
اب مدعی سے بنے ہو مرے مدعا سے تم +

ہر آن دلستاں سے ہر اک بات دلربا
گویا ادا تمہیں سے ہے اور ہو ادا سے تم

سمجھو عزیز ہمکو اگر حسن سے ہے عزیز
یونہیں سبنے رہو گے ہماری دعا سے تم

مایوس زیست سے ہے تمہارا مسیح بھی
بیمار ہو گے آتے ہو دار الشفا سے تم

سمجھے تھے اُسکے کوچے کو احقر دوائے ہجر
لے آئے اُلٹا اور مرض اس دوا سے تم

قطعہ

سینے کہا کہ دیکھ لو اک بار اور پھر
نیچی نگہ سے کہدیا مجھکو کہ جائیے +

آئے ہیں اتفاق سے ہم پھر ادھر کہاں
بس وہ بھی ایک بات تھی آنکھوں پہ ہر کہاں

یہی گر ضعف کی حالت رہیگی تو جی کی رہی جی میں
نکلنے کی بھی اب حالت نہیں ہے میرے ارماں میں

نہیں کھینچا لگا کر تیر کچھ بہتان سے ہے تجھ پر
نہیں ہے دل جو پہلو میں تو ہو گا تیرے پیکاں میں

بہا جاتا ہے عالم ایک جوشِ گریہ سے میرے
سما جانا ترا ہی کام تھا اس چشمِ گریاں میں

نہیں کر دو جوابِ وصل میں تا جاں نکل جائے
جئیں کب تک تمہاری روز کی ہوں ہوں میں ہاں ہاں میں

(احقر) سید یعقوب علی دہلوی ۱۲۸۰ھ میں حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہے

نہ توڑا اے بت آئینۂ دل کو میرے
کہ پھر جوڑنا اسکا آساں نہیں ہے

یہ ارماں ہے اک دن کہوں یہ بھی یارب
میرے دل میں اب کوئی ارماں نہیں ہے

قدم راہ الفت میں رکھنا ہے مشکل
خضر یہ رہِ آبِ حیواں نہیں ہے

(احمد) اِن کا نام تحقیق نہیں ہُوا غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے۔ گجرات کے رہنے والے تھے۔ مرزا علی ابراہیم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت احمد ولی دکنی کے ہم عہد اور ہم وطن تھے۔ زبان سنسکرت اور برج بھاکا سے بخوبی واقف تھے۔ کبھی کبھی اُس زمانے کی زبان کے موافق ریختی میں بھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے۔ اُنکے تین شعر مسٹر الیف فیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں لکھے ہیں جنمیں صرف ردیف ہندی ہے ایک شعر وہاں سے اور دو تذکرۂ شوق سے منتخب ہو کر درج کئے جاتے ہیں ؎

گر بیضۂ زاغے کسے در زیر سیمرغ نہد	از اصل خود تاید بروں آخر گلیلا ہوسے پر[1]
ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے	نیا ئی راہ دانش میں خرد شاں بیخبر نکلے
رہے نادر خیالاں میں رہے شوریدہ حالاں میں	ہوئے صاحب کمالاں میں کدہر سے آکدہر نکلے

احمد

(احمد) مولوی احمد خاں شاہجہاں پوری عالم متبحر اور خوش تقریر بزرگ تھے۔ مدتوں نواب حافظ رحمت خاں مغفور کی رفاقت میں رہے۔ فارسی دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر وہ مسودہ تباہ ہو گیا۔ ریختہ میں بھی گاہے گاہے فکر کیا کرتے تھے۔ تذکرۂ شوق میں اُنکا ذکر نظر سے گزرا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

کیوں نہو وے دل مرا نخچیر زلف	عاشقاں کی قید ہے زنجیر زلف
مار ڈالے چاہنے والوں کو وہ	دیکھی ہم نے کچھ عجب تاثیر زلف
مصحف خوبی کا کرتی ہے بیاں	حسن معنی کی لکھے تفسیر زلف
کیا پریشانی میں ڈالا دل کو آج	میں بجا نوں کس نے کی تقریر زلف
دشت مجنوں کا مجھے احمد ہے شوق	دل پہ میرے ہے مگر تاثیر زلف

احمد

(احمد) احمد خاں ولد بہادر خاں - ساکن رامپور قوم سے کمال زئی تھے۔ رود واقع کوہستان تیراہ کے بڑے عالی خاندان صاحب نوبت و نشان اور پشتو زبان کے صاحب دیوان تھے۔ فن تاریخ میں اچھی معلومات تھی کبھی کبھی اُردو شعر بھی کہتے تھے۔ حضرت امیر مینائی کا قول ہے کہ قدرت اللہ شوق، دریر غلام علی عشرت کے شاگردوں میں تھے۔ مگر شوق کے تذکرہ میں اِن کا حال نظر سے نہیں گزرا۔ ۸ - شعبان ۱۲۲۱ہجری کو عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ یہ دو نو شعر اُنہیں کے طبعزاد ہیں ؎

مر گئے تو بھی نہ دیکھا مجھے جانی تو نے	جاں فشانی کی مری قدر نجانی تو نے
خط کتابت تو بڑی بات ہے پیارے ابتک	مجھکو بھیجا نہیں پیغام زبانی تو نے

احمد

(احمد) منشی صمصام الدین خلف انعام اللہ خاں یقین شاعر قدیم - شاگرد مرزا مظہر - سپاہی پیشہ

[1] ہوسے پر کا مفہوم آخر ہو کر رہے سمجھنا چاہئے ۱۲

اور دلی کے باشندے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے تک موجود تھے۔ یہ اُنہیں کے اشعار ہیں ؏

تن کو جلائے یا کہ تو آنسو بہائے شمع	بنتی نہیں یہاں تجھے بن سر کٹائے شمع
فراقِ گلرخاں میں کہاں کے داغ آہستہ آہستہ	گیا سینے کو اپنے بنے باغ آہستہ آہستہ

احمد

(احمد) مرزا احمد شاہ گورگانی دہلوی۔ مرزا ابیت شاہ ماہر کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اور غالباً فن سخن میں اُنہیں سے مستفید تھے۔ مروت اور دوست نوازی میں فرد تھے۔ اشعار ذیل اُنکی طبع زاد ہیں ؏

بہائے بلبلِ بیدل کا جب لہو صیاد	تو کیوں نہ سامنے گل کے ہو سرخرو صیاد
کہو کہ کیونکہ ہو اُس سے نباہ کی صورت	کہ بدمزاج ہیں ہم اور تند خو صیاد
بچائے جان کدھر عندلیبِ زار سے گل	پھریں تلاش میں جب اُسکی چار سو صیاد

احمد

(احمد) مرزا احمد بیگ یہ مرزا فاضل بیگ دہلوی کے چچازاد بھائی تھے۔ علم تسخیر و عملیات میں اچھے عامل مانے جاتے تھے۔ کبھی کبھی موزونی طبع کی اعانت سے فکر سخن بھی کرتے تھے۔ بہادر شاہ ثانی کے دورانِ حکومت میں نشو و نما پایا تھا اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ؏

اپنی اپنی گور سے سب دیکھتے ہیں سر اُٹھا	اُس خرامِ ناز سے کیا فتنۂ محشر اُٹھا
پاؤں پھیلاتا ہے ہر محفل میں کیسا بے دھڑک	طفلِ اشک اے اہلِ الفت کس طرح ابتر اُٹھا
کسکی مژگاں کا الہیٰ ہے مرے دل میں خیال	کہ کھٹکتا ہے مرے سینہ میں اک خار نیا
ہوئے جو خاک اُس کوچے میں تو یہ آبرو پائی	لگے سو بار قدموں سے لگے سو بار دامن سے
ہنگامِ نزع میں بھی ہمیں انتظار تھا	آتا ہے یا نہیں وہ ستمگار دیکھئے

احمد

(احمد) احمد بیگ قزلباش۔ دہلی کے رہنے والے اور سپاہ گری کے فن سے خوب ماہر تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے زمانِ ولیعہدی میں رسالۂ خاص کے افسر اور گلشنِ بہار کی ترتیب کے وقت جوان وجیہ و خوشرو تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں ؏

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کیں پکڑی	نہ اُٹھ سکا ترے بسمل سے یہ نہیں پکڑی

دل نہیں وہ شئے کہ ہو کافر بنے اور ٹوٹ جائے		ہم نانیں گے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے



احمد

(احمد) سید احمد علی عرف میاں جان رام پوری ولد محمود شاہ ۱۲۹۰ھ ہجری میں ریاست رام پور میں ملازم تھے بعد کا حال معلوم نہیں - اُس وقت اِنکی ۲۲ برس کی عمر تھی - امیر مینائی کے شاگرد ہیں - اُنکے تین شعر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اپنی مژگاں کو لہو میں نے دیا یا نہ دیا وہ خاکسارِ ازل ہوں کہ نقشِ پا کی طرح		سرخرو تجھسے تو اے نشترِ فصاد رہا مدام خاک بسر کوچۂ بتاں میں رہا
روز فرقت میں جو یہ حال ہے بے تابی کا		دیکھوں کیا کرتے ہیں یہ دل یہ جگر وصل کی شب

احمد

(احمد) حافظ میر احمد علی نام - مسٹر ایف فیلن صاحب کی تحریر کے مطابق ۱۸۴۰ء میں اِن کی ۲۵ برس کی عمر تھی - طبیعت موزوں پائی تھی مگر ذکر سخن کا کم اتفاق ہوتا تھا نساخ انہیں میر عزت اللہ عشق کا شاگرد بتاتے ہیں نمونۂ کلام یہ ہے ؎

آ کے ناحق ہمیں ستایا کیوں ایسی تقصیر کیا ہوئی ہم سے کیا غضب ہے کہ تو نے احمد کو آہ کچھ پہلے ہی دیا سینے دکھا کر آنکھیں		پھر نئے سر سے دل جلایا کیوں وہ خفا ہم سے ہے خدایا کیوں اس قدر دل سے ہے بھلایا کیوں دل مرا چھین لیا کچھ نہ بن آئی مجھکو

احمد

(احمد) سید معین الدین احمد ولد سید معین الدین احمد - رام پور میں رہتے تھے - اُنکا نسبی سلسلہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے ۱۲۴۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے - احمد حسین راحت سے مشورہ رہا - ۱۲ - ربیع الاول ۱۲۸۲ھ ہجری میں ۳۷ برس زندہ رہ کر راہی ملک بقا ہوئے امیر مینائی نے اپنے تذکرہ میں اُنکے مصنفہ اردو سکندر نامے کے چند شعر منتخب کئے ہیں وہی یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

ہوا جب کہ تابندہ مہر منیر		صف آرا ہوا شاہ گردوں سریر

جواں وہ جو تھے شیر صحرائے جنگ	سے چلے دشمنوں کی طرف بے درنگ
ملے دونوں لشکر ہم اسطرح	کہ ساون سے بھادوں ملے جسطرح
کسی سمت تھے گرز آتش فشاں	کہیں پار سینوں کے نوک زباں
کوئی نیم جاں تھا کوئی خستہ تن	میسر کسیکو نہ آیا کفن +
پڑی لاش پر لاش تھی اس قدر	کہ کُشتوں کے پشتے ہوئے سربسر

احمد

(احمد) منشی سید احمد حسین خلف سید ابن حسین شاگرد میر حامد حسین نکہت ۱۸۷۸ء تک بمقام پٹنہ عظیم آباد موجود تھے - اشعار ذیل اُن کی طبیعت کا نمونہ ہیں ہ

آنکھیں تو ملا کر کہو انصاف یہی ہے	ہم تم پہ مریں اور تم اغیار کو چاہو
رہتی ہے دعا یہ سحر و شام ہماری	سب ہم سے بگڑ جائیں مگر تم نہ خفا ہو
باہر یہ قدم جادۂ الفت سے نہوں گے	سر کاٹ کے رکھدے ابھی احمد جو رضا ہو
سر مقتل بھی ہم کو زیر خنجر غش پہ غش آئے	نہ دیکھی مرتے دم بھی ہمنے صورت ہائے قاتل کی

احمد

(احمد) منشی سید ابو احمد - ولد سید ابو محمد متوطن امروہہ ضلع مراد آباد ۱۲۴۹ہجری میں پیدا ہوئے بسبب ملازمت ریاست بھوپال میں اقامت گزیں ہیں - اور خان محمد خاں شہیر سے تلمذ ہے - یہ ان کا کلام منتخب ہے ہ

ہزاروں غنچے کھلے ہوئے ہیں تمام گلشن مہک رہا ہے	شجر شجر پر چمن میں بلبل ہوا ئے گُل میں چہک رہا ہے
ڈھلا ہے سانچہ میں نخل قامت کرشمہ بار ہے قیامت	بہار پر ہے گل جوانی بلا کا جوبن ٹپک رہا ہے
مزاج میں ہے ابھی لڑکپن ہے طبع جور و جفا پہ مائل	عوض میں مرہم کے زخم دل پر نمک ستمگر چھڑک رہا ہے
یہ دم ہے اب کوئی دم کا مہماں شتاب آکر مسیح دوراں	لگادے زخم جگر پہ مرہم کہ تیرا کُشتہ سسک رہا ہے

احمد

(احمد) منشی علاء الدین احمد ملیحی - ضلع ورنگل علاقہ نظام حیدر آباد دکن میں تحصیلدار ہیں - انکے دادا حاجی محمد ابراہیم سرکار نظام میں بعہد افضل الدولہ بہادر منیر مبارک کے خانساماں تھے اور زمانہ حال میں پنشن یاب تھے اُنہوں نے ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا - جناب احمد امیر مینائی کے شاگرد

تھے - انتخاباً کلام ہدیۂ ناظرین ہے ۵

کھلائیں ٹھوکریں در در کیا رسوا زمانہ میں	ارادہ کیا خدا جانے ابھی ہے اور اس دل کا
ہمدم بھی اپنے دشمنِ جانی نظر پڑے	آنکھ اُس کی کیا پھری کہ زمانہ بدل گیا
حالِ دلِ مضطر میں سناؤں نہ سناؤں	ڈرتا ہوں وہ سنتے ہی نہ ہوجائیں خفا اور
پڑی دخترِ رز تھی جو قاضی کے گھر میں	یہ رندوں سے کیوں پارسا مل رہی ہے

احمد

(احمد) منشی احمد علی - باشندۂ کسمنڈہ مقیم دکن - یہ کلام کا نمونہ ہے ۵

پہلے پانی تھا ہوا پھر خون اب خوں بھی نہیں	جائے اشکِ ارغوانی اک غبار آنکھوں میں ہے
تیرے میکش حشر میں اُٹھے ہیں کس انداز سے	سرگراں ہے پاؤں میں لغزش خمار آنکھوں میں ہے
کیا بیاضِ صبح ہمدوشِ سوادِ شام ہے	انقلابِ گردشِ لیل و نہار آنکھوں میں ہے
کیا پلا یا مغبچے نے ساغرِ صہبائے شوق	مدتیں گزریں مگر اب تک خمار آنکھوں میں ہے

احمد

(احمد) مولوی شیخ محمد احمد خاں بہادر رئیس و تعلقہ دار ملیح آباد ضلع لکھنؤ - رسالدار فقیر محمد خاں گویا شاگرد خواجہ وزیر کے نبیرہ اور جانشین ہیں - حکام وقت کی طرف سے آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے عہدے پر ممتاز ہیں - گاہ گاہ فکرِ سخن بھی کرتے ہیں ۵

مجھے بھی وحشتِ دل سوئے نجد پہنچادے	کہ راہ تکتا ہے قیس برہنہ پا میری
شفا پذیر نہ ہوں گا کبھی طبیبوں سے	مرے مسیح ترے پاس ہے دوا میری
مرے مسیح کو دیکھا جو میری بالیں پر	تو اُلٹے پاؤں وہیں پھر گئی قضا میری

احمد

(احمد) منشی شیخ احمد علی صاحب احمد رئیس آنریری مجسٹریٹ بہار - کلام کا نمونہ حاضر ہے ۵

اب بڑہا کر دوستی کم کیا کریں	وہ کریں ترکِ وفا ہم کیا کریں
اے امید کامیابی دے جواب	کہتی ہے کوشش مری ہم کیا کریں
تم چھڑک دو دل کے زخموں پر نمک	لے کے جرّاحوں سے مرہم کیا کریں

احمد

(احمد) مرزا احمد اسد خاں - خلف الرشید نواب عبداللہ خاں مطلب مرحوم رئیس اجمیر انکے

داد انمشی حاجی محمد خاں عرصہ دراز تک راجپوتانہ رزیڈنسی کے میرمنشی رہے آخر میں گورنمنٹ کی منظوری سے جودھپور کی ریاست کے مدار المہام ہوئے اسی ملازمت میں بمقام لشکر کسی ظالم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ نہایت سخی شخص گزرے ہیں اُنکا اصل وطن کابل تھا۔ سر جان لارنس صاحب بہادر کے ہمراہ آکر سرکاری ملازم ہوئے تھے۔ اِنکے والد ماجد حضرت داغ مرحوم کے سربرآوردہ تلامذہ میں تھے۔ اُنہوں نے بھی جناب داغ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا مگر اوائل مشق ہی میں تین سال ہوئے نوجوان انتقال فرمایا کلام حاضر ہے ؎

اُنکی چتوں یہ کہتی ہے دل سے		جان اب تو بچے گی مشکل سے	
زہر الفت کی ہے عجب تاثیر +		اسمیں تلخی بھی ہے مزا بھی ہے	
اے لب یار تیرے پاس آخر		دردمندوں کی کچھ دوا بھی ہے	

(احمد) منشی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کا تخلص۔ آپ حافظ مولوی سید عبدالرحمن کے خلف اکبر باپ کی طرف سے حسنی اور ماں کی جانب سے حسینی سید ہیں +

منشی صاحب ۸۔ جنوری ۱۸۴۶ء کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ہوش سنبھالا۔ منشی صاحب نے سرکاری مدارس اور نارمل اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ لیکن سب سے زیادہ وقت اور عمر کا بڑا حصہ فرہنگ آصفیہ کی تدوین میں صرف ہوا جسمیں بیس پچیس برس تک برابر منہمک رہے۔ فرہنگ آصفیہ کی تالیف پر گورنمنٹ نظام سے ساڑھے پانچ ہزار کا انعام اور پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ عطا ہوا اور چار سو جلدوں کی خریداری بھی کی گئی اور اب تک اس کتاب کی ایک نہ ایک پہلو سے دستگیری ہورہی ہے۔ اِسکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تعلیم مستورات کے متعلق اِن کی تصنیف سے ہیں مثلاً انشائے ہادی النسا۔ قصۂ راحت زمانی۔ اخلاق النساء۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ۔ طبعی تعلیم۔ لڑکیوں کا قاعدہ بطرز جدید مع طریقہ تعلیم۔ علم اللسان وغیرہ جو شایع ہوچکے ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے عورتوں کی خاص زباں میں اخبار النساء انہیں کی کوشش سے جاری ہوا جو کئی برس تک دھوم دھام سے جاری رہکر بند ہوگیا۔ کنز الفوائد و رقائع دُرانیہ

کی تالیف کے صلہ میں آپ گورنمنٹ سے انعام بھی پا چکے ہیں - منشی جی کو تصنیف و تالیف کا ابتدا سے زمانہ سے شوق تھا - موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے - زمانہ طفولیت میں حافظ قطب الدین مشیر کو اپنی چند غزلیں دکھائیں انکے بعد کبھی مولوی سید محمد زکریا خاں صاحب زکی سے کبھی خواجہ حالی سے مشورہ لیا - مولوی صاحب مشہور ڈاکٹر فیلن کے ترتیب انگریزی اردو لغات میں عرصۂ دراز تک مددگار رہے اور اس سلسلہ سے کئی برس داناپور میں قیام رہا - تکمیل ڈکشنری کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور دہلی اور شملے کے مدرسوں میں مدرسی کرتے رہے - اب پنشن یاب ہیں مگر فی الحال ٹکسٹ بک کمیٹی میں نظر ثانی کتب کے کام پر مامور اور ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں - راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے امداد بھی کرتے رہے ہیں کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

ایسی ہم سے ہوئی خطا کیا رب　　جسکے باعث یہ کچھ عذاب ملا
مے کے بدلے ملا جو خونِ دل　　تو ملا کر جگر کباب ملا
رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا　　اُس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا
گر تم سے اپنی ہٹ کو ہٹایا نہ جائے گا　　مچلا ہوا یہ دل بھی سنبھالا نہ جائیگا
ہے قیدِ تعلق سے چھٹا کون یہاں پر　　کعبہ ہے کسی کا تو ہے بت خانہ کسی کا
تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم　　حق کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم
لاکھ کلفت کو دیکھتے ہیں ہم　　دُگنی الفت کو دیکھتے ہیں ہم
تیری کاکل سے رکھتا ہے یہ بل　　دل کی شامت کو دیکھتے ہیں ہم
تم بھی واعظ پھسل پڑو جس پر　　ایسی صورت کو دیکھتے ہیں ہم
اب بھی تربت پہ نرگس اُگتی ہے　　اپنی حسرت کو دیکھتے ہیں ہم
جان لب پر ہمیشہ رہتی ہے　　اس سکونت کو دیکھتے ہیں ہم
زاہد تجھے قسم ہے خدا کی ادھر تو آ　　کیا نور سا جھلکتا ہے شیشے کے جام میں

وقتِ وضو جو دہوتا ہے ہاتھوں کو یار
زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دہو کے تو

رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں ہو
بھلا بچکر رہو جاتے کہاں ہو

غنیمت جان لو صحبت کو اسکی
خدا جانے یہ سید پھر کہاں ہو

جب آئے لطف تجکو محبت کا ناصحا
تو بھی کبھی جلے کبھی بھنکر کباب ہو

اپنی غشی تو جائے جب ہی جب یہ بات ہو
عارض کا تیرے گل ہو عرق کا گلاب ہو

آج بیڈھب ہے ہمارے دل میں کچھ آئی ہوئی
جام مے بھی بسر ہے اور ہے گھٹا چھائی ہوئی

تا بکے دوں صبر دل کو کب تلک چپکا رہوں
یاد بھی آوے کہیں تم کو قسم کھائی ہوئی

جی بھی اُٹھو کہ یار آتا ہے
دم یہ خاصا دیا مسیحا نے

نفرت شراب سے ہے نہ رغبت کباب سے
کوسوں ہیں دور ہم غمِ زہد و ثواب سے

جب دُور تم ہوئے مری چشم پُر آب سے
لاکھوں برس گزر گئے اپنے حساب سے

نرو کو مجکو یہ کہکر کہ ہاں سنو تو سہی +
وصال میں ہے ستم یہ ادا سنو تو سہی

کسی کا جرم کسیکی خطا کسیکا قصور
ہمیں ہمیشہ ملے کیوں سزا سنو تو سہی

چلو بس حضرت عیسےٰ تم اپنا کام کرو
مریضِ عشق کو ہو گی شفا سنو تو سہی

نہ چونکا خوابِ عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم
یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی

رمائے بیٹھے ہو دھونی جو اُنکے در پر تم +
ہوا ہے کیا تمہیں سید بھلا سنو تو سہی

احمد

(احمد) منشی احمد حسین خاں بی اے تاریخ ولادت ۲۱- جولائی ۱۸۶۷ء ہے - انکے دادا یعقوب خاں فوج میں صوبہ دار تھے ذات کے یوسف زئی پٹھان ہیں انکے والد بزرگوار خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین خاں سابق پروفیسر میڈیکل کالج حال رئیس و آنریری مجسٹریٹ شہر لاہور ہیں- احمد حسین خاں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی اور ۱۸۹۶ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی ۱۸۸۳ء میں شعر گوئی کا شوق ہوا مرزا ارشد دہلوی کو کلام دکھایا ان دنوں میں انجمن پنجاب کا مشاعرہ بہت زور شور سے ہوتا تھا مولانا آزاد اور مولوی فیض الحسن جیسے بزرگوار شریک ہوا کرتے تھے احمد حسین خاں

بھی اپنی غزلیں پڑھا کرتے تھے ۱۸۹۶ء میں رنگ زمانہ دیکھکر غزل گوئی کو ترک کیا اور نیچرل طرز کو پسند کیا دو مجموعے خیابان اخلاق و گلستان اخلاق اس طرز میں چھپ چکے ہیں ۱۸۹۹ء میں لٹریری سوسائٹی پنجاب کی بنیاد رکھی جسکا پہلا جلسہ بصدارت آنریبل مسٹر مدن گوپال ایم اے رائے بہادر بیرسٹر ایٹ لا والد ماجد راقم تذکرہ کے بڑی آب و تاب سے ہوا خاں صاحب مشہور ناولسٹ ہیں سو سے زیادہ ناول اور سوانح عمریاں لکھ چکے ہیں جو پنجاب کے عوام میں شوق کی نگاہ سے دیکھے اور پڑھے جاتے ہیں ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ نے عمدہ تصانیف کے صلہ میں انعام دیا ۱۹۰۳ء میں مسٹر بیل صاحب بہادر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے عمدہ اکسٹرا اسسٹنٹی کے لئے گورنمنٹ سے انکی سفارش کی ۱۹۰۴ء میں آپ ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال منتخب ہوئے ۱۹۰۶ء میں اکسٹرا اسسٹنٹی کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۷ء میں سر ہنری ٹمز ڈیلین وڈ کی تحریک پر آپ فیلو سوسائٹی آف آرٹس لندن منتخب کئے گئے پنجاب کے شعرا میں آپ کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے اور واقعی عاشقانہ و طرز جدید دونوں میں حق خوش گوئی ادا کرتے ہیں۔ انکا ایک وصف خاص تعریف کے قابل ہے وہ یہ کہ از حد جفاکش و مطالعہ پسند ہیں۔ اور ہر وقت کسی نہ کسی مشغلہ علمی میں منہمک رہتے ہیں فی الحال جہلم میں ڈویزنل کورٹ کے مشلخواں ہیں ؎

تم ہو دمباز تو دم دینا ہے جو ہرا اپنا
کون کہتا ہے کہ مقتل میں قیامت آئی
جذبِ دل نے نام زندہ کر دیا بہزاد کا +
خوب نوچے طائرِ ہوش و خرد کے بال و پر
طائرِ رنگِ حنا میں تاب اڑنے کی نہیں
فرقان لئے کوئی کوئی فردِ عمل گیا
دشتِ وحشت میں اسے کانٹوں نے ناحق چھیڑا
نہیں رہبر کی کچھ پروا ہمیں صدقے تصور کے

ہم بھی پھرتے ہیں ہتھیلی پہ لئے سر اپنا
خود بدولت ہی نوں بھیس بدلکر اپنا
آنکھ کے پردے میں فوٹو لے لیا صیاد کا
یہ جنوں میرے لئے اوتار ہے صیاد کا
پنجۂ نازک یقیناً ہے قفس صیاد کا +
محشر میں میں شبیہ صنم دربغل گیا
ہائے چھالا مری قسمت کی طرح پھوٹ گیا
کہ آنکھیں بند کیں اور جھٹ ترے کوچہ میں جا نکلے

اے شمع تجھ میں شانِ رخِ دلربا کی ہے	پروانوں تم میں آگ دلِ مبتلا کی ہے
اے تشنگانِ وحشتِ محبت نگاہِ یار	برچھی نہیں سبیل یہ آبِ بقا کی ہے
یہ سچ ہے دونو ہاتھوں سے بجتی ہے تالیاں	تمکو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے
مشعل ہے بتکدے میں تو کعبے میں ہے چراغ	لو ہے ہمارے یار کی گھر گھر لگی ہوئی
میں سزاوارِ ستم تھا بچ گیا تقدیر سے	جو سزا دیکھی وہ کم نکلی مری تقصیر سے
ضبط کا یارا نہ تھا حیرت نے رکھ لی آبرو	کب گرا کرتے ہیں آنسو دیدۂ تصویر سے
تا کجا پردہ میں رہتا اتحادِ حسن و عشق	میری حیرانی نمایاں ہے تری تصویر سے
دشمنِ شوقِ شہادت بیقراری ہے مری	اس وفا پر تم کشیدہ ہو نہ اپنے تیر سے

احمد

(احمد) حاجی سید احمد صاحب مدراسی براور سید علی بہار صاحب قادری - منشی جلیل حسن کو اپنا کلام دکھاتے ہیں ؎

دامِ سبزا - دانہ شبنم - باغباں صیاد ہے	باغ میں بلبل بنا اپنا نشیمن دیکھ کر
جانتا ہوں حادثاتِ دہر کو ناپائدار	رنج غم کا مجکو شادی کی خوشی ہوتی نہیں
الم افزا ہے دنیا میں وفورِ دولتِ دنیا	کہ سینے میں صدف کے گوہرِ نایاب چھالے ہیں
مٹی میں مل گئے تو اُٹھے بنکے گرد باد	حالت وہی ہے مٹ کے بھی اپنے غرور کی
نوشِ طرب کے ساتھ ہی نیشِ تعب بھی ہے	لاتی ہیں دن خمار کے راتیں سرور کی
اب جو آئے گی اجل خاک ملے گا اُس کو	جا چکی جان یہاں موت کے ڈر سے پہلے
لازم اندیشۂ عقبیٰ ہے ہمیں دنیا میں	چاہیے زادِ سفر وقتِ سفر سے پہلے

احمدی

(احمدی) خواجہ احمد علی مرحوم دہلوی - آخر عمر میں لکھنو جا رہے تھے اور جرأت کے شاگردوں میں ممتاز تھے - قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا کلام نظر سے گزرا اُسمیں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج کئے جاتے ہیں - کلام سے سوز و نی فکر اور خوشی اسلوبِ طرزِ بیان آشکارا ہے ؎

محکومِ عشق ہو کے ہیں آرام سے گیا	سونپا مجھے وہ کام کہ سب کام سے گیا

ساقی تری نگاہ نے ایسا چھکا دیا — غم دو جہاں کا بس ترے اک جام سے گیا
حیراں کھڑے ہیں پشت بدیوار سینکڑوں — مکھڑا دکھا کے کوئی لب بام سے گیا
اپنے عاشق کے پاس جانے کی — روز فرصت نہو تو گاہے جا
مجکو جو وہ بُرا کہے تو کہے — پر دلا اوسکو تو سرا سے ہے جا
تری چشم نے پہلے بیمار ڈالا — پھر اُس زلف کافر نے بس مار ڈالا

آپکے کوچے میں ہم گزریں گے دن میں لاکھ بار — کچھ اجارہ یاں نہیں رستہ ہے یہ بازار کا
اگرچہ دل میں باتیں یاد کر کر کیا میں آتا ہوں — پر اُسکے دیکھتے ہی شکل سب کچھ بھول جاتا ہوں
مجھے گلشن میں آتا دیکھ کر وہ غنچہ لب بولا — ذرا آنے دو اُسکو چٹکیوں میں کیا اُڑاتا ہوں
اُسے پروا نہیں کچھ سر اگر لاکھوں کے کٹ جائیں — جو پوچھو تو کہے ہے وہ کہ میں تیغ آزماتا ہوں
جو اُس در سے چلوں ہوں احمدی ہوتی ہے یہ حالت — بہانہ ضعف کا کر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں
جاتے ہی بزم میں اُسنے یہ دکھائیں آنکھیں — جب تلک بیٹھے ہم اور نہ اُٹھائیں آنکھیں
دیکھے دیکھے سے پریزادوں کے کیا کیا طوفان — تسپہ بھی دیکھنے سے باز نہ آئیں آنکھیں
بس گیا گلعذار آنکھوں میں — کیا ہے پھول بہار آنکھوں میں

اِن مخفی باتوں کو پیارے کب کوئی نامحرم سمجھے — جو رمزیں ہوگئیں نظروں میں کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے
مت جھوٹی جھوٹی باتوں سے بہلا ہمکو اے راہ اپنی — تو لا دے گا اُسکو ہمدم ہم خوب یہ تیرا دم سمجھے
جو وہ یہاں آکے ز راہ کرم ذرا پھر جائے — تو مجھ مریض کی آئی ہوئی قضا پھر جائے
ہے اُس سے گرمیٔ صحبت نہ کھینچ تو دم سرد — مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں ہوا پھر جائے
گھر اپنے آئے وہاں سے خدا خدا اگر — گلی میں اُس بت قاتل کی کوئی کیا پھر جائے

احمدی

(**احمدی**) انکا شیخ احمد نام اور زمانیہ متصل غازی پور مولد تھا قاضی شمس الدین ہردی کے قرابت داروں میں تھے ۔ شوق کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میرزا رفیع السودا سے اصلاح لیتے تھے ۔ ۱۱۹۶ھ ہجری میں بعہد فضل علی خاں نواب غازی پور زمانیہ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے

طبیعت موزوں پائی تھی شعر خوب کہتے تھے - تذکرۂ شوق سے کلام منتخب ہوا ۔

کیا خودی سے مرے دل کو تو نے خالی عشق
تفضلات ترا اے جناب عالی عشق

اس باغ سے اب جاتے ہیں با دیدۂ تر ہم
شبنم کی طرح پھر نہیں آنے کے نظر ہم

کہتا ہے بگولا یہ سر تربت مجنوں
تو مر گیا صحرا میں رہے خاک بسر ہم

محفل میں تری جمع تھے عشاق کے حلقے
لہرائی ادہر زلف ادہر ہو گئے برہم

مردم ترے جمال پہ جب چشم وا کریں
آنکھیں اُٹھا کے پنجۂ مژگاں دعا کریں

مرا ہوش و طاقت سبھی لے چلے
اجی تم چلے کیا کہ جی لے چلے

عالم کی تیری چشم نے حالت تباہ کی
دورِ فلک سے کم نہیں گردش نگاہ کی

حیراں کرے گی آئنہ رویوں کی دوستی
صورت کوئی نظر نہیں آتی پناہ کی

احمدی

(**احمدی**) تخلص ہے کسی خوش کلام سخنور کا - ایک غزل ایک قدیمی بیاض میں (جو حضرت ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں تھی) نظر سے گزری اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے - ہر شعر سے صفائی زبان اور شوخیٔ مضمون ہویدا ہے ۔

کیا ترے حسن کی تصویر ہے اللہ اللہ
سورۂ نور کی تفسیر ہے اللہ اللہ

ایک طرف تیر و کماں ایک طرف تیغ نگاہ
کیا مرے قتل کی تدبیر ہے اللہ اللہ

زلف کو دیکھ کے کیونکر نہ گرفتار ہو دل
کس قیامت کی یہ زنجیر ہے اللہ اللہ

دل دیا جان دیا دولت ایمان دیا
پھر دیکھو ہم سے یہ تقریر ہے اللہ اللہ

احمدی زور پری رو پہ جو دیوانہ ہوا
حسن جسکا ہے جہانگیر ہے اللہ اللہ

(**احمدی**) عالیجناب نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی مرحوم ممبر کونسل آف ایجنسی ریاست گوالیار آپ کنج پورہ کرنال کے مشہور خاندانی نوابی کے رکن اور سرکار انگریزی میں عمدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہکر انجام کار زمانہ صغر سنی مہاراجہ سیندھیہ والی حال میں کونسل ریاست کے ممبر مقرر ہوئے تھے صاحب خصائل پسندیدہ اور بڑے بامروت اور نیک طینت بزرگ تھے - آپکے دو صاحبزادے مسٹر سلطان احمد خاں اور مسٹر آفتاب احمد خاں مشہور بیرسٹر ہیں

اخلاقی مضامین اور تصوف کیطرف زیادہ میلان خاطر تھا عشقیہ اشعار بہت کم کہتے تھے تبرکاً انتخاب کلام پیشکش ہے

تو آقا ہم ہیں چاکر تو ہے مولا ہم ترے بندے
کرم شیوہ ترا یاں ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

برا ہوں یا بھلا تیرا ہوں تیرے در پہ حاضر ہوں
نہ کچھ رندی سے مطلب ہے نہ دعوی پارسائی کا

جو خود مٹ جائے وہ کیا ہو کسی کے درد کا مرہم
کہے محتاج کیونکر حوصلہ حاجت روائی کا

تری ہی دھن میں ناقوسِ برہمن گرم نالہ ہے
تری ہی یاد میں ہے مسجدوں میں غل اذانوں کا

سہارے پر تری امداد کے ہم سب توانا ہیں
وگرنہ سانس لینا ہو گراں ہم ناتوانوں کا

ارم کہتے ہیں جسکو ظرف ہے اک اسکی قدرت سے
درخشاں مہر اک شعلہ ہے اُسکے طاقِ ایواں کا

نہاں ہے وہ مگر افعال قدرت ہیں عیاں اُسکے
جہاں دیکھو رواں سکہ ہے شاہنشاہ پنہاں کا

کمی بیشی شکست و بست ہے سب اُسکے قبضے میں
بناتا ہے مٹاتا ہے یہی ہے کام یزداں کا

نشاں کیا کیا دکھائے تونے یارب بے نشاں ہوکر
عیاں کیا کچھ کیا ہے تونے اے خلاق نہاں ہوکر

ترا جوشِ کرم رفعت اگر دے اہل پستی کو
مہ و خور پر زمیں سایہ فگن ہو آسماں ہوکر

تمنا ہے سراپا محو ذکر ذات باری ہوں
میرا ہر موئے تن سرگرم مدحت ہو زباں ہوکر

جنہیں طفلی میں صرفِ بازئ چوگاں و گو پایا
وہی محو خود آرائی نظر آئے جواں ہوکر

زباں کو میری گویا کر الہی اپنی مدحت میں
کروں مردہ دلوں کو زندہ دل معجز بیاں ہوکر

جہاں بھولوں بتا جس جا بہک جاؤں ہدایت کر
جو ہو لغزش تو مجکو تھام میرا مہرباں ہوکر

بھروسہ پر تری امداد کے بیڑا اُٹھایا ہے
فلک کے بوجھ اُٹھانے پر تلا ہوں ناتواں ہوکر

ترے در پر جبینِ احمدی سرگرم سجدہ ہے
تمنا ہے یہیں مٹ جائے خاکِ آستاں ہوکر

دلوں کو پاک کر یارب خیالات پریشاں سے
بہت چھائی ہے تاریکی قلوب اہلِ دنیا پر

اُسیکے آستانہ پر ہمیں لازم ہے سر رکھیں
کھلا ہے اُسکا بابِ رحم ہر ادنی و اعلی پر

الہی تشنہ لب ہم ہیں ہمارا خضر رہ ہوکر
کرم سے تو ہی پہنچادے ہمیں رحمت کے دریا پر

گدایانِ درِ دولت کی یہ اونچی نگاہیں ہیں
لگائیں ٹھوکریں گر پیش پا ہو ٹھاٹھ شاہانہ

اندمال زخم ناکامانِ بیکس کے لئے
مرہم کافور ہمدردی کا پھاہا چاہئے

منعموں سے کہتے ہو حاضر پئے خدمت ہیں ہم
بیکسوں سے بھی کبھی پوچھا کرو کیا چاہئے

ہے زمین و آسماں کا فرق قول و فعل میں		احمدی جو مُنہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہیے

اختر

(اختر) میر اکبر علی سرہندی ولد عبداللہ ابن حضرت الیشاں پیرزادہ نواب قمرالدین خاں وزیر اعظم۔ دہلی چھوڑ کر آصف الدولہ کے وقت میں لکھنؤ جا بسے تھے۔ جب مرزا جانی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے تو مصحفی بھی وہیں تھے۔ جوان قابل ہنرمند و ظریف الطبع تھے کچھ دنوں مصحفی سے مشورۂ سخن رہا اور آخر کو قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں مشہور ہوئے مصحفی نے اپنے تذکرے میں اِنکے کلام فصیح اور طرزِ دل پسند کی تعریف کی ہے۔ بعض غزلیات میں انجم تخلص بھی کیا ہے حضرت شیفتہ نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہیں صنعتِ آتشبازی میں بھی دخل تھا اور اکثر اس شغل کو بھی نباہے جاتے تھے ۱۷۹۳ء میں بیس برس کے تھے تذکرہ شوق اور دیگر قدیم تذکروں سے کلام انتخاب کرکے حاضر کیا جاتا ہے ۵

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لختِ جگر نکلا	عجب یہ نخل ہے جسمیں بشکل گل ثمر نکلا
خوابِ راحت میں دلا اُس کو نہ تو ہاتھ لگا	چونک اُٹھے گا ابھی وہ جو کبھو ہاتھ لگا
اور کیا خاک کوئی ہو بجبہ سے ستم گر عاشق	روتے پھرتے ہیں ترے اگلے ہی گھر گھر عاشق
اللہ اللہ رے تری جلوہ گری کا عالم	نہ لگے گرد کو بھی جس کے پری کا عالم
کیا کہوں کل تری رفتار کی اٹھکیلی دیکھ	کچھ عجب حال سے تھا کبک دری کا عالم
ہجروں میں آپ میں آتا نہیں ہمدم اُس بن	مجھ سے مت پوچھ مری بیخبری کا عالم
لے کے دل جان سے مارا مجھے اختر اُن نے	کیا کہوں اُسکی میں بیدادگری کا عالم

بزم میں کس کی رات جاگے تھے	ہے جواب تک خمار آنکھوں میں

کوئی جتا دے یہ اُس شوخ بے وفا کے تئیں	کہ آشنا نہیں دکھ دیتے آشنا کے تئیں
یارب وہ ملے مجھ سے تا لوگ کہیں مجھکو	ساحر اسے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں
اختر میں اُسے چاہا یاں تک کہ وہ میرا بھی	قائل ہے کہ ہاں سچ ہے مائل اسے کہتے ہیں
سدا آواز کے بھی ہم تو سُننے کو ترستے ہیں	خوشا حال اُنکا ہے جو آپکے ہمسایہ بستے ہیں

تمہاری چین ابرو ہی کا مارا ہے وہ اے پیارے
صاف دل سے بھی جو اُسکو اپنے ہم گھر لیگئے
بوے گھبرا کر ہمیں چپٹے جو یہ حرکت کرے
کر رہے ہیں لوگ باہر کے جو چرچا سب اجی
کچھ ستارہ شاید انجم کا پھرا ہے ان دنوں

گر انجم کے ناحق قتل پر اب آپ کستے ہیں
تو بھی سب دلمیں گماں کچھ اور ہم پر لے گئے
سامنے اُسکے گلے تک ہم جو خنجر لے گئے
کون تھا وہ جسکو تم شب گھر کے اندر لے گئے
تم جو پاس اپنے اُسسے ہر وقت بلوانے لگے

اختر

(**اختر**) ملک الشعرا قاضی مولوی محمد صادق خاں صاحب ولد قاضی محمد لعل ہوگلی بنگالہ کے قاضی زادوں میں سے تھے مگر وطن چھوڑ کر لکھنؤ آرہے تھے - مرزا قتیل کے شاگرد رشید اور تحصیلداری کے عہدے پر مامور رہے تھے - جامع الکمالات شخص اور لکھنؤ کے مشاہیر شعراء وقت میں شمار کئے جاتے تھے - ایک تذکرہ موسوم بہ آفتاب عالمتاب جس میں پانچ ہزار فارسی شعرا کا حال اور کلام فراہم کیا تھا ترتیم فرمایا اُسی تذکرہ کی بدولت بھوپال سے متعدد تذکرے شائع ہوئے وہ تذکرہ اب عنقا کا حکم رکھتا ہے - طبیعت کی شوخی - کلام کی بلندی - اور حسن تشبیہ آپ ہی کا حصہ ہے غازی الدین حیدر والی لکھنؤ نے ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا - چونکہ ان کی عمر کا بہت بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا اس وجہ سے شعراے لکھنؤ انہیں بکمال فخر اپنا ہم صفیر و ہم وطن بیان کرتے ہیں اور درحقیقت وہ اپنی قیام گاہ کے واسطے مایۂ افتخار و نازش تھے - انہیں اکثر فنون میں خصوصاً شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا - تبحر علمی کے علاوہ فن سخن و دقائق شعر میں بےنظیر رکھتے تھے بندش مضمون - نازک خیالی - قادر الکلامی - اور خوش گوئی میں لاجواب تھے - مصحفی - انشا اور جرأت کے مشاعروں میں شریک ہوئے - آتش - ناسخ - وزیر اور صبا کے زمانہ تک زندہ رہے - صبح صادق - نور الانشا - محامد حیدریہ - دیوان فارسی - دیوان ریختہ - اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب ان کی یادگار ہیں - بعد غدر ۱۸۵۸ء لکھنؤ میں وفات پائی - اِن کا کلام عنقا کا حکم رکھتا ہے بہرحال جسقدر مختلف تذکروں میں نظر سے گزرا اُسی کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے - افسوس ہے کہ ان کی طبعزاد کتابیں حصار مطبع کی زیر حفاظت نہ آنے پائیں - اس سے کمیاب بلکہ نایاب

ہیں مگر چند غزلوں خصوصاً اس غزل نے جسے ہم منتخب کلام کے شروع میں نقل کرتے ہیں فرط شہرت سے بقاے دوام کی سند حاصل کر لی ہے۔ نواب غازی الدین حیدر کی نظر عنایت نے فکر معاش سے فارغ البال کر کے عمائدین کے درجے تک پہنچا دیا تھا مگر وضع مولویانہ رہی طالب علموں کا ساتھ نہ چھوٹا۔ اگرچہ مرزا قتیل کی شاگردی کی وجہ سے حضرت غالب سے کسیقدر کھچے ہوئے رہے مگر ان دونوں کے جھگڑوں میں انصاف کو حق اُستادی پر بالا رکھا اور حضرت غالب کی بلند پروازی و زور طبع کے قائل رہے ۵

قطعہ

جب پردہ رخ سے دور کرے وہ نقاب کا
جلوہ ہر ایک ذرہ میں ہو آفتاب کا

گل بن گئے شیخ مجتہدِ عصر ساقیا
دکھلا کے باغ سبز عذاب و ثواب کا

کہنے لگا ز راہ تبختر مجھے بطنز
معلوم ہوگا حشر میں مینا شراب کا

ہمنے کہا کہ یہ تو ہیں ہم خوب جانتے
پر کیا کریں کہ ہے ابھی عالم شباب کا

گستاخی ہو معاف تو ایک عرض میں کروں
کیجیے جو آپ مجکو نہ مورد عتاب کا

تقوے ہمارے آگے ہو جب آپ کا درست
اور ہو یقین آپ کے اِس اجتناب کا

مے ہووے کُنج باغ ہو ساقی ہو ماہ وش
اور واں مُخل نہو کوئی باعثِ حجاب کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ شوخِ بے حیا
دے ذائقہ زباں کو دہن کے لعاب کا

کھینچے ہنسی سے اپنا ملا کر وہ مُنہ سے مُنہ
یہ ریش جس پہ جلوہ ہے رنگ خضاب کا

منت سے یوں کہے کہ ہمارا لہو پیے
گر پی بجائے جلد یہ پیالہ شراب کا

اُس وقت ہم سلام کریں قبلہ آپ کو
گر کچھ بھی خوف کیجیے روزِ حساب کا

اور امتحاں بغیر تو یہ آپ کا غلام
قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

اگر ہے نام کی خواہش تو عنقا کی طرح رہیے
کہ ڈھونڈے لاکھ کوئی پر نہ ظاہر ہو نشاں اپنا

سُبکسار اسقدر رہیے جہاں میں بارِ ہستی سے
کہ دوشِ بوئے گُل پر بھی نہو دے تن گراں اپنا

سوزِ دل دیواں کا اپنے باعثِ تعظیم تھا
صفحۂ رنگیں خیالی باغِ ابراہیم تھا

دل مجھ کو ہائے بیکس و بیچارہ کرگیا
اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کرگیا

لختِ دل پیہم جو آتے ہیں چلے اشکوں کے ساتھ
اشک کا ہر تار اک تسبیحِ مرجاں ہوگیا

دھیان ہے اسکی طرف اپنی نگاہِ ناز کا +
شور ہے صیدِ حرم تک جس شکار انداز کا

خمیازہ کش نہ لبِ جاناں شراب کا
محتاج کب ہے آبِ بقا آفتاب کا

بن تیرے مرا لب کبھی گویا نہیں ہوتا
بے موسمِ گل غنچہ کبھی وا نہیں ہوتا

مرکر فراقِ یار میں دل نام کرگیا
ناکام گو جہاں سے گیا کام کرگیا

نظر میں جلوہ گر عارض ہے کس خورشیدِ تاباں کا
کہ ہے تارِ شعاعِ مہر ہر مو اپنی مژگاں کا

اے مے تو سرخرو رہے اس بزم میں مدام
تو نے اُٹھایا یار سے پردہ حجاب کا

لطفِ بیحد سے ترے سب دشمنِ جاں ہوگئے
ابرِ رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہوگیا

نیند بیمار کو ہرگز نہیں آتی ہے مگر +
مردمِ چشم ترے رکھتے ہیں بیماری و خواب

مستی و ہوش کسی نے کہیں یکجا دیکھا
ہاں تری آنکھوں میں ہم پاتے ہیں ہشیاری و خواب

حبابِ آبجو میں عکسِ گل ہے یا مجھے ساقی
بلوری جام میں دی ہے شرابِ ارغوانی بھر

نکلا دل کو ترے ناوکِ مژگاں سے عزیز
آگے ہمت کے مرے کچھ نہیں جاں سے عزیز

جگر آتش دل آتش دیدۂ تر شعلۂ آتش
ہُوا ہوں سوزِ الفت سے سراسر شعلۂ آتش

ہماری خاک کو پہنچائے یار کے در تک
اجل کے بعد ہے اتنی ہمیں صبا سے غرض

کبھی بھولے سے ادھر اُسنے نکی راہ غلط
جذبۂ دل ہے دروغ اور اثرِ آہ غلط

جس گل کو آبِ چشم سے پالا ہو اسکے اب
آنکھوں میں ہم کھٹکنے لگے مثلِ خار حیف

کوچہ میں پریزادوں کے جاتا ہے تو اختر
اس راہ میں ہم سنتے ہیں اکثر خطرِ دل

جامِ صہبا کے تکلف سے مجھے رکھئے معاف
میں ازل سے کیفیِ چشمِ بتانِ سادہ ہوں

سبزۂ بیگانہ ہوں میں گرچہ طرفِ باغ میں
لیکن اے بادِ صبا تیرا ہی میں آوردہ ہوں

ملنا تو ایک بار نہ موقوف ہم سے کر+ | تا رفتہ رفتہ ہم ترے ہجراں سے خو کریں

ڈر ہے بیگانے نہ میرے بعد اُسکے یار ہوں | ورنہ جی دے بیٹھنا کچھ عشق میں مشکل نہیں

کشورِ عشق ہیں بیکار ہے اعجازِ مسیح | لوگ یاں مرگ سے امیدِ شفا رکھتے ہیں

جان دی ہم نے ہوئی تب غمِ ہجراں سے نجات | عقلا اس لئے کچھ چیز لگا رکھتے ہیں

لوگ جب سنتے ہیں قصے ترے دیوانوں کے | قیس و فرہاد کے افسانہ اُٹھا رکھتے ہیں

دیا بوسہ دہن کا اُسنے ہمت اسکو کہتے ہیں | یہ تنگی اور یہ بخشش سخاوت اسکو کہتے ہیں

خرامِ ناز سے آسودگانِ خواب اُٹھ بیٹھے | یہ چلنا کیا ہے آشوبِ قیامت اسکو کہتے ہیں

جگر سینہ و دل ٹھکانے بہت ہیں | ترے تیر کے یاں نشانے بہت ہیں

پس از قتل باقی ہے تشہیر ہونا | ترے جور ہمکو اُٹھانے بہت ہیں

کسی نے کہا تم پہ مرتا ہے اختر | کہا اس نے ایسے دیوانے بہت ہیں

عمر جو گزری سو گزری فکر باقی کیجیے | ہے یہ آتش یادگارِ کاروانِ سوختہ

سیر کیا یاں خاک ہے گل کی پریشانی کو دیکھ | بیٹھ کر ہم بھی کوئی دم مثلِ شبنم رہ گئے

کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیرانِ چمن | کچھ جو اُڑتی سی سُنی ہے کہ بہار آئی ہے+

روز عاشق کو ترے بادیہ پیمائی ہے | شب کو بیچینی ہے بیخوابی ہے تنہائی ہے

ہاتھ سے دل لیگئے جی سے قرار آنکھوں سے خواب | چشمِ جادو بھی تری کیا صاحبِ تسخیر ہے

کیوں نہ سوجھا حیف یہ نمرود اور فرعون کو | اُسکے بندے ہوکے عالم میں خدائی کیجیے

ہوں نالہ کش اُن سرمئی آنکھوں کا جو اختر | دودِ نفسِ سوختہ سینے میں فغاں ہے

دور اب وہ ہے کہ آخر جائیے جس بزم میں | ہے شرابِ دشمنی سے پُر ایاغِ دوستی

عجب ڈھب کی یہ تعمیرِ خراب آباد بستی ہے | کہ پستی یاں بلندی ہے بلندی یاں کی پستی ہے

حصولِ جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں | ہماری سعی باطل دیکھکر تقدیر ہنستی ہے

جگر ہے مائلِ سوز آنکھ بھی رونے ہی پہ غش ہے | الٰہی کیا کروں میں سخت کار آب و آتش ہے

قلق ہے درد ہے کاہش ہے غم ہے ناتوانی ہے	فراقِ یار ہے یا یہ بلائے آسمانی ہے
ادہر قاصد گیا ہے اور اُدہر جاتا ہے جی اپنا	جوابِ نامہ تک کسکو امیدِ زندگانی ہے
جلد آ پیارے کہ تیرے دیکھنے کے واسطے	اشکِ حسرت اور دلِ اندوہگیں آنکھوں میں ہے
بن تیرے گلگشت گلشن میں یہی لے رنگ گل	شکل خنجر برگ برگِ یاسمیں آنکھوں میں ہے

اختر

(**اختر**) صاحبعالم مرزا وجیہ الدین گورگانی - مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی کے پوتے اور مرزا بلاقی بدر کے بھتیجے تھے - غدر سے پیشتر قلعہ معلی دہلی میں انکے دیوان خانہ میں اکثر محفل مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی - اُس زمانہ میں انکی عمر مشکل ۸ و ۹ برس کی تھی مگر تیزیٔ طبع اور رسائی ذہن کا یہ عالم تھا کہ اکثر شریک مشاعرہ ہوتے یہ اُسی زمانے کا کلام ہے ۵

یہ عمر اور عشق کا آزار دیکھنا	اور دل پہ پھر یہ صدمہ شبِ انتظار کا
واں اُسنے بلایا ہے کہ تو رات کو آنا	یاں دن کو نکلنا ابھی میسر نہیں ہوتا

اختر

(**اختر**) سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ بہادر جنت آرامگاہ خاتم خاندانِ سلاطینِ اودھ - جنت مکان حضرت امجد علیشاہ چہارمیں بادشاہ اودھ کے خلف اکبر نواب ملکہ کشور تاج آرا بیگم صاحبہ کے بطن سے تھے - ۲۶ - صفر ۱۲۶۳ھ مطابق فروری ۱۸۴۷ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے - "مبارک مبارک ہو شاہانہ تاج" تاریخ جلوس ہوئی - رفیقان قدیم ذوالفقار الدولہ قطب الدولہ رضی الدولہ - مصاحب الدولہ - انیس الدولہ - وغیرہ کو خطاب و مناصب سے ممتاز فرمایا - چند ماہ کے بعد نواب امین الدولہ وزیر جنت مکان کو برطرف کر کے اُنکی بجائے نواب مدار الدولہ علی نقی خاں رشتہ دار نسبتی بادشاہ عموئے ملکہ محذرۂ وعظمیٰ نواب خاص محل صاحبہ کو ۵ - اگست ۱۸۴۷ء کو خلعت ۹ پارچہ اور خطاب امیر الامرا مدار المہام منتظم الملک سہراب جنگ سے متنخر فرما کر وزیر کیا اور مہاراجہ بالکرشن کو خلعت دیوانی عنایت کیا - بادشاہ نے نواب کو اپنا خیر خواہ و عزیز سمجھ کر معتمد علیہ بنایا اور سیاہ و سفید کا مالک کر دیا - تخت نشین ہوتے ہی تعمیر قیصر باغ مد نظر ہوئی نئی طرز

دروش کا باغ بنوایا۔ اُسے عمارات وایوان دلکشا۔ بارہ دری نہر و پل سنگ مرمر۔ و تصاویر سنگی سے مزین کیا دو کرور روپیہ اس عمارت پر صرف ہوا ہر ایک برسات میں وہاں میلے ہونے لگے۔ ہر میلے میں بادشاہ اور ندیمانِ بارگاہ اُس میلہ کی مناسبت سے خاص خاص ایک ہی رنگ کے لباس زیب بدن فرماتے تھے۔ اور تمام جلوس بھی اُسی رنگ کا ہوتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت بیس برس کی عمر تھی۔ عین عالم شباب تھا۔ شروع میں چند روز انتظام امورِ خسروی کا شوق رہا۔ فوج۔ عدالت و رعایا پروری کا ذوق رہا مگر ندیمانِ کوتہ اندیش و مقربانِ بدخواہ نے رفتہ رفتہ عیش و عشرت کی طرف لا ڈہالا بیشتر رقص و سرود کی طرف توجہ رہی۔ نماز صبح کے بعد سے شام تک غزل و سلام و فکر شعر میں اوقات عالی صرف فرماتے۔ شام کو اکثر سوار ہو کر نصف شب تک سیر و گلگشت کیا کرتے تھے۔ محرور المزاجی کے باعث اکثر مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف رہا۔ مثنوی غزالہ و ماہ پیکر کی تصنیف سے جلسہ رہس کی بنیاد پڑی۔ صدہا طوائف حسین و جمیل و خوش گلو اس رہس میں ملازم ہوئیں۔ ہر ایک کو لباس فاخرہ و زیور مرصع عطا ہوا۔ پردے و دیگر سامان بھی اسی شاہانہ پیمانہ پر طیار و مرتب ہوا ہزاروں بندگانِ خدا اسی بہانے سے برسرِ روزگار ہوئے۔ نئے نئے فسانے تیار ہوئے الغرض جملہ شوق اسیطرح بے غل و غش پورے کیئے ہم۔ شعبان ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۵۰ء نواب علی نقی خاں دستور معظم کی تیسری صاحبزادی نواب رونق آرا بیگم سے سلطان عالم کا عقد نکاح شاہانہ دھوم دھام سے عمل میں آیا۔ ملکۂ اودھ اختر محل اُنکا خطاب ہوا۔ اور بھی باعث ازدیاد قرب و اعتبار رہا۔ چند روز بعد مریم مرتبت خسروانہ سے حضور عالیہ کا خطاب عنایت ہوا۔

۱۷۔ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو کیوان قدر۔ مرزا حامد علی بہادر ولی عہد کی شادی نواب سرفراز الدولہ کی صاحبزادی سے جو بادشاہ کی حقیقی ہمشیرہ زادی تھیں بہ تجملِ شاہانہ عمل میں آئی۔ سلطان عالم کی جود و سخا کا بیاں کما حقہ کرنے کیلئے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے مختصر یہ کہ محلات معلی و اقربائے شاہی و مصاحبین کو زیور۔ جواہر املاک و معافیات مالیت کئی کرور روپیہ عطا کیا۔ انیس الدولہ گویا ندیم خاص تھا املاک آبائی واقعہ شاہجہاں آباد جسکی قیمت کسیطرح پچاس لاکھ سے کم نہ تھی اُسے بخش دی۔ اسیطرح حکیم شفاء الدولہ

کو جونپور کی جاگیر جسکا محاصل کثیر تھا عنایت کی الغرض بہ نفس نفیس ہمیشہ رعایا پروری- دادگستری ملحوظ خاطر اقدس رہی مگر وزیر اور دیگر مقربان بارگاہ شاہی کی ناقابلیت اور غفلت سے ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور باوجودیکہ حکام انگلیشیہ نے بار بار فہمایش کی کوئی اثر مترتب نہوا- انجام کار سرکار انگلیشیہ نے ملک کی بدنظمی- محاصل کی کمی- اسراف کی زیادتی اور تعلقہ داران کی سرکشی دیکھکر ۳۱- جنوری ۱۸۵۶ء کو انتزاع سلطنت کا فتوی سنایا- اور ۷- فروری ۱۸۵۶ء ملک اودھ پر جسکی آمدنی دو کروڑ سالانہ سے کم نہ تھی قابض و متصرف ہوکر صرف پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ سلطانعالم کے اخراجات کے لئے مقرر کیا اس نازک حالت میں بھی سلطانعالم نے صبر و استقلال ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر حالت میں رضاجوئے دولت برطانیہ رہے اور خود احکام و فرامین جاری فرماکر تمام ممالک محروسہ کا دخل اہالیان سرکار کے تفویض فرمادیا- بصلاح و صوابدید اعزا و اقربا یہ تجویز ٹھیری کہ بہ نفس نفیس ولایت انگلستان تشریف لے جاکر جناب علیہ ملکہ معظمہ کے حضور میں مواہید و اقرار نامجات سابقہ کو پیش کرکے استرداد سلطنت کی درخواست کریں- چنانچہ ۵- رجب ۱۲۷۱ھ مطابق ۲- مارچ ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بہ ہمراہی گئے اپنے پھوپھا نواب حسام الدولہ بہادر کو لکھنؤ میں اپنا مختار مقرر فرماکر راہی کانپور ہوئے اُسوقت جو حالت اقربا و متوسلین شاہی کی ہوئی اُسکے تصور سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے- جناب عالیہ ملکہ کشور- نواب خاص محل صاحبہ معشوق محل- جنرل مرزا سکندر حشمت برادر حقیقی- مرزا ولی عہد- جنرل فریدوں قدر اور نواب منورالدولہ بہادر وزیر زمان امجد علی شاہ- ہمراہ رکاب رہے- انکے علاوہ کم و بیش تین سو متوسلان بارگاہ نے بھی رفاقت کرکے حق نمک ادا کیا- سامان سفر درست کرنے کے بعد بادشاہ ۷- اپریل کو کانپور سے روانہ ہوکر ۱۶- اپریل کو بنارس پہونچے ان ایام میں گرمی کی بڑی شدت تھی- چنانچہ سفر میں از حد تکالیف شاقہ اُٹھائیں- البتہ بنارس میں ہر طرح کا آرام ملا- مہاراجہ ایشری پرشاد نراین سنگھ نے مراسم مہمانی اس شان و شوکت اور فراخدلی سے ادا کئے کہ خود سلطانعالم باوجود آلام روحانی اُنکے حسن خدمات سے خوش و بشاش گزارہ ہوئے دس روز وہاں قیام کرکے راہی کلکتہ ہوئے اور ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء مٹیا برج مہاراجہ بردوان کی کوٹھی

میں جو مولوی مسیح الدین خاں سفیر شاہی نے پہلے سے بکرایہ تجویز کر رکھی تھی رونق افروز ہوئے۔
ادھر چیف کمشنر نے جایزہ جملہ کارخانجات سلطانی اور ملازمینِ شاہی لیا۔ فوج پیادہ و رسالہ ملاکر مجموع
۸۷ ہزار ملازم ہر فرقہ و پیشہ بموجب فردِ دفتر شاہی برآمد ہوئے۔ سب کو حکم برطرفی سنا دیا۔ سات ہزار
چوپایہ۔ دو سو ہاتھی۔ دو ہزار گھوڑے۔ ۱۰۷ اشتر دو لاکھ کبوتر اور بیشمار اسباب سرکار شاہی میں موجو
پایا۔ جنکا کوٹھی دلآرام میں دو ماہ تک نیلام ہوتا رہا۔ اسیطرح اور اسباب لکیاب کوڑیوں پر نیلام ہوا۔ کروڑوں
روپیہ کا سامان جو سو برس سے اودھ پر زمانِ وزارت و شاہی میں مہیا ہوا تھا چشم زدن میں برباد
ہوگیا۔ دیکھتے دیکھتے سب کارخانۂ شاہی درہم برہم ہوگیا ؎

	مگر جب زوال آگیا گھر لٹا		بہت عہد اقبال میں زر لٹا

بعد ورودِ کلکتہ سلطان عالم نے کچھ مشاہدۂ صعوبت سفر اور کچھ مصلحت وقت سے اپنا ارادہ روانگی
ولایت فسخ فرمایا اور یہ ٹھیری کہ بجائے خود مادر مقدسہ جناب عالیہ ملکہ کشور صاحبہ کو مختار جزو کل بناکر
واسطے درستیٔ امور شاہی روانہ کیا جائے۔ چنانچہ جنابعالیہ مع فرزند دوئمی جنرل مرزا اسکندر حشمت
و مرزا حامد علیخاں ولیعہد بہادر ۱۸۔ جون ۱۸۵۶ء کو بوقت شب سوار ہو کر راہیٔ منزلِ مقصود ہوئیں
اس قافلۂ شاہی غریب الدیار میں ۱۱۰ زن و مرد تھے۔ بادشاہ نے تحائف گراں بہا دنایاب
برائے نذر حضرت ملکہ معظمہ اور دو برس کا زادراہ دیکر رخصت کیا۔ انہیں پریشانیوں میں
ایک برس مشکل سے گزرا تھا خبر آئی کہ میرٹھ اور دہلی میں فوج برگشتہ ہوگئی۔ اور فوج باغی نے
لکھنؤ میں مرزا برجیس قدر کو مسندِ حکومت پر بٹھادیا۔ ایسی تشویش ناک حالت میں گورنر جنرل نے
بلحاظ مصلحتِ وقت حکم دیا کہ سلطان عالم فورٹ ولیم میں قیام فرمائیں چنانچہ صاحب سکتر اعظم یہ پیغام
لیکر حاضر حضورِ شاہی ہوئے اور اُسیوقت اپنے ہمراہ فورٹ ولیم لے گئے۔ نواب مجاہدالدولہ پھوپھا
مرزا فتح الدولہ برق۔ مصلح السلطان نواب عنایت الدولہ وغیرہ۔ ہمرکاب رہے چنانچہ وہیں ۲۸
صفر ۱۲۷۴ھ کو فتح الدولہ برق نے بحالت تپ انتقال کیا۔ بادشاہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اُستاد
بلکہ جاں نثار تھے ابھی رہائی نہیں ہوئی تھی کہ جنابعالیہ ملکہ کشور والدہ کے انتقال کی خبر پیرس سے

آئی - چند ہی روز بعد برادر عزیز جنرل سکندر حشمت کی خبر رحلت ملی - اِن صدمات پیہم سے از حد رنج و ملال ہوُا - آخر کار خدا خدا کرکے بعد فروہشتگامہ کامل ۲۶ ماہ کی کڑیاں جھیلکر حکم رہائی ملا - چنانچہ ۹ - جولائی روز شنبہ ۱۸۵۹ء حضرت سلطان عالم مع رفقائے خاص قلعے سے داخل مٹیا برج ہوئے - اُسدن جملہ محلات معلی میں شکرانہ سلامتی ادا ہوا - ۲۹ ستمبر ۱۸۵۹ء کو مرزا ولی عہد بہادر بھی سفر ولایت سے واپس آگئے - کم و بیش دو کروڑ روپیہ کی زیر باری اس سفر میں ہوئی اور نتیجہ جو کچھ نکلا ظاہر ہے +

اگرچہ شاہ اودھ کی ظاہری حالت اور انتزاع سلطنت کو دیکھ کر عبرت پسندوں کا خیال تھا کہ اب وہ طمطراق و شاہانہ عیش و نشاط اس مٹیا برج میں کہاں مگر نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے اور حقیقت حال سے آگاہ اشخاص بخوبی جانتے ہیں کہ اس فلاکت اور گئی گزری حالت میں بھی اس باوضع بادشاہ نے تادم مرگ اپنی کسی عادت اور کسی شاہانہ عیش پرستی و شغل میں فرق نہ آنے دیا - اور اس شعر کا مصداق بنا رہا ؎

تند بادِ قہر نے کشتی کو توڑا پر میاں	زمزمہ لب پر وہی ہے ہر چہ بادا باد کا

اس غریب الوطنی میں بھی بیس ہزار قدیم متوسلین حضرت کے ہمرکاب رہے اور سب کے ساتھ حتی الوسع وہی سلوک وہی برتاؤ قائم رکھا جو زمانہ سلطنت میں برتا جاتا تھا - جس نے مٹیا برج کی اُس زمانے میں سیر کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اس مٹی ہوئی حالت میں بھی اُسے باغِ ارم بنا کر راجہ اندر کا اکھاڑا کر رکھا تھا - اسپر محلات و ایوان دلکشا کی وہی شان - سامان و اسباب آرایش کی وہی افراط جو ہر شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے غرض وہ کون سی شوکت و شان تھی جو وہاں نمایاں نہ تھی - ہر قسم کے جانوروں کا دلی شوق تھا - چنانچہ آپ کا چڑیا خانہ ایسا نادر اور بے مثل تھا کہ اکثر یورپ کے سیاح اُسے دیکھنے آتے تھے اور آپکے مذاق اور تلاش کو سراہتے تھے اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہیں کہ دنیا کا وہ کون شوق تھا جو سلطان عالم کو نہوُا اور خدا کے فضل و کرم سے سب ہی شوق پورے ہوتے تھے - ہر ایک شوق سے بڑھکر فنِ موسیقی کے رسیلے تھے - اور

غالباً اسی دُھن نے امور سلطنت کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ خود اس فن میں ایسا دخل رکھتے تھے کہ جواب نہ تھا خیر اب اس قصہ کو یہیں چھوڑ کر ہم انکی نفس شاعری کے متعلق اپنی راے ظاہر کرتے ہیں۔ انکے متعدد دیوان۔ مثنویاں۔ ضخیم مرثیے۔ سلام اور مختلف اور بے شمار نظمیں دیکھکر ہر شخص یہ راے قائم کر سکتا ہے کہ سلطان عالم ہر وقت اور ہر لحظہ اسی فکر میں رہتے ہونگے۔ ہر رنگ اور ہر طرز میں لکھا ہے مگر اساتذۂ لکھنؤ کی خشک کلامی کے زبردست اثر پر حاوی نہو سکے چنانچہ کلام میں سوز و گداز کم ہے۔ اور زیادہ تر رعایت لفظی ہی کی تکرار ہے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ سلام۔ قطعہ الغرض کوئی صفتِ شاعری انکی فکر رسا سے نہیں چھوٹی بلکہ اپنی حیرت انگیز پُرگوئی کی بدولت جو کچھ لکھا جی بھر کر لکھا مگر افسوس ہے کہ جملہ تصانیف میں صرف مثنویوں نے قبولیت کا درجہ حاصل کیا۔ وزیر السلطان نواب امیر علیخاں صاحب نے وزیر نامے میں آپ کی تصانیف کی فہرست لکھی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے ۶ دیوان۔ شیوع فیض۔ قمر مضمون۔ سخن اشرف۔ گلدستۂ عاشقاں۔ اختر ملک۔ نظم نامور۔ متعدد مثنویاں۔ حزن اختری۔ بنی۔ ناجو۔ دولہن در فن موسیقی۔ قصائد فارسی و اردو۔ مباحثہ بین النفس و العقل۔ نصائح اختری۔ عشق نامہ۔ رسالۂ ایمان در بیان مصائب اہلبیت۔ دفتر پریشان۔ مقتل معتبر۔ دستور واجدی در سیاست مدن۔ صوت المبارک۔ ہیبت حیدری۔ قصائد المبارک۔ جوہر عروض۔ ارشاد خاقانی در عروض۔ اور خدا جانے کیا کچھ لکھا ہے۔ جملہ تصانیف کی تعداد چالیس جلدوں سے کم نہیں ہے۔ انکے زمانے میں کیا بلکہ ان سے پہلے ہی لکھنؤ کے شعرا رعایت لفظی اور استعارہ بندی کا ایسا رواج دے گئے تھے کہ وہاں والے اب تک اس طرز پر مٹے ہوئے ہیں۔ غزلوں میں حضرت اختر کی روش بھی وہی تھی۔ پس ہم نہایت آزادی سے اس رعایت لفظی کی پابندیوں کو مدنظر رکھکر ان کی غزلوں پر راے دیتے ہیں کہ انکے کلام میں اکثر جگہ موزونی طبع اور فراہمی الفاظ کے سوا کوئی خاص زبان یا بیان کا لطف نہیں پایا جاتا۔ مثنویوں میں البتہ اکثر جگہ روزمرہ اور بیان کی صفائی کا خیال رکھا ہے۔ انکی اکثر تصانیف سلطانی مطبع کی چھپی ہوئی ہیں جو اب کمیاب ہیں۔ راقم تذکرہ نے بہت کوشش۔ تلاش کے بعد انکی تصانیف کا کافی سرمایہ

بہم پہنچایا - دیوانوں اور مثنویوں کے علاوہ انکے مکتوبات وغیرہ دیکھکر ایک عجیب اور قابل قدر
بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ اختر ہی ایک ایسے بے دھڑک اور سچے شاعر تھے جنہوں نے اپنے تمام
خفیہ رازوں دلی بھیدوں اور خانگی باتوں کو اسطح صاف صاف الفاظ میں نہ صرف اپنی خاص
مجلس اور چند محرم راز لوگوں میں بیان کیا بلکہ اُن خیالات کو زیور طبع پہناکر ملک کے سامنے بھی پیش
کر دیا - انکی یہ اخلاقی جرات واقعی اس خاص روش میں تمام شعراے ماضی وحال سے بڑھ گئی ہے
ایام ولی عہدی سے کلکتے کے جانے کے وقت تک منشی مظفر علی اسیر اور فتح الدولہ برق آپکے
ہم صحبت وہم مشورہ رہے - شعرا کی بڑی قدر فرماتے تھے چنانچہ خواجہ اسد قلق - زکی - درخشاں -
قبول - میر علیجان شفق - بیخود - ہنر - عطارد - ہلال - وغیرہ صدہا شعرا آپکے دامن دولت سے
وابستہ تھے - افسوس ہے کہ آپکی اولاد امجاد میں سے مرزا ولیعہد - جنرل فریدوں قدر - مرزا خوش بخت
وغیرہ لائق اور قابل شاہزادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اخیر زمانہ میں صاحب عالم
مرزا جہاں قدر بہادر خلف ارشد جنرل مرزا سکندر حشمت کو اکثر سعادتِ ملازمت نصیب ہوتی تھی
اُن سے مہر و محبت بھی ایسی تھی کہ بعینہ فرزندانہ برتاؤ اُن سے ہوتا تھا جس سے خود اُنکے اور لوگوں
کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہوتی تھیں - انجام کار یہ سرزمین ہند کا آخری خود مختار بادشاہ
۲۱ - ستمبر ۱۸۸۷ء مطابق سوم محرم ۱۳۰۵ھ کو ایک خفیف علالت کے بعد سلطانخانہ مبارک میں راہی
عالم بقا ہوا اور تیسرے روز اپنے تیار کردہ امام بارہ سبطین آباد میں پیوند زمیں ہوا - راقم تذکرہ بارہا
مٹیا برج و مدفن سلطان العالم کی زیارت سے مشرف ہوا ہے ٭

شاہزادگان والا نژاد میں پرنس افسر الملوک مرزا اکرم حسین بہادر جو بلحاظ عمر اپنے بھائیوں سے بہت
چھوٹے مگر بلحاظ علم و فضل و لیاقت ذاتی ہر طرح افضل و فائق ہیں - خاص طور پر قابل ذکر ہیں -
راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں عرصہ سے شرف نیاز حاصل ہے - پرنس نوازش فرماتے ہیں ٭
اب ناظرین کی دلچسپی کے لئے مطبوعہ دیوانوں کا انتخاب پیش کیا
جاتا ہے ٭

انتخاب از دیوان سوم معروف بہ قمر مضمون

اس عشق نے رسوا کیا میں کیا بتاؤں کیا کیا
آہ دلِ ناشاد نے اور آسماں پیدا کیا

آتشِ ہجراں کا دنیا میں فسانہ ہوگیا موچی کھولا[1] جل کے کالا جیلخانہ ہوگیا
آگے فردوسِ بریں تھا اب ہے مالک کا گھر رشکِ قصرِ ہشتمیں سلطانخانہ[2] ہوگیا
اے پریزادو تمھاری آگ نے پھونکا یہ گھر قاف سے تا قاف شہرہ اور فسانہ ہوگیا
جب سے بنگالے میں رہنے کی اقامت دیکھنا ناوکِ سوزاں کا ہر بنگلہ نشانہ ہوگیا
دیکھا کئے جنازہ رونے کا تھا اجازہ اتنا مگر نہ پوچھا عاشق خفا ہے میرا
ہاتھوں سے دل نکلکر بانسوں اُچھل پڑا ہے ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھوگیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جا سب جانتی ہے دنیا مظلوم و مضطر اختر بے پرتہ ہے میرا

فاختہ ہوں میں گل سی صورت کا سروِ آزاد ہوں محبت کا
چال سے انکی حشر برپا ہے قد بھی مضمون ہے قیامت کا
شفق سرخ چرخ کے اوپر خون ہے جامۂ شہادت کا

کمر دھوکا دہن عقدہ غزال آنکھیں پری چہرا شکم ہیرا بدن خوشبو جبیں دریا زباں صیقل
براے سیر مجسا رند میخانے میں گرآئے گرے ساغر لنڈھے شیشہ ہنسے ساقی بہے دریا
یہی تشویش شب و روز ہے بنگالے میں لکھنؤ پھر بھی دکھائیگا مقدر میرا
سلطنت چھوڑدی درویشوں کی صحبت کیلئے صنعتِ عشق میں ہے کوئی بھی ہمسر اپنا
جسکی جو بات ہے تا مرگ رہی اُسکے ساتھ ایک پیوند بھی اس جامے میں جوڑا نہ کیا

[1] کلکتہ میں جس محلہ میں شاہ اودھ مقیم تھے اُسکا نام ہے ۱۲
[2] اُس شاہی محل کا نام ہے جسمیں خود بادشاہ بنفس نفیس رہتے تھے ۱۲

وفا گبر و نصاریٰ میں کہاں اے کلکِ گندم گوں / اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو بے ایماں مجھے لکھنا

نہیں چاہیئے قصرِ فردوس زاہد / مجھے ہے فقط کوئے جاناں سے مطلب

میرے دم سے ہوئی دنیا میں بنائے غربت / ہے وطن خواب بنی منزل و جائے غربت

ملک و مال و زن و فرزند و ریاست سے چھٹا / مجھے مظلوم بھی کہتے ہیں ورائے غربت

مرضِ ہجرِ وطن کی نہوئی کچھ تدبیر / خضرِ عشق بتائے گا دوائے غربت

زلفِ تہمت سے پھنسی آن کے کلکتے میں / ہمنے زنداں[۵۱] کو بھی دیکھا ہے سوائے غربت

لوگ کہتے تھے سفر[۵۲] خوب ہے لاکن ہیہات / رخ سے بڑھ کر کہیں بدہائی فضائے غربت

شہر کس کا ہے وطن کس کا مرا نام یہ ہے / بندۂ درگہِ اللہ گدائے غربت

یہ تمنا ہے زیست میں اے بارِ خدا / پھر مجھے لکھنؤ دنیا میں دکھائے غربت

ظلمِ ظالم سے نہ مفلس کوئی بے گھر ہوئے / کسی مظلوم کو یارب نہ ستائے غربت

ہاں وطن دیکھیں تو شاداں ہو دلِ زار مرا / یہ بھی ممکن ہے کہ روتے کو ہنسائے غربت

وحشتِ خانہ سے بڑھ کر ہے کہیں حبِ وطنی / تنگیٔ گور سے بدتر ہے فضائے غربت

یوں تو شاہِ جہاں پر ہے پڑا وقت مگر / ختم ہے اختر بیکس پہ جفائے غربت

فقیر اپنی بھی گدڑی ہی نئی بنائے گا / شہِ کرم نے سرِ تخت گر سنوارا تاج

غرور و مے پرستی خوئے بدرنج / یہ انساں کے لئے ہیں چار دوزخ

کس کی نگاہِ تیز کا مائل ہے دیکھنا / دل سینے میں جو ہے پئے نوکِ سناں اداس

۵۱ ہنگام غدر ۵۷ء میں سرکار انگریزی نے بنظر مزید احتیاط سلطان عالم کو فورٹ ولیم کلکتہ میں ۲۶ ماہ تک نظر بند رکھا تھا اُسکی طرف اشارہ ہے ۱۲

۵۲ بوقت انتزاع سلطنت رفقاء و ندمائے کے مشورہ سے اپیل کرنے کیلئے ولایت جانے کا ارادہ تھا چنانچہ کلکتے تک آئے تھے کہ طبیعت ناساز ہوگئی - اور بجائے خود اپنی والدہ ملکہ کشور اور حقیقی بھائی جنرل سکندر حشمت اور مرزا حامد علی اپنے ولیعہد کو انگلستان بھیجدیا - اور خود کلکتے میں معاودت کے منتظر رہے - لیکن پھر لکھنؤ جانیکی اجازت نہ ملی ۱۲

اختر ہوں میں فرزند مرے کوکب[۵۱] و برجیس[۵۲] — روشن ہے مہ و مہر سا گھر بھر کا تخلص
کیوں سلسل کیا چھوڑ و مجھے آئی ہے بہا — اب تو وارفتہ گیسوئے سلاسل ہوں میں

اڑیں چہرہ پہ جب جا کر تو نظریں ہٹ نہیں سکتیں — سمندر میں بھی ٹکر کھا کے موجیں پھٹ نہیں سکتیں
سخاوت کیا کروں گا داغہائے جسم عریاں سے — خزانے میں وہ مہر جمع ہیں جو بٹ نہیں سکتیں
توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہے فرقت میں — وہ راتیں ہجر کی ہیں اے خدا جو کٹ نہیں سکتیں
وہ معشوقِ حقیقی ہے جو بے غم ہے زمانے میں — مجھے دو چار دل اس طرح سے کھلا دو جو بے غم ہوں
یہی منظور ہے دم بھر نہ ہوں وہ دور آنکھوں سے — مری آنکھوں کی پتلی کی طرح وہ پاس ہر دم ہوں
قید ہونے سے کہیں بوئے ریاست جائیگی — لاکھ گردش آسماں کو ہو زمیں ہوتا نہیں
نقش حب تک کھو گیا جب سے ریاست مٹ گئی — اب مسخر بھی کوئی زہرہ جبیں ہوتا نہیں

دکھاتے ہیں جو یہ صنم دیکھتے ہیں — خدا کی خدائی کو ہم دیکھتے ہیں
زن و خویش و فرزند و دولت سے چھوٹے — نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
اسے شہ حسن عشق نے لوٹا — عدل کر عدل بہر داد ہے تو

یہی تکلف بخشش ہے بے غرض ہو نہال — جو چاہوں میں وہ مجھے بے سوال دیڈالو
لبالب کر دے اے ساقی ہے خالی میرا پیمانہ — سلامت دورِ گردوں تک یہ شیشہ اور میخانہ
مجھے مشرک نہ سمجھو میں موحد ہوں زمانے میں — تصاویرِ خیالی سے بھرا ہے میرا بتخانہ

[۵۱] مرزا حامد علی ولیعہد کا تخلص ہے۔ بعالم شباب کلکتے میں سفر آخرت اختیار کیا ۱۲

[۵۲] سلطان العالم کے خلف چہارمیں مرزا برجیس قدر کا تخلص ہے۔ آشوب غدر میں ان کی والدہ حضرت محل نے انہیں مسندِ حکومت پر بٹھا دیا تھا۔ اُس زمانے میں انکی عمر نو دس سال کی تھی بعد فتح لکھنؤ اپنی والدہ کے ہمراہ نیپال چلے گئے اور ایک عرصہ دراز تک وہیں رہے۔ مہاراجہ سر جنگ بہادر نے معقول وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر کر دیا تھا۔ بعد وفات سلطان العالم وراثت پدری کے دعویدار ہو کر کلکتے آئے تھے کہ ناگہاں پیام اجل آگیا ۱۲

ضعیفی میں بھی لپٹی ہے بلائے شاعری ہمسے
بدوں سے چین نہیں ملتا بعد مردن بھی
چاند کو داغ لگایا رخِ جاناں تو نے

نہ چھوٹے گی کبھی اختر قلم سے مشقِ طفلانہ
کفن چرا اُچکے سنگِ مزار لوٹیں گے
دامنِ دل کو کیا چاک گریباں تو نے

مرے داغِ دل کا لگے داغ اُسکو
رخِ ماہ پر ہو نشانی ہماری

ریاست یاد کرنا بے زر و سلطانِ عالم کی
مصیبت گر پڑی راحت سے تم تبدیل کر دینا
فوجِ حُسن آج چڑھی آتی ہے اے شاہِ ادا
درگاہ حق تعالےٰ کا کیا بندوبست ہے
کیونکر سمجھاؤں اپنے دل ناصبور کو
سوتا ہوں بحر نغمہ کا میں بادشاہ ہوں

یہاں مثلِ گدایاں جام لیکر جم جو آجائے
خوشی سے دور کرنا جلد اُسکو غم جو آجائے
عشق نے لوٹ لیا ہمکو دہائی تیری +
درکار ہے وکیل نہ حاجت سفیر کی +
اُٹھتی جوانی اُن کی ہے اُٹھتی اُمنگ سے،
اے بھیرویں ادب سے یہ شہر تلنگ ہے

مگر ظلم اتنا تو اے شاہ خوبی
اُٹھائی کھجاوٹ اُرکا وٹ عیاں ہے

محبت نے لوٹا دہائی ہے تیری
طبیعت بتا کس پہ آئی ہے تیری

زہرہ سہیل شمس خور بدر سہا تو کون ہے
روک نہ اِس خیال میں بول نہ ایسے حال میں
راگ خیال گاتا ہے رقص خوشی دکھاتا ہے
بجا لاؤں گا سجدے شکر کے اُن کی جفاؤں پر

ہوش رُبا ستم گرا ماہ لقا تو کون ہے
ٹوکتا ہے وصال میں مجھکو بھلا تو کون ہے
دور سے کیوں رجھاتا ہے پاس تو آتو کون ہے
رضائے یار پر راضی ہوں میں جام مرا سر ہے

طلعتِ حُسنِ صاف جب دیکھے
دیکھ کرشمہ چشم میگوں کا

آئینے پر غبار آجائے
بے پئے سے خمار آجائے

ردِ سوال کیا ضرور بوسہ بھی دیجئے حضور
اختر پسند آگیا مصرع ہلال[۱] کا

عاشقوں کا تو کام ہے آپ کا اسمیں نام ہے
دو لہ کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

[۱] ہلال تخلص ہے منشی امیر علیخاں لکھنوی کا جو میر علی اوسط رشک کے شاگرد اور حضرت سلطان العالم کے مٹیا برج کلکتے میں مصاحب تھے۔ حضرت جلال لکھنوی انہیں کے شاگرد ہیں ۱۲

کلکتے کے آنسو ہیں رواں بھاگا رتی میں
غربت کو تاسف ہے مری بیوطنی سے

میں قدرداں تمہارا ہوں تم میرے قدرداں
پروا نہیں ہے شاعر و تم کو جہاں کی

اب نشانِ عشق کلکتے میں گاڑا چاہیئے
حُسن شہر لکھنؤ ہر دم او جاڑا چاہیے

تری یاد کا دل میں وہ جوش ہے
غمِ دین و دنیا فراموش ہے

دیس اپنا چھٹ گیا پردیس میں رہتے ہیں ہم
تجکو اے قوال مضمونِ خیالی چاہیئے

خواہشِ وصل ہا ر دونی ہے
طپشِ قلبِ زار دونی ہے

نہ ساتھ والو کرو بہانہ میں پوچھتا ہوں یہ دوستانہ
کدہر کو ہے قافلہ روانہ بتاؤ آئے ہو سب کہاں سے

کہاں جاتے ہو صاحب سو رہو اب رات بھی کم ہے
کیسے ٹھنڈا کروگے تم جلا کر ہم کو اے جانی

بقا جس کو ہے وہ راہ عدم ہے اے مسافر سن
بناتا ہے کہاں پر قصر یہ تو دار ہے فانی

لگا ٹھوکر نہ پائے ناز سے تو
کبھی تاجِ سرِ ہندوستاں تھے

ظاہر میں ضعیفی ہے تو ہو پیر نہیں ہوں
جائیگی نہ تا حشر جوانی مرے دل کی

کلکتے نے نابود کیا خوابِ خوشی کو
پل بھر مجھے اس شہر میں غفلت نہیں آتی

انتخاب از دیوان گلدستہ عاشقاں

کیوں پھڑکتا ہے تن میں طائرِ روح
مژدہ آزادی کا قریب آیا

دل تلک چھین لیا وصل میں اے خانہ خراب
خارِ فرقت کے سوا اب نہیں گھر میں تنکا

پھیلا ہے عبث داغِ سیہ ناخنِ غم سے
اختر جو تمہارا مہ تاباں تھا تو یہ تھا

الفت ہے پری کی اُسے دیوانہ ہے اُسکا
دل مشق تصور سے پری خانہ ہے اُسکا

بے عاشقِ دل سوختہ معشوق سنو گا
وہ شمع ہے جس جا وہیں پروانہ ہے اُسکا

ہم نمازوں میں جو بے باک کھڑے رہتے ہیں
سامنے یہ بتِ سفاک کھڑے رہتے ہیں

گو لے کے خط گئی ہے صبا یار کی طرف
نامے کے پرزے لیکے پھرے گی جواب میں

جنت ہے کوئے یار ضعیفوں کی جا نہیں / گو شیخ اپنی ریش کو رنگے خضاب میں

اے طبیبو مرضِ عشق کی کرتے ہو دوا / خوں سینہ میں مرا غم سے جگر ہو کے نہو

نکالوں کس طرح دل سے ترے مژگاں کے تیروں کو / مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

تنہا جو جاہے زاہد میرے بغیر تو / اِک آہِ آتشیں سے جلادوں بہشت کو

رشک زہرہ غیرتِ پرجبیں ہے / میں سلیماں ہوں تو وہ بلقیس ہے

منتخب از کلیات سلامہا موسوم بہ ایمان ۱۲۸۸ھ

رباعی

بائے بسم اللہ بھی بہبودئ بیمار رہے / سین سے ہے اُس کا سفینہ بحرِ غم سے پار رہے

میم سے مال و منال و ملک خوش ملتا ہے روز / ہے الف وحدت پہ دال اب اپنا اللہ یار ہے

رباعی

مطبوع طبائع ہے کلامِ اختر / پریوں میں ہے قاف تک بھی نامِ اختر

یہ ملک نہیں مال نہیں جو چھن جائے / اِس مال کا حافظ ہے امامِ اختر

رباعی

میں لکھنؤ میں جیسی عزا کرتا تھا / اور گریۂ اندوہ و بکا کرتا تھا

ویسا ہی مرا حال ہے کلکتے میں / پر یاد نہیں کہ عیش کیا کرتا تھا

رباعی

میں مستِ خراباتِ جہاں تو خالق / بخشش تجھ ہی سے ہے ذات تیری فائق

میں نے تو کئے جو مجھ پہ پھبتے تھے گناہ / تو کر وہی ہے خدا جو ترے لائق

انتخاب کلیات موسوم بہ نظم نامور - دفتر سوم دیوان مبارک - ۱۲۸۷ مطابق ۱۸۷۰

سراغِ میکشاں اے محتسب ہوگا تجھے حاصل / کبھی باندھا گیا ہے ہاتھ بھی دزدِ حنائی کا

اے دل یہ نصیحت کسی ناصح کی ہے سن لے	بھولے جو تجھے اسکو بھی تو یاد نکرنا
مری زبان سے پوچھو مزا محبت کا	یہ خوب جانتی ہے ذائقہ محبت کا
مجھسے کیا پوچھتے ہو جاؤں نہ جاؤں اختر	نہ کہے گا کوئی مجنوں اری لیلا اٹھ جا
نہ ٹوٹیں شیشہ و ساغر صراحی چور نہو	الٰہی خیر ہو وہ مست بے حجاب آیا
فقیری فخر شاہاں ہے یہ قول احمد کا ہے ای دل	پڑا ہے تخت سلطاں سے کہیں بایہ توکل کا
نہ رہے گا نہ رہے گا بلد غربت میں	اختر زار کو اب اپنا وطن یاد آیا
مجھی کو واعظا پند و نصیحت	کبھی اسکو بھی سمجھایا تو ہوتا
اللہ نے وہ دولت صورت اسے دی ہے	دنیا میں ہے محتاج غنی اسکے کرم کا
رندانہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں	پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا
جسنے ہیں دیکھا نہو وہ دیکھ لے اختر	اپنا علم عشق رخ مہر پہ جھکا
کیا ہوا گر عشق میں تیرے لٹا ملک اودہ	اک گدا ادنیٰ سا ابراہیم ادہم ہو گیا
رند مشرب کا گزر ہوتا ہے چھپ جائیں سب	دین پوشیدہ کریں گبر و مسلماں اپنا
شعر گوئی میں مزا ایسا ملا ہے اختر	مرتے مرتے نہ کبھی شوق غزل جائے گا
عجیب کوچہ ہے اپنے جی کا کہ پاؤں ٹکتا نہیں خوشی کا	پتہ نہیں اسکی دل لگی کا یہ دل بھی معشوق ہے کسی کا
تیرا ابھی دکھائی نہ دیا اے اختر	گنج قاروں کا بھی ہرگز نہ کبھی مال کھلا
کس بلبل کے دلکو جلایا کونسی بیکل کلی ہوئی	اتنی دیر رہے گلشن میں بولو کیا کیا کام کیا
میں بندہ بنا اور سے ہو نہ الفت	یہ قیمت سب سے پہلے چکا لیجیے گا +
اک مرض جاتا رہا تو دوسرا پیدا ہوا	قلب کے جلنے کا مجکو عارضہ پیدا ہوا
گاؤں دُہرہ پہ کوئی ٹپہ	خواب میں بھی یہی خیال رہا
بہت زخم جراح تونے بھرے ہیں	مرے داغ کا کوئی مرہم نہ نکلا
اقلیم معانی میں عمل ہو گیا میرا	دنیا میں بھروسا تھا کسے تاج و نگیں کا

دیکھ ڈالے ایک نظارے میں دو رخسار یار
عجب کیا زاہدا تیری عبادت ہو پسندِ حق
دھوئیں سے آہِ دل کی محملِ لیلی نظر آئی
اندھیرا ہو گا موئے کا بے نور سارا شہر

ختم سینے دفعۃً قرآن پر قرآں کیا
تو پڑھ مثلِ کلام اللہ اک بار امرے دل کا
بنایا چاک دل مجنوں نے پردا اُسکی محمل کا
اختر اگر تو اپنے وطن سے نکل گیا

مژہ و ابرو انداز و نگہ دیکھوں گا
فوجِ اندوہ مرے ساتھ ہے اور لشکرِ غم
جو اُسکا چشمِ دل سے طلبگار ہو گیا
ترک محبت سے ہمعشوق ہو چکی

ناوک و تیر و تبر دشنہ و خنجر لوں گا
آج میں کوچۂ دلدار کو چلکر لوں گا
بیشک خدا اُسی کا مددگار ہو گیا
اختر بھی اب تو عشق سے بیزار ہو گیا

کافرانِ شہرِ بنگالہ سے ہم پہلو ہوں پر
میرے شعرِ ترکی لذت اُسکو خود ملجائے گی
اُس سے جو الگ ہوں تو سبھی دوست ہیں میرے
لختِ دلِ صد چاک کی فرقت میں غذا ہے
سن رکھو اسے دل کا لگانا نہیں اچھا
اے قاتلِ جاں روک ذرا تیغِ نگہ کو
چھانے ہیں ہائے محبت سے بیاباں کیا کیا
تختِ غربت سے کہیں بہتر ہے کاسہ فقر کا
کیوں بسا دہر میں دل اسکا ٹھکانا کیا تھا

شکرِ حق ہے میرے دل میں نورِ ایماں رہگیا
قدرداں ہوگا جو کوئی مرتبہ داں رہگیا
اُس سے جو ملا میں تو زمانہ نہیں ملتا
محزوں کو بجز غم کوئی کھانا نہیں ملتا
دنیا یہ بری ہے یہ زمانہ نہیں اچھا
آہیں ہیں بری دل کا دکھانا نہیں اچھا
پار تلووں سے ہوئے خارِ مغیلاں کیا کیا
بھیک مانگیں گے اگر اپنا وطن ملجائے گا
بے بسی میں مجھے اس دل کا لگانا کیا تھا

جس نے تجھے پیدا کیا
برسائے کفر کبھی نہیں
بے نفس کشی یادِ خدا ہو نہیں سکتی
اختر گنہگار ہے حاضر ہے بزم میں

اُسنے مجھے شیدا کیا
ناحق فلک گرجا کیا
بے روئے گجک ملتا ہے یہاں دل کب
نوکِ مژہ سے سینے پہ برچھی لگائیں آپ

دشت گلزار ہوا چاہتے ہیں عرض کرو
کل قیصر و خاقان و شاہنشاہِ جہاں تھے
ہر سو صدائے عیش و طرب منتشر ہوئی
ہم بھی شریکِ جلسۂ ابنائے دہر تھے
جلتا ہے تو بھی کوئے پری میں برائے دید
دل جلا جس سے اسی سے ہے یہاں الفت
پلکیں ہیں جو نیزے تو ہے سینہ کماں بھوں
پوچھتا ہے جو کوئی مجھکو کہ ہمراہ ہے کون
چشمِ تمنا تری دید سے ہے پُر بال
سایہ پری کا ہو جن کا ہوئے گزر
ہوتا ہے بادشاہ اُردوئے بازار خاص

کفِ سیاح کو دیں خار بیاباں صلت
ڈھونڈا نظر آتا نہیں تربت کا نشاں آج
اختر ترے مزے سے ہیں دیوار و در لذیذ
ٹھوکر نہ مار قبر پہ اے خوش خرامِ عیش
اختر ہے مہ جبینوں سے لبریز بامِ عیش
کہہ نہیں سکتا ہے ہر ایک سے انسان غرض
سہرے ہیں اگر وار تو موتی کی لڑی تیغ
شرم سے کہتے ہیں وہ ہے یہ ہمارا عاشق
اب تو جمے دل پہ بھی شوخیٔ رنگِ وصال
کھولا نہ کر کوٹھے پہ جھٹپٹے وقت اپنے بال
اختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبانِ بنگال

تو نے مجھے کیوں چھوڑا مری جاں
میں تو تیرا ہوں تابع فرماں

بلایا ہے شب فرقت کٹے دن ہو تو میں آؤں
تمہارا مصحفِ رخسار ضامن ہو تو میں آؤں

کیا کر نہ مفلس تو نگردوں کو
رُخ داغِ فرقت سے زرد ہم ہیں

خدایا طولِ عمرِ خضر دے شہزادہ بابر کو
لگایا داغ رخساروں کی ضو نے ماہِ تاباں کو
مری آہِ فقیرانہ نے دنیا سے اُٹھایا ہے
زبان پھیر دے ساقی لبوں پہ عاشق کے
نہ چشم تر رہی ویسی نہ خشکیٔ لب ہے
جو ہے برہنہ ہے جو مرد ہے وہ ننگا ہے [1]

صدف میں حفظ و عافیت کے رکھ تو اس مرے دُر کو
سہا کو بدر کو ناہید کو مہرِ درخشاں کو
علم کو طبل کو تاج و نگیں کو جشن و ساماں کو
سسک رہا ہے بڑی دیر سے جو ابانی
مریضِ عشق کو کلکتے کا لگا پانی
عروسِ شہر کی آنکھوں کا ڈھل گیا پانی

۱؎ بنگالی بالعموم صرف دھوتی پہنتے ہیں ۱۲

بیمار عشق دیکھے سے اچھا ہے اے مسیح — درکار ہے طبیب نہ حاجت دوا کی ہے

پرورش آگ میں کرتا ہے سمندر کو تو — کیا بجا پالا ہے مرے دل کو ستمگاروں سے

بے وفا تو نے ہماری پاسداری چھوڑ دی — کیا خطا دیکھی یکایک ہم سے یاری چھوڑ دی

نالہ و افغاں سے قائم ہے جہاں اے جان زار — حشر برپا ہوئے گا گر آہ و زاری چھوڑ دی

حسن کے آگے تڑپ اختر کے دل کی تھم گئی — دیکھکر سیماب صورت بیقراری چھوڑ دی

بوسۂ رخ سے جو شرمائی ہوئی آتی ہے — نکہت زلف بھی بل کھائی ہوئی آتی ہے

انتخاب دیوان چہارم

پڑا ہے پاؤں میں اب سلسلہ محبت کا — برا ہمارا ہوا ہو بھلا محبت کا

عارض صاف ترا رشک قمر دیکھ لیا — جان سی آ گئی جب ایک نظر دیکھ لیا

[illegible] سے تو مصحف عارض کا اشارہ یہ ہے — جسکا جی چاہے پڑھے وقف ہے قرآں اپنا

دل و جاں سے فدا تھا جو تجھپہ صنم گیا عشق میں وہ سوئے ملک عدم — بھلا اور کا شکوہ تو کیا کریں ہم مرے مرنیکا تجھکو بھی غم نہ ہوا

ہمارے سامنے جب شوخ مہ لقا آیا — گلے لگالیں یہی دل میں بارہا آیا

مرہم کوئی لگائیے جو دو چار داغ ہوں — اختر کا تن تو سر سے ہے پا تک جلا ہوا

تعشق میں بڑھکر یہ عالم نہ نکلا+ — جو سمجھو تو مجنوں سے میں کم نہ نکلا+

مجھسے دل لیکے بے وفائی کی — میرے دلدار نے مجھے مارا

ایک مانا نہ کہا تم نے مگر اختر نے — لاکھ رسوا ہوا پر تم سے کنارہ نہ کیا

ہوش میں لے آ ذرا انکو نگاہ مست سے — جام رخ سے ہو چکے سب طالب دیدار مست

چھوڑ جائیں گے زمانے میں کہے رکھتے ہیں ہم — یہ کہانی یہ فسانہ اور یہ قصہ یادگار

نام روشن ماہ کامل سے اگر چاہو سوا — منمٹو دنیا سے کھو دو دل سائل کا داغ

اس دوستی میں ہو گئے اسے مہرباں تمام — جب تک تم آؤ آؤ ہوئے ہم یہاں تمام

نہ تو غم کھاؤ نہ چپ بیٹھو نہ روؤ نہ کڑھو — اختر اس جور سے فریاد کروں یا نہ کروں

سہے غم پئے رفتگاں[5] کیسے کیسے
مرے کھو گئے کارواں کیسے کیسے

ملیں غیر ہم پاس سے دور ہوں
ابھی اپنی یہ تقدیر سے ہے

ہمیں جہاں نہیں بڑا اعتبار اُسکا ہے
وہ جیسا چاہے کرے اختیار اُسکا ہے

وحشتِ دل جو سلیماں کی طرح پھروائے
لکھنؤ میرا ابھی رشکِ پرستاں ہو جائے

یاد میں اپنے یار جانی کے
سہنے مر مر کے زندگانی کی

اختر) صاحب عالم مرزا احمد اختر خلف صاحب عالم مرزا دارا بخت میراں شاہ بہادر ولی عہد اول بہادر شاہ ثانی چشتیہ صوفیہ خاندان میں بیعت ہے اور پیر حاجی جزاں کے معتقد ہیں۔ قصبہ کرانہ میں طبابت کرتے ہیں۔ غدر کے بعد چھبیس تیس برس تک خوفِ دار و گیر سے گمنامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ سرکار سے معمولی وظیفے کے بھی خواستگار نہ ہوئے۔ بعد ازاں چند احباب خیر سگال کی کوشش اور ان کی مصنفہ مولفہ کتب طب و تصوف کی سفارش سے صاحب کمشنر بہادر دہلی نے رحم کھا کر دس روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کر دی۔ جس کے باعث کسی قدر گزر اوقات کی صورت ہو گئی ہے۔ زمانۂ گمنامی میں آپ شمال ہند کے اقطاع و جوانب کی سیاحت کر چکے ہیں۔ کچھ دنوں بھوپال میں بھی رہے ہیں۔ آپ کی ذات مستجمع الصفات شرافت۔ اخلاق۔ ہمدردی خلائق کا مجموعہ ہے۔ طبیعت فقر کی جانب زیادہ مائل اور اسباب آسائش سے متنفر ہے۔ شاہزادگی کے اظہار سے گھبراتے ہیں۔ تصوف کی بعض قدیم نادر الوجود کتابیں آپ نے بہم پہنچا کر چھپوائی ہیں سوانح دہلی وغیرہ کے کئی رسالے آپ کی تالیف سے شایع ہو چکے ہیں۔

عمر ساٹھ برس سے گزر چکی ہے۔ مولف تذکرہ کو دہلی میں حصول نیاز کا اتفاق ہوا۔ جہاں آپ اکثر تشریف لاتے رہتے ہیں۔ شعر گوئی کا شوق پہلے کے برابر نہیں رہا۔ اب اگر کچھ کہتے بھی ہیں تو وہ اکثر بزرگانِ دین کی تعریف میں ہوتا ہے۔ دیوان کبھی ترتیب نہیں دیا۔ اسی وجہ سے ہم آپ کے سابقہ کلام سے کچھ انتخاب درج کرتے ہیں ؎

پایا اُس وقت بس نشاں ہمنے
جبکہ اپنے کو بے نشاں دیکھا

[5] قافلۂ شاہی کی تباہی کی جانب اشارہ ہے جو برائے استرداد سلطنت ولایت گیا تھا۔ اور جس کوشش بے سود میں والدہ اور بھائی کام آئے

بسا جاتا ہے نظروں میں کُھبا جاتا ہے آنکھوں میں
نظر لگ جائے گی دیکھو سنبھالو اپنے جوبن کو

ہر اک ہے دلستاں اپنا کسے تھامیں کسے روکیں
تمہارے اُبھرے جوبن کو تمہاری بانکی چتوں کو

قطعہ
ہمیں ہیں اے فلک جنکا سلامی ایک عالم تھا
ہمیں ہیں کفش برداری تھی جنکی فخر بہمن کو

یہی ہم ہیں کہ شکلِ خارِ اُفتادہ ہیں صحرا میں
یہی ہم ہیں کہ مثلِ گل تھی زینت ہمسے گلشن کو

ہمارا ایک دل اختر کسے بخشیں کسے سونپیں
کسی کی چشم فتاں کو کسیکی بانکی چتوں کو

تم ذرا چشم فسوں گر سے اشارہ کر دو
اچھی ہو جاتی ہے بیمار کی حالت اچھی

کر کے اِک آہ وہیں رہ گئے احمد اختر
چلتی پھرتی جو نظر آگئی صورت اچھی

کوئی پوچھے سکندر سے کہاں وہ قصر عالی ہے
بتا تربت میں اب حاضر کوئی ہالی موالی ہے

اختر

(اختر) خواجہ عبد الغفار خلف خواجہ عبد الغفور۔ جہانگیر نگر ڈھاکہ کے مشہور کشمیری نوابوں کے خاندان اور حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگردوں میں سے تھے فارسی میں بیشتر اور اُردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے۔ تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت تک زندہ تھے۔ کلام حاضر ہے ؎

حیرت ہے اُسکے آنے پہ کیا پیشکش کروں
سینے میں دل رہا ہے نہ جاں اپنے تن میں ہے

پھولا ہوا خوشی سے ہر اک گل ہے اے نسیم
کس نوبہار حسن کی آمد چمن میں ہے

شمع روشن نہ سیہ خانۂ عاشق میں ہوئی
جلوہ گر وہ نہوا کلبۂ احزاں میں کبھی

اختر

(اختر) شیخ محمد رفیع صاحب اختر دہلوی رئیس لاہور۔ شیخ رحیم بخش صاحب مرحوم سوداگر۔ رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور کے خلف اکبر تھے۔ جنہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حسن ظاہری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا اور تسخیر قلوب کا خاص مادہ دیا تھا۔ ۱۸۸۹ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اُن کی کثیر املاک و جائداد کے وارث ہوئے۔ ازل سے رنگینی۔ نکتہ رسی۔ حسن پرستی۔ اور عالی حوصلگی کا مادہ آپکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ تواضع۔ مروت۔ اور اخلاق کا سب سے بڑا حصہ ملا تھا۔ چنانچہ خود مختار ہوتے ہی اوصاف بالا نمایاں ہونے لگے۔ بلکہ اسباب سرور و انبساط کی قدر دانی کے متعلق آپ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کی تعلیم اگرچہ

گھر پر کلام مجید و چند کتب فارسی اور اسکول میں ابتدائی انگریزی سے زیادہ نہوئی تھی - مگر قدرتی جودت طبع وتیزیٔ ذہن کی مدد سے چند سال میں ہی اتنی لیاقت بڑہالی کہ تحریر و تقریر میں کسی سے بند نہوتے تھے فکرِ صائب ورائے سلیم سے ہر معاملے میں ایسے باریک پہلو نکالتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کئی برس تک لاہور میں میونسپل کمشنر بھی رہے اور اپنی نیک طینتی اور خوش خلقی سے عوام وخواص میں ہردلعزیز رہے - ذوقِ شعر بھی بچپن سے تھا جس میں مشاغل تعیش سے اور ترقی ہوگئی - اشعار میں مشورہ لینے کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی - غزلوں میں شوخی و برجستگی خوب نمودار ہے جس آب و ہوا میں آپ زندگی بسر کرتے تھے وہ شعر کی نشو و نما کے لیے بہت مفید تھی اس لیے آپ کی تھوڑی سی غزلیں بھی جلد مشہور و مقبول ہوگئیں - افسوس ہے کہ تیرہ چودہ سال تک دادِ عیش و نشاط دیکر ۸ ستمبر ۱۹۰۲ء کو اس خلق مجسم نے ۴۲ برس کے سن میں رخت سفر جانب ملکِ عدم باندہا ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں + آپکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے

للچائے شیخ کیونکہ نہ دل بادہ خوار کا
گھر گھر کے آنا دیکھ تو ابر بہار کا

اختر شراب چھوڑ دی ہمکو یقین نہیں
کیا اعتبار رند کے قول و قرار کا

دشمن جاں ہے اُبھرتا ہوا جوبن اُن کا
رنگ لائے گا جوانی میں لڑکپن اُن کا

دام صیاد سے چھوٹے ہیں جو فصل گل میں
برق نے پھونک دیا ہائے نشیمن اُن کا

ہاں میں ہاں اُنکے ملادی تو وہ سب سے اچھا
اور پتہ کی جو کہے منہ پہ وہ دشمن اُن کا

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں
پسِ دیوار کھڑے سنتے ہیں شیون اُن کا

داور حشر سے کہہ دوں گا کہ قاتل ہے یہی
حشر میں تھام کے بیساختہ دامن اُن کا

تم اپنے وعظ کا اے پند گو پھر کھولنا دفتر
ذرا جلوہ تو دیکھو چل کے اُسکے روے تاباں کا

دل ہی تو ہے بس آنکھ لڑی اور نکل گیا
آتا ہے پھر یہ ہاتھ کہیں جب مچل گیا

مجنوں سے بڑھ کے شہرہ ہے اپنا جہان میں
چرچے ہوا کیے میں جدہر سے نکل گیا

عاشق ہو کوئی عشق کسیکا ہو انکو کیا
کیسی یہ پیچھے پڑ گئی خلقت کو کیا ہوا

خدا کے سامنے جاتے ہوئے اب شرم آتی ہے
چغلیاں کھاتا ہے بگڑا ہوا جوبن کیا کیا
اُن کو دل دے کے ہمیں فکر زیاں ہوتی ہے
پیارے صیاد ہمیں اب تو چمن دکھلا دے
حور و غلماں کے عوض تم کو حوالہ کر دے
ان کا پہلو شبِ مہتاب چھلکتا ساغر
بیڈھب پھنسا یا جاں کو دلبر کے پیچ میں
آتا ہے رحم مجھکو جوانی پہ شیخ کی +
دنیا میں جو ملا تھا وہ سب کچھ وہیں رہا +
بول اُٹھا دل کہ چراغِ تہِ داماں سے یہی
کہاں ہے یار وہ چشم میگوں نظر ہماری بھٹک رہی ہے
یہ فقرے چلتے ہوئے ہمیں سے پسینہ پونچھو ذرا جبیں سے
وہ غریب خانہ میں آ چکے ہیں گھر میں اپنے بُلا چکے
نہ صبا تو اتنی اکڑ کے چل وہ ہوا کیا ہے باغ میں آکے کل
نہ کر آختر اتنا قلق تو اب تجھے چین آئے گا او کب

حیا اُس دن کہاں تھی مجھ پہ جب خنجر چلایا تھا
مُنہ تو دیکھو ذرا آئینہ منگا کر اپنا
سچ ہے کچھ سیکھتا ہے آدمی ٹھوکر اپنا
دم نکل جائے قفس میں نہ پھڑک کر اپنا
کرے انصاف اگر داورِ محشر اپنا
اب دکھائے نہ خدا ہم کو سحر کی صورت
جکڑا گیا ہوں زلفِ معنبر کے پیچ میں
بیڈھب پھنسا ہے جنت و کوثر کے پیچ میں
باقی بس اک گناہوں کا دفتر بغل میں ہے
رُخ پہ ڈالے ہوئے اختر جو وہ آنچل آئے
کسی نوک مژہ ابھی تک ہمارے دل میں کھٹک رہی ہے
نہیں تم آئے اگر کہیں سے تو کیوں یہ آنگیا مسک رہی ہے
وہ نگاہیں ہم سے ملا چکے وہ جمال اپنا دکھا چکے
وہ جو گل تھے غنچوں سے ہم بغل وہ بہار اپنی دکھا چکے
تھی ہمیشہ جنکی تجھے طلب مرے خواب اُن سے اُڑا چکے

محبت محبت کیا کرتے تھے
نظر اب حسینوں سے آتے نہیں
آگ الفت نے پھر لگائی ہے
حسن طبیعت پہ ناز تھا اختر ✓

محبت کی اب تو خبر ہو گئی
خدا جانے کس کی نظر ہو گئی
میرے اللہ تری دُہائی ہے
اب وہ اپنی نہیں پرائی ہے

اختر

(**اختر**) عالی جناب سوائی راجہ پُن پرتاب سنگھ خلف الرشید ولیعہد ہز ہائنس مہاراجہ رگھبیر سنگھ بہادر کے سی ایس آئی والی اجی گڑھ۔ نواب شمشیر بہادر اخگر کے شاگرد رشید ہیں۔ ہندی کا علم

اچھا ہے - ۲۵-۲۶ برس کی عمر شباب کا عالم تازہ تازہ ذوق ہے - مشق سے امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے ؎

دل لئے حاضر تمہارا عاشقِ دلگیر ہے	کیسے تیر انداز ہو کیسا تمہارا تیر ہے
بن کے پتلی مری آنکھوں میں سمائے کوئی	درد کی طرح مرے دل میں در آئے کوئی
وعدۂ وصل سے انکار یہ چپکے چپکے	آنکھ سے میری ذرا آنکھ ملائے کوئی
آنکھیں روتی ہیں کسی کی صفتِ ابرِ بہار	بجلیاں ہنس کے کسی پر نہ گرائے کوئی

اختر

(اختر) منشی لطیف احمد اختر مینائی - خلف چہارم حضرت امیر مینائی لکھنوی - ۱۲۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے - رام پور میں اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی - وجیہ اور خوبصورت نوجوان ہیں - اس وقت اپنے والد نامدار کی شہرت کو اپنے تخلص کی طرح آسمانِ سخن پر خوب چمکا رہے ہیں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ اساتذہ گرامی قدر کی اولاد میں کوئی آبائی رتبہ کو پہنچا ہو مگر اختر کی چمک دمک امیر مرحوم کے عقیدت مندوں کو بہت کچھ امید دلا رہی ہے - گو اپنے والد ماجد کے فیضِ صحبت سے آپ بعض تلامیذ با اختصاص کی برابر مستفید نہیں ہونے پائے لیکن کلام کی شوخی و برجستگی اربابِ مذاق کے دلوں پر قبضہ کرنے لگی ہے آپ نے علمی استعداد اچھی پیدا کی ہے - اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا ہے - منشی صاحب مغفور کی ہمت افزائی سے بچپن ہی سے مشاعروں میں غزلیں پڑھا کرتے تھے مگر آپ کی پوری پوری توجہ اس فنِ لطیف پر ۱۸۹۰ء سے مبذول ہوئی جب اپنے اہتمام سے رسالہ دامن گلچیں از سر نو جاری کیا - اُس وقت سے اب تک آپ کی مشق زور شور سے جاری ہے - آپ ۱۹۰۰ء میں منشی صاحب مرحوم کے ہمراہ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے جناب موصوف کے انتقال کے بعد سے مع جناب جلیل عالی جناب یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام ریاست حیدرآباد دکن کی دستگیری سے اب تک وہیں قیام پذیر ہیں الحاصل حیدرآباد کے اکثر مقامی مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں - اور وہاں کے اہل مذاق استفادہ حاصل کرنیکے علاوہ آپ کی قدر بھی کرتے ہیں - مدار المہام صاحب کے ظاہری وسیلہ کے

سو ابھی تک ریاست سے کوئی مضبوط اور مستقل سلسلہ نہیں ہوا ہے۔ غزلوں میں آپکی معاملہ بندی دلوں پر قبضہ کرتی ہے۔ درحقیقت یہ رنگینی و مضمون آفرینی لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے۔ حضرت امیر کے انتقال کے بعد سے جو کچھ کہتے ہیں اُسمیں منشی جلیل حسن صاحب جلیل سے کہ منشی صاحب کے جانشین ہیں مشورہ کر لیتے ہیں انتخاب کلام ملاحظہ ہو

بچھڑ کے یار سے ملنا عجیب ملنا تھا
کہ آنکھیں روتی تھیں دل میں کوئی ملال نہ تھا

کچھ میر اقتل مدنظر تھا نہ یار کو
تلوار لی تھی ہاتھ میں اک وار کر دیا

ایسی نہیں ادا کوئی جس میں جفا نہ ہو
دشمن جو اپنا آپ ہو تمکو بنائے دوست

نقاب ابر منہ پر اس ادا سے ڈالدیتا ہے
کسی معشوق کا ہوتا ہے دھوکا ماہِ کامل پر

وہ کہتے ہیں کہ اپنا مال چوری جا نہیں سکتا
ہمارا نام کا طغرا ہے کندہ ایک اک دل پر

وہ بن ٹھن کر جو آتے ہیں شبِ مہتاب میں اختر
نظر اپنی کبھی اُن پر کبھی ہے ماہِ کامل پر

جب اسیروں نے سُنا گلشن میں آئی ہے بہار
مر گئے چاکِ قفس سے سوئے گلشن دیکھکر

ہائے کیا دن تھے وہ جب بیدار تھے اپنے نصیب
روز اُٹھتے تھے کسی کا روے روشن دیکھکر

رنگ بدلا دوست نے دیکھا دیکھی ایک کی
ہو گئی ترچھی نظر بھی بانکی چتون دیکھکر

میں بھی ہوں اُس شعلۂ رُخ سے یہ کہتی ہے نقاب
آگ بھڑکا اسے چراغ زیر دامن دیکھکر

اشارہ کر کے پھر آنکھیں چُرانا ہائے کیا کہئے
یہ سمجھے ہم گلے پر رُک گیا خنجر رواں ہوکر

یہ کیا ایسی ہے شے جسکو حسینوں سے چھپائیں ہم
جسے لینا ہو دل لیجائے لیکن مہرباں ہوکر

اُٹھائیں وہ نقابِ رُخ انہیں سے ہے کیا پڑی ایسی
وہ کیوں سارے جہاں کی جان لیں جانِ جہاں ہوکر

نگاہیں تیر ابرو اُن کے خنجر ہوتے جاتے ہیں
الٰہی خیر کرنا وہ ستمگر ہوتے جاتے ہیں

سحر ہوتے ہی کیا مژدہ صبا گلشن میں لائی ہے
کہ غنچے پھول کر جامے سے باہر ہوتے جاتے ہیں

گھر چھوڑے ہوئے مدت گزری
اب تو صورت بھی ہمیں یاد نہیں

ہم قفس میں ہیں چمن سے اچھے
خوف گلچیں غم صیاد نہیں

وہ سامنے ہوں اور نہ دیکھوں ادھر کو میں
نکلے تڑپ کے جاں جو روکوں جگر کو میں

تمکو کسی سے عشق جو ہوتا تو جانتے
اب کیا کہوں اذیتِ دردِ جگر کو میں

لعل و گہر کا فرش بچھا دوں زمین پر
جھٹکوں ذرا جو دامنِ مژگانِ تر کو میں

اب منہ چھپائیں آپ کہ آنکھیں چرائیں آپ
مشکل ہے یہ کہ پھیروں اِدھر سے نظر کو میں

دیکھوں ترے جمال کو ہے میری کیا مجال
ہاں حکم ہو تو دیکھ لوں اپنی نظر کو میں

فرقت کی شب پہاڑ سی ہیں نا روتا تو لوں
اللہ ہی دکھائے تو دیکھوں سحر کو میں

حسیں ہیں شمس و قمر آسمان والوں میں
تم آفتاب ہو دنیا کے مہ جمالوں میں

تسکین ہو کیا خاک جہاں رشک ہو ایسا
وہ ہاتھ دھریں دل پہ لگے آگ جگر میں

زاہد سے ہمیں وہی شبِ قدر
جس شب وہ رہیں ہمارے گھر میں

ہاں مانگ جو مانگنا ہو اختر
کیا چیز نہیں خدا کے گھر میں

ہمارا ضعف ہی باعث ہے زندگانی کا
کہ اب تو قوتِ پرواز مرغِ جاں میں نہیں

یہ کس نے باغ میں رکھا قدم خدا جانے
گلوں کو ہوش نہیں جان باغباں میں نہیں

وہ خاک اڑانے لگے جس کو کہہ دو دیوانہ
سوا تمہارے یہ بات اور کی زباں میں نہیں

زمانہ روتا ہے بلبل کی کم نصیبی پر
کہ گل تو گل کوئی کانٹا بھی آشیاں میں نہیں

دل لگا تو بچکے بتوں سے ہم
شرم اپنی ہے اب خدا کے ہاتھ

سبکدوشی نہ ہوگی دیکے سر بھی
تمہاری زلف کا سودا گراں ہے

نقاب اُس نے اُلٹ دی ہے سرِ راہ
وہیں کا ہو رہا اب جو جہاں ہے

او زلفِ سیہ بنانے والے
یہ کیا سرِ شام ہو رہا ہے

جائیگی دل سے اب کہاں یاس
دل ترا ہو گیا ہے تو دل کی +

اور کیا ہے جو نذر یار کروں +
ایک دل ایک آرزو دل کی

اُس بت کے سوا ہمارے دل میں
اللہ گواہ کچھ نہیں ہے +

غصے سے یہ حال ہو گیا ہے
وہ برقِ جمال ہو گیا ہے

ناقدر کے ہاتھ میں دل آکر
کیا مفت کا مال ہوگیا ہے

چاند اب کسکو دیکھنے نکلا
چڑھ کے کوٹھے پہ وہ اُتر بھی گئے

غم سلامت یہ غم ہو کیوں مجکو
سب ترے ہیں مرا نہیں کوئی

چاہتے ہیں کہ جان دیدوں میں
کہتے ہیں باوفا نہیں کوئی

موت ہی ہے علاج عاشق کا
اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

کیا سحر کیا دکھا کے دیدار
اب نالہ و آہ کچھ نہیں ہے

جو مانگنا ہے مانگ لے غافل کریم سے
تاثیر منتظر تری مُنہ سے دعا کی ہے

کھلتے نہ ایسے گل جو یہ کرتے نہ گریاں
پھولوں میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے

فتنے زمانہ بھر کے ہیں چشم سیاہ میں
اس کالی کوٹھری میں جگہ ہر بلا کی ہے

اُسکے مُنہ میں پھر زباں گویا نہ تھی
جو ہُوا واقف ہمارے راز سے

ہائے دنیا تھی کہ اک تصویر تھی
مٹ گئی تصویر حیرت رہ گئی

دیدنی تھی وہ اُداسی کی بہار
ہو کے گل جب شمع تربت رہ گئی

شدتِ دردِ دل و دردِ جگر کیا میں کہوں
چٹکی لیتے ہو تو تسکین ذرا ہوتی ہے

میں فنا ہو چکا دم ٹوٹ چکا غش کو لے
دیر کس واسطے اے آہ رسا ہوتی ہے

جو مٹے ایسے کہیں جنکا نشاں تک نہ رہا
ہمسری ایسوں سے نقشِ کفِ پا ہوتی ہے

تم خدا کے لئے چھوڑو نہ ادائیں اپنی
ہونے دو صدقے اگر خلق خدا ہوتی ہے

پھر نہیں دیکھتے پھر کر صفتِ نکہتِ گل
قفسِ تن سے جہاں روح رہا ہوتی ہے

سخت جانی کا بُرا خنجرِ قاتل کا بھلا
جان چھٹتی ہے نہ گردن ہی جدا ہوتی ہے

کس سے پوچھوں کہ جو کر جاتی ہے عاشق کو حلال
تیغ ہوتی ہے کہ قاتل کی ادا ہوتی ہے

غیر ممکن ہے مٹے جوہرِ ذاتی اختر
آبداری کہیں موتی سے جدا ہوتی ہے

عاشق و معشوق دو نو پردہ دارِ عشق ہیں
کیا مزے کی بات ہے ایک ایک کا ہمراز ہے

دل بیٹھ گیا شوخیٔ رفتار کے صدمے سے * اللہ اللہ ری تیری جرس آواز سے

کھنچ کے پہونچے مصر یوسف دل زلیخا کا پھنسا
وہ کشش ہے حسن کی یہ عشق کا اعجاز ہے

یہ کیا بتاؤں کہ دنیا میں کیا کیا سہنے
نہ پوچھ اے مرے پروردگار رہنے دے

کوئی پری ادا ہے کوئی مہ جمال ہے
یہ حال ہے کہ دل کا بچانا محال ہے

تم آفتابِ حسن ہو تم برقِ حُسن ہو
تم سے نظر ملائے یہ کس کی مجال ہے

کشتوں کے ساتھ بھی ہے وہی چال آپ کی
تربت ادھر بنی کہ اُدھر پائمال ہے

عشاق کو جب لوٹتے دیکھا تو وہ بولے
یہ جلوہ گہِ ناز ہے میخانہ نہیں ہے

ہمیں چُوکے جو اُن سے ذکر کر بیٹھے قیامت کا
وہ چل کر دو قدم بولے قیامت ایسی ہوتی ہے

ہائے کیا تاثیر رکھتی ہے حسینوں کی ادا
لطف کا کیا ذکر دیتی ہے مزا بیداد بھی

تمہیں بنائے گا کیا کوئی حضرتِ ناصح
خدا کے فضل سے تم ہو بنے بنائے ہوئے

فلک زدوں کو وہ جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں
فلک کا نام ہے میرے ہیں سب ستائے ہوئے

پھرینگے ہائے یوں لُٹ کر سفر سے
نہ نکلے تھے سمجھکر ہم یہ گھر سے

ہوا ناوک کو نکلے اک زمانہ
کھٹک ابتک نہیں نکلی جگر سے

پئے توبہ ملا تھا شیخ سے میں
وہ خود پینے لگا میرے اثر سے

جس کا سر ہے دار پر سردار ہے
عشق کی سرکار کیا سرکار ہے

جو نگہ ہے تیر ہے تلوار ہے
کوئی دل میں کوئی دل کے پار ہے

میکدے پر آ کے پہروں جھومنا
یہ گھٹا کیا ہے کوئی میخوار ہے

نوکِ مژگاں دلمیں رکھ لینے کی تھی
کیا قیامت ہے کہ دل کے پار ہے

سزا تو ہے مرا حصہ کہ میں ہوں مجرمِ الفت
مرے ہوتے ہوئے ظالم رقیبوں پر جفا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں کہ اے اختر جو ہم سے آشنا تو ہے
تو ہم بیدرد ہیں پھر دل ترا درد آشنا کیوں ہے

زندگی بھر حسن والوں کا خیال آیا کیا
مرے گھر میں رات دن پریوں کی مہمانی ہوئی

اسے مژگاں کی چلمن ڈال کر آنکھوں ہی میں رکھنا
خدا رکھے حیا ان کی بڑی نازوں کی پالی ہے

(اختر) منشی سید محمد اختر۔ ولد سید محمد میر المتخلص بہ مضطر۔ قصبہ نگینہ ضلع بجنور کے رئیس ہیں۔ ۲۵-۲۶ برس

اختر

کی عمر ہے نواب فصیح الملک داغ کے شاگردوں میں ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر حالات معلوم ہوئے انہیں کی قلم سے خلاصۃً لکھے جاتے ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ "مجھے زمانۂ طالب علمی میں بمقابلۂ نثر نظم سے زیادہ لگاؤ تھا اپنی نثر کے سبق کا ایک آدھ مصرع یا پورا شعر موزوں کر لیا کرتا تھا - اسیطرح ہوتے ہوتے پہلے ایک دفعہ پانچ سات شعر کی غزل کہی اور رسوا تخلص قرار دیا - میں نے یہ غزل ۱۸۹۷ء میں کہی تھی اُسوقت میری عمر کا چودھواں یا پندرہواں سال تھا - بعض دوستوں کے کہنے سننے سے غزل مذکور نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی کی خدمت میں بغرض اصلاح حیدرآباد دکن بھیجدی خوبیٔ قسمت سے جناب مغفور نے غزل درست فرمادی اور تخلص بھی بجائے رسوا کے اختر تجویز فرمایا - چنانچہ اُسی دن سے شوق بڑھتا گیا اور افتخار تلمذ حاصل ہوا ۱۹۰۱ء میں چند غزلوں کا مجموعہ نظم دل افروز کے نام سے طبع کرایا - میرے اجداد محمد امجد علی شاہ مرحوم فرمانروائے اودھ کے دربار میں تازیست باعزاز و ممتاز رہے"

اگرچہ بلحاظ عمر ان کی شاعری کا ابتدائی زمانہ ہے مگر اپنی جودت طبع سے خاصا کہنے لگے ہیں اشعار کی بندش چست - خیال ستھرا - زبان صاف ہوتی ہے جیسا اُنکے کلام سے خود ظاہر ہے ؎

چٹکی سے کلیجہ کبھی ملتے نہیں دیکھا
اتنا سا بھی ارمان نکلتے نہیں دیکھا

پھر مانگ لو دل ہمسے اُسیطرح مچل کر
ہمنے تمہیں مدت سے مچلتے نہیں دیکھا

میں تو قائل ہوں اِس صفائی کا
دل لیا تم نے اِک خدائی کا

ہر وقت چھیڑ چھیڑ کے ایدل یہ کیا کیا
اُس شعلہ رو کو اور بھی شعلہ بنا دیا

کیسی شرارتیں ہیں یہ کیسی ہیں شوخیاں
لیتے ہیں چٹکیاں وہ دل بیقرار میں

زاہد شراب ناب سے اسدرجہ اجتناب
کمبخت پی تو دیکھ یہ کچھ بدمزا نہیں

سنتے سنتے ذکرِ دشمن دل ہمارا پک گیا
چھوڑئیے اِس ذکر کو اب اور کچھ ارشاد ہو

تجھسے جو کھچتے ہیں تو اُن پہ فدا ہوتا ہے
ہوش میں آ دل بیتاب یہ کیا ہوتا ہے

وصل کی شب کبھی وعدہ جو وفا ہوتا ہے
شرم کہتی ہے کہ شرماؤ یہ کیا ہوتا ہے

دل چرایا میرا ایسے چور نے
داد ہے جسکی نہ کچھ فریاد ہے

نہ پہلی سی عادت نہ پہلی سی خصلت
کہاں اُڑ گئی آدمیت تمہاری

صبر کرو اعظا ناداں ابھی جلدی کیا ہے
کعبے بھی جائیں گے اُٹھیں گے جو بتخانے سے

یہ مانا اب بھی کچھ کچھ مہرباں ہو	مگر پہلی عنایت وہ نہیں ہے
ایسے جینے سے تو مرجانا بھلا	زندگانی اِک مصیبت ہوگئی

اختر

(اختر) سید امراؤ علی بلگرامی۔ آپ حامد بلگرامی کے شاگرد ہیں۔ ضلع سیتاپور کی عدالت میں نقل نویسی کرتے ہیں ۳۰ - ۳۲ برس کی عمر ہے۔ طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصا کہتے ہیں کلام ذیل ملاحظہ ہو ؎

سمجھو نہ یہ تم ہم پہ گماں ہو نہیں سکتا	یہ خون ہے عاشق کا نہاں ہو نہیں سکتا
رکھا ہے قدم کوچۂ الفت میں بصد شوق	اللہ نگہبان ہے اس جانِ حزیں کا
خبردار آہ و زاری اے دل ناشاد یہ کیسی	خدا سے اُس بتِ بے مہر کی فریاد یہ کیسی
نہیں باز آتے اپنے ہتھکنڈوں سے اب بھی اختر	حرم میں بیٹھ کر کیوں جی بتوں کی یاد یہ کیسی
تمہیں ناز اسپہ ہے منہ سے تمہارے پھول جھڑتے ہیں	ہماری اے حسینوں چشم گوہر بار کیسی ہے
اگر مجرم نہیں تو پھر خدا کے آگے محشر میں	یہ گھبراہٹ تجھے قاتل دمِ اظہار کیسی ہے
دیکھتے ہی آئنہ سکتا ہوا	دیر تک حیرت سے وہ دیکھا کئے

اختر

(اختر) منشی محمد نذیر علی۔ حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہیں یہ اُنکے کلام کا خلاصہ ہے ؎

روز غیروں پہ تو ہوتی ہے عنایت کی نظر	میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا
ہو رہا ہے دلِ ہرچین میں ساماں اب تک	آنے والا نہیں آیا کوئی مہماں اب تک
ہوں شبِ ہجر یار کی باتیں	زہر ہیں غمگسار کی باتیں
چشمِ اغیار میں کچھ بھی ہو حقیقت لیکن	بخدا تم ہو مری آنکھوں کے تارے پیارے
سب حسینانِ جہاں بزم میں ہیں آئیں یوں	ماہ کے گرد ہوں جسطرح ستارے پیارے

اختر

(اختر) منشی رمضان علی۔ باشندۂ سہارنپور۔ ایک زندہ دل۔ عاشق مزاج۔ شوخ طبع نوجوان ہیں۔ ابتدا سے عمر سے شعر و سخن کے دلدادہ ہیں اوائل عمر میں مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے جب کلام پر کسی قدر رنگ چڑھا تو اچھے اُستاد کی تلاش ہوئی۔ اور حضرت ظہیر دہلوی کے دامنِ کمال

سے وابستہ ہوئے۔ حضرت ممدوح نے بھی اپنی فطری شفقت سے اصلاح میں سعی بلیغ فرمائی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب انکے اشعار دل فریب دلپسند اغلاق و رکاکت سے پاک ہوتے ہیں۔ بہت دنوں سے اجمیر شریف میں مقیم اور نواب شمس الدین خاں صاحب عاشق رئیس اجمیر کی مصاحبت سے ممتاز ہیں۔ وہاں کے مشاعروں میں شوق سے شامل ہوتے اور داد خوش گوئی لیتے ہیں۔ آپکی غزلیں سلاست زبان و بلندئی خیال کا اچھا نمونہ ہوتی ہیں۔ ان کی عمر اس وقت تینتیس ۳۳ برس کے قریب ہے۔ وجیہ و خوش رو جوان ہیں۔ گو صاحب دیوان ہیں مگر ابھی تک ان کا دیوان شائع نہیں ہوا چند بہم رسیدہ غزلوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

بیٹھے ہو کس کے سوگ میں پوچھا تو یہ کہا
جادو نہ کوئی کردے خدا کے لئے کہیں

ہیں آج مرنے والے غریب الوطن کے پھول
نکلا کرو نہ گھر سے مری جاں پہن کے پھول

جوبن تو سنبھلتا نہیں نازک بدنی میں
بے وجہ کوئی صبر بھی لیتا ہے کسی کا

کیا نوک کی لیتے ہو مری دلشکنی میں
کچھ تو تمہیں ملتا ہے مری دلشکنی میں

ہچکی کوئی آتی ہے نہ آتا ہے کوئی خط
یاران وطن بھول گئے بے وطنی میں

یوں لیکے پلاتے ہیں مجھے جام مئے وصل
کمبخت بڑا لطف ہے توبہ شکنی میں

یہ تمنے بیوفا کہنے پہ کیوں اتنا برا مانا
چلو یوں ہی سہی میں بے وفا ہوں باوفا تم ہو

تماشہ ہے مجھے آواز دے کر خود وہ کہتے ہیں
میاں میں اور کو سمجھا تھا ہیں مرد خدا تم ہو

محشر میں بپا اور رہا اک فتنۂ محشر
گر آئے قیامت تری رفتار کے آگے

تمسے وفا ہوئی ہے نہ ہوگی وفا کبھی
سچ ہے بروں سے کام نہ ڈالے خدا کبھی

بھولے تو ہو تم اپنی جفاؤں پہ دیکھنا
یاد آئے گی تمہیں بھی ہماری وفا کبھی

ایسا تو کیا کہ یاد ہو کل کی بات سے
اقرار کچھ کیا تھا کسی بات کا کبھی

کچھ دل پہ اختیار ہو کچھ تم پہ اختیار
کرنی پڑے نہ غیر کی پھر التجا کبھی

مجھے رشک اپنی قسمت پہ ہے دشمن سے شکایت کیا
عنایت مجھپہ کیا کم تھی محبت مجھسے کیا کم تھی

الہی وہ بھی کیا دن تھے نہ تھے ہم عشق سے واقف	یہ دلِ دردآشنا کم تھا طبیعت مبتلا کم تھی
بل نہیں نکلا ترا سو سو طرح تدبیر کی	ہے ترے دل میں گرہ ظالم مری تقدیر کی
دل نہ دینے تک اُسے تھی التجا دل دیکے اب	منتیں کرنی پڑیں ہمکو بجائے پیر کی

اختر

(اختر) منشی محمود اختر صاحب صدیقی معروف بہ اختر ریحانی رئیس میرٹھ خلف الرشید مولوی عبدالکریم صاحب آ رج ڈپٹی کلکٹر و ممبر مجلس شوری ریاست بھوپال - آپکا خاندانی سلسلہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی تک پہنچتا ہے - اسوقت نوجوان شعراسے میرٹھ میں درجۂ امتیاز رکھتے ہیں - مذاق سخن خاندانی ہے اگرچہ مشق سخن کو عرصہ نہیں ہوا مگر کلام میں پختگی اور سنجیدگی ایسی ہے کہ اچھے مشاق معلوم ہوتے ہیں - فارسی میں فارغ التحصیل اور عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں - انگریزی میں ایف اے تک تعلیم پائی ہے فی الحال مراد آباد کے پولیس ٹریننگ اسکول میں تعلیم پاتے ہیں آپ کے اشعار میں جو دل نشینی و خاطر فریبی کی شان نکلتی ہے وہ استعدادِ علمی پر مبنی ہونے کے بجائے زیادہ تر رنگینیٔ طبع پر دال ہے آپ نے اوائل مشق میں حضرت غالب کے شاگرد رشید محمد ذکریا خاں ذکی سے فیض اُٹھایا - اُنکے انتقال کے بعد سے حضرت نا ز سلیمانی بدایونی سے مشورہ ہے - غزل گوئی کے علاوہ آپ کو ڈراما نویسی میں بھی کامل مہارت ہے چنانچہ آپ کا ایک ناٹک موسوم بہ طلسمی راز مقبول خلائق ہے اشعار خود شاہد ہیں - اُن میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں - سلاست زبان فصاحتِ بیان نشستِ الفاظ قابل تعریف ہے - ناول کرشمۂ عشق آپ ہی کی تصنیف ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

جینے کا لطف اُنکی عنایت کے ساتھ تھا	وہ جب خفا ہوئے مرا دم بھی خفا ہوا
وسعتِ وحشتِ دل کو ہے بیاباں تھوڑا	کاوشیں مجاتے ہیں اور بھی میداں تھوڑا
کسطرح عالمِ کثرت سے عیاں ہو وحدت	اس کی وسعت ہے بہت اور ہے میداں تھوڑا
المدد اے تیرہ بختی دن ہو رات	یار نے وعدہ کیا ہے شام کا
چشمِ ساقی نے کیا مستِ الست	نشہ ہے اختر مجھے اس جام کا

بتانِ شوخ سے کیوں بدگماں ہوئے اختر
تمہیں تو ساری خدائی پر اعتبار رہا

اے ملالِ عشق اک تو ہی مرے حصہ میں ہے
اے غمِ جاوید اک میں ہی تری قسمت میں ہوں

آنکھیں کھلیں تو وقت پری تنکے اڑ گیا
ہستی کی شوخیوں پہ کسے اعتبار ہو

زمانہ تنگ ہم پر آج کل ہے حضرتِ اختر
بہ رنگِ بوئے گل مجموعۂ خاطر پریشاں ہے

قدم رکھے نکلے وہ حسرت ہماری
بنے راہ جاناں میں تربت ہماری

مجھے داغِ دل دے کے بولا وہ ظالم
حفاظت سے رکھنا امانت ہماری

سبب ظلم بیجا کا پوچھا جو اُن سے
تو کہنے لگے ہے یہ عادت ہماری

مسیحائی دکھلا رہا ہے کوئی
مریضِ محبت سنبھلنے لگے

شورِ ہنگامۂ قیامت ہے
کیا خراماں وہ سرو قامت ہے

اختر

(**اختر**) مولوی ظہور احمد اختر مختار بدایوں - انکے والد منشی امیر احمد بدایوں کے ایک قدیم اور اچھے خاندان کے رکن تھے - انکے خاندان میں اکثر لوگ وکالت پیشہ ہیں چنانچہ انکے دونو بھائی مولوی عزیز احمد و مولوی وزیر احمد مختار ہیں - اوائل مشق میں اپنے بھائی مولوی وزیر احمد نیر کو چند غزلیں دکھائیں پھر انہیں کی وساطت سے حافظ عبد الرحمن راسخ دہلوی سے استفادہ شروع کیا - اب ۲۹ برس کی عمر ہے - یہ کلام کا خلاصہ ہے ۵

بحمد اللہ دل سے عشقِ زلفِ پرشکن چھوٹا
گئی وحشت ہوئے ہم آدمی ویرانہ پن چھوٹا

اُن کی محفل میں دلِ بے مدعا جاتا رہا
مال ہی کیا تھا چلو اچھا ہوا جاتا رہا

دو روز میں برسوں کی رفاقت مری چھوڑ دی
کیا جانئے کیا اُسنے سکھایا مرے دل کو

دانہ پانی تو ہو گیا بند
جیتے ہیں غمِ فراق کھا کے

تمہیں جو مجھسے محبت نہ ہو ملال تو ہے
میں خوش اسی میں ہوں مجھکو ترا خیال تو ہے

مٹ جائیں گے سب خودی کے دعوے
آج آئنہ اُن کے روبرو ہے

کیا کہوں کچھ ایسی لذت خنجرِ قاتل میں ہے
قتل ہو کر قتل پھر ہونے کی حسرت دل میں ہے

اختر

(**اختر**) منشی محمد عبد الغفور صاحب خلف حکیم محمد عبد الکریم مرحوم - بزرگوں کا وطن ملتان ہے مگر آپ کی ولادت حیدرآباد دکن میں ہوئی اور وہیں مستقلاً بود و باش ہے۔ اپنے عم مولوی قاضی محمد علی سے اکتساب علم کیا اور بڑے بھائی منشی عبد الرحیم مظہر سے نکات شاعری حاصل کئے ۳۰ برس سے شعر کہتے ہیں - پہلے مضطر تخلص تھا بارہ سال ہوئے مولوی سید کاظم حسین شیفتہ سے تلمذ اختیار کیا - اُسوقت سے اختر تخلص فرماتے ہیں - فی الحال مدار المہام سرکار نظام کے ہوم سکرٹری کے محکمہ میں مترجم انگریزی کے مددگار ہیں - دیوان اُردو مرتب ہو گیا ہے اپنے اُستاد کی طرز کو خاصہ نباہتے ہیں - زبان کی نسبت مضمون کی طرف زیادہ توجہ ہے - ہنگام ترتیب تذکرہ کلام موصول ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

مکان دل میں جلوہ ہے ترے رخسار و گیسو کا
یہ کعبہ ہے مسلماں کا یہ بتخانہ ہے ہندو کا

شرف ہو ہوش پر اُس بیخودی کو کیوں نہ اے اختر
بلا ہے غش میں سر کو تکیہ اُس ہمدرد کے زانو کا

کھیل ہے اُس کی کبریائی کا
دعوے کرتے ہیں بت خدائی کا

اے معاذ اللہ دستِ عشق کیا بیباک تھا
دامن پاک مہِ کنعاں بھی جس سے چاک تھا

دھو دیا رو رو کے ہمنے ہجر میں دل کا غبار
بہ گیا ہمراہ سیلِ اشک جو خاشاک تھا

کسیکی تیغ ہو میرا گلو ہو
دلِ مضطر کی پوری آرزو ہو

تری شمشیر ابرو کا ہے گھائل
یہ دل مژگاں کے سوزن سے رفو ہو

خبر اپنی ہی جب ہمکو نہیں ہے
تو پھر کیا خاک دل کی جستجو ہو

اپنے بسمل کی تڑپ دیکھ کے قاتل نے کہا
رقص اچھا ہے یہ دو چار پہر ہونے دو

گر ہمیشہ کے لئے آنے میں انکو عذر ہے
وہ رہیں مہماں الٰہی رات بھر اتنا تو ہو

کچھ نہو سینہ پہ رکھدو ہاتھ اے رشک مسیح
ٹھیر جائے یہ مرا درد جگر اتنا تو ہو

دیکھے گر وہ غیرتِ خورشید خاور آئینہ
تاب عکس رخ سے ہو مہر منور آئینہ

تیرے روئے صاف سے بہتر ہو کیونکر آئینہ
نور کا پیکر ہے تیرا اور پیکر آئینہ

شوق رانئش ہے اُس رشکِ پری کو اسقدر
دور نظروں سے نہیں ہوتا ہے دم بھر آئینہ

جو قسمت بعد مدت راہ پر آئی تو کیا آئی
اِدھر وہ آئے ملنے کو اُدھر میری قضا آئی

مریضِ عشق کی اچھی خبر لی ہے مسیحا نے
ہوا کیا فائدہ حاصل بس مردن دوا آئی

مئے گلرنگ پینے کا مزا ہے ایسے موسم میں
چلو رندو چمن میں جھوم کر کالی گھٹا آئی

شبِ وصال میں وہ بیخودی کا عالم تھا
یہ کیا بتائیں کہ بوسے کہاں کہاں کے لئے

طپش کا گر دلِ مضطر کی ہم ظاہر اثر کرتے
ستم سیماب پر کرتے جفا ہم برق پر کرتے

اختر

(**اختر**) نواب مولوی عبدالقادر خاں متوطن مدراس - مدراس میں بفراغ بال بسر کرتے ہیں - مشق سخن کی ابھی ابتدا ہے - حضور نظام کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے ہیں - ایک کلام ملاحظہ ہو

اے بیکسی اللہ کو سونپا تجھے ہم نے
ہم مر چلے تو دیکھئے جاتی ہے کدھر آج

لو یہ بھی تو اب کرنے لگے ریس تمہاری
ہنس ہنس کے رُلاتا ہے مجھے دیدۂ تر آج

دل میں جو ہمت تھی وہ صرفِ محبت ہو چکی
ناتواں تیرے کسی کا ناز اُٹھا سکتے نہیں

کیسے ہو تم دمِ آخر یہ سوال اچھا ہے
جائیے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

پائے نازک سے تو ملتا ہے مرے دل کو کوئی
ہائے مجھ سے اسی ناشاد کا حال اچھا ہے

مرغِ دل ہوتے ہیں لاکھوں کے اسیرِ گیسو
میرے صیاد کے کندھے پہ یہ جال اچھا ہے

اختر

(**اختر**) منشی موسیٰ حسین صاحب باشندۂ جلال آباد - علاقہ ریاست ریواں میں ملازم اور فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی کے ماننے والوں میں ہیں کلام ملاحظہ ہو

خدا ملتا نہیں یا وہ بُت اپنا ہو نہیں سکتا
جو انساں کرنے پر آئے تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

مغبچوں کے کہنے سے پی جاؤں کیونکر یا غفور
لینا لینا شیخ جی بس ایک ساغر رہ گیا

کی اِدھر دل نے کشش کھینچا اُدھر جلاد نے
ٹوٹ کر آخر مرے سینے میں خنجر رہ گیا

کھول کر زلفِ مسلسل بام پر آتے ہو کیوں
دل اگر لینا ہے لے لو جال پھیلاتے ہو کیوں

جمالِ یار کو دیکھیں گے خواب میں کیا خاک
ہمیں تو نیند بھی شب بھر ذرا نہیں آتی

کرلیا پریوں کو تسخیر تو کیا کام کیا	بات جب ہے کہ انہیں راہ پہ لائے کوئی
بوسہ لیا ذقن کا تو بولے بگڑ کے وہ	باز آئے ایسے پیار سے ہم ایسی چاہ سے

(**اختر**) منشی عبدالغفار خاں بی اے باشندہ الہ آباد۔ آپ کے آبا و اجداد ضلع رہتک کے رہنے والے اور اکثر سپاہی پیشہ رہے آپ الہ آباد میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے بدو شعور سے تحصیل علم کا شوق رہا۔ ۲۰ برس کی عمر میں علیگڈھ کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ انگریزی کا شوق آپ کو شروع سے رہا اور حالانکہ انکے والد مانع رہے چھپکر انگریزی پڑھنی شروع کی مڈل سے بی اے تک برابر انعام و وظائف پاتے رہے اپنے کلام میں قاضی غیاث الدین صاحب خورشید سے مشورہ فرماتے ہیں۔ نثر میں مضامین بھی خوب لکھتے ہیں ذہانت اور تیزی خداداد ہے۔ فی الحال سکندر آباد میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکرٹری ہیں ؎

زندگی بھر نہ بھرا زخم دلِ زار کبھی	حیلۂ موت تھا دل کا مرے ناسور نہ تھا
ہائے رونا وہ کسیکا مجھے یہ کہہ کہہ کر	مرنے والے کبھی میں دل سے ترے دور نہ تھا
میرے نالوں نے کہاں ہار دی ہمت اختر	دو قدم بڑھ نہ گئے عرش بریں دور نہ تھا
بہار اس جوش پر اور چارہ گر مصروف درماں میں	یہاں ہیں اور تدبیریں جنوں ہے اور ساماں میں
اثر ہے خود نمائی کا ترے خونِ شہیداں میں	نہ کیونکر رنگ گل بنکر نمایاں ہو گلستاں میں
جب اُن کا ذکر آیا بیخودی میں چونک چونک اُٹھا	کسیکا نام بجلی کی طرح دوڑا رگ جاں میں
یقیں تھا کسکو اس تکرار پر وعدے کے ایفا کا	مگر اک لطف تو حاصل ہوا اسکی نہیں ہاں میں
دلِ تنگ اور خیالِ یار اسے نیرنگیٔ قسمت	پھنسایا شوق بے پایاں نے کس یوسف کو زنداں میں
مچلنا صورت زیبا پہ جسکا کھیل ہے اختر	وہی دل لے کے آج آئے ہیں بزم حسیناں میں

یوں تو متاعِ دل کسی دام گراں نہیں	سودا ہو جب کہ تم بھی کہو منہ سے ہاں نہیں
ضد کچھ نہیں ہے مجھسے وہ عادت کو کیا کریں	کچھ غیر پر بھی خیر سے وہ مہرباں نہیں
اسکے بیمار کی عیسے جو دوا کرتے ہیں	یہ کچھ اچھا نہیں کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں

لاکھوں مرتے ہیں مری موت کا کیا غم اِن کو
ایسی خبریں تو وہ ہر روز سُنا کرتے ہیں

عادت نہیں وفا کی مگر ہے عدو کے ساتھ
پہ سلسلہ یہ خوب ہے کہ اُدھر ہو اِدھر نہو

شوق جلوہ جو نقاب رخِ جاناں اُلٹے
طور سینا سے پھریں موسیٰ عمراں اُلٹے

اُلٹی تدبیر ہوئی ہو گئے ساماں اُلٹے
میرے قاصد بنے جاسوس رقیباں اُلٹے

مظہرِ قدرتِ حق جان کے چاہا تھا تمہیں
بن گئے تم تو مگر دشمنِ ایماں اُلٹے

کرتے ہیں یار کے پیکاں کو کیوں دل سے جدا
چارہ گر کرتے ہیں کیوں درد کے درماں اُلٹے

ستاں مولا جنہیں دیکھ کے میں جیتا ہوں
ہیں وہی ہائے مری جان کے خواہاں اُلٹے

گھٹا سینے میں غم جس دن جگر ہو جائیگا ٹکڑے
ہماری سخت جانی تو ت آہ و فغاں تک ہے

خدا جانے کمانک بات بڑھتی کس پہ کیا بنتی
جو میری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہو جاتی

ہمارے قتل پر بھی تو عدو کو شک آتا ہے
نیا ایجاد کیجے اب طریقِ امتحاں کوئی

(**اختر**) منشی سید ذاکر حسین - موزوں طبع سخنور ہیں اور شاید حضرت آغا شاعر دہلوی سے سلسلۂ تلمذ رکھتے ہیں - طبیعت شوخ زبان پاکیزہ - اور بندش نہایت چست ہے - امید ہے کہ کثرت مشق سے اور بھی ترقی کریں گے - جو کلام نظر سے گزرا یہ اُسکا خلاصہ ہے ۵

اختر

چلی بادِ بہاری پھر گیا پانی گلستاں پر
ہوئیں گلکاریاں کیا کیا کتابِ شانِ یزداں پر

کب تک لگائے کوئی شوقِ وصال سے
آخر بہل گیا دل مضطر ملال سے

بوسہ نہو نصیب مجھے چشم مست کا
کالی گھٹائیں جھوم کر آئیں شمال سے

بارش یہ کہہ رہی ہے کہ عزت نہ جائیگی
آج آستانِ پیر مغاں پر سوال سے

مینا مجھے سنبھالنا میں ہوش میں نہیں
ساقی کی چشم مست کے ساغر کی چال سے

مری امید بر آئے مرے دل کو قرار آئے
نہیں تو موت ہی مجھکو مرے پروردگار آئے

گھٹا اُٹھی - وہ میخانہ کھلا - وہ بادہ خوار آئے
مرے ساقی پھر اب کس بات کی ہے دیر دار آئے

مری محفل میں وہ یوں جھومتے مستانہ وار آئے
چمن میں جس طرح اٹھکھیلیاں کرتی بہار آئے

ابھی سے ہوگیا انکار - ابھی بادہ نوشی ہے	ذرا سی اور پی لو کچھ تو آنکھوں میں خمار آئے
مقدر کا لکھا - ہم تو رہے کنج اسیری میں	ہمیں کیا اب گلستاں میں خزاں آئے بہار آئے
وہی احباب جو ہمکو بٹھاتے تھے سر آنکھوں پر	تعجب ہے کہ مرقد میں ہمیں کیونکر اُتار آئے
انھیں عادت ہوئی ہے غیر سے ٹھکرا کے چلنے کی	مزا آجائے رستے میں جو دشمن کا مزار آئے

اختر

(اختر) منشی علی اختر - شاہجہانپوری - نواب مرزا خاں داغ مرحوم کے شاگرد ہیں - مختلف گلدستوں میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے - چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

جاری ہوئے ہیں اشک مرے ہجر یار میں	موتی پرو رہا ہوں میں شبہائے تار میں
جوبن ٹپک رہا ہے تمہارے شباب کا	ڈوبا ہُوا ہے حُسن کا عالم بہار میں
صیاد نے بھی تاک کے مارا اُسی کے تیر	بلبل کو گل کے پاس جو دیکھا بہار میں
نہیں ہے یہاں بن گئی جان پر	تمھاری تو بس اِک ادا ہوگئی

اخگر

(اخگر) دیوان ٹیک چند دہلوی - شاہزادہ مرزا خرم بخت بہادر مرحوم ابن صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ گورگانی ولیعہد شاہ عالم ثانی مقیم بنارس کی سرکار میں دیوان تھے تبرکاً کلام درج ہے ؎

کون کہتا ہے کہ ہمنے مے پرستی چھوڑ دی	رات دن پیتے ہیں مے پر مے پرستی چھوڑ دی
دو جہاں دینے میں ملتا تھا ہمیں دیدار یار	ایسی شئے نایاب بھی ہے مفت سستی چھوڑ دی

اخگر

(اخگر) فتح یاب خاں نام ہے - مظفر خاں المتخلص بہ گرم کے بیٹے مقیم رام پور ہیں - نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی مرحوم کی شاگردی کا فخر حاصل ہے - تذکرہ یادگار انتخاب کی ترتیب کے زمانے میں ۳۷ برس کی عمر تھی - کلام ملاحظہ ہو ؎

قابو نہ تھا جو دل پہ تو اخگر بتائیے	جانا ہی اُسکے پاس نہیں کیا ضرور تھا
دلِ ناکام کو پھر اُن نگاہوں کی تمنا ہے	جگر میں ڈوب جانا پھر وہ یاد آتا ہے نشتر کا
قاتل تھا تو تو گرچہ نہ تھا بندہ کشتنی	ظالم کیا نہ پاس کچھ اپنے بھی نام کا
جاؤ کوئے غیر میں اسے نالہ ہائے نارسا	اپنے ہی سر پر تھے تم محشر اُٹھانے کے لئے

اخگر

(اخگر) صاحبزادہ بادی یار خاں رام پوری - نواب علی محمد خاں خلد مکاں والی رام پور کی اولاد میں ہیں - امیر مینائی تذکرۂ انتخاب یادگار میں ان کا حال اس طرح لکھتے ہیں - ابھی شوق کی ابتدا ہے چند روز ہوئے کہ شعر کہنا شروع کیا ہے پہلے آغا علی نقی متخلص بہ غنی ابن آغا غمین لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے اب کبھی کبھی اس ہیچمداں (امیر مینائی) کو کلام دکھلا لیتے ہیں - یہ دو شعر اُن کے ہیں ؎

ہے خواب مجکو منی جو زمین کوے جاناں	نہ میں شور حشر سے بھی کبھی ہوشیار ہوتا
پہلو سے وہ اُٹھتے ہیں اُدھر صبح شب وصل	تعظیم کو اُٹھتا ہے ادھر درد جگر کا

اخگر

(اخگر) افسر الاطبا حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی ولد منشی غلام غوث وکیل ملازم و طبیب حضوری دارالاقبال بھوپال - آپ کی ولادت ۱۲ - محرم ۱۲۳۵ھ ہجری میں ہوئی - فارسی اور عربی کی تحصیل عالمانہ تھی اور علم طب میں ید طولے رکھتے تھے - فارسی اشعار مولوی عبداللہ خاں صاحب علوی کو دکھاتے تھے - اور حق یہ ہے کہ اچھا کہتے تھے اُردو کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی آپ کا فارسی کلام تذکرۂ شمع انجمن میں موجود ہے - آپ اپنے وقت کے اطبّا سے مشاہیر سے تھے - آپکی حذاقت و تشخیص کی دُور دُور شہرت تھی - ریاست بھوپال میں بزمانۂ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مدتوں محکمۂ اپیل کے افسر رہے - اور تیں سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے - ۱۲۸۷ء میں عمدۃ الاخبار نامی ایک پرچہ بھی وہاں سے جاری کیا تھا جسمیں ایک حصّہ طبی مضامین کے لئے وقف تھا - مضمون نگاری میں اچھا دخل تھا - مدرسۂ طبّیہ دہلی کے اکثر ممتحن ہوا کرتے تھے - آٹھ نو برس ہوئے انتقال فرمایا صرف ایک شعر دستیاب ہوا تبرکاً درج کیا گیا ؎

نہ پڑھا اُس نے کبھی مثل خط پیشانی	نامۂ شوق کو تحریر مقدر جانا

اخگر

(اخگر) منشی امداد حسین صاحب باشندۂ مراد آباد - ملازم گورنمنٹ پریس شملہ - شبیر علی خاں تنہا کے شاگرد ہیں - طبیعت موزوں پائی ہے - شعر بُرا نہیں کہتے - اکثر شعر و سخن کا مشغلہ اور صحبت رہتی ہے - کبھی کبھی شملے بر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں - آجکل نیچرل شاعری کی طرف مائل ہیں عمر تقریباً ۱۸ سال

ہو گی - بہم رسیدہ کلام تحفۂ حاضر ہے ۵

اگر تم آبِ خنجر تک پلا دو گے تو پی لوں گا
تمہاری تیغ کا سینے تڑپ کو لے لیا بوسہ

کہ دے گا لطف پیاسے پیار سان ہاتھوں سے خنجر کا
تمہیں بھی چاہیے مُنہ چوم لو بسمل کی ہمت کا

مری جاں زلف کو عارض پہ لٹکانے سے کیا مطلب
کتاب اللہ کی کافر سے پڑھوانے سے کیا مطلب

عطا ہوتے ہیں خلعت عشق کی سرکار سے اُنکو
جو اُنکے چاہنے والے ہیں وہ کفنائے جاتے ہیں

تصدق ہوتی ہے خود زندگی اُن خوش نصیبوں پر
پسِ مردن ترے کوچے میں جو دفنائے جاتے ہیں

انخگر

(انخگر) نواب شمشیر بہادر جنرل فوج و رئیس اعظم ریاست اجے گڑھ واقع بندیل کھنڈ ابتدا مشق سخن میں مولوی حسین علی شورش لکھنوی کو چند غزلیں دکھائیں اُنکی وفات کے بعد کئی برس تک میرزا ذاکر حسین یاس لکھنوی اور جناب آحسن شاہجہانپوری سے اصلاح لیتے رہے - اب جو کچھ کہتے ہیں اُسمیں حضرتِ جلال لکھنوی سے مشورہ لیتے ہیں - علوم رسمی سے بخوبی ماہر ہیں - اور اپنے آبائی فن سپاہگری یعنی شہسواری - بانک - پٹا بھکیتی وغیرہ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں - فوٹوگرافی کا بھی بہت شوق ہے - صاحبِ فسانۂ انخگر اور دیوانِ شعلۂ عشق ہیں راقم تذکرہ کے معزز احباب میں ہیں - انکی سن آپکی عمر تقریباً ۴۰ سال ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - اکثر نامی گلدستوں میں غزلیں چھپتی رہتی ہیں - کلام فرحت انجام حاضر ہے ۵

بے سوزِ جگر جوششِ فغاں ہو نہیں سکتا
جب تک نہ جلے آگ دُھواں ہو نہیں سکتا

ہمارا خون پیو گر کبھی خلش میں کرو
یہ ہر قدم پہ ہے کانٹوں سے قول چھالوں کا

روک لیتا دل کا آنا بار بار
کس کی طاقت کس کا یہ مقدور تھا

شمعِ محفل تو اگر ہے میں ہوں پروانہ ترا
بزم کی رونق ہے تجھسے مجھسے شانِ اہلِ درد

کبھی جاتے تھے نالے آسماں تک
نہیں آتے ہیں اب دل سے زباں تک

یہ شورِ قلقلِ مینا ہو ساقی
سنائی دے نہ زاہد کی اذاں تک

کیا ہے ضبط سوزِ دل کو ایسا
نہیں اس آگ سے اُٹھتا دُھواں تک

لگی ہے دل جگر میں آگ انخگر
بجھائیں گے اسے آنسو کہاں تک

اترائیے نہ آپ زیادہ پہن کے پھول
کیا ہو گئے دل کے داغوں سے بڑھکر چمن کے پھول

کچھ اس انداز سے ابرو کو وہ خم دیتے ہیں
سینکڑوں اپنا گلا کاٹ کے دم دیتے ہیں

راز افشا نہو جس وقت یہ آتا ہے خیال
شیخ صاحب پی کے یوں جھکے باہر ہوں آپ

آنکھوں تک آ کے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں
کچھ خیال حرمت مئے قبلۂ عالم رہے

مزا ہو جائے میخانہ میں اخگر
جو دس بیس اور آجائیں یہیں سے

بتوں نے کس سے وفا کی ہے لے دل ناداں
زلفیں بکھراتے ہو کیوں چاند سے رخ پر شب وصل

نہ اس طرح تو محبت ارے بڑھا ان کی
کہیں گھبرا اُٹھے نہ تم رات کے بڑھ جانے سے

(اخگر) عبدالمجید خاں نام ہے۔ حضرت داغ کے شاگردوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ شاید نواب رام پور کے خاندان سے ہیں۔ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

خون کرنا بھی تو ان کا ہے سراسر احساں
اٹھ گئی آنکھ تو منہ پھیر کے فرمانے لگے
شرم آنکھوں میں ہے اور آنکھ کا پردہ ہے نقاب
میرے مطلب کی بھی ہو جائے کوئی بات ضرور
اشک تر آنکھ سے ہم اپنے بہا کر اخگر
نہیں اچھا یہ چھیڑ کر چلنا

خوں بہا جائے گر خون بہا دیتے ہیں
صلح کل وہ ہیں جو لڑتوں کو بچا دیتے ہیں
وہ حیا کب بھی حجابوں میں چھپا دیتے ہیں
آپ تورات کو قصوں میں اڑا دیتے ہیں
آگ بھڑکی ہوئی سینہ میں بجھا دیتے ہیں
کوئی دیوانہ سر ہو جائے

(اخگر) محمد شہاب الدین اخگر۔ دہلوی ۱۸۸۵ء میں حیات اور دہلی کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ بعد کا حال معلوم نہیں ؎

میں ہوا انیس ہوا وامق و فرہاد ہوا
غیر کے واسطے تو موم ہے اور پانی ہے
صدست کر بعد مرگ تو لی آپ نے خبر
اخگر تمہارے نقشہ کا کھنچنا محال ہے

دشت الفت میں جو آیا وہی برباد ہوا
اور مرے واسطے پتھر ہوا فولاد ہوا
لاشہ چلا اِدھر سے اور آئے اُدھر سے آپ
کچھ لاغری میں کم نہیں انکی کمر سے آپ

(اخگر) مولوی سید حمید جے پوری ولد حافظ عبدالعزیز مرحوم اصلی وطن فرخ آباد ہے مگر یہ خود بوجہ ملازمت ایک عرصہ سے جے پور میں سکونت گزیں اور محکمۂ صدر سائرات میں ملازم ہیں۔ انکے

والد بھی ریاست کے کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے انکی پیدائش ۱۸۸۸ء میں بمقام سجے پور ہوئی اور یہیں تعلیم پائی۔ شروع میں چند غزلیں مولوی اشتیاق حسین صاحب ناطق شاگرد امیر مینائی کو دکھائیں انکے انتقال کے بعد سے حضرت سید محمد رضا آگاہ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ جو کلام اُنکے اُستاد نے بھیجا اُسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے ؎

ہستی عدم فسانے ہیں گر غور کیجئے	معدوم عین عین میں عینِ وجود تھا
برقِ نگاہِ یار نے پھونکا دل و جگر	اک آگ تھی کہ جسمیں شرر تھا نہ دُود تھا
ہے اللہ کیا کنا ہے تیری کبریائی کا	بتوں کو بھی جہاں میں آج دعویٰ ہے خدائی کا
انداز کے قرباں تصدق ہوں ادا پر	پھر کہدو اُسی ناز سے چل دُور پرے ہٹ
خالی نہیں رہیں ہاتھ کہ زنجیرِ در رہائیں	دل تھامے پھر رہے ہیں ترے در کے آس پاس
دل بھی اگر ہی ہے زباں بھی اگر ہی ہے	کیونکر کرینگے شکوہ تمارا خدا سے ہم
جگر میں درد دل میں درد سر میں درد کا سودا	مرض کیا ایک ہوتا ہے محبت کرنیوالے میں
دیکھتے دل کو ہیں اور کہتے ہیں درکار نہیں	یہ بھی اک حسنِ طلب ہے کہ طلبگار نہیں
قاتل نے ہاتھ روک کے ارماں کا خوں کیا	کیا کیا نہ رہ گئی دلِ امیدوار میں
ہائے کہتا وہ کسیکا کہ خدارا خاموش	دیکھ بدنام نہ کردے تری فریاد مجھے
پھونک ڈالا آتشِ الفت نے جسکا جان و تن	اُسکی مشتِ خاک سے شرمندہ ہے اکسیر بھی

انگر

(**اخگر**) منشی محمد عبد القادر اخگر باشندہ کیامئی اپنے چچا حضرت سعید سے مشورہ کرتے ہیں ایک انجمن مشاعرہ بھی قائم کر رکھی ہے۔ تجارت کا شغل ہے کلام کا خلاصہ یہ ہے ؎

شبِ وصل وہ روٹھ جانا کسیکا	لگا کر گلے وہ منانا کسیکا
مری دادخواہی بروزِ قیامت	ندامت سے گردن جھکانا کسیکا
جلاتا ہے اُلٹی چھری میرے دل پر	نگہ پھیر کر مسکرانا کسیکا
سرِ بزم نیچی نگاہوں سے اخگر	عیاں ہوگیا دل چُرانا کسیکا

اڑ جا اے چل صبا کوئے بتاں میں | کر اتنا رحم تو مجھ ناتواں پر

اخگر

(اخگر) قاضی شمس الضحےٰ اخگر بی اے - قاضی پور کے باشندے ہیں ہر شعر سے نفاست مضمون اور نازک خیالی ٹپکتی ہے - کیوں نہو آخر تعلیم یافتہ دل و دماغ رکھتے ہیں - موجودہ رسائل میں اکثر آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے ؎

عجب درجے میں ترے وحشی کو دیکھا کل بیاباں میں | چھپے ہیں خار تلووں میں بھرے ہیں پھول داماں میں

دہانِ زخم وا ہیں فرطِ لذت سے ابھی قاتل | چھڑک دے اور اک چٹکی جو برکت ہو نمکداں میں

مرے ہوش و خرد کو بندگی تسلیم تقوے کو | نگاہِ مست ساقی آج ہے پھر اور ساماں میں

راحت کی ہیں تدبیریں کیا عقل ہے دیوانی | زندانیٔ دنیا کو امیدِ تن آسانی

دل ہے نہ جگر باقی حسرت ہے نہ ہے ارماں | کیا قہر کیا تو نے اے سوزشِ پنہانی

بدنام عبث گردوں ایام عبث رسوا | ہر ظلم کے تم موجد ہر جور کے تم بانی

ہم دادِ محشر سے گر کہتے تو کیا کہتے | تھا وقت بہت تھوڑا اور قصہ تھا طولانی

کچھ سوچ سمجھ کر ہم صحرا سے پلٹ آئے | تنہائی میں گھبراتی گھر میں مری ویرانی

اپنا جسے ہم سمجھے تھا غیر سے وہ بدتر | اور دوست جسے جانا دشمن تھا وہی جانی

بار آخر گو زندگانی ہے | ناتوانی سی ناتوانی ہے

دل ہے اک داستانِ عبرت خیز | عشق پُر درد اک کہانی ہے

عشقِ خوباں خلاصۂ صد عمر | زندگی مرگِ ناگہانی ہے

عیشِ دنیا حباب ہے اخگر | ایک غم ہے کہ جاودانی ہے

(اخلاص) منشی حافظ عبدالشکور - مدرس مدرسۂ صدیقیہ بھوپال - شاگرد امیر مینائی مرحوم - گلشن سخن نامی ایک رسالہ انکے اہتمام سے نکلتا تھا - انکے والد شیخ عبدالرحمٰن نواب قدسیہ بیگم کے زمانے میں بھٹرونج سے بھوپال آکر ملازم ہوئے یہ خود فنِ تاریخ میں منشی فدا علی فارغ اور شاعری میں امیر مینائی سے مستفیض ہوئے - یہ انکے کلام کا انتخاب حاضر ہے ؎

اے چارہ گر بتادے دوا میرے درد کی
انجان بن کے پوچھ نہ ہر بار کیا ہوا

ساقی ہو جام چلتے ہوں ابر بہار ہو
تب دور میکشوں کے دلوں کا غبار ہو

سچ سچ بتاؤ تمکو ستاتی ہے کس کی یاد
اخلاص کسکے واسطے تم بیقرار ہو

ہزاروں بے گنہ ہو جائینگے قتل
نہ نکلیں بن سنور کر آپ گھر سے

حضرت موسیٰ اسی پردید کے طالب تھے آپ
آتش شوق ایک ہی نظارے میں پانی ہوئی

کسی کی چال نے محشر میں اک ہلچل سی ڈالی ہے
قیامت سے قیامت پر قیامت آنیوالی ہے

پھرے ہیں گرد کعبہ کے رہے ہیں دیر میں برسوں
کسیکی جستجو میں ہمنے دنیا چھان ڈالی ہے

(اخلاص) شیخ نور الحسن خلف شیخ کریم حسین سنہ ۱۲۶۲ہجری میں پیدا ہوے ریاست بھوپال میں ملازم ہیں کلام درج ذیل ہے ؎

باغ عالم میں نہیں اسکا پتہ اخلاص ہائے
ہوں ازل سے شیفتہ جس گل کی میں تصویر کا

حسیں ہے مہ جبیں ہے اور پھر سیرت بھی اچھی ہے
بنوں کیونکر نہیں بندہ ایسے خوش رو او خوشخو کا

اخلاص چند روزہ ہیں دنیا کے عیش و رنج
کب ہے قیام گردش لیل و نہار کو

(اخلاق) سید اخلاق حسین دہلوی - یہ ایک شریف اور معزز خاندان کے رکن ہیں - عربی میں معمولی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں - عرصۂ دراز سے بسلسلۂ معاش کلکتے میں سکونت اختیار کرلی ہے - اور وہیں مشق سخن کو پختہ کیا ہے - ابتدائی چند غزلیں حضرت مجروح دہلوی کو دکھائی تھیں مگر زیادہ تر نادر شاہ خاں **شوخی** رام پوری مقیم کلکتہ سے مشورہ رہا - انکے اشعار پر لطف اور چست ہوتے ہیں - مگر استاد کے اثر سے کہیں کہیں دقت پسندی کی جھلک نظر آجاتی ہے - عمر چالیس سال کے قریب ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

نکل آئے گا پہلو وصل کا بھی
کہیں ہاں تو کرے ظالم نہیں سے

خطائیں اُسکی بخشو یا سزا دو یہ پوچھتے کیا ہو
ہمیں کیا کام ہے دل آپکا ہے آپ ہیں دل کے

ہنگام نزع بند زبان سوال ہے
بیچین دل میں آرزوئے عرض حال ہے

تھی اضطرابِ دل سے شمشیر چینِ بستر
کاٹی شبِ جدائی کروٹ بدل بدل کے

ان لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے
دنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی
کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

ہے جاں کے ہمراہ خلش خارِ مژہ کے
وہ پھانس نہیں ہے یہ کوئی جسکو نکالے

کیوں شام سے ہے فکر صبوحی مرے ساقی
تھوڑی سی پلا دے مجھے تھوڑی سی بچا لے

ہنسنے سے زیادہ مرے رونے میں مزا ہے
دل جب سے پڑا ہے کسی بیدرد کے پالے

چنتو وہیں ترے جلوۂ دیدار سے دونوں
دل کو کوئی روکے کہ طبیعت کو سنبھالے

آغاز سے بدتر ہوا انجامِ محبت
ہم دل ہی کو روتے تھے پڑے جان کے لالے

رندوں کو ہے یارب تری رحمت کا بھروسہ
واعظ تو کئے دیتا ہے دوزخ کے حوالے

شانے سے کوئی پیچ جو اُس زلف کا نکلا
اُس کو بھی کیا میرے مقدر کے حوالے

کہتے ہیں وہ اخلاق گلہ رشک کا سنکر
کیا ایک ہو دنیا میں تمہیں چاہنے والے

اخلاق

(**اخلاق**) منشی سید نذیر احمد - جیلخانہ اعظم گڑھ میں نایب داروغہ ہیں - فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کرتے ہیں - ابھی نو مشق ہیں مشق کرنے پر اچھا کہنے لگیں گے ۵

ہوش کیا میرے ہی کھوئے چشمِ افسوں ساز نے
سامری بھی سحر بھولا اُن کی چتون دیکھ کر

ہماری لاش کو ٹھکرا کے ناز سے بولے
پڑے ہیں آج تو خوب آپ دم چرائے ہوئے

کل تو مسجد سے چلے آتے تھے آج اے اخلاق
رہن میخانے میں دستار و قبا رکھی ہے

پائی ہے تم نے ماہ لقا شکل حور کی
روشن ضیائے رُخ سے تجلی ہے طور کی

ایک ٹھوکر کبھی تربت پہ لگائی ہوتی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگائی ہوتی

دل لگانے کا ذرا لطف اٹھاتے تم بھی
دل و دلبر میں کسی روز لڑائی ہوتی

اخلاق

(**اخلاق**) منشی ہاشم علیخاں باشندہ بنارس - اپنے بھائی منشی غلام حسین خاں آفاق کی طرح منشی جلیل حسین صاحب جلیل سے تلمذ ہے - کلام ملاحظہ ہو ۵

تڑپا دیا کچھ اور مرے دل پہ رکھ کے ہاتھ
باتیں بنا چکا ہے جو ہم سے ہزار بار
اب وہ آنکھوں میں زمانے کی بھرا کرتا ہے
تیر بے آواز اسی کا نام ہے سمجھے رہو
شکوۂ بیداد پر دیتا ہے ظالم یہ جواب
جس کو دل دیتے وہ کیوں جان کا گاہک ہوتا
غرض تھا ہوتا برا مجھ سے زمانہ ہوتا

تسکین خوب آپ یہ فرمائے جاتے ہیں
پھر ہائے اسکی باتوں میں ہم آئے جاتے ہیں
شرماتی تھی جسے اپنی نظر سے پہلے
اسے یہ توڑتے نہیں ہو تم مری فریاد سے
آپ کس دن باز آئے نالہ و فریاد سے
ہم نے تقدیر ہی ایسی جو نہ پائی ہوتی
تم سے بھلے ہوتے تو کوئی نہ برائی ہوتی

اخی

(**اخی**) ان کا نام تحقیق نہیں ہوا قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے اور شیخ قلندر بخش جرات کے ہمعصر تھے - چونکہ اس زمانہ میں فارسی کا زیادہ رواج تھا اس سبب سے اکثر زبان فارسی میں اور کمتر ریختہ میں فکر فرماتے تھے - ایک قطعہ اور اُس خمسے کا ایک بند ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو انہوں نے سید محمد عسکری بلگرامی کی فارسی غزل پر فرمایا تھا ❊

قطعہ

کل جو ہیں دیکھے بازار میں یہ میں نے کہا
مسکرا کر کے یہ فرمانے لگے شرم سے آپ

سیر کر کر کے نہ ہونا کہیں بدنام ذرا
آج تھا میرے تئیں چوک تلک کام ذرا

صدقے تری قامت کے کیا خوب بنا ہے قد
ہو کیوں نہ زخود رفتہ دل دیکھ تری آمد

اللہ رے ترا گھڑا اللہ رے یہ خال و خد
ہر کس کہ زدید ارت بے ہوش نمی گردد

دانم کہ زچشم او زائل شدہ بینائی

ادب

(**ادب**) سید حیدر مرزا لکھنوی - خلف اکبر و شاگرد سید حسین مرزا **عشق** - بڑے نامور اُستاد کے بیٹے اور خود بھی صاحب کمال سخن سنج تھے - تعلیم اچھی پائی تھی - اور لڑکپن سے اہل کمال کی صحبت اُٹھائی تھی - چودہ پندرہ برس کے سن میں فکر سخن کرنے لگے - رنگینیٔ خیال و رسائی ذہن بزرگوں سے ورثے میں آئی تھی اس سبب سے جو کچھ کہا خوب کہا تھوڑی ہی مشق میں اچھا نام

پیدا کر لیا ۔ ارباب زمانہ کے میلان اور اپنی خاندانی رسم کے موافق مرثیہ گوئی پر توجہ کی اور معقول دستگاہ بہم پہنچائی ۔ لیکن اس ولوی میں اپنے والد گرامی قدر کے درجے کو نہ پہنچ سکے ۔ مرثیہ پڑھنے کا انداز بھی نرالا تھا ۔ جس میں آپ کا خاندان ایک خاص شہرت رکھتا ہے ۔ لوگ آپ کی سادہ مزاجی کی بہت سی نقلیں بیان کرتے ہیں ۔ بہرحال غزلوں میں مضموں کی بلندی کے ساتھ زبان کی شستگی کو خوب نباہا گو دیوان شایع نہیں ہوا مگر اکثر غزلیں لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں جن کا انتخاب ہدیۃ الوالالباب کیا جاتا ہے آپکی تاریخ وفات ۲۰ محرم ۱۳۱۳ھ ہے ۔

سیر ہوتی تہ و بالا جو زمانہ ہوتا جبہ سائی کا دیا حکم نہ اپنے در پر	آپ نے سر سے مرے ناز کو اُٹھانے نہ دیا میرے تقدیر کے لکھے کو مٹانے نہ دیا
عجب محفل ہے یہ دنیا جہاں ہر ایک بسمل ہے وہاں اغیار خوش ہیں سنکے میرے قتل کا چرچا کل بازی کو بہم کس لئے تم چھینک دیتے ہو گئی شام جوانی سو چکے اب صبح پیری ہے آتی نہیں اب موت بھی یہ طرفہ بلا ہے	گر طرفہ یہ ہے پھر دیکھئے ہر ایک مائل ہے یہاں مجکو ملال زحمت بازوئے قاتل ہے مگر سمجھے ہوئے ہو عاشق ناشاد کا دل ہے ادب اُٹھو بہت کم وقت ہے اور دور منزل ہے مشتاق شہادت سے وہ قاتل جو خفا ہے

ادب

(**ادب**) نواب فیاض الملک بہادر ۔ مہتمم میز خانۂ نظام حیدر آباد دکن ۔ زیادہ حال معلوم نہیں ۔ موزوں طبع شاعر ہیں ۔ انکے کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ۔ چند دستیاب شدہ اشعار درج ذیل ہیں ؎

ایک تو رخسار گلگوں دوسرے گلگوں کا دور آتی ہے نظر گلشن جاناں کی فضا اور مسی کی دھڑی اُس پہ غضب پان کا لاکھا بوسہ کی طلب پر تو قیامت ہوئی برپا	اس سے دو آتشہ سے نشہ بالا ہو گیا اس باغ میں شاید کوئی گل تازہ کھلا اور دل خون کئے دیتا ہے پھر رنگ حنا اور کیسا غضب آتا جو کوئی ہوتی خطا اور

ادہم

(**ادہم**) شیخ الاسلام ادہم خلف خانفظ بڈہا ۔ متوطن قصبہ تھانہ ۔ قدرت اللہ شوق ۔ اپنے تذکرہ

میں انکے علم و فضل اور مہارت انشا و دستگاہ نظم و نثر کی بڑی تعریف لکھتے ہیں۔ الغرض مرد قابل و ہنرور خوش مذاق اور بڑے خوش فکر تھے۔ فن سخن میں اپنے والد سے فیض پایا تھا فضل و کمال کے علاوہ تیراندازی۔ بانک۔ پٹہ وغیرہ میں بھی اچھی مشق حاصل تھی۔ زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اُسمیں سے متروک ہو گئے ہیں مگر معاملہ بندی اور صفائی بیان قابل داد ہے ؎

نکلی نہ کسی بات میں ہاں تیرے دہن سے
ہے یاد یہ کافر تجھے اک لفظ نہیں کا

آتے ہیں غم و درد اوب سے مرے دلمیں
ڈرتے ہیں مکاں ہے یہ کسی عمدہ مکیں کا

نازاں ہے جرس ہرزہ درائی پہ تو اپنے
دنگ ہو جو سنے نالہ تو دلہائے حزیں کا

ممکن نہیں کہ دست جنوں ترک خو کریں
اس جیب ہی سے گذرے کہاں تک رفو کریں

برہم کریں طلسم یہ اسلام و کفر کا
زاہد جو شوق دل سے ہم اک بار ہو کریں

خالی ہیں دشت و کوہ دیوانوں سے ادہما
چل اب فراغ دل سے وہاں ہا و ہو کریں

کون ہے وہ کہ تمہیں جس سے مدارا ہی نہیں
ہاں مگر ہم ہیں کہ کچھ فکر ہمارا ہی نہیں

چشم کو یار کی مستی میں یہ ہشیاری ہے
بھولے بھٹکے بھی ادہراس کو اشارہ ہی نہیں

غنچہ ساں سوہیں زباں مُنہ میں دلے بہرِ سوال
کھولنا لب کا کسی ڈھب سے گوارا ہی نہیں

جو کہ چاہا سو کہا تو نے جو چاہو سو کہو
دم کبھی ہمنے ترے سامنے مارا ہی نہیں

تشنہ لب ہی رہے بھر عمر پہ غیرت سے صدف
سوئے نیساں کبھی مُنہ ہمنے پسارا ہی نہیں

منزل خوبی باطن تو پرے ہے ادہم
ظاہر اپنے کو تو ناداں تیں سنوارا ہی نہیں
(یعنی تو نے)

اکیلا کیا مناسب ہے کسیکے گھر میاں جاؤ
یہ جاں حاضر ہے لو ہمراہ پھر جاہو جہاں جاؤ

بہم پہنچا نہ دنیا میں کوئی فریاد رس اپنا
بھلا اک عرش کی بھی سیر کے آہ و فغاں جاؤ

کسے ہے تاب و طاقت رنجش بیجا اٹھانیکی
ادا و ناز اپنا تہ کرو اسے دلستاں جاؤ

حلاوت اُس جہاں کی تمکو گر درکار ہے ادہم
تو دنیا سے بہ تلخی او بچشم خونفشاں جاؤ

عارض کو اپنے دستِ نگہ سے بھی تو بچا
بے آب دم میں ہو گہر انگشت کے تلے

ادیب

ادیب) منشی سید تفضل حسین نام اور حضرت امیر مرحوم کے شاگردوں میں ہیں - کلام میں شوخی ہے مذاق اچھا ہے - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا ہ

دم رکا آنکھوں میں رندوں کا جو نشہ اُترا — بادۂ عمر چھلکنے لگا پیمانوں میں ٭

قید مذہب ہے نہ پابندیٔ ارکانِ نماز — غم غلط ہوتا ہے کس لطف سے میخانوں میں

ندیا دل تو کیا ضد سے تقاضا اُس نے — جب کہا لینے کو لے لو تو کہا رہنے دے

باعثِ ذلت و خواری ہے ولا دستِ سوال — ہاتھ پھیلانے سے کب رہتی ہے عزت باقی

س کو بھی کیجئے پامال چلے آپ کہاں — ابھی کچھ کچھ ہے نشانِ سرِ تربت باقی

ادیب

ادیب) مولوی رستم علیخاں فرخ آبادی ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے - اِنکے بزرگوں نے (لختِ جگر) تاریخ ولادت نکالی چھوٹی سی عمر میں اپنی خداداد ذہانت سے فارسی زبان میں خاصی دستگاہ بہم پہونچالی - پھر تکمیل علم کی غرض سے لکھنؤ جاکر مولوی مکرم خاں سے عربی پڑہی - تعلیم ختم کرنے کے بعد شعر و سخن کا شوق ہوا - اساتذہ لکھنؤ کے مقلد اور پُرگو شاعر ہیں - رعایت لفظی کا رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے طبیعت تشبیہ پسند واقع ہوئی ہے - اسوقت اپنے شہر فرخ آباد میں ایک قابل اور کہنہ مشق شاعر تصور کئے جاتے ہیں - اور اکثر مقامی شعرا اُن سے فیض اُٹھاتے ہیں - کاہے گاہے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں - ۱۳۰۹ھ میں اپنا دیوان بھی شایع کرچکے ہیں - اب انکے کلام کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو ہ

زاہد و پھر نہ یہ تسبیح نہ مصلیٰ ہوگا — سب کو بھولو گے اگر دھیان ادہر کا ہوگا

جب کہا ہجر میں مضطر دلِ شیدا ہوگا — بولے جھنجلا کے وہ جھوٹے کا کلیجا ہوگا

زندگانی کے مزے خضر بھلا کیا جانیں — زیست کا لطف انہیں ہے جنہیں مرنا ہوگا

دل میں ہے یاد بتاں نامِ خدا ہے لب پر — واعظو یہ کہیں قرآں میں آیا ہوگا

تمام ہوگئی جل کر کھڑی کھڑی سرِ بزم — زبانِ شمع سے کچھ سوزِ دل بیاں نہ ہوا

صیاد نے کرم میں بھی شامل ستم کیا — بلبل کو پر کتر کے قفس سے رہا کیا

چار آنکھیں جس سے ہوگئیں مخمور ہو گیا	ساقی کی چشم مست میں عالم ہے نور کا
دیکھ کر جب سے اُسے آیا ہے	اِک تماشہ ہے تماشائی کا
حرف رخصت کا تو سنتے ہی ہوا دل بیتاب	چین جانے سے تمارے مجھے کیونکر ہوگا
کور باطن کو نظر کیا پڑے جلوہ اُن کا	دیکھتا ہے اُنہیں ہر شے میں شناسا اُن کا
کیا کہوں دنیا میں آکر کیا کیا	کھیل قدرت کے ترے دیکھا کیا
ہم کو بھی اُسنے بنایا خاک سے	جس نے تم کو نور کا پتلا کیا
آئینے کو ہے دیکھکر حیرت	دی ہے خالق نے تمکو صورت کیا
دل کسی طرح بھی نہیں بھرتا	تیرے غم کھانے میں ہے لذت کیا
حج اکبر ہے دل کا خوش کرنا	کعبہ جانے کی ہے ضرورت کیا
اُس بت کافر نے لیکر دل کیا پامال حیف	خوب ہی کی خانۂ کعبہ کی حرمت دیکھنا
ہم پریزادوں کے عاشق حوروں پہ مرتے ہیں آپ	شیخ صاحب ہمکو کرتے ہیں نصیحت دیکھنا
رحم کرتے تو ہزاروں ہی دعائیں ملتیں	ہم غریبوں کے ستانے سے بھلا کیا پایا
کیا ہو بہار جو مئے گلگون سے سرخ ہو	ریش سفید زاہد شب زندہ دار آج
اُس کے سر عشق کا سہرا ہے جو سر کو پھوڑے	سن رہے ہیں یہ صدا تیشۂ فرہاد سے ہم
کب شب تڑپ تڑپ کے سحر ہونے کی نہیں	کس روز رات آنکھوں میں اپنے کٹی نہیں
زاہد ہے مردہ دل سے جاں بخش پی نہیں	کچھ لطف زیست کیفیت زندگی نہیں
یارب ترے سوا کوئی گلزار دہر میں	پرسان حال بلبل بے بال و پر نہیں
سیر ہوتے نہیں ہیں پی کر بھی ہم	غم زمانے کا گو کہ کھاتے ہیں
نہیں معلوم کہ کب پیک اجل آجائے	چاہیے موت کا ہر دم ہے کھٹکا دل میں
اُس ستمگر کے ستم کرنے سے دل شاد ہیں	اے ادیب اُس کو ذرا لذت بیداد نہیں
اُس کا ملنے دل جو تصور ہے تو سب کچھ ہے ہم	وہ اگر یاد نہیں تجھکو تو کچھ یاد نہیں

ہم نے تو کسی کے وہ کرم میں بھی نہ پایا	جو لطف ملا ہم کو ترے جور و جفا میں
اُن کو کہتا ہے ہر اک زندۂ جاوید یہاں	پہلے مر جانے سے جو لوگ کہ مر جاتے ہیں
مجھ تشنہ کام کا ہو دہن خشک تر کہیں	مل جائے آب خنجر بیداد گر کہیں
عجب کیا ہے جو کر دے کاہ وہ کوہ مصیبت کو	جو اپنے حکم سے رائی بنا دیتا ہے پربت کو
وہ آئے بھی تو وقت نزع گھر میری عیادت کو	ملا کب شربت دیدار بیمار محبت کو
یہ وہ شے ہے کلام اللہ میں آیا ہے ذکر اسکا	بھلا کیا آپ جانیں شیخ صاحب مے کی حرمت کو
کیا تیغ و غم و رنج سے مجھ مست کو ڈر ہو	جب ہاتھ میں جام مے گلگوں کی سپر ہو
رہائی میں کیا قید قفس سے بھی ستم بڑھ کر	کیا پر کاٹ کر صیاد نے آزاد بلبل کو
بند آب و دانہ قید میں صیاد نے کیا	کیا دشمنی ہے بلبل بے بال و پر کے ساتھ
بولیں جو مجھ سے آپ تو جی جاؤں میں ابھی	ہے زندگی مری لب اعجاز نما کے ہاتھ
نہیں اسکے برابر نعمتوں میں کوئی نعمت ہے	کوئی دل سے مرے پوچھے جو غم کھانے میں لذت ہے
میں کیا کہوں کہاں تری تیر نظر گئی	سینے کو توڑ کر مرے دل میں اُتر گئی
دل نعمتوں سے سارے زمانہ کے بھر گیا	غم کھانے میں ملا ہے کچھ ایسا مزا مجھے
غیب سے گھر بیٹھے پونچتا ہے رزق اسکو رزق	آسیا آسا نہیں پھرتا جو دانے کے لئے
پیش قاتل ہے سر تسلیم خم	جان لے یا بخش دے مختار ہے
نقاب روئے روشن وہ اُٹھا دیتے ہیں جب سے	جلانا شمع کا محفل میں جب منظور ہوتا ہے
کیا حال پوچھتے ہو زمانہ کا اے ادیب	الفت عزیز میں ہے نہ مہر آشنا میں ہے
تھا پہلے اجتناب مگر اب یہ شوق ہے	زاہد جو کھولتا ہے تو روزہ شراب سے
در دلبر پہ اے دل چل کے کر تو ناصیہ سائی	یہی تدبیر ہے تقدیر کا لکھا مٹانے کی

ادیب

(ادیب) مولوی سیف الحق مرحوم ادیب دہلوی ابن مولوی محمد احسان الحق مغفور خلف الصدق مفتی محمد اکرام الدین خاں بہادر صدر امین (سب جج) دہلی۔ شاہ عبدالحق محدث کی اولاد اہل اسلام کے

ایک نامی گرامی خاندان کے چشم و چراغ تھے دو سو برس سے زیادہ گزرے شیخ الاجل شاہ عبد الحق نے علم و عمل رشد و ارشاد کے شوق میں وطن قدیم بخارا کو خیرباد کہکر دہلی میں طرح اقامت ڈالی۔ اور علم حدیث کی اشاعت سے اپنے مذہب اور قوم کو مستفید کیا۔ شاہ صاحب کا مزار سرزمین مہرولی معروف بہ قطب صاحب میں کنار حوض شمسی واقع ہے +

مشہور ہے کہ عموماً اس خاندان کے بچے جاہل نہیں ہوتے چنانچہ محدث علیہ الرحمۃ کے ڈھائی سو برس بعد سیف الحق سنہ ۱۲۶۳ھ میں بمقام دہلی محلہ مفتی صاحب پیدا ہوئے۔ خاندانی تربیت تو تھی ہی مگر باعث صد حیرت اور استعجاب یہ امر ہے کہ مکتب اور سرکاری مدرسہ میں صرف معمولی عربی فارسی اور برائے نام انگریزی تعلیم پانے کے جسکی معراج مڈل کے درجے تک تھی ادیب کی اچھوتی اور ہونہار طبیعت نے وہ قابلیت و استعداد فراہم کرلی کہ اچھے اچھوں کی ٹکر جھیلنے لگے اور لڑکپن ہی میں قابل امتثال لیاقت حاصل کرلی۔ شعر و سخن کا شوق بچپن سے رفیق تھا۔ خود بھی شکیل و ضعدار تھے اور حسن پرستی کا مادہ ازل سے انکے خمیر میں ودیعت ہوا تھا۔ شروع میں مرزا یوسف علیخاں عزیز شاگرد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا اور کئی برس تک انکی روش پر کہتے رہے۔ ایک دفعہ کسی مشاعرے میں غزل پڑھی جسکا مطلع یہ ہے ؎

لیجاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے	پر دل نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

سنا ہے کہ مرزا غالب بھی موجود تھے۔ پاس بلاکر پیار کیا اور فرمایا کہ "میاں سیفو۔ ہمارے پاس آیا کرو آج سے ہم تمہیں بتائیں گے" وہ مرزا غالب کی توجہ سے اور ہی رنگ پیدا ہوگیا۔ جب روزگار کی ضرورت پڑی تو کچھ دن عدالت منصفی میں نائب ناظر رہے لیکن انشا پردازی کی خداداد قابلیت نے سرکاری ملازمت کی قیود کا پابند رہنا گوارا نہ کیا۔ اسلئے اخباری دنیا میں قدم رکھا۔ میو گزٹ نامی ایک پرچہ نکالا جو کچھ دنوں بڑی دھوم سے چلا اسمیں اکثر اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ مضامین اور غزلیات شائع کرتے رہے۔ پھر جب یہ پرچہ بند ہوگیا تو مختلف اخباروں کو اپنے مضامین نظم و نثر سے معقول امداد دیتے رہے۔ اسی اثنا میں انجمن قصور کے سکرٹری ہوکر وہاں چلے گئے اور انجمن مذکور کا رسالہ بڑی کامیابی

سے چلاتے رہے - جب وہاں سے جی اوچاٹ ہوا تو لاہور آکر کچھ دن سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے پھر کچھ عرصہ کوہ نور کے اڈیٹر رہے - اکثر اخبارات میں علمی مباحثوں میں حصہ لیکر اُس زمانہ کے نامی فاضلوں - شعرا اور لیڈروں سے اُلجھ پڑے - نازک مزاجی حد سے بڑھی ہوئی تھی - رفیق ہند کے بعض مضامین سے ناراض ہوکر اُسکے جواب میں شفیق ہند نامی پرچہ لاہور سے جاری کیا جسکے ساتھ نسیم صبح - شام وصال کے نام سے دو ضمیمے بھی نکلتے تھے - ان پرچوں کا ایک ایک فقرہ شوخی سے بھرا ہوا اور مذاق میں ڈوبا ہوتا تھا - الغرض پنجاب میں آپنے اچھی شہرت حاصل کرلی اور نامور لیڈر آپکی قابلیت کا لوہا مان گئے آپ کی طبیعت میں غضب کا استحضار تھا وقت پر سوجھتی تھی اور خوب سوجھتی تھی - غالب کے تلمذ نے آپکے کلام میں ایک عجیب شان پیدا کردی وہ یہ کہ مومن اور غالب کے رنگ کلام کو سموکر جدت پسندی سے ایک ایسا دلچسپ اور پسندیدہ رنگ اختیار کیا جسمیں فصاحت وبلاغت شوکت لفظی مناسبت شعری اور نازک خیالی سب اپنی اپنی جگہ جداگانہ شان دکھاتی تھیں - اُردو وفارسی دونوں زبانوں کا کلام نہایت آبدار وبلند پایہ ہے مگر انکی فطرتی استغنا سے بہت سا حصہ تلف ہوگیا - اور جو کچھ بچ رہا وہ بھی نایاب ہے اور چھپنے کی توقع نہیں بڑی مشکل سے تھوڑا سا کلام ہمارے ہاتھ لگا ہے نثر کا بھی کافی ذخیرہ آپ سے یادگار رہے - تاریخ گوئی میں اپنا نظیر ہی نہ رکھتے تھے - بات بات میں مادۂ تاریخ نکالتے تھے اکثر تاریخی فقرے بولتے تھے - ہزاروں قطعات - بیسیوں عرضیاں - اور خطوط تاریخی جنکے ہر دل آویز فقرہ سے سن وسال نکلتا تھا لکھ ڈالیں چنانچہ حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے ولی عہد کی پیدائش پر ان کے تاریخی نام اور قصیدے قطعے اس کثرت اور عمدگی سے لکھے کہ دھوم مچ گئی - عجیب ترین قصہ انکی برجستہ تاریخ گوئی کا یہ ہے کہ ۱۳۰۲ھ میں انکے بھائی مولوی محمد انوار الحق میر منشی راجستان نے اپنی بیٹی کی شادی کی وقت وداع سامان جہیز کی فہرست لکھنے کی خدمت انکے سپرد ہوئی چنانچہ فہرست جو بڑی لمبی تھی مع عنوان تقید نام جنس تمام وکمال تاریخی ہے ہر شے کے ساتھ ایسے موزوں اور مناسب الفاظ ملائے ہیں کہ ہر جملہ میں تاریخ موجود ہے - فصیح البیانی کے ساتھ ساتھ

صحت لفظی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ طبیعت میں تحقیقات کا مرض اُسپر اپنی مادری ٹکسالی اُردو میں اختراعوں کا شوق جسکی مناسبت اور دلفریبی زبان اور قلم سے نکلتے ہی قبولیت عامہ کا مرتبہ حاصل کرلیتی تھی۔ مختلف جلسوں اور قومی کانفرنسوں میں وقتاً فوقتاً لکچر بھی دیا کرتے تھے جنکی وجہ سے چھوٹی سی عمر میں اپنی لیاقت اور ذکاوت سے ہندوستان میں اچھا نام پیدا کرلیا تھا۔ آخر اسی شہرت کی بدولت سرکار آصفیہ حیدر آباد دکن میں مشاہرہ چارسو پچاس روپیہ گورنمنٹ رپورٹر کے معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ دکن میں ۲ ہی برس کی ملازمت میں ایسا رسوخ پیدا کرلیا کہ صدہا کے رشک وحسد کا باعث تھا۔ حضرت داغ مرحوم جب پہلی مرتبہ دکن تشریف لے گئے تو آپ ہی کے مکان پر عرصہ تک فروکش رہے۔ پھر جب دہلی واپس چلے آئے تو دوبارہ آپ ہی کی تحریک سے عازم دکن ہوئے تھے۔ اور اُنکے تقرر میں بھی بہت کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا دخل تھا۔ نوک جھوک کی عادت ایسی تھی کہ کسی سے چوکتے نہ تھے۔ آمیر۔ ارشد دہلوی۔ مرزا داغ۔ راسخ مولانا شوکت۔ احسن سے مزیدار چوٹیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے مولوی عبدالرحمن راسخ ساکن نبت نے غالب کی طرز میں غزل لکھی جسکے مقطع میں غالب مرحوم پر سنہ آگئے ؎

کہیں چھپ چھپ کے مے پیتے ہیں شاید حضرت راسخ	ترے اشعار بھی غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

پھر کیا تھا ادیب نے میاں ملنگ سبزی فروش سے اُسی زمین میں غزل پڑھوائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

عجب چھم چھم کا مضموں ہے کہ ہیں لیس اپنے دعوی میں	نبت والے بھی اب غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

مختصر یہ کہ ادیب مرحوم خوبرو۔ خوش وضع۔ رنگیں طبع۔ نازک خیال خوش تقریر۔ خوش تحریر آدمی تھے۔ خوشنویسی میں بھی اچھا ملکہ تھا۔ مزاج میں لاپروائی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپکے دریائے معیشت میں اکثر جزرومد کا عالم رہتا تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو دق کا مرض جسمیں انکا انتقال ہوا زیادتی فکر سخن کی بدولت ہوا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شراب کی زیادتی اس مرض مہلک کا باعث ہوئی۔ آخر کار یہ علوم ایشیائی کا زبردست ادیب وماہر جو فن عروض میں بھی یدطولےٰ رکھتا تھا ۳۸ برس

کی عمر میں جوان ۱۸۹۱ء میں بمقام دہلی فوت ہوگیا اور قطب صاحب میں اپنے مورث اعلیٰ کے مزار کے قرب میں دفن ہوا۔ دم نکلتے نکلتے بھی ہوش و حواس درست تھے نویں محرم کو انتقال سے چند گھنٹہ پیشتر جسوقت تعزیہ گشت کناں ترابہ بیرم خاں میں آپ کے مکان کے متصل پہونچے تو ماتمی تاشہ کی آواز سے چونک کر آپ نے ایک عزیز کو اپنے پاس بلایا اور یہ رباعی لکھوا کر فرمایا کہ اسے تعزیے سے لٹکا آؤ۔ وہ رباعی جسے اس طوطی شکرستان سخن کی آخری نغمہ سنجی کہنا ناموزوں نہیں ہے +

رباعی

بیمار ہوں ناتواں ہوں زار ہوں میں　　وقفِ غم و درد و رنج و آزار ہوں میں
اے سبط رسول راکب دوشِ نبی　　کچھ عقدہ کشائی کیجئے ناچار ہوں میں

آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولوی انعام الحق بی اے ہونہار اور لائق نوجوان ہیں اور فی الحال فارس میں کانسل برطانیہ کے دفتر میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔ انتخاب کا کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

یوں ہوا حال ستم سے ترے سودائی کا　　آپ ہی شوق ہے گویا تجھے رسوائی کا
ساتھ واں بھی نہ تری یاد ستم نے چھوڑا　　قبر سمجھے تھے ہم اِک زاویۂ تنہائی کا
شامِ وعدہ ہی سے توفیقِ وفا کرنے کی　　مُنہ دکھایا نہ خدا نے شبِ تنہائی کا
سوئے آئینہ ہے منظور تری ایک نظر　　اور ہی دیکھنا دعوے تری یکتائی کا
جادہ ملنے کی تمنا ہے اگر مل جائے　　ورنہ اک شغل سہی بادیہ پیمائی کا
چشم آئینہ سے بچنا کہ نہ مجھ سے بن جاؤ　　آج کل شوق تو ہے تمکو خود آرائی کا
موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں　　کاش ہو نام قضا تیری مسیحائی کا
شکوۂ ظلم ادیب اُن سے نکرنا کوئی　　مجکو شرمندہ کریں گی مری دانائی کا
خود فراموشِ تمنا ہوں دلی پیدا ہے　　رنگ دیوانگی عشق میں ہشیاری کا
اُس کو اس درجہ ہے اندازِ جفا پر نازش　　جبتک رنا نہیں مجکو وفاداری کا
یاں شکایت ہی تو ہے اپنے ہی دل کی ظالم　　تجھ سے کچھ شکوہ نہیں ہے تری غمخواری کا

باز آتا نہیں الفت سے کسی طرح ادیب
شوق ہے آپ اُسے اپنی گرفتاری کا

تقدیر کا لکھا مری صورت سے ہے عیاں
کیوں غیب نام ہے سخنِ آشکار کا

اے کاش وہ بھی ہو کوئی دم غیر سے جدا
احوال تا کھلے مرے صبر و قرار کا

کب فکرِ ظلم تازہ سے آسودہ وہ ہوا
کہنا اُسے خطا ہے تغافل شعار کا

موت آ گئی مجھے شبِ فراق ہی
دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا

یاں رستخیز کیا ہو سبب اضطرار کا
ہنگامہ دیکھے بیٹھے ہیں رفتارِ یار کا

ہو جان پر جو ایک مصیبت تو رو دیئے
دل بھی ملا ہے ساں تو ترے اختیار کا

راہِ وفا پہ گر نہیں آتے ہیں وہ نہ آئیں
دل ہی کہیں ہو کاش میرے اختیار کا

تا صبح ہر نفس رہا خواہانِ مرگ میں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

گر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب
لپکا برا پڑا ہے تجھے انتظار کا

لذتِ جور نے دی رشک سے مجھ کو تسکین
غیر بھی جرعہ کشِ حسرتِ بیداد ہوا

کیسا کلام ہے غیر جو دوچار ہو گیا
میرا دم اُس کو خنجرِ خونخوار ہو گیا

ممنوں کیا نہ ضعف نے اُنکا ہزار شکر
جب آنکھ بند ہو گئی دیدار ہو گیا

ایسے آتے رہتے دیئے صورت کے یار کی
مجھ سا ہی نامہ بر کو بھی آزار ہو گیا

ہے اک کُریدنی سی اُسی کی لگی ہوئی
اپنے لئے میں خود مژۂ یار ہو گیا

جاں نے بھی الوداع کہا دل کے ساتھ ہی
میں رہ سپارِ منزلِ دشوار ہو گیا

بوسوں کے نیل سے ہے عیاں رنگِ وصلِ غیر
سوسن تمہارا لالۂ رخسار ہو گیا

رکھے عدو نے پھول سرِ تربتِ ادیب
کیا شمعِ زیست کر کے وہ گل خار ہو گیا

جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا
ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم
حرماں و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

پوشیدگی ہے غیر سے مدِ نظر ہمیں
آگاہ کیوں کریں تمہیں رازِ نہاں سے ہم

دل میں ہے عزمِ ترکِ وفائے جفا صلہ
کب تک عتاب ایک کرم کی نگاہ بھی

خالی خیالِ یار سے دل ایک دم نہیں
سب کچھ ادیبؔ عشق نے جی سے بھلا دیا

کیونکر جئیں ہجر میں جب موت کو سنتے ہیں وصال
حسرتِ دیدۂ ترخوں کے سے گھونٹ پیئے

خود پسندی نے مجھے اور نہیں ایک کیا
موجِ دریا کی حقیقت بھی کھلی ہارے ادیبؔ

بحرِ موّاج میں قطرے کا تماشہ دیکھو
دولت اشک نظر آتا ہے قلزم مجھکو

نگہِ ناز سے جب دیکھتے ہو تم مجھکو
خوگرِ جور ہوں الطاف و محبت معلوم

دل میں خاموشی کو اک حصۂ تعلق جانا
ہے مری طرح سے الطاف کی اُس پر بھی نظر

دل میں برداشت نہیں رشک عدو کی اب تو
دیکھیئے کیونکہ کھلے عقدۂ مالا ینحل

آبرو رکھ لے خدا حضرت عیسیٰ کی کہیں
کام بگڑے نظر آتے ہیں ابھی تک کہ خدا

کس کس غم و الم کا نہ میں میزباں ہوا
عمرِ ابد سے کم نہیں معبودن ہے ہجر کا

غیر تک پوچھتے ہیں ہوگئی حالت کیسی

کچھ آج اپنے حال پہ ہیں مہرباں سے ہم
تنگ آ گئے ہیں اب ستمِ آسماں سے ہم

رہتے ہیں اپنے گھر میں بھی اک میہماں سے ہم
جانا کہاں ہے اور تھے آئے کہاں سے ہم

کہنا اے حضرتِ عیسیٰ نہ کہیں قم مجھکو
اک ستم تھا وہ ترا ضبطِ تبسم مجھکو

کیوں مری طرح سے آتے ہو نظر تم مجھکو
جوشِ گریہ نے دکھایا جو تلاطم مجھکو

ناخدا چھوڑ چلا ہے سرِ قلزم مجھکو
جستجو خاک کی ہے بہرِ تیمم مجھکو

ستمِ تازہ کا ہوتا ہے توہم مجھکو
میں نہیں غیر کہ ہو لطف ترحّم مجھکو

نہ بن آئی کوئی جب حسرتِ تکلم مجھکو
حال پر غیر کے آتا ہے ترحم مجھکو

آپ کا لطف گوارا نہ ترحّم مجھکو
ذوقِ خاموشی نہیں شوقِ تکلم مجھکو

آج لاشہ پہ کہیں گے وہ مرے قم مجھکو
گوشِ دل دے اُسے یارائے تکلم مجھکو

تم رات کو جو غیر کے گھر میہماں رہے
اب ہم اجل سے منفعل جاوداں رہے

ڈال دی آپ نے ہم پر یہ مصیبت کیسی

روز رہتی ہے یہ پامالیٔ تربت کیسی
خاک میں مل گئے جب ہم تو کدورت کیسی

کہہ دیا اُس نے کہ اب یہ بھی نہ دیکھوگے کبھی
جب کہا میں نے کہ مُنہ دیکھے کی الفت کیسی

ایک تو ذکرِ عدو اُس پہ یہ بگڑا تاکہ سنو
لوٹتی ہے یہ قیامت یہ قیامت کیسی

غیر سے بار گھسے ہی کو بھی جدا ہو تو کہوں
کہ گزرتی ہے کسی کی شبِ فرقت کیسی

مُنہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا
مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

آج دل لوٹ کئے لیتے ہیں اُن سے ناچار
بن گئی اپنے ہی دم پر تو مروت کیسی

یہ تو احسان ہے کچھ زور نہیں ظلم نہیں
بوسہ دینا نہیں منظور تو حجت کیسی

مجھ سا صوفی منش اور شائقِ جام
مے میں کیا جانئے ہے لذت کیسی

جان جائیں گے یہ سب آپ مرے بعد ادیب
علم کیا چیز ہے ہوتی ہے لیاقت کیسی

قیامت بھی مشتاق ٹھیری ہوئی ہے
وہ کب دیکھئے خوش خرامی کریں گے

مبارک ہو ملتے ہو گر دشمنوں سے
تمہاری بھی نیک نامی کریں گے

یہ عشقِ عدو ہے تو وہ بن کے یوسف
زلیخا کی قائم مقامی کریں گے

نزاکت لبِ یار کی کہہ رہی ہے
کسی سے نہ ہم ہم کلامی کریں گے

اگر آبِ خنجر نے بھی خشک نالا
تجھے لے کے کیا تشنہ کامی کریں گے

پشیماں ہوں یوسف اگلیں کہہ کے ناحق
وہ کہتے ہیں کیا ہم غلامی کریں گے

رہا گر یہی بت پرستی کا عالم
تخلص ادیب اپنا رامی کریں گے

گویا مرا قصور تھا ایسا خجل ہوا
اب کیا عوض میں ہو کے لوگے کسی کی جان

جب شکوۂ جفا پہ وہ بولی خطا ہوئی
بندہ نواز کہہ تو چکا میں خطا ہوئی

جھگڑے شبِ وصال وہ باہم گر پڑے
لیٹے رہے الگ وہ اُدھر ہم ادھر پڑے

خط دے کے میرا اُن کو الجھیو نہ نامہ بر
ایسا نہ ہو کہ تیری بلا تیرے سر پڑے

لیجائیو میرے سینے سے ناوک نکال کے
پہلو سے نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

انتخاب از مثنوی سحاب رحمت

تھے طمانچوں سے لو کے چہرے لال
آندھیوں سے جدا تھا پتلا حال

تھا نہ گرمی کا کوئی اندازہ
سردی کا کھینچتے تھے خمیازہ

دل کے دل بادلوں کے آنے لگے
صبر ہاتھوں سے دل کے جانے لگے

پڑ گئی جان کاشتکاروں میں
آگئے ہوش بادہ خواروں میں

گھر کے آتے ہی دل کے دل بادل
سارے جنگل میں ہوگیا منگل

سب کے جی سے اُتر گئے دریا
حوض شمسی کا اوج موج بڑھا

ادیب

(ادیب) منشی محمد کرم احمد خاں ولد محمد یار ساکن قصبہ تارہ ضلع الہ آباد۔ انکے والد عرصہ تک محکمہ پولیس اودہ میں سب انسپکٹر رہے۔ ادیب خود نوجوان ہیں طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اور اُسمیں منشی محمد نوح نوح شاگرد حضرت داغ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ بتیس بتیس برس کی عمر ہے ٥

تیر نگہِ ناز ہے کیا تیر قضا کا
مارا اُسے جس کو بت بے رحم نے تاکا

لڑتی ہے ہوا ہی سے غضب ہے یہ خدا کا
کس بل کوئی دیکھے تو ذرا زلفِ رسا کا

مسجد میں نکر ہجو بتاں بیٹھ کے زاہد
کمبخت ذرا ڈر تو کہ گھر ہے یہ خدا کا

تاثیر سے ملے گی فلک پیر یہ کس طرح
ملتا نہیں ہے حرف جب آپس میں آہ کا

(ارشاد) شیخ ارشاد نبی نام ہے اور ابوالمختار کنیت۔ قوم کے شیخ قریشی شہر پٹھ کے قدیم باشندے ہیں مگر چونکہ انکے والد بزرگوار خان بہادر منشی غلام نبی پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ اور ریوڈیشل اسسٹنٹ کمشنری کے عہدوں پر ممتاز رہنے کے بعد بحصول پنشن ریاست بھاولپور میں فنانشل منسٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے اسوجہ سے آپ نے بھی وہیں ملازمت اختیار کی ہے چنانچہ اب کئی برس سے آپ ریاست کی جانب سے پٹیالہ میں وکیل ہیں۔ آپکے

بڑے بھائی منشی اعجاز نبی صاحب گورداسپور میں ڈسٹرکٹ جج بھی رہے تھے۔ شیخ صاحب ایک زندہ دل۔ ظریف الطبع۔ موسیقی پسند نوجوان ہیں۔ فن شعر میں مجدد الوقت مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے مولانا ممدوح نے دیوان غالب کی شرح لکھی ہے۔ آپ کی تصنیف سے دو ناول حامد و دل بہار۔ اور عدل عباسی شائع ہو چکے ہیں۔ گو آپ کا کلام پُرانے مذاق کا ہے مگر اُسمیں اخلاقی مضامین کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام آپ نے ارسال فرمایا اُسکا انتخاب ناظرین کے ملاحظہ کے لئے درج کیا جاتا ہے ؎

کون سنتا ہے چمن میں داستانِ عندلیب
گل اُڑا دیتا ہے کانوں سے فغانِ عندلیب

یہ بچھوڑے باغ کتنا ہی ستائے باغبان
قید ہے ہر غنچہ و گل میں روانِ عندلیب

جو دل میں ہے ہمارے وہی ہے زباں پر
رہتے ہیں یار لوگ سدا مکر و فن سے دور

دیکھو جسے وہی ہے اسیرِ غم و الم
دارِ محن میں کون ہے رنج و محن سے دور

رباعی

حاسد کے لئے ہے دو زخ اُسکا سینہ
جلتی ہے جہاں آتشِ بغض و کینہ

دل صاف ہو حاسد کا؟ ہے مشکل ارشاد
کب صاف دھوئیں میں ہے رہا آئینہ

کریگا کسطرح قاصد وہاں حالت بیاں میری
نہ رکھتا ہے تو دل میرا نہ رکھتا ہے زباں میری

نہ ڈر اس سے کہ محشر میں کرینگے دعویٰ ہم تجھ پر
ترے شکوہ میں ظالم کام کب دیگی زبان میری

جہاں میں جسقدر اسباب تھے تخریب عاشق کے
وہ بنکر فتنۂ دوراں تری رفتار میں آئے

خدا کی یاد بھولے مسجد و کعبہ سے مُنہ پھیرا
بتوں سے دل لگا کر رشتۂ زنار میں آئے

ہوا ارشاد ہم سے چرخ کجرفتار اب سیدھا
مری قسمت کے بل سب گیسوئے دلدار میں آئے

رباعی

آتی ہے ہر اک پھول سے نکہت تیری
سوسن کی زباں پر ہے مدحت تیری

بتلاتا پتہ تیرا ہے پتا پتا
غنچے کے بھی دل میں ہے محبت تیری

رباعی

کیا فائدہ گر ریش بڑھائی تو نے
پیشانی پہ محراب بنائی تو نے

تسبیح و مصلے سے بھلا کیا حاصل
جب کچھ بھی نہ کی دل کی صفائی تو نے

(ارشاد) محمد قاسم علی نام ہے - مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام سرکار آصفیہ المتخلص بہ شاد کی شاگردی سے نامور ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - انکا کلام حاضر ہے ؎

غم نہیں مجکو جنازہ یہ میرے مدفن تک پیش جب تک رہی حجاب خودی	حسرت یا متو تھی ساتھ اگر یار نہ تھا بھید کھلتا نہیں خدائی کا
قلزم عشق کے مدت سے رہے ہم تیراک غیر سب بزم شہ حسن میں ہو پہنچے لیکن	یہ وہ دریا ہے کہ پیدا کہیں ساحل نہوا ہائے ارشاد ہی اک داخل محفل نہوا
پہلو میں دل نہیں تو دہن میں زباں نہیں دینے میں آپکو ہے پس و پیش کس لئے	یعنی لائق عشق میں رسم فغاں نہیں اک بوسے کے عوض تو مرا دل گراں نہیں
پی رہے ہیں ہم لہو کے گھونٹ اور وہاں ندان طالب وصل کو فرماتا ہے وہ رشک قمر	ساتھ ہیں غیروں کے دور جام اُٹھتے بیٹھتے ہاتھ آتے ہیں کہاں عرش کے تارے پیارے

(ارشاد) چودہری سید ارشاد حسین تعلقہ دار زرولی اودھ - حضرت آسیر لکھنوی کے چھوٹے صاحبزادے سید افضل علی خاں افضل سے مشورہ سخن کرتے ہیں - تازہ تازہ شوق ہے - یہ انکا کلام ہے ؎

ایسا دلسوز مرا کوئی زمانہ میں کہاں دھیان زاہد تجھے لازم ہے صمد کا ہر دم	ساتھ جلتا ہے چراغ سر مدفن کیسا محو ہے یاد صنم میں یہ برہمن کیسا

(ارشد) صاحب عالم مرزا عبد الغنی گورگانی دہلوی خلف مرزا علی بہادر ابن شاہزادہ دلاور شاہ خلف الرشید حضرت احمد شاہ بادشاہ - حسب کا سلسلہ یہ ہے کہ آپ نواب کاشفہ سلطان بیگم صاحبہ کے حقیقی نواسے تھے جو حضرت ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی سب سے بڑی شاہزادی تھیں - اور اسی وجہ سے موقر و ممتاز بیٹیوں میں تھیں - آپکی پیدائش قلعہ معلی دہلی میں ہوئی مگر ابھی چھ سات برس سے زیادہ عمر نہونے پائی تھی کہ بلوۂ غدر نے خاندان شاہی کو اُسکے آبائی محل سے نکالکر پراگندہ و منتشر کر دیا چنانچہ مرزا ارشد ایام طفولیت میں کئی برس تک قطب صاحب میں رہے اور

وہیں درسیہ کتابیں ختم کیں۔ جب معاش کی فکر ہوئی تو سررشتہ تعلیم پنجاب میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں قیام رہا۔ مگر زیادہ حصہ ملازمت فیروز پور میں جہاں آپ فارسی کے ہیڈ مولوی تھے بسر ہوا۔ شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو گئی تھی۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم آپ کے رشتہ میں ماموں ہوتے تھے انہیں علاوہ زبردست استعداد عربی و فارسی علم عروض پر ایسا عبور تھا کہ اس فن میں مستند سمجھے جاتے تھے اور فن شعر میں تو اُستاد مسلّم الثبوت تھے۔ صابر مرحوم کے بڑے صاحبزادے مرزا عمر سلطان معروف بہ مرزا قیصر بخت فروغ بنارس میں شادی ہو جانے کے باعث وہاں جا رہے تھے اگرچہ مرزا صابر بھی وہاں آتے جاتے رہتے تھے مگر اُن کا زیادہ تر دلی میں قیام رہتا تھا۔ مرزا سے اُنہیں خاص اُنس تھا انکی ذکاوت تیزی اور رسائی فکر کو دیکھ کر جان گئے کہ خدا نے اسے غیر معمولی دماغ دیا ہے۔ اور قابل تربیت مادہ پاکر انکی تربیت اور اصلاح میں بدل کوشاں وساعی ہوئے۔ چنانچہ علم عروض نہایت توجہ سے پڑھایا اور شعر کہنے کا شوق دلایا۔ پھر کیا تھا ابتدائے فکر ہی میں ایسے شعر نکلنے لگے کہ اُستاد پھڑک گئے۔ اسی ہونہاری نے طبیعت داری سے روز بروز شفقت اُستاد بڑھتی چلی گئی۔ اس زمانہ میں بھی یہ حال تھا کہ ایک ایک غزل سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر ہی کہتے تھے اور ہر قافیہ کو بیس بیس طرح باندھتے تھے اور ہر شعر میں کوئی نہ کوئی نزاکت یا لطافت معنی کا پہلو ضرور ہوتا تھا۔ بعض اوقات اُستاد متعجب ہو کر کہتے "خدا نظر بد سے محفوظ رکھے۔ یہ اُستاد کا نام روشن کرے گا" ابتدائی غزل کا ایک شعر بطور تمثیل زود طبع لکھا جاتا ہے

لئے پھرے گا مجھے تو کہاں کہاں صیاد		کیا ہے قید تو لٹکا قفس کو گلشن میں

یہ طالب علمی کے زمانے کی کیفیت ہے۔ مدرسہ میں جس سبق کو اور لڑکے گھنٹوں رٹتے یہ چند منٹ کی توجہ میں اُسے حاصل کر لیتے اور ہمیشہ جماعت میں اعلیٰ رہتے۔ افسوس کہ انگریزی زبان کی طرف کبھی توجہ مبذول نہ کی ورنہ اُسے حاصل کر لینا انکے ذہن رسا کے آگے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اسی اثنا میں مرزا صابر بنارس تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر صرف چند ہی روز اصلاح کا سلسلہ جاری رکھ کر مرزا صابر نے لکھ بھیجا کہ اب تم بجائے خود اُستاد ہو تمہیں اصلاح کی کوئی احتیاج

نہیں۔ مرزا صابر مرحوم ہمیشہ ان پر ناز فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ساری عمر کی کمائی دو شاگرد ہیں اوّل یہ اور دوسرے مرزا فروغ صاحبزادہ کلاں۔ مرزا صابر کی تشریف بری کے بعد تکمیل فارسی کے لئے چند سبق مولوی احسان الرحمٰن خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ معروف بہ منجھلے آکا سے لئے پھر اُنہیں کی تحریک سے امراؤ مرزا انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مینا بازار خرید کر پڑھنے بیٹھے۔ کتاب مشکل تھی جیسا جی چاہتا تھا نہ پڑھ سکے تو انور مرحوم نے فرمایا کہ میں تمہارا کلام سُنکر یہ جانتا تھا کہ تمہاری استعداد اچھی ہے۔ اُنکا یہ کہنا طبیعت کو سخت ناگوار گزرا اور یہ کہہ کر اُستاد کل سے پڑھوں گا گھر چلے آئے۔ رات کو خوب غور سے مطالعہ کیا دوسرے دن پھر اُنکی خدمت میں حاضر ہوئے جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو انور مرحوم متحیر ہوکر کہنے لگے "مرزا صاحب کل آپ کیا میرا امتحان لیتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ واقعی بات یہ ہے کہ اب میں مطالعہ کرکے آیا ہوں اور کل اسیوقت بازار سے کتاب خرید کر حاضر ہوگیا تھا۔ الغرض تکمیل فارسی کے بعد پہلا قصیدہ عرفی کے قصیدہ پر لکھا (وہانِ علم زبانِ علم) اور خواجہ حالی کے ہمراہ نواب ضیاء الدین خاں صاحب نیر رخشاں کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے سُنکر بہت داد دی جبتک دہلی میں رہے سیف الحق ادیب۔ مرزا حسین علی خاں شاداں خلعت غالب مرحوم۔ مرزا انور۔ مرزا فروغ۔ مرزا داغ کے ساتھ مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے اور لطف یہ کہ کسی سے دب کر نہیں رہے۔ دماغ ایسا صحیح اور طبیعت ایسی موزوں پائی تھی کہ جس علمی بات کی طرف توجہ کرتے اسمیں تھوڑی بہت دسترس بہم پہنچا لیتے۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ جیسا اچھا کہتے تھے ویسا ہی پڑھتے بھی خوب تھے۔ خاصکر مرثیہ اور سلام پڑھنے میں تو کمال حاصل تھا اہل مجلس کو محو حیرت کردیتے تھے۔ الفاظ کے ذریعے سے آنکھوں کے سامنے سماں باندھ دیتے تھے۔ فن موسیقی سے بھی باخبر تھے جلسۂ احباب میں کبھی کبھی اپنا کلام گا کر بھی سُنایا کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی بہت بڑا ملکہ حاصل تھا۔ جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے کے باوصف ایک کمال اور تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ کوئی خاص وقت فکرِ سخن کے لئے معین یا ضروری نہ تھا۔ جسوقت چاہتے اور جس مضمون پر لکھنا ہوتا قلم برداشتہ

تھوڑی سی دیر میں بہت کچھ لکھ ڈالتے حاضرین کو تعجب ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا حافظے سے لکھ رہے ہیں۔ اکثر جلسوں کے لئے طویل نظمیں ریل میں سفر کرتے کرتے لکھ ڈالتے تھے۔ اسیوجہ سے نظر ثانی سے بیشتر حصہ کلام محروم رہا۔ مرثیہ گوئی کیطرف آخر زمانۂ عمر میں زیادہ توجہ مبذول ہوئی تھی چنانچہ چند مرثیہ بڑی دھوم دھام کے لکھے۔ کیا عجب کہ اگر چند برس اور زندہ رہتے تو اس فن میں بھی قابلِ نظیر قابلیت پیدا کر لیتے۔ ایک اور قابل حیرت بات یہ ہے کہ جسطرح طرزِ قدیم مذاقِ ایشیائی کے ماہر تھے اُسی طرح موجودہ زمانہ کی نیچرل شاعری میں بھی کسی سے کم نہ تھے اکثر اس طرز میں بھی گوہر افشانی فرماکر اُسے پُرانی بندشوں۔ اور نفیس استعاروں اور تشبیہوں سے ایسا مرصع کرتے تھے کہ خاص وعام محو ہو جاتے تھے سخن سنجی کے ساتھ ساتھ غضب کی ہنس مکھ ظرافت اور لطیفہ گوئی کی گویا تصویر تھے۔ دوستوں میں ہمیشہ خوش رہتے اور انہیں خوش رکھتے۔ مزاج میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سیر وسیاحت کا شوق تھا۔ اکثر بھاولپور، مالیر کوٹلہ۔ رامپور وغیرہ جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد دکن بھی چند دن کے لئے گئے تھے۔ سرکار بھاولپور سے بصلہ مدح گستری دو سو روپیہ سالانہ وظیفہ بھی آپ کو ملا کرتا تھا۔ انجمن اسلامیہ لاہور کے سالانہ جلسوں میں پندرہ سال تک برابر شریک ہو کر سامعین کو اپنے حلاوتِ کلام سے محظوظ کرتے رہے آپ کی یہ نظمیں کیا رنگینیٔ طرزِ تحریر کیا سوز وگداز اور کیا مناسبتِ محل کے اعتبار سے بے نظیر ہوتی تھیں۔ الغرض کیا باعتبار فضل وکمال اور کیا بحیثیت شاعری مرزا صاحب کا پایہ مشاہیر شعراے وقت میں اعلیٰ تھا اور آپ اُن معدودے چند نامی گرامی شعرا میں شمار ہوتے تھے جو اصناف سخن کے اسوقت کامل جاننے والے مانے جاتے ہیں۔ جن بزرگوں کی کوشش سے پنجاب میں اُردو نے قبولیت عام کا درجہ حاصل کیا انکے زمرہ میں آپ وجہِ اختصاص رکھتے ہیں۔ خداداد ذہانت وذکاوت کی بدولت آپکی نثر کا رتبہ بھی کسیطرح نظم سے گرا ہوا نہیں ہے۔ صاحب تالیف وتصنیف تھے۔ مدت العمر میں بہت کچھ لکھا مگر مزاج کی بے پروائی اور خلقی استغنا سب پر غالب رہا اور کبھی کلام کے تدوین کی نوبت نہ آئی۔ چنانچہ آپکے خاندان کیطرح کلام بھی پریشان ہے۔

فرہنگ آصفیہ کے آخر میں جو متعدد اُردو فارسی تقریظیں اور تاریخیں لکھیں ہیں اُن سے آپ کی ہمہ دانی اور قادر الکلامی ظاہر ہے۔ مرزا صاحب میں ایک قابل ذکر تعریف یہ تھی کہ آپ کی ذات تعصب قومی و مذہبی سے بالکل مبرا تھی۔ اہل ہنود میں بکثرت آپکے احباب تھے آپکی روشن خیالی اور نیک طینتی کا سب سے بڑھکر ثبوت آپکی دو نظمیں ہیں جو آپ نے گرو تیغ بہادر صاحب کی اولاد پر جو مظالم ہوئے اُنکی سرگذشت کے طور پر ارقام فرمائی تھیں۔ تصانیف میں سے شہنشاہ نامہ یعنی سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ۔ عشرہ کاملہ۔ تضمین ارشد۔ نالۂ یتیم۔ مرقع حکمت۔ جوہر تیغ۔ تحفہ وغیرہ چھپ چکی ہیں انکے علاوہ ملتنات ارشد۔ مرقع عبرت۔ دیوان اُردو اور مجموعہ نظم و نثر کے مسودے یونہیں پڑے ہیں۔ خدا اُنکی اولاد کو اپنے مرحوم باپ کی تصانیف مرتب کرنے کی توفیق عطا کرے۔ مرزا صاحب راقم تذکرہ کے ملاقاتیوں میں تھے اور اُن احباب میں تھے جو سچے دل سے مشاغل علمی کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تذکرہ کے حالات سُن سُن کر خوش ہوا کرتے تھے اور راقم کی محنت اور تلاش کی داد دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب سال بھر سے زیادہ سے علیل رہنے لگے تھے چنانچہ رخصت لیکر دہلی گئے۔ پنشن لینے میں ابھی ایک برس کا دفعہ تھا ڈاکٹر صاحب سے عرض کرکے دہلی کی تبدیلی کرالی کہ اب وطن میں رہکر علاج میں سہولیت ہو مگر تھوڑے ہی روز بعد پھر فیروز پور جانا پڑا آخر اپنے بڑے بیٹے مرزا بلند اختر رشید کے پاس جو ملتان میں ریل کے دفتر میں نقشہ نویس ہیں چلے گئے اور وہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۱۲۔ فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو اچانک اس دار فانی سے ملک جاودانی کو سدھارے اور وہیں پیوند زمین ہوئے۔ انتقال سے چند منٹ پیشتر یہ شعر کہا تھا

این کہ من نے میرم ہم زناتوانی ہاست	از کشاکش ضعف نگسلد روان از تن

گویا اسوقت کی اپنی حالت کی تصویر کھینچدی ہے۔ آپکے منجھلے صاحبزادے مرزا ظہور الدین آجکل سنکر کڈھ میں منصف ہیں۔ آخر میں ہم نہایت شوق و خلوص سے صاحبعالم مرزا امجاد الدین بہادر شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو مرزا ارشد کے رشتہ میں ماموں ہیں مگر ہمسبق اور ہم مشق ہونے کی وجہ سے اُن سے ارتباط دوستانہ رکھتے تھے۔ مرزا کے حالات اور کلام مہیا کرنے میں ہم سراسر اُنکے ممنون ہیں ع کہدو شاہی میرزا ارشد سوئے جنت گئے۔ آپکی کہی ہوئی تاریخ وفات ہے۔ آپکی وفات سے

شعر و سخن کی دنیا کو صدمۂ عظیم پہونچا۔ میرزا داغ کے مرنے کے بعد غالباً شعرائے دہلی میں آپ سے بڑھکر کوئی نہ تھا۔ آپکے تلامذہ تو بکثرت تھے مگر ہم چند ہی ناموں پر اکتفا کرتے ہیں (۱) نواب سراج الدین احمد خاں بہادر سائل (۲) نواب ممتاز الدین خاں مائل۔ (۳) منشی احمد حسین خاں احمد (۴) محمد اقبال حسنا اقبال نے بھی آپکو اپنا ابتدائی کلام دکھایا ہے (۵) بسمل (۶) بزمی گورگانی اب ہم میرزا مرحوم کی بہم شدہ غزلیات کا انتخاب درج کرکے ناظرین کو اُنکے مزیدار کلام کی لذت سے بہرہ ور کرتے ہیں ۵

پہونچا ہے آسماں پہ دُھواں دل کی آہ کا
رُتبہ بڑھے گا اخترِ بختِ سیاہ کا

نیند آپکی اُڑے مرے اوسان کیطرح
افسانہ گر سنو مرے حالِ تباہ کا

غمزہ بُرا سہی مگر اے شیخ غور کر
کتنا لطیف طبع تھا موجد گناہ کا

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

مر کر یہ غم ہوا کہ وہ غیروں کے ہو گئے
سمجھے تھے ہم تو قبر کو گوشہ پناہ کا

دن کو سمجھ کے رات وہ آئے ہمارے گھر
ممنون ہوں میں اپنے بھی روزِ سیاہ کا

کیا شکل ان بتوں کی بنائی ہے واہ واہ
سو جان سے نثار رہوں دستِ الٰہ کا

کثرت نے جرم کی مجھے محشر میں دی نجات
گر اُٹھ سکے تو پیش ہو دفتر گناہ کا

غصہ چڑھا تو کانپتے ہیں آپ اسقدر
کیا ہوگا خوں چڑھے گا جو مجھ بیگناہ کا

اس جائے خضر رہ کوئی دیوانہ چاہیے
رستہ ہی کچھ جدا ہے محبت کی راہ کا

تم سے ہوئی نہ حضرتِ صابر کی پیروی
ارشد ہے شغل اتنا تمہیں اشک و آہ کا

اضطراب بیخودی شب کے گھر پر لیچلا
میں چلا رہبر کو لے کر مجکو رہبر لیچلا

مے پرستو دیکھنا میرا دلِ نازک نہو
آج زاہد توڑنے کو جام تبہر لیچلا

عالمِ اسفل پہ لایا عشق کو تر شیخ کو
عالمِ بالا پہ مجکو ایک ساغر لیچلا

کسقدر تھے سوزِ ہجر اسکے مضامیں گرم گرم
گر پڑا خود جل کے جب نامہ کبوتر لیچلا

دل لگی کا ہوا بُرا کیا کیا اُٹھائیں ذلتیں
غیر کے گھر ساتھ مجکو وہ ستمگر لیچلا

میری گمنامی کی تاثیروں سے عنقا بن گیا
ضبط غم سے بند اشکِ دیدۂ تر ہو گیا
ترکِ الفت سُنکے دل بیتاب و مضطر ہو گیا
دل کے آنے کی خبر واللہ ہمکو بھی نہ تھی
سخت جانی نے دکھائی خوب لذت ذبح کی
مجھکو کیا کہہ کہہ کے کوسوں نزع میں اے بیخودی
کیا سنور جانے میں تو دشمن کی قسمت بن گیا

یار کی جانب مرا خط جب کبوتر لیچلا
سخت حیرانی ہے پانی کیونکہ پتھر ہو گیا
اپنا آئینہ صفائی سے مکدر ہو گیا
ہم تو حیراں ہیں اُنھیں معلوم کیونکر ہو گیا
آ کے گردن پر مری گندائی کا خنجر ہو گیا
لوگ کہتے ہیں جنازے پر وہ دلبر ہو گیا
کیا بگڑ جانے میں تو میرا مقدر ہو گیا

میں محوِ تماشائے رخِ زہرہ جبیں تھا
پیمانۂ مے ہاتھ میں ساقی کے نہیں تھا
ہر چند پسِ پردہ تھا پر تابشِ رخ سے
دیوانہ ہوا دیکھ کے میں خواب میں اُسکو
بیتابیٔ زلیخا مجھے پڑی ہے بیڈھب

اک وصل کا سا لطف دمِ بازپسیں تھا
خورشید کو بجھ میں نئے ماہ مبیں تھا
بے پردہ مرے سامنے وہ پردہ نشیں تھا
ہر ایک سے کہتا ہوں ابھی تو وہ یہیں تھا
اللہ ہے نگہباں یوسف کے پیرہن کا

ضعف سے یہ حال ہے اب مجھ نحیف و زار کا
ناصحا کیا دل لگی ہے ترکِ الفت بعد جور
مے کے پینے کی خوشی میں ایسے بہکے مے پرست
درد اُٹھتے ہیں دونوں میں اور دل ہیں بیٹھتے
وصل میں بھی باتما بائی رات بھر ہوتی رہی
غیر مُن کر خاک ہے معشوق سُن کر آگ ہے
ضعف سے رونا نہ رونے کے برابر ہو گیا
گریۂ پیہم مرا بھی عرض کر دو ہمدمو
کب ہوں پابندِ تعلق جو ہیں وارفتہ مزاج

رشکِ دشمن کیا۔ نہ اُٹھا نازبھی اُس یار کا
پھیر لینا دے کے دل سودا نہیں بازار کا
کعبے پہنچے تھا ارادہ خانۂ خمار کا
ہے سترِ غوبی نیا عالم ترے دربار کا
صلح میں بھی اُس نے برتا قاعدہ تکرار کا
نالۂ فرقت مرا نغمہ ہے موسیقار کا
ٹوٹنا مشکل ہوا ہے آنسوؤں کے تار کا
ہے اُنھیں منظور لینا موتیوں کے ہار کا
رہنا ممکن ہی نہیں زنجیر میں جھنکار کا

سامنے غیروں کے بے پردہ نچانا دیکھنا
ہاتھ مستِ ناز نے دوشِ عدو پر رکھ دیا
مُنہ سے اتنا ہی فقط کہدو یہ ہے میری کمر
دشتِ وحشت میں مجھے مجنوں نے دیکھا تو کہا
انقلابِ گلشنِ ہستی سے ہے ارشد یقیں
میکدے کو چھوڑ کعبے کون جائے واعظا
تم سے بنے سنورے ہوا در میں سخت ہوں تنگی مزاج
میں تو کہدوں صاف اسکے حسن کی کیا شان ہے
دل اس پری لقا سے چھپایا نجائے گا
کم کم ملاپ اُسکا مرے حق میں خوب ہے
صاحب ہماری جان بھی صدقے سبنے لو گیا

نرخ ہلکا کر نہ دینا حسن کے بازار کا
نشہ بھی ہشیار ہے کتنا مرے میخوار کا
تم نہ بن جاؤ تو نہ میرے جسمِ زار کا
کس طرح آئے مزاج اچھا تو ہے سرکار کا
خار میں عالم ہو گل کا گل میں عالم خار کا
وہ بھی اک فرضِ ضروری ہے ادا ہو جائیگا
خوف ہے آئینہ صورت آشنا ہو جائیگا
پر خداوندِ دو عالم تو خفا ہو جائیگا
دل سے کے لئے دل اس کا گرا یا نجائے گا
گر شوق بڑھ گیا تو گھٹا یا نجائے گا
بندہ کچھ اِن ہٹوں سے ہٹایا نجائے گا

[illegible] ہو جائیگا

بوسہ تو بھی اور جلن زخمِ جگر کی
بتوں کا ستم رہنما ہو گیا
غمِ ہجر اور اُس پہ رشکِ رقیب
بھی شیخ جی زر سے ہے میکشی

یہ کسکو خبر تھی کہ تر لب نمکیں ہمکو
کہ رُخ اپنا سوئے خدا ہو گیا
مرض میں مرض دوسرا ہو گیا
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

ہم بھی بستانِ جہاں میں طائرِ تصویر ہیں
آسماں پر ہے مزاج اُسکا کبھی مل جائے گا
غیر کی باتوں پہ چلتا ہے وہ اب تو رات دن
اک نگاہِ گرم میں یوں اوڑ گیا رنگِ شباب

طاقتِ پرواز زائل اور ارادہ دور کا
داخلِ حکمت ہے مرنا عاشقِ مہجور کا
کب زمیں پر پاؤں پڑتا ہے مرے مغرور کا
تیری شمعِ حسن میں کچھ میل تھا کا فور کا

چکرا کے تیری گردشِ رفتارِ ناز سے
ظالم کو ظلم میں بھی جو اندازہ کرنا تھا

جو فتنہ تھک کے بیٹھ گیا نقشِ پا ہوا
خنجر بھی اسنے ہاتھ میں رکھا تُلا ہوا

جاتا ہوں کوئے یار میں بر فرط رشک سے
سایہ سے اپنے جاتا ہوں کوسوں بچا ہوا

نظارہ کا بھی لطف نہیں وصل اک طرف
تصویر کو بھی یار کے پایا کھنچا ہوا

وابستہ دم سے تھی جو مری مدعائے وصل
ہجراں میں دم کا بھی تو نکلنا کٹھن ہوا

دو پٹہ آب رواں کا پڑا ہے سینے پر
بھلا کسی نے بھی دیکھے حباب در تہ آب

غم رقیب میں اتنا نہ رو تو اے کافر
ڈبو نہ مصحف رخ کی کتاب در تہ آب

جا پہنچا ہے بھولے سے کہیں غیر کے گھر آج
ملتا ہی نہیں میری دعاؤں کا اثر آج

فریب دے کے مجھے دام میں پھنسائیگا
ہوا ہے پھر نئے سر سے جو مہرباں صیاد

جو مے پر دلانا ہماری نیاز
تو دینا کوئی پارسا دیکھ کر

الٰہی جان دی ہے مینے کسکے روئے روشن پر
ہزاروں شمعیں پروانہ بنی ہیں میرے مدفن پر

یہ دل مائل ہوا اسکا میری طرز طپیدن پر
سمجھ کر دل لگی وہ مستعد ہے قتل دشمن پر

زہے تقدیر جذب دل نے کی تاثیر دشمن پر
پس مردن وہ آیا فاتحہ کو میرے مدفن پر

ہزاروں جسم بیجاں ہو گئے ہیں تیرے جوبن پر
ہزاروں سینے بیدل ہو گئے بیساختہ پن پر

اُگا ہے پنجۂ مرجاں جو اپنی خاک مدفن پر
تو وقت فاتحہ ہے بدگماں کا ہاتھ دامن پر

لب زخم جگر کی جا سے تیرے منہ کو سی دیتا
شب ہجراں نہیں ہے پاس تا صبح میرے سوزن پر

تعجب کیا خمیدہ ہوا گر تلوار قاتل کی
چڑھا ہے خون کس کس بیگناہ کا اُسکی گردن پر

قیامت ہے قیامت میں نہ ہم محروم رہ جائیں
ادب سے ہاتھ پڑ سکتا نہیں قاتل کے دامن پر

وہ بے انصاف اور اپنی وفا کی داد یا قسمت
گمان دوستی ہے سادگی سے ہمکو دشمن پر

نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے
کہ کچھ رک رک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر

عجب اس جلوۂ یکتا میں نیرنگ تماشہ ہے
نئی صورت سے جھکا خاطر شیخ و برہمن پر

میں رہوں مرہون منت صلح کل کا جب سے اے ارشد
یقین دوستی ہونے لگا ہے مجھ کو دشمن پر

اے عشق بچانا دل مضطر سے نکل کر
پھر اور کوئی گھر نہیں اس گھر سے نکل کر

دی لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر
ہوتی ہے صدا قدرِ ہنر گھر سے نکل کر

کیا آہ اثر دے دلِ مضطر سے نکل کر
چنگاریاں بجھ جاتی ہیں پتھر سے نکل کر

مے کش ہوں وہ گر دور میں ہووے مجھے ساقی
آپڑتی ہے مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

اُڑتی ہے شراب آپکی محفل میں تو خوش ہوں
خود آئے گی مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

عالم کو نگاہوں کی طرح دیکھ سراسر
جا ایک قدم بھی نہ کہیں گھر سے نکل کر

صورتِ سایہ رہے ہم درِ دلدار کے پاس
کبھی دروازہ کے آگے کبھی دیوار کے پاس

دیکھنا شوقِ اسیری کہ عجب حسرت سے
آپ سے جاتا ہوں صیادِ جفاکار کے پاس

اللہ اللہ دُرِ اشک کی یہ طغیانی
ہے مژگانِ گہر چشمِ گہر بار کے پاس +

ہاں اثر جذبِ محبت کہ چلے شوق میں ہم +
حالِ دل اپنا سنانے بتِ عیار کے پاس

ایک دم ہے وہ تری تیغ کے کام آئے گا
اور کیا رکھا ہے اس عاشقِ بیمار کے پاس

دل کھچا جاتا ہے اُس رشکِ زلیخا کی طرف
واہ یہ جنس چلی آپ خریدار کے پاس

قتلِ عشاق کو اک تیغِ ادا کافی ہے +
نہیں تلوار تو ہو اُس بتِ خونخوار کے پاس

ایک اک سانس میں اڑتے ہیں شرارے لاکھوں
خوف سے کب اجل آئی ترے بیمار کے پاس

گرمیٔ حسن سے ہر آئینہ ٹکڑے ہو جائے
آئینہ آئے اگر آئینہ رخسار کے پاس

اللہ اللہ یہ نفرت ہے یہ بیزاری ہے
بیٹھنے بھی نہیں دیتا ہمیں دیوار کے پاس

کیوں لئے پھرتے ہیں وہ حضرتِ عیسیٰ کی بیاض
آج آئینگے کہیں اپنے وہ بیمار کے پاس

اک مصیبت ہے کہ موجود ہے بیماری میں
کون آتا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس

آج ارشد کو عجب حال سے دیکھا ہمنے
رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

عریانی میں بھی خوب مرے کام آئے داغ
ہے پیرہن کی جاے بدن پر قبا کے داغ

خورشیدِ حشر کی وہیں آنکھیں جھپک گئیں
سینہ کے ایک بار جو سینے دکھائے داغ

گر تم جفا سے خوش ہو تو اچھا یونہی سہی
ہے دل برائے زخم مرا تن برائے داغ

بے درد و داغ لطف نہیں کچھ فراق میں
دوں نقدِ جاں بجا ہے اگر میں بہائے داغ

روشن ہوئے ہیں خانۂ اللہ میں چراغ
دل میں ہوئے ہیں یا تو مرے جائے جائے داغ

آیا ہے داغ روئے جمالِ سخن پہ ہائے
ارشد جہاں میں پھیلی ہوئی ہے ضیائے داغ

شرما کے چھپ گیا رخِ روشن نقاب میں
گھر کر گیا یہ مہر دلِ ماہتاب میں

خط آکے دگنی تاب ہوئی رخ کی تاب میں
سورت پڑھی یہ اور خدا کی کتاب میں

رکھو تم اپنا چہرۂ روشن نقاب میں
جھگڑا پڑا ہوا ہے مہ و آفتاب میں

ہم دل کو مانگتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں کیوں
شرمندہ ہوں سوال سے بڑھ کر جواب میں

واں نازکی غضب کی یہاں ضعف قہر کا
وہ آئیں گے نہ جائینگے ہم انکے خواب میں

حسن انکا آب سوز نگہہ اپنی ناتواں
وہ بے حجاب ہوں پہ بھی ہیں سو حجاب میں

اللہ رے سوزِ ہجر کہ آنسو بھی سوکھ کر
کنکر سے بنگئے مری چشمِ پرآب میں

ظالم ہزار روئے پر انکو خبر نہو
آنسو ہوں میرے غیر کی چشمِ پرآب میں

بارش عکسِ ماہ صیام اور بیخودی
ارشد ڈبو کے کھا گئے روزہ شراب میں

جو شاعر کمر جھوٹ پر باندھتے ہیں
رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

مرے قتل پر وہ کمر باندھتے ہیں
تماشہ ہے عنقا کا پر باندھتے ہیں

لگے چوٹ دل پر تو کیا ہو مداوا
جو ہو درد سر میں تو سر باندھتے ہیں

دکھاتے ہیں دشمن کو مشقِ نشانہ
تو پہلے ہمارا جگر باندھتے ہیں

غبار آلودہ آنسو ہیں ہماری چشمِ گریاں میں
ہمیشہ سبحۂ خاکِ شفا ہے دستِ مژگاں میں

تصور میں بھی جانے سے مرے ظالم کو نفرت ہے
مگر میں معنیٔ لفظِ وفا ہوں ذہنِ جاناں میں

ذرا سی بات میں یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
مرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیرے پیماں میں

یہی گر تیرہ بختی ہے تو اپنے کام آؤں گا
سما جاؤں گا بنکر خواب میں چشمِ نگہباں میں

ہوئے ہو سوکھ کر کانٹا غمِ الفت میں اے ارشد
چلو حضرت لپیٹ رہنا کسی رہرو کے داماں میں

ہمکو یاں اپنے عمل پر ہے نظر کچھ بھی نہیں
زاہدا ساری خدائی کا نمونہ ہے یہیں
اے شوخ یہ دُکھنے جو تری آ گئیں آنکھیں
دیکھا دم کشتن رخ قاتل کا نظارہ
ہاں تم میری الفت سے مکر جاؤ مکر جاؤ
کیوں باغ میں نرگس کے تلے مر گئے ارشد
عشق و وحشت کی جو تمیز ہو تجھکو مجنوں
بائی اُردو میں نئے رنگ سے عزت ارشد

کوچ سر پہ ہے مگر زادِ سفر کچھ بھی نہیں
آپ کہتے ہیں کہ بنیادِ بشر کچھ بھی نہیں
کیا دل کے دکھانے کا مزا پا گئیں آنکھیں
کیا آج میرے وقت پہ کام آ گئیں آنکھیں
کیا ہوگا اگر شرم سے شرما گئیں آنکھیں
معلوم نہیں کس کی پسند آ گئیں آنکھیں
گھر میں جو بات نکلتی ہے بیاباں میں نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی ایراں میں نہیں

آنا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو
وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں
رندو چلو سلام تو کر آؤ آخری
یاد آ جاتا ہے احباب کا جلسہ ارشد
جانور اور بشر ہے عشق میں جل جانے کو
سفر ملک عدم میں ہے بڑا اپنا مقام
مہر اور قہر نے مارا ہے کسیکے ارشد
زاہد کی آنکھ دخترِ رز پر جو پڑ گئی

دھبا لگا یا تو نے قیامت کے نام کو
کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو
سنتے ہیں شیخ جاتے ہیں دار السلام کو
جب فلک پر نظر آ جاتے ہیں انجم مجھکو
شمع کی لو نہ لگی ہو کہیں پروانے کو
پہلی منزل وہ ہمیں آئے ہیں پہنچانیکو
گنگنا چاہیے پانی مرے نہلانے کو
جھٹ پی گئے وہ معنیٔ لفظِ حرام کو

آج جی میں ہے کہ میں اعدا کے سر ہو جاؤں گا
غصہ میں جو ہو لال تو رنگ اسکا نکھر جائے
ہٹ ہٹ کے اندھیرا نکرو آنکھوں کے آگے
ہے مہر و غضب دونو میں اک لطف تمہارے
رنجش میں بھی ہے مرتبہ دانی وہی اُن کی

پھر یہ دیکھونگا تمہیں کیا ضد ہے مرے سر کے ساتھ
یہ دوسری خوبی ہے کہ بگڑے تو سنور جائے
واں تک تو نظر آؤ جہانتک کہ نظر جائے
روکو نہ طبیعت کو جدھر جائے اُدھر جائے
وہ میرے لئے ہے جو ستم حد سے گذر جائے

رسائی مرے خدا تک تو ہوگئی ارشد
یہ جیتے جی نہوئی یار تک رسائی ہائے

وہ رحم کے بھی نام سے چڑتے ہیں اسطرح
جیسے کسی کو کوئی سناتا پتے کی ہے

آنکھ پڑجاتی ہے رحمت پہ گناہ سے پہلے
درد اُٹھنے نہیں پاتا کہ دوا آتی ہے

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر
ہوا پر ہے بنا اپنے مکان کی

نہ میں آپ میں ہوں نہ پہلو میں دل ہے
چلے آؤ کوئی مرے ہاں نہیں ہے

یہ بیخود ہوا ہوں تجسس میں تیرے
مجھے اپنا ملنا بھی آساں نہیں ہے

آج کیا ہے دمبدم کیوں درد میرے دل میں ہے
وہ میرا آرامِ جاں شاید کسی محفل میں ہے

ہر قدم پر خود بخود شوقِ شہادت دل میں ہے
رہنما تھم جا کہ اب تو کوچۂ قاتل میں ہے

صاف باطن ہوکے میری جان کس مشکل میں ہے
کھل گیا سب اُسپہ جو جو بھید میرے دل میں ہے

ڈال کر دشمن کے دل میں دل بنالیں ہم تو دوست
پر ستم یہ ہے کہ ظالم تو ہمارے دل میں ہے

ہر کوئی موسیٰ صفت محوِ جمالِ یار ہے
وادیٔ ایمن کا نقشہ یار کی محفل میں ہے

خضر میں تجکو بتاتا ہوں نشانِ کوئے دوست
واں نیا فتنہ نئی آفت ہر اک منزل میں ہے

پاؤں ناقہ کا بھی مستانہ ہے پڑتا راہ میں
کون مستِ ناز بیٹھا پردۂ محمل میں ہے

میں مقامِ بیخودی میں کالے کوسوں سے دور ہوں
عقل بھی اک راہ گم کردہ مری منزل میں ہے

شمع سوزاں غیر شاداں میں ہراساں تو خجل
اپنی حالت سے الگ ہے جو تری محفل میں ہے

مانعِ صحرا نوردی ناتوانی ہوگئی
اک قدم مجکو سرکنا داخلِ اک منزل میں ہے

آؤ میخانے چلو ارشد عبادت ہوچکی
اب بھی سمجھو کیا دھرا اس سعیٔ بیحاصل میں ہے

قطعہ

خدا نے نیک دل پیدا کیا ہے جسکے سینہ میں
کسی حالت میں ہو عاجز نیازی اسکی طینت ہے

نہیں ہے کاٹتی ریشم کو کوئی تیغ برندہ
ادھر تیزی ہے جتنی اُس طرف اتنی لجاجت ہے

ہوا جھکّڑ کی چلتی ہے زمانے میں تو چلنے دو
جو سبزہ سرفگندہ ہے تو کب اسکو اذیت ہے

تناور جو شجر ہیں آگے آئے گی اکڑ اُن کی
کبھی گدّے پہ آفت ہے کبھی جڑ پر مصیبت ہے

نتیجہ تم کو اے ارشد بتادیں ہم ستمگر کا
غریب آزار پر اللہ اور بندوں کی لعنت ہے

چمن کر وہ جو افشاں رخِ تابندہ پر آئے
واللہ کہ دن کو مجھے تارے نظر آئے

اتنا تو مری آہ میں یارب اثر آئے
گر وہ نہ سہی مرگِ عدو کی خبر آئے

عشاق مگن بیٹھے ہیں سب دھیان میں انکے
حیرت ہے کہ اک شب میں وہ کس کس کے گھر آئے

نازک ہے نہ کھچوا ؤں گا تصویر میں اسکی
چہرہ نہ کہیں عکس کے بدلے اُتر آئے

کھینچا جو سرِ بام تصور میں وہ نقشہ
اللہ رے نزاکت کہ وہ نیچے اتر آئے

کیا فیصلۂ قتل مرا اُن سے کر آئے
ہنستے ہوئے کیوں واں سے مرے نامہ بر آئے

بے پردہ مری گور پہ آیا جو وہ مہوش
مدہوش فلک پر سے فرشتے اُتر آئے

نظارہ کا لپکا نہ گیا زخم بھی کھا کر
کٹ کٹ کے مری آنکھوں میں لخت جگر آئے

ممکن ہی نہیں وصل بیاں عجز وہاں اوج
کس طرح سے خورشید زمیں پر اُتر آئے

ظالم کی عنایت میں بھی ہے رنگ جفا کا
دشمن کو لئے ساتھ مری لاش پر آئے

انداز شوخیوں کے وہ تم میں کہاں رہے
تم شوخ ہو کے غیر کے دلمیں نہاں رہے

کس کس بلائے چرخ کا رخ ہے مری طرف
ممکن نہیں کہ تا سحر شب غم میں جاں رہے

دلمیں ہمارے کوئی ہو تیری طرف سے ہو
غم میہماں رہے کہ الم میہماں رہے

خو ہے مجھے بتاں کی ارشد وطیرہ ہے
معشوق وہ ملے جو ہمیشہ جواں رہے

زلف سر کی عارضِ پر نور سے
دن نکل آیا شبِ دیجور سے

خلد میں تصویر کسکی لے چلا
اپنے دل ہی میں چھپا کر حور سے

کنج تنہائی میں راحت ہے بڑی
یہ صدا آئی دہانِ گور سے

آرزوئے وصل نازک ہے بہت
کیونکہ نکلے گی دلِ رنجور سے

اُن کی میری حشر کے میدان میں
ہو گئی صاحب سلامت دور سے

حسن کی آشفتگی ہے وہ ستم
رنگ اُڑا دے روئے شمع طور سے

ہوش میں رہیے ذرا مبرہو شیخ
کچھ سنو گے کیا کسی مخمور سے

کیا کہا استغفر اللہ زاہدو
توبہ اور وہ بھی مئے انگور سے

کر دیا کس نگہِ مست نے بدنام مجھے
بے پیئے کہتے ہیں سب رند مے آشام مجھے

کسکا مکھڑا نظر آیا ہے سرِ شام مجھے
کہ سحر تک نہ ملا درد سے آرام مجھے

لیچلا اسکی گلی میں دلِ ناکام مجھے
اُٹھ سکے اے رشک علے وا تو ذرا تھام مجھے

کسی صورت لبِ شیریں کی تو لذت چکھوں
غیر پہ رکھ کے دئے جائیں وہ دشنام مجھے

اُنپہ کیا حشر میں دعوے ہو کہیں شوخ بیاں
ڈر ہے دے جائیں نہ اُلٹا کوئی الزام مجھے

دیکھ کر انکو قیامت میں ہوا میں بیہوش
ہائے اس چال کے صدقے کہ کیا تمام مجھے

نامہ بر نامہ تو لایا ہے مگر ضد ہی سے ہے
یہی کہتا ہے کہ جاں دیجئے انعام مجھے

پھیری صیادِ ستمگر نے چھری گردن پر
دی پھڑکنے کی بھی مہلت نہ تہِ دام مجھے

دل کو اُلجھا کے کیا قطع تعلق تو نے
کیا پھڑکتا ہوا چھوڑا ہے تہِ دام مجھے

ہائے اسکا یہ شبِ وصل میں کہکر اُٹھنا
کیسے بے درد سے ہے آکے پڑا کام مجھے

آتشِ فرقت بھری ہے مجھ میں کیجیے گا نہ قتل
یہ نہ جائے پانی پانی ہو کے خنجر دیکھئے

الفتِ دشمن کا ہے اندازہ میرا حالِ دل
دیکھئے پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھئے

رشک سے بھر لینگے رو رو کر ہم اپنا جامِ عمر
دے نہ دیجے گا کہیں دشمن کو ساغر دیکھئے

پیشِ داورِ دفترِ دل کھولنا اچھا نہیں
پہلے چلکر وسعتِ دامانِ محشر دیکھئے

آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جوہر دکھائے
پھر تڑپ کر ہم دکھائیں اپنے جوہر دیکھئے

فتنہ زا کہئے نہ اپنی چال کو بے امتحاں
میرے مردے کو لگا کر ایک ٹھوکر دیکھئے

آڑ لی غمزہ نے تیغِ ابروئے خمدار کی
بے خبر سوتا ہے فتنہ چھاؤں میں تلوار کی

ہر جگہ چبھ چبھ کے نوکیں رہ گئیں سوفار کی
گود پھولوں سے بھری ہے زخمِ دامن دار کی

تُو نے ہر حالت میں رحمت اے مرے غفار کی
جس خطا سے ہمنے توبہ کی وہی سو بار کی

دل لگادوں چیر کر سینے سے یہ کہتا ہے رشک
تاکتی ہیں تجھکو آنکھیں روزنِ دیوار کی

بوسہ کی لذت تو کیا دشنام بھی ہیں دلنشیں
ہے مرے دل کی وہی جو ہے دہانِ یار کی

بعدِ مردن یوں کرو میخوار کی مٹی عزیز
میکشو بھٹی بنا لو خانۂ خمار کی

جا رہی ہے کیوں قیامت مجھسے رستہ کاٹکر
چال اُڑائی اس نے کس کی شوخیٔ رفتار کی

تیرہ بختی دیکھنا سایہ پرے کو ہٹ گیا
دھوپ میں لی آڑ ہمنے جب کسی دیوار کی

میرا حالِ زار کیا دیکھے وہ چشمِ سُرمگیں
لی نہیں جاتی خبر بیمار سے بیمار کی

ایک دو ساغر میں گر پڑتے ہیں میکش سر کے بل
سجدہ گہ ہے یا زمیں ہے خانۂ خمار کی

ڈالا کیا حکمت کا پردہ اسکی چشمِ شوخ نے
نبض عیسےٰ کو نہیں ملتی ہے مجھ بیمار کی

واعظِ بےشرم محفل میں نہ لینا اُسکا نام
دُختِ رز پردہ نشیں ہے خانۂ خمار کی

کعبے میں بھی دیکھ لو ارشدؔ کو بتخانہ میں بھی
پوچھتے ہو کیا حقیقت اُس خدائی خوار کی

ایڈریس در تہنیت عطائے اعزاز ممبری کونسل آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال[1] ایم اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی و لاہور و آنریبل نواب فتح علی خان قزلباش

ہو مبارک تجھکو اے لاہور یہ عز و وقار
تیری معدن سے جو نکلے بعض موتی آبدار

ہو نوید اے شہرِ دہلی اے مرے اُجڑے دیار
بن گئے ہیں وہ ضیائے سلطنت کے شاہوار

اُن کی جھلمل یوں اشارے کر رہی ہے دور سے
اوج پایا ہم نے شاہِ قیصرہ کے نور سے

بل بے اے برٹش حکومت تیرے انعامِ عام
قدرداں ہے تو شریفوں کی شرافت کی مدام

[1] والد ماجد مولفِ تذکرہ

پایہ یہ برتر تجھ سے علم و فضل کا ہے لاکلام
قابلِ مدحت سرائی ہے ترا ہر ایک کام

عزتیں پھیلی ہیں تجھ سے ملکِ ہندوستان میں
دے ترقی خالقِ ذی شاں تیری شان میں

تیرے عہدِ معدلت نے جور رعایا سے کیا
وہ کسی عہدِ حکومت سے نہ ہرگز ہو سکا
ہم نے یہ ہی قاعدہ ہر اک حکومت کا سُنا
ہر کسی والی نے چاہا اپنے اپنوں کا بھلا

پاک ہے برٹش حکومت تو ہی اِس الزام سے
ایک ہیں برتاؤ تیرے خاص سے اور عام سے

خیر خواہوں پر ہمیشہ تو رہی ہے مہرباں
اہلِ علم و فضل کی ہر دم ہوئی ہے قدرداں
قابلیت کے مطابق دیتی ہے تو عز و شاں
فرقِ قوم و مذہب و ملت نہیں ہے تیرے ہاں

تو تو خوش ہوتی رعیت کے ہے اچھے کام سے
جیسی تو اللہ سے ہے ویسی ہی ہے رام سے

تیری نظروں میں برابر ہیں کلیسا ہو کہ دَیر
ایک سی ہے تیرے آگے مسجد اور مندر کی سیر
کوئی ہندو ہو مسلماں ہو نہیں ہے تیرا غیر
تیری منشا کے مخالف ہے جو ہو قوموں میں بیر

تو وہ سورج ہے کہ ہر گھر میں اُجالا کر دیا
دوست دشمن کا برابر بول بالا کر دیا

گو کہیں مُنہ سے مسلماں ہم سے ہیں ہندو الگ
کیا ہُوا اکڑے پھریں ہندو اگر ہر سو الگ
ہو نہیں سکتے ہیں چہرے سے کبھی ابرو الگ
ہو الگ تو بھی نہیں ہے پھول سے خوشبو الگ

آئینے میں دو ہیں لیکن عکس و صورت ایک ہیں
جو بظاہر مختلف ہیں فی الحقیقت ایک ہیں

ہے انہیں دونوں سے عزت ملکِ ہندوستان کی
ہیں بہاریں اور فضائیں یہ ہی اِس بستان کی
ہم تو اے ارشد کہے دیتے ہیں سیدھی بات ایمان کی
اختلاف ان میں یہ رائے ہے کسی نادان کی

جولی دامن کے ہیں ساتھی یہ تو دونو ایک ہیں
بدنہ ہوں ان میں تو پھر یہ دونو قومیں نیک ہیں

ہے خوشی اور رنج میں دونو کا ہر دم اشتمال
جب تلک اس ہندوستان کے ساتھ ہے جاہ وجلال

آج سے کیا مدتوں سے ربط ہے انمیں کمال
ہند کی اقوام کا تب تک رہیگا ایک حال

میل اسکا دائمی ہے اور لڑائی چار دن
کیا ہوا گر ہے خفا بھائی سے بھائی چار دن

میرے دعوے کا نہیں ہے گر کسی کو اعتبار
اک طرف فتح علیخاں صاحب عالی تبار

دیکھ لے وہ آنکھ سے یہ ہے دلیل آشکار
اک طرف رائے مدن گوپال صاحب ذی وقار

آنریبل یہ بھی ہیں اور آنریبل وہ بھی ہیں
ملک کی یہ روح ہیں تو قوم کا دل وہ بھی ہیں

یہ ہوئے کونسل کے ممبر تو ہوئی سب کو خوشی
خوب سے جلسے ہوئے باہم ہوئی اک دل لگی

دونو کو کل ملک نے مل کر مبارک بادی
ہم بھی آئے نظم پڑھنے دیکھنے کو پارٹی

یا خدا انجام اِس ساری خوشی کا نیک ہو
آج جیسے ایک ہیں یہ دل بھی انکا ایک ہو

اے مرے نواب صاحب اے مرے والا جناب
آپ جن اعلےٰ مراتب پر ہوئے ہیں کامیاب

اے مرے رائے بہادر اے مرے عالی خطاب
ہو مبارک آپ دونو کو یہ عزت بے حساب

آپ کیا ممبر ہوئے پنجاب ممبر ہو گیا
غل مبارک باد کا ہر ایک کے گھر ہو گیا

آپ کو سرکار نے کونسل کا جو ممبر کیا
آپ کو برتر کیا گویا ہمیں برتر کیا

خیر خواہی نے ہمارے دل کے اندر گھر کیا
آپ پر کیسا حقیقت میں کرم ہم پر کیا

اور بھی ہم میں سے اک دن یونہی عزت پائینگے

خیر خواہی کے شجر پھل لائینگے پھر لائیں گے

آپ کی خدمت میں کچھ کرتا ہے ارشد التجا　　　گر اجازت دیجئے تو منہ سے یہ لاؤں برملا

کیجئے گا ممبری کے بعد اسکا حق ادا　　　ملک پر اور قوم پر رکھنا عنایت دائما

آنریبل ہو کے آنر کیجئے گا آور کی +

مختصر سی عرض ہے یہ پر ہے حاجت غور کی

ملک کے حق میں ہو خدمت آپکی ایسی مفید　　　فرطِ شادی سے رہے ہر اک کے گھر میں روزِ عید

منحصر ہے آپ ہی پر کل رعایا کی امید　　　آپ ہوں ملکی فدائی آپ ہوں قومی شہید

قوم کی خدمت جو کرتا ہو وہ ہے سردارِ قوم

قوم کے سردار سے بنتے ہیں سارے کارِ قوم

شکر ہے تیرا خدا وند زمین و آسماں　　　خطۂ پنجاب کے ہیں لاٹ صاحب مہرباں

لائقِ عزت کو دیتے ہیں ہمیشہ عز و شاں　　　جوہر قابل جو ہو ہر دم ہیں اُسکے قدرداں

ینگ† مینوں کو نہ دیں کیوں ینگ صاحب ممبری

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یا الٰہی تا رہے دنیا میں ربطِ موجِ آب　　　تا الگ ہو اور گھُل مل جائے دریا میں حباب

تا رہیں دو ہو کے اک صورت میں نورِ آفتاب　　　تا نگاہیں مختلف ہو ہو کے ملجائیں شتاب

ملک ہندوستان کی ہر قوم میں ملت رہے

گو بظاہر ہوں جدا پر اصل میں الفت رہے

بانیانِ پارٹی کے دل سدا مسرور ہوں　　　باہمی الفت سے سینے ہر گھڑی معمور ہوں

آئیں خوشیاں رات دن اور رنج و غم سب دور ہوں　　　اتحاد و ربط پر یہ سب کے سب مجبور ہوں

جو یہاں حاضر ہیں دل ان میں ہر اک کا شاد ہو

ہر کسی کو میری جانب سے مبارکباد ہو

† یعنی جوان آدمیوں کو۔ سر ینگ صاحب اسوقت میں لفٹننٹ گورنر پنجاب تھے ۱۲

ارشد

(ارشد) منشی غلام حسین لاہوری آپ منشی ناظر حسین خان ناظم کے شاگرد ہیں ؎

حشر تک ہوتا نہ چھٹکارا فلک کے جور سے
شکر ہو ند زمین کوئے قاتل ہو گیا

دل سے جو ملتے ہیں باہم دو بھی ہوں تو ایک ہیں
مل کے حرف دال جیسے لام سے دل ہو گیا

شکوۂ جورِ بتاں حشر میں کرتے تو سہی
حالِ دل اپنا مگر قابلِ اظہار نہ تھا

قاتل ہماری قبر پہ آکر نہ روئیو
بےچین ہوگی روح ہماری مزار میں

نہیں ہے تم سے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری
سکھا رہی ہیں جفا میں نہیں وفا میری

ارم

(ارم) مرزا مرتضیٰ حسین عرف چھجو صاحب لکھنوی شاگرد ناشاد بلگرامی - کلام سے طبیعت درد آشنا معلوم ہوتی ہے - مذاق سلیم رکھتے ہیں - زبان بھی پاکیزہ ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

پہونچے جو تھک کے سایۂ دیوارِ یار تک
یوں بیٹھے ناتواں کہ نہ اٹھا غبار تک

کیا آئیں پھر فاتحہ میری لحد پہ دوست
دشمن مٹا چکے ہیں نشانِ مزار تک

تعجیلِ موت باعثِ الزام ہو گئی
کہتے ہیں وہ کیا نہ میرا انتظار تک

یادش بخیر اب نہیں ملتا سراغِ دل
آیا تھا ساتھ ساتھ میرے کوئے یار تک

تم بھی کرو ستم مگر اتنے جو اٹھ سکیں
ہم بھی کریں گے جبر مگر اختیار تک

تم مجھ سے فیصلہ یہیں کر لو تو خوب ہو
آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک

سرمایۂ بقا ہے ارم لطفِ انتظار
زندہ ہوں وعدۂ بتِ غفلت شعار تک

عجیب یاس سے بلبل قفس میں کہتی ہے
کہ ہمکو کیا ہے چمن میں بہار ہو کہ نہو

پھرائے جائیے گردن پہ میں کہوں جبتک
بلا سے آپ کے خنجر میں دھار ہو کہ نہو

واں عندلیب قید کے رنج و محن میں ہے
یاں غم سے سینہ چاک ہر اک گل چمن میں ہے

جاتے ہیں دن بہار کے آنکھو ہے خزاں
اک حشر بلبلوں کی فغاں سے چمن میں ہے

ارمان

(ارمان) شاہ علی ارمان - بقول نساخ جعفر علی حسرت کے علاتی بھائی اور جرأت کے شاگرد تھے - اور بقول جناب شیفتہ حسرت کے بیٹے تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق میں کچھ کلام

نظر سے گزرا۔ زبان اگرچہ پرانی ہے مگر مضامین کی موزونیت کے اعتبار سے کلام دلکش اور پُرلطف ہے۔ افسوس ہے کہ انکے حالات زندگی معلوم نہیں ہوئے۔ مختلف تذکروں سے ان کے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کون کہتا ہے اجی تم سے نہ گھبرا جاؤ تم
دل لیکے کیوں نہ ظاہر اُسکی رکھائیاں ہوں

گر وصل میں نہ آوے وہ راہ پر غضب ہے
قاصد نے جھوٹ سچ تو کچھ کچھ کہا یہ ڈر ہے

پابوس اُسکا ہووے کیونکر ہمیں میسر
کیوں آج کل نہ بیکل میں ہوں کہ مجکو یارو

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
تا سر بالیں اُسے آنا قیامت شاق ہے

ولاتو بستر غم پر جو یوں کراہے ہے
پر کوئی بات تسلی کی تو کرجاؤ تم

ظاہر ہے بیوفا سے پھر بےوفائیاں ہوں
جس نے کہ ہمکو برسوں راہیں دکھائیاں ہوں

ایسا نہو کہ دل سے باتیں بنائیاں ہوں
نقش قدم پہ جسکے نت جبہ سائیاں ہیں

کل آئے جب نظر وے آئیں کلائیاں ہوں
دو دن نہ چھپ اسکی تو چاہت ترا بُرا ہو

یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے
بتا تو چاہے ہے وہ بھی جسے تو چاہے ہے

ارمان

(ارمان) راجہ جنمجی متر۔ کلکتہ کے ایک مشہور ایر خاندان کے رکن اور باوجودیکہ اُردو اور فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی مگر اس پر بھی دونو زبانوں کے قابل انشا پرداز اور بالخصوص شعروسخن کے دلدادہ تھے۔ شعرائے ریختہ کا ایک مختصر تذکرہ جسکا نام نسخۂ دلکشا ہے ان سے یادگار ہے۔ حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے ان کے صاحبزادے ڈاکٹر راجہ راجندر لال متر ہندوستان کے مشہور ترین محقق آثار قدیمہ اور بڑے زبردست فاضل و ادیب تھے ہندوستان میں آرکیالوجی (فن تحقیق آثار قدیمہ) کا اتنا بڑا محقق گذشتہ صدی میں ایسا کوئی نہیں گذرا۔ تبرکاً چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے میری جاں نکلا
رات بھر نالے کیا کرتا ہوں گریہ دن کو

تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارماں نکلا
پوچھتے کیا ہیں حقیقت میرے اوقات کی آپ

ارمان

(ارمان) منشی عبد العزیز خان ارمان - انکے والد میسور میں تحصیلدار ہیں آپکو حضرت داغ مرحوم سے تلمذ حاصل ہے یہ کلام ہے ؎

وہ آئے سامنے آنکھوں میں میری نور آیا	وہ بیٹھے پاس تو دل کو میرے سرور آیا
بھرنا اچھا نہیں آنکھوں میں تری یا بروکا	اس سے بہتر تھا مرے حلق پہ خنجر پھرنا
جب شوق فزوں ہو تو مزا حد سے سوا ہو	وہ ظلم ہو ہم پر جو کسی پر نہ ہوا ہو
مرجائے جو بیمار محبت تو شفا ہو	جب حد سے سوا درد ہو خود درد دوا ہو

ارمان

(ارمان) منشی سید باقر حسین ارمان باشندہ شکار پور ضلع بلند شہر ریاست چھتاری میں معلمی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کے شوق کو بھی نباہے جاتے ہیں ؎

لطف نظارہ ہمیں کیا دم بسمل ہوتا	کند کچھ اور اگر خنجر قاتل ہوتا
اے تیغ تو بھی رُک کے دکھاتی ہی بانکپن	چلنا ترا بھی یار کے غمزے سے کم نہیں
قاتل نے میرے زندہ جاوید کر دیا	آب بقا سے آب دم تیغ کم نہیں
کیا رہروان ملک عدم کا ملے سراغ	بانگ جرس نہیں ہے نشان قدم نہیں

ارمان

(ارمان) مولوی سید محمد حسن ارمان شاگرد محفوظ حیدر آبادی - زمانۂ حال کے شاعر ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہمکو رکھا اُسی کے کوچے میں	ہے یہ احسان شکستہ پائی کا
مرقد کو ٹھوکروں سے وہ پامال کرتے ہیں	بعد فنا بھی مجھپہ ستم ہائے کم نہیں
وہ کرکے قتل ہمسے یہ پوچھتے ہیں	کہو اب دل کی جو کچھ آرزو ہو
ہیں قیامت تری آنکھوں کے اشارے پیارے	چھریاں چلتی ہیں کلیجہ پہ ہمارے پیارے
حوصلہ ظلم و ستم کا کوئی باقی ہے ابھی	کیوں مٹاتا ہے تو مدفن کو ہمارے پیارے

ارمان

(ارمان) پنڈت راج نراین ارمان دہلوی - بزرگوں کا وطن کشمیر جنت نظیر تھا مگر انکے دادا پنڈت آفتاب رائے مقصر نقل وطن کرکے دہلی آبسے سن ۱۸۷۶ء سال ولادت ہے سنہ ۱۸۹۵ء

تک مدارس میں تعلیم پاتے رہے اور اسی عرصہ میں ۱۸۹۴ء میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا - ۹۶ء میں سہارنپور جاکر اخبار ظریف اور رسالہ تصویر سخن کی اڈیٹری کی پھر ۹۷ سے ۱۹۰۴ء تک پٹیالہ میں قیام رہا اور وہاں پٹیالہ اخبار کی اڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۰۴ء میں لاہور آنے کا اتفاق ہوا یہاں اخبار پنجاب سماچار اور راجپوت گزٹ کچھ عرصہ تک انکے زیر اہتمام رہے - اب ھتکاری کے اڈیٹر ہیں - صاحب تصانیف کثیرہ ہیں - ۵۹ کتب و رسائل تصنیف و تالیف کر چکے ہیں جنمیں اکثر ناول و تاریخی رسالے ہیں - دیوان بھی تقریباً تیار ہے ۱۹۰۳ء تک برابر اُستاد کو کلام دکھاتے رہے اور سن مذکور میں اُستاد نے اصلاحی غزل کے ہمراہ یہ ریمارک لکھ کر خاص عزت بخشی " بجائے میرے پاس بھیجنے کے اپنے کلام پر تم خود ہی نظر ثانی کر لیا کرو - میرے خیال میں اب تمہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے " ۱۹۰۵ء میں حضور نظام کے جشن جوبلی کے موقعہ پر حیدر آباد بھی گئے تھے - جہاں ڈیڑہ ماہ قیام رہا ٹکسٹ بک کمیٹی لاہور اور تاریخی سوسائٹی علیگڈہ کے متعلق بھی کچھ خدمات کی ہیں - اور اب آجکل زیادہ تر پولیٹیکل و تاریخی مضامین کیطرف توجہ مبذول رہتی ہے گاہے گاہے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں - ہنگام نظر ثانی تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

تجھسے شب غم حلق مرا تر نہیں ہوتا
یہ کام بھی آب دم خنجر نہیں ہوتا

کب سیدھی سی ترچھی نظر اُنکی نہیں ہوتی
کب تیر میرے واسطے خنجر نہیں ہوتا

اُٹھتے ہوئے جوبن کی محبت نہیں جاتی
سینے سے مرے دور یہ پتھر نہیں ہوتا

انکار رہا حشر کے وعدے پہ بھی تم کو
ملنے کا کوئی روز مقرر نہیں ہوتا

کیا لکھوں ماجرائے غم اُس فتنہ گر کو میں
دل میں ہے خط میں چھیڑ کے رکھدوں جگر کو میں

خود ہی پہنچ گیا ہوں وہاں بہر التجا
طرز بیاں بتاتا ہوا نامہ بر کو میں

تیر نگاہ یار کے دونوں شہید ہیں
اب دل کی لوں خبر کہ سنبھالوں جگر کو میں

دلمیں ہزاروں آرزوؤں کے لگے ہیں ڈھیر
حسرت یہ کہہ رہی ہے کہ نکلوں کدھر کو میں

نوکِ مژہ پہ گرتا ہے ہر قطرۂ سرشک	کانٹے میں آج تول رہا ہوں گہر کو میں
دل کی تسلیوں میں شبِ غم ہے ایک ہاتھ	اک ہاتھ سے سنبھال رہا ہوں جگر کو میں
کل بھی نہ تجھسے ہوگا وفا وعدۂ وصال	لو آج ہی سناتا ہوں کل کی خبر کو میں
شوخیِ مضموں کا حصہ داغ سے مجکو ملا	شاعری مضطر سے ہے میراث میں پائی ہوئی

ارمان

(**ارمان**) میر سرفراز حسین خاں نائب تحصیلدار - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں ۵

کُنجِ مرقد ہی سہی آئے تو آرام مجھے	چین لینے دے کہیں گردشِ ایام مجھے
مست ہوں نشۂ الفت میں گرا پڑتا ہوں	بیخودی دوڑ ذرا روک مجھے - تھام مجھے
بیوفا کہنے پہ میرے وہ بگڑ کر بولے	اچھا اب کرنے لگے آپ بھی بدنام مجھے
کافرِ عشق ہوں ارمان میرا کیا مذہب	لوگ یوں سمجھا کریں داخلِ اسلام مجھے

ازل

(**ازل**) حکیم میرزا آغا حسن خلف میرزا عباس باشندۂ لکھنؤ - نواب مرزا شوق صاحب بہارِ عشق کے داماد اور میر وزیر علی صبا کے شاگرد تھے - تبرکاً ایک دو غزلیں خواجہ آتش کی نظر سے بھی گزرانی تھیں - نتائجِ افکار میں حتی الامکان استاد کا اتباع کرتے تھے - سنہ ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے - درسیہ کتب پڑھکر شاعری اور طب کی طرف متوجہ ہوئے - طالب علمی اور شباب کا عالم لکھنؤ میں گزارا پھر ۵۰ برس کی عمر میں بہ تلاش روزگار عظیم آباد چلے گئے - اور مستقلاً وہیں سکونت اختیار کی مگر سنہ ۱۳۱۴ھ میں بیمار ہوکر لکھنؤ چلے آئے اور وہیں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا - خوش رو - وضعدار - ہر دلعزیز وسیع المشرب - طرزِ قدیم لکھنؤ کے دلدادہ - منکسر المزاج اور حد درجہ خلیق تھے - اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانہ میں تبدیل مذہب کرکے سنی ہو گئے تھے مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کرکے انتقال کیا - آپ کا دیوان ضیائے تمنا عرف برکالۂ آتش بہار میں شایع ہوگیا ہے اور ایک مثنوی بھی سحر عشق نام انکے نواسے مہدی حسن احسن کے اہتمام سے لکھنؤ میں چھپی تھی - کلام کا بہترین حصہ اپنی لاپرواہی اور شاگردوں کی بدنیتی سے تلف ہوگیا - اسیوجہ سے مطبوعہ کلام کچھ اعلیٰ پایہ کا نہیں - معمولی کلام نے اُس میں جگہ پائی - غزلیں فروخت کیا کرتے تھے

اشعار میں شوکتِ لفظی کے بجائے بیساختہ پن - سادگی اور صفائی زبان کا زیادہ خیال رکھتے تھے - جس سے اُنکی سلیم المذاقی کا ثبوت ملتا ہے - ۱۳۱۱ھ میں انتقال کیا - شاگرد تو کثرت سے تھے مگر سب سے زیادہ مولانا شاہ نذر الرحمن حفیظ نے نام پایا ؎

میں تو جاؤں کوچۂ دلدار میں آنکھوں کے بل
ضعف کہتا ہے کہ بیٹھو بھی نہ جایا جائے گا

دل دیا ہے آپ نے اِک بت کو سنتے ہیں ازل
یہ تو کہئے ناز بھی اُس کا اُٹھایا جائے گا

آئنہ لے کے ذرا چاندسی صورت دیکھو
ایسی آنکھوں میں تو اندھیر ہے سُرما دینا

لپٹے تھے جنکی دامنِ دولت سے سینکڑوں
تنہا پڑے ہوئے ہیں وہ زیرِ مزار آج

کیا موت آئے گی مرے بیمارِ ہجر کی
حوریں دکھائی دیتی ہیں کیوں بار بار آج

پونچا ہے کس کی ذات سے او خوش جمال رنج
ہوتا ہے تیرے چہرہ سے ظاہر کمال رنج

تربت پہ ہماری جو کبھی آتے ہیں معشوق
پھولوں کے عوض تیوری چڑھا جاتے ہیں معشوق

سچ پوچھئے تو حُسن کچھ ایسا نہیں ہوتا
عاشق کی محبت سے چمک جاتے ہیں معشوق

قاصد کی ضرورت ہے نہ پیغام کی حاجت
تقدیر جو سیدھی ہو تو خود آتے ہیں معشوق

اک تم ہو کہ دو دن بھی محبت نہیں نبھتی
وہ بھی تو ہیں جو بات پہ مٹ جاتے ہیں معشوق

اب کیا کہوں کس واسطے ڈرتا ہوں میں اِن سے
سنتا ہوں کہ دل لے کے مکر جاتے ہیں معشوق

بعد از فنا یہی ہے ہماری صدائے دل
ان گلرخوں سے کوئی نہ ہرگز لگائے دل

اللہ رے جلن کسی پہلو نہیں قرار
شعلہ ہے اپنے پہلو میں شاید بجائے دل

باغِ جہاں کا رنگ بہت بے ثبات ہے
بلبل سے کہدو گل سے نہ ہرگز لگائے دل

اے موت جلد آکہ یہ جھگڑا کہیں چُکے
کب تک شبِ فراق کے صدمے اٹھائے دل

کاہے کو پھر کسی کو بُرا کہئے اے ازل
دشمن نہیں ہے کوئی ہمارا سوائے دل

طالب جام ساقیا ہیں ہم
پر چھُپا کر کہ پارسا ہیں ہم

نزع کے وقت دیکھنے آئیے
جائیے آپ سے خفا ہیں ہم

کون کافر یقین کرتا ہے ✽ لاکھ یہ بت کہیں خدا ہیں ہم

قیس میں ہم میں فرق اتنا ہے
آج گلشن میں کہہ رہے ہیں آزل
پیر ہوں میں نہ دستگیر ہوں میں ✽
حال گلشن نہ پوچھ اے بلبل ✽
یوں تو رہتی تھی در یار پہ جبیں مری ✽
قبر سے آتی صدائے لبیک ✽
یہ ہمیں ہیں کہ نہیں کچھ کہتے

پیشوا وہ تھا رہنما ہیں ہم
تیرے شاگرد اے صبا ہیں ہم
خانہ بر دوش اک فقیر ہوں میں
ایک مدت ہوئی اسیر ہوں میں
آج سنتے ہیں کہ رستہ ہی نہیں
تم نے تربت پہ پکارا ہی نہیں
دل کسی اور کا توڑ دو تو سہی

آپکے دل سے دل نہیں ملتا ✽ پاس بیٹھے ہیں اور جدا ہیں ہم

مطلب نہ حور سے نہ غرض کچھ پری سے ہے
خود آؤ یا بلاؤ ہمیں اپنی بزم میں ✽ ✽

الفت خدا گواہ ہے اُوبت تجھی سے ہے
مطلب تو دو گھڑی کی ہمیں دل لگی سے ہے

ازل

(ازل) مولوی حکیم شیخ حسن مہدی خلف آباد عظیم آبادی - حال مسکن گڑین کا پور حضرت جلال کے شاگرد اور خوشگو شاعر ہیں ؎

امید رکھیں کیا دلِ ناآشنا سے ہم
کیا آہ بے اثر سے پشیمانیاں ہوئیں
پامال کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں
امیدِ لطف اور حسینوں سے قہر ہے
قاتل نہ سر جھکا نا خدا کے لئے کہیں
سر دآنسو اپنی دل کی لگی کیا بجھا سکیں
محشر میں آنکھیں ملتے ہی کچھ اور ہو گئے

کیا آرزو وفا کی کریں بے وفا سے ہم
کیا کیا خجل ہوئے ہیں غضب غم دعا سے ہم
آنکھوں کو مل رہے ہیں کسی نقش پا سے ہم
کیوں طالب کرم ہیں ان اہل جفا سے ہم
شرمندہ ہوں گے حشر میں تیری خطا سے ہم
اب جل بجھیں گے آپ ہی سوز وفا سے ہم
بس کر چکے جفاؤ ں کا شکوہ خدا سے ہم

ازل

(ازل) منشی نعمت علیخاں ولد منشی محمد عمر بخش - قصبہ گناچور نواح جالندھر کے رہنے والے اور آجکل ریلوے ٹکنیکل سکول لاہور میں مدرس ہیں - علم ریاضی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - شاہزادہ سکول دہلی میں بھی مدرس رہ چکے ہیں ؎

یہ بلا ثمرہ کہ ارماں جل گئے سب خاک میں
مرغِ دل طاقِ حرم میں صیدِ گیسو ہو گیا
لایا جوئے شیر بس اتنی ہی تھی اسکی بساط
کیا ہے کشتہ غم نے مجکو لگا کے آنکھوں میں اپنے سرمہ

تخم بویا دل میں کیوں میں نے تمہاری یاد کا
ہے غلط واں زور چل سکتا نہیں صیاد کا
الفتِ شیریں میں بچپن دیکھئے فرہاد کا
بروزِ محشر جناب موسیٰ ہم آپ سے انتقام لینگے

ازہر

(ازہر) منشی سید علی احمد شاہ باشندہ بریلی - جناب زبیر بریلوی سے تلمذ ہے اور مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم سے بھی مشورہ کیا ہے ؎

اپنا بیگانہ سمجھ کر دوست دشمن دیکھ کر
کوئی بھی غیر کو اپنا سمجھتا ہے زمانہ میں

وار تو کرنا مگر اے چشمِ پرفن دیکھکر
مگر اک آپ ہی ایسے زمانے سے نرالے ہیں

دیکھو ذرا آئینہ اُٹھا کر
شعلے اُٹھے دل سے دل میں بھڑکے

کیا ہو گئی شکل رات بھر میں
ہے آگ ہی آگ سارے گھر میں

شوق سے ٹکڑے کرو دل نہیں انکار مگر
ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں میں کسی کی رخصت

دیکھ لو اس کو ذرا میری نظر سے پہلے
کاش ہو جائے سفر میرا سحر سے پہلے

اسحاق

(اسحاق) اسحاق علی خاں لکھنوی ولد فدا علی خاں شاگرد نواب عاشور علی خاں بہادر - نواب سالار جنگ کی اولاد میں صاحب دیوان بیان کئے جاتے ہیں - تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے - اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

باریک ہیں کو آئے گی کیوں کر نظر کمر
آبِ رواں کے پیکے نے طوفاں اُٹھا دیا
مشتاقِ قتل سمجھے اُسے چاند عید کا
نہ کوئی گل ہے نہ بلبل نہ باغباں نہ صبا

تارِ نگہ ہے اوبت نازک کمر کمر
اے بحرِ حسن آگئی کیا موج پر کمر
تیغِ ہلال سی جو ہوئی جلوہ گر کمر
خزاں کے ہاتھ سے برباد ہے چمن کی ہوا

اسحاق

(اسحاق) منشی محمد اسحاق اسحاق - خلف منشی نبی بخش مختار مظفرپور - موضع صیش پٹی نواح دربھنگہ کے باشندے ہیں مگر اکثر اپنے ماموں مولوی سراج الدین مختار کے پاس کلکتہ میں

رہتے ہیں - ایک رسالہ موسوم بہ ہدیۂ اسحاق شائع کر چکے ہیں طبیعت سخن گوئی کی طرف مائل ہے مگر غیر زباں ہونے کے باعث کامیاب نہیں ہوتے - بہ نظر انتخاب کلام دیکھا تو بمشکل یہ چند اشعار ہاتھ آئے ھ

یہاں اپنا جلوہ نہ دکھلائیے گا ۔ تو محشر میں کہیئے کہاں جائیے گا
نہ جب کام آئے مری زندگی میں ۔ تو کیا بعد مرنے کے کام آئیے گا
جلانا ترا کام جلنا مری خو ۔ ہوں پروانہ میں بھی جو تو شمع رو ہے

نہ بھائی میں رہی الفت نہ یاروں میں رہی ملت ۔ جو الفت ہے تو زر سے ہے یہی سب کا پیارا ہے

خدا بخشے اسے الفت تھی مجھ سے ۔ وہ کہتے ہیں مری تربت پہ آکے

اسد

(اسد) میر امانی مرحوم دہلوی رفیق نواب افضل علیخاں برادر نواب نجیب الدولہ وزیر - مرزا رفیع السودا کے شاگرد تھے - تباہی سلطنت کے بعد دہلی سے لکھنؤ اور مرشد آباد چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر اثنائے سفر لکھنؤ میں پچاس برس کی عمر میں بمقام سرسے بانگر مؤ چوروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے - مرد ظریف - شیریں زبان اور خوش فکر تھے - دیوان اور مثنوی ان کی یادگار ہے ھ

کھانے کو غم ہے پینے کو خوں دیکھنے کو داغ ۔ سب عشق کا وہ ہمکو سر انجام دے گیا
جوں توں اسد کو لائے تھے اسکی گلی سے ہم ۔ خانہ خراب راہ میں آکر مچل گیا

ٹک تو نے ہی گرم کی بغل رات ۔ ہم سرد ہوئے تھے ورنہ کل رات

اثر ہو سنگ میں کیا کیونکر ان کو رام کریں ۔ بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کریں
بزم بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس ۔ کافر ہوں گر وہاں بھی خدا کا میں ذکر کروں
جس سے کہ دل ملا تھا جب آیا وہ سامنے ۔ ملنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی
زلفیں ہی دیکھ کر کے خجل رات ہو گئی ۔ مکھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہو گئی

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی ۔ مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع	یا رب نہ شبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی
مانے ہے کوئی وہ بتِ گمراہ کسو کی	گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسد

(اسد) نواب سلیمان خاں اسد لکھنوی۔ نبیرۂ نواب محبت خاں مغفور۔ نواب حافظ رحمت الملک مرحوم والی روہیلکھنڈ کی اولاد اور نواب احمد حسن خاں جوش مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کا زمانۂ طالب علمی و شباب لکھنؤ میں گذرا۔ مشہور اساتذہ لکھنؤ کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ آتش۔ رند۔ صبا۔ وغیرہم کے مشاعروں میں شریک رہے۔ ابتداً میں چند غزلیں نواب عاشور علیخاں کو دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد تدبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۶۶ء میں جب صاحبزادہ محمد خاں شمشیر جنگ بطریق سیر لکھنؤ آئے تو بوجہ قرابتداری آپکی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد ازاں اُنکے اصرار سے ٹونک تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام کر کے چلے آئے۔ دورانِ قیام میں نواب صاحب نے بہت چاہا کہ آپ کے ملنے کو ئی سلسلہ وہیں ہو جائے مگر اُسوقت آپنے وطن کو خیرباد کہنا مناسب نہ سمجھا۔ ۱۸۷۰ء میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب فیروز جنگ نائب ریاست لکھنؤ تشریف لائے اور بتاکید ٹونک طلب فرمایا۔ خود بھی زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور بھی اکثر صاحبزادے شاگرد ہو گئے۔ چند سال بعد وظیفہ مسدود ہو گیا مگر بوجہ تعلقات آمدو رفت قائم رہی۔ حتیٰ کہ ۱۳۰۰ھ میں نواب صاحب خود شاگرد ہوئے اور آپ کو مشیر سخن مقرر فرمایا۔ اب عرصہ سے وہیں بود و باش ہے۔ خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت نے آپ کو ٹونک میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے۔ طبیعت تعصب اور غلو سے پاک اور آپکی ذات جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف ہے۔ ستر برس کے قریب عمر ہے۔ آپ کا کلام لطیف اور معنی خیز ہوتا ہے شوکتِ الفاظ سے آپکی قابلیت و استعداد ظاہر ہے۔ آپ ایک دیرینہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں۔ ٹونک کی مجالسِ شاعری کی رونق اب آپکے دم سے ہے۔ دیوان اول موسوم بہ انتخابِ اسد ۱۸۷۸ء میں منشی نول کشور نے شایع کیا تھا دوسرا دیوان موسوم بہ مطلعِ خورشید ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔ اب آپ پنشن پاتے ہیں۔ آپکے شاگرد بکثرت ہیں جنمیں سے منشی جعفر علی بد

منشی حبیب اللہ ضبط۔ عبدالرحیم خاں صاحب اشرف وغیرہ صاحب دیوان ہیں۔ اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اچھا ہوا شباب کا عالم گزر گیا
اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا

کیا کیا نہ ذلتیں ہوئیں اس عشق میں نصیب
عزت گئی وقار گیا مال و زر گیا

ہر طرف اک شورِ ہاؤ ہوئے مستانہ رہا
خوب ہی ابکے برس زورِ میخانہ رہا

ممکن نہیں شفا مرضِ عشق سے اسد
جائے گا جان لے کے یہ آزار دیکھنا

کمینے سے کبھی بوئے شرافت آ نہیں سکتی
نہ شاخِ نخلِ حنظل میں ہویدا لطف صندل کا

کچھ بھی نہ تھے سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی نہ ہونگے
آغاز وہ ہے اور یہ انجام ہمارا

مجکو وقفہ تہِ شمشیرِ اجل نے نہ دیا
وہ گھڑی دل مرے قاتل کا بہلنے نہ دیا

ہم کو سمجھاتے ہیں یہ ہمدم کیا
دل ہی بس میں نہیں کریں ہم کیا

دوئی سمجھے ہوئے ہیں اہلِ نفاق
ورنہ ہیں یار سے جدا ہم کیا

دلِ گبر و مومن میں تیری جگہ ہے
صنم ہے کسیکا خدا ہے کسیکا

حجابِ دوئی کو جو دل سے اٹھا دیں
تو پھر ہم ہیں اور سامنا ہے کسیکا

یہی ہیں عیش کی راتیں یہی مراد کے دن
تمام عمر کا حاصل ہے یہ زمانِ شباب

سر یہ حاضر ہے تیغ اٹھائیں آپ
دیکھتے کیا ہیں دہنے بائیں آپ

سچ بھی گر ہم کہیں تو وہ سب جھوٹ
اور ہے جھوٹ بھی تمہارا سچ

اے اسد سچ ہے پیشِ کاذب جھوٹ
جھوٹ بھی جانتا ہے سچا سچ

ہوئے دل سے جو عاشقِ زار ترے سمجھے انہیں کہ مرے تو جیے
جو مریضِ محبت و عشق ہوئے نہیں انکو دوا و شفا سے غرض

عنبریں مو شعلہ رو شمشاد قامت سیم تن
سوز میں بھی رکھتی ہے اک سازِ معشوقانہ شمع

رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن
شمع کا پروانہ عاشق عاشقِ پروانہ شمع

نہ غنچۂ دل ہوا شگفتہ نہ پھل جوانی کا خاک چکھا
بُرا ہو کمبخت عاشقی کا خزاں میں فصلِ بہار میں ہوں

زباں پہ حضرتِ دل چاشنیٔ مرگ آئے گی
لبِ شیریں کے بوسے کیا کوئی مُنہ کے نوالے ہیں

دہن کا بھید تو باتوں سے کھُل گیا لیکن
کمر کا آپ کی اب تک کہیں پتہ ہی نہیں

عدم کی جانب تمہارے عاشق جہاں سے اب ہار کے نکلا
لباسِ ہستی ہوا ہے میلا اُسے بدن سے اُتارتے ہیں

زباں پہ ہم لاتے ہیں ادب سے بتوں کا بھی نام ڈرتے ڈرتے
ہیں زاہد اللہ اکبر ایسے خدا کو جو یوں پکارتے ہیں

عدو کے فقروں میں ایسے آئے جو ہم سے وعدہ تھے سب بجا کے
وہ شرم سے اب ہیں سر جھکائے تماچہ خود مُنہ پہ مارتے ہیں

دونوں کا سر جھکا ہے تری بارگاہ میں
یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں

دل اپنا تم کھو سے کے مفت بھی ہم بن گئے بندے
کہو جو کچھ ہو تو آئے تمہارے دین و ایماں میں

اُنکے خرام سے تہ و بالا ہے اِک جہاں
زندے بہ تنگ جی سے ہیں مُردے عذاب میں

نمودِ صبحِ پیری سے ہے گئی راتیں جوانی کی
خیالاتِ جہاں خوابِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں

یہ معشوقان بے پروا جہاں میں کسکے ہوتے ہیں
اِنہیں دل دیکے عاشق آپ اپنی جان کھوتے ہیں

خبرِ مرگ میری سُنکے کہا
ایسے ہی جاں نثار ہوتے ہیں

ملتی نہیں قفس سے رہائی ہزار حیف
اور موسمِ بہار کے دن ہائے جاتے ہیں

بر بکعبہ قائل ہیں تری یکتائی کے وہ بھی
تجھی کو سجدے کرتے ہیں صنم زاہد نمازوں میں

قیمتِ نیم نگاہی بھی گراں ہے جو نہیں
دل یہ کہتا ہے میں اور اس سے بھی ارزاں ہوں

سسکتا چھوڑکر جاتا ہے وہ مجھ نیم بسمل کو
خدایا بڑھکے لے شوقِ شہادت بڑھکے اُسکو

کیا اِک وار ہی میں اُسنے دو ٹکڑے مرنے والوں کو
جزائے خیر دے اللہ تیغِ نازِ قاتل کو

نہ الفت سے اسد اُس ابروئے خمدار کو دیکھو
گلے پر پھیرتے ہو آپ تم تلوار کو دیکھو

کہیں سمجھ کر مری میت پہ کھڑے ہیں خاموش
حشر ہو جائے بپا گر وہ کہیں قم مجھکو

وہ آتے ہیں لیے تعظیم درد اُٹھنے نہیں دیتا
تو ہی اب اُٹھ کے دردِ دل کسی صورت اُٹھا مجھکو

نظرِ یاس سوئے خنجرِ قاتل ہے وہی
ذوقِ شوقِ نگہ دیدۂ بسمل ہے وہی

تم اچھے ہو ہم بُرے چلو خیر
اب تو نہیں کوئی بات شر کی

بہار آئی ہے خوش ہیں میکش شراب خُم سے ٹپک رہی ہے
شگوفے پھولے ہیں گُل کھِلے ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
خیال ابرو رہا جو اکثر تو چلتے خنجر رہے جگر پر
یہ کسکی مژگاں کا ہے تصور کہ پھانس دل میں کھٹک رہی ہے

بلا ہوا وہی سب سے وہی جدا بھی ہے
وہی صنم وہی بندہ وہی خدا بھی ہے

زراہِ طنز وہ بولے مرے منانے پر
یہ منتیں ہیں عبث یاں کوئی خفا بھی ہے

سوالِ بوسۂ ابرو پہ وہ یہ کہتے ہیں
جواب اسکا فقط تیغ کی زبان پر ہے

برسوں سجدے کئے کعبے میں تمہاری خاطر
مدتوں دیر میں جا جا کے جبیں سائی کی

بگڑے گا جا کے بزمِ خرابات میں اگر
تو رند محتسب کو مقرر بنائیں گے

ہو گئے ہیں یہ بہم سانس کے دم دھاگوں سے
چار عنصر ہیں کوئی دم میں بکھر جاوے

پُر آب چشمے ہیں جنگل ہیں لہلہائے ہوئے
چار سمت ہیں بادل سیاہ چھائے ہوئے

نہ تربت سے جواب اصلا دیا یارانِ رفتہ نے
ہزاروں مرتبہ جا جا کے ہم انکو پکار آئے

کرے اُلٹی چھری سے ذبح جب مقتل میں وہ مجکو
کبھو بچپن پہ قاتل کے نہ پھر کسطرح پیار آئے

عمر سب اِک بتِ کافر کی محبت میں کٹی
ہم خدا جانے مسلمان رہے یا نہ رہے

لطفِ مستی کا دلا عہدِ جوانی میں اُٹھا
یہ زمانہ ارے نادان رہے یا نہ رہے

ہاتھ اُٹھاؤنگا نہ الفت سے بتوں کی بخدا
اسمیں جا ہے میرا ایمان رہے یا نہ رہے

شبِ وصلت اذاں کہکر چھری پھیری ہے گردن پر
ہوئے ہم ذبح اے زاہد تری اللہ اکبر سے

بادۂ دولت کا ہے کیا نشہ تیز
ہوش کھو دیتا ہے یہ ہشیار کے

گلے مِلی یہ محبت سے تیغ قاتل کی
کہ دم میں دم مرے جبتک رہے ادا نہ ہوئی

شاعروں نے عجب اندھیر مچا رکھا ہے
نام کاکل کا تری دام بلا رکھا ہے

میانِ کعبہ خود ہوتی ہے جب توقیر پتھر کی — پرستش کیوں ہوئی پھر باعثِ تکفیر پتھر کی
صنم خانے کو تم دیکھو اگر شانِ حقیقت سے — تو واں بھی زاہد و شانِ خدا کا کارخانا ہے
بتوں نے آنکھوں میں پھر پھر کے تیلیوں کی طرح — ہمارے ہوش نا شتے دکھا دکھا کے لئے
یہ کون کہتا ہے تم نے لبھا لبھا کے لئے — جلا جلا کے جگر دل جو دکھا دکھا کے لئے
خدا ہی جانے یہ بھید کیا ہے کسی کو اصلا خبر نہیں ہے — دہن کا اثبات بات سے ہے مگر ثبوتِ کمر نہیں ہے
ہزار افسوس جذبِ الفت کہ تجھ میں سا مجھ میں بھی اثر نہیں ہے — تڑپ رہا ہوں میں جس کی خاطر اُسے ذرا بھی خبر نہیں ہے
کسو کرے کیا وہاں پہ انساں نہ عقل ہو کس طرح سے حیراں — تلوّن ایسا ہے طبع میں واں کہ شام کو واں سحر نہیں ہے
چلی جو تیغ نگاہِ قاتل کر گئی وہ اک نہ اک کو بسمل — جو بچ گیا اُسکے وار سے دل تو جان لینا جگر نہیں ہے
نہ منہ کو یوں بیرخی سے موڑو بندھی ہوئی آس کو نہ توڑو — مریضِ الفت کا حال ابھی تو کچھ ایسا نوعِ دگر نہیں ہے
یہ قدر دانی خلیل کی ہے شیر شعر و سخن بنایا — اسد سراپا ہوں عیب مجھ میں کوئی بھی علم و ہنر نہیں ہے
حسیں سمجھ کے بتوں کو گو کر لیے سجدے — مرے خیال میں صنعت مگر خدا کی رہی
مٹا جہاں ہوا شورِ حشر بھی برپا + — چلت پھرت وہی اُس چشمِ فتنہ زا کی رہی
نہ بیٹھئے روزِ جزا جان بوجھ کر انجان — خبر تو آپ کو صاحب ذرا ذرا کی رہی

اسد

(اسد) عالیجناب نواب اسد یار الدولہ بہادر حیدرآبادی - حیدرآباد کے موزوں طبع رؤسا میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں ہے

اے دل دغا شعار ہے وہ تو یہ جان رکھ — نادان چار باتوں میں اُس کی بہل گیا
کسی صوفی کے جو آنکھی خبر حسن لی ہے — وجد کرتا ہوا محفل میں چلا آتا ہے
مثل تصویر کے چھا جاتی ہے حیرت سب پر — جبکہ محفل میں مرا آئینہ رو آتا ہے

اسد

(اسد) منشی سید شیر علی باشندۂ پٹنہ موزوں طبع آدمی ہیں حضرت شہرت کے تلمذ سے فیضیاب ہیں ۱۸۹۵ء میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہیں ہے

پھونک کر کس نے کیا طور کو سرمہ ایسا — آگ آپ آئے تھے کیا حضرتِ موسیٰ لیکر

لبِ جاں بخش کا اُس بت کے جو دیکھا اعجاز	رہ گئے اپنا سا منہ حضرتِ عیسیٰ لے کر
آج سے کچھ نہیں عشقِ ازلی ہے مجھ کو	ساتھ ہم کے یہاں آئے ہیں سودا لے کر
ہے کسی کی نگہِ مست کا آنکھوں میں سرور	ساقیا کیا میں کروں ساغرِ صہبا لے کر

اسرار

(اسرار) مرزا سپہر شکوہ گورگانی دہلوی ولد مرزا لہراسپ شکوہ ابن مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی مقیم لکھنؤ آپ صاحب کمال اور عالم آدمیوں کے بڑے قدردان تھے۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر کے خسر اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ دریائے جمن کے کنارے شاہ بڑے صاحب کے تکیے میں آسودہ ہیں۔ سنہ ۱۳۰۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ تمام عمر اہلِ کمال کی صحبت میں بسر کی۔ انکا کلام ہدیۂ پیش نظر ہے ؂

وہ جب ہنستے ہیں میں کہتا ہوں یارب	یہ بجلی دیکھیئے گرتی کہاں ہے
پھر محوِ خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے	پھر شیشۂ دل اپنا پریخانہ ہوا ہے

اسرار

(اسرار) بابو نادر مرزا صاحب شاگرد جلال لکھنوی۔ انکے والد نواب مرزا محکمہ پولیس ضلع بنارس میں سب انسپکٹر ہیں۔ بہم رسیدہ کلام حاضر ہے ؂

بُرا ہو اس محبت کا کہ راحت بھی مصیبت ہے	ستاتا ہے مرے دل کو کوئی آرام جاں ہو کر
بڑھایا غیر سے بھی ربط جب ملنے لگے ہم سے	جفا کرنے لگے وہ اور ہم پر مہرباں ہو کر
نہ پھینک انکو گلے سے اُتار کر گلرو	ارے یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل
اگر دیکھ لیتے وہ حالت ہماری	اثر اُن پہ کرتی محبت ہماری

اسرار

(اسرار) منشی فاضل لکھنوی شاگرد منشی وزیر علی وزیر لکھنوی۔ اکثر بمبئی میں رہتے ہیں کلام حاضر ہے ؂

وہ تو آتے نہیں شب وعدہ	منتظر ہوں قضا کے آنے کا
خوشی سے شیخ پئے بیعت سبو آئے	شراب ناب سے کر کے مگر وضو آئے
گئے تھے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈھنے لیکن	گنوا کے کوچۂ جاناں میں آبرو آئے

یہیں سے جاؤں گا میں بزم وعظ میں سیدھا	پلا شراب وہ ساقی نہ جسمیں بو آئے

اسلم

(اسلم) حافظ محمد اسلم صاحب باشندۂ بے راج پور ضلع اعظم گڑہ - حکیم معشوق علی صاحب جوہر کے تلامذہ کیں ذی لیاقت وخوش فکر ہیں عرصۂ دراز تک اُستاد کا فیض صحبت اُٹھایا ہے - آپکی استعداد عربی وفارسی میں بہت معقول ہے رنگ زمانہ اور مذاق عام کے خیال سے غزل گوئی چھوڑکر اخلاقی نظموں کی طرف مائل ہیں - جو اخباروں میں شایع ہوتی رہتی ہیں - چند روز سے پیسہ اخبار کے دفتر میں عربی سے اُردو ترجمہ کرنے پر مامور ہیں - غزلوں کے اشعار چست اور مزے دار ہیں - اخلاقی نظمیں بھی مفید اور موثر ہوتی ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے ؎

گردش قسمت سے ہے اُلٹا اثر تدبیر کا	وہ بھی اب ملتا نہیں جو ہے میری تقدیر کا
وہ آئیں یا قضا آئے غضب غم	کوئی غمخوار ہو جانِ حزیں کا
اں دیکھو شبِ وصل ہے آنکھیں نہ لڑاؤ	لگ جائے نہ دھبا کہیں دامانِ حیا میں
کیا لذتِ بیداد ہے کرتا ہوں دعا میں	اللہ کرے اور ترقی ہو جفا میں
تن تن کے کتا ہے ترا خنجرِ بیداد	آجائے نہانا ہو جسے آبِ بقا میں
شبِ فرقت کی ظلمت اک بلا ہے	نہیں آتی قضا بھی جسکے ڈر سے

اسلم

(اسلم) منشی سلامت اللہ کانپوری - اخبار ملک وملت حیدرآباد دکن کے منیجر تھے جو اب بند ہے - فی الحال پیشکار صاحب مدار المہام حیدرآباد کی سرکار میں ملازم ہیں - ۳۲ - ۳۳ برس کی عمر ہے - موزوں طبع شاعر ہیں - جناب جلیل مانکپوری جانشین امیر مینائی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - پہلے نوبت رائے نظر ایڈیٹر خدنگ نظر سے اصلاح لیتے تھے - کلام درج ذیل ہے ؎

کیا اُسنے پامال تربت کو آکر	کفِ پا کے بوسے دئیے ہیں مٹاکر
کھڑے ہیں جو مشتاقِ دیدار آکر	دکھا دو انہیں جلوہ چلمن اُٹھاکر
ذرا مل تو لوں میں کہ ہے وقت آخر	گلے سے دم خنجر کو قاتل جدا کر
بس اب طاقِ ابرو میں سجدہ کرینگے	الگ ایک عالم سے کعبہ بناکر

نکلا وہ بے نقاب تو عالم وہ کیا کہوں
گردوں بھی نور کا تھا زمیں بھی تھی نور کی

سنتے ہی عمر گزری ہے زاہد خدا گواہ
تو نے دکھائی بھی نہ کبھی شکل حور کی

کاٹ کر سر پوچھتے ہیں ناز سے
دل میں باقی کوئی حسرت اور ہے

یونہیں انکو دکھا ڈراتے ہوئے
وہ ڈرتے ہیں خنجر اٹھاتے ہوئے

سچ بتا کونسی قاتل وہ ادا ہوتی ہے
جب سو جان سے قربان قضا ہوتی ہے

ڈالا ہے پردہ شوق نے بسمل کے سامنے
قاتل کو پوچھتا ہے وہ قاتل کے سامنے

اسیر

(اسیر) منشی ہدایت علی خلف سید امیر علی۔ بزرگوں کا وطن قصبہ زید پور من مضاف لکھنؤ تھا مگر بسبب روزگار اکثر میرٹھ میں رہے۔ حضرت مصحفی اور نواب حسین علیخان اثر سے اپنے کلام میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ فارسی میں اسیری اور اردو میں اسیر تخلص تھا یہ انکا کلام ہے ؎

ہر نَیِ موسیٰ اڑاتے ہیں شرارے ہاتھ پاؤں
چار نخلِ آتشیں ہیں اب ہمارے ہاتھ پاؤں

گوہرِ مقصود ہاتھ آیا نہ پایا آشنا
بحرِ الفت میں دلا لاکھوں ہی مارے ہاتھ پاؤں

اسیر

(اسیر) تلبزار نام۔ قوم کے نصرانی۔ شاہ نصیر دہلوی کے نامی شاگردوں میں تھے۔ شمرو صاحب فرانسیسی کے بیٹے ظفریاب خاں صاحب کے رفقا میں تھے۔ نہایت پرزور۔ تنومند۔ اور فہیم و شجاع آدمی تھے شعر بھی اچھا کہتے تھے ملاحظہ ہو ؎

شمع فانوس میں در پردہ جلی ہے دیکھو
شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اُس آئنہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

اسیر

(اسیر) سید نہال نبی برادر خرد و شاگرد سید آل نبی لاغر باشندۂ شاہجہاں آباد۔ بہادر شاہ کے زمانے میں نشو و نما پایا تھا۔ انکے والد مولوی غلام علی آحقر تھے۔ کلام سے طبیعت میں شوخی۔ فکر میں رسائی پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو ؎

نہ ملے گا جو کوئی ڈھونڈے گا
بے وفا تم سا باوفا ہم سا

ہچکیاں بے وقت آتی ہیں اسیر
وقتِ مردن میں کسے یاد آگیا

جوابِ تار نہ لکھنے سے یہ ہوا ثابت
ارادہ رکھتے ہیں شاید وہ آپ آنے کا

خون اِن ہاتھوں سے کتنوں کا ہوا میرے بعد
رنگ لائی ترے ہاتھوں کی حنا میرے بعد

روز کے وعدوں میں مرجائیں گے ہم
یونہی گذری تو گذر جائیں گے ہم

خطِ غیر کا اس شوخ کو آیا میرے آگے
آیا میری تقدیر کا لکھا میرے آگے

قاصد ڈرتا ہے مانگتے خط
ایسا نہو وہ جواب دیدے

بستر نہیں کسی سے یہ ہر دم کی چھیڑ چھاڑ
کہتے نہ تھے اسیر وہ آخر بگڑ گئے

اسیر

(**اسیر**) میر گلزار علی۔ خلف ولی محمد نظیر اکبرآبادی۔ خلیفہ کے لقب سے ملقب تھے۔ تاج گنج آگرے کے مدرسہ میں مدت تک مدرس رہے۔ اگرچہ اپنے والد کی سی ہمہ گیر اور پسندیدۂ عام طبیعت نہیں پائی تھی مگر اُنکے خلف کہلانے کے ضرور مستحق تھے۔ صاحب دیوان ہیں سنہ ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوئے ۷۰ برس کی عمر پائی۔ دیوان کے سوا ایک مثنوی سوزِ عشق بھی انکی یادگار ہے۔ اُنکا کلام سیر ہے ۵

مکتب سے اُٹھے قیس بھی لیلیٰ ترے ہمراہ
اُسکو بھی سکھادے تو بہانہ کوئی ایسا

بزم میں سوز و گداز اپنے سے فرصت نہ ملی
شمع کو روتے نہ پروانے کو جلتے دیکھا

گلشن میں جو ہے آمدِ ایامِ بہاری
بیتاب ہیں مرغانِ گرفتارِ قفس میں

ہم لے گئے وہ ہڈیوں کے ڈھیر لحد میں
کرمانِ زمیں بھی نہوے سیر لحد میں

خطِ کبوتر کو دئے لاکھ طرح کے ہیں خیال
خاطرِ وسوسہ پرداز کا دیوانہ ہوں

بے دل کے جلے سوز جگر میں نہیں ہوتا
خوشبو کے لئے آگ پہ رکھتے ہیں اگر کو

جہاں روحِ رواں نے کوچ کی دنیا سے ٹھیرالی
کوئی پھر لاکھ ٹھہرائے ولیکن دل کہاں ٹھیرے

پُشت تو ظاہرا ہے حرم کی بندھی ہوئی
پر دل میں دھن ہے کوئے صنم کی بندھی ہوئی

خدا کو یاد کر اور جام بھر کے لا ساقی
غمِ زمانہ فراموش ہو تو اچھا ہے

کڑوے ہونے میں بھی شیریں ہونکے ہیں مزا
انکو تلخی شکر آمیز خدا نے دی ہے

ہو تن سے جدا منزلِ مقصود کو پہونچے
بے منتِ پا منزلِ مقصود کو پہونچے

استغنے ذہن پہ سے بے سخنی ہو تو سیر ہے		لاکھوں ہیں زخم پر لب ہر زخم ہے خموش

اسیر

(**اسیر**) تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی سید مظفر علیخاں بہادر جنگ قصبہ امیٹھی نواح کے رہنے والے تھے والد کا نام سید مدد علی تھا جو محمد صالح کروڑی کی اولاد میں تھے۔ بارہ برس کی عمر میں اپنی ننھیال شیخ زادگانِ لکھنؤ میں شادی ہوئی۔ عربی اور جملہ علوم و فنوں کی کتابیں علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ شعر گوئی میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ مگر شیخ صاحب دو تین برس بعد ہی فوت ہو گئے۔ منشی صاحب ممدوح نے اپنی ذہانت اور طبع رسائی سے وہ کمال پیدا کیا کہ لاجواب ہوئے اور فخر اُستاد کہلائے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں سرکار شاہی میں متوسل ہوئے حضرت امجد علی شاہ کے وقت میں کچہری سلطانی کے سررشتہ دار اور داروغۂ زندان اودھ رہے پھر ۸ و ۹ برس سلطان عالم واجد علی شاہ کی مصاحبت میں گزارے۔ بادشاہ گاہے گاہے اپنے کلام میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ خطابات مذکور آپ ہی نے عطا فرمائے تھے۔ سلطان عالم جب انتزاع سلطنت کے بعد کلکتہ تشریف لے گئے تو آپ نے رفاقت منظور نفرمائی۔ چنانچہ بادشاہ سخت آزردہ خاطر ہوئے جس ناراضی کا جابجا اپنی تصانیف میں اظہار کیا ہے۔ بعد غدر نواب یوسف علیخاں ناظم والی رامپور نے قدردانی فرما کر رامپور طلب کر لیا اور اپنے کلام میں مشورہ بھی فرماتے رہے۔ پھر مدۃ العمر اسی ریاست کے دعاگو رہے۔ انکی تصانیف میں سے چار اُردو کے دیوان اور ایک فارسی کا دیوان اور مثنوی درۃ التاج اور رسالہ عروض چھپ چکی ہیں۔ منشی امیر مینائی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ اُردو کے چھ دیوان ہے۔ مرثیے اور قصائد بھی بہت سے لکھے ہیں۔ بڑے پُرگو اور کُہن مشق شاعر تھے۔ اپنے زمانہ کی روش کے موافق رعایت لفظی کے اسیر اور اہل لکھنؤ میں اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ انکے جملہ اصنافِ سخن پر قادر ہونے میں کسیکو کلام نہیں۔ قابل حیرت پرگوئی کے ساتھ ساتھ چھلکتے تھے۔ طبیعت کا زور ضخیم دیوانوں میں نہیں سماتا جس سے ظاہر ہے کہ شبانہ روز اسی مشغلہ میں گزارتے ہونگے۔ اسیر موصوف شاعری کے علاوہ دیگر علوم متعارفہ میں بھی کمال رکھتے تھے چنانچہ عروض میں یگانۂ عصر خیال کئے جاتے تھے

ایک اور امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دہلی اور لکھنؤ کے مباحثات فوقیت زبان سے محترز رہے اور اکثر موقعوں پر شعرائے دہلی کے دلفریب اور پرتاثیر کلام کی داد دے کر آپ نے اپنی سلیم المذاقی بے تعصبی اور بلند نظری کا ثبوت دیا۔ لکھنؤ میں آپکے بیسیوں شاگرد تھے جن میں سے حضرت امیر مینائی مرحوم۔ منشی احمد علی شوق۔ جرار۔ فضل رسول خاں واسطی۔ اسد اور آپکے دو صاحبزادے جناب حکیم اور افضل درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ شعرائے لکھنؤ میں وزیر۔ رند۔ صبا کے بعد آپ کا دم بہت غنیمت تھا۔ آخر کار ۸۴ برس کی عمر میں بمقام رامپور ۱۲۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آپکے دونو صاحبزادے عمائدین لکھنؤ میں شمار ہوتے ہیں اور شاعر ہیں ہمارے مذاق کے۔ کلام کا انتخاب پیش کش ہے

انتخاب دیوان اول موسوم بہ گلستان سخن

شیشہ رہے بغل میں جام شراب لب پر
ساقی یہی مزا ہے دو دن کی زندگی کا

ہم دامِ غم سے چھوٹے مدت کے بعد مر کر
روتے ہیں کیوں احبا موقع ہے یہ خوشی کا

چھوٹتے ہیں اقربا جاتے ہیں ہم سوئے عدم
بیکسی کا وقت ہے چھایا ہے عالم یاس کا

غم ہے اس بحر میں کیا بے سروسامانی کا
ناخدا خود ہے خدا کشتی طوفانی کا

ضعف سے پیوند میں ہر جا زمیں کا ہوگیا
مثل نقشِ پا جہاں بیٹھا وہیں کا ہوگیا

امیروں کی سفارش ہو مبارک اہل دنیا کو
خدا سے سلسلہ ہے مجھ گدائے بے توسل کا

باغباں اڑ کر کہاں گلشن سے جائے عندلیب
بوئے گل کی موج ہے زنجیر پائے عندلیب

ہو عیاں کچھ بھی جو تاثیر فغانِ عندلیب
باغباں پھولوں سے چھائے آشیانِ عندلیب

زاہدانِ خشک کے تقوی کا میں قائل نہیں
آشکارا رند پیتے ہیں تو یہ پنہاں شراب

ہجوِ شراب پیشۂ زاہد ہے ساقیا
یہ شپرہ ہے منکر تنویر آفتاب

کہنے کو یوں جہان میں ہزاروں ہیں یار دوست
مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست

کس سے کہوں تلوّن ابنائے روزگار
دشمن یہ لاکھ بار ہوئے لاکھ بار دوست

نشیمن طائرانِ روح کا ہے تیغِ جاناں پر
ہزاروں بلبلیں بیٹھی ہیں دیوارِ گلستاں پر

ازل سے عشق ہے دلکو ترے روئے کتابی سے
اگر باور نہو کہدوں میں رکھکر ہاتھ قرآں پر

خضر رہبر آبِ حیواں سے سکندر بےنصیب
کامیابی دہر میں موقوف ہے تقدیر پر

اُسکو منظورِ نظر ہے اور کچھ ہوتا ہے کچھ ❊
ہنستی ہے تقدیر کیا کیا صاحبِ تدبیر پر

دلِ مجروح کو کیا دیکھنے آئے ہو بےپردہ
چھپاؤ چہرہ دیکھو چاندنی پڑتی ہے بسمل پر

آئے وہ بال کھولے ہوئے بہرِ فاتحہ
نازل نئی بلا ہوئی اہلِ قبور پر

کرتا ہے منع ہمکو تو واعظ شراب سے
دنیا ہے آپ جاں شرابِ طہور پر

کاٹ کر بےجرم سر میرا بہت پچھتائے گا
رحم آتا ہے مجھے نادانیٔ جلاد پر

دربار جانتے ہیں مزاروں کو بےخبر
مُردوں کو جاکے کرتے ہیں زندے سلام دُور

بے مانگے رزق دیتا ہے ہر روز وہ کریم
کب تک تلاش بوالہوس تا کجا ہوس

دورِ چشمِ یار نے یہ مست عالم کو کیا
ڈھونڈتے پھرتے ہیں زاہد بھی دوکانِ مے فروش

دل میں اپنے ہے جگہ اُس بتِ کافر کی اسیر
نالۂ دل ہے کہ ناقوسِ صنم خانۂ عشق

ضد سے جتنا ہے یہاں کافر و دیندار میں فرق
زاہدا اتنا تو نہیں سبحہ و زنار میں فرق

جلتے ہیں غم سے جان و دل و سینہ و جگر
چاروں طرف ہے آگ بجھاؤں کہاں تلک

زنجیرِ تعلق مرے پاؤں سے تو نکلے
ہے فاصلہ دو گام کا ہستی سے عدم تک

آیا ہے ہمکو ہاتھ یہ مضموں چراغ سے
روشن اُسی کا نام رہے جو جلائے دل

دے جنوں ہمکو جنوں کو دیں مبارکباد ہم
قید ہوکر سب بلاؤں سے ہوئے آزاد ہم

اپنی بربادی سے کرتے ہیں جہاں کو شاد ہم
باغِ عالم میں ہیں مثلِ نکہتِ برباد ہم +

ضربِ شمشیرِ قضا سے کوئی بچنے کا نہیں
فائدہ کیا کیوں بنائیں قلعۂ فولاد ہم

تنگ ہیں قیدِ مکاں سے اب یہ لگا ہے خیال
چار دیوارِ عناصر کو کریں برباد ہم +

جمعہ اگر نہیں تو دوشنبہ کو آئیے
شبہہ عبث ہے آپکو سب دن خدا کے ہیں

اُسی کا دَیر میں جلوہ اُسیکا نور کعبہ میں
نزاعیں اس قدر ہیں کس لئے گبر و مسلماں میں

ساقی اسی سے رُکتے ہیں شمشیرِ غم کے وار
جامِ شراب سے کوئی بڑھکر سپر نہیں

خونِ ناحق کا ہمارے داغ مٹنے کا نہیں
تیغ میں ہوگا اگر قاتل کے داماں میں نہیں

کعبہ ہے ایک بتکدہ زاہد گلی گلی +
بت لاکھ رنگ میں ہیں خدا ایک رنگ میں

اندیشہ مجھ کو سختیٔ ایام سے نہیں +
رزّاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں

بیان کرتی ہے مستی میں رازِ یار وہ پرست
شراب شرع میں اسواسطے حلال نہیں

ٹھہرے آگے ترے یہ حوصلۂ حور نہیں
حور کیا اُسکے فرشتے کا بھی مقدور نہیں

فارغ جہاں میں رنج سے اہلِ قلم نہیں
ہرگز بغیر زخم زبانِ قلم نہیں

غربت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کچھ احتیاجِ بارشِ ابرِ کرم نہیں

ہو رہ کسیکا تا نہو دنیا میں تجھ کو رنج
رہزن بھی لوٹتے ہیں تو تنہا کو راہ میں

امیروں سے فقیروں میں زیادہ سوزِ الفت ہے
دوشالے میں کہاں وہ جسقدر گرمی ہے کمبل میں

ہوگیا دہشت سے ایسا بسملوں کا خون خشک
ایک بھی دھبا لہو کا تیغِ قاتل میں نہیں

معجزِ لب سے جلایا تمنے مردہ غیر کا
کیا ہماری لاش قابل ایک ٹھوکر کے نہیں

ہو اگر قاتل بھی سر پر ترکِ حق گوئی نہ کر
موت تیری جز خدا قبضے میں خنجر کے نہیں

بسر کی ابتدا و انتہائے عمر ماتم میں
محرم میں ہوئے پیدا قضا آئی محرم میں

زردار تم سا کوئی نہیں کائنات میں
دینارِ داغ ہمکو دئے ہیں زکات میں

حور ہر ایک خوبرو کو بکو چہ رنگ و بو
باغِ جناں ہے لکھنؤ جو ہے یہاں کہیں نہیں

خاک ہے سب جو دم نہیں شاہ گدا سے کم نہیں
طبل نہیں علم نہیں تاج نہیں نگیں نہیں

اُٹھ گئی ساری کچہری ہو چکا سب کا حساب
ڈھونڈتے ہی رہ گئے محشر میں ہم جلاد کو

اے طبیبو موت نے کھویا ہر اک آزار کو
کم نہیں دارالشفا سے گور مجھ بیمار کو

مدتوں کھائی ہیں ہمنے مسجدوں میں ٹھوکریں
ڈھونڈکر آخر نکالا خانۂ خمار کو

ربط ہے معشوق سے عاشق کو پیغام اجل
جب پلٹتا ہے جلا دیتا ہے شعلہ خار کو

زمانہ رنج دیتا ہے بقدرِ حالِ انساں کو
گدا کو فکرِ ناں اندیشۂ عالم ہے سلطاں کو

نہ اُٹھا اُس رُخِ روشن سے پردہ ہو چکا محشر
وہی شوقِ تماشا رہ گیا اہلِ تماشا کو

اب کیا کبھی ہوئی نہیں معشوق سے وفا
شیریں نے کیا سلوک کیا کوہکن کے ساتھ +

ایک کیا ایسے جو سو عالم خدا پیدا کرے
غیر ممکن ہے کہ تجسا دوسرا پیدا کرے

صبر کی لذت اگر طبعِ گدا پیدا کرے
خشک روٹی نانِ نعمت کا مزا پیدا کرے

نبض بیمار جو اے رشکِ مسیحا دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی +

ساقیا کم ظرفیاں تیری پسند آتی نہیں
ایک ساغر کیا کرے پی کر جو دریا نوش ہے

وہ کون ہیں جو دوست سے کرتے ہیں دشمنی
مجھ کو تو دشمنوں سے محبت پسند ہے

خالی ہمارے سامنے لایا ہے ظرفِ مے
ساقی کی طبع کتنی ظرافت پسند ہے

بوسے کے مانگنے سے خفا اسقدر نہ ہو
ایک بات ہے کہ مُنہ سے ہمارے نکل گئی

قاتل کی تیغِ تیز عجب کام کر گئی
بن کر دوا ہمارے گلے سے اُتر گئی

جاں بخشیٔ زمانہ ترے لب کا کام ہے
یہ نائب مسیح علیہ السلام ہے

دل مائلِ زیارتِ بیت الحرام ہے
اے ساکنانِ دیر ہمارا سلام ہے

مسجد کو کس کا قصد پئے قتلِ عام ہے
پیچھے صفوں سے خوف کے مارے امام ہے

کس کام کی نماز نہ ہو جس میں تیری یاد
سجدہ جو تیرے در کے سوا ہے حرام ہے

کاغذ تمام۔ کلک تمام اور ہم تمام
پر داستانِ شوق ابھی ناتمام ہے

زاہد تجھے ہے وقتِ عبادت جہاں کی فکر
ایسی نماز کو تو ہمارا سلام ہے

ناقبولِ خلق تھا ایسا بنا کافر جو میں +
جتنے ہندو تھے مری ضد سے مسلماں ہو گئے

گلوں کی سیر کو گلشن میں ہم گئے تھے اسیر
لپٹ لپٹ گئے کانٹے ہمارے داماں سے

کھینچ لایا ہے قفس تک ہمیں دانا پانی +
دیکھئے دانہ فلک بند کرے یا پانی +

عبرت کا ہے مقام زمانے کا انقلاب
تکیہ فقیر کا ہے لحد بادشاہ کی

چشم مردم سے یہاں چھپ کے جو کرتے ہیں گناہ
جانتے کیا نہیں اتنا کہ خدا ناظر ہے

خاصیت سیماب ہے عاشق میں تمہارے
کشتہ ہو جب تک اسے آرام کہاں ہے

بجا ہے ترک عبادت کرے جو صاحب زر
پڑھے نماز وہ کیا نشۂ شراب میں ہے

پھنسایا مفت دل نے کرکے الفت بیوفاؤں سے
معاذ اللہ کبھی تو آدمی اچھا بُرا سمجھے

لالے کے پھول اُگتے ہیں فصل بہار میں
ہر سال زندہ ہوگا جو اُسکا شہید ہے

اہل ریا کا ظاہر و باطن کہاں ہے ایک
دل میں صنم بغل میں کلام مجید ہے

تھک چکے ہیں پاؤں اُسکا آستانہ دور ہے
دن ہے کم منزل کڑی ہے اور جانا دور ہے

بے ہنر مسند نشیں اہل ہنر در در خراب
عقل انساں سے خدا کا کارخانہ دور ہے

نہ دوزخ کو سمجھتے ہیں نہ جنت کو ہم اے واعظ
فراق یار دوزخ ہے وصال یار جنت ہے

انتخاب دیوان دوم معروف بہ ریاض مصنف

کیا خوب ہو موت آئے جو سب سے مجھے پہلے
نازک سب یہ دل داغ عزیزاں نہ اُٹھے گا

بے مشقت نہیں ہوتی کوئی راحت حاصل
غرق دریا ہوا غوّاص تو گوہر پایا

چاہئے اور بھی اُو ترک کرم تھوڑا سا
تیرے زخمی میں ہے باقی ابھی دم تھوڑا سا

لاغری نے مجھے ہستی سے کیا ہے معدوم
اے اجل ڈھونڈتی پھرتی ہے کسے ہوش میں آ

حشر میں دوستوں سے دوست ملے
مرگ انبوہ جشن عام ہوا

داغ دل اپنا چھپانے سے عیاں اور ہوا
شمع خاموش جو کی بہنے دھواں اور ہوا

دل چاک چاک ابروے خمدار نے کیا
کعبے کو کربلا تری تلوار نے کیا

دست رنگیں سے خوں بہا میرا
یہی کافی ہے خوں بہا میرا

دل جلاکر رخ محبوب کا جلوہ دیکھا
ہمنے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

جو مال کے طالب ہیں کوئی ان سے یہ کہدے — آخرت ہوئی قاروں کیلئے زر کی محبت

عمر بھر تیرے گھر رہے صیاد — اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر

میخانۂ جہاں میں تھا بادۂ نشاط — پچتائے توبہ تیرے گنہ گار توڑ کر

غریب خانے میں آئے تو سرفراز کیا — خوشا نصیب قدم آپکے مرے سر پر

پھر وہی ہونگے قفس میں ترے نالے بلبل — چھاؤنی چار دن اس باغ میں چھالے بلبل

کیا قیامت ہیں تری او بت عیار آنکھیں — دو ہو عالم سے گیا جس سے ہوئیں چار آنکھیں

بری گناہ سے کیونکر جہاں میں ہو انساں — یہاں تو آکے فرشتے گناہ کرتے ہیں

خدا کا سجدہ جو رکھا ہے سنگ پر جائز — یہ اہل شرع بتوں سے بھی راہ کرتے ہیں

محفل کو اس نے آکے مرقع بنا دیا — بیکار جسم رہ گئے جانیں نکل گئیں +

جب تک ہیں گوش ہوش فسانہ سنیں ترا — جب تک رہے زبان تری گفتگو کریں

بدگماں عاشق مضطر سے اگر ہو پس مرگ — لاکے بھاری سالحد پر کوئی پتھر رکھ دو

بنا یا پری تمکو دیوانہ ہمکو — وہ طالع تمہارے یہ قسمت ہماری

زیست کہتے ہیں جسے ہے اضطراب — موت کہتے ہیں جسے آرام ہے

تمسے ہم ہوں یہ غیر ممکن ہے — ہمسے ہو جاؤ تم خدا نہ کرے

دلکو پکڑے ہوئے ہم سامنے آئے سو بار — تمنے اتنا نہ کہا حال تمہارا کیا ہے

مسیحا کو دیکھا دوا ہوگئی — اشاروں میں مجکو شفا ہوگئی

انتخاب از دیوان سوم وچہارم

گرمی کا شکر چاہیے اے اشتیاق دید — سوتے میں اسنے منہ سے ڈوپٹا الٹ دیا

خاکساری سے نہیں بہتر جہاں میں کیمیا — مل گئی جس کو یہ دولت کیمیا گر ہوگیا

دئے خدانے عوض ایک کے دس دس — کریم بانٹ کے زر صاحب خزانہ ہوا

تاب نظارۂ معشوق کہاں عاشق کو
غش نے موسیٰ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

بے حسی خوب تھی کچھ فکر زمانے کی نہ تھی
ہوش جاتے رہے جس دن سے مجھے ہوش ہوا

جو عاقل ہے اُٹھا دل سے تعلق دو جہاں کا
دم آیا یا نہ آیا کیا بھروسہ زندگانی کا

مستی میں ترنگ آگئی جب مست کو سیر
زاہد کا عمامہ سرِ بازار اُتارا

بت کدہ کی میں سیر کر آیا
واں خدا ہی خدا نظر آیا

ہوں وہ بسمل کہ ہوں مرے عاشق درد
دل بھر آیا جو زخم بھر آیا

مطلبِ دل بے طلب ہو جائیگا
جب خدا چاہے گا سب ہو جائیگا

مارا مرے سر صبحِ شبِ وصل بگڑ کر
مرجھائے ہوئے پھولوں کا جب ہار اُتارا

نجات دنیا کے مخمصوں سے ہمیں نہیں کوئی دینے والا
دراز عمرِ حسامِ قاتل جو آسرا ہے تو اُسکے دم کا

پیری میں تیز رنگِ ریاضِ سخن ہوا
آئی خزاں تو اور شگفتہ چمن ہوا

جاتے ہی کہدونگا میں مجرم ہوں تو ربِ کریم
سوچ رکھا ہے سوالِ روزِ محشر کا جواب

اُٹھنا انہیں منظور ہے پہلو سے ہمارے
حیلہ ہے کہ دیکھی نہیں جاتی تپشِ دل

کم ہو نہ ذرا بھر خدا اے تپشِ دل
ایسا نہ ہو ہاتھ اپنا وہ سینہ سے اُٹھا لیں

دھوم محشر میں ہوئی جب تری آمرزش کی
بیگنہ مل گئے چھپ چھپ کے گنہگاروں میں

نظر آتا ہے ترا چہرۂ زیبا کس کو
حسن بے پردہ ہے پر تابِ تماشا کس کو

زیست ہے مرگِ محبت میں مجھے مرگ ہے زیست
ملک الموت کہوں کسکو مسیحا کس کو

اب کہاں وہ لکھنؤ وہ ساکنانِ لکھنؤ
رہ گئی باقی زبان پر داستانِ لکھنؤ

ساغر ہمارے ہاتھ لبِ آب جو پیو
تنہا جو مے پیو تو ہمارا لہو پیو

کوئے قاتل کو جو چلتا ہوں تو سایہ ڈر کر
پوچھتا ہے لئے جاتے ہو کہاں تم مجھکو

پہلو میں وہ عیسےٰ ہے اجل سر پہ کھڑی ہے
کیا جان دمِ نزع کشاکش میں پڑی ہے

کچھ حالِ شبِ وصل و شبِ ہجر نہ پوچھو
جتنی کہ یہ چھوٹی ہے وہ اُتنی ہی بڑی ہے

اس لئے دامن سے میرے اشک پونچھے یار نے
تا تمنا میں اسی لذت کی یہ رویا کرے

جسکو کہتا ہے جہاں آگے خدا کا نام ہے
اے صنم وہ تیرے وعدہ کی وفا کا نام ہے

باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو
کیوں کر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

اے تیغِ جفا کمی نکرنا
سوگند تجھے مرے لہو کی

سارے علاج آکے اجل نے بھلا دئے
حکمت وہ کیا ہوئی کوئی پوچھے حکیم سے

کچھ تو الفت کی ترے کوچہ سے بو آتی ہے
گرد اُٹھ کر میرے دامن سے لپٹ جاتی ہے

آگیا ضعف ہی کچھ کام کہ تربت میں اسیر
ہوگئی ختم قیامت مرے اُٹھتے اُٹھتے

اسیر

(اسیر) مولوی علی احمد خاں - گو انکا اصل وطن بریلی ہے مگر بدایوں میں رہتے ہیں - اور حضرت مذاق کے شاگردوں میں ہیں - کلام حاضر ہے ؎

دیکھ کر خنجر جھکایا خود سرِ عجز و نیاز
رحم اس پر بھی نہ آیا قاتلِ خونخوار کو

ادائیں نہ کیوں چشم کی ہوں پسند
اُٹھاتے ہیں سب ناز بیمار کے

یہ دو دن کا ہے رنگ و بو باغباں
نہ تو پھول پھولوں پہ گلزار کے

اسیر

(اسیر) منشی محمد سمیع اللہ اسیر باشندہ میرٹھ شاگرد مولانا احمد حسین شوکت دور موجودہ کے شعرا میں ہیں ؎

کیا تیرِ نگہ نے صیدِ جاں کو
کماں کش ہاتھ سے رکھدے کماں کو

تری طرزِ جفا تھی اسمیں ورنہ
اُٹھاتا کون جورِ آسماں کو

مزا آتا ہے دردِ دل کو سنکر
وہ کہتے ہیں کہو پھر داستاں کو

پھنسے دامِ بلا میں تم اسیر آہ
نہ چھوڑیں گے وہ گیسو مرغِ جاں کو

اسیر

(اسیر) منشی سید سجاد میرزا مرحوم خلف الرشید فخر الشعرا مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر مدظلہ العالی - ایسے باکمال باپ کے فرزند ارجمند ہونے کے علاوہ خود ہر طرح ذی لیاقت اور صاحب ہنر تھے - علوم متعارفہ میں اچھی استعداد بہم پہونچائی تھی - شعر گوئی کی طرف کم توجہ تھی

لیکن جب احباب کے اصرار سے کبھی خیال آجاتا تو براق ذہن اور تیزیِ فکر سے ایسے ایسے دلنشیں مضامین نکالتے اور اسطرح فی البدیہہ اشعار کہتے کہ لوگ انہیں انکے عم نامدار سید امراؤ مرزا انور مرحوم کی زندہ مثال سمجھتے تھے۔ الغرض بڑے طباع اور ہونہار نوجوان تھے آپ ریاست جے پور میں تھانہ دار تھے۔ بوجہ تبدیلی مقام کھندیلہ میں متعین ہوئے وہاں پہونچتے ہی چند دشمنوں کی شرارت سے ایسا قضیۂ نامرضیہ پیش آیا جس نے آپ کو ۲۴ سال کے سن میں شربتِ شہادت پلاکر عزیز و اقارب خصوصاً اُنکے ضعیف العمر باپ حضرت ظہیر کو صدمۂ عظیم پہنچایا۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ یہ سانحۂ ہوشربا ۱۸۹۹ء میں واقع ہوا۔ کچھ کلام آپکے والد بزرگوار نے ارسال فرمایا وہ بطور یادگار درج تذکرہ کیا جاتا ہے چند متفرق غزلیں اور ایک مثنوی آپکی یادگار رہے ہیں

گرنہ باتوں میں عدو کے آئیے
آپ اور یوں بزم سے اُٹھوائیے

کیا کبھی منت کشِ ساقی نہ تھے
وعظ میں یہ تو ذرا فرمائیے

گر نہیں ہے آہ عاشق میں اثر
بیقراری کا سبب بتلائیے

بے تکلف لے چلیگا جذبِ شوق
سختیٔ منزل سے کیوں گھبرائیے

جان لیجیے یہ عنایت کیجئے
قتل کیجیے یہ کرم فرمائیے

سُن رہی ہیں لن ترانی طور کی
جلوۂ حیرت فزا دکھلائیے

ہے خماری مے دوشیں عیاں
آپ ہی دل میں ذرا شرمائیے

قتل کیجیے زندگی یاں موت ہے
کچھ مسیحائی بھی تو دکھلائیے

کہہ رہے ہیں منع ربطِ غیر پر
اپنے دل کو ہی ذرا سمجھائیے

اپنی باتوں سے ہوا پامالِ غیر
اِس دلِ ناداں کو کیا سمجھائیے

اشتیاق

(**اشتیاق**) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اصل وطن سرہند اور مجدد الف ثانی کی نسل سے تھے۔ دہلی کے قریب فیروز شاہ کے کوٹلے میں سکونت پذیر اور توکل پیشہ بزرگ تھے

یہ وہ عالم فاضل بزرگ تھے جنہوں نے اپنی تبحر اور قابلیت کا سکہ تمام علما کے دلوں پر بٹھا دیا تھا چنانچہ انکے تفصیلی حالات اکثر کتابوں میں مندرج ہیں ۔ شاہ صاحب کی ولادت آخر زمانہ اورنگ زیب ۱۱۱۴ھ میں واقع ہوئی شاہ آبرو اور خاں آرزو کا زمانہ دیکھا۔ ۱۱۷۶ھ بعہد عالمگیر ثانی انتقال فرمایا۔ بیرون ترکمان دروازہ دہلی مہندیوں میں دفن ہوئے اب تک ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ - ۱۱۵۹) صاحب تحفہ اثنا عشریہ اسی نام آور باپ کے بیٹے تھے۔ کبھی کبھی تفنناً ریختہ میں شعر بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ چند شعر تبرکاً درج کئے جاتے ہیں ؎

خیال دل کو ہے اُس گل سے آشنائی کا
نہیں حیا کو ہے دعوے جہاں رسائی کا

کہیں وہ کثرتِ عشاق سے گھمنڈ میں آ
ڈروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا

جہاں میں دل نہ لگانے کا لیوے پھر کوئی نام
بیاں کروں میں اگر تیری بے وفائی کا

نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی
غرور رہے جنہیں در کی ترے گدائی کا

جفائے یار سے ست اشتیاق پھیر کے منہ
خیال کیجو کہیں اور جبہ سائی کا

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکر اُسکے چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سُناتے ہیں
کچھ اِن کا دوش (تصور) نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگی
نہیں مہندی یہ تری تلووں سے ہے آگ لگی

اشرف

(**اشرف**) حافظ غلام اشرف نام ہے ۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ علم موسیقی میں کامل مہارت اور فن شعر میں عمدہ قابلیت رکھتے تھے۔ جنتر اور بین بجانے میں دستگاہ تمام اور خیال ۔ دھرپد گانے میں قدرتِ مالاکلام حاصل تھی۔ نواب محمد میر خاں ابن شاہ نظام الدین عرف شاہ جی جو ظاہر میں دنیادار اور باطن میں فقیر تھے ہمیشہ انکی صحبت کو غنیمت جانتے تھے۔ فن شعر میں قدرت اللہ خاں قاسم کے شاگرد تھے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ ۱۲۱۰ھ ہجری تک زندہ تھے کلام حاضر ہے ؎

غضب نئی شان میں تجھے دیکھا　　روز ہر آن میں تجھے دیکھا
تو نے تفسیر پڑھی حافظا پر　　اُسکی صورت کا بیاں ہو نہ سکا
حقیقت میں تجھکو جو ہم دیکھتے ہیں　　تو ذات و صفت کو ہم دیکھتے ہیں
ایک تجلی نے تو روشنی عالم کو دی　　آگے اب اندھیر ہے جلوہ گری در بھی
مطلب ہے لامکاں سے نہ کچھ کائنات سے　　مجکو تو مدعا ہے فقط تیری ذات سے

قطعہ

سن سن کے وہ رات میری زاری　　بولا یاں کون رو رہا ہے
جو شام سے لے کے آج اب تک　　سونے میں مرے خلل پڑا ہے
جلدی اب اِسے اُٹھاؤ یاں سے　　یہ گھر ہے نہ کارواں سرا ہے

خویشاں دوستاں و عزیزاں و ہمنشیں　　پرسش انہیں ہے زندگی مستعار کی
میں نے کل اُس جنگ جو سے یہ کہا　　آؤ جانے دو لڑائی ہو چکی
صاف میرے منہ پہ کہہ بیٹھا کہ اب　　واں سے فے ہو آشنائی ہو چکی
اک روز محفل اُس کی میں چرچا میں یہ کیا　　سب کی بنی پر اپنی نہ یاں اک ذرا بنی
سنتے ہی اُسکے کہنے لگا کیوں رے بے ادب　　کیا کہ رہا ہے چپکے ہی چپکے بنا بنی
آہ کب جاویں جو ہم اُس کو اکیلا پائیں　　رات دن رہتے ہیں واں لوگوں سے دالان بھرے
کیوں نہ ہم گھر کو بھریں حسرت و ارماں بھرے　　اُسکے دروازے پہ جب یوں رہیں دربان بھرے
ہم اسیروں کی خبر ہووے بھلا کیونکہ اُسے　　ایک ہی سیر ہیں جسنے کئی زندان بھرے

[illegible]

اشرف

(**اشرف**) شیخ اشرف علی نام - خلف شیخ مظہر علی ساکن مصطفےٰ آباد عرف کسمنڈی جو مضافات لکھنو سے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جناب اشرف کی عمر کا زیادہ حصہ بلکہ ساری عمر لکھنو میں گزری اگرچہ اِن کا دائرۂ علم زیادہ وسیع نہ تھا مگر ضروریات شعری کے لئے کافی تھا - نہایت اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے - کامل ۴۰ برس تک انکو منشی نولکشور کے مطبع سے تعلق رہا - نہایت خلیق اور باوضع آدمی تھے - کیا لباس وکیا طریق رہائش جملہ امور میں جیسا جوانی میں رنگ تھا ویسا ہی عہد

پیری بلکہ مرتے دم تک قائم رہا۔ جس سے جس قسم کی ملاقات تھی اُس سے ہمیشہ وہی ربط رہا۔ جس کام کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا اُسمیں کبھی فرق نہ آیا۔ اشرف نے تمام عمر شادی نہیں کی اور نہایت نیک نامی اور اتقا کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ نواب اصغر علیخاں صاحب نسیم دہلوی کے قدیم اور رشید شاگردوں میں سے تھے۔ ناسخ۔ آتش۔ خلیل۔ وزیر۔ صبا۔ رند۔ کی محفلوں میں شریک رہے مگر اپنے طرز کلام میں اساتذہ دہلی بالخصوص اپنے اُستاد کا تتبع کرتے رہے اور باوجود کشش ہموطنی و تعلقات روزمرہ طرز لکھنو کے اثر کو غالب نہ آنے دیا۔ اچھے اچھے مضامین پاک اور لطیف زبان میں بڑے سلیقے سے ادا کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ آپ کا کلام گو سارا ایک ہی رتبہ کا نہیں لیکن اکثر مشاہیر کے کلام سے لگا کھاتا ہے۔ اپنے اُستاد مرحوم سے ایسی عقیدت رکھتے تھے کہ فدائی کا رتبہ حاصل تھا۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم کے گہرے دوستوں میں تھے۔ ساٹھ برس تک ہم مشق و ہم صحبت رہے الغرض اساتذہ قدیم کی ایک قابل قدر یادگار تھے۔ غزل کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا چنانچہ مطبع نولکشور یا دیگر کتب مطبوعہ لکھنو میں عموماً آپکی تاریخ ہوتی تھی۔ اِن کے دو اُردو دیوان مکمل موجود ہیں۔ ۸۵ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۱ء میں بمقام لکھنو انتقال کیا ؎

جینا غم فراق نے دشوار کر دیا
پرہیز نے حضور کے بیمار کر دیا

جوشِ کرم سے بڑھ گئی امیدِ مغفرت
رحمت نے تیری مجھکو گنہگار کر دیا

اشرف مرے کلام کی رنگینیوں نے آج
دامن سخن کا دامنِ گلزار کر دیا ٭

فسونِ بے اثر سے خاک ہو تسکیں بلبل کی
قفس پر دم کیا صیاد نے فقرہ گلستاں کا

اسے فلک شیوہ نہ بدلے اُس ستم ایجاد کا
ہے ہمارے دل میں جب تک حوصلہ فریاد کا

ایک جا ممکن نہیں نازک مزاجی سے قرار
میں ہوں پروردہ کنارِ نکہتِ برباد کا

نعشِ عاشق شامیانے کی نہیں محتاج ہے
میری میت پہ ہے سایہ دامنِ فریاد کا

آسماں سے شکوۂ وابستگی بیکار ہے
بڑھ گیا اُس سے تعلق خاطرِ آزاد کا

بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دستِ وحشت نے
تبرک کی طرح گھر گھر بٹا ٹکڑا گریباں کا

سرگوشیاں رقیب کی تا شب گر گئیں — پہلو کچھ اور آج تری گفتگو میں تھا
ہاتھ اُسکے ٹوٹیں توڑے ہیں جسنے ظروفِ مے — سرمایۂ مری زیست کا ظرفِ سبو میں تھا
سنتے ہی میرا حال اُنہیں رحم آگیا — حرفِ فسوں کوئی سخنِ آرزو میں تھا
او بے وفا نہ حال شبِ انتظار پوچھ — مشتاقِ دید آنکھ تھی۔ دل جستجو میں تھا
سرِ شمع کا کٹا تو بڑھی اور روشنی — پنہاں فروغِ زیست جفائے عدو میں تھا
اشرف کرو جلائے وطن اختیار اب — جب تک کہ سلطنت تھی مزا لکھنؤ میں تھا

کیوں نہ ہو اشرف ہوا خواہِ نسیمِ دہلوی — ایک ہی شاعر نظر آیا ہمیں سودا کے بعد
ہوں گوارا نہ ستم جنکو وہ فریاد کریں — ہم فنا دوست ہیں کیوں شکوۂ بیداد کریں
مجھ تک آجائیں جو دعوئ مسیحائی ہے — کہہ دے کوئی کہ علاجِ دلِ ناشاد کریں
عمر گزری ہے قفس میں ہمیں کیا آئی بہار — کیوں رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

جواب تک بھی نہیں یارِ مہرباں منہ میں — یہ خامشی ہے کہ گویا نہیں زباں منہ میں
ادب سے شکوۂ قاتل زباں پہ لا نہ سکے — لبوں پہ زمزمۂ شکر الاماں منہ میں
رہے لحاظ کہ میں بھی زبان رکھتا ہوں — کہے بجا ہے جو آئے مہرباں منہ میں
نہ نکلی حسرتِ دل - طولِ عرضِ مطلب سے — تمام رات رہا دامنِ بیاں منہ میں
کچھ ایسی آپ کو بھائی ہے لذتِ انکار — نہیں کی جا کبھی آتا نہیں ہے ہاں منہ میں
بسانِ آسیا گردش ہے بخت کو ہر دم — پہنچنے دے گا نہ دانہ بھی آسماں منہ میں

بعد مردن بھی نہ تاثیرِ سیہ بختی گئی — تیرگی ہے کس قیامت کی سوادِ گور میں
دل کھنچا جاتا ہے از خود دیکھ لطفِ ماہتاب — ہے کوئی خلوت نشیں شاید حجابِ نور میں
دامنِ شب کو جلایا ہے آہِ آتشیں — آگیا جوشِ حرارت صبح کے کافور میں
وقتِ فکرِ شعر رکھ اشرف ذرا اسکا خیال — آنہ جائے فرق طرزِ مومنِ مغفور میں

اتنا ستائیے نہ محبت عذاب ہو — بگڑے کسی سے آپ کے مجھ پر عتاب ہو

کس کام کے ہو مہر و محبت اگر نہیں	مانا سپہر حسن کے تم آفتاب ہو

کیا مریضِ رنج الفت کا کوئی چارہ نہیں
اے مسیحا دم ہے کیوں پرہیز مجھ رنجور سے
مرے سر کی قسم کھاتے ہو لوگوں کو حسد ہوگا
مرے گا رشک سے دشمن قسم سے سم نکلتا ہے

کیا چاہئے ہے عاشق ناشاد کیلئے	پیدا ہوا ہے نالہ و فریاد کے لئے
عالم میں ہر جگہ ہیں مرے دم سے چہچہے	ہوں عندلیب گلشن ایجاد کے لئے
برگشتہ بخت وہ ہوں نہ پاؤں بہ مراد	گر آئیں خضر بھی مری امداد کے لئے
قاتل اُٹھائیں خوب دم قتل لذتیں	بوسے گلو نے خنجر فولاد کے لئے
مضموں نیا ۔ زمیں نئی ۔ طرز بھی نیا	اشرف یہ ہے نسیم سے اُستاد کیلئے

اشرف

(اشرف) عالیجناب نواب مظفر یار جنگ تلمیذ نواب مرزا خاں داغ ۔ حیدر آباد کے عمائد میں ہیں ۔ موزونی طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی شعر سخن کیطرف بھی توجہ فرماتے ہیں یہ کلام کا خلاصہ ہے

کہتے نہ تھے ہم شکوۂ بیداد نہ کرنا	لے لے دل مضطر وہ ہوئے تجھ سے خفا اور
سو تیلیں پکڑ بھی تو کہتا ہوں یہی میں	ساقی ترے قرباں ہوں تھوڑی سی پلا اور
کیا الٹی سمجھ ہے بت کافر کی الٰہی	سمجھائے اُسے کوئی تو ہوتا ہے خفا اور
شوخیٔ پائے حنائی یہ کہے دیتی ہے	روندھ کر لاشۂ مقتول کو تو آتا ہے

اشک

(اشک) حاجی مولوی ہادی علی اشک لکھنوی ۔ خلف شیخ حسین علی بجنوری شاگرد رشید فتح الدولہ برق لکھنوی ۔ فارسی کے بھی شاعر تھے آپ اپنے اُستاد کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے غدر کے بعد مطبع محمدی میں بطور مصحح کام کرتے رہے ۔ صنعت تاریخ گوئی مین اچھی مہارت تھی ۔ عربی کا خط نسخ نہایت عمدہ لکھتے تھے ۔ منشی نولکشور کے مطبع میں انکے ہاتھ کا قرآن مجید چھپا تھا جو نہایت خوشخط اور صحیح مانا جاتا ہے ۔ اکثر فارسی درسیہ کتابوں پر جو اس مطبع میں چھپیں ۔ حاشیہ اور شرح بھی آپ ہی لکھا کرتے تھے ۔ آپ کا اُردو دیوان شایع ہوچکا ہے ۱۲۹۸ھ میں انتقال فرمایا

ہمد سوں کشتہ ہوں میں تیغ نگاہِ یار کا	غسل میت کے لئے پانی ملے تلوار کا

پاؤں نے دامانِ صحرا کی اڑائیں دھجیاں	پرزے نالوں نے کیا دامن ہر اک کہسار کا
جیب و دامن نام کو باقی نہیں دستِ جنوں	اڑ گیا ہر تار میرے زخمِ دامن دار کا
ہجر کے صدمے سے کل جان نکل ہی جاتی	گر خیالِ لبِ جاں بخش نہ ہوتا دل میں
اشک آنکھوں میں کبھی آہ کبھی ہے لب پر	درد ہر وقت نئی طرح کا پایا دل میں
جنبشِ لب سے ترے کشتے نے جب جان پائی	دم بخود رہ گئے سن کے مسیحا دل میں
ذبح کیفیت بچھوڑے کہیں بسمل مجھکو	ہے یہ بیرحمیٔ صیاد سے کھٹکا دل میں
چوم لیتے دہنِ زخم سے شمشیرِ دو دم	مرتے دم تک رہی قاتل یہ تمنا دل میں

اشک

(**اشک**) - مولوی محمود رضا ابن مولوی احمد رضا رئیس بدایوں ۱۸۷۵ء سے عدالت بدایوں میں وکالت کرتے ہیں - تیز طبع اور ذہین آدمی ہیں - حضرت مذاق بدایونی مرحوم سے مشورۂ سخن لیتے تھے - کلام حاضر ہے

لب سوفار کو چومے زبانِ تیغ کو چوسے	تمنا ہے یہ سینے کی تقاضا ہے یہ گردن کا
جنوں سر پر بڑا احسان ہے عریانیٔ تن کا	نہ کاوش ہے گریباں کی نہ کچھ کھٹکا ہے داماں کا
وہ جو کہتا ہوئے مزا نہ ہوا	لطف کیا جب مقابلہ نہ ہوا
جانِ من تم رہو کلیجے میں	دل کا ہونا ہے کیا ہوا نہ ہوا
ہمنے اللہ کے کہنے سے تو چھوڑی نہ شراب	محتسب ہوش کی لے تیری حقیقت کیا ہے

اشک

(**اشک**) میر قطب الدین خلف سید علیم الدین عرف میاں میتا - ان کا خاندانی سلسلہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے - چند پشت سے انکے بزرگ قصبۂ جلیسر ضلع ایٹہ میں سکونت پذیر ہیں - مگر جناب اشک کے والد ماجد نے دہلی کی بود و باش اختیار کر لی تھی چنانچہ میر اشک یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی - ابتدائے عمر میں لکھنو جا کر اپنے ماموں میر عباس سے اوائل مشق سخن میں اصلاح لی - پھر دہلی آکر خاقانی ہند ذوق کے ارشد تلامذہ اور ظہیر سلمہ اللہ تعالے کے بھائی امراؤ مرزا انور مرحوم سے فیضِ سخن پایا - ان کی وفات

کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہوکر درجۂ اختصاص حاصل کیا۔ سالہا سال سفر و حضر میں انکے ساتھ رہے۔ چنانچہ ۱۲۹۹ ہجری میں جب حضرت داغ مرحوم کلکتے گئے تو یہ بھی ہمرکاب تھے اسکا اشارہ مثنوی فریاد داغ میں جناب داغ نے کیا ہے ؂

میرے ہمراہ میر قطب الدین	اشک ریزاں بحالت غمگیں

حیدر آباد دکن میں بھی کچھ دنوں اُستاد کی خدمت میں رہے۔ اپنے استاد کے فیض صحبت کے اثر سے اِن کی شعرگوئی کا یہ عالم تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ادھر کسی نے فرمایش کی اُدھر غزل تیار۔ اب بوجہ تقاضائے سن و ترددات زمانہ شعر و سخن کا مشغلہ بہت ہی کم رہ گیا ہے اسوقت ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب ہے۔ نہایت پسندیدہ اطوار مرنجان و مرنج حاضر جواب لطیفہ سنج۔ طباع اور زندہ دل بزرگ ہیں۔ اشعار میں مضمون کی شوخی۔ زبان کی صفائی قابل داد ہے۔ حضرت داغ کے فیض صحبت نے آپکے کلام میں اپنا رنگ خوب چڑھا دیا ہے۔ اُستاد بھی آپ کی طبیعت اور کلام کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کا شعر اکثر پڑھا کرتے اور تعریف کیا کرتے تھے ؂

تمہیں اور ہیں کون بہکانے والے	یہی آنے والے یہی جانے والے

حقیقت میں یہ مطلع کیا بلحاظ زبان کیا بحیثیت بندش کیا بخیال مضمون نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر کے کلام کا سرمایہ دیوان سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر انکی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے کبھی اُسکے شایع کرنے کا موقع نہ آنے دیا ورنہ اُردو نظم کے ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ہوتا۔ آپکو حضرت داغ کے تلامذہ میں درجۂ امتیاز حاصل ہے انتخاب کلام یہ ہے ملاحظہ ہو ؂

دشنام ہی بلا سے عوض بوسے کے ملے	ہو کچھ تو کاش مجھے بدلا سوال کا
فرقت سے یہ کھلا کہ ہوا غیرت ہلال	شاید زمانہ وصل میں آئے کمال کا
گہہ گریہ گاہ نالہ گہہ اضطراب دل	کیا پوچھتے ہو حال تم اس خستہ حال کا

کچھ میرے دل میں دردِ محبت جو کم ہوا
دل نے وہیں دُھائی دی یہ کیا ستم ہوا

روزِ فراق مجھ میں عدو میں یہ فرق ہے
جینا مجھے محال اُسے مرنا قسم ہوا

ہائے وہ مُڑ کر اُنکا دیکھنا وقتِ وداع
اور میرا یاس و حسرت کی نظر سے دیکھنا

موت آئی اجل کو بھی شبِ ہجر
کوئی آتا نظر نہیں آتا

کچھ جوانی سے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا
دو دغا بازوں کے قبضے میں ہے جوبن اُنکا

خوفِ رنجش نہ کچھ اندیشۂ بیداد آیا
لکھ دیا خط میں اُنہیں وقت یہ جو یاد آیا

اے موذن وصل کی شب میں تو میں چپ ہو رہا
حشر کو دوں گا ترے اللہ اکبر کا جواب

سرد ہوتا ہے ہماری چشمِ تر سے آفتاب
کانپتا ہے آہِ سوزاں کے اثر سے آفتاب

سجت تا گیا ہے مرے داغِ جگر سے آفتاب
کچھ حیا ہو تو نہ نکلے اپنے گھر سے آفتاب

کیا چھپے گا چھپ کے بیٹھے بھی کہیں وہ مہروش
ہو نمایاں رخنۂ دیوار و در سے آفتاب

تفتہ گانِ سوزِ الفت کوچۂ جاناں میں ہیں
دور بچ بچ کر چلے اُس رہگذر سے آفتاب

جس نے دیکھا شب کو وہ چہرہ یکایک یہ کہا
یا الٰہی یہ نکل آیا کہاں سے آفتاب

فیض تھا اُس روئے روشن کا کہ بزمِ م میں
شمع سے گل کیا جھڑے گویا کہ برسے آفتاب

ہاتھ میں ساغر لئے بیٹھا ہے وہ خورشید رو
کیا عجب ہے آسماں سے آج برسے آفتاب

گو قصیدے کی زمیں تھی اشک پر میری غزل
ہوگئی ہے داغ کے فیضِ نظر سے آفتاب

کہتے ہیں مجھ سے صفدر یہ جو تو مول لیں
دل ہے پسند دل کی نہیں آرزو پسند

خاکساری جو جھکانے سے لگاوے مجھکو
تو رہوں چین سے خاکِ درِ جاناں ہو کر

ادا کہتی ہے میں لوں ناز کہتا ہے کہ میں لے لوں
ابھی سودا نہیں دل کا خریداروں کی باتیں ہیں

وہ کریں مجھ سے ناز کی باتیں
ہیں یہ اُس بے نیاز کی باتیں

ملے وہ اس خوشی کو کیا کہوں میں
الٰہی اور ابھی جیتا رہوں میں

سوا میرے نہ ملنا دوسرے سے
مجھے تم جانتے ہو ایک ہوں میں

غضب ہے اختصارِ عرضِ مطلب
اگر ہو حکم تو آگے بڑھوں میں

الٰہی غیر پر افشا نہو راز
تجھے ظاہر ہے جو کچھ ہوں سو ہوں میں

جگر میں تیر کو خنجر کو میرے دل میں رہنے دو
مسافر کو ملے آرام جس منزل میں رہنے دو

ٹھکانے ڈالتے ہو سخت جانوں کیوں سرِ مقتل
خدا کے واسطے کچھ بازوئے قاتل میں رہنے دو

بھرے جاتے ہو ناحق شوق و ارماں تم زبردستی
جگہ کچھ حسرتوں کو بھی سینۂ بسمل میں رہنے دو

نباہے جاؤ اے ضبطِ فغاں و آہ روزِ غم
یہ طوفاں دونوں آنکھوں میں یہ دریا دل میں رہنے دو

ملے گا وہ تو قسمت سے مگر ہے دل لگی دل کی
اسے اُلجھا ہوا اس سعیِ بے حاصل میں رہنے دو

نکالو حسرت و امید و ارماں جتنے ہوں دل میں
فقط بغض و عداوت غیر کی اس دل میں رہنے دو

جو آدھا کُند ہو خنجر تو آدھا تیز و بُرّاں ہو
کچھ آسانی کی بھی صورت مری مشکل میں رہنے دو

عدو کو اور مجھکو عشق میں تم ایک گنتے ہو
مری جاں فرق کچھ تو ناقص و کامل میں رہنے دو

جو خوں آلودہ پیکاں ہے نکالو میرے سینے سے
جو خوں آلودہ حسرت ہو وہ میرے دل میں رہنے دو

محیطِ عشق کے دیکھے سے میری جان جاتی ہے
مجھے تم آشناؤ دامنِ ساحل میں رہنے دو

ہوا کھالیں کوئی دم اور بھی دنیا میں جنت کی
ہماری نعش دم بھر کوچۂ قاتل میں رہنے دو

دمِ عرضِ تمنا اُن کا کہنا اے ہنس ہنس کر
قیامت تک اُسے تم اشک اپنے دل میں رہنے دو

وہ کہتے ہیں مزہ کیا گر جو اِک بار مل جائے + تمنا اپنے دل کی کچھ کو کچھ دل میں رہنے دو +

ساتھ اُن کے نکل کر مری حسرت نہیں جاتی
وہ جاتے ہیں پھر یہ کسی صورت نہیں جاتی

بیتاب ہے نکلا ہے خلشِ خارِ محبت
کم بخت میری چھیڑ کی عادت نہیں جاتی

گھبراتے ہو کیوں بادہ کشی سے کہ جواں ہو
زاہد ابھی کچھ ہاتھ سے جنت نہیں جاتی

مانوس ہے وہ میرے سیہ خانہ سے ایسی
میں لاکھ نکالوں شبِ فرقت نہیں جاتی +

اُس کی محفل کی دیکھنا تہذیب
بات کا انتظام ہوتا ہے

دل کو نہ لگایا بتِ پرفن سے کسی نے
کچھ کی نہ وفا جان کے دشمن سے کسی نے

سینہ میں دلِ مردہ کو میں خاک پکاروں
آواز بھی دی ہے کہیں مدفن سے کسی نے

برباد مری خاک کبھی یون تو نہوتی ✣
نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے
طرفداری رقیبوں سے مرے ہربار کیسی ہے
ازل سے ہوتی آئی ہے ابد تک ہوتی جائیگی
پڑا شمشیرِ قاتل پر جو عکس ابروے قاتل کا
جو صورت ہمنے دیکھی ہے بتائیں کیا تمہیں ہونے
لگا رکھا تھا کیا ہمنے اِسی دن کے لئے تجکو
ہمارے خونِ دل میں ڈوب کر اُبھرا تو کیا اُبھرا
وہاں تک لے گیا مجکو نہ اُن کو تو یہاں بلایا
کھُلی ہمکو جنابِ اشک آصف جاہ کی شاہی

جھٹکا ہے مگر راہ میں دامن سے کسی نے
تجھے اے کافرِ ترسا فقط ترسانا آتا ہے
یہ جھوٹی حجتیں بے فائدہ تکرار کیسی ہے
یہ حسن و عشق کی تکرار بھی تکرار کیسی ہے
وہ خود حیراں ہوا تلوار میں تلوار کیسی ہے
بتائیں کیا تجلیٔ رخِ دلدار کیسی ہے
دغا یہ وقت پر اے بختِ ناہنجار کیسی ہے
نئی شوخی یہ ہمسے ناوکِ دلدار کیسی ہے
بتا اے آسمان یہ گردش بیکار کیسی ہے
ہوا معلوم عالیجاہ یہ سرکار کیسی ہے

اشک

(اشک) منشی ضیاء الدین نبیرہ مولوی کریم الدین مولف کریم اللغات وغیرہ باشندہ پانی پت سنہ ۱۸۹۳ء میں۔ ۲۲-۲۳۔ برس کی عمر میں بمقام لاہور انتقال کیا۔ بی۔ اے تک گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی تھی۔ طبیعت کی موزونی سے ایام طالب علمی ہی میں فکرِ سخن بھی کیا کرتے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

غیر کا سکہ دل پہ بیٹھ گیا
ہم رہے زندان میں اور گلشن میں

اُٹھ گیا میرا اعتبار افسوس
آ گیا موسمِ بہار افسوس

بہار آئی چمن میں شاید کلی جو گل کی چٹک رہی ہے
چھپا کے زلفوں میں اپنا چہرہ یہ دلربا مجھسے ہنس کے بولا

زمینِ بستاں گلوں کی خوشبو لئے جانفزا سے مہک رہی ہے
گھٹا یہ چھائی ہے کالی کالی اور اسمیں بجلی چمک رہی ہے

اشک

(اشک) مولوی سید علی عرف سید صاحب لکھنوی۔ مولوی سید اصطفےٰ خورشید لکھنوی مرحوم مالک گلدستۂ انتخاب کے شاگرد ہیں۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں موزوں طبع شاعر ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

چین سے واں رقیب رہتا ہے	آہ کچھ اپنی با اثر نہوئی
سب نے پائی مراد خاطر خواہ	اک دعا میری با اثر نہوئی
بولے وہ مُسکرا کے وصل کی رات	آفت جاں ہوئی سحر نہوئی
خاکساری تو کی بہت اُس نے	آبرو اشک کی مگر نہوئی

اشک

(اشک) ابوالخیر شیخ ضمیرالدین احمد خلف حاجی محمد برہان الدین احمد باشندہ بلند شہر۔ آپ ۲۰- جون ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری کا شوق ہوا۔ حضرت داغ مرحوم سے استفادہ کیا۔ اب نیچرل۔ اخلاقی مضامین کیطرف زیادہ توجہ ہے دیوان مرتب ہوگیا ہے ؎

آنکھیں اگر نہوتیں دنیا میں کچھ نہوتا	قرباں جائیں اُسکے جسنے بنائیں آنکھیں
دنیا کی لالٹینیں بجھ جائیں دم کے دم میں	روشن رہیں ہمیشہ ایسی لگائیں آنکھیں
شیشے کی بھی بنائیں پتھر کی بھی بنائیں	انسان سے بنائی لیکن نہ آئیں آنکھیں
بگڑی کو کیا بناتا کتال کیا حشر اتھا	جب روشنی نہ آئی تو کیا بنائیں آنکھیں
وہ بھی تو آدمی ہیں جو ہیں ہیں تنہیں میں	تسخیر کرلیا دل جس سے ملائیں آنکھیں
قدرت کی صنعتوں کو دیکھو خدا کے بندو	اک چھوڑ اُسنے دو دو مُنہ پہ لگائیں آنکھیں
اے اشک کیا سبب ہے کیا بھید ہے بتادے	جس وقت دل بھر آیا فوراً بھر آئیں آنکھیں

اشک

(اشک) مولوی محمد صادق اشک شاگرد حضرت امیر مینائی- دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ یہ ان کا کلام ہے ؎

اُن سے جب بیداد کا شکوہ کیا	بولے جا- جو کچھ کیا- اچھا کیا
کیوں خفا ہوتے ہو میں کہتا تو ہوں	تم نے جو وعدہ کیا پورا کیا
کھینچ کر نقشہ ترا نقاشِ دہر	خود بھی حیرت سے تجھے دیکھا کیا
مار ڈالیں گی ہمیں جُڑتی بھویں	قتل بردو نے ہی ایکا کیا

اشکی

(اشکی) مرزا غلام محی الدین عرف مرزا من خلف مرزا غلام حیدر نواسہ حضرت شاہ عالم-

میر نظام الدین ممنون اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے شاگرد تھے - پسندیدہ اطوار اور خوش مذاق بزرگ تھے - سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں چالیس سال کی عمر تھی - غالباً غدر میں انتقال کیا آپکے کلام میں ایک خاص لطف ہوتا تھا ملاحظہ ہو ؎

کب دل سے چھٹے عشق تری زلفِ دوتا کا
دام ازلی وہ یہ گرفتار سدا کا

کیا پاس کسیکا ہے کہ مرتا ہوں ولیکن
شکوہ نہیں کرتا شبِ ہجراں کی جفا کا

قسمت کو تو دیکھو کہ پھرا نامہ بر اُس دم
جس وقت مرے سر پہ تقاضا ہے قضا کا

آئے تو نہ دشمن کے خطر سے مرے گھر میں
اور مفت میں بدنام کیا نام حنا کا

سجدے میں گرے دیکھ کے تصویر بت اشکی
معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا

قبر میں بھی سوزِ غم تیر الگا کرتے گئے
داغ ہم سینہ کا سینے میں چھپا کرتے گئے

صبر تھا طاقت تھی دل تھا کیا ہمارے پاس تھا
ہوش باقی تھا سو کل وہ بھی تم آ کرتے گئے

حشر کو کیجئے گا کیا گو اب دمِ بسمل یہاں
دامن اپنا میرے خوں سے تم بچا کرتے گئے

گو رقیبوں سے حیا ہے پر ہمارا مدعا
وہ نگاہوں کا نگاہوں میں جتا کرتے گئے

اشہری

(**اشہری**) آپ کا سید امجد علی نام اور مولانا اشہری کے لقب سے مشہور ہیں - آپ کے والد ماجد میر احمد علیخاں صاحب ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے آپ کا نسبی سلسلہ امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے - آپکے مورث اعلیٰ جہانگیر کے وقت میں خطۂ ترمز واقع ایران سے وارد ہندوستان ہوئے - آپ سنہ ۱۲۶۵ ہجری میں پیدا ہوئے - عربی فارسی کی تعلیم پرانے طریقہ پر پائی ہے - فی زمانہ مولانا صاحب علوم مشرقی کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں - مضمون آفرینی اور نکتہ سنجی کا مادّہ شروع سے آپکی طبیعت میں تھا چنانچہ آغاز شباب ہی میں اُسکا ظہور بصورت نظم و نثر مختلف مضامین کی صورت میں ہونے لگا رسالہ زمانہ اور تیرہویں صدی آگرہ اخبار میں سید احمد خاں بہادر سے اکثر مناظرے رہے اور اُنمیں خوب خوب زور طبع دکھایا - آپکی نظم اکثر نصائح - اخلاق - اور علمی معلومات پر مبنی ہوتی

ہے - اور اسمیں شوخی ورنگینی کی نسبت سادگی اور بے تکلفی زیادہ پائی جاتی ہے - عاشقانہ غزلیں آپ نے بہت کم کہی ہیں آپکا طرز انشا پردازی نہایت مرغوب و موثر ہے - آپکے مضامین نہایت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۱۲۹۸ھ میں آپنے دبیر الملک نامی اخبار بھوپال سے جاری کیا تھا - نواب سکندر بیگم کے عہد میں آپ اس ریاست کے متوسل ہوئے - اور نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں آپکے مدارج میں برابر ترقی ہوتی رہی عہدہ ہاے نائب مرافعہ و میر منشی گری وغیرہ پر مامور رہے الغرض ۲۲ سال وہاں نہایت اطمینان سے بسر کیے - ۱۳۰۳ھ میں بزمانہ وزارت سرآسمان جاہ آپ حیدرآباد تشریف لے گئے - قطعہ کے صلہ میں پانچسو روپیہ انعام پایا - پھر دوسری مرتبہ نواب وقار الامرا کے زمانہ میں جانے کا اتفاق ہوا - بوعدۂ ملازمت ۵۰۰ عنایت ہوئے مگر چند ہی روز بعد اُس وزارت کا خاتمہ ہوگیا - آپ مذاق قدیم و جدید دونو قسم کی نظم لکھنے پر قادر ہیں - آپکی تصانیف میں کتب ذیل قابل ذکر ہیں - حدیقۂ شاہجہانی - گلدستۂ سلطانی - ترانۂ معرفت - ایشیائی شاعری - گلدستۂ اُردو - دیہیم خسروی - لغات الخواتین - مرقع تاجپوشی - حیات نورجہاں - تاریخ اُردو - آپکی طباعی اور ذہانت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا - باوجود ضعف طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ہے - ۱۹۰۳ء میں آپ لاہور میں دفتر پیسہ اخبار میں کام کرتے تھے پھر وطن تشریف لے گئے - اکثر مشہور اخباروں اور رسالوں میں آپکے مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں - راقم تذکرہ کے ملاقاتی ہیں - ہم عاشقانہ مضامین کے وہ چند اشعار بھی جو قدیم کلام سے مولانا نے مرحمت کیئے ہیں پیش کرتے ہیں - بھوپال کے متعلق ایک مسدس لکھا تھا اُسکے بھی چند بند زیب تذکرہ کیئے جاتے ہیں - تاکہ ہمارے شایقین واعظانہ اور عاشقانہ دونو قسم کے کلام کی لذت سے فیضیاب ہوں -

منتخب از مسدس در توصیفِ بھوپال

وہ قصر معلّٰے وہ اُسکی سجاوٹ	جنت کی وہ کونجیں مُعلّا چھپر کھٹ

وہ پنچین منقش وہ گھڑیوں کی کھٹ کھٹ
وہ پردوں کا ہلنا وہ انکی سجاوٹ

وہ لندن کے باجے وہ کوکیں سُریلی
وہ جرمن کی گھڑیاں روپہلی سنہری

وہ تالاب پر ماہرویوں کا جمگھٹ
وہ توڑے وہ جوڑے وہ چھینٹے وہ اوٹ

وہ ہندو مسلمانوں کا غول غٹ پٹ
وہ پانی کی موجیں وہ رنگیں پنگھٹ

وہ بالوں کی لہریں وہ اُنکی ادائیں
کہ جسطرح پانی میں کالے نہائیں

وہ موجوں میں بالوں کا اُنکے بکھرنا
وہ پانی میں غوطے لگا کر اُبھرنا

وہ جعدِ مسلسل میں کنگھی کا کرنا
کسیکا بگڑنا کسیکا سنورنا

نکل کر وہ پانی سے صورت دکھانا
سوا نیزے پر جیسے سورج کا آنا

رباعی

واحدے میں جمع کا طلبگار رہا
جو سرِّ عظیم تھا وہ اسرار ہوا

اک نور تھا اُسمیں جب ہوئی جمع صفت
بڑھتے بڑھتے وہ نور انوار ہوا

ہندوستان

پشمینہ سوت ریشم مشہور تھا یہاں کا
اب اُنکے بدلے باقی ہے تاجِر ہمارا

کمخاب سے یہاں کی سونا تھا ہمکو ملتا
سستا سمجھ کے لیتے سوداگراں ہمارا

کشمیر کے دوشالے دنیا میں فرد سمجھے
تھا صنعتوں کا شایق پہلے جہاں ہمارا

پتھر کی صنعتوں میں یہ ملک تھا نمونہ
ملتا کہیں کہیں[1] ہے پچھلا نشاں ہمارا

ہے زعفراں ہماری پھولوں سے بڑھکے اب بھی
فصلِ بہار دیکھے رنگِ خزاں ہمارا

کیا چیز ہے جہاں کی پیدا نہیں جو ہمیں
دنیا کا ہے خلاصہ ہندوستاں ہمارا

دریا یہاں ہیں بہتے ہم خشک لب ہیں بیٹھے
ریگِ رواں ہے ہمکو آبِ رواں ہمارا

گر صنعتیں یہاں کی پھر زندہ ہوں تو دیکھو
جی جائے پھر جہاں میں یہ نیم جاں ہمارا

کشتہ ہوئے تو کیا ہے پھر تم جلا لو ہمکو
مرنے سے بھی ہے آساں جینا یہاں ہمارا

اے اشہری جہاں میں ہم خاک ہو چکے ہیں
اکسیر اب بنائے کشتہ جہاں ہمارا

---

[1] دیکھو ایلورا۔ اجنتا اور الیفنٹا کے غار اور معابد

سنا فرہاد کو رکھ آئے سب گورِ غریباں میں
چلو پڑھ آئیں ابجد فاتحہ بیکس کے مدفن پر

کھنچا مرقع کونین آنکھ کے تل پر
مگر اُسی کی نہ صورت اُتر سکی دل پر

کہیں رقیبوں سے سوز مجکو کہیں حسینوں سے ساز میرا
ذرا سے چھیڑے سے بولتا ہوں میں اپنی آواز میں نہیں ہوں

نہ ہوں میں ظاہر نہ ہوں میں مظہر نہ شیخ ہوں میں نہ شاب میں ہوں
وہ دیکھیں محفل میں جب پلٹ کر تو حاضر اُنکی جناب میں ہوں

ہر اک کی خاطر ہوں دلمیں جیتا ہے سب کی راحت سے کام مجکو
کباب کا سا مزا ہے مجھ میں سرور جامِ شراب میں ہوں

جفا کریں تو کریں بیوفا وہ کرتے ہیں
جفا سے کوئی مرے ہم وفا سے مرتے ہیں

زبانی حال کچھ کہنا نہ میرا نامہ بر پہلے
مری جانب سے اُنکی پوچھ لینا تو خبر پہلے

وہی میں ہوں وہی تم ہو وہی راتیں وہی باتیں
مگر پاتا نہیں جو تھی عنایت کی نظر پہلے

غزل برطرح مشاعرہ راجہ گردھاری پرشاد باقی عرف راجہ بنسی

صدا کی طرح سے ہم آگئے ہر گدا کے چلے
نشان بن کے رہے آگئے بادشاہ کے چلے

نہ خود جلے نہ جلایا برنگ اخگر لعل
یہ روشنی ہی جدا تھی جسے دکھا کے چلے

تپِ دروں میں رہے رہ نورد ظلِ اللہ
سے جلے جو دھوپ میں تو سایہ میں خدا کے چلے

نہ کچھ گناہ کیا اور نہ زہد کا دعوے
نہ جھک کے بوجھ سے بیٹھے نہ سر اُٹھا کے چلے

ہماری ہستی ہے دمساز راز وحدت کی
کوئی سلانے کو آیا تھا ہم جگا کے چلے
(نصیر الدین طوسی)

حرم میں دیر کو بھولے نہ اشہری دم بھر
بتوں کو چھیڑتے ہم سامنے خدا کے چلے

زلف آنکھوں پہ نہیں ساقی کی بل کھائی ہوئی
ہے گھٹا مستوں کے سر پر ہر طرف چھائی ہوئی

جب کہا میں نے قسم تم بھی تو کھاؤ تو کہا
میں نہ جھوٹی کھاؤنگا اپنی قسم کھائی ہوئی

اشہری کہتے تھے ہم بھی کچھ مگر اب کیا کریں
وہ طبیعت ہی نہیں جو تھی کبھی آئی ہوئی

حمد

کلیدِ گنج حکمت رازِ عرفانِ الٰہی ہے
گدا کو اُسکے کوچے کے نویدِ بادشاہی ہے

ہر اک ذرہ کو اُسکے رتبۂ خورشید جاہی ہے
جہاں میں اُسکو شایاں منصبِ عالم پناہی ہے

یہ ہے منشور شاہی قل ہو اللہ احد اُس کا

بچلے توحید کا سکہ ازل سے تا ابد اُس کا

زمانے سے سنا ہمنے زمیں تیری زماں تیرا | فلک تیرے ملک تیرے بشر تیرے جہاں تیرا
سمک سے تا سماں اے صانع کون و مکاں تیرا | سریر عرش تیرا فرش تیرا لامکاں تیرا

ابد سے تا ازل تو ہے ازل سے تا ابد تو ہے
خدا یا سارے عالم میں احد تو ہے صمد تو ہے

رباعی
اللہ کا فضل ہے جو لکھوا تا ہے
گو نقطہ ہوں اشہری مگر وقت رقم
لاشے کو وہ شے سے بڑے دکھلاتا ہے
جس ہندسے سے ملوں وہ بڑھ جاتا ہے

رباعی
ہے آگ کو پانی میں بتایا ہمنے
پانی میں ہوا ہوا میں پانی دیکھو
پانی کو ہوا میں ہے بجھایا ہمنے
یہ معجزہ دنیا کو دکھایا ہمنے

اصغر
(**اصغر**) صاحبزادہ اصغر علیخاں ولد محمد عبد اللہ خاں ظریف رئیس رامپور صاحبزادہ مذکور الصدر حکیم مومن خاں دہلوی کے شاگرد رشید ۔ عاشقانہ مضامین کے دلدادہ تھے غدر سے پیشتر کئی برس تک دہلی میں مقیم رہے ۱۲۸۲ھ ہجری میں اڑتالیس برس کی عمر پاکر بمقام میرٹھ انتقال فرمایا انکے جنازہ کو دہلی لیجاکر ہمراہیوں نے درگاہ خواجہ باقی باللہ میں دفن کیا آپ کا منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

شکر جفا نے کام کیا لطف کا کہ اب
اس نازکی پر اس سے تو ہرگز نہ ٹوٹتا
وہ وہ دعائیں رشک سے کی ہیں کہ اے خدا
وہ کہیں گے کہ ستم اُٹھ نہ سکا
کیوں نہ گھبرا کر اُٹھے بالیں سے میرے وقت نزع
درد و غم کے سوا بھی سے اے اصغر

دشمن امیدوار ہے اُن کے عتاب کا
اصغر وفا کا عہد ہی ناپائدار تھا
توبہ ہے گر قبول کا دروازہ باز ہو
بعد مردن یہ مصیبت ہوگی
سچ ہے کب دیکھا کسیکو اُسنے مرجاتے ہوئے
کیا کہوں میرے دل میں کیا کیا ہے

اصغر
(**اصغر**) ظفر الدولہ معتبر الملک رفیع الامرا علی اصغر خاں بہادر ناصر جنگ خلف مولوی علی اکبر

شاگرد خواجہ آتش لکھنوی و داماد ظہیر الدولہ نواب غلام سبحے خاں وزیر محمد علی شاہ بادشاہ لکھنو۔ صاحب سخن الشعرا کا بیان ہے کہ نواب موصوف الصدر بہادر شاہ کے وزیر تھے۔ جس کی صداقت حافظ عبد الرحمن خاں احسان کے ایک قطعہ سے ہوتی ہے۔ عرصہ تک کلکتہ اور لکھنؤ میں مقیم رہے۔ اُردو۔ فارسی دونوں زبانوں میں شعر اچھا کہتے تھے۔ ۱۲۷۶ء میں انتقال کیا۔ مولوی عبد الغفور خاں نساخ انکے دوست نے "دو شنبہ ذیقعدہ ہے ہے" تاریخ انتقال کہی جس سے ۱۲۷۶ھ نکلتے ہیں۔ یہ اُنکا کلام ہے ؎

پتا نہ کوچۂ گیسو میں ہے نہ پہلو میں
تم ہی بتاؤ مجھے پھر کہاں ہے دل میرا

وہ رند ہوں مجھے دستِ سبو سے بیعت ہے
مرید حضرتِ پیرِ مغاں ہے دل میرا

خدا کو مان نصیحت سے باز آ ناصح
ابھی تو نام خدا نوجواں ہے دل میرا

ہوئے ہیں خوں کے پیاسے جو آشنا میرے
اُن ہی شفیقوں میں اک مہرباں ہے دل میرا

نہیں دیر و حرم سے کام ہم الفت کے بندے ہیں
وہی کعبہ ہے اپنا آرزو دل کی جہاں نکلے

جنوں انگیز پھر فصلِ بہارِ عاشقی آئی
دل سودا زدہ پھر رنگ لایا وائے سودائی

یہ کس پردہ نشیں نے جھانک کر شکل اپنی دکھلائی
بنی ہے روزنِ دیوار جو چشمِ تماشائی

نہ کھینچا ہاتھ تُرکِ چشم نے قتلِ غریباں سے
ہزاروں بار کھلنے کو پردے میں حیا آئی

دہانِ چشم نے کسکے کیا خاموش و نابینا
نہ غنچے میں ہے گویائی نہ نرگس میں ہے بینائی

بجا ہے اضطرابِ رُوح وقتِ نزع اے اصغر
کیا ہے یاد حاکم نے بلانے کو قضا آئی

اصغر

(اصغر) میر اصغر علی اصغر لکھنوی۔ مقیم کلکتہ شاگرد گلشن الدولہ بہار مصاحب واجد علیشاہ مرحوم۔ شعر گوئی کا بہت شوق تھا۔ مٹیا برج کلکتہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ کلام حاضر ہے ؎

سنائی جسنے مع چشمِ گلگوں
کھرا چھوما کیا سر شار تیرا

شرم آتی ہے کہ خالی ہاتھ کیا جاؤں وہاں
تحفۂ داغِ محبت دل پہ اصغر لے چلا

برسوں اسے سینے سے لگائے ہوئے رکھا	کھینچا نہ کلیجے سے ترا تیر کسی وقت
بزم میں مجمع حسینوں کا ہے یوں قاتل کے پاس	جسطرح تاروں کا جھرمٹ ہو مہ کامل کے پاس
بے یار گر پیوں تو میں اپنا لہو پیوں	ساقی اُٹھا کے پھینکدے جام شراب کو
ہم بھی تو دیکھ لیں کہ پری ہو کہ حور ہو	للہ اپنے مُنہ سے اُلٹ دو نقاب کو

اصغر

(**اصغر**) حافظ شیخ محمد اصغر علی اصغر - ان کے والد کنڈا اودہ تحصیل قیصر گنج کے تعلقدار ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

رگڑو ہے اے حور تیرے خنجر کے	گھونٹ ہیں مجھکو آب کوثر کے
سنگدل ہوں تو کیا عجب اُسکا	بُت سبنے ہیں تمام پتھر کے
سنگ مرمر ہو قبر کا تعویذ	جاں دی ہے بتوں پہ مرمر کے
ناز سے جب چلے ہو چار قدم	فتنے برپا ہوئے ہیں محشر کے

اصغر

(**اصغر**) منشی اصغر علیخاں عرف تسکین شاہ گیسو دراز - ابن محمد اسمٰعیل خاں مرحوم افغانوں کی قوم وندال سے ہیں - انکے پردادا اخوان آزاد نور خاں - نواب فیض اسدخاں مرحوم کے زمانے میں ملک سوات سے ریاست رام پور رُہیل کھنڈ میں آئے تھے - فن سخن میں امیر مینائی سے تلمذ ہے - شاعری کے ساتھ ساتھ تصوف کا شوق ہوا تو حضرت شاہ خلیل الرحمن چشتی ہانسوی کے مرید ہو کر اُن سے سند خلافت حاصل کی اور تسکین شاہ کا لقب پایا - اس لقب کے لحاظ سے کبھی کبھی اپنے کلام میں بجاے اصغر تسکین بھی لکھتے ہیں - رام پور ٹونک وغیرہ میں بہت لوگ آپ سے فیض یاب اور بیعت ہیں - جب سے اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا با مرمرشد تارک الدنیا ہو کر خانہ نشین ہو گئے - مجلس حال وقال اور سماع کے بہت شایق ہیں - اُردو - فارسی دونو زبانوں میں فکر سخن فرماتے ہیں - تبرکاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

کیوں پشیماں ہو بلا سے خوں میرا ہو گیا	تم ہنسو بولو اجی جو کچھ تھا ہونا ہو گیا

میں نہ کہتا تھا کہ باز آ سخت جاں کے قتل سے
آخر آیا بل کہ میری بات جھوٹا ہو گیا

بے نقاب ایک نظر بھی جو وہ چہرا دیکھا
اُٹھ گئے آنکھوں سے پردے وہ تماشا دیکھا

جب کہا مرتے ہیں بولے یہ نئی بات نہیں
بارہا مر گئے تم ہم نے جنازہ دیکھا

صورت کو تیری دیکھ کے کہتا ہے آئینہ
میری نگاہ میں تو کوئی نازنیں نہیں

مرنے کو میرے سن کے کہا بدگمان نے
کوئی کہا کرے مجھے ہرگز یقیں نہیں

آئینۂ زانو سے نظر کیوں وہ اُٹھائیں
تصویر ہے اِک پیش نظر دیکھ رہے ہیں

شرمیلی آنکھ کہتی ہے عاشق پہ رحم ہو
اور ناز کہہ رہا ہے کہ کچھ بھی خبر نہ ہو

مثل موسیٰ کے ہوں سب دیکھنے والے بیہوش
جلوہ اپنا جو سر بزم دکھائے کوئی

اللہ رے حیا عالمِ رویا میں بھی شب کو
آتے ہیں تو وہ مُنہ کو چھپائے مرے آگے

نفرت ہے یہ مجھ سے کہ وہ کہتے ہیں عدو سے
ذکر اسکا بدی سے بھی نہ آئے مرے آگے

ہائے ہم نے جان دی جنکے لئے
سوگ میں بیٹھے نہ دو دن کے لئے

ہائے وہ روندیں ہماری خاک کو
خاک میں ہم مل گئے جن کے لئے

لے رہے ہیں شیخ جی انگڑائیاں
ساقیا لا جام مے ان کے لئے

کسی زلف کا دل میں آیا خیال
کہ شیشے میں کوئی پری آگئی +

کیوں نہ قرباں ہو غم اک جاں سے
جان پیاری نہیں ہے جاناں سے

ہاں کہے جا یہ حال اے قاصد
جان آتی ہے ذکرِ جاناں سے

حسن کے رعب نے تو اے ستم
بات کرنے ہی دی نہ جاناں سے

کیا ہی دلچسپ ہے عدم آباد
جو گیا پھر نہ وہ پھرا واں سے

پھینک کر خنجر مرے سینے سے قاتل اُٹھ گیا
سخت جانی کی بدولت کیا پشیمانی ہوئی

رازِ الفت دل سے بھی کہکر پشیمانی ہوئی
بات اپنے مُنہ سے نکلی اور بیگانی ہوئی

ان کو سکتہ اسطرف آئینہ ششدر اُسطرف
ایک پیاری شکل پر دونو کو حیرانی ہوئی

جان ہی دیدی بتوں پر تونے اصغر کیا کیا	سوچ تو مرد خدا یہ کیسی نادانی ہوئی

اصغر

(اصغر) منشی اصغر حسین اصغر۔ مقیم گونڈہ۔ نوجوان نومشق شاعر ہیں۔ رسالہ فتنہ میں کچھ کلام نظر سے گزرا۔ چند اشعار منتخب ہوکر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

ابر اُٹھا ہے ترشح ہے گھٹا چھائی ہے	ہجو مئے کرتا ہے زاہد کوئی سودائی ہے
آپکے چاہنے والے تو مرے جاتے ہیں	اُسپہ پھر آپ کو دعوائے مسیحائی ہے
باغ ہے نہر ہے حوریں ہیں مئے کوثر ہے	واعظو مان گئے کیا سخن آرائی ہے
عہد توڑے دل عشاق بھی توڑے اُسنے	اس نزاکت پہ بھی اس درجہ توانائی ہے

اصغر

(اصغر) کنور سید محمد اصغر علیخان۔ پنڈاول ضلع بلند شہر کے مشہور و ناموَر خاندان کے ایک رکن اور ایک موزوں طبع نوجوان سخنور ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

جو لڑکپن ہی میں سو حشر بپا کرتے ہیں	دیکھنا یہ ہے جواں ہوکے وہ کیا کرتے ہیں
کوئی بیخود نظر آتا ہے تو کوئی بدمست	جس طرف وہ نگہ ہوش رُبا کرتے ہیں
آپ اور قتل کریں غیر کو ممکن ہی نہیں	کرنیوالے بھی کہیں منہ سے کہا کرتے ہیں
چھوڑئے ظلم و ستم دیکھئے میں مرتا ہوں	جان بلب پر کہیں بیداد کیا کرتے ہیں
آپ کیا کہتے ہیں دل مجھپہ تصدق کیجئے	دل تو کیا چیز ہے ہم جان فدا کرتے ہیں

اصغر

(اصغر) منشی محمد فیاض احمد فاروقی باشندہ جھنجانہ ضلع مظفر نگر۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ انکے والد بھی شاعر ہیں اور اسحاق تخلص کرتے ہیں۔ کلام سے جو درج ذیل ہے آپکی خوش فکری ظاہر ہے ؎

قیامت میں دھرا کیا ہے قیامت کسکو کہتے ہیں	ترے کوچے میں کیا ایسا تماشہ ہو نہیں سکتا
وہ پارسا ہیں مرے میکدے میں اے زاہد	نکالدیتے ہیں اُسکو جو بے وضو آئے
وہ مست ہیں کہ جو مسجد میں آئے بہر نماز	تو لے کے ہاتھوں میں ہم ساغر و سبو آئے
وہ کہتے ہیں کہ چلا آئے بزم میں اصغر	مگر نہ ساتھ کوئی لے کے آرزو آئے

سیکھ لی نرگس نے حیرانی مری	لے گئی سنبل پریشانی مری
میری حیرانی سے خود حیران ہے وہ	کھینچتا تصویر کیا مانی مری
ہم سے وہ صبحِ شبِ وصل جدا ہوتا ہے	وقت سے پہلے ہی آج حشر بپا ہوتا ہے
ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانیں یہ باتیں اصغر	کیا خبر ان کو کہ کیا عہدِ وفا ہوتا ہے

اطہر

(اطہر) سید احمد علی نام ۲۰-۲۸ برس کے نوجوان ہیں۔ کانپور میں رہتے ہیں۔ انعام مرحوم ملقب بہ محقق کانپوری کے شاگرد ہیں۔ شعر و سخن سے بے حد اُنس ہے۔ اور دوسرے شہروں کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ کثرتِ شوق سے اپنے شہر میں ابھی سے کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ شعر بھی خاصا کہتے ہیں۔ استعداد علمی بھی ہے الفاظ کی تلاش اچھی ہے۔ بہرحال اگر مشقِ سخن اسی طرح جاری رہے تو اچھا کہنے لگیں گے۔ انتخاب اشعار ملاحظہ ہو ؎

کی اِک نگاہِ یاس جو مژگانِ یار پر	سو برچھیاں لگیں دلِ امیدوار پر
تیری ہوائے شوق میں پھر بھی نہ اُڑ سکی	پیسہ اگر ہے ہزار اگر سو ہزار پر
کھڑا چنوا دیا در میں بُت سے سازش کے شبہے میں	مرا سر جب کہ دیکھا اُس پری نے پائے درباں پر
دکھاؤں داغِ دل تو گالیاں دیں کیوں نہ وہ مجھکو	جری انعام پایا کرتے ہیں کارِ نمایاں پر
ملک سے ہیں کہیں اعلیٰ فلک پر گو نہیں رہتے	پری سے بڑھ گئے ہیں رکھتے نہیں ہر چند انساں پر
آزاد ہوں نہ حلقۂ زلفِ دوتا سے ہم	محفوظ اس حصار میں ہیں ہر بلا سے ہم
ہیں کامران زبان و لبِ دلربا سے ہم	مُنہ مانگی پا رہے ہیں مرادیں خدا سے ہم
ہر بات پر خدا سے کہو کہتے تھے تو	روزِ جزا ہے اب کہو کہدیں خدا سے ہم
جھگڑا چکا دیا طلبِ بار بار کا	ساقی نے میرے زہر ملا کر شراب میں
اے صنم دل میں بھی لازم ہے برائی نہ رہے	تجھکو خالق نے عطا کی ہے جو صورت اچھی

اطہر

(اطہر) منشی غلام مصطفےٰ خاں خلف منشی اعتبار خاں۔ جلگاؤں ضلع خاندیس کے رہنے والے

سنہ ۱۸۷۵ء سالِ ولادت ہے - اوائلِ شباب ہی میں فارسی کی درسیہ کتب ختم کرکے شاعری کی طرف توجہ کی کئی برس تک بطور خود کہتے رہے اور نعتیہ کلام رسالوں میں بھی شائع کراتے رہے - اب سنہ ۱۸۹۷ء سے مرزا سید محمد باقر صاحب حمید برادر حضرت تعشق مرحوم سے اصلاح لیتے ہیں - کثرت مشق کا یہ عالم ہے کہ چند ہی سال میں خاصہ ذخیرۂ کلام فراہم کر لیا ہے مگر ابھی کلام میں پختگی نہیں آئی ہے سلام بھی اکثر کہتے ہیں - جو کلام ارسال کیا اُسکا یہ لب لباب ہے ہ

اک پیالہ بادۂ گلفام کا قفس کے مرغ دل نکل سکتا نہیں کھڑے ہیں طالبِ دیدار آکر دل بیتاب عاشق کو وہ آکر بانا کہ منا اُس بتِ کافر کا سہل ہے	ساقیا دے دے خدا کے نام کا حلقۂ گیسو ہے حلقہ دام کا خدارا دیکھ لو پردہ اُٹھا کر تسلی دے گئے باتیں بنا کر تقدیر ہی میں جب نہ ہو کیا کرے کوئی
جو سیر باغ کو وہ رشکِ آفتاب چلے شراب پینے کو میخانے کی طرف ساقی	نسیم صبح وہیں تھام کر رکاب چلے بچا کے آنکھ زمانے کی شیخ و شاب چلے
قاتل نہیں ہے تجھسے ذرا بھی ہمیں گلہ شب وصل وہ ایسے روٹھے کہ بس	باعث ہماری قتل کا تیری ادا ہوئی کٹی رات ساری مناتے ہوئے

اطہر

(اطہر) سید معشوق حسین - قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں - عربی فارسی میں خاصی استعداد رکھتے ہیں شعر کا مذاق سن طفولیت ہی سے تھا - چودہ پندرہ برس کی عمر میں طبع موزوں کی مدد سے شعر کہنے لگے - شوخ طبع نوجوان ہیں - کئی سال تک جناب ناظر سے مشورہ لیتے رہے بعد میں جب خیال کی بلند پروازی بڑھی تو حضرت جلال کو اپنی استادی کے لئے انتخاب کیا - اور تھوڑے ہی عرصے کی مشق میں اچھی دستگاہ بہم پہونچائی - آپکے اشعار میں معاملہ بندی کا لطف خوب ہے - اور آپکی لہک کر پڑھنے کی طرز اس تاثیر کو دو بالا کر دیتی ہے - کچھ دنوں عبلۂ معلمی آپ کو میرٹھ میں رہنے اور وہاں کی مجالس مشاعرہ میں حصہ لینے کا اتفاق ہوا ہے

اب دو تین سال سے بریلی میں سکونت پذیر ہیں انتخاب کلام یہ ہے ؎

سب کچھ مجھے منظور ہے اے حضرتِ واعظ
ہاں ترک مگر عشقِ بتاں ہو نہیں سکتا

لگی ہے لو کسی کی اب تو ہر دم
خیالِ تمعرو سے ادیں ہوں

ہچکیاں آکے مر جائے عدو
یاد کیوں بار بار کرتے ہو

آج وعدہ ہے کس سے ملنے کا
کس لئے یہ سنگار کرتے ہو

یہ رگ رگ کے چلنا دم ذبح کیسا
یہ اسے تیغ جلاد کیا ہو رہا ہے

اے شیخ میکدہ سے سواری بڑھائیے
جھگڑے نکالئے نہ حرام و حلال کے

زاہد شراب پی بھی لے آیا ہے گھر کے ابر
دریا میں جوش زن کرمِ ذوالجلال کے

نام لکھ لکھ کے مٹانے سے مرا کیا حاصل
میری تقدیر کے لکھے کو مٹائے کوئی

(**اطہر**) سید اعظم اللہ رئیس و جاگیردار ریاستِ حیدرآباد دکن مولانا بیدل سے تلمذ ہے ؎

محبت میں ہوا برباد آخر
مرا کہنا نہ کچھ تو نے سنا دل

آج کرم مجھ پہ ہے کل ہے کرم غیر پر
روز نیا انقلاب دیکھئے کب تک رہے

توبہ میری دیکھئے نبھتی ہے کس وقت تک
ترک شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے

برے وقت کا کوئی کب آشنا ہے
زمانہ ادھر ہے جدھر کی ہوا ہے

قتل کرنے کو مرے تلوار کی حاجت نہیں
تیغ سے کچھ کم نہیں ہے جو ادا قاتل میں ہے

(**اظفری**) مرزا محمد ظہیر الدین علی بخش اظفری گورگانی عرف مرزا کلاں ۔ مدراس اور کلکتہ میں بھی کچھ دنوں رہے تھے پھر دہلی واپس آگئے ۱۲۱۵ھ میں حیات تھے زوالِ سلطنت شاہ عالم ثانی سے اپنے وقت تک کے حالات واقعات اظفری نامی سوانح عمری میں درج کئے تھے صاحب دیوان ریختہ گزرے ہیں واقعات اظفری اور دیوان اظفری کے قلمی نسخے سر ہنری الیٹ مرحوم مورخ ہندوستان و سکتر اعظم ہند کے کتب خانہ میں تھے یا اب ولایت کے شاہی میوزیم میں موجود ہیں یہ انکا کلام ہے ؎

اطہر

اظفری

گئے دن ہیں کہ یار نے مجھ سے	ربط بار دگر کیا پیدا
شکر اللہ آہ نے میری	اظفری کچھ اثر کیا پیدا
تیرے حسن و صفا کو جو دیکھا	آرسی اس میں لاجواب ہوئی

اظہر

(اظہر) مولوی کرامت علی اظہر ولد شیخ امانت علی باشندۂ شیخ پور نواح فرخ آباد مقیم لکھنؤ شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی مرحوم - تاریخ گوئی میں بے نظیر تھے مرزا محتشم بخت کی تہنیت ولادت میں جو قصیدۂ فارسی لکھا تھا اُس میں عجیب عجیب صنعتیں رکھی تھیں یعنی ہر مصرع سے متعدد تاریخیں نکلتی تھیں - اُردو کا کلام حاضر ہے ؎

دکھا کے دستِ حنائی نہ خوں بہا دل کا	کہ اور رنگ سے لوں گا میں خوں بہا دل کا
بہار تجکو دکھائیں گے ہم بھی لے گلرو	کسی روش سے جو غنچہ کبھی کھلا دل کا
بہشت پہنچے ہے کب زاہد اُسکی وسعت کو	عجب روش کا ہے یہ باغ دل کشا دل کا
تاثیر حاضرات رکھے ہے چراغ دل	اپنا یہ از نگین سلیماں ہے داغ دل
اے حور آکے دیکھ گلِ داغ کی بہار	دلچسپ ہے یہ باغ ارم سے بھی باغ دل
تیری بلا سے مرے یا جیئے کوئی بیدرد	تو تجھکو درد ہو جانے پرائے تو دل کی

اظہر

(اظہر) مولوی میر اظہر علی مودودی - سہسوان ضلع مراد آباد کے قدیم باشندے اور اب ایک عرصہ سے ریاست بڑودہ میں سکونت پذیر ہیں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے اُنکے والد میر مظہر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں - اب انکی عمر ۳۲ برس کی ہے یہ کلام ہے ؎

عشاق میں خم ابروے خمدار کے آگے	رہتی ہیں جھکی گردنیں تلوار کے آگے
پی کر تو نہیں آئے ہو کچھ خیر ہے واعظ	ہجو مئے ناب اظہر میخوار کے آگے

اعجاز

(اعجاز) شیخ منشی محمد عبد العزیز معروف بہ اعجاز رقم - ابن محمد صالح ساکن سہسوان ضلع بدایوں ان کا تاریخی نام آغا میر ہے جس سے ۱۲۵۸ھ نکلتے ہیں - ایام طفولیت میں اپنے والدین کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - فن سخن کی تحصیل اول مولوی الٰہی بخش ناز سے اور

پھر اسیر لکھنوی سے کی اخیر میں امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل کیا - اب کہتے کہتے مشاقی ہو گئی ہے - خط نستعلیق میں منشی کالکا پرشاد موجد سے اصلاح لی ہے - ۱۸۵۷ء میں ریاست بھوپال میں تعلق پیدا کیا - فارسی میں مولانا عباس رفعت کے شاگرد ہیں - ۱۲ برس بھوپال میں ملازمت کر کے گوالیار چلے آئے ۱۲ سال وہاں رہے اب چند سال سے پھر بمقام بھوپال نواب یسین محمد خان کی سرکار میں ملازم ہیں - تاریخ عمدہ اور بہت جلد کہتے ہیں - خوشنویسی میں بھی ید طولےٰ حاصل ہے یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

کچھ ایسا رنگ یاں اچھلا لب جان بخش جاناں پر	ہزاروں حرف بدرنگی کھچے لعل بدخشاں پر
نگاہیں بر سر کاوش ادائیں در پئے ایذا	جفائیں ہو رہی ہیں بیطرح جان پریشاں پر
رواں ہے چشم گوہر سے لہو پر یہ تماشا ہے	ہنسی تلوار کو آتی ہے میرے زخم خنداں پر
بلا آئی وبال آئے غضب آئے جہاں آئے	نہ آئے پر نہ آئے دل کسی انساں کا انساں پر
لہو چھپکا نہیں پڑتا شہیدان محبت کا	کہ رنگ خون بلبل آ جنکے گل کے داماں پر
ہوائے قتل میں بدلی ہوئی صورت نظر آتی ہے	لگا لائی کہاں سے یار کی شمشیر براں پر
کیا ہے بیخودی نے بیک وبد سے بیخبر ایسا	کہ شکوہ دوست کا کرتا ہوں میں جاجا کے دشمن سے
کہاں تھا اس بلا کا سم قاتل کالی ناگوں میں	اڑا آیا ہے یہ بس اڑتی ہوئی زلفوں کی ناگن سے
تصور بازی کا لپکا عمر بھر باقی رہا دل کو	بتوں کے عشق کا رکھتے تھے ہم چسکا لڑکپن سے
جگر مجروح ہے تیغ نگاہ ونازِ جاناں کا	مرے زخموں کے ٹانکے چاہئیں خارِ گل کے سوزن سے

اعجاز

(**اعجاز**) منشی الٰہی بخش اعجاز لکھنوی زمانہ حال کے شعرا میں ہیں مگر اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کو حضرت امیر کے بڑے صاحبزادے جناب حکیم مرحوم سے تلمذ تھا - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

حسن والفت کا ازل سے ہے بہم سوز و گداز	شمع و پروانہ کو اک ساتھ ہے جلتے دیکھا
بتوں کے عشق میں فرصت مجھے ملی نہ ملی	میں سے کعبے بھیجدوں ایمان ارمغاں کیطرح

امید تجھسے ہے اے شرمِ معصیت مجھکو
بنا دے رحمتِ پروردگار کے قابل

ہو محویت یہ عشقِ بتِ خوش جمال میں
باقی نہ امتیاز ہو ہجر و وصال میں

اپنا ہی یہ جگر ہے کہ دل تمکو دے دیا
پھر اُسپہ ضبط یہ کہ ستم کا گلہ نہیں

لہو کا میرے اخفا اور پھر روزِ قیامت ہو
جو تو منکر ترے تلوار انگشتِ شہادت ہو

ہم ایسی دل لگی سے باز آئے
کہ دم بھر ہنس کے رونا عمر بھر ہو

گریہ ہوس ہے وعدے کو ایفا کرے کوئی
عمرِ خضر کی پہلے تمنا کرے کوئی

دل میں سماگئی ہے ہمارے ادائے حسن
کچھ غم نہیں کہ آنکھ سے پردہ کرے کوئی

خوں گشتہ دل کا راز چھپایا بہت مگر
آنسو ٹپک پڑیں تو اِسے کیا کرے کوئی

یہ چشمِ حق نگر کیا جانے کس جلوہ کی ہے خواہاں
میں بتخانہ میں ہوں لیکن خدا جانے کہاں دل ہے

اے جنوں آبلۂ پا کو بچائے کہ کبھی +
پیاس کانٹوں کی بجھے گی اسی پیمانے سے

جو فنا فی العشق ہے یکساں ہے اُسکو مرگ و زیست
زندگی پر کیوں خوشی ہو موت کا کیوں غم ہے

اعجاز

(اعجاز) منشی عبد الحئی خلف منشی محمد وارث ڈپٹی کلکٹر جبل پور ملک متوسط کے رئیسوں میں ہیں کلام سے شوخ طبع اور ذہین معلوم ہوتے ہیں۔ معاملہ گوئی کی طرف توجہ ہے۔ زبان اور تلاش بھی اچھی ہے۔ گلدستوں میں اکثر کلام شایع کراتے رہتے ہیں یہ آپکا طبع زاد کلام ہے

جو تیر ادا کا ترے بسمل نہیں ہوتا
کچھ لطف اُسے زیست کا حاصل نہیں ہوتا

کرو اعجاز دل اپنا تصدق
اشارہ ہے یہ چشمِ سرگیں کا

بوسہ کے دینے میں جو ہے انکار آپ کو
دل بھی ہمارے پاس پھر اے نازنیں نہیں

جاتے ہوئے رقیب کے گھر وہ یہ کہہ گئے
بیٹھے رہو تم اپنا مقدر لئے ہوئے

واعظ تمکو مبارک ہو تمہاری جنت
بڑھ کے فردوس سے ہے کوچۂ دلدار مجھے

اعجاز

(اعجاز) منشی عبد القادر اعجاز چشتی صابری باشندہ بھڑوچ شاگرد حسان الہند نواب رضوان علیخاں مرادآبادی۔ نعتیہ کلام کیطرف زیادہ رغبت ہے۔ غزلوں کے چند اشعار

منتخب ہوکر درج کیئے جاتے ہیں ۵

رنگ گل کا دہن سے ہے غنچہ کا	آنکھ نرگس کی قد صنوبر کا
نزول ابر رحمت حشر تک ہو	الٰہی مرقد پیر مغاں پر
کشتۂ ناز کو ٹھوکروہ لگائیں کیونکر	مارنا ہے جسے اُسکو وہ جلائیں کیونکر
لب جاں بخش کا اعجاز کو اعجاز دکھلاؤ	جلا دو اسکو تم کہکر جو تم رشک مسیحا ہو
پند ناصح طنز زاہد سے ابھی ہوتا ہے کیا	اچھی صورت پر تو لاکھوں میں طبیعت آئیگی
داغ دل داغ جگر میں جو چمک ہوتی ہے	مہ و خورشید میں کب ایسی جھلک ہوتی ہے

اعجاز

(**اعجاز**) مرزا اعجاز حسین صاحب بی اے دہلوی - خلف الرشید مرزا سرفراز حسین صاحب آپکے بزرگوں کا وطن دہلی ہے مگر آپکے والد ماجد نے غدر میں وطن کو خیرباد کہا اور بسلسلۂ ملازمت پنجاب کے مختلف اضلاع میں سکونت گزیں رہے - دہلی کے نامور اساتذہ کے روشناس اور بعض معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک رہ چکے ہیں - مرزا صاحب کو مذاق سخن بطور ورثہ ان سے ملا ہے - آپنے ۱۲ برس کی عمر میں ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی - شروع ۱۸۹۹ء تک چیف کورٹ پنجاب میں مترجم رہے سونٹن صاحب کی تاریخ عالم اور لیڈ صاحب کی سائیکولوجی کا اُردو میں ترجمہ کیا جس پر پنجاب یونیورسٹی سے انعام پایا - شروع ۱۸۹۹ء سے اب تک انبالہ میں وکالت کرتے ہیں - اوائل مشق سخن میں اپنے والد ماجد سے اصلاح لیتے رہے جب کچھ مشق بڑھی تو فخر الاساتذہ میر مہدی مجروح دہلوی سے فخر تلمذ حاصل کیا میر صاحب ممدوح آپ پر حد درجہ عنایت فرماتے تھے - راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں - طرز قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں - اور کامیاب بھی ہوتے ہیں - آپ کا کلام مخزن میں اکثر شایع ہوتا رہتا ہے انشا پردازی میں بھی آپ کو اچھی مہارت حاصل ہے - کلام کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ۵

اے زلیخا سوچ تو لینا تھا کچھ انجام کار	پھاڑنا تھا حضرت یوسف کا داماں دیکھکر

لکھنؤ اور لکھنؤ والوں کی ساری خوبیاں
ہو سخن کو ناز جتنا اپنی خوبی پر بجا

عشق نے حسن کا پھیلایا یہ جال اچھا ہے
ناز و انداز و ادا حسن کے سب چیلے ہیں

راحتِ یاس تو ملتی ہی اگر وصل نہیں
دردِ پنہاں انہیں کس طرح دکھاوے اعجاز

اپنا دکھڑا ہر جگہ ہر جا نہ رونا چاہیئے
شش جہت میں سیکڑوں جلوے لگے ہیں منتظر

جیسے وہ آئینگے سب ظاہر ہے پردے انتظار
جلوۂ دیدار لطفِ ہم کلامی ذوقِ وصل

پھر چلے اُس بزم میں اے حضرتِ دل خیر ہے
کچھ ہنسی ٹھٹھہ نہیں اعجاز یہ تو عشق ہے

انساں کے قول و فعل میں اس درجے اختلاف
متاعِ کوشش بے مدعا کی کیا خبر تجھ کو

یہ اپنی اپنی ہمت ہے تعرض کیا خصومت کیا
ترے غالی نہ کیوں برباد ہو جاں کے نکلنے سے

مرے دل سے کوئی یہ پوچھے کوئی میرا جگر دیکھے

آگئیں یاد ہمیں حامد علیخاں[1] دیکھکر
وہ سخن فہم و سخن سنج و سخنداں دیکھکر

دل پھنسا لینے میں ظالم کو کمال اچھا ہے
اُس کی ہر آن بھلی جسکا جمال اچھا ہے

عشق کو کہئے بُرا کیوں جو مآل اچھا ہے
مُنہ سے کہتے ہیں بنتی ہے کہ حال اچھا ہے

حالِ دل کہنے کو اے ناداں سلیقہ چاہیئے
ہاں درِ آئینۂ دل ہر طرف وا چاہیئے

کچھ نہ کچھ تو اپنے جینے کا سہارا چاہیئے
اس دلِ بے صبر ظالم کو بھی کیا کیا چاہیئے

شرح رمزِ خلد و آدم کیا دوبارا چاہیئے
اس کو دل لوہے کا پتھر کا کلیجہ چاہیئے

منبر پناہ مانگ رہا ہے خطیب سے
تری حدِ نظر اے بوالہوس سود و زیاں تک ہے

کسی کی دوڑ مسجد تک مری کوئے بتاں تک ہے
سرا کی ساری آبادی قیامِ کارواں تک ہے

خلش اس کم نگاہی کی کماں تک ہے کہاں تک ہے

اعزاز (اعزاز) ٹھاکر رامیشر بخش سنگھ صاحب تعلقہ دار سمیا پھہری ضلع سیتاپور اودھ معاملہ خوب باندھتے ہیں۔ زبان صاف ستھری اور بندش اچھی ہے غالباً حضرت وسیم سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ سن شریف چالیس برس کے قریب ہے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

[1] مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ رئیس امروہہ۔ راقم تذکرہ کے دل عنایت فرما اور بڑے قابل نکتہ سنج سخن فہم ہیں۔

ناز سے گورِ غریباں پہ ہے آنیوالا — وہ مزار و تپہ قیامت سے اٹھانیوالا
دیکھکر خنجرِ پُر آب ترا دل بولا — کہیں میری لگی کا ہے بجھانیوالا
چھلکے ساقی یہ دعا دیتی ہیں پینے والے — یاالٰہی رہے آباد پلانے والا
دیکے مٹی مجھے بولے کہ ملا خاک میں کے — دل کے پردے میں مرا راز چھپانیوالا
تو نے دیکھی نہیں اے چرخ مری چاند کی شکل — وہ تری چاند کو ہے داغ لگانیوالا

ٹوٹے چٹک چٹک کے تمہاری قبا کے بند — اللہ رے جوشِ حسن تمہارے شباب کا
جائے گُل تیوری چڑھا جاتے ہیں تربت پر مری — آ نکلتے ہیں جو وہ گورِ غریباں کی طرف
ضعف ہے زنجیرِ پا دشت میں چھالے پاؤں کے — دیکھتے ہیں پاس سے خارِ مغیلاں کیطرف
تھا سینکڑوں میں ایک مرا جاں نثار دل — ایسا کبھی نہ پاؤ گے لاؤ ہزار دل
کہتا ہوں اُنکے عارض و گیسو کو دیکھ کر — اُسپر فدا ہو جاں تو اُسپر نثار دل
ذکرِ جمال جو نکر ہم سے بار بار — رکھتے ہیں ہم بھی زاہدِ پرہیزگار دل
بڑی سہے لذتِ دولت سے فقر کی لذت — فقیر کب طمعِ مال و جاہ کرتے ہیں
ہماری زخمِ دل کو سی رہی ہیں آپ ہنس ہنسکر — یہ مطلب ہے کہ اب باہر نہ دل سے کوئی حسرت ہو

تمنا ہے کہ وقتِ ذبح قاتل — تہِ پا سر تو سوے رُخ نظر ہو
جو تم سینے پہ رکھدو پیار سے ہاتھ — تو پھر اے جاں کیوں دردِ جگر ہو

کسے دے آئے مٹی آرہے ہو کسکے مدفن سے — پڑی ہے گرد کیسی جھاڑ ڈالو اپنے دامن سے
کچھ ایسی بیکسی چھائی تھی لیکر پھول جب آیا — تو رویا ہے لپٹکر کوئی پیروں میرے مدفن سے
چمن میں یہ اثر ہے جوشِ الفت کا بہاراں میں — جو بلبل کو غش آیا گل ہوا دیتے ہیں دامن سے
چشمانِ مست یار وہ کیفی بلا کے ہیں — ذی ہوش انکے دور میں بیہوش ہوگئے
مسجد میں جا کے بہک گئے اعزاز پارسا — پہنچے جو میکدے میں تو مینوش ہوگئے
اچھا نہ میرے سامنے آیا کرے کوئی — چشمِ خیال سے بھی تو پردا کرے کوئی +

عشاق کو نہ جلوہ دکھائے مزہ ہو جب / محشر کے دن بھی وعدۂ فردا کرے کوئی

کوئی ادا سے تیر لگا کر چلا گیا / لوٹا کرے کہ خاک پہ تڑپا کرے کوئی

مملو کسی کے دیدہ و دل خون سے رہیں / لبریز مے سے ساغر و مینا کرے کوئی

رہا دل گیسوئے جاناں میں جا کے / پھنسا خود ہمکو آفت میں پھنسا کے

کسی گل کے ہیں یہ داغِ محبت / نہ کیوں رکھوں انہیں دل سے لگا کے

بوسہ دے کر غیر کو مجھ سے کہا / آپ کہئے آپ کو کیا چاہئے

دل کی قیمت ایک بوسہ ہے گراں / اور کیا اس سے بھی سستا چاہئے

اعظم

(اعظم) اعظم خاں نام۔ دہلی کے رہنے والے اور حضرت شاہ نصیر کے شاگردوں میں تھے۔ کچھ دنوں مشق کر کے طبیعت اس فن سے اچٹ گئی اور کسب علوم کیطرف متوجہ ہوئے۔ عرصہ ہوا انتقال کیا ٥

اسی مضمون سے معلوم اسکی سرد مہری ہے / جو اسنے مجھ کو نامہ کاغذِ کشمیری پر لکھا

سوزِ دل از بس حبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم / شمع آسا نبض زیرِ استخواں رکھتے ہیں ہم

کیا یہ عکسِ دام کم ہے جوشنِ فولاد سے / ہے اسیری میں لڑائی صید کو صیاد سے

اعظم

(اعظم) شیخ اعظم حسین اعظم۔ آتش و ناسخ کے ہمعصر تھے زیادہ حال معلوم نہیں ٥

جب کہا مینے کہ مرتا ہوں میں / کہئے کب وصل کی ٹھہرائیے گا

ہنس کے بولے کہ ندامت آجائے / کیا کہا پھر ذرا فرمائیے گا

اعظم

(اعظم) منشی مرزا اعظم علی اعظم ابن محمد رضا مرحوم باشندۂ الہ آباد خواجہ آتش سے تلمذ تھا عدالت آگرہ میں عرصہ تک ملازم رہے پھر پنشن یاب ہو کر الہ آباد اپنے قدیم وطن میں خانہ نشین ہو گئے۔ مشاق و باکمال شاعر تھے طبیعت مضمون خیز و جدت پسند تھی۔ صاحب دیوان گذرے ہیں سنہ ۱۲۷۱ھ میں انکا دیوان آگرہ کے مطبع میں چھپا تھا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے تھے عرصہ ہوا انتقال کیا۔ انتخاب کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے ٥

زندگی بھر نہ یم دیدۂ گریاں ٹھیرا
کشتی عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھیرا

زخم کاری لگا تو چوم لیا
قبضہ خنجر کا ہاتھ قاتل کا

کوئی کر سکا دل نہ اپنا لہو
مرا ساتھ برگِ حنا نے دیا

تھا مقدر میں یہ کہ قاتل کا
ہم بگڑتے تو بانکپن بنتا

خنجر کا نہ بسمل ہوں نہ شمشیر جفا کا
انداز کا مقتول ہوں کشتہ ہوں ادا کا

ساقی نے دیا جام مئے بے خبری کا
اب ہوش ہے شیشہ کا نہ شیشہ کی پری کا

ہر ظلم رسیدہ ہے ترے جور سے راضی
شکوہ نہیں کرتا کوئی بیدادگری کا

خیالِ جاناں میں جان دینا خیالِ حسنِ جبیں میں جینا
انہیں سے رغبت انہیں سے الفت انہیں پہ مرنا انہیں پہ جینا

تمہاری صورت کے دیکھنے سے ہماری ہوتی ہے زندگانی
ہمارا لکھا ہوا ہے گویا تمہاری لوحِ جبیں میں جینا

بغیر اُس کے جو خضر لاکر اُسے زلالِ حیات دیتے
کبھی گوارا نہ قیس کرتا فراقِ محمل نشیں میں جینا

رقیب بے پیر ہلاک کرنے کو کہہ رہے ہیں مدام تم سے
ہماری پوچھو تو ہے تمہارے ہی ہاں میں مرنا نہیں میں جینا

گدا کی مرگ و حیات دونوں بری ہیں دنیا کے دھندے
نہ فکرِ طبل و علم میں مرنا نہ شوقِ تاج و نگیں میں جینا

برق کیوں چمکی سبب کیا سیل کی بنیاد کا
گھر بنا بھی تو نہیں مجھ خانماں برباد کا

بوالہوس وہ ہیں جنہیں ہے حوصلہ فریاد کا
ہم تو شکوہ بھی نہیں لاتے تری بیداد کا

لیلیٰ کو کھولنے دو ذرا گیسوئے دراز
مجنوں کے بند بند میں زنجیر دیکھنا

آنکھوں کی آرزو ہے ذرا کھینچئے نگاہ
یہ چاہتی ہیں آپ کی تصویر دیکھنا

کس طرح جانے یگانوں کو یگانہ سمجھوں
کام اپنے کے نہ آوے تو وہ کیسا اپنا

اُس کو بھی کیا آپ کی رفتار نے پامال
ٹھوکر سے بھی ہنگامۂ محشر نہیں اُٹھتا

کس قدر تاثیر تھی میری زبانِ عجز میں
یاں دعا کی واں درِ عرشِ معلیٰ کھل گیا

جس نے تقدیر سے دیکھا رخِ زیبا تیرا
زندگی بھر وہ رہا محوِ تماشا تیرا

فارغ البال کیا بے سر و سامانی نے
مالِ دنیا نہ رہا چور کا کھٹکا نہ رہا

آپ کے خنجرِ مژگاں کا اشارہ گر ہو
ہیں کو اُن کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں
کوئی محمل میں نہیں ہے پسِ پردہ ہم ہیں
اس لئے چپ ہیں کہ کوئی نہیں سننے والا
سوانگ لاتے ہیں نئے رنگ بدلتے ہیں نئے
خوشی دیکھتے ہیں محن دیکھتے ہیں
اُن کی ہیں اٹکھیلیوں کی چال نے مارا
لڑکپن میں نہ تھا کچھ امتیازِ ذائقہ ورنہ
واہ رے رزاقیٔ رزاق و شانِ پرورش
عیش و راحت کا بھی اسباب مہیا ہوگا
روک لیوے گا اُسے روکنے والا لیکن
خیر جانے کو جو کہتے ہو تو جاؤ لیکن
کعبہ کو نہ چھوڑیں گے نہ ہم دیر کے در کو
کیا اُن کا بھروسہ اُنہیں جانباز نہ کہیے

سرِ جاں باز ہتھیلی پہ دھرا آئے نظر
وگرنہ واں کوئی پردا نہیں حجاب نہیں
برملا قیس کو دعویٰ ہے کہ لیلیٰ ہم ہیں
ورنہ کہنے کو سراپا لبِ گویا ہم ہیں
یہ طلسمی ہے جہاں اسمیں تماشا ہم ہیں
تماشائے چرخِ کہن دیکھتے ہیں
دھرتے ہیں کدھر پاؤں کدھر دیکھ رہے ہیں
حلاوت نعمت دنیا کی ملتی شیرِ مادر میں
طفل پیدا ہوا تو پیدا اس شیرِ مادر ساتھ ہو
سے کر بارِ غمِ ایام تو ٹلجانے دو
ناوکِ غمزۂ خوں ریز بھی چلجانے دو
آرزوئے دلِ بیتاب نکل جانے دو
اک روز اِدہر جائیں گے اک روز اُدہر کو
جو آپ کی نظروں سے بچاتے ہیں جگر کو

سُن لیجیو کہ تیغِ نگہ کام کر گئی
سر بیچ کے اعظم نے خریدا ہے غمِ عشق

دل میں جگر میں سینہ میں ہر جا ہے لگی
دل دیکے مری جان یہ آزار لیا ہے

تو وہ بت ہے کہ تری جلوہ نمائی کے لئے
خوب آہِ دلِ بیتاب رسا ہوتی ہے
لوکے دیتے ہیں سینہ میں جو مخفی سانہ ہے
چاہو تو بدل سکتے ہو تقدیر ہماری
طوفِ مزارِ کشتۂ دیدار کے لئے

آرزو خانہ کعبہ میں مسلماں کرتے
میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے
دل ہمارا کشتۂ تیغِ نگاہ ناز ہے
ہر طرح سے کر سکتے ہو تدبیر ہماری
جانا تو پھول نرگسِ بیمار کے لئے

	طاقتِ پرواز پر کے ساتھ ہے		حوصلہ دنیا کا زر کے ساتھ ہے	
	وہ پاک کمائی ہے جو اس راہ میں اُٹھے یاں نقدِ جاں ہے ہاتھ میں انعام کے لئے وہ کیونکر آشنا ٹھیرے جو طلب آشنا ٹھیرے		اچھی ہے وہ دولت جو تری راہ میں اُٹھے واں جھڑکیاں ہیں قاصدِ ناکام کے لئے غرض ہندوں کی الفت کا عبث تمکو بھروسہ ہے	

اعظم

(اعظم) مولوی عبد الصمد عرف محبوب جان - برادر خورد مولوی وجیہ اللہ خاں بہادر متخلص بہ داغ و خلف مولوی محمد وجیہہ مدرس اول مدرسہ کلکتہ - کلکتہ کے رہنے والے اور حضرت نساخ صاحب تذکرہ سخن شعرا کے شاگرد تھے ۱۸۷۴ء میں زندہ و سلامت موجود تھے - یہ اِن کا کلام ہے ۵

	جسنے دیکھا تجھکو وہ محوِ تماشا ہو گیا ایک عالم اُس جہاں آرا کا شیدا ہو گیا دل سے ہرگز ہو صفائی میں نہ بڑھکر آئینہ صورتِ سیماب ہو بیتاب و مضطر آئینہ کھل گئی قلعی فدا ہے آئینہ پر آئینہ		بانیٔ ارض و فلک تک تجھ پہ شیدا ہو گیا شکوہ کس کس کی عداوت کا اے اعظم کروں لاکھ صورت سے بنائیں آئینہ گر آئینہ روئے آتش رنگ کی دیکھے جھلک گر آئینہ ہے دلِ نالاں کو میرے عشق روئے صاف سے	

افروز

(افروز) مولوی عبد الرزاق عظیم آبادی - آپکو غالباً خان بہادر مولانا علی محمد صاحب شاد سے تلمذ حاصل ہے - چند اشعار بطور نمونہ کلام حاضر ہیں ۵

	کیا کریں خاک جو ہو نیکی ہوس ہم نہ کریں دیدۂ دل کا کہیں اور ہی عالم نہ کریں دیکھکر موت کے آثار جھلک جاتے ہیں مست کیا دیکھ کے ہشیار بہک جاتے ہیں کہاں ہیں کدھر ہیں جفا کرنے والے نہ رہی کچھ جگہ حیا کے لیے		سرمۂ دیدۂ مقصود بنیں گے مٹ کر عالم افروز جہاں جلوے ہیں اُسکے افروز لوحِ تربت ہے کہ عبرت کا اک آئینہ ہے چشم میگوں ہے تری ہوشربا اے ساقی نکالیں تمنا کریں ظلم آئیں شوخیٔ چشمِ یار کیا کہنا	

افسر

(افسر) نواب احمد یار خاں خلف الرشید نواب محمد یار خاں امیر - جنکا ذکر اسی ردیف میں آگے آئے گا - رؤسائے رام پور، روہیلکھنڈ میں صاحب اقتدار بالخصوص شعرا کے بڑے مربی و قدردان گزرے ہیں - شعر و سخن کا ابتدائے سن تمیز ہی سے عشق تھا - قائم چاند پوری سے مشورۂ سخن فرماتے تھے - نہایت باذل - بامروت - سیر چشم - خلیق - اور اپنے ہمعصروں میں ذاتی شجاعت - دلیری اور کمالات سپہگری کے سبب ممتاز تھے - قائم چاند پوری کے بعد حافظ شبراتی صاحب طالب سے بھی اصلاح لی - پچانوے برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

برقع جو رات منہ سے ترے دور ہو گیا
خجلت سے ماہ چرخ پہ بے نور ہو گیا

جوں گل جو حسن ہووے اک آں میں ہوا
وہ چیز کیا ہے جس پہ تو مغرور ہو گیا

شیشے سے دل کی کونسی نازک ہے اور چیز
اک ٹھیس سے نگاہ کی جو چور ہو گیا

قدرت پہ یاں کی بھول نہ افسر کہ پیش ازیں
کیا کیا جہاں میں خلق کو مقدور ہو گیا

حسن لیجو آنسوؤں نے فلک سے گزر کیا
جسدم کہ وقت گریہ میں خون جگر گیا

مستی کی اُس نگاہ کی کچھ کیفیت نہ پوچھ
گردش نے جسکی ایک جہاں بے خبر کیا

اُڑ جاوے مثل حباب اس جہاں کا
کہ یہ زندگی کوئی دم ہے غنیمت

سامنے ہو جو نہ اُس ابرو کے افسر زینہار
اک اشارے میں وہ دو کرتا ہے تلوار کیطرح

دیکھا ہے جسنے حسن کا تیرے شکوہ و شاں
حیران ہی نت رہا ہے وہ تصویر کیطرح

کسکو ہے یہ شکار کی رغبت کہ اک جہاں
تڑپے ہے خاک و خوں میں نخچیر کیطرح

اے شمع رو نہ کیونکر جلسوں میں کہ مدعی
منہ میں تری زبان ہے گلگیر کیطرح

افسر کی گفتگو کا سلیقہ میں کیا کہوں
سب سے جدا کچھ اُس کی ہے تقریر کیطرح

مجھ پہ نامہرباں ہوئے جو تم
ہے یہ کس مہرباں کی خاطر

قاصدا تو ہی بتا کون سا پیغام لکھوں
ہوں میں گمنام سر نامہ پہ کیا نام لکھوں

سیماب کی طرح سے بے تاب اک جہاں ہے	تنہا نہ اک میں ہی ہوں بے قرار تجھ بن

افسر

(افسر) شیخ غلام اشرف افسر- انکے والد شیخ غلام رسول شاہی گاؤخانہ کے چودھری تھے- یہ خود اکثر مرثیہ وسلام کہا کرتے تھے اور اُس میں اشرف تخلص کرتے تھے- غزلیات میں افسر تخلص اور حضرت مصحفی سے تلمذ تھا- کلام سے موزونی فکر ظاہر ہے ؎

جب دیکھے ہے یہ داغ سیہ اپنی جبیں پر	آتا ہے اُسے رشک ترے روئے حسیں پر
معلوم نہیں کیا ہے تہِ خاک تماشا	نرگس کی جو رہتی ہے جھکی آنکھ زمیں پر
چہرہ پہ ماہ کے نہ کیا کر خیال تو	آئینہ لے کے دیکھ ٹک اپنا جمال تو
گویا شفق میں نجمہ خورشید غرق ہے	جسوقت ہاتھ مہندی سے کرتا ہے لال تو
لٹک نزاکت دیکھیو پہنے ہے جب گجرا وہ شوخ	شاخ گل سا ہاتھ لچکے ہے گلوں کے بار سے

افسر

(افسر) صاحب عالم مرزا محمد عثمان افسر گورگانی مرحوم عرف مرزا لوڑے خلف الرشید صاحبعالم وعالمیان میرزا خضر سلطان بہادر خضر- فرزند ارجمند حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی- مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم سے تلمذ تھا کوشش بلیغ سے چند غزلیں بہم پہونچیں اُن میں سے چند اشعار منتخب ہوکر درج تذکرہ ہوتے ہیں بعد از غدر اپنی پھوپھی صاحبہ زوجۂ مرزا الٰہی بخش کی ظل حمایت میں اوقات بسر کرتے رہے نہایت منکسر مزاج آزادہ و مستغنی- غیور اور ملنسار ہنس مکھ آدمی تھے- تقریباً سنہ ۱۳۰۶ھ میں بعمر چہل سال بمقام دہلی انتقال فرمایا ؎

جانے دیا ہمیں نہ وہاں دل کے خوف نے	درباں نہ تھا رقیب نہ تھا پاسباں نہ تھا
عزیز اُن سے کریں جانِ زار ہو نسکا	طلب کی دیر تھی پھر انتظار ہو نسکا
ہماری اُن کی بھی برسوں یونہیں نبھے جاتی	عدو کا شیوہ مگر اختیار ہو نسکا
گلہ بجا ہے یہ اُن کا گزر ہی جاتی رات	مجھی سے چار پہر انتظار ہو نسکا
بتوں کے عشق سے پرہیز جیتے جی مجھسے	یہی کہوں گا کہ پروردگار ہو نسکا

عدو کی بات نہ سمجھے وہی رشک نے دل پر
ہزار چاہا کریں اعتبار ہو نہ سکا

جنازہ پہ وہ بے وفا ہو گیا
مرے حق میں مرنا بھلا ہو گیا

کیوں سر پہ خون لیتے ہو اُس بیگناہ کا
دیکھو یہ بوجھ تم سے اُٹھایا نجائے گا

ہوگا عدو کو بھی یہی دن ایک دن نصیب
یوں دل میں شاد ہیں ستم ناروا سے ہم

تنگ ہے گر وفا جفا کیجیے
کچھ تو پاس اپنے نام کا کیجیے

اب جفا کا بھی اُن کو مزہ ہے
پھر کس امید پر وفا کیجیے

مکیں کو اُنس سنتے ہیں مکاں سے
تمہیں تو ربط دل سے اور نہ جاں سے

تری الفت میں یہ حاصل ہوا ہے
عداوت ہو گئی سارے جہاں سے

اہلِ وفا کی اتنی تو توقیر چاہیے
یعنی ہماری نعش کی تشہیر چاہیے

پورے ہوا پنی ضد کے تو لو میں بگڑ گیا
اب تم کو مجھ سے ملنے کی تدبیر چاہیے

میں بدگماں حد سے سوا آپ کی یہ ڈھنگ
کہیے رہی ہے کون سی صورت نباہ کی

لو جان و دل یہ بن گئی کیوں اب تو خوش ہوئے
برسوں سے افسر آپ کو حسرت تھی چاہ کی

مرا دل شمع ساں جلتا ہے ہر شب
خدا جانے لگی ہے لو کہاں کی

رہائی ہو گئی بد تر قفس سے
گئی جو چھوٹ عادت آشیاں کی

افسر

(افسر) نواب غلام ربانی صاحب افسر سنہ ۱۸۵۸ء تک کلکتہ میں باعزاز و آبرو بسر کرتے تھے۔ آپ کو غالباً سلطان ٹیپو کے خاندان سے قرابت تھی۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ مذاق سخن اچھا تھا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں ۔

اے نگاہِ واپسیں قرباں تری تاثیر کے
لوٹتے قاتل کو دیکھا خاک پر بسمل کے پاس

اللہ رے میرے جرم و گناہ کی ترقیاں
بھاگے فرشتے پھینک کے فردِ حساب کو

تم کیا پھرے کہ سارا جہاں ہم سے پھر گیا
کہیے خدا کا قہر تمہارے عتاب کو

اُس مست نے نظر بھی نہ کی میری سمت کو
کہتے ہیں دور کرتا ہے نشہ حجاب کو

(افسر) راجہ پدما نند سنگھ صاحب بہادر آفسر- فرمانروائے راج بنیلی دکھرک پور ضلع پورنیہ بھاگل پور جون ۱۸۸۳ء میں بعمر ۹ سال اپنے والد مرحوم مہاراجہ لیلا نند سنگھ کی وفات کے بعد مسند ریاست پر رونق افروز ہوئے اُردو وفارسی بنگلہ انگریزی ہر چہار زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں بڑے وجیہہ شکیل ہوشیار رئیس ہیں- آپکے پردادا راجہ دولار سنگھ نے جنگ نیپال میں برٹش گورنمنٹ کی فوج اور رسد سے اعانت کی جسکے صلہ میں راجہ بہادر کا خطاب پایا جواب خاندان میں موروثی ہے- باوجود مشاغل کثیر گاہے گاہے تفنن طبع کے لئے شعرگوئی کیطرف بھی توجہ فرماتے ہیں- بہار اور بنگال کے روساء میں آپ کو امتیازی درجہ حاصل ہے کلام ملاحظہ ہو ؎

دل میں حسرت نہ رہے آج اگر تم چاہو
بہ ملے شوخی کہ مجھے آپ تو بھیجا نہ جواب
چاہنے والے کی ہوتی نہیں چاہت برباد
قدرداں ہم ہیں ہیں آکے سنگھاؤ صاحب
جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہوگئیں

لب بلب سینہ بسینہ ہو بسر وصل کی رات
خط نہ لکھنے کا گلہ اُس پہ ہے اُلٹا اے شوخ
شمع جل کر ہوئی پروانہ کی صورت برباد
مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد
تیغ اجل نے کاٹ دئے دست و پائے حرص

(افسر) منشی اعظم علی آفسر باشندہ سندیلہ عرصہ دراز سے بھوپال میں سکونت پذیر اور وہاں کی عدالتوں میں وکالت کرتے ہیں ؎

جوبن اُبھر اُبھر کے جتاتا ہے یار کا
افسر ہے شرط عشق کہ یہ شغلہ رہے
شوخی میں ہے آفت تو قیامت ہے حیا میں
سرکاتے ہیں وہ زلف سیہ فام جو رخ
بیمار محبت کو ملے شربت دیدا
کہتے ہیں وہ خون دل عشاق

پھل پاچکا ہے عشق میں منصور دار کا
لب پر ہو ذکر ...

مرے رونے پہ وہ کہتے ہیں ہنس کر	یہ ساون کی گھٹا کچھ دن تو برسے

افسر

(افسر) منشی سید احمد افسر حیدرآبادی ۱۳۰۲ھ میں ۲۴ برس کی عمر تھی اور نواب میر عباس حسین خاں تششدر کو کلام دکھاتے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ؂

ہے شوق کی افزایش الفت میں فنا ہونا	جاں سیکھتی ہے دل سے قربان ادا ہونا
محشر میں نقاب رخ زیبا نہ اُلٹنا	تم دیکھنے دو خلق کو دیدار خدا کا
اپنی سلامتی کا دوگانہ ادا کرے	خط دے کے نامہ بر نہو سائل جواب کا

افسر

(افسر) منشی میر معشوق حسین عرف عبدالصمد صاحب کاکوری کے رہنے والے اور اُناؤ کے مدرسہ میں مولوی ہیں یہ آپکا کلام ہے ؂

خون عاشق کا ذرا ہاتھوں میں ملکر دیکھیے	آپ ہی کہئے گا پھر رنگ حنا کچھ بھی نہیں
جس کو عاشق وہ جان لیتے ہیں	بس اُسی کی وہ جان لیتے ہیں
کم ہیں کیا اُن کی ابرو و مژگاں	کیوں وہ تیر و کمان لیتے ہیں
دلبری اب کہاں رہی افسر	جب کہ دل بر بھی جان لیتے ہیں
سوال وصل پہ ہر دم نہیں ہے	صدا آئی کبھی تو مُنہ سے ہاں کی
کرو دل تیر مژگاں کا نشانہ	تمہیں حاجت ہے کیا تیر و کماں کی
خیر ہے خیر ہے اے حضرت افسر یہ کیا	سامنے غیروں کے دلبر کی شکایت کیسی

افسر

(افسر) حکیم حاجی حافظ محمود حسین مودودی مقیم بڑودہ خلف سید احمد حسن فنا۔ ذاکر حسین یاس مرحوم ... صا ... طا بھسوان ہے مگر اب عرصے سے بڑودہ میں بہ سلسلۂ طبابت ... نتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں ؂

... تو قابو ہی میں کمبخت نہیں دل اپنا
... بھی صدقہ ...
کچھ دل میں کدورت اُسے دھو جاتے ہیں

ؔ بدایونی کے شاگرد ہیں ۱۲

کس زباں سے ہو بیاں صبحِ شبِ وصل کا حال | جب کہا ناز سے اُس شوخ نے لو جاتے ہیں
ہے نئی طرزِ جفا کہتے ہیں مجھ سے ہر دم | منتظر ہو گا ہمارا کوئی لو جاتے ہیں
اے ماہ رو جھلکتے ہیں عارض نقاب میں | کہتا ہے حسن میں نہ رہوں گا حجاب میں
ضد ہر اک بات میں اچھی نہیں ہوتی دیکھو | اپنے عاشق کا کہا مان لیا کرتے ہیں
اُٹھتا ہے درد اس لئے تعظیم کے لئے | آمد کسی کی ہے دلِ خانہ خراب میں
دل لے گیا باتوں میں اُڑا کر کوئی افسر | ہے دھیان کہاں آپ کدھر دیکھ رہے ہیں
جگر یہ ہاتھ دھرے پھرتے آپ بھی ناصح | جو آپ کو کسی دلبر کی آرزو ہوتی

افسر

(افسر) منشی بشیر الدین چشتی اورنگ آبادی - ولد مولوی رحیم الدین انصاری سنہ ۱۲۸۵ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے - تعلیم سے فراغت پا کر سررشتۂ مال گزاری میں ملازم ہوئے اور ۲۰ برس تک مختلف خدمات پر مامور رہے - فی الحال محکمۂ صوبہ داری اورنگ آباد میں صیغہ دار مال ہیں - طبیعت میں شوخی اور زبان میں تیکھاپن ہے - ابتدائے شباب سے شعر گوئی کا شوق ہے - اوائل عمر میں بالکل عاشقانہ رنگ تھا اب زیادہ تر نعتیہ اشعار کہتے ہیں - جب پہلی دفعہ حضرتِ داغ دہلوی حیدر آباد تشریف لے گئے تو اُسی زمانے میں آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا - پہلے **مطلع سخن** کے نام سے ایک ماہواری رسالہ بھی نکالا تھا جو بعد میں بند ہو گیا - ان کا ایک مختصر دیوان اور ایک مرثیہ چھپ گیا ہے ترتیب تذکرہ کے وقت نظر سے گزرا - آپ فنِ سخن کے علاوہ طب میں بھی مداخلت رکھتے ہیں - یہ فنِ شریف حکیم عبد الباسط صاحب اورنگ آبادی سے حاصل کیا تھا - کلام زیبِ تذکرہ ہے ؎

الٰہی حمد میں مقبول اتنا ہو سخن میرا | کہ چومے تیری قدرت بھی محبت سے دہن میرا
تری بندہ نوازی نے کیا ہے اتنا مستغنی | کہوں کیوں کر عرب میرا عجم میرا دکن میرا
الٰہی دردِ الفت کی شکایت لکھتے ہیں شاعر | میں کہتا ہوں نہ چھوٹے دل سے یہ دردِ محن میرا

خاک ہو کر سر پہ نجاتے ہیں ہم / جب تو آنکھوں میں جگہ پاتے ہیں ہم

سنا ہے کہ طرز عمل انکی بدلی / عوض گالیوں کے دعا دے رہے ہیں
شب ہجر کو ہمنے گھٹتے نہ دیکھا / جو بڑھتے ہیں حد سے وہ گھٹتے رہے ہیں
دیا ایک بوسہ جو تم نے ہوا کیا / بڑا دل ہے انکا جو دل دے رہے ہیں

دل کی طپش سے لکھوں انہیں دل کا حال کیا / کر دوں نہ میں نکال کے دل نامہ بر کے ساتھ

اسے طلب ہے نئی دل کی دل لگی کے لئے / کہاں سے روز نیا دل بنے کسیکے لئے
یہ سچ ہے حشر میں حوریں ملیں گی اے زاہد / حسیں یہاں بھی تو ہو کوئی دل لگی کیلئے

سنو درد دل تم زبانی ہماری / مزا دے گی تمکو کہانی ہماری
بہت دل کو سمجھایا الفت میں ہمنے / مگر ایک اسنے نہ مانی ہماری
وہ آخر اڑا لے گئے دل کو افسر / نہ کام آئی کچھ پاسبانی ہماری

اگر ناوک کہا اُن کی نظر کو کیا ہوا بیجا / وہی کہدیں بھلا پھر یہ جگر کے پار کیسی ہے

تجھ ساجب ساقی ہو مجھ ساجب کوئی میخوار ہو / چاہیئے دو دو منٹ پر جام اُٹھتے بیٹھتے

افسر

(افسر) مولوی سید عزیز الدین حیدر صاحب خلف مولوی امین الدین حیدر سنہ ۱۸۴۲ء آپکا سال ولادت ہے - آپ الہ آباد کے قدیم رئیس اور مشہور اُستاد مولوی وحید کے لائق تلامذہ میں سے ہیں - خان بہادر مولانا اکبر حسین صاحب اکبر کے برادر خواجہ تاش اور قدیم ہم مشق ہیں - فارسی عربی کی استعداد عالمانہ ہے - کئی سال ہوئے حضرت داغ کے دوران قیام دکن میں آپ حیدر آباد بھی تشریف لے گئے تھے - آپ کا کلام ایک خاص طرز کا ہوتا ہے اور اُسمیں آپ اپنی جدت طبع سے عجیب عجیب اختراعیں فرماتے ہیں - عرصہ سے آپ ضعف بصارت میں مبتلا ہیں مگر شوق علم برابر جاری ہے - مشکل زمینوں میں اپنی ذکاوت طبع سے اچھے اچھے مضامین نظم فرما کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے ہیں - معمولی زمینوں میں کم طبع آزمائی کرتے ہیں - اب آپ کی عمر ساٹھ برس کے قریب ہے - کلام کا انتخاب

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولزلی گورنر جنرل سے انکی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتے گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا سررشتہ آپکے سپرد ہوا۔ ۲۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا۔ کلکتے جاتے ہوئے آپ مرشدآباد میں مرزا علی لطف صاحب تذکرہ کے پاس بھی ٹھیرے تھے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے گلستاں کا ترجمہ اردو میں کیا آرائش محفل اور مثنوی بے نظیر موسوم بہ سحرالبیان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کی تالیف ہے۔ الغرض کلکتہ میں اچھی عزت پائی خلیق و اہل دل مروت و انکسار میں فرد کامل تھے۔ طب میں بھی دستگاہ تام رکھتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں اس فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ یہ آپکے کلام کا لب لباب ہے

تو سچ بتا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی	مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
ہے سب پاؤں سے اپنے وہ نالہ رد ہر دم	یہ مرتبہ تو دلِ داغدار کا پہنچا
ہے یاں تلک تو نزاکت گلوں کے گجرے سے	لچکنے لگتا ہے اُس گلعذار کا پہنچا
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس	حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
بخشیو ہم کو تمہیں ٹوکا ہے ہمنے بھول کر	دردِ دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا
نزع میں زرد تھا رخِ افسوس	چینئی رنگ نے اُسے مارا
اسکے اُٹھتے ہی جاں پہ آن بنی	دیکھئے آگے کیا ہوگا
شب جو دم توڑنے میرا دلِ بیمار لگا	سر ہلانے وہیں عیسیٰ پس دیوار لگا
رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا	صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
پاؤں یہ گاڑے کہ جوں نقشِ قدم پھر نہ اُٹھے	خاک میں ملگئے بیٹھے جو ترے در پہ ہم
خشک گرم اپنے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہیں	دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں
ہو مرا کیونکہ گزر اُس کی گلی میں واں تو	طائر سدرہ کے اُڑتے ہوئے پر جلتے ہیں
بزم میں اسکے نہ ہنستے ہیں نہ سسک سکتے ہیں	چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں

وہ چرا کر لے گئے دل یا کہیں گم ہو گیا
نفی و اثبات کر تو فکر کا اسکے ہے کام
جو مرتے ہیں تم پر وہی جیتے ہیں ہمیشہ
ناکام زباں اپنی ہے مانگے ہے سخی سے
میں آپ کی کس بات کو سچ جانوں کسے جھوٹ
جیسے کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو
مختار بھی مجبور بھی کاموں میں بشر ہے
جو دم کہ گزرتا ہے غنیمت ہے وہ افسر

کیا بتاؤں احتمال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
افسر ناز کہ خیال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
یہ طرفہ ہے عاشق کی قضا ہے بھی نہیں بھی
مقبول ہو ایسی یہ دعا ہے بھی نہیں بھی
الفت کو جو پوچھا تو کہا ہے بھی نہیں بھی
ویسے ہی ہر اک شے میں خدا ہے بھی نہیں بھی
اس سے یہ سزاوار جزا ہے بھی نہیں بھی
کیا ٹھیک ہے دورانِ بقا ہے بھی نہیں بھی

(افسر) منشی سید عزادار حسین - نگینہ ضلع بجنور کے شریف زادے ہیں - نواب عابد علی خاں مغفور آپکے مورث اعلیٰ تھے - ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر ہے - بتدی ہیں مگر کلام مزیدار ہے - زبان بھی پاکیزہ ہے اور خیال بھی ستھرا - آپ کو نواب مرزا خاں داغ مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا - اگر کہتے رہے تو یقین ہے ضرور ترقی کریں گے - کلام دستیاب شدہ کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو

مسیحا فکر کیوں کرتے ہیں ایسا ہو نہیں سکتا
مریضِ غم کسی صورت سے اچھا ہو نہیں سکتا
چرایا ہے ہمارے دل کو ایسے چور نے آکر
خدا کے سامنے بھی جس پہ دعویٰ ہو نہیں سکتا

قطعہ

وہ رسمِ محبت سے ناواقفیت
وہ پہلے پہل دل لگانا کسی کا
وہ امید بھی دل میں دریاس بھی کچھ
وہ ہر وقت آنسو بہانا کسی کا
کبھی جانبِ غیر سے بدگمانی
کبھی رشک کے داغ کھانا کسی کا
کبھی کوچۂ یار میں بیٹھ جانا
کبھی اُس کی محفل میں جانا کسی کا
تڑپنا بہت دل کا مایوس ہو کر
جدائی کے صدمے اُٹھانا کسی کا
تڑپتے تڑپتے جدائی میں آخر
غرض جان اپنی گنوانا کسی کا

افسر

مریضِ عشق کا ہوتے تمہارا حال ایسا ہو / اسے اچھا نہیں کرتے ہو تم کیسے مسیحا ہو
جفائے یار کا شکوہ عبث ہے اے دلِ نالاں / خطا کیا اُس کی گر تقدیر میں تیری یہ لکھا ہو
سچ تو یہ ہے کہ خطاوار ہمارا دل ہے / دیجئے اس کو سزا ہاں یہ اسی قابل ہے
وہ یہ کہتے ہیں کہ کیوں بس میں نہیں آپکا دل / ہاں یہ کہئے کہ زمانہ سے نرالا دل ہے
ہمارے واسطے ہی کیا تری اک اک بُرائی ہے / ہمیں سے بیوفائی ہے ہمیں سے کج ادائی ہے
یہ گر کر خاک پر کیا اُٹھ سکے اے دیدۂ گریاں / کہ تو نے آبروئے آنسو کی مٹی میں ملائی ہے
خیالِ حور دل میں اور توبہ لب پہ اے زاہد / ابھی بس دیکھ لی جیسی تمہاری پارسائی ہے
قفس میں میں نے بال و پر سب نوچ ڈالے ہیں / نہ کچھ پرواز کا ارماں نہ اب شوقِ رہائی ہے
ہوائے یاس شمعِ آرزو کو کیا بجھائے گی / کہ سینے با خدا تیرے کرم سے لو لگائی ہے
ترس آیا ہے گر ہم پر کبھی بے رحم قاتل کو / لگی دل کی ہمارے آبِ پیکاں نے بجھائی ہے
نہیں کیا لن ترانی طور پر ہم جا کے اے موسیٰ / یہاں پیشِ نظر ہر دم کسی کی خود نمائی ہے
چلا ہے آج تو اُس بزم میں کیا سوچ کر افسر / سنیں ہم بھی تو آخر کیا ترے دل میں سمائی ہے
مایوس جیسے ہم ہیں محبت میں یا خدا / ٹوٹے نہ آس یوں کسی امیدوار کی
کچھ رہ گئی ہے مشقِ جفا کیا ستم شعار / کیوں ہے تلاش میرے نشانِ مزار کی
قبلے سے اُٹھ کے چھائی ہے میخانے پر گھٹا / رحمت ہے میکشوں پہ یہ پروردگار کی
افسر تو چار دن بھی رہے گا نہ بے پئے / توبہ کا اعتبار ہے کیا بادہ خوار کی

افسر

(افسر) منشی احمد حسین خاں رامپوری تلمیذ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

اب یہ عالم ہے کہ اک بوند بھی آنسو کی نہیں / ہم نے جن آنکھوں سے بہتے ہوئے دریا دیکھا
بیرخی تیری خلشِ غیر کی گردوں کے ستم / ہمکو تقدیر نے جو کچھ کہ دکھایا دیکھا +
عشق غارتگرِ ناموس کے ہاتھوں سے ندیم / افسرِ خستہ کو بازار میں رسوا دیکھا

شیشہ بغل سے برسرِ بازار گر پڑا	زاہد کا آج کھل گیا تقویٰ جہاں پر

افسردہ

(افسردہ) قاضی فضل حسین خاں خلف قاضی علی جان مرحوم رئیس دہلی۔ زبان کے اعتبار سے روزمرہ صحیح۔ بول چال درست ہے۔ انکا کلام ہر چند تلاش کیا مگر کوئی غزل دستیاب نہ ہوئی۔ فغانِ دہلی میں جو ایک مسدس شہر آشوب چھپا تھا اُسی کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

انتخاب مسدس تباہی دہلی

ہر طرف سے ہے برستی بیکسی	رات دن کا ہوگیا رونا ہنسی
ہے ہجومِ درد و غم اور بے بسی	موت کو سمجھا ہوں اب مطلب رسی
اے کہ از وضع تو چرخ انگارۂ	درد بیدرماں ما را چارۂ
ہائے کیا دہلی پہ آفت آگئی	چین سے بیٹھے تھے شامت آگئی
سر پہ عالم کے مصیبت آگئی	فوج کیا آئی قیامت آگئی
وقت تنگ آمد ترحم یا رحیم	لطف کن بر دردمندانِ سقیم
داغ سینہ پہ کھائے بیٹھے ہیں	فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں
تھا جو سرمایا لٹائے بیٹھے ہیں	ہاتھ دنیا سے اُٹھائے بیٹھے ہیں
رحم کن بر بیکساں اے دادرس	آہ از دل برلب آمد ہر نفس
پھر گیا پھرا آسمانِ پُر جفا	مخبروں نے کر دیئے فتنے بپا
بے گناہ اور با گناہ پکڑا گیا	جس کی جو قسمت میں لکھا تھا ہوا
نیست شکوہ از سپہرِ کینہ جو	آنچہ در تقدیر بود آمد برو
غیرتِ باغِ جناں یہ شہر تھا	یک بیک بربادجو ایسا ہوا
انتقامِ عیش و عشرت ہو چکا	اب یہ ہے ہر شخص کی ہر دم دعا
لطف کن بر اہلِ دہلی اے خدا	تا کہ باشد آب و آتش را بقا

افسوس

(افسوس) میر شیر علی ابن میر مظفر خاں داروغہ توپ خانہ عالیجاہ نواب میر قاسم ناظم صوبۂ بنگالہ۔ انکا نسبی سلسلہ امام جعفر صادقؑ تک پہنچتا ہے میر مظفر خاں کا اصلی وطن نارنول صوبہ آگرہ تھا مگر چونکہ وہ خود اور اُنکے بھائی سید غلام علیخاں نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم کی رفاقت میں اوقات بسر کرتے رہے اس لئے دہلی میں توطن اختیار کرلیا تھا چنانچہ میر شیر علی دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ سید غلام علیخاں صاحب اقتدار تھے چنانچہ عارضی طور پر عمدۃ الملک کی وفات کے بعد الہ آباد کے صوبہ بھی رہے۔ بھائی کی وفات کے بعد سید مظفر خاں ترک ملازمت کر کے ۱۲ برس خانہ نشین رہے انجام کار نواب خاں عالم نواب بقاء اللہ خاں نے اُنہیں بلاکر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپیہ کا ملازم کر دیا۔ اُس زمانہ میں میر شیر علی کی ۱۱ برس کی عمر تھی اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کی صحبتوں نے بچپنے ہی میں شعر کا شوق پیدا کردیا۔ میر حیدر علی حیراں دہلوی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ علی ابراہیم خاں اپنے تذکرہ میں انہیں میر حسن کا شاگرد بتاتے ہیں اور بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ جناب میر و سوز سے بھی اصلاح لی تھی۔ الغرض مشاہیر اہل سخن سے تھے۔ عربی اور علم حکمت کی تحصیل علمانہ تھی۔

ان والد لکھنؤ پہونچنے کے بعد کئی برس بعد حسب الطلب نواب میر محمد جعفر خاں مرشد آباد جاکر توپ خانے کی داروغگی کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ جب شجاع الدولہ اور میر قاسم سرکار انگلیشیہ کے مقابل صف آرا ہوئے تو یہ بھی اُنکے ہم رکاب تھے۔ میر جعفر کی وفات کے بعد ملازمت ترک کر کے دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ میر افسوس خود ابتدا میں نواب سالار جنگ اور اُنکے لڑکے مرزا نوازش علیخاں کے پاس گیارہ برس تک رہے پھر مرزا جوان بخت ولیعہد نے جو اُن ایام میں لکھنؤ میں رونق افروز تھے کلام سنکر از راہ قدردانی طلب فرماکر اپنے مصاحبوں میں داخل کرلیا۔ جب صاحب عالم کچھ عرصہ بعد دہلی جانے لگے تو یہ ہمراہ نہ جاسکے اور نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نائب آصف الدولہ کے پاس چلے آئے

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولی گورنر جنرل سے انکی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتے گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا سرشتہ آپکے سپرد ہوا - ۲۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا - کلکتے جاتے ہوئے آپ مرشدآباد میں مرزا علی لطف صاحب تذکرہ کے پاس بھی ٹھہرے تھے - ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے گلستاں کا ترجمۂ اردو میں کیا آرائش محفل اور مثنوی بے نظیر موسوم بہ سحرالبیان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کی تالیف ہے - الغرض کلکتہ میں اچھی عزت پائی خلیق و اہل دل مروت و انکسار میں فرد کامل تھے - طب میں بھی دستگاہ تام رکھتے تھے - ۱۸۰۹ء میں اس فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے - یہ آپکے کلام کا لب لباب ہے ؎

تو سچ بتا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی
سے ہے پاؤں سے اپنے وہ آلہ روہر دم
ہے یاں تلک تو نزاکت گلوں کے گجرے
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
بخشیو ہم کو تمہیں ٹوکا ہے ہنسنے بھول کر

مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
یہ مرتبہ تو دلِ داغدار کا پہنچا
لچکنے لگتا ہے اُس گلعذار کا پہنچا
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
دردِ دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا

نزع میں زرد تھا رخِ افسوس
اسکے اُٹھتے ہی جاں پہ آن بنی
شب جو دم توڑنے میرا دلِ بیمار لگا

چیننی رنگ نے اُسے مارا
دیکھئے آگے کیا ہوگا
سر ہلانے ولے عیسی پس دیوار لگا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
پاؤں یہ گاڑے کہ جوں نقش قدم پھر نہ اٹھے
خشک گرم پانے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہیں
ہو مرا کیونکہ گزر اُس کی گلی میں واں تو
بزم میں اسکے نہ ہنستے ہیں نہ اُسک سکتے ہیں

صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
خاک میں ملگئے بیٹھے جو ترے در پہ ہم
دیکھ لو مردمِ آبی کے بھی گھر جلتے ہیں
طائرِ سدرہ کے اُڑتے ہوئے پر جلتے ہیں
چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا مُنہ تکتے ہیں

اُس بتِ بے حجاب کا دیویں ابھی اُٹھا نقاب
دیکھ سکے گا پر اُسے تاب ہے اتنی طور کو

سچ ہیں یہ خود نمائیاں۔ حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلۂ طور بجھ گیا دیکھ کے اُسکے نور کو

تا نہ بھلا وہ مُنہ اگر دیکھے جو اک نظر تو پھر
مُنہ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکرِ حور کو

تو نے افسوس کیا کیا۔ دشمنِ جاں کو دل دیا
یہ تیری عقل جل بجھے آگ لگے شعور کو

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو
وہی احباب جو یاں آئے تھے سمجھانے کو

اپنی چھب تمتی ہمیں دور سے دکھلاتے ہو
آؤ لگ جاؤ گلے کیوں ہمیں ترساتے ہو

ہنستے ہیں شبِ وصل میں پہ ہم اتو پر اک دن
اس شب کو بہت روئینگے اور یاد کریں گے

دیوار گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
زاہد بتا تو ہمسکو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

صلاح جانے جو کچھ کہیو اُس سے اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

مُنہ تو دکھلائے ذرا گو نہ ملاقات کرے
ہمکو سو وصل ہیں جو ہنس کے وہ اک بات کرے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید
جیتا پھر آسکے مجھسے مرا نامہ بر سے ملے

کچھ بات تمسے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

سوچے ہے کیا لگالے اگر سر میں درد ہے
اِس خاک پا کے آگے تو صندل بھی گرد ہے

رکھ تو اُسکے حلق پر شمشیر اپنے ہاتھ سے
صید کو اپنے تو کر نخچیر اپنے ہاتھ سے

سینہ و دل کو ابھی رکھدوں نشانے کے عوض
گر لگائے وہ ستمگر تیر اپنے ہاتھ سے

شکل اسمیں کسکی ہے سچ سچ بتا افسوس تو
کیوں نہیں رکھتا ہے تو تصویر اپنے ہاتھ سے

کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہے
تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہے

کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا ہی وہ اے ناصح
تجھ کو نہ خوش آیا یہ پر مجھ کو تو بھاتا ہے

عبث ہے سوچ تجھکو نامہ بر دے شوق سے مجھکو
کوئی جھڑکی کوئی گالی اگر اُسکی زبانی ہے

ادا و نازکی رسموں سے تو واقف نہیں مطلق
ارے نادان یہ تو عین اُسکی مہربانی ہے

صورت تجھے حق نے دی پری سی
پر آدمیت بھی دی ذری سی +

نہیں جائینگے اس مجلس سے ہم بے اُنکے لے جائے
قدم اب کب اُٹھاتے ہیں کہ ہمنے پاؤں پھیلائے

افسوس

(افسوس) منشی سید محمد علی ولد مولوی سید نوار اسعد مرحوم انکے والد نصیرآباد ضلع رائے بریلی کے متوطن تھے۔ مگر ریاست ٹونک سے تعلق پیدا کر لینے کے سبب نواب وزیرالدولہ والی ٹونک کے عہد میں وہیں آن رہے حضرت آفسوس وہیں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۴ برس کی عمر سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق شاگرد رشید حضرت ظہیر دہلوی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ اوائل ملازمت میں کچھ دنوں نواب معزول ٹونک کے پاس بنارس میں رہے وہاں سے ٹونک آکر پھر ملازم ریاست ہوئے اور انجام کار مستعفی ہوکر منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانۂ وزارت میں بامید ملازمت بھوپال پہنچے مگر ناکامیاب۔ رہے آج کل ریاست جاورہ میں وکیل ہیں۔ ۴۰ برس کی عمر ہے۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام ہاتھ لگا انتخاباً ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ان کی خوش گفتاری اور موزونی طبعی کلام سے ظاہر ہے ؎

یہی ہے چارہ گر حقِ دوستی کہ مجھے
دوا وہ دو کہ جو ہمدم بڑھائے دردِ جگر

ہے شام ہی سے بُرا حال صبح تک کیا ہو
ابھی سے ہے حضرتِ دل ابتدائے دردِ جگر

جو بعد مرگ بھی قائم رہے تو لطف رہے
یہ دیکھیں ساتھ کہانتک نبھائے دردِ جگر

الٰہی کس گھڑی آیا ہے دل کہ میں نہیں
تمام رات ہے اور ہائے ہائے دردِ جگر

کوئی دنیا میں دوستدار نہیں
مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں

سیکڑوں محتسب ہوئے پیدا
اور ابھی موسم بہار نہیں

اس قدر بڑھ گئی ہے مایوسی
کہ اجل کا بھی انتظار نہیں

کس کے جلوے نے کر دیا بیہوش
کوئی محفل میں ہوشیار نہیں

گو کہ تقدیر سے افزوں ہی الم دیتے ہیں
لیکن اب بھی وہ مرے شوق سے کم دیتے ہیں

بدگمانی کی بدولت کبھی اپنے دل کو
تم نہیں دیتے وہ تکلیف جو ہم دیتے ہیں

غیر پھر غیر ہیں غیروں سے توقع کیا ہے	انکے فقروں میں مری جان نہ آنا دیکھو
وہ اور وعدہ وصل کا ہرگز یقیں نہیں	قاصد نے اپنے جی سے بنا کر کہی نہو
کچھ میکدہ کی راہ میں پایا ہے شیخ نے	توبہ ہماری ٹوٹ کے دیکھو گری نہو
شکوے عبث رقیب کے ہیں میرے روبرو	انساں ملے کسی سے تو خود سوچ کر ملے
بات بنتی نہیں بنائے سے	ہائے افسوس کیا کرے کوئی
عدو کے گھر سے کافر نے مجھے پیغام بھیجا ہے	دکھاتے کیوں نہیں تاثیر اپنے جذبۂ دل کی
تجھے میں وصل کی شب کسطرح سینے سے لپٹالو	کہ تو نکلی ہوئی حسرت ہے کافر غیر کے دل کی
بُرا ہو مرگ کا میت پہ وہ رو رو کے کہتے ہیں	کہاں جاتا ہے تو دل میں لئے سب حسرتیں دل کی

افسوس

(**افسوس**) آغا حیدر افسوس۔ لکھنوی۔ تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں اسیر مغفور کے شاگردوں میں نامور اور صاحب دیوان مطبوعہ ہیں۔ آپ شاہی میں نواب دہر آرا بیگم صاحبہ کی سرکار میں مختار تھے۔ اور مشاعرے بڑے دھوم دھام سے کیا کرتے تھے۔ کلام میں پختگی ہے مشاق ہونے میں شبہہ نہیں زبان بھی پاک وصاف ہے۔ بندش چست۔ خیالات درست شوخیٔ طبع بھی کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہے۔ تلاش بھی بری نہیں شعر کا مذاق اچھا تھا۔ اپنی زندہ دلی اور خوش خلقی کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے کلام کا نمونہ حاضر ہے

جذب آہن کس نے سکھلایا ہے مقناطیس کو	کھینچنا کس نے بتایا کہربا کو کاہ کا
شیخ ہو یا برہمن معبود ہے سب کا وہی	ایک ہے دونوں کی منزل پھیر ہے کچھ راہ کا
دل سے مٹی نہ یاد کبھی دام زلف کی	صیاد میرے ساتھ رہا میں جہاں گیا
اعجاز دیکھو سیر ہوئے کتنے تشنہ لب	پانی ذرا نہ خنجر قاتل میں کم ہوا
نازِ بیجا سے بہت تنگ ہوں میں اے افسوس	مثلِ معشوق ستاتا ہے مجھے دل میرا
ممکن نہیں ہے کاکلِ پیچاں سے چھوٹنا	دامِ بلا میں بخت نے ہم کو پھنسا دیا
غیرتِ حور و پری رشکِ مہ و شمس و قمر	خلق خالق نے کئے نور کے انساں کیا کیا

اے بتو گھر یہ خدا کا ہے کہاں آتے ہو
کیوں مٹاتے ہو کہ پھر بن نہ سکے گا تم سے

طاعت گزار کون ترا مبتلا نہ تھا
تقدیر کی کمی تھی کہ ہاتھ اُسکا رُک گیا

تلخیِ غمِ فراق کی کس مُنہ سے ہو بیاں
پھر کیا سبب جو زندۂ جاوید ہیں شہید

قیس کو جلوۂ لیلےٰ کا مزا مل جاتا
کیا فیضِ سوزِ عشق ہے مرقد لگن ہوا

افسوس یہ سب ہے فیض جنابِ آسیر کا
پی کر لہو دکھائے گا کیا کیا مزے ہمیں

ہنسیں کے وہ کہتے ہیں سودا تجھکو افسوس ہو گیا
کیا کیا نہوئے سر و خریدارِ محبت

شبِ فرقت میں یہ تھی دردِ جگر کی صورت
تھی مقدر میں نہ اے صید فگن لذتِ زخم

قاصد آیا مرے گھر یوں خطِ جاناں لیکر
سارا عالم جو شہادت کا ہو شاہد سے ترک

وہ میکشِ مدہوش ہیں ہم بزمِ جہاں میں
ہے جادۂ شمشیرِ اجل کوچۂ الفت

زلف لہراتی ہے کیسی ترے رخساروں پر
جان کا کچھ غم نہیں اسدم بھی ہے اسکا خیال

سودا ایسے ہو گئے دردِ جگر سے ہم

کعبۂ دل نہوا کوئی کلیسا ٹھیرا
قصرِ دل کیا کوئی لڑکوں کا گھروندا ٹھیرا

کب سجدہ گاہِ خلق ترا نقشِ پا نہ تھا
شہ رگ سے ورنہ خنجرِ قاتل جدا نہ تھا

کب چاشنیِ مرگ کا لب پر مزا نہ تھا
پانی جو اُن کی تیغ کا آبِ بقا نہ تھا

پردہ محمل کا ہوا سے جو ذرا ہل جاتا
پروانوں کو نصیب پروں کا کفن ہوا

مطبوعِ اہلِ فن جو ہمارا سخن ہوا
ہوتا چلا ہے تیز وہ خنجر ذرا ذرا

جس حسیں کو تو نے دیکھا اُسپہ مفتوں ہو گیا
ہے آج تلک گرمیِ بازارِ محبت

تھی نہ امید کہ دیکھوں گا سحر کی صورت
پھر گیا تیر کا رُخ تیری نظر کی صورت

جیسے جبریلِ امیں آئے تھے قرآں لیکر
پھر وہ باطل ہو مرے خون کا محضر کیونکر

مسجد کو چلے خانۂ خمار سمجھ کر
رکھو جو قدم کو تو خبردار سمجھ کے

ابر بھی لوٹ ہے جوبن سے ہے وہ گلزارِ رخ
پھرتی ہے پیشِ نظر تصویرِ جانی وقتِ نزع

کہنے نپائے حال بھی کچھ نامہ بر سے ہم

زخمی تو ہیں مگر نہیں تن پر نشانِ زخم
پرتو فگن جو ہے رُخِ ساقی شراب میں

غیر تو رشک سے کیا کیا نہ ہمیں کہتے تھے
اے طبیبو مجھے امیدِ شفا کیونکر ہو

بسمل ہوئے ہیں یار کی تیغِ نظر سے ہم
آتا ہے آفتاب نظر آفتاب میں

بے سبب آپ بھی دینے لگے الزام ہمیں
میرے نسخے میں کہیں شربتِ دیدار نہیں

دل ہمارا ہے شکلِ آئینہ
منعمو فکرِ مال و زر تا چند

ہے اس درد کا لاعلاجی علاج
بہت ہجرِ جاناں میں مانگی دعا

اپنے دشمن سے بھی غبار نہیں
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

ہم اپنے مرض کی دوا کیا کریں
نہ آئی ہماری قضا کیا کریں

کہتے ہیں آکے وہ مری بالیں پہ وقتِ نزع
یہ تو بتائیے کہ ارادے کدھر کے ہیں

بند آنکھیں ہیں اب کہاں ہمدم
جان لینے مری ملک آئے

راہ ملکِ عدم کی بند نہیں

چھٹ گئے جیسے عمر بھر کے ساتھ
آپ لینے خبر نہیں آتے
جانتے ہیں تم اگر نہیں آتے

برنگِ آئینہ بزمِ دلی میں رنگ وحدت ہے
بصارت ہو تو اندر اور باہر ایک صورت ہے

فراق میں عجب انساں کا حال ہوتا ہے
اسی الم میں تو جینا وبال ہوتا ہے

نمک چھڑکتے ہیں مرہم کی جا وہ ہنس ہنس کر
یہ زخمِ دل کا مرے اندمال ہوتا ہے

تمہاری تیغ کا پانی ہے مثلِ آبِ حیات
کہاں نصیب یہ آبِ زلال ہوتا ہے

لے جاتی اگر اسکو صبا اُس کی گلی تک
یوں خاک ہماری کبھی برباد نہ ہوتی

جی چاہے جتنا ظلم کریں یہ بتانِ ہند
منصف مرا خدا اے جہاں آفریں تو ہے

افسوس

(**افسوس**) منشی اکبر علیخاں۔ شاہجہاں پور کے رہنے والے ہیں مگر بہ سبب ملازمت بھوپال میں اقامت اختیار کرلی ہے ۔ نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں منتخب کلام ملاحظہ ہو۔

حوروں کے انتظار میں آتی نہیں ہے نیند	اب ہے یہ حال زاہدِ شب زندہ دار کا
اے عندلیب تا بہ کجا خوشش بہاناں	مہماں کوئی دم کا ہے موسم بہار کا
اے دل فلک کا سر پہ اٹھانا تو سہل ہے	مشکل گزارنا ہے شبِ انتظار کا

افضل

(**افضل**) شاہ غلام اعظم خلف الرشید شاہ ابوالمعالی سجادہ نشین دایرہ الہ آباد شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی کے ممتاز شاگردوں میں تھے - دو دیوان اور ایک مثنوی ان سے یادگار ہے - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

بے گھر ہے یک عمر سے مل جائے گھر اُسے	ہو جائے تیرے دل میں گر مجھ بھی جائے دل
اے خوش ادا وہ چال چلا تو کہ پس گیا	کیا تھی خرام ناز میں پنہاں سزا اے دل
یہ شرارے ہیں کہ آتے ہیں نظر آنکھوں میں	ساتھ اشکوں کے نہیں لختِ جگر آنکھوں میں
پوچھتے کیا ہو جہاں چاہئے رہئے صاحب	آپ کی دل میں جگہ آپکا گھر آنکھوں میں
جینے نہیں دیتی ہے ذرا چاہ کسیکی	آئے مجھے آئی ہو جو امد کسیکی
جی جائے جگر ٹکڑے ہو پھٹ جائے کلیجہ	کیا تجھکو خبر اے بت گمراہ کسیکی
ظاہری حسن پرستی کو سمجھتے ہیں عبث	دشمن عشق مجازی ہیں حقیقت والے

افضل

(**افضل**) منشی حسن یار خاں بہادر مخاطب بہ اسد الدولہ خلف باقر علیخاں باشندہ لکھنؤ شاگرد خواجہ آتش - شاہ اودھ کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے اشعارِ ذیل سے نتیجۂ فکر ظاہر ہے ؎

وہ دیوانہ ہوں جس پر رشک فرزانہ تمکو آتا ہے	فسانہ ہے پرستاں میں مری زنجیر کے غل کا
یہ یاں کی فکر میں ہے وہ واں کے خیال میں	دیکھو جسے وہ مست ہے اپنے ہی حال میں
موسیٰ کی طرح تاب نظارہ نہ ہو سکے	غش آگیا جمال جو دیکھا جلال میں
آخر یہ حُبِّ مال وبالِ بخیل ہے	انصاف ہو تو قصۂ قاروں دلیل ہے
کرتا ہے آگے یار کے اکثر ہمارا ذکر	غماز گویا اپنی طرف سے وکیل ہے

کیونکر خدا کرے نہ حسینوں سے دوستی	خود عاشقِ جمال ہے خود بھی جمیل ہے

افضل

افضل) میر افضل علیخان عرف سید صاحب خلف قاسم علیخاں قاسم لکھنوی فنِ سخن میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ۵

ہے وصفِ روئے یار نہ لو نام ماہ کا	کیا ذکر اس مقام پہ اُس روسیاہ کا
اُسوقت اپنے بام پہ آیا وہ رشکِ ماہ	افضل جب آفتاب لبِ بام ہو گیا
اتنے خط بھیجے ہیں لکھ لکھ کر کہ ہیں یکدست شل	نامہ بر کے پاؤں مجھ خستہ جگر کی انگلیاں
مانی نہ ایک بات نہ ٹھیرے وہ دو گھڑی	منّت کی لاکھ ہمنے خوشامد ہزار لاکھ
ہم وہ رندِ بادہ کش ہیں ساقیا تو دیکھ لے	مئے ٹپکتی ہے ہمارے زخم کے انگور سے

میری تصدیق بے زبانی کی	کرے قاتل زبانِ خنجر سے
دل سے شکوہ زبان تک آکر	بن گیا شکر آپ کے ڈر سے

کل سے بیکل ہوں بھلا خاک مجھے کل آئے	کل کا وعدہ تھا نہ آج آئے نہ وہ کل آئے
کیا مزا ہو جو وہ دربان سے اپنے کہدیں	کوئی یاں آنے نپائے مگر افضل آئے
شوخی غضب اُس شوخ کی خلقت میں بھری ہے	بجلی ہے شرارہ ہے چھلاوہ ہے پری ہے

افضل

(**افضل**) منشی افضل حسین آفضل خلف حاجی محمد انور۔ قصبۂ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے اور بلبل ہندوستان حضرت داغ دہلوی کے تلمذ سے فیضیاب ہیں عمر تقریباً ۳۶ و ۳۷ سال ہے چند غزلیات ارسال کی تھیں انکا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا ۵

دل ہی دل میں نہ یوں سماتا تھا	کبھی آنکھوں میں بھی تو آتا تھا
غیر کے ہاں جو تم کو جانا تھا	اپنا نقشِ قدم مٹاتا تھا
تیر کے ساتھ کیوں گیا ہے دل	حسرتوں کو نکل کے جانا تھا
میں تو جب جانتا تجھے اپنا	آج آکر کبھی نہ جاتا تھا

داغ الفت ترے کیا کہئے کہ کیا دیتے ہیں — درد دیں دکھ میں مصیبت میں مزا دیتے ہیں
شوق لیجائیگا اُس کوچہ میں اے حضرت دل — آپکے ساتھ ہم اِک راہ نما دیتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ خدا حضرت زاہد سے بچائے — اِک نہ اک روز نئی گپ یہ سُنا دیتے ہیں
آشنا ورطۂ الفت سے نکالیں مجھکو — ڈوبتے کو تو سبھی پار لگا دیتے ہیں
کُشتۂ تیغ ادا اُس بت سفاک کا ہوں — زخم ہنس ہنس کے مرے جسکو دعا دیتے ہیں
آفریں کہکے ہر اک وار پہ مشتاق فنا — دمبدم حوصلہ قاتل کا بڑھا دیتے ہیں

دل عاشق کی خاطر اے حسینو — یہ دزدیدہ نظر اللہ کے گھر میں
نظر آیا سوا تیرے نکوئی — جہاں کو خوب جانچا ہے نظر میں

سب کی نظروں میں ہے وہ عیاں کچھ نہاں نہیں — سچ پوچھئے تو یار کا جلوہ کہاں نہیں
کیا فرض ہے کہ مان لیں زاہد کا ہم کہا — آیت نہیں حدیث نہیں کچھ قرآں نہیں
وہ اور وعدہ وصل کا اے نامہ بر مجھے — باور نہیں یقین نہیں یہ گماں نہیں

افضل

(**افضل**) منشی محمد افضل خاں باشندہ میرٹھ - انکا مطبوعہ دیوان نظر سے گزرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے - دیوان سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ فن سخن میں کس سے اصلاح لی ہے کلام عیوب سے پاک اور صاف ستھرا ہے - پُرگو اور مشاق معلوم ہوتے ہیں ؎

مونس یونس ہوا تھا بطن ماہی میں تو ہی — حامئی یوسف میان کارواں تو ہی تو تھا
گہ سوز تھا دلمیں کبھی تھا درد جگر رات — کی یاد میں اِک شوخ کے مرمر کے سحر رات
صاف ظاہر ہے حسینوں کا تو باطن ہے خراب — شعبدہ انکی محبت ہے تو دھوکا اخلاص
جبیں بجبیں نوبت قاتل لبان تیغ — کیا کیا کھلائیں گے ابھی گل بسملان تیغ
یہ قطع یہ بُریدہ یہ شوخی یہ شانِ تیغ — یہ گھاٹ یہ تراش یہ پہلو یہ آنِ تیغ
ہمکو تو اپنے خوں کا عوض مل گیا یہیں — معمور آبلوں سے ہے قاتل زبانِ تیغ
شب غم کیوں تپاں ہے کسلئے پہلو بدلتا ہے — بتا تو اے دل بیتاب ان باتوں سے کیا حاصل

دل دے کے تمکو جان کا دشمن بنائے کون
بیٹھے بٹھائے مفت کے صدمے اٹھائے کون

پُرفن ہے پُرفریب ہے قاتل ہے شوخ ہے
دھوکے میں تیری چشم فسونگر کے آئے کون

شیریں تری شیریں دہنی پر ہوئی شیدا
لیلی تری دیوانی بنی نجد کے بن میں

ابرو نے تری سینکڑوں بےجرم کئے قتل
ٹھوکر سے تری مردوں کے جاں آگئی تن میں

مرے مدفن کو ٹھکرا کر وہ بولے
بہت سوئے اُٹھو خواب گراں سے

اپنا یہ حال کہ اللہ یہ ہر دم ہے نظر
اُنکی یہ ضد ہے کہ جو چاہیں وہ چاہیں ہمسے

یوں جو بن ٹھن کے آج بیٹھے ہو
فکر میں کس کے ہو مٹانے کے

ہاتھ دھوتی ہے شفق چشمۂ خورشید میں روز
خونِ بے جرم کی لیکن ابھی لالی نہ گئی

اور امید تو کیا خاک ہوئی نسے حاصل
دلمیں اک پھانس تھی سو وہ بھی نکالی گئی

وہ بولے بندۂ حق ہو تو ہمسے التجا کیوں ہے
خدا پر جب نظر ہے پھر بتوں سے واسطا کیوں ہے

رُکی کچھ دلمیں کچھ سینے میں کچھ لب پر کچھ آنکھوں میں
بڑی مشکل سے دم لے لیکے جانِ ناتواں نکلی

افضل

(**افضل**) افضل الدولہ مظفر الملک سید افضل علیخاں بہادر عرف چھوٹے بھیا آنریری مجسٹریٹ و رئیس لکھنؤ کہین پسر تدبیر الدولہ منشی اسیر لکھنوی - انگریزی - عربی - فارسی تینوں زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں - رہی اُردو سو انکی مادری زبان ہے فن شعر میں اپنے والد نامدار کے شاگرد ہیں - ۵۲ سال کے قریب عمر ہے خوش مزاج - خلیق - بامذاق - پُرگو سخن سنج ہیں - خیال میں بلند پروازی ہے اپنی اطراف میں فن سخن کے اچھے ماہر سمجھے جاتے ہیں - خطابات مذکور خورد سالی میں حضرت سلطان العالم واجد علیشاہ نے آپ کو مرحمت کئے تھے - لکھنؤ کے مؤقر اور بارسوخ عمائدین میں آپکا شمار ہے نیز آصفی نام رسالہ بھی آپ نے نکالا تھا جو اب بند ہوگیا - آپ کا دیوان تیار ہے - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اے انتظارِ یار ہے تیری مدد کا وقت
آنکھوں سے بوجھ اُٹھ نہیں سکتا ہے خواب کا

آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں ہم
اپنے دشمن کو بھی دشمن نہیں کہہ سکتے ہم

بیدار گو ہیں پر وہی عالم ہے خواب کا
دوست کا دوست ہوا جب تو وہ دشمن کیسا

دوست نے دوست کو کیا دشمن
دل نے مارا حبیب سے مل کر

گل ہیں نازک نہ کہیں باغ میں مرجھا جائیں
گھر میں سببِ امن ہے اب کثرتِ آفات
یوں دل سے میں کہتا ہوں رہِ صبر و رضا میں
باغبان کہتے ہیں گلچیں سے یہ گلزار نہیں
حضرتِ خضر بنے رہئیے جو تنہا کیا لطف
خوشی ہو یا ہو غم دنیا میں کلفت ہو کہ راحت ہو
مناسب ہے کہ رنگِ ظاہر و باطن میں وحدت ہو
ہمارے اُنکے آپس میں اگر ملنے کا دن ٹھہرے

بارِ الفت کا کہو اِن پہ نہ ڈالے بلبل
کہتی ہے بلا کون پڑے جاکے بلا میں
اتنا تو وفا میں ہو وہ جتنے ہیں جفا میں
جیت اُس پھول کی ہے ہو جو ترے ہار وں میں
زندگی وہ ہے جو ہو جائے بسر یاروں میں
بدل راضی ہوں بسم اللہ جو تیری مشیت ہو
بشر ہو نیک سیرت بھی اگر وہ خوبصورت ہو
اِدھر ہو ضعف سدِ راہ اُدھر مانع نزاکت ہو

تمہاری گر عنایت کی نظر ہو
یہ شوقِ دید میں دل چاہتا ہے
دکھائی دے رُخِ وحدت کا جلوہ

تو مشتاقِ دعا اُلٹا اثر ہو
کہ میں پہنچوں وہاں پہلے نظر سے
اُٹھے پردہ دوئی کا گر نظر سے

پیچھے مسیح ہونے کا دعوےٰ کرے کوئی
کل اُسکا رنگ اور تھا آج اُسکا ڈھنگ اور
بھرا ہے دل میں بہت اسکے زعم یکتائی
امیدوار ہزاروں ہیں لاکھ خواہش مند
شباب کا بھی وہی رنگ ڈھنگ ہے افضل
دلِ پُر داغ میرا رنگ و بوئے عشق رکھتا ہے
لیا ہے جسنے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا

پہلے مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی
کیونکر مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی
مزہ تو جب ہے کہ آئینہ روبرو آئے
ہے ایک دم ترا کس کس کے دل میں تو آئے
نہ جیسے جاکے پھر انساں کی آبرو آئے
یہ گلدستہ تمہاری محفلِ رنگیں کے قابل ہے
چرایا ہی نہیں جب چور کیوں پھر آپکا دل ہے

حج کو چلتا ہے تو بس یوں ہی نکل چل زاہد
راہ سیدھی ہے بہت کعبہ کی بتخانہ سے

دیکھ لے حضرتِ زاہد کا تقدس کوئی
منہ چھپائے ہوئے جاتے ہیں وہ میخانہ سے

یہ کہہ کر ہم سے اُسنے تنگ ہے برخاست محفل کی
کہیں کچھ اپنے دل کی اب سُنیں کچھ آپکے دل کی

وہ خود حیراں ہو کر عاشقوں سے اپنے کہتے ہیں
چلا جاتا ہے اک اک سے نئی گرمی ہے محفل کی

وہ آبِ تیغ کو آبِ بقا سمجھتے تھے
گلے گلے ترے بسمل نہ کیوں اُتر جاتے

ہاتھ سے مستوں کے میخانہ میں پہنچی شکست
توبہ فریادی درِ قاضی پہ ہے آئی ہوئی

مہر کا ذرہ میں جلوا چاہیئے
قطرے میں کچھ جوشِ دریا چاہیئے

جنکے بر لانے کی کوشش وہ کریں
اُن تمناؤں کو دیکھا چاہیئے

تیرے بیماروں کا مُردوں میں شمار
شرم اے رشکِ مسیحا چاہیئے

پی کے مئے زاہد ہو معروفِ نماز
دین کا حظ لطفِ دنیا چاہیئے

افضل — (افضل) مرزا افضل حسین بیگ مددگار صیغہ دار نظامت عدالتہائے گلبرگہ حیدر آباد دکن زمانۂ حال کے نومشق شعرا میں ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

بعدِ مردن بھی مری روح کو فرحت ہوتی
ہنس کے تربت پہ مری وہ جو گل افشاں ہوتا

ہے عزم سوئے مسجد و بت خانہ کسیکا
اُٹھتا ہے قدم جانبِ میخانہ کسیکا

لے کے دل آپ مکر جاتے ہیں
کچھ ٹھکانا ہے اس ڈھٹائی کا

پھرے پھرتا ہے ہمسے جو زمانہ
کشیدہ ہے جو چرخِ جنگ جُو ہو

افضل — (افضل) منشی عبد الرحمن باشندہ حیدر آباد دکن - مولانا حبیب الرحمن تبدیل سہارنپوری کے تلمذ سے بہرہ ور اور نومشق شاعر ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

دیر ویرانہ ترے وقت میں کعبہ تھا خراب
عہد میں تیرے کوئی کافر و دیندار نہ تھا

نگہ تیری عجب جادو بھری ہے
ملا کر آنکھ مجھ سے لے لیا دل

پھنسایا کس لئے مجھ کو بلا میں
تری تقصیر کیا کی تھی بہلا دل

افغان

(**افغان**) محتشم خاں افغان۔ قومیت کی رعایت سے تخلص افغان رکھا تھا۔ طبقہ دوم کے شعرا میں گزرے ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ تین شعر انکے طبعزاد ہیں ؎

یار میرے کی یہ رفتار و ادا اور ہی ہے	عشوہ و غمزہ و گفتار و ادا اور ہی ہے
بندگی بندوں کی رہتی نہیں ہرگز منظور	ان بتوں کا جو میں دیکھا تو خدا اور ہی ہے
اے میاں ظلم سے تیرے نہ ٹلے گا افغاں	یہ غلام ایسا نہیں اسمیں وفا اور ہی ہے

افق

(**افق**) منشی دوارکا پرشاد صاحب لکھنوی۔ آپ منشی پورن چند کایستھ مالک مطبع تمنائی لکھنؤ کے صاحبزادے اور منشی رام سہاے تمنا کے بھائی ہیں۔ اُردو تو خیر آپکی مادری زبان ہے لیکن فارسی میں بھی آپ دستگاہ کامل رکھتے ہیں بچپن سے شعرگوئی کا شوق ہے۔ منشی شنکر دیال فرحت سے اصلاح لیتے تھے سنسکرت اور انگریزی سے بھی واقف ہیں چنانچہ راجستان ٹاڈ۔ رامائن وغیرہ سنسکرت اور انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ نہایت لطافت اور عمدگی سے کیا ہے۔ بڑے ذکی۔ فہیم۔ اور خوش فکر شاعر ہیں طبیعت موزوں اور فکر عالی پائی ہے۔ آج کل اخلاقی اور نیچرل مضامین پر جھکے ہوئے ہیں نیچرل طرز میں بھی مشرقی بانکپن کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ سناتن دھرم سبھا کے جلسوں میں اکثر نظمیں پڑھتے ہیں۔ فی زمانہ طرز جدید کے کہنے والوں میں آپکو درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ مضامین نگاری میں آپکو معقول دسترس ہے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک لکھنؤ سے نظم اخبار آپکے زیر نگرانی شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۰۲ء میں لاہور آکر پنجاب سماچار کی ایڈیٹری کی کرسی کو زینت دی۔ اب کچھ عرصے سے مہابھارت اور رامائن نظم کر رہے ہیں جنھیں پڑھکر بعض بعض مقامات پر کلام کی صفائی و روانی اساتذۂ لکھنؤ کا رنگ یاد دلاتی ہے۔ اوائل سے آپکو تصنیف و تالیف کا شوق رہا ہے۔ افضل التواریخ۔ سروش سخن نظم۔ اور متعدد رسائل نظم و نثر آپکی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپکی عمر اب ۵۰ برس کے قریب ہے ؎

کام ماتھے کا ہے جو سے وہ بدلی نہیں	کبھی ہونے نہ دے ہنگام غضب جلوہ جبیں

سجدۂ حق کرے دے بوسۂ قرآن مبین
قشقۂ عجز کو چہرے کی بنائے تزئین

خطِ قسمت میں جو تحریر ہے مانے اُسکو
کرے وہ کام جو سونپا ہو خدا نے اُسکو

کام سینے کا ہے ہنگامِ مصیبت ہو سپر
سینے فانوس بنے شمعِ فن و علم و ہنر
کرے ماتم جو ملے رنجِ احبا کی خبر
دے کل اوصافِ صفائی کو جگہ مثل جگر

عقل و حکمت کے لئے سینۂ سیناؔ[1] بن جائے
جلوۂ نورِ خدا کے لئے سیناؔ[2] بن جائے

جو بشر کرتا ہے سیتا کا لقب وردِ زباں
مُنہ سے نکلا جو کہ اُس پورے ہوئے سب ارماں
زخمِ دل سیتا سے مٹ جاتی ہے ایذائے نہاں
دستِ رحمت سے سیا نے سیا چاکِ داماں

جانکی جی کا جہاں نام زباں پر آیا
جان کی خیر ہوئی مقصدِ دل بر آیا

پاپ اِن ناموں کے رٹ لینے سے کٹ جاتا ہے
ناٹ افلاک و فلاکت کا اُلٹ جاتا ہے
پاٹھ سے پاٹ یمِ رنج کا گھٹ جاتا ہے
آکے جم راج سرہانے سے پلٹ جاتا ہے

نام اِن ناموں سے رہتا نہیں بدبختی کا
نام مٹ جاتا ہے تشویش و غم سختی کا

جگمگا اُٹھا کفِ پا کی ضیا سے رنواس
طرفہ تھے کھیل کلیل اور عجب اُس بلاس
ہوا بیکنٹھ اودھ و لیش اجودھیا کیلاس
دیوتا رہتے تھے حاضر پئے خدمت چوپاس

خلق کی آنکھ کے پردے تھے بچھونے اُنکے
چاند سورج تھے لڑکپن میں کھلونے اُنکے

رنگ بگڑا ہوا رگھبر نے جو دیکھا بھالا
آنے والی جو بلا سر پہ تھی اُس کو ٹالا
آتشِ قہر کے گل کرنے کو پانی ڈالا
یوں پرسرام سے بولے کہ جنابِ والا

اب دھنک ٹوٹ چکا عفوِ خطا ہو کہ نہ ہو
سرِ تسلیم ہے خم حکمِ سزا ہو کہ نہ ہو

دل پہ اس فقرۂ تہذیب نے جادو ڈالا
بوسے یوں دیکے دھنک قوسِ قزح سے اعلیٰ
حلم نے چشمِ حقیقت کا مٹایا جالا
یہ جو چڑھ جائے تو ہُوں قائل ذاتِ والا

[1] بو علی سینا سے مراد ہے ۱۲ [2] کوہ طور مراد ہے ۱۲

رام نے چلہ چڑھاتے ہی دھنک تان لیا
بشن کا روپ پرسرام نے پہچان لیا

خود رکھشیر کے اشارے سے سر رام اُٹھے
بہر تعظیم مہاراجہ عظام اُٹھے
(درباں ہو نغمہ سنجی)
کر کے مرشد کو لب عجز سے پرنام اُٹھے
دست محلات دعاؤں کو لب بام اُٹھے

رام کے زور سے شہزوروں کا جی چھوٹ گیا
دست نازک سے اُٹھاتے ہی دھنک ٹوٹ گیا

آنکھ نیچی ہوئی راجوں کی سری رگھبر سے
آئیں جے جے کی صدائیں لب ہفت اختر سے
راکشس سہم گئے - کانپ اُٹھے بھاگے ڈر سے
دُندبھی بجنے لگی پھول فلک سے برسے

جانکی جی کی عیاں خوبیٔ اقبال ہوئی
رام کے زیب گلو ہاتھ کی جیمال ہوئی

افکار

(افکار) صاحبزادہ اصغر علیخان افکار ولد صاحبزادہ احمد یار خاں افسر رامپوری خلف نواب احمد یار خاں صاحب آمیر - خاندانی شاعر تھے - مذاق سخن ورثہ میں پایا تھا - طبیعت مضمون آفریں اور عاشقانہ مذاق تھا - بقول امیر مینائی آپ کا بیان تھا کہ بنے اخوند زادے غفلت خواجہ آتش - ذوق - اور علی بخش بیمار - ان چاروں سے فیض سخن پایا ہے - ترتیب تذکرہ بزم انتخاب یادگار (۱۸۸۱ء) کے وقت ۵۰ سال کی عمر تھی - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

ذکر محشر ہو چکا واعظ ذرا اب دل سنبھال
میں بیاں کرتا ہوں اپنے فتنہ گر کی چال کا

دے دیا طاق سے آئینہ اُٹھا کر اُنکو
حال مجھسے دل حیراں کا دکھایا نہ گیا

اس پہ مرتے ہیں وہ آئیں قبر پر
یہ بھی ہو جائے گا ہونا کچھ نہیں

میری تربت کی زیارت کے لئے جاتا ہے
جو یہ سُنتا ہے کہ وہ فاتحے کو آئیں گے

تم تو محشر میں نہ ہو گے کہدو
ورنہ اک اور قیامت ہو گی

آہ کا گریہ کا بیتابی کا کچھ عالم نہ پوچھ
ڈر ہے یہ ناصح برے تجھکو نہ سمجھانا مجھے

قد ہی خود قیامت تھا زلف کیوں بڑھائی ہے
اور ساتھ محشر کے ایک بلا لگائی ہے

اقبال

(اقبال) نواب اقبال یار جنگ بہادر کمشنر محکمۂ انعام و اتالیق ولیعہد حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ - معمر اور پاکیزہ صورت بزرگ تھے - کبھی کبھی اُردو شعر گوئی کی طرف بھی تفنناً مائل ہو جاتے تھے

اور اُسمیں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ فرماتے تھے - دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۰۳ء میں دہلی بھی حضور نظام کے ہمرکاب آئے تھے اُسی سال کے آخر میں انتقال فرمایا - کلام حاضر ہے ۵

لاکھوں کے اِک اشارے میں نخچیر دل ہوئے	کیا سحر تو نے اے نگہِ یار کر دیا
گھر مرے آیا نہ وہ مہرِ درخشاں ابتک	ہوا اختر طالع مرا تاباں ابتک
دیکھکر اُس لبِ پانخوردہ کی سُرخی کی بہار	خون ہوتا ہے دلِ لعلِ بدخشاں ابتک
گالیاں دیتے ہیں وہ مجھکو مگر پیار کے ساتھ	اِس مروت کے بھی دنیا میں ہیں انساں ابتک
ساتھ سوئے وہ مگر پہلو میں رکھ آئینہ	مرے حق میں ہوگیا سدِ سکندر آئینہ
بوسہ جب اقبال نے مانگا تو اک انداز سے	ہنس کے فرمانے لگے ہوگا مکدر آئینہ
کسی کی چشمِ فتاں زلفِ پیچاں ہیں مرے دلکو	پھنسا کر جو الگ ہے دیکھئے ہشیار کیسی ہے
دکھاکر تازیانہ زلفِ پیچاں کا وہ کہتے ہیں	تجھے معلوم ہے اقبال اسکی مار کیسی ہے

(۱) اقبال - شیخ محمد اقبال ایم اے سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور - آپکی ولادت سنہ ۱۸۷۰ء میں ہوئی وطن مالوفہ سیالکوٹ ہے - لاہور کالج میں تعلیم پاکر ایم اے کی ڈگری حاصل کی ابتدائے سن تمیز سے آپکی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی - فن سخن کا نہایت شستہ وصحیح مذاق سخن آفریں نے آپکی طبیعت میں ودیعت کیا ہے - یہ خدادا صفت آجکل کے شعرا میں کم پائی جاتی ہے - لاہور کے ایک مشاعرہ میں جو آپ نے پہلے پہل غزل پڑھی اُسکا ایک شعر سنکر مرزا ارشد گورگانی کو جو اتفاق سے شریک بزم مشاعرہ تھے نہایت حیرت ہوئی اور بے اختیار اُنکی زبان سے نکلا کہ ہیں اقبال ایسی عمر میں اور ایسا شعر اور وہ شعر یہ ہے ۵

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے	قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

یہ پہلا موقعہ تھا کہ لاہور کے بامذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی ورنہ ایام طالب علمی میں انکی طباعی اور ذکاوت کا شہرہ صرف اونکے ہم جماعت طلبا اور دوستوں تک محدود تھا - سنہ ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے

اقبال

سالانہ جلسہ میں آپنے نالۂ یتیم کے عنوان سے ایک قابل قدر نظم نہایت میٹھے سروں میں پڑھی یہ نظم دلگداز و موثر ہونیکی وجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی کہ بار بار پڑھنے کی فرمایش ہوئی اور یتیم خانے کے لئے چندے کی بارش ہونے لگی۔ اس نظم نے اُس شہرت کی بنیاد رکھ دی جو اب اطراف ہند میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپکی حالت میں انگریزی دانی اور علوم مغربی کی تحصیل کا شوق زبان اُردو کیطرف متوجہ ہونے میں سد راہ نہیں ہوا۔ اور کیوں ہوتا جس حالت میں کہ آپ فارسی اور عربی میں بھی قابلِ تعریف قابلیت رکھتے ہیں۔ اور اُم الالسنہ سنسکرت سے بھی ناآشنا نہیں ہیں۔ ابتدا میں آپ نے چند غزلیں مرزا ارشد گورگانی کو دکھائیں اور پھر بلبلِ ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا داغ سے بذریعہ خط و کتابت تلمذ اختیار کیا اُس دن سے آج تک آپکا کلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ جب سے نئے رنگ میں لکھنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی۔ کہتے کہتے خود اچھا کہنے لگے اور اپنے طرز خاص میں قابل امتیاز قابلیت حاصل کرلی۔ چونکہ غور و فکر کرنے والی خداداد طبیعت پائی ہے وہ خود ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ نواب فصیح الملک انکی قدر کرتے اور مافوق العادت۔ لیاقت ذہانت۔ بلیغ اور رسا طبیعت کی داد دیا کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ صاحب کا کلام ابھی خاص خاص باتوں میں کہنہ مشق اساتذہ کے درجہ پر نہیں پہنچا ہے مگر جو خاص بات اُسمیں ہے وہ سوائے نامور استادوں کے اور لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے۔ آپکے کلام میں بھرتی کے شعر کم پائے جاتے ہیں۔ کوئی شعر درد۔ وحدت اور اخلاق کی چاشنی سے خالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ دور دور سے داد آتی ہے چنانچہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہونگی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے۔ آپکو تحقیق و تنقید میں خاص ملکہ حاصل ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی تعلیمی مشاغل سے روز افزوں دلبستگی ہے۔ چنانچہ فی الحال تکمیل علوم اقتصاد و قانون کے لئے ولایت میں مقیم ہیں۔ آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ سے رہا ہے مگر مشکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہیں۔

اکثر اُنکے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپکے کلام میں ایک کمی ضرور ہے وہ یہ کہ کہیں کہیں خلاف محاورہ و روزمرۂ اہل زبان الفاظ نظم کر جاتے ہیں امید ہے کہ کثرت مشق سے یہ نقص بھی جاتا رہے گا۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مذاق سلیم کے ساتھ ساتھ آپکی سرشت میں انصاف پسندی بھی ایسی ہے کہ آپ اپنے دیگر ہمعصروں کی برعکس واہی نکتہ چینی سے کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر اتفاق سے کبھی کوئی صحیح اعتراض کرتا ہے تو اُسے بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی کو مطلق دخل نہیں دیتے۔ ناظرین کی تفریح کے لئے آپکے کلام کا تھوڑا سا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا (ہمارا)
ہم بلبلیں ہیں اسکی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں (دیس)
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اسکی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جنکے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ جہاں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسیکو دردِ نہاں ہمارا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خارزار ہوگا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر میخانہ سُنکے کہنے لگا کہ مُنہ پھٹ ہے خوار ہوگا

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دُکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُسکا بندہ بنونگا جسکو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلونگا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا
عاشقِ دیدارِ محشر کا تمنائی ہوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جرم ناشکیبائی ہوا
میری بینائی بھی شاید مانعِ دیدار تھی
بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا
ہائے میری بدنصیبی وائے ناکامی مری
پاؤں جب لوٹے تو شوقِ دشت پیمائی ہوا
میں تو اُس عاشق کی ذوقِ جستجو میں مر مٹا
ماعرفنا کہہ کے جو تیرا تمنائی ہوا
دیکھ ناداں امتیاز شمع پروانہ نہ کر
حسن بنکر عشق اپنا آپ سودائی ہوا
کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جسمیں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا
ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو دیکھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا
تمام مضموں مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

شاعر

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
کبھی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں
پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دیدیکر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں
نہ دیکھا اے دیدۂ خونبار دلکو کم نگاہی سے
ترے آنسو اسی اُجڑے ہوئے گلشن کے لالے ہیں
نہ پوچھ مجھسے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں
بلاکشانِ محبت کی یادگار ہوں میں
رہا ہوا خطِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں
فنا ہوئے یہ بھی گویا وفا شعار ہوں میں
جو مٹ گیا تو حسینوں کا اعتبار ہوں میں
نسیم صبح نہ چھیڑے مجھے کہ دامن سے
کسی کے ہاتھ کا جھاڑا ہوا غبار ہوں میں

نشے میں مست سمجھتا ہے مجھکو کیوں واعظ — وہ اپنا وعظ کہے جائے ہوشیار ہوں میں

تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ — کہا جو سر کو جھکا کر گناہ گار ہوں میں

رہی نہ زہر میں اقبال وہ پرانی بات — کسی کے ہجر میں جینے سے شرمسار ہوں میں

جاں دے کے تمہیں جینے کی دعا دیتے ہیں — پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت سے سوا — خود وہ اٹھ کر مجھے محفل سے اٹھا دیتے ہیں

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست — وائے محرومی صدف چین لبِ ساحل ہوں میں

تم نے تاکا دل کو لیکن اُف رے شوقِ تیرِ عشق — دل سے کہتا ہے جگر تو دل نہیں ہے دل میں ہوں

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ — کسقدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

حباب آسا سرِ موجِ نفس باندھا ہے محمل کو — ذرا دیکھ اے شررا ذوقِ فنا مجکو کہاں تک ہے

وہی اک شعلہ ہے تربت بھی ہے اور شمعِ تربت بھی — مزا مرنے کا کچھ پروانۂ آتش بجاں تک ہے

چمنِ زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل — یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

وہ چیز نام ہے جسکا جہاں میں آزادی — سنی ضرور ہے دیکھی کہیں نہیں میں نے

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا — یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں نہیں میں نے

کہتا ہے خضر دشتِ جنوں میں مجھے کہ چل — آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹے نکال کے

اے حبابِ بحر اے پروردۂ دامانِ موج — کچھ پتہ ملتا ہے تجھسے اپنی ہستی کا مجھے

کھل گئی چشمِ تماشا اپنی جسدم اے کلیم — طور ہر ذرّے کے دامن میں نظر آیا مجھے

موت ہے میری نہیں میری اجل کی موت ہے — کیوں ڈروں اس سے کہ مر کر پھر نہیں مرنا مجھے

یوں تو اے صیاد آزادی میں لاکھوں ہیں مزے — دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اور ہے

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ — خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی — جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

مدام گوش بہ دل رہ یہ ساز ہے ایسا — جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے

نوٹ — اقبال [illegible]

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے / جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

نہیں ہے فرق محبت میں اور غلامی میں / یہ عشق وہ ہے کہ محمود کو ایاز کرے

سخن میں سوزِ الٰہی کہاں سے آتا ہے / یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

اس عشق خانہ سوز کا شانِ کرم پہ ہے مدار / یاں قیدِ کفر و دیں نہیں جسکو وہ بے نیاز دے

غافل تجھے خبر نہیں لذت فراغ میں ہے کیا / دنیا ادا پہ کر فدا عقبےٰ بہائے ناز دے

یکتا نہیں جہاں میں ارزاں متاع کافری + / قیمت میں اسکی خرقہ دے تسبیح دے نماز دے

تارے میں وہ قمر میں وہ بجلی میں وہ شجر میں وہ / چشم نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد / دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے / او بیخبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کیلئے / بجلیاں بیتاب ہوں جنکو جلانے کیلئے

دیکھ لیتا ہوں جہاں تنکا کوئی چبھتا ہوا / میں اُٹھا لیتا ہوں اپنے آشیانے کیلئے

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چنکے تُو / آہی نکلیگی کوئی بجلی جلانے کے لئے

اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ آزادی کا گیت / آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لئے

اکبر

(اکبر) شاہ اکبر عرف مرزا بجو۔ شعرائے قدیم میں سے تھے۔ شیخ ظہور الدین حاتم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اکبر محمد شاہ بادشاہ کے نقیبوں میں تھے۔ خوش طبع رنگیلے اور طرار لطیفہ گو آدمی تھے۔ جب مصحفی نے شاہجہاں آباد میں مشاعرہ مقرر کیا تو اول یہ بھی اُس میں شریک ہوئے۔ مصحفی انکے کلام کو ناپسند کرتے اور یہ الزام دھرتے ہیں کہ استاذہ مشہور کے اشعار اپنے نام سے پڑھ دینے میں انہیں کچھ تامل نہ تھا اُس زمانے کے عام مذاق کے موافق متوسط درجہ کا کلام ہے جسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

دل میں جو آج درد ہے اکبر کے دوستاں / کس کی نگہ کے تیر کا پیکان رہ گیا

ہے بر میں میرے یار کے کیا جامہ چھین کا / جو باٹ ہے جامے کا سو تختہ ہے چمن کا

ہمارے دل میں خنجر تار کے کیا کیا نہ گڑتے ہیں	یہ کافر خوب رو جس وقت تن تن کر اکڑتے ہیں
یہ جتنے خوب رو سرکش ہیں انکو خوب دیکھا ہے	گئے پر حسن جب اک ایک کے یہ پاؤں پڑتے ہیں
خدا چاہے سو ہووے اب ہمارے حق میں آ اکبر	صنم سے اپنے ہم بھی آج اک بوسہ پہ اڑتے ہیں
سینے میں دل کہاں ہے تو اسکو مت ٹٹولنے	پیارے بجائے دل ہیں یاں سیکڑوں پھپولے

(اکبر دہلوی) مکرم الدولہ سید اکبر علیخاں بہادر مستقیم جنگ برادر حقیقی نواب تاج محل بیگم صاحبہ محل خاص حضرت شاہ عالم ثانی و عموی مادری مرزا جوان بخت جہاندار شاہ ولیعہد نیک سیرت خوش رو اور رنگین طبع امیر تھے۔ علم موسیقی میں اچھا دخل تھا۔ تمام عمر عیش و عشرت سے بسر کی شعراے ریختہ کا ایک نہایت عمدہ تذکرہ جسمیں چالیس تذکروں سے مدد لی تھی مرتب کیا تھا۔ ایک اُردو مثنوی نلدمن۔ اور ایک دیوان فارسی آپکی یادگار ہے۔ ریختہ گوئی کیطرف بھی منسوب ہو جاتے تھے۔ مگر دیوان اب نہیں ملتا۔ تین شعر ملے وہی لکھے جاتے ہیں عین عالم شباب ۱۸۰۳ء میں وفات پائی ؎

کب میں کہتا ہوں تجھے آ کے مسیحائی کر	ایک دم تو کبھو آ اس دلِ بیمار کے پاس
کچھ اپنی زندگی نظر آتی نہیں خدا	ہوں نیم جاں میں اُس بت عیار کے لئے
طوفاں سے کم نہیں ہے اکبر کا دیدۂ تر	دیکھ اسکو ابر بھی یہاں پانی بھرا کرے ہے

(اکبر دہلوی) نواب محمد اکبر خاں برادر خورد نواب مصطفٰے خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد دہلی حکیم مومن خاں کے شاگرد تھے۔ فکرِ سخن بہت کم کرتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا ہوتا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں بعمر ۶۵ سال راولپنڈی میں انتقال کیا۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ؎

سوچئے حضرتِ ناصح کوئی تدبیرِ وصال	حیف چارہ نکرے آپ سا دانا دل کا
دیکھ اچھی نہیں ظالم یہ ہوا دارئے غیر	شمع الفت کو تو بجھا دے نہ جلانا دل کا
خانۂ غیر میں گر لگنے لگا آپ کا جی	مجکو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا
نہ تھا سارا جہاں دشمن عبث تو نے جہاں پھونکا	جہاں کو تو نے کیوں اے نالۂ آتش فشاں پھونکا

اثر لیلی کو کیا ہو جب تری فریاد نے مجنوں	جلایا پائے ناقہ کو نہ دستِ سارباں پھونکا

دیا نہ رنج ستم سوز دل سے کام لیا	یہ خاک ہونے کا احساں ہے چرخ پر اپنا

جنونِ عشق کا درماں نہو کسی سے کبھی	کسو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا

قتل کرا کے لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں	بارے اُسنے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

دوشِ ملک پہ دیکھ کے نعشِ شہیدِ عشق	حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرشِ بریں نہو

اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا	اُس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہو

اللہ رے سوزِ سینہ کہ دامانِ چرخ میں	شعلہ لپٹ گیا نفسِ آتشیں کے ساتھ

ہم مر گئے اور اُسنے بتایا کہ مر گئے	ہر زخم پر جو ملتے تھے لب آفریں کے ساتھ

واں رسمِ اختلاط سے انکار و عذر تھا	یاں جان ہی نکل گئی اپنی نہیں کے ساتھ

طوفانِ نوح و گریۂ اکبر میں فرق ہے	یعنی کہ آسماں کو ڈبو یا زمیں کے ساتھ

ہم تو ہمیں رہے جو خفا ہو تو خوش رہو	آئی نہ تھی طلب کہ رخصت کیا چلے

اکبر

(اکبر) حاجی سید شاہ محمد اکبر ابو العلائی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور اوائل سنِ تمیز سے آپکو فنِ سخن کیطرف میلان رہا۔ مگر اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے بموجب عشقیہ مضامین ترک کر کے زیادہ تر تصوف۔ اخلاق اور معرفت کے رنگ سے کلام کو رنگتے رہے۔ اب اچھے کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا وحید الہ آبادی سے آپکو رشتۂ تلمذ حاصل ہے۔ آپکو قدیم طرز کے علاوہ طرزِ جدید میں بھی معقول دسترس ہے چنانچہ اکثر قومی مجالس میں نیچرل مضامین پر وقتاً فوقتاً نظمیں پڑہی ہیں۔ آگرہ میں اکثر قیام کا اتفاق رہتا ہے چنانچہ وہیں سے آپکا دیوان ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ سن شریف اسوقت ۶۰ برس سے متجاوز ہے۔ آپکے کلام میں سوز گداز کے علاوہ فصاحت اور بلاغت بھی موجود ہے۔ اور اس بات کو دیکھتے کہ آپکی مادری زبان اُردو نہیں ہے زباندانی بھی قابل ستایش ہے۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب پیش کش ناظرین ہے ملاحظہ ہو۔

پڑ گئے نور کے پردے جو اُٹھا رخ سے نقاب
روئے روشن رہا ہر رنگ میں پنہاں تیرا

لطف اسکا کوئی مجروح کے دل سے پوچھے
لذت درد کی ہے جان نمکداں تیرا

کھل گئی آنکھ ہوئی صبح اب آتی نہیں نیند
زندگی دیکھ لیا خواب پریشاں تیرا

مرض عشق کا کرتے نہیں عشاق علاج
اے دل زار یہی درد ہے درماں تیرا

جان بھی تیری ہے دل بھی ترا ایماں ترا
جو مرے پاس ہے سب کچھ ہے یہ احساں ترا

تیرے ترکش میں ابھی تک [illegible]
مرے دل میں ہے تو پیدا ہے یہ پیکاں تیرا

مزاج اک روز اسے خورشید محشر تیرا پوچھیگا
تو اچھا ہو کے جائے گا ہمارے داغ ہجراں کا

فقیر بیٹھا ہوں آ مرے قفل زنداں کا
اسی پر ہمکو بھی تکیہ ہے جو مالک ہے سلطاں کا

شکل جب بس گئی آنکھوں میں تو چھپنا کیسا
دل میں گھر کرکے مری جان یہ پردہ کیسا

[illegible]
کسی زاہد سے نہ اٹھوا سکے جنازہ اپنا

[illegible]
دل میں چبھتا ہے تو رہ رہ کے یہ نشتر کیسا

[illegible]
یہ کعبہ ہے ترا رخ اسے شعر آتے نہیں [illegible]

رنگ اترتا ہی نہیں عشق کا جب چڑھ جائے
ہمنے دنیا میں اسی رنگ کو پکا دیکھا

کان وہ جسنے کوئی بات سنی نرمی سے
آنکھ وہ جسنے بُری شے کو بھی اچھا دیکھا

انس ان بھروسے کریں ملنے پہ اُسکے
وہ نرہ ہے جو سو بار بھی ملکر نہیں ملتا

یہ لوگ ہیں دنیا کے بھروسا نگراں تاپہ
ہر وقت یہ رخ دیکھے رہتے ہیں ہوا کا

تکیہ انہیں ایسر ہے توکل انہیں اُس پہ
دولت اُمرا کی ہے خدا ہے فقرا کا

محو ایسا تری صورت میں ہے شیدا تیرا
دیکھتا ہے وہ ہر اک شکل میں جلوہ تیرا

تصور واملاک پہ اتنا نہ ہو منعم تجھے فخر
دینے والا تو وہی ایک ہے میرا تیرا

ابھی کھل جائیں طلسمات جہاں کے اسرار
اے رخ یار اُٹھادوں جو میں پردا تیرا

بندہ اُس سے کہے ہیں وہ جو ہم سے جدا کیا
جو بندے سے جدا ہو وہ خدا کیا

جدا ہے فہم سے اور وہم سے وہ
سمجھ لے جس کو بندہ وہ خدا کیا

کسے تو ڈھونڈھتا ہے زاہد
نظر آتا نہیں تجھ کو خدا کیا

بدلجائے جو تھوڑے رنج و غم میں وہ طبیعت کیا
کیا ہو شکر جس منہ سے کریں اُس سے شکایت کیا

ہمراہ مرنے والے کے ہیں چند گام لوگ
ساتھ اُسکا کون دے جو مسافر ہے دور کا

بت بن گئے ہر چل گیا جادو یہ بتوں کا
بت خانہ سے اب کعبہ کو جایا نہیں جاتا

کیا دلربا متاع ہے دنیا میں جنس حسن
ہے لوٹ پوٹ جس کو خریدار دیکھ کر

الله الله یہ بنا ظلم ہے اُس ظالم کا
حکم ہوتا ہے کہ دل میں بھی ہمیں یاد نہ کر

پھولوں میں رنگ آگیا دیکھ کے تیرا رنگ رخ
باغ میں آگئی بہار تیری بہار دیکھ کر

لگا دے آگ اے بلبل چمن میں
یونہیں یہ بے اثر فریاد کب تک

دم نکلتا ہے نہ ہوتی ہے کسی صورت سے صبح
تو ہی بتلا اے شب فرقت کہ اب میں کیا کروں

صدقہ تھا اپنے بازوؤں کا اور اک ہلکا سا ہاتھ
خاک و خوں میں کبتک اے سفاک میں تڑپا کروں

زاہدا کفر کی کیا تجھ پہ حقیقت ہو عیاں
ابھی معلوم تجھے معنی اسلام نہیں

کفر و اسلام کے جھگڑے سے رہائی پائی
جب سے دل اک بت کافر سے لگا بیٹھے ہیں

رتبہ میں آستانۂ دل اُس سے کم نہیں
وہ چیز ہے یہاں جو میسانِ حرم نہیں

او زاہد ریائی کدھر جا رہا ہے تو
بتخانے کی طرف ہے یہ سمت حرم نہیں

موسےٰ ہیں ہمیں جلوۂ دیدار ہمیں ہیں
ہیں طور ہمیں نور ہمیں نار ہمیں ہیں +

فردوس اگر ہے تو ہمارے ہی لئے ہے
دوزخ کے اگر ہیں تو سزاوار ہمیں ہیں

لیلےٰ دوئی نہیں رہی ارباب عشق میں
مجنوں نہیں تو ہم ترے محمل کے ساتھ ہیں

مجلس تمام عالم تصویر بن گئی +
تم آئے کیا کہ ہوش میں کوئی رہا نہیں

جب وہ پردہ رخ روشن سے اٹھا دیتے ہیں
کیا کہوں کیسا مری آنکھوں کو دکھا دیتے ہیں

جاتا ہوں تہی دست سوئے ملک عدم میں
ہے کوئی جو کچھ باندھ دے دامان کفن میں

اپنی ہستی کو ہم مٹاتے ہیں
دل سے نقشِ دوئی مٹاتے ہیں

یوں پتہ یار کا لگاتے ہیں
وصل کا رنگ یوں جماتے ہیں

حسن کو عشق سے ہے ربطِ قدیم
شمع و پروانہ ساتھ آتے ہیں

ناوک فگن ہوا و ہدف پر نظر نہیں
جاتا ہے تیرِ ناز کدھر کچھ خبر نہیں

تصورِ لیلیٰ محمل نشین کا یہ بندھا اسکو
کہ مجنوں چیختا پھرتا ہے میں لیلیٰ کا محمل ہوں

بس کہہ چکے خاموش اب اے نالہ نفا ہو
کچھ منہ سے ہمارے جو نکل جائے تو کیا ہو

عاشقی نے بھی دکھائے ہیں بلا کے نیرنگ
پاؤں ساہیں اک بت کافر کے مسلمان سگے ہاتھ

نکلا جائے تڑپ کر اسکا قیدی غیر ممکن ہے
کہ دیواریں بہت اونچی ہیں زندانِ محبت کی

بلا میں ڈال رکھا ہے گنہ گاروں کو واعظ نے
الٰہی بخشدے سب کو دکھا دے شانِ رحمت کی

جفائیں جھیلتے ہیں ظلم سہتے ہیں مگر چپ ہیں
کسی نے کیل دی ہے کیا زباں اہلِ محبت کی

کریں ہم دشمنی کس سے کوئی دشمن بھی ہو اپنا
محبت نے جگہ رکھی نہیں دل میں عداوت کی

کوچۂ زلف میں آئے تو بڑے شوق سے ہم
اب نکل جانے کا ملتا نہیں رستا کوئی

جسکو دیکھا وہ ہے اپنی ہی غرض کا بندہ
حق تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسیکا کوئی

پینے دے موسمِ گل میں تو شراب اے واعظ
توبہ کرلیں گے جو توبہ کی ضرورت ہوگی

یک بیک آ ہی گئی سر پہ وہ رخصت کی گھڑی
اس سفر کا نہ کیا تھا ابھی ساماں کوئی

آنکھیں دیکھیں نہیں تمنے کسی ستانے کی
واعظو قدر ہو کیونکر نہیں پیمانے کی

پڑھ سکیں ہم تو ہر اک برگ ہے تاریخِ چمن
لکھنے والے نے کوئی بات اٹھا رکھی ہے

فنا ہو کر کسیکی ذات میں حاصل بقا کی ہے
حقیقت میں ہماری نیستی ہستی خدا کی ہے

نہیں ہے اختیاری عاشقی سے بڑھ کے دنیا میں
بتوں کی بندگی کرتے ہیں ہم قدرت خدا کی ہے

کسی کے سامنے پھیلاوں کیا میں دستِ سوال
یہ ہاتھ تو کبھی اٹھتے نہیں دعا کے لئے

عاشق نہ پھرا تا دمِ مرگ اپنی وفا سے
جی چھوٹ گیا قاتلوں کا شستِ جفا سے

مٹتی نہیں پتھر کی لکیر اس کو سمجھنا	جو بات نکل جائے زبانِ فقرا سے
لیلیٰ ہے کہاں اور ترا دشت کہاں ہے	اے قیس تجھے عشق نہیں ہے خفقاں ہے
وہ مسیحا ہونے کا دعوےٰ کرے	ہم سے بیماروں کو جو اچھا کرے
دوست ہی جب کام دشمن کا کرے	پھر کوئی دشمن کا شکوا کیا کرے
شوق اُسکے دیکھنے کا ہے اگر	پہلے انساں اپنا نظارا کرے
دوئی محال ہے اہلِ وجود کے نزدیک	تو جسکو کہتا ہے بندہ وہی خدا بھی ہے
مردِ خوش خو نہیں تو پھر کیا ہے	پھول میں بو نہیں تو پھر کیا ہے
کون بستا ہے کعبے کے اندر	عالمِ ہو نہیں تو پھر کیا ہے
صورت آباد ہے یہ اور وہاں ہو کا مقام	شیخ کیا جانے کوئی کعبے کو بت خانے سے
جو مٹا عشق میں تا حشر رہا نام اُس کا	ہمیں ثابت یہ ہوا قیس کے افسانے سے
شاعر ہے داغ اور ہے اُستادِ فن امیر	اکبر وحید قبلۂ اہلِ کمال ہے
رحمت کے واسطے بھی تو کچھ نذر چاہیے	اے عاصیو گناہ سے بچنا گناہ ہے
یہ حسن کی خطا ہے کہ دل تم پر آ گیا	میرا گناہ ہے نہ تمھارا گناہ ہے
تری آنکھیں کہیں ہیں دل کہیں ہے	تو میرے پاس ہے لیکن نہیں ہے
مرا دل وہی دلربا بھی وہی ہے	جو ہے مدعی مدعا بھی وہی ہے
سُنا ہے یہ اللہ والوں سے ہم نے	جو سب سے جدا ہے ملا بھی وہی ہے
وجود ایک ٹھیرا تو پھر کیا ہے دھوکا	صنم بھی وہی ہے خدا بھی وہی ہے
کسے غیر سمجھا ہے تو غیر کیسا	جو بیگانہ ہے آشنا بھی وہی ہے
تو وہ شمعِ بزم ہے عالم ترا پروانہ ہے	تو چراغِ کعبہ ہے تو رونقِ بت خانہ ہے
کسی کشتے میں یہ قوت نہ اکسیر میں ہے	خاصیت جو نظرِ صاحبِ تاثیر میں ہے
ڈھونڈتا ہے دل میں اُسکو اِس میں پتہ لگے گا	کعبے میں کیا دھرا ہے خالی مقام ہو ہے

آنکھوں میں دم ہے اپنا امید کا بُرا ہو
اِسوقت بھی کسی کے ملنے کی آرزو ہے

میخانہ سے ہم کعبۂ مقصود کو پہونچے
اکبر بنے خاکِ درِ پیرِ مغاں سے

کُھلتا نہیں کچھ حال طلسماتِ جہاں کا
یہ لوگ کدھر جاتے ہیں آئے تھے کہاں سے

کچھ دور نہیں ملک عدم پیش نظر ہے
دم بھر میں پہنچ جائیں گے اُٹھے جو یہاں سے

زاہد کھلا یہ ہمکو ترے اجتناب سے
بیشک تو نا امید ہے اُسکی جناب سے

وہی عشق میں نیک انجام ہے
جسے رنج میں لطفِ آرام ہے

ہمارے قتل کا یہ ذکر جا بجا کیا ہے
جو کچھ ہوا سو ہوا اسکا تذکرہ کیا ہے

بری ہے فکر بشر سے صفات و ذات اسکی
جو آئے فہم میں اپنے تو وہ خدا کیا ہے

وجود اُسکا ثابت ہوا چاہتا ہے
مرا نقشِ ہستی مٹا چاہتا ہے

وہ بے پردہ مجھ سے ملا چاہتا ہے
حجابِ دوئی اب اُٹھا چاہتا ہے

آپ تلوار اُٹھائیں میں جُھکا دوں گردن
پوچھتے کیا ہو کہ انجامِ محبت کیا ہے

اکبر

(اکبر) عالیجناب معلی القاب فضیلت مآب کمالات انتساب خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب رضوی سابق جج عدالت خفیفہ و رئیس الہ آباد۔ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء آپکی تاریخ ولادت ہے آپکا سلسلۂ نسب امام رضاؑ سے ملتا ہے دیسی مکاتب اور سرکاری مدرسوں میں تعلیم پاکر آپنے ۱۸۶۶ء میں امتحان وکالت درجہ ادنیٰ پاس کیا۔ اور نائب تحصیلداری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ پھر ترقی پاکر ۱۸۶۸ء میں ہائی کورٹ میں مسلخوان ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور منصفی کے عہدے سے درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۸۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۹۴ء میں جج عدالت خفیفہ درجہ اول اور سشن جج مقرر ہوئے۔ اور کئی سال تک ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے۔ ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب پایا۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی ہیں عنفوان شباب سے آپ کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے

خواجہ آتش کے شاگرد منشی غلام حسین صاحب وحید الہ آبادی کے شاگرد رشید بلکہ سرمایۂ ناز اور فخر استاد ہیں۔ چونکہ عربی و فارسی زبانوں میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ زبان انگریزی اور اُسکے علم ادب سے بھی بخوبی ماہر ہیں اسوجہ سے جہانتک ممکن ہوتا ہے مغربی خیالات کو بطرز احسن ایشیائی لباس پہنانے میں ساعی رہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ بدرجۂ احسن کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ اکثر مشاہیر انگلستان کے کلام کا اُردو میں بہت ہی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ ایشائی طرز قدیم میں بھی بہت بلند پایہ ناظم و شاعر ہیں۔ قوت متخیلہ و ممیزہ دونوں میں اعلی درجہ کا حصہ فطرتاً آپکی طبیعت میں ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزوں اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانوں پر ہو رہا ہے اور اُس سے جو نتیجے پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ زبان نہایت صاف اور پاکیزہ اور طرز بیان بالخصوص صدرجہ دلچسپ و دلکش ہے لغو گوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ایک ادنی جوہر ہے مگر ساتھ ہی مضمون آفرینی اور نازک خیالی سے خالی نہیں عاشقانہ رنگ کے شعر میں بات پیدا کرنی انکی جدت پسند طبیعت کا ایک خاص مذاق ہے کلام میں صفائی و سادگی اپنے اپنے محل و موقعہ پر دلاویز جھلک دکھاتی ہیں الغرض جسقدر کلام ہے برگزیدہ و پسندیدہ خاص و عام ہے عیوب شاعری سے مبرا و نقائص سے سراسر معرا ہے۔ ہر رنگ میں ہر بحر میں ہر زمین میں کامل دسترس ہے۔ پولیٹکل اور سوشل معاملات میں آپکی راے نہایت متین و صائب ہوتی ہے۔ خیالات بھی نہایت سلجھے ہوئے اور اکثر اچھوتے ہیں۔ اپنی طرز خاص میں اسوقت مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں۔ الغرض آپکی ذات والا صفات کو اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا جامع کہنا بیجا نہیں۔ اب پنشن لیکر وطن قدیم الہ آباد میں رونق افروز ہیں۔ راقم تذکرہ پر بڑی مہربانی فرماتے ہیں حضرت کا عطیہ کبری یعنی کلام ذیل نظر افروز ناظرین کیا جاتا ہے ؎

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا	قطعہ	میں مریضِ ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزہ رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ انداز لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تجھ سے کیا کہوں
اس نے مجھکو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

قطعہ

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا

جو اعتدال کی کہیے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دیئے پاؤں سب نے ہیں پھیلا

ادھر یہ ضد ہے کہ لمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
ادھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

ادھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحتِ ناپاک
ادھر ہے وحیِ ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلا

قطعہ

رسوا وہ ہوا جو مستِ پیمانہ ہوا
لپکا جو سایہ پردہ دیوانہ ہوا

انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم ادھر رہا ادھر سے بیگانہ ہوا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہو گیا
وہ زمانے میں گھٹے مہماں رخصت ہو گیا

مے انہوں نے پی اب ان کے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہو گیا

رباعی

اونچا نیت کا اپنی زینا رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینا رکھنا

غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینا رکھنا

وفا سے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا تو اب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہو گا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر انہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھئے آ کے بزم سے یہ
یہ ذوق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

وہ دورِ چرخ آ رہا ہے اکبرؔ کہ اہلِ تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفلِ دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

جنابِ شیخ سے جا کر ذرا اللہ کہہ دینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اسے آمادۂ سودا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھاتے ہیں ہمارے مرشد
کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

وہ ادا کی کہ قفس آگئی خودداری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر
چمن میں [illegible] گل [illegible] ہو کر

بنے گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

میں سمجھا یا تلاشِ پیر کی دیکر صلاح انکو
ہوئے وہ اور بھی ظالم مریدِ آسماں ہو کر

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

زبانیں دیکھتے ہی آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہو کر

فضائے منزلِ ہستی سے کیا تفریح ہو دل کو
مجھے زیرِ زمیں جانا ہے زیرِ آسماں ہو کر

یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

خیالِ عزتِ مجنوں نہ چھوٹے دامنِ مجنوں
نہیں ہے ہوش اس کو خود تو اڑ جا دھجیاں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبرؔ پھول پتوں میں نہاں ہو کر

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی پر
حباب آسا [illegible] ابھرا [illegible] زندگانی پر

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی پر

ادائے شکر کرکے احتراز نا ولی ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں اُن کی مہربانی میں

لاکھ نعمت ہے اتنی آزادی
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا اُبھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
اُدھر نشاں اسکا مٹ رہا ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خون کی لکیریں
ہم اسکو سمجھے ہیں آبِ حیواں نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے الحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا جس میں پڑے ہیں کچھ دانہ ہائے شیریں
اُسی پہ مائل ہے طبع شاہیں شہ بال میں یا نہ پر رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی ہی بلا ہے
خیالِ مٹیر[۵۱] کا بڑھ چلا ہے ـ خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن[۵۲] رکا ہے ملحد کا ایکشن[۵۳]
نہیں ہے گم لفظ سالویشن[۵۴] خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں ہے عزت بشپ[۵۵] کی ہے
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جنابِ اکبر سے کوئی کہدے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہوئے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی جاتی ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہے واقف خزاں کے ظلم کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں اُنہیں کے دل میں جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسنِ بتِ فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش اُنہیں آئیگا دیر میں

چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

قطعہ

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پُن میں
پہونچائے گا قوت شجرِ ملک کی بن میں

تحریک سُدیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط ـ تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

[۵۱] مادیات [۵۲] قومیت [۵۳] عمل [۵۴] نجات [۵۵] پادری ۱۲

سب ہو چکے ہیں اُس بتِ کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

رباعی

بے ڈھب ہے جھوٹ سچ کی بڑی بحث[۵] ہند میں
سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو روسیاہ

جھوٹے سہی پر آپ تو ہم پر ہیں حکمراں
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اپنی ہستی جو حجابِ رخِ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پر کوئی ارماں نہ رہے

چشمِ نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے

شوق کیا نظمِ سخن کا مجھے ہو اے اکبر
وہ زمانہ نہ رہا اور وہ سخن داں نہ رہے

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی
اِن آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا
جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں چھوڑا
مرا جگر بھی نہ تھا آپکی نظر بھی نہ تھی

نگاہِ قہر سے دیکھا یہ ہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے

گزری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
ہوتے ہیں وہ رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تُو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

سینے سے لگا کر مجھے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے اس سب کے سوا بھی

سالک کو دمِ تیغ ہے قطعِ رہِ توحید
دو ہو گیا اک آن میں جو کا جو ذرا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یادِ خدا بھی

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

کہوں کس سے قصہ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے

۵ اشارہ ہے لارڈ کرزن کی مشہور سپیچ جلسہ کانووکیشن کلکتہ یونیورسٹی کیطرف جسمیں ہندوستانیوں پر بالطبع جھوٹ بولنے کا الزام لگایا

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جا سنا ہم اسیر دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصلِ بہار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھکر ترا حال اکبرِ نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشق زار ہے

قطعہ

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جاں ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

مبتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

قطعہ

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے، تو یہ ہے
نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے، تو یہ ہے

کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مسِ رعنا
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے

پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلنڈ
زلفوں میں اُلجھ آتی ہیں آفت ہے تو یہ ہے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے

تم اپنے طریقوں سے بنو عمدہ مثالیں
سچ کہتے ہیں ہم قوم کی خدمت ہے، تو یہ ہے

اکبر کی غزل سن کے یہ فرماتے ہیں احباب
حکمت ہے تو یہ ہے ظرافت ہے تو یہ ہے

رباعی

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
کالج میں آکے کانووکیشن کو دیکھئے

لیموئے کاغذی تو بہت دیکھے آپنے
اب کاغذی ترقیِ نیشن کو دیکھئے

رباعی

سنیئے حکمت جو مری گفتار میں ہے
اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے

پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اب نار میں ہے

جہاں نے ساز بدلا سازنے نغموں کی گت بدلی
گلوں نے رنگ بدلا رنگ نے یاروں کی مت بدلی

نہ گلوں میں گلوں کی سی بو وہ رہی - نہ عزیزوں میں لطف کی خو وہ رہی
نہ حبیبوں میں رنگِ وفا وہ رہا - کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے
نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی - نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے - در دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگِ وعظ مذہب
قلوب شیطاں کے تبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں تم ہی نہیں ہیں یہ بیدا یاں
اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ہوائے دنیا بدل رہی ہے سرور روح آجکل نہیں ہے
نظر کو حیرت بدن کو سکتہ نہ دل ستوں نہ روح شاداں
یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالے
سدھاریں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے
بتانِ مغرب سے ہیں تعارف کی تمنائیں

قطعہ

بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے
ناز اتنا نہ کریں ہمکو مٹانے والے
علوم کے باغ گو کھلے ہیں وہ بوئے رازِ ازل نہیں ہے
فروغ زورِ عمل بہت ہے ظہور حسنِ عمل نہیں ہے
ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے
میں دیکھوں گا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

اکبر

(اکبر) خواجہ اکبر حسین صاحب اکبر - خواجہ خواجگان چشت خواجہ معین الدین اجمیری کی اولاد امجاد اور خواجہ ڈپٹی امام الدین صاحب آخر کے برادر ہیں - آپکو فنِ سخن میں بھی غالباً انھیں سے استفادہ ہے - چالیس برس کے قریب عمر ہے طبیعت میں شوخی اور کلام میں بلند پروازی ہے - زبان بھی صاف ستھری ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

خدا سے جو اُنکا گلہ ہو رہا ہے
مجھی کو تو آتی ہیں تیری ادائیں
فقط آپ ہی مجھ سے برہم نہیں ہیں

وہ کہتے ہیں ”یہ ہیں یہ کیا ہو رہا ہے“
مجھی پر تو عالم فدا ہو رہا ہے
مرا دم بھی مجھ سے خفا ہو رہا ہے

دل اُڑائے لئے جاتا ہے پریرو کوئی +
بزم میں غیر کے پہلو سے وہ بچ کر بیٹھے +
مرضِ دل کا بجز اسکے نہیں کوئی علاج
جلوۂ حسن سے معمور ہوا ہے عالم
دل تو دل تیری طرف میں بھی کھنچا جاتا ہوں
حسرت اسے ذوقِ طپیدن کہ ہے جینا دشوار

چل گیا چشمِ فسوں ساز کا جادو کوئی
یہ بھی اِک چال ہے اسمیں بھی ہے پہلو کوئی
گلِ عارض کی سنگھا دے مجھے خوشبو کوئی
نہ مسلماں ہے کوئی نہ ہے ہندو کوئی
مجھ پہ چلتا نہیں اب میرا بھی قابو کوئی
ذبح کرتا ہے وہ باکر ترِ زانو کوئی + +

ملہ اسمیں یہ مزیدار رعایت ہے کہ ہندوستان کے مشہور محب وطن اور پولٹکل لیڈر کا یہی نام ہے ۱۲

رہ گئی اُس قدر اندازکی چُنگی میں قضا
نہ ہوا تیر مرے دل میں ترازو کوئی

گالیاں کھاتے ہیں اکبر تو بجا ہے اسکا سبب
ورنہ طاقت ہے کسیکی جو کہے تو کوئی

آزردہ ہوکے آپ نہ اے جان جائیے
مَن جائیے خدا کے لئے مان جائیے

یا پھینک دیجئے چیر کے پہلو سے دلکو آپ
یا دل کے سب نکال کے ارمان جائیے

تقصیر تھی کسیکی کسی پر خفا ہوئے
اِس آپ کی سمجھ کے بھی قربان جائیے

میں سخت جاں ہوں کٹ نہ سکے گا مرا گلا
ناحق کو ہونگے آپ پریشان جائیے

تو کہتے کہتے گالیاں دینے لگے حضور
کیا خوب بول چال ہے قربان جائیے

دشمن سے صاف ہمسے مکدّر رہے مدام
اس آپ کی صفائی کے قربان جائیے

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر نام ہے۔ منشی فیروز خاں فیروز باشندہ رامپور تلمیذ حضرت داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ موزوں طبع بھی ہیں اور مذاق بھی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ پر چلتے ہیں۔ ۳۳ و ۳۴ برس کی عمر ہے۔ منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

لازم ہے رحم بلبلِ شیدا کی جان پر
فصلِ بہار ہے نہ کتر باغبان پر

اب موت ہی نہ آئے تو پھر اسکا کیا علاج
سو بار ہم تو کھیل چکے اپنی جان پر

دوستی کے جو کیا کرتے ہیں دعویٰ احباب
وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا لیتے ہیں

جب قاصدِ خیال کا واں تک گزر نہو
پھر کیا شکایت اپنی رسائی اگر نہو

یوں آنکھ میں رہو کہ نہو پتلیوں کو بار
اس طرح دل میں آؤ کہ دل کو خبر نہو

ہردم ترقیاں ہیں تمہارے جمال کو
آئینہ بار بار نہ دیکھو نظر نہو

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر خان باشندہ کانپور شاگرد سالم لکھنوی۔ دورِ موجودہ کے شعرا میں ان کا شمار ہے نتیجۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

دُھن ہے اُنہیں ایجاد کوئی طرزِ جفا ہو
بیداد کا انداز نرالا ہو نیا ہو

یہ بوٹا سا قد اور یہ رفتار ستم خیز
کس طرح قیامت یہ قیامت نہ بپا ہو

جس حشر کو ہم روز جزا سمجھے ہوئے ہیں	وہ بھی نہ اُسی کافر بدخو کی ادا ہو
جب آ کے ندیں زہر بھی وہ ہاتھوں سے اپنے	بیمار تپ ہجر کی کیا خاک دوا ہو
دشمن کو عطا بوسۂ لب ہو میسر ہوتے	ہونٹوں پہ تو دم کس کے ہو اور کسکی دوا ہو
شکوہ ستم یار کا مُنہ سے نہو اکبر	ہو شکر بہر حال وفا ہو کہ جفا ہو

اکبری

(اکبری) دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن اکبری مغفور خلف اکبر امارت و ایالت دستگاہ خیر اندیش دولت عالیہ دیانت دار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ صاحب راجہ کلانور دیوان صاحب اوائل میں سرکار مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور مہاراجہ دلیپ سنگھ میں اور بعد الحاق پنجاب سرکار انگلشیہ میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ آپکے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر آپ نے لاہور میں نشوونما پائی تھی۔ انجام کار یکم اگست ۱۸۶۷ء کو بمرض ہیضہ بعمر پینتالیس سال سُرگباش ہوئے دیوان صاحب مغفور نہایت باخبر مطالعہ پسند لایق۔ فقیر دوست امیر تھے سیاحی کا بڑا شوق تھا چنانچہ اکثر بلاد ہندوستان مثل بنارس۔ گیا۔ لکھنؤ۔ دہلی کی سیر کی تھی علم ہندسہ و حساب میں وحید زمانہ تھے فارسی بیشتر اور ریختہ کمتر کہتے تھے دیوان فارسی معہ غزلیات اُردو پنڈت صاحب کے خلف الرشید دیوان پنڈت رام ناتھ صاحب مرحوم سابق ڈسٹرکٹ جج نے شایع کرادیا تھا۔ اُسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ؎

یادِ وحدت میں تعلق کا جو پردہ اُٹھا	صاف ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اُٹھا
انساں کو حق نے نور کا مظہر بنادیا	اِک مشتِ خاک تھا جسے جوہر بنادیا
خونِ جگر سے ہنسنے کیا دل کو لالہ زار	داغِ جنوں سے دل کو مشجر بنا دیا
کون وہ ہے جو ترا طالب دیدار نہیں	کون اِس چشم سیہ مست کا بیمار نہیں
مردانِ خدا خواہشِ دنیا نہیں کرتے	آزادہ رہ و رسم کی پرواہ نہیں کرتے
کیوں ہمکو دکھاتے نہیں تم دستِ حنائی	ہم خوں کا کچھ آپ پہ دعوے نہیں کرتے
زاہد نہ کر تو اپنی عبادت کا کچھ گھمنڈ	شیطاں کی ایک دم میں خدا سے بگڑ گئی

(اکرام) حکیم اکرام اللہ خاں ولد حکیم ہدایت اللہ خاں۔ علم طب میں اپنے چچا حکیم سعادت اللہ کے شاگرد تھے۔ دہلی کی جامع مسجد کے قریب آپکا مکان تھا۔ مومن اور ذوق کے آپ ہمعصر تھے اس سے زیادہ نہ تو حال معلوم ہوا نہ کلام ملا۔ دو شعر دستیاب ہوئے جن میں سے ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے ؎

میرے بیچ دل کو تم ہرگز نہ پوچھو دیکھ لو	جائے آنسو کے رواں خونِ جگر ہونے لگا
آرزو وصل کی مٹائی تھی	کیا ہوا گر مٹا دیا دل کو

(اکرم) مرزا محمد اکرم۔ نواب عماد الملک غازی الدین خاں فیروز جنگ وزیر عالمگیر ثانی کے مصاحبت کی بدولت اپنے اقران و اماثل میں ممتاز تھے اور خود بھی ہو قابل صاحب استعداد زندہ دل۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں فرد تھے۔ چند اشعار تذکرہ قدرت اللہ شوق میں نظر سے گزرے درج تذکرہ کئے گئے۔ اِنکے بیٹے مرزا ابلاقی بھی فکر سخن کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں حیات تھے اور شاہجہاں آباد میں سکونت تھی ؎

یہ داغِ دل کسیکو دکھایا نجائے گا +	اس آبلہ کو ہاتھ لگایا نجائے گا
دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسیکی	یا رب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسی کی
یوں اشک کے آتا ہے ہر اک لخت جگر ساتھ	جیسے کہ دلی آتی ہو بنگاہ کسیکی +

(اکرم) محمد اکرم متوطن موضع موئی۔ جوان قابل۔ صاحب طبع سلیم تھے۔ اکثر جنگ نامہ کہا کرتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں حیات تھے۔ تذکرہ قدرت اللہ شوق میں انکا ذکر آیا ہے۔ ریختہ کیطرف توجہ کم تھی۔ چند اشعار نتائج افکار سے درج کئے جاتے ہیں ؎

امید وصل ہی میں کٹی عمر یا نصیب		ارمان دل میں رہ گیا بوس و کنار کا
جب کبھی بنکے وہ با ناز و ادا آتا ہے		دیکھ اُس بت کو مجھے یاد خدا آتا ہے
قاصدا سچ کہہ تجھے اپنے خدا کی سوگند	قطعہ	اُس کی محفل میں کبھی ذکر مرا آتا ہے
کہنے لاگا کہ میں زیادہ تو نہیں واقف لیک		غیر دشنام نہ واں نام ترا آتا ہے

اکرم

(اکرم) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ محمد آباد ضلع اعظم گڈہ کا - زمانہ حال کے موزوں طبع شعرا میں سے ہیں - یہ خلاصۂ افکار ہے ٥

مسی پر وہ کیا پان کھائے ہوئے ہیں	دھوئیں سے وہ شعلہ اُٹھائے ہوئے ہیں
نہیں پاس دل بھی کروں پیش کش کیا	مرے گھر وہ مہمان آئے ہوئے ہیں
مر کر بھی تیرے زیر قدم گھر بنائیں گے	قبر اپنی تیرے در کے برابر بنائیں گے
کہتا ہے ناز اُنسے ذرا تم جوان تو ہو	طرز ستم سکھا کے ستمگر بنائیں گے
ہنس کر وہ بولے تجھکو رُلاتے ہیں اسلئے	ہم تیرے اشک چشم سے گوہر بنائیں گے
دنیا کی کج ادائی سے گھبرا گیا ہے دل	دور فلک سے گھر کہیں باہر بنائیں گے

اکمل

(اکمل) محمد میرن جان نام اور الہ آباد کے رہنے والے تھے زیادہ حال معلوم نہیں کلام حاضر ہے ٥

زندگی منظور تھی میری تو آتے نزع میں +	قبر پر اب آکے پچتانے سے کیا حاصل ہوا
ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ	ہمیں کچھ ایک ترے عشق میں خراب نہیں
زندگی کا لطف بے عشق بتاں ملتا نہیں	دل لئے پھرتے ہیں کوئی دلستاں ملتا نہیں
دیدۂ حق بیں نہ تھے محتاج دیدار حبیب	کوئی ایسی جا نہیں ہے وہ جہاں ملتا نہیں
لائی ہیں اس وادیٔ پُر خوف میں وحشت	غالب ہے قضا بھی نہ جہاں بھول کے جھانکے
کچھ نہیں گل کو خبر بلبل کے حال زار کی	باغباں کیسی ہوا بدلی ہے اس گلزار کی
اس کا بنا اور بگڑنا یار کے ہاتھوں رہا +	خانۂ دل کو ضرورت کب ہوئی معمار کی

اکمل

(اکمل) حکیم محمد اکمل خاں ملازم دربار نیپال - مولانا شوکت میرٹھی سے ارادت رکھتے ہیں یہ آپکا کلام ہے ٥

قدم رکھنا سمجھ کر سوچ کر نفع و ضرر اپنا	فقط ایک سود سودے کا ہے بازار محبت میں
رضا پر تیرے راضی یا الٰہی میں رہوں ہر دم	تمنا ہو نہ جنت کی نہ کچھ ڈر ہو جہنم سے

بہت ارماں ہیں دل میں اِک نظارہ دیکھا تو کیا دیکھا
ریا گر چھوڑ دے زاہد تو خود کعبہ ہو دل تیرا
وہ ہی ہیں فخر آدم جو برائے قوم حاضر ہیں

ابھی پیاسے کی ہوتی ہے کہیں تسکین شبنم سے
دُھلی بھی ہے کہیں دل کی سیاہی آبِ زمزم سے
قلم سے جان سے دل سے زبان سے مال و درہم سے

(اکمل) مولانا قاضی محمد ظہور الدین خان باشندہ گولکی نواح گجرات پنجاب - مولانا شوکت میرٹھی سے اصلاح لیتے ہیں مولوی فاضل کے درجے تک تعلیم پائی ہے - اخبارات میں بھی اکثر مضامین شایع کرتے رہتے ہیں - یہ آپ کا کلام ہے ؎

لو دل کی لگی رہتی ہے کیوں شمع رخو سے
ان سے تو سوا داغ کے حاصل نہیں ہوتا
ہوا ہیں خاک پھر بھی آئینہ رو کو کدورت ہے
ستارا خاکساری کا مری اب بھی نہیں چمکا
گاہ بجلی شعلہ زن ہے گہ ہوا بر باد کُن ✦
تختۂ مشق ستم ہے آشیانِ عندلیب
وہ شوخ چشم مست کو گردش بھی دے ذرا
ہو دم کے دم میں دہر کا نقشہ الٹ پلٹ
ہے بوسہ کے سوال پہ ہر دم نہیں نہیں
کب تک رہے گی تیری یہ اے نازنیں نہیں
ہر شے میں جلوہ گر ہے مکاں ہو کہ لا مکاں
آتا نظر وہ پھر بھی کسی کو کہیں نہیں

(اکمل) منشی اکمل علی اکمل - کلکتہ کے ایک خوشگو موزوں طبع نوجوان ہیں طبیعت کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے آشکار ہے ؎

یہ زبانی غمگساری چھوڑ دے
ہم کو حالت پر ہماری چھوڑ دے
اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا
دامن بادِ بہاری چھوڑ دے
مدتوں میں جسکے ہاتھ آئی ہو وہ
آستیں کیونکر تمہاری چھوڑ دے
خونِ اکمل اپنی گردن پر نہ لے
یہ نہ کہ امیدواری چھوڑ دے

(الحمد) مولوی الحمد نام - مولانا نظام الدین عجز کے شاگرد اور مولانا فخر الدین کے مرید با ارادت تھے - اِک عرصۂ دراز تک اُنکی خدمت میں رہکر علوم باطنی حاصل کئے - زیادہ وقت درس تدریس میں صرف ہوتا تھا فارسی کی استعداد عالمانہ تھی - نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے احباب میں تھے - کلام ملاحظہ ہو ؎

بسمل مجھے نہ چھوڑ تو اے یار دیکھنا	ایسا ستم نہ کیجیو اے یار دیکھنا
جاں بلب تشنہ جگریاں سے چلا جاتا ہوں	لے خبر جلد ہی سے ساقی کہ مُوا جاتا ہوں
مست ہم آغوشی کو آ تا مری اے سیل سرشک	اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں

الطاف

(**الطاف**) منشی محمد لطافت حسین الطاف سنہ ۱۸۷۵ء میں جالندھر کی چھاونی میں ملازم تھے اور گاہ گاہ شعر گوئی بھی کیا کرتے تھے مذاق سخن کا نمونہ حاضر ہے ؎

کیوں جھوم جھوم آتا ہے ابر بہار روز	ہوتا ہوں اسکی یاد میں میں اشکبار روز
راتوں کی نیند اُڑ گئی کیوں مدتوں سے ہائے	رہتا ہے کس کی یاد میں دل بیقرار روز
کب تک سیئے گا جیب و گریباں کو چارہ گر	دست جنوں کرے گا یوہیں تار تار روز
الطاف لطف وعدہ کو اُسکے نہ جان سچ	کیا ایسے دیکھتا نہیں قول و قرار روز

الطاف

(**الطاف**) منشی محمد الطاف حسین خاں معروف بہ چندا خاں صاحب باشندہ رام پور منشی محمد احسان علیخاں آحساں شاگرد رشید حضرت داغ کے عزیز وافر تمیز اور شاگرد ہیں اور اُنھوں نے انہیں متبنیٰ بھی کر لیا ہے - ریاست رامپور میں آپکا خاندان بڑا شریف اور معزز مانا جاتا ہے - فکر معاش سے بدرجہ اوسط فارغ البال ہیں - فارسی کی استعداد اچھی ہے اور فن موسیقی کا بھی شوق ہے چنانچہ ستار اچھا بجاتے ہیں - ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر اور جوان وجیہ و خوبرو ہیں - اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت کی روانی اور فکر کی رسائی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہیں زبان بھی صاف ستھری پائی ہے - بروقت ترتیب کچھ کلام ملا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

تفرقہ ڈال دیا دست جنوں نے ایسا	کہ گریباں کا مرے تار سے ہے تار جدا
وہ خلش دوست ہوں رکھ لیتا ہوں پھر چھالوں میں	جب مرے تلووں سے ہوتا ہے کوئی خار جدا
اپنے سر مفت کی عشاق بلا لیتے ہیں +	دے کے دل جان کو خود روگ لگا لیتے ہیں
ایسی بھی داد ستد دیکھی ہے دنیا میں کہیں	گالیاں دیتے ہیں معشوق دعا لیتے ہیں
یہ نتھا معلوم اتنی مختصر ہو جائے گی	وصل کی شب بات کرنے میں سحر ہو جائیگی

مجکو رسوا کر کے رسوائی سے بچنا ہے محال	تو بھی بدنام اے نگاہِ فتنہ گر ہو جائیگی
اسکو لذت درد کی کاوش کا ہے اسکو مزا	زخم و ناخن کی بہت اچھی بسر ہو جائیگی
آؤ آنکھوں میں بٹھاؤں ہیں جو ہے خوفِ نظر	سات پردوں میں تمہیں کسکی نظر ہو جائیگی
کیوں نظربازوں کی نظروں سے لڑاتے ہو نظر	کچھ نظر اسپر بھی ہے صاحب نظر ہو جائیگی
دیکھنا ہر وقت یہ آئینہ کا اچھا نہیں	کیا کروگے میری سی حالت اگر ہو جائیگی
کیا شفا ہو ہمکو خود بیمار ہے چشم مسیح	اسچھے ہو جائینگے جب اچھی نظر ہو جائیگی
جاننا الطاف تم قہرِ خدا نازل ہوا	مہربانی ان حسینوں کی جدھر ہو جائیگی

مری جاں خوب دل زلفوں میں پھنسا	بلا کو باندھ کر رکھا بلا سے
جوانی میں غضب ڈھائیں نہ کیونکر	وہ جب ہی فتنہ تھے جب تھے ذرا سے
تیر مارے ہیں کس قرینے سے	نہ جگر کے ہوئے نہ سینے کے
برسیں گزریں نظر نہیں آتے	آپ ہیں چاند کس مہینے کے
چارہ گر زخم دل کے رہنے دے	رفو کرنے کے ہیں نہ سینے کے
ہمارا کام اچھا بھی بُرا ہے	عدو کی بات بیجا بھی بجا ہے
ترقی پر ہے ایسا سوزِ الفت	کہ دل کا داغ دل سے بڑھ گیا ہے
ہر کلی باغ میں اک پھول نظر آتی ہے	گل کھلاتی ہوئی یہ بادِ سحر آتی ہے

(الفت) منشی منگل سین کایستھ عظیم آبادی شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں نامور ہوئے ہیں اُسی زمانہ میں دہلی آئے تھے کلام دستیاب نہیں ہوا ایک شعر تبرکاً لکھا جاتا ہے اسی ایک شعر سے انکی مضمون خیز طبیعت کی قابلیت اور شوخی کا پتہ چلتا ہے ؎

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہیں	کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(الفت) منشی آنند رام الفت - باشندۂ عظیم آباد ۱۲۸۷ء میں حیات تھے زیادہ حال معلوم نہیں ؎

دل پیشکش ہے نذر ہے یہ جان زار بھی	لکھدیں مگر حضور پہ لکھ نباہ کا

بیعت مجھے بھی مشرب پیر مغاں میں ہے	ساقی ادھر بھی دور کرم کی نگاہ کا
آباد یہ سیاکش رہیں ساقی کا بھلا ہو	پھر قلقل مینا کی بلند آج صدا ہو
پھر زخم کہن آج مرے دل کا ہرا ہو	قاتل دم شمشیر دم باد صبا ہو

الفت

(**الفت**) منشی شیونراین الفت ورما مختار ساکن بھیل پور - دور موجودہ کے شعرا میں سے ہیں - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ۵

جی سے ہم جائیں اُنہیں پروا نہیں	ہے یہ کیا گر غمزہ بیجا نہیں
خواب میں بھی رہتے ہو تم دور دور	اسقدر رکھنچنا تمہیں زیبا نہیں
بن بن کے تم آئینہ عبث دیکھ رہے ہو	ہم مرتے ہیں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے
ڈرتے ہیں کہ تم کھینچ نہ لو ہاتھ ستم سے	کیا تم سے کہیں لطف جفا اور ہی کچھ ہے

الفتی

(**الفتی**) راجہ پیارے لال ولد راے سکھن جی کایستھ دہلوی - فارسی انشا پردازی میں مہارت کامل حاصل تھی - چنانچہ وجاہت خاندانی و ذاتی لیاقت کے سبب کئی برس حضرت اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے - پھر ترک وطن و روزگار کر کے عظیم آباد جا بسایا تھا - شعرا کے بڑے قدردان تھے - انکی ایک مثنوی نیرنگ تقدیر جامع تذکرہ کے پاس موجود ہے - پٹنہ میں ابتک آپکا خاندان باعزاز و آبرو موجود ہے آپکا کلام ضائع ہو گیا ہے تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ۵

خاکساری سے مثال نقش پا	جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو گئے

الم

(**الم**) خواجہ صاحب میر دہلوی خلف خواجہ میر درد - ۱۱۹۴ھ میں بطریق سیر مرشد آباد بھی تشریف لے گئے تھے اور راجہ دولت رام کی قدردانی سے چندے وہاں قیام بھی کیا پھر کچھ دن عظیم آباد بھی رہے عاشق مزاج رند مشرب شخص تھے مگر بہ لباس فقر زندگی بسر کرتے تھے - اپنے چچا خواجہ میر اثر کے بعد درگاہ آبائی کے سجادہ نشین بھی رہے - مسٹر فیلن بحوالہ مصحفی لکھتے ہیں کہ مرشد آباد میں ایک خواص دولت رام سے الفت ہو جانے کے باعث وہاں رہ پڑے تھے ۱۷۹۶ء میں آپکا عالم شباب تھا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ۵

میں پھروں کیوں نہ بیقرار ہوا
تجھ سے بد قول سے قرار ہوا

مثل آئینہ محوِ حیرت ہوں
آہ کس کھڑے سے دوچار ہوا

اب تو اُس بت کو ہمنے رام کیا
بس خدا تجکو بھی سلام کیا

قطعہ

نے دل کو قرار بے قراری کے سبب
نے چشمہ کو خواب اشکباری کے سبب

واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی
جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

دھمکاتے ہیں بس آپ فقط مجکو اکڑ کر
بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر

ہنگامِ فغاں تھا خس و پنبہ قفس و دام
تارِ رگِ گل نے ہے رکھا ہمکو جکڑ کر

جب نامِ خدا اور سے وہ جلوہ نما ہو
مرجائیں صفوں کی صفیں حیرت سے بچھڑ کر

مندیل کا تو پیچ اُٹھا بیٹھے گا اے شیخ
چھُٹ جائیگے نہ کچھ یاد رہے گا زندوں سے جھگڑ کر

آجاتا ہے دکھ درد بُجھانے کو الم یاں
کیا اس سے مزاحم ہو اُٹھاتے بھلا لڑ کر

کیا کہیئے الم ایک گھڑی چین نہیں
معلوم ہوا کہ جیتے جی چین نہیں

الم

(الم) صاحبزادہ محمد سعید خاں ابن صاحبزادہ امداد اللہ خاں تاب اوائل میں فردوس مکان نواب یوسف علیخاں ناظم والی رامپور کے شاگرد تھے پھر اُنکے انتقال کے بعد صاحبزادہ عباس علیخاں بیتاب سے اصلاح لینے لگے۔ خوش فکر و بامذاق آدمی تھے۔ نقاشی کا بھی شوق تھا۔ ۲۶ برس کی عمر میں ۱۵۔ جمادی الآخر ۱۲۸۲ھ کو انتقال فرمایا۔ کلام موجود ہے ؎

عشق بازی کے لیئے چاہیئے پتھر کا جگر
ہمنے اس کام کو سب کاموں سے مشکل پایا

ہوا رُخ ادھر اُس کی زلفِ دوتا کا
بچائے خدا سامنا ہے بلا کا

ہمنے تیری زلف و رُخ کی یاد میں
روتے روتے صبح کر دی شام سے

الم کو کہتے ہو شاید کسی پہ مرتا ہے
وہ مبتلا ہے تمہیں پر تمہیں خبر بھی ہے

کس دن الم نصیب ہوئی تھی وفائے یار
کمبخت ہم جفا کے بھی ارماں میں رہ گئے

الم

(الم) مولوی سید احمد شاہ الم تلمیذ خواجہ ولایت علی سرور لکھنؤی پشاور کے رہنے والے

سنہ ۱۸۸۸ء تک کلکتہ میں مقیم تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ آپکا کلام ہے ۵

زرغنے میں ان بتوں کے میں بطرح پھنس گیا	تو ہی بچانے والا ہے پروردگار دل
دن بھر ہے مجکو روز قیامت کا سامنا	شب بھر تمہارے ہجر میں ہے بیقرار دل
جان شیریں مفت کیوں دیتا ہے تو	اتنا سمجھا دے کوئی فرہاد کو
دیکھتے ہی خون میرا وقتِ ذبح	گر پڑا غش آگیا جلاد کو
بطرح عشقِ دست حنائی ہے اے الم	چھوڑینگے اب یہ خاک میں ہمکو ملا کے ہاتھ
باہیں گلے میں ڈال کے دیتا ہے جام مے	صدقہ میں اپنے اُس صنم بادہ خوار کے

الم

(الم) حکیم میر مہدی حسین رضوی متخلص بہ اَلَم و عَلَم ڈاکٹر قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن خلف میر جعفر علی مرحوم جو میر حشمت علیخاں مرحوم عزیز نواب محترم الدولہ مغفور عرض بیگی کے بیٹے تھے - انکا سال ولادت سنہ ۱۲۸۵ھ ہے آپکے نانا نواب میر محمد حسین خاں عرف مغل صاحب نواب میر عالم صاحب دیوان دکن کے بھتیجے تھے آپنے حیدرآباد میں پرورش اور تربیت پائی - مڈیکل کالج واقعہ بلدہ میں کئی سال پڑھکر سند طبابت حاصل کی - چودہ برسکی عمر سے شاعری کا شوق ہے - شروع کا کلام مرزا مہدی حسین خاں حنا بریلوی کو دکھایا اُنکے انتقال کے بعد سنہ ۱۳۰۵ھ میں حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوئے - اور اُنکے زمانہ حیات تک مسلسل طور پر اپنا کلام اُنہیں دکھاتے رہے - فارسی میں آپ کو آقا سید علی شوستری طوبی سے فیض تلمذ حاصل تھا - علاوہ دیوان گلبن تاریخ - رسالہ معاشرت اور رسالہ ہادی آپکی تالیف سے ہیں - جسمیں سے اول الذکر چھپ گئی ہے - اب اکثر مرثیہ گوئی کا اتفاق ہوتا ہے ہنگام ترتیب کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب حاضر ہے ۵

تجھ سے کافر سنگدل کو موم آخر کر دیا	کیوں اثر دیکھا ہمارے نالہ و فریاد کا
ان بتانِ سنگدل کی سختیوں کے واسطے	سینہ پتھر کا کلیجہ چاہیئے فولاد کا
اللہ اللہ بیکسی کی موت بھی کیا موت ہے	لے گئیں حوریں جنازہ عاشقِ ناشاد کا

شام وصالِ غیر ادھر ان کو پھیر لائے
امید تجھ سے اتنی بھی اے آسماں نہیں

میں ہی نہیں ہوں بدظن اس بزم میں سبھی ہیں
ہر اک سے آپ ایسی کیوں کرتے دل لگی ہیں

وعدہ کیا تھا تمنے آئیں گے ہم کسی دن
اُس دن سے میری آنکھیں دروازہ سے لگی ہیں

دیکھا نہیں ہے تمکو گزری ہے ایک مدت
دیدار کو تمہارے آنکھیں ترس رہی ہیں

چاہا الم نے اُسکو تو اسمیں کفر کیا ہے
عشق آدمی سے کرتے دنیا میں آدمی ہیں

دل ہے مشتاقِ وصال آنکھیں ہیں مشتاقِ جمال
دیکھئے حشر اب ان دونو کا کیا ہوتا ہے

اے الم جسکا توکل یہ رہے دارمدار
اسکا حامی و مددگار خدا ہوتا ہے

اے الم عاشقی بُری شے ہے
دیکھ جی کا ضرر نہو جائے

جب دیکھئے بلند سوئے آسماں ہیں ہاتھ
زاہد قبول بھی ہوئی تیری دعا کبھی

یہ قیامت تو مری جان نہ ڈھائی ہوتی
دل چُرا کر نہ نظر تو نے چُرائی ہوتی

تو شب وصل ہوئی چار پہر میں رخصت
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آئی ہوتی

انتخاب ازسلام

نہیں پاس کوئی ہیں تنہا شہ دیں
ادہر دیکھتے ہیں اُدہر دیکھتے ہیں

ہوئی انتہا صبرِ اہلِ حرم کی
عزیزوں کے نیزوں پہ سر دیکھتے ہیں

الم

(الم) سید محمد زکی الم لکھنوی شاگرد جناب مونس مرحوم۔ اگرچہ دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ مگر زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

ہاتھ اُٹھے گُرز کا جو قاتل کا
بڑھ گیا اضطراب بسمل کا

توڑئیے پھول دستِ نازک سے
بے چھری خوں ہو عنادل کا

قیس ناقے کے ساتھ ہے لیلیٰ
دیکھ پردہ اُٹھا کے محمل کا

سختیاں کرنے لگے نامِ وفا جاتا رہا
اے بت تو بالکل تمہیں خوفِ خدا جاتا رہا

لوٹنے کو دولتِ وصل آئے تھے اس بزم میں
نقدِ دل بھی ہاتھ سے اے دلربا جاتا رہا

الہام

(الہام) شیخ شرف الدین عرف شاہ ملول لکھنوی۔ بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے

پہلے ملول تخلص تھا پھر الہام رکھ لیا - لکھنؤ کے شیخ زادوں میں تھے - اور لباس فقر میں زندگی کے دن بسر کرتے تھے - زود گو اس درجہ تھے کہ روانیٔ طبع سے دریا کی طرح بہتے تھے فارسی اکثر کہتے تھے چنانچہ دو دیوان بھی مرتب کر لیے تھے - لکھنؤ میں انکے معتقد بکثرت تھے بقول مسٹر فیلن ۱۸۹۳ء میں ستر برس سے زیادہ عمر تھی - منتخب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری جدائی نے یاں تک ہمیں ملول کیا — کہ زندگی کے عوض موت کو قبول کیا

دیکھا نہو جس نے کبھو سیماب کا عالم — آ دیکھے وہ میرے دلِ بیتاب کا عالم

اے ابر مژہ ناصحوں کی ضد سے تو یکبار — سب ارض و سما کو دے نظر آب کا عالم

یاقوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ بچاوے — دکھلاؤں اگر چشم کے خوناب کا عالم

گل پر تو حسنِ رخِ دلدار کے آگے — پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم

مانی ترا واللہ یہ الہام ہو بندا — کھینچے تو اگر دل کے تب و تاب کا عالم

اری بیکسی تیرے قربان ہوں — بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی

قدر تو نے کچھ نہ جانی گو بُرے یا نیک تھے — ناز برداروں میں پر ظالم ترے ہم ایک تھے

الہٰی

(الہٰی) الہٰی بخش - الہٰی - سوداگر ریوان شاگرد امیر مینائی - غالباً یہ وہی شخص ہیں جنکا ذکر پہلے اختر تخلص کے ضمن میں آچکا ہے - کلام حاضر ہے ؎

بدگماں کیا وہ ستم ایجاد ہے — کی دعا بھی تو کہا فریاد ہے

بلبلوں کیوں شکوۂ صیاد ہے — اور کچھ دن قید کی میعاد ہے

دے چکے بوسہ گلے سے بھی ملو — ایک نکلی ایک حسرت اور ہے

بن سنور کر آتے ہیں وہ حشر میں — اک قیامت میں قیامت اور ہے

حسنِ نمکیں شیخ حوروں میں کہاں — ان حسینوں کی ملاحت اور ہے

الیاس

(الیاس) سید مہر علی صاحب نبیرۂ نواب جہانگیر یار جنگ بہادر رئیس حیدرآباد دکن - آپکو میر خورشید علی نفیس کے نواسے جناب عارف سے تلمذ ہے ؎

حسن صورت آفریں ہو جائے تجھ پر آئینہ	دیکھ لے یوسف لقا صورت اُٹھا کر آئینہ
جائے حیرت ہیں جبیں وابرو و عارض ترے	زیر خنجر آئینہ بالائے خنجر آئینہ
آپ سے بگڑے نہ اک دن ہے برابر کی یہ چوٹ	دیکھئے گا سورۂ اخلاص پڑھ کر آئینہ

امامی

(**امامی**) سید محمد خورشید بلگرامی خلف سید افتخار علی ذرہ - محرم ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے امامی عرف رکھا - پہلے اپنے والد سے پھر فرخ آباد جا کر مولوی دلی کے مدرسہ میں تعلیم پائی وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر مذاق سخن بھی ساتھ لائے - فارسی میں صاحب دیوان و مثنوی تھے اُردو میں بھی کئی مثنویاں آپ نے نظم فرمائی تھیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا	مجھے شکوہ ہے اے ظالم تو اپنی سخت جانی کا
آکے وہ داغ دے گئے دل کو	میٹھی باتوں سے لے گئے دل کو
ہے احتیاج مجکو نہیں قید بندگی	پابستہ تیرے عشق کا زنجیر کیا کرے

امانت

(**امانت**) میر امانت علی خلف کرامت علی ناگوری - جوانی میں کرنل سکنر صاحب کے رسالہ میں سوار تھے بعد برخاستگی رسالہ جے پور جا کر ملازم ریاست ہوئے اور وہیں دار فنا سے عالم بقا کو سدھارے نتیجۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

دیکھا نہ حور کو بھی امانت نے آنکھ اُٹھا	مارا ہوا تھا کس کی خدنگ نگاہ کا
اللہ رے رسائی دست جنوں کہ اب	دامن کی راہ لی ہے گریباں کے چاک نے
ہم مرتے ہیں تشنگی سے ساقی کب سے	ظالم لب جام کو بھڑا دے لب سے

امانت

(**امانت**) سید آغا حسن خلف میر آغا رضوی لکھنوی روضۂ مشہد مقدس کے کلید بردار سید علی رضوی کی اولاد سے تھے - ان کی ولادت ۱۲۳۱ھ ہجری میں ہوئی ۱۰ وائل مشق سخن میں مرثیہ گوئی کا شوق ہوا - میاں دلگیر سے جو اس زمانے میں لکھنؤ کے مرثیہ گویوں میں نامور تھے تلمذ حاصل کیا - چند روز بعد غزل گوئی کی طرف توجہ فرمائی چونکہ میاں دلگیر نے عذر کر دیا کہ میں اب غزل نہیں کہتا - اس وجہ سے اُنہوں نے بھی اصلاح لینی ترک کر دی

بیس برس کی عمر میں کسی عارضہ کی وجہ سے امانت کی زبان بند ہو گئی۔ اور مجبوراً بذریعہ تحریر کلام کرنا اختیار کیا۔ اس عالم میں ۱۲۶۰ھ ہجری تک گونگ رہے۔ آخرکار پروردگار کا فضل شامل حال ہوا اور کسی علاج سے یہ مرض کچھ جاتا رہا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا جاکر خودبخود زبان کھل گئی تھی سو بارہ گویائی پانے کے بعد بھی تادم مرگ زبان میں لکنت رہی۔ فن سخن میں معمے اور چیستاں کا بہت شوق تھا۔ ان کی تصانیف سے دیوان خزائن الفصاحت۔ گلدستۂ امانت۔ اندرسبھا۔ اور اکثر مرثیے شائع ہو چکے ہیں۔ رعایتِ لفظی و صنائع بدائع کا خیال انتہا کو پہنچا ہوا تھا چنانچہ اس وجہ سے اکثر لوگوں کے نزدیک اِن کا کلام عام فہم شاعری سے گرکر محض ضلع جگت یا رعایت لفظی کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے بہرحال اپنے وقت میں لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں سمجھے جاتے تھے۔ اسیر۔ خواجہ برق۔ رشک۔ بحر۔ سحر۔ گویا کے ہمعصر تھے دیوان تمام کلام میں سے انکی دو تصنیفیں سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئیں۔ ایک واسوخت دوسری اندرسبھا امانت۔ واسوخت کی شہرت محض رعایت لفظی سے (جو حقیقت میں اپنے رنگ کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہے) امید سے زیادہ ہوئی۔ اور اندرسبھا کو ایک انوکھی اور دلچسپ کتاب ہونے کے سبب قبول عام کی سند ہوئی۔ انکے دونوں صاحبزادے لطافت۔ اور فصاحت۔ شعرائے لکھنؤ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اسمیں شبہہ نہیں کہ اردو کے شعرا میں ڈراما کی اشاعت کا موجد اگر کوئی ہو سکتا ہے تو امانت ہے۔ انکی یادگار میں یہ ایجاد بہرکیف وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہے۔ ۲۸۔ جمادی الاولے ۱۲۷۵ھ میں بعارضۂ استسقا انتقال کیا اور بمقام لکھنؤ آغا باقر کے امام باڑہ میں مدفون ہوئے کچھ کلام انتخاباً درج ہے

پریوں کی محبت میں یک حال ہے دونو کا
میخانۂ عالم میں دونو ہیں دلا یکساں

دیدۂ تر میں مرے پھرتی ہیں زلفیں یار کی
نرگس کو باغباں سے محل ہے حباب کا

فرزانہ ہوا تو کیا دیوانہ ہوا تو کیا
ہشیار رہا تو کیا مستانہ ہوا تو کیا

دیکھ لو پانی میں لہراتا ہے جوڑا سانپ کا
چوری گیا چمن سے کٹورا گلاب کا

لطف اب زیست کا اے گردشِ ایام نہیں
شراب محفلِ ساقی میں شیخ جی نے پی
آنسو رواں ہیں زلف سیہ کے خیال میں
سُرمہ کا دنبالہ ہو مشاطہ چشمِ یار میں
عشق کا خنجر لگا ہے دل پہ کاری اندنوں
قاتل سے بچے نہ جان گنہ گار زلف کی
اندھیر ہے کہ آنکھ میں سرمہ کی جا نہیں
پردہ اُٹھاؤ در سے محرّم میں تو تو اب
فصل گل میں رات دن بس ہم ہوں اور میخانہ ہو
اے دلِ روشن فدائے جلوۂ جانانہ ہو
محوِ گلشن گر نگاہِ نرگسِ مستانہ ہو
صحنِ گلشن میں جو رقصاں ساقیِ مستانہ ہو
بزم عالم کے اسیروں میں عجب اندھیر ہے
خال زیرِ زلف پر مرغِ دل عاشق ہے لوٹ
بزم عالم میں یہ ہر شب ہے امانت کی دعا
جو کھائیں نعمتِ دنیا کو ہم دل بے حلاوت ہو
جلاتے ہو مجھے اغیار کا دل رکھتے ہو ٹھنڈا
تصور چاہئے ہر صبح اُسکے مصحفِ رخ کا
نہا دھو کر کفن پہنے لحد میں چین سے سوئے
کھڑے ہونے نہ پاتے تھے امانت جو کہ محفل میں
شیریں لبوں کے عشق میں ہے تلخ زندگی

مے نہیں یار نہیں شیشہ نہیں جام نہیں
کب ایسی جا پہ حلال و حرام دیکھتے ہیں
موتی پرو رہا ہوں ترے بال بال میں
ہے عصا درکار دستِ مردمِ بیمار میں
زخم کی صورت سے خون آنکھوں سے جاری اندنوں
تلوار کو چھپا کفِ مارِ سیاہ میں
اتنے حسیں سمائے ہیں اپنی نگاہ میں
رکھو سبیل شربتِ دیدار راہ میں
ساقی مدہوش ہو مے ہو شیشہ ہو پیمانہ ہو
اے چراغِ چشم شمعِ طور کا پروانہ ہو
شیشہ ہو شمشاد شبنم مے ہو گل پیمانہ ہو
کبک سودائی ہو طاؤسِ چمن دیوانہ ہو
جان یوں پروانہ دے اور شمع کو پروا نہ ہو
صید کی پھر کیا کمی جس دام میں یہ دانہ ہو
شمع روئے یار سے روشن مرا کاشانہ ہو
اگر نوکِ زبان پر چاشنیٔ ترکِ لذت ہو
کہیں برقِ غضب ہو اور کہیں بارانِ رحمت ہو
سحر کے وقت بہتر ہے جو قرآں کی تلاوت ہو
ترے بیمارِ الفت کو کہیں جلدی سے صحت ہو
برابر اب وہ بیٹھے ہیں دبائے اُسکے زانو کو
الفت کی چاشنی کا امانت مزہ ہے یہ

ہوں ناتواں چلو نہ قیامت کی چال سے	ٹھوکر لگاؤ قبر کو پائے خیال سے
لب جاں بخش کی الفت میں لب پر جان آئی ہے	مریض عشق مرتا ہے مسیحا کی دوہائی ہے
مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے	اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے
خدا کی یاد کرتے ہیں بتوں سے گرم صحبت ہے	یہی مذہب یہی تقوی یہی اپنی عبادت ہے
فی سبیل اللہ بانی ان کو دواے آبلو	کانٹے اب دیکھے نہیں جاتے زبان خار کے
کوچۂ قاتل تلک اے دل رسائی کیجئے	کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر گدائی کیجئے

امانی

(**امانی**) خواجہ امامی شاہجہاں آبادی خلف خواجہ آتشی شاہ گردی میں وطن چھوڑکر مرشد آباد جا رہے تھے مرثیہ خوانی کو کسب معاش کا ذریعہ ٹھیرایا تھا چنانچہ وہیں ۱۱۸۰ھ میں شدت گریہ سے کسی مجلس عزا میں بیہوش ہوکر عالم بقا کی راہ لی آپکے طبلاع اور شوخ کلام ہونے میں شبہہ نہیں شیفتہ اور لطف نے انکا تخلص امانی لکھا ہے اور بعض دیگر تذکرہ نویسوں نے آمامی لطف کے قول کے بموجب ۱۱۸۰ھ سال وفات ہے یہ آپکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے میرا	اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا
سینے میں جدھر رُو ہو ترا پھونک دے اے آہ	ٹک دل سے خبر دار کہ یہ گھر ہے کسی کا

اُسکے کوچے سستی غبار اُٹھا	کون سا واں سے خاکسار اُٹھا
عندلیبو بسا ؤ اب صحرا	باغ سے موسم بہار اُٹھا
ہچکیاں لے گلابیاں رؤیں	بزم سے جب وہ میگسار اُٹھا
نہیں جو قدر اشک - عالم سے	موتیوں کا کاروبار اُٹھا

راہ تکتے تکتے آخر جی سے آیا تنگ دل	آنکھیں تو پتھرا گئیں - پر وہ نہ آیا سنگدل
ہو چکا ہے غم سے خوں - اب جلد یہ جائیگی	خوف ہے یارب نہ بدلے اور بھی کچھ رنگ دل
داے اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ	جلوہ گر ہے آفتاب - اور تاب بینائی نہیں
چمن سب لہلہاتے ہیں پرے - بادل برستے ہیں	شتاب آ ساقیا! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں

مساوی جانو خوش طالعی و کم نصیبی کو
امانی تو ہوا تیغ تغافل ہی ستی بسمل

امانی با منعم و مفلوک سب کے دن گذرتے ہیں
بھلا بتلائیے کس پر کہ اب آپ کستے ہیں

ہم تر انزع تلک جو رستے جاتے ہیں
آخر ہو سنگ میں کیا - کیونکہ ان کو رام کریں

یاد آویں گے بہت اتنا کہے جاتے ہیں
بتوں کے دل ہوئے یارب تو آہیں کام کریں

دو ایک بار بھی تیری نظر پڑے زاہد
زباں پر رازِ عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا

صلاح و زہد رہے یہ - تو ہم سلام کریں
سرشتہ کس سے ہاتھ آیا ہے یہ شمعِ شبستاں کو

سینے پہلو سے گم کیا تجھکو
اشک آوارگی سے تو نہ تھما

آہ دل - کن نے لیا تجھ کو
سینے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو

اللہ رے صنم یہ تری خود نمائیاں
چاہ میں کسکی دل ڈبو بیٹھے

اس حسن چندروزہ پہ اتنا غرور ہے
آہ ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے

کیوں امانی گیا نہ آخر دل
خوش خواب میں ہیں ہر جواب تک

کفِ افسوس اب ملو بیٹھے
جاگے نہیں خفتگاں عدم کے

آنکھیں نہیں مندتی ہیں عجب جی پہ تعب ہے
مدت سے سروکار غمِ ہجر سیتی ہے

یارب دلِ حیراں کو مرے کس کی طلب ہے
کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اب ہے

بارہا منع کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ
سیر گلشن کو میں جاتا تھا تو صیاد مجھے

باز نہیں آتا - امانی بھی عجب کوئی ہے
دیکھ کر دور سے بولا کہ شکار آتا ہے

نامہ بر کہیو زبانی کہ تڑپتے تجھ بن
شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک روئی ہے

امجد

(امجد) مولوی علی احمد حسین امجد خلف فضل حسین متوطن بدایوں حضرت مذاق مرحوم کے ممتاز تلامذہ میں ہیں صاحب دیوان فارسی و اردو ہیں - کلام حاضر ہے ؎

جسکو ہم سمجھے تھے اپنا وہ ہی دشمن ہو گیا
بیگانے ہوئے اپنوں کے ہم آپ سے مل کر

رہنمائے راہِ الفت ہائے رہزن ہو گیا
چھوڑا نہ وہ لے آپ نے بیگانہ پن اپنا

اوروں کو مے پلانے سے حاصل ہوا ثواب	اک گھونٹ کیا مجھی کو پلانا گناہ تھا
حال امجد کا نہایت ہے بُرا	دیکھ جاؤ آ کے اچھا ہوگا

امجد

(**امجد**) مولوی سجاد علی خلف مولوی ماجد علی چودھری انصاری باشندہ گنور۔ دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

دہر میں پھولا پھلا ہے گلستاں توحید کا	جا کے سُن ہر مرغ گلشن سے بیاں توحید کا
ہر اک جا سُنی ہے کہانی تمہاری	حسینوں میں شہرہ ہے جانی تمہاری
غضب چلبلاہٹ ہے جب کم سنی ہیں	تو ہوگی قیامت جوانی تمہاری
جو اک بوسہ مانگا ملیں گالیاں دس	یہ کیا کم ہے کچھ مہربانی تمہاری

امجد

(**امجد**) شیخ امجد علی بنارسی اوائل میں منشی سرفراز علی رفعت بریلوی کو کلام دکھایا پھر اُن کے اُستاد جناب رحمت سے تلمذ اختیار کیا اور اب آخر میں حضرت داغ کے معتقد ہو گئے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جب میں کہتا ہوں وفا وعدہ مریجاں نہوا	ہائے کس ناز سے کہدیتے ہیں "جی ہاں نہوا"
آئے تو آئے وہ تربت پہ مری بعد فنا	زندگی میں تو یہ پورا مرا ارماں نہوا
دیکھ جاتے کبھی آکر مری بیتابی کو	تم سے اتنا بھی کسی رات مری جاں نہوا
وصل کی اُس بت کے ساعت سچ بتا کب آئیگی	غور سے تو ہاتھ میرا اے برہمن دیکھکر
غیر کے سر کی قسم بھی کھائیے اقرار پر	خالی وعدے سے تو اب تسکیں مری ہوتی نہیں
کسی کا ہائے یہ کہنا سرِ محفل قیامت ہے	یہ ہم پر جان دیتے ہیں یہ ہم پر مرنے والے ہیں
بیٹھا ہے کرنے رندوں سے تعریف حور کی	مے پی کے آج شیخ کو سوجھی ہے دور کی
جسکی جھلکی سے ہوئے طور پہ موسیٰ بیہوش	لطف جب تھا کہ نقاب اسنے اُٹھائی ہوتی
چال ہی تونے زمانے سے جدا رکھی ہے	اپنی رفتار قیامت سے ملا رکھی ہے
ہائے کہتا ہے کوئی ذکرِ وفا پر میرے	آپ ہی میں تو زمانے کی وفا رکھی ہے

شیخ صاحب ہے عبث آپ کو انکار اس سے | لیجئے لیجئے پی لیجئے یہ پانی ہے

امداد

(امداد) نواب ناصر جنگ امداد حسین خانصاحب بہادر خلف نواب مظفر جنگ نبیرۂ نواب احمد خان بنگش فرخ آبادی - تذکرہ شوق میں انکا حال نظر سے گزرا - تبرکاً درج تذکرہ کیا گیا ہ

او جانے والے یہ بھی ہے کوئی ادا کیطرح | جاتا ہے مُنہ چھپائے جو نا آشنا کیطرح

امداد

(امداد) حاجی امداد علی خان نبیرہ نواب فیض اللہ خاں والی رامپور احمد خاں غافل کے شاگرد تھے پچھتر برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۸۵ ہجری میں انتقال کیا - یہ اُنکے شعر ہیں ہ

شب خفا بیٹھے بُٹھائے ہمسے دلبر ہو گیا | گھر گیا اپنا یہاں واں غیر کا گھر ہو گیا
گلرخوں سے نہ مل امداد بقول ناسخ | داغ حسرت کے سوا خاک نہ حاصل ہوگا
کردے شب تار میری روشن | جب جانیں تجھے کہ مہ لقا ہے

امداد

(امداد) مرزا امداد علی لکھنوی مقیم مٹیا برج کلکتہ - مرزا علی جان شفق سے تلمذ تھا سنہ ۱۸۷۲ء میں کلکتہ میں زندہ و سلامت موجود تھے مندرجہ ذیل اشعار آپکے طبعزاد ہیں ہ

فراق میں لطف اُٹھا چکے ہیں کسے کہ ہم رُلا چکے ہیں | اثر یہ نالے دکھا چکے ہیں کہ دل بتوں کے ہلا چکے ہیں
سچ تو یہ ہے گر پسند خاطر عالی نہو | پھیر دیجئے آپ دل امداد کا امداد کو
پڑھتے ہی نامہ مرا کہنے لگا وہ رشک گل | مجکو بوئے عاشقی آتی ہے اس تحریر سے

امداد

(امداد) منشی سید امداد علی خلف سید بہادر علی مرحوم ساکن قصبہ رسولپور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی ان کا دیوان سنہ ۱۳۱۳ھ کا مطبوعہ نظر سے گزرا - نہایت جانکاہی سے یہ چند شعر اُس میں سے انتخاب کرکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں محض موزوں طبع ہیں کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہے ہ

ہو گیا ہمسے جدا ہائے وہ دلبر اپنا | اب تو قابو میں نہیں ہے دل مضطر اپنا
گرمئی الفت ہے کوئے یار کی | آگ دیتے ہیں لگا گلشن میں ہم
عنایت نامہ جو اُنکا دیا ہے نامہ بر مجھ کو | پڑھوں اسکو میں کیونکر خود نہیں اپنی خبر مجھ کو
راز مخفی کی اگر ہوتی سمائی ہم کو | جلوۂ کون و مکاں دیتا دکھائی ہم کو

سامنے بورے کے تختِ سلیماں کیا تھا	کاش ملتی درِ جاناں کی گدائی ہمکو

امداد

(امداد) شیخ امداد علی خیرآبادی برادر شیخ امید علی - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - کلام حاضر ہے ؎

وہاں سینے پہ یہ اُبھرے یہاں دلمیں یہ اُبھرے ہیں	ہمارے داغ ملتے ہیں تمہارے اُبھرے جوبن سے
شگفتہ مثلِ گل دل بلبلِ قیدی کا ہوتا ہے	قفس تک نکہتِ گل جب صبا لاتی ہے گلشن سے
شہیدِ حسنِ جاناں ہوں کلیم اللہ سے کہدو	جلانے کو مرے مدفن پہ لائیں شمع ایمن سے
تمنا پیٹتی ہے سر کو حسرت خاک اُڑاتی ہے	لپٹ کر رو رہی ہے بیکسی عاشق کے مدفن سے
ہوا جب سامنا تو بھی نہ اے امداد اُنہیں دیکھا	پڑے آنکھوں پہ پردے وہ نکل آئے جو چلمن سے
یہ قدموں سے حسینوں کے لگی ہے	نصیب اب تو حنا کے اُٹھے چمک

امداد

(امداد) مولوی سید عنایت حسین باشندہ عظیم آباد پٹنہ - خان بہادر مولوی سید علی محمد صاحب شاد کے تلامذہ میں نامور ہیں - اچھا کہتے ہیں - طبیعت میں درد اور کلام میں مزا ہے - اشعار بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

ہزار حرص نے جانکاہیوں سے کام لیا	جو تھا نصیب میں اُس سے مگر سوا نکلا
تمام عمر کوئی دردآشنا نکلا	تلاش جسکی تھی دل کو وہ دلربا نکلا
دکھا دیا ہمیں کیا کچھ نہ چشمِ باطن نے	یہ کس طرح سے کہوں اپنا مدعا نکلا
یہ دوست چھٹا آج تو کل وہ ہوا راہی	آتی نہیں کانوں میں سوا اسکے خبر اور
وہاں گزر کہاں اس اپنے جسمِ خاکی کا	لباس تن اسی باعث بدل کے جاتے ہیں
اب عدم جانے کی تیاری ہے	مرچکا قیس مری باری ہے
تیرے دیوانے تجھے ڈھونڈتے ہیں	یہ بھی اک طرح کی ہشیاری ہے
چہچہے باغ میں کرے بلبل	پھر تو قسمت میں گرفتاری ہے
بسر عمر کی عشق میں مثلِ شمع	اُٹھے بزمِ ہستی سے جلتے ہوئے
دمِ نزع وہ آئے غیروں کے ساتھ	دیا اور اک داغ چلتے ہوئے

چلے نالے مانند تیر شہاب	خود اپنے ہی شعلوں میں جلتے ہوئے
کیوں غنی ہوں نہ ہم فقیری میں	ہیں گدا تیرے آستانے کے

امراؤ علی

(**امراؤ علی**) منشی امراؤ علیخاں - کوئل کے باشندے مگر اکثر آگرہ میں رہا کرتے تھے - چرب زبان ایسے تھے کہ حریفوں کو سامنے بولنے کی مجال نہ ہوتی تھی اگرچہ اُمی تھے - مگر قوت بیانیہ - ذہن رسا اور تیزی حافظہ کی بدولت کاملوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے - اور کسی سے بند نہ ہوتے تھے صدہا الفاظ انگریزی - فرانسیسی اور ترکی کے از بر تھے - ستر برس کی عمر میں قبل از غدر انتقال کیا

نزع میں دیکھ تو بولے ضعف آیا ہے اسے	مرگ تک ہمسے رہیں کافر کی کھنچی بازیاں
دو پھول کر کسی نے چڑھائے اُڑا دیے	بادِ صبا کو گورِ غریباں سے لاگ ہے

امّن

(**امّن**) میر امان دہلوی - بڑے نامور اور خاندانی شخص گزرے ہیں - فن شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لی - اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ ہی آپ شاعر بن گئے - بقول مسٹر نیلن - میر امّن خود فرمایا کرتے تھے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں ہے - نہ میں کسی شاعر کا بھائی ہوں میری اُردو ٹکسالی اُردو ہے کیونکہ میں دلی شاہجہاں آباد کا روڑا اور یہیں کا پرورش یافتہ ہوں -

میر امّن کے آبا و اجداد ہمایوں بادشاہ کے وقت سے مغلیہ بادشاہوں کی خدمت میں باعزاز رہے - جب مغلیہ سلطنت کو زوال آیا اور سورج مل جاٹ کی حکومت کا ڈنکا بجا تو آپکی جاگیریں ضبط ہو گئیں - احمد شاہ درّانی کے عہد میں جب اِنکا گھر تک لٹ گیا تو اُسوقت سے میر امّن نے اپنا وطن چھوڑ کر عظیم آباد کی سکونت اختیار کر لی کچھ دنوں بعد بسلسلۂ روزگار کلکتہ گئے چند ہی روز گزرے ہونگے کہ ۱۸۰۱ء میں منشی میر بہادر علی صاحب نے ڈاکٹر گلکرسٹ صاحب کے روبرو پیش کر دیا اُس روز سے بے روزگاری کی شکایت رفع ہوئی اور کلکتہ مسکن ہو گیا چار درویش کے قصہ کا اُردو ترجمہ موسوم بہ باغ و بہار انہیں کا کیا ہوا ہے اور اسقدر مقبول ہوا ہے کہ صدہا مرتبہ مختلف مطبعوں میں چھپ چکا اور ابھی چھپے جاتا ہے - اُس زمانے کے مذاق کے موافق یہ قصہ نہایت دلچسپ اور بہت مرغوب ہے - اس کی اُردو صاف و سلیس

اور عام فہم ہونے کے علاوہ مستند و بامحاورہ ہے۔

میر آمن سچے اور پورے شاعر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انکی پوری غزلوں کا پتہ نہیں لگتا مجبوراً انتخاب کلام میں بطور نمونہ ان کے وہ اشعار لکھے جاتے ہیں جو انہوں نے باغ و بہار کے آخر میں بطور خاتمہ تاریخ خود درج فرمائے ہیں اس سے بھی ان کی افتادِ طبیعت کا اندازہ ہوسکتا ہے اگرچہ کہیں کہیں اشعار میں اپنا تخلص لطف بھی ظاہر کیا ہے مگر زیادہ تر آمن ہی مشہور ہے

مرتب ہوا جب کہ باغ و بہار — تھے سن بارہ سو سترہ در شمار
کرو سیر اب اسکی تم رات دن — کہ ہے نام و تاریخ باغ و بہار
خزاں کا نہیں اسمیں آسیب کچھ — ہمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار
مرے خونِ دل سے یہ سیراب ہے — یہ لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جاوینگے سب بعد مرگ — رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے — یہی قاریوں سے ہے میرا اقرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف — کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں مرکب زسہو و خطا — یہ چوکے گا ہر چند ہو ہوشیار
میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں — یہی ہے دعا میری اے کردگار
تری یاد میں میں رہوں دم بدم — کٹے اسطرح میری لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھ پہ کبھو — نہ شب گور کی اور نہ روز شمار
تو کونین میں لطف پر لطف رکھ — خدایا بحق رسول کبار

اُمّی

(اُمّی) مرزا بخشش بیگ کہیں برادر حمید اللہ دولہ داروغہ منصرم سرکار ابو ظفر بہادر شاہ در ایام دہلی ہندی علم سے بے بہرہ اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ترتیب گلشن بیخار سے پیشتر جوان دہلی میں انتقال کیا

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں منگوا مول لیتے ہیں — تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں
جی دھڑکتا تھا کہ پہنچیں نہ آجاتے تجک — ہاتھ سے چھوڑ دیا مینے ترا جان کے ہاتھ

گرمیِ مے سے زباں پر آبلے پڑتے ہیں کیا؟		اے مغاں اسمیں منیلاں کی بھی پڑتی جاں ہے

امید

(امید) مرزا محمد رضا معروف بہ قزلباش خاں - انکا اصلی وطن ہمدان تھا - ایام شباب میں اصفہان آکر مرزا طاہر وحید کے شاگرد ہو کر کسبِ کمال کیا اور عالمگیر بادشاہ کے آخیر زمانہ میں وارد ہندوستاں ہوئے - بہادر شاہ کے زمانہ میں منصب ہزاری پایا مگر اس اعزاز پر شاکر نہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مثلِ بلبل کے ہوں سدا نالاں		یہ مرا منصبِ ہزاری ہے

معزالدین جہاندار شاہ کے عہد میں دکن میں کسی خدمت پر مامور ہوئے - چنانچہ جب امیرالامرا حسین علیخاں نے داؤد خاں ناظم برہانپور پر فتح پائی تو یہ معرضِ تخفیف میں آگئے اور حاضر دربار امیرالامرا ہوئے - چونکہ سلیقہ علم مجلس و مزاجدانی امرا میں ملکہ راسخہ حاصل تھا - امیرالامرا چند ہی روز میں ایسے خوش ہوئے کہ صوبۂ کرناٹک کا داروغہ کر دیا - چنانچہ ارکاٹ جا کر کئی برس وہاں رہے بعد زوال دولتِ سادات بارہ یہ نواب مبارز خاں ناظم حیدرآباد کی رفاقت اختیار کی - چنانچہ ۱۱۳۷ھ میں جب نواب نظام الملک آصفجاہ نے مبارز خاں کو میدان جنگ میں شکست دی تو یہ بھی اسیر ہوئے - چند روز میں ایک عرضی منظوم اور غزل نواب کی تعریف میں لکھ کر بھیجی جس پر از راہ قدردانی جاگیر قدیم بدستور بحال ہوئی - اور قلعہ داری منی سرک کی جہاں ہیرے کی کان تھی مزید عنایت عطا ہوی - چنانچہ چند سال نہایت تزک و احتشام سے بسر کئے - انہیں ایام میں سعادت حج سے بھی مشرف ہوئے ۱۱۵۰ھ میں جب نواب آصفجاہ دہلی طلب ہوئے تو یہ بھی ہمرکاب حاضر دربار ہوئے - چنانچہ میر غلام آزاد اپنے تذکرہ میں بمقام بھوپال ان سے ملاقی ہونے کا ذکر کرتے ہیں - اور لکھتے ہیں کہ باوجود ولایت زائی ہندی راگوں کے گانے اور سمجھنے میں نہایت درجہ کمال حاصل تھا - اور لطیفہ گوئی میں بےمثل تھے - جس زمانہ میں نادر شاہ نے دارالخلافہ کو لوٹا آپ وہیں موجود تھے - جب بعد مراجعت نادر شاہ آصفجاہ واپس دکن جانے لگے تو یہ دہلی کی محبت کے مارے انکی چھوڑ کر یہیں کے ہو رہے

آخر ۱۱۵۹ھ میں سکتے کی بیماری سے انتقال کیا - فارسی میں ۸۰۰۰ بیت کا دیوان ہے ہندی میں گاہے گاہے بطور تفریح شعر کہتے تھے ؎

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں
الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں ؎

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
در و دیوار سے اب صحبت ہے

درد دل اُس سے جو ہمنے نہ کہا
ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے

دستِ اغیار ہے زیرِ سرِ یار
آج امید کو دعب صحبت ہے

امید

(امید) مرزا محمد اعظم علی امید مرحوم خلف مرزا فتح علیخاں ہروی رسالدار شاہی - نواسہ میر شجاعت علی بہادر رئیس مدراس - علم عروض و فن سخن کی تحصیل مولوی محمد صادق نزہت لکھنوی اور مرزا احسن علیخاں بہادر حسن دہلوی سے کی تھی ملا محمد شریف دیرانی کے مرید تھے ۱۲۳۵ھ میں سرکار حیدرآباد میں ملازم ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے ۱۲۵۳ھ میں عہدہ جاگیلہ تعلقہ داری صدر تعلقہ - فرخندہ بنیاد حیدرآباد پر زمانِ وزارت مہاراجہ چندولال میں سرفراز ہوئے فارسی کا ملکہ اچھا تھا اور زیادہ تر اسی زبان میں سخن طرازی کرتے تھے خمسہ اکثر کہتے تھے حافظ کی اکثر غزلوں پر مصرع لگائے ہیں ۱۲۷۰ھ میں آپکا مجموعہ نظم و نثر موسوم بہ مجموعۂ عظمی امید شائع ہوا تھا وہ راقم کے پاس موجود ہے - انتخاب ملاحظہ ہو ؎

دل میں جس گھر میں آنکھ میں تصویر جسکی ہو
ہر چند بھولئے وہ بھلایا نجائے گا

یار اچھا ہے مگر ساتھ ہیں اغیار بہت
گل تو خوش رنگ ہے پر گرد خس و خار بہت

تیرے ہونٹوں میں شفا آنکھوں میں امرت ہے بھرا
بار ہا آ بہر خدا بیٹھے ہیں بیمار بہت

فانوس دل سے بہتر کیونکر ہو آبگینہ
اشراف کے برابر ہرگز نہو کمینہ

اگرچہ حسب ظاہر اب یہاں ہوں
تمہارا ہی دعا گو ہوں جہاں ہوں

نہیں اک خس جلانے کی بھی طاقت
اگرچہ سوزِ دل سے شعلہ ساں ہوں

یہی آئینِ دلداری ہے پیارے
جو ناحق مجھسے تو ایسا خفا ہے ؎

بجز اس کے دیدار کے اور جہاں میں
کسی شے کی مجھکو تمنا نہیں ہے
عاشق شبِ فراق نہ روئے تو کیا کرے
اشکوں سے اپنے مُنہ کو نہ دھوئے تو کیا کرے

امید

(امید) امید تخلص اور شاید منشی فرحت علی نام تھا - نواب ڈپٹی کلب حسین خان بہادر کے تلامذہ میں ممتاز اور نامور ہونے کے علاوہ اپنے استاد سے بیحد الفت رکھتے تھے - اور اکثر اُنہیں کے ہمراہ رہا کرتے تھے - اُردو میں صاحب دیوان تھے چنانچہ انکا قلمی دیوان راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے - جسقدر کلام نظر سے گزرا اُس سے انکی نازکخیالی اور خوش فکری ظاہر ہے - زبان بھی صاف ستھری ہے اور بندش بھی درست کبھی کبھی فرحت تخلص بھی کیا کرتے تھے زیادہ حال معلوم نہیں - اب کلام ملاحظہ ہو ۵

بے فائدہ کرتے ہیں دوا میری اطبا
بیمار تری چشم کا اچھا نہیں ہوتا

سینہ میرا جو داغ داغ ہوا
دیکھکر یار باغ باغ ہوا
بازوئے قاتل کو جب تکلیف ہو کیا لطف ہے
آپ بندہ کشتۂ تیغ ادا ہو جائیگا

دوشِ اغیار پر اُٹھوایا جنازہ پسِ مرگ
شیوہ چھوڑا نہ صنم تو نے دل آزاری کا
فرقتِ لیلیٰ میں مجنوں نے جو کھینچی آہِ گرم
خاک سا بس جلکے سارا نجد کا بن ہوگیا
سینہ کو داغدار کیا تم نے کیا کیا
لالہ کو شرمسار کیا تم نے کیا کیا
سجدہ کروں بت خانہ میں کیونکر نہ صنم کا
نقشہ خم ابرو میں ہے محرابِ حرم کا
دستِ قاتل میں کل جو خنجر تھا
اک جہاں ہاتھ میں لئے سر تھا

ساربان روک ناقہ لیلےٰ
قیس سے اب چلا نہیں جاتا
بیوفا ہیں کہ باوفا ہیں آپ
نہیں معلوم ہے کہ کیا ہیں آپ
بیوفاؤں سے آشنا ہیں آپ
آشناؤں سے بیوفا ہیں آپ
مٹّی کے مول خونِ عاشق ہے
ہاتھوں میں ملتے کیوں حنا ہیں آپ
سر اُترا تن سے اب جدا کیجے
دردِ سر کی مرے دوا ہیں آپ

اُسکو میں ساتھ لئے جاؤں گا اپنے تہِ خاک
وعدۂ وصل کیا ہے تو کر اب اُسکو وفا

زنجیرِ زلف ہاتھ نہ آئی کسی طرح
بلبے وحشت واہ رے دیوانگی

دیکھتے ہیں جب وہ مکھڑا چاند سا
بسمل مجھے کیا ہے تو اب قتل بھی کرد

باغباں ہمکو ہے اب طاقتِ پرواز کہاں
یہ خوف ہے کہ نہ ساتھ اسکے دل بھی آ نکلے

تیر سینہ پہ جو مارا ہے کماندار نہ کھینچ
دلِ اُمید کی امید کو اے یار نہ توڑ

پاؤں میں مہندی پہنیں صنم بیڑیاں تلک
اپنے سایہ سے بھی رم کرتے ہیں ہم

سورۂ والشمس دم کرتے ہیں ہم
بسمل چلے ہو چھوڑ کے اسیری جاں کہاں

اونچی کیوں کرتا ہے تو باغ کی دیواروں کو
ہمارے سینے سے قاتل نہ کھینچ پیکاں کو

تشنگی سے ہے زیادہ زخمی کو
تمنے تو فراموش کیا ہم کو ولیکن

یہ آپ ہی تھے کہ یوں مفت لیگئے ہمسے
بسِ مردن بھی دل دیوانہ پن کی

گراں حد سے زیادہ ہے ترا ہجر
پتہ لیلیٰ کا مجنوں نے نہ پایا

قیدِ بلبل آہ بے میعاد ہے
بلبلیں شاید کہ چھوٹیں قید سے

بلبلو فصلِ بہار آئی ہے کیا
عہد میں تیرے یہ ہے اُلٹی شکل

پانی خنجر کا دو ثواب کرو
ہم کرتے ہیں اے یار تمہیں یاد ہمیشہ

ہر اک حسین کو دل ہم دیا نہیں کرتے
اُڑائیں دھجیاں سینے کفن کی

مری چھاتی پہ سل ہے لاکھ من کی
بہت ہر چند چھانی خاک بن کی

کس قدر بے رحمئی صیاد ہے
باغ میں شور مبارک باد ہے

اندنوں زنداں بہت آباد ہے
دوست پامال اور دشمن شاد ہے

جانِ شیریں جائیگی شیریں نہ ہاتھ آئیگی پر
جلانا برقِ تجلی سے حضرتِ موسےٰ

حسین ہیں باغِ جہاں میں کدورتوں سے بری
تیشۂ فرہاد سے آتی یہی آواز ہے

اگر نظارہ کی ہم اُس کے آرزو کرتے
کہ گل قبا کی نہیں اپنی شست و شو کرتے

جان سے اپنے گنہ گار کو مارا تو نے
ایک بوسہ پہ کوئی ایسی سزا دیتا ہے

اپنے بیمار کی صورت نہیں پہچانتے ہو
اے صنم یوں کوئی دل لیکے بھلا دیتا ہے

حشر کا غُل سرِ بازار بپا ہوتا ہے
آج قیدی ترے گیسو کا رہا ہوتا ہے

مُنہ پہ ڈالے ہوئے آتا ہے نقاب اپنے وہ شوخ
ہائے یوں وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے

کیا ہے وصل کا اُس نے امیدوار مجھے
ضرور حشر کے دن تک ہے انتظار مجھے

بند آنکھیں نہیں ہوتیں جو پسِ مرگ مری
اب تلک ہے مجھے دیدار کی حسرت باقی

کیوں نہوں قانع میں قسمت پر کہ مٹ سکتا نہیں
لکھ چُکا جو کاتبِ تقدیر اپنے ہاتھ سے

ہمارے خوں بہا کی فکر میں بیوجہ قاضی ہے
کہ ہم قاتل سے راضی اور قاتل ہم سے راضی ہے

تو ناحق تیغ و خنجر ہمکو دکھلاتا ہے اے قاتل
ہمارے قتل کو جنبش فقط ابرو کی کافی ہے

امید

(امید) مولوی سید محمد جعفر امید لکھنوی آپ لکھنو کے مشہور خاندان اجتہاد کے ایک رکن تھے اور نواب عاشور علیخاں صاحب مرحوم سے فن سخن میں استفادہ کیا کرتے تھے عاشقانہ مضامین کی طرف کم توجہ تھی زیادہ تر حمد و نعت کہتے تھے۔ اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں آپکے تلامذہ میں مولوی سید اصطفےٰ علی صاحب خورشید نامور گزرے ہیں۔ بارہ پندرہ برس ہوئے انتقال فرمایا ؎

ایک دن روح بھی رخصت تنِ خاکی سے ہوئی
صاحبِ خانہ جسے سمجھے تھے مہماں نکلا

روح رونے سے عزیزوں کے نہ ٹھیری دم بھر
منہ برستے ہی ہیں گھر سے مرے مہماں نکلا

کیا ہے لن ترانی نے قوی دعویٰ بصیرت کا
وہی بینا ہے جو قائل ہوا ہے نفی رُویت کا

بڑھے تھے جو حجابِ قبس و رحمت سے بھی کچھ آگے
نہ اِن پر بھی کھُلا پردہ تری کُنہ حقیقت کا

سب سے پہلے قلم اُسکو کیا باغباں نے
جس شاخ پر چمن میں ہمیں آشیاں ملا

ترا کرم بھی تو ہے بیحساب اے غفار
مرے گناہ نہیں گر شمار کے قابل

شوق یہ سیرِ عدم کا کم نہیں
وہ چلے جاتے ہیں جنہیں دم نہیں

امید

(اُمید) منشی سید محمد علی امید متوطن امیٹھی نواح لکھنو - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - شوکت الفاظ اور رعایت لفظی کی طرف زیادہ میلان طبع ہے جس سے آپکی استعداد علمی کا ثبوت ملتا ہے - کہنہ مشق اور نازک خیال سخن سنج ہیں - آپکے کلام میں فارسی کی ترکیبیں زیادہ ہوتی ہیں مگر نہ ایسی کہ غیر موزوں یا نامانوس معلوم ہوں - کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ۵

کیا تصور اے عرض مطلب حسرت پرجوش کا
چشم حیراں کا گلہ ہے یا لب خاموش کا

حیرت آباد تجلی میں نہیں اُس دل کا کام
صدمہ پرور وہ ہو جو محنت سرائے ہوش کا

تیغ قاتل میں ترے قربان بڑا احساں کیا
جسم بار اک روح کا تھا سر وبال اک دوش کا

پائے نازک کو ذرا دے رخصت مشق خرام
کب سے تکتی ہے قیامت منہ تری پاپوش کا

ہستی حسن و تغافل ہیچگی کا ہے گواہ
جاں بلب ہونا تمہارے عاشق مدہوش کا

کم نہو گا شور نوشانوش صہبا واعظو
دم سلامت چاہیئے امید صہبا نوش کا

یادگار دل وارفتہ ہے یہ رہنے دے
پہلوئے خستہ سے او تیر فگن تیر نہ کھینچ

شکل تصویر یہ اب کون ہے حیراں بانی
میں نہ کہتا تھا کہ اس شوخ کی تصویر نہ کھینچ

جسے اے جیب وداماں ذوق عریانی میسر ہو
وہ کیوں منت کش دست جنون فتنہ پرور ہو

ارے او روٹھنے والے یہ کہنا جا قیامت ہے
کہ جلد آ کر شریک نالہ ہائے قلب مضطر ہو

برنگ بوئے گل اُڑتا پھرے صحن گلستاں میں
غم گل سے تن بلبل بھلا اتنا تو لاغر ہو

ضیا پر اپنی نازاں آفتاب صبح محشر ہے
سحر ہو جائے وہ مہوش اگر پردہ سے باہر ہو

پریشاں خاطری صیاد کی لائے جو رنگ اپنا
چمن میں دفتر اوراق گل یک لخت ابتر ہو

ادھر رخ سے نقاب اُلٹی اُدھر حیرت پکار اُٹھی
عروس آرزو سے دید پردے سے نہ باہر ہو

اُٹھا ہے ابر اے امید واعظ کے جلانے کو
لباس توبہ نذر آتش صہبائے احمر ہو

تکلم خیز ہے ہمدم مرا انداز خاموشی +
بیان درد دل منت کش تاب بیاں کیوں ہو

تماشا ہے مظاہر ہے گل دا ناز کا نظارہ +
عیاں ہو جو چمن پیرا وہ آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

حرم اور دیر کیا کم ہیں عدو کی جبہ سائی کو
لگے جسکو یہ داغ اسے بت وہ تیرا آستاں کیونکر

کوئی پہلو جفا کا ہو نہ ہو اس میں بھی ہے مضمر
یہ آج آمید پہ آخر تم اتنے مہرباں کیوں ہو

برا ہو نا امیدی کا کہ دل آخر لہو ہو کر
برنگِ اشکِ حسرت گر پڑا چشمِ تمنا سے

بھلا دیکھوں تو کیونکر شوقِ وصل اس شوخِ بدخو کا
نکلجا تا ہے میرے وسعتِ آبادِ تمنا سے

لگ بیگانہ وش وہ دیکھئے اُمید بیٹھا ہے
مری جاں چشمِ بد دور آپ کی بزمِ تماشا سے

آتے ہی اُس فتنۂ محشر کے برپا ہو گئی
اِک قیامت اور بھی اہلِ قیامت کیلئے

ذکر سے آج اُس بتِ اطہر کے واعظا فائدہ
جو اُٹھا بھی ہو فردا سے قیامت کیلئے

حسرتیں کسکی نکالیں کس پہ احساں کر چکے
کیا یہ حال اپنی تپ کا تم مریجاں کر چکے

ذوقِ لذت کی طلب کا دیں لبِ زخم اب جواب
وہ پشیماں ہیں کہ ہم خالی نمکداں کر چکے

وہ ستمگر اور یہ یارب چارۂ دردِ نہاں
خود یقیں آتا نہیں آج اپنی قسمت پر مجھے

بھول جاؤں ما سوا کو ایک تیری یاد میں
او تغافل خو لگا لے اپنی عادت مجھے

رہیں بادۂ گلرنگ و دلقِ پارسایاں سے
یہانتک جلوۂ گل پردہ سوزِ دین و ایماں ہے

دلِ بلبل ہلاکِ جلوۂ الفت فریبِ گل
لبِ غنچہ شکر ریزِ تبسم ہائے پنہاں ہے

(امید) منشی سید رشید الزماں قادری آپکے والد منشی سید ناظر حسین رودلی کے باشندے ہیں مگر آپ خود بچپنی سے اپنی ننہال اجودھیا میں اقامت گزیں ہیں آپنے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے دس برس سے ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں جناب کمال سے تلمذ تھا اب منشی عباس حسین صاحب فصاحت سے استفادہ کرتے ہیں کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے

کبھی کعبہ تو کبھی دیر کلیسا دیکھا
تجھکو ڈھونڈا نہ کہاں اور نہ کس جا دیکھا

حرم و دیر و کلیسا کی نہیں کچھ تخصیص
جس جگہ دیکھا وہاں تیرا ہی جلوہ دیکھا

جان سے لیتا ہے یہ عشقِ بتاں کا آزار
پیش آیا وہی جو ہمنے کہا تھا - دیکھا

مسکرا کر کوئی بولا طلبِ بوسہ پر
منہ بھی ہے آئنہ میں آپنے اپنا دیکھا

پلاتے عدو کو ہیں مے دمبدم
مرے مانگنے پر کہا۔ ہو گئی

فقط اک ترے شربتِ دید سے
مریضوں کو تیرے شفا ہو گئی

کہاں جاتی ہے دل سے لے یادِ یار
اری بے مروت خفا ہو گئی

امیر

(امیر) نواب محمد یار خاں امیرؔ خلف نواب علی محمد خان برادر نواب عبد اللہ خان۔ جب نواب فیض اللہ خاں ان کے بڑے بھائی کو نواب شجاع الدولہ نے رامپور کی ریاست عطا فرمائی تو پچاس ہزار روپیہ سالانہ انکے مصارف کے لئے بھی مقرر فرمائے۔ جوان مرزا منش۔ نازک طبع۔ صاحب مروت و خوش سلیقہ۔ جرأت و سخاوت میں اپنے اماثل میں ممتاز۔ عالی حوصلگی و فیض رسانی میں زبدۂ روزگار تھے۔ فن موسیقی میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ نکتہ فہم و نکتہ سنج و قدر دان اہل کمال تھے۔ تھوڑی ہی مشق میں ریختہ میں بھی اچھا ملکہ حاصل کر لیا تھا۔ خوش تلاش اور مضمون آفریں تھے۔ مصوری کا بہت شوق تھا فن شعر میں مصحفیؔ اور قائمؔ سے مشورہ فرماتے تھے۔ بہت سے اہل کمال مثل قدوی لاہوری اور میر محمد نعیم ان کی سرکار میں ملازم رہے بعالم شباب [illegible] میں انتقال کیا کلام ملاحظہ ہو

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا
یارب برا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

ساقی گزک کی کچھ نہیں حاجت شراب دے
ہم دل جلوں میں آپ مزہ ہے کباب کا

کوئی گزر ترے کو میں نہ گر گیا ہوگا
جو گزرا ہوگا تو جی سے گزر گیا ہوگا

نہ جانے شور ہے دریا میں کس تابندہ اختر کا
کہ محرابِ صدف میں محوِ سجدہ سر ہے گوہر کا

کیا تو نے دیا تھا مجھ کو ساقی
شیشہ میں تو واہ کچھ نہ نکلا

جس سر میں ہے جوں حباب دعوے
واں زیرِ کلاہ کچھ نہ نکلا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

یاد کرنا ہی مرا آپ کو منظور نہ تھا
گو کہ شب تھی یہ میں اتنا بھی تو کچھ دور نہ تھا

شوخیاں اپنے لڑکپن کی نہ کچھ پوچھ میاں
کونسا دل تھا کہ ہاتھوں سے ترے چور نہ تھا

اٹکے ہے آج صبح سے در پہ مری نگاہ
کیا جانے منتظر ہوں میں کس کے قدوم کا

کیا بوسہ جس پہ شام سے ہے آتی ٹال بال
لیجے نہ نام صبح کو تجھ سے تو شوم کا

سایہ ترا میں چھوڑ کے جاؤں کہاں امیر
ہوتے ہما کے کون ہو مشتاق بوم کا

کہاں کی عمر کس کی زیست یہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا ایک نفس کا

کیوں سرو کسی کی چال میں دیکھی ہے یہ پھبن
چلتا ہے جس ادا سے مرا خوش خرام آج

کس زیست پہ مانند حباب اتنی ہوس آج
ہونا ہے ہوا کل کو جو ہے تن میں نفس آج

کیا جائے تامل ہے مرے قتل پہ پیارے
ہم سار کے موجود ہیں بندے نہیں دس آج

کرتا تو ہے تو مجھ پہ ستم لیک یہ ڈر ہے
یہ آہ مری کرتی ہے کم بخت اثر جلد

پستی طلب کر آپ کو چاہے ہے گر بلند
جب تخم زیرِ خاک ہو تب ہو شجر بلند

ڈریو اسے دل نہ جان کی خاطر
مرد مرتے ہیں آن کی خاطر

جی بھی دے سے ہے کوئی یہ ہنسنے دیا
کیا کریں اُس جوان کی خاطر

داغِ دل لے چلے گلی سے تری
چاہیئے کچھ نشان کی خاطر

قطعہ

میں دردِ دل لکھا تھا اُسے پڑھ کے یوں کہا
املا ترا غلط ہے اور انشا ترا غلط

سینے کہا امیدِ وفا ہے مری صحیح
بولا بتاں سے شیوۂ مہر و وفا غلط

ہے فردا کا یہ وعدہ کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج ہی کل

ترے بندِ قبا کیوں کر کروں وا
عجب عقدہ یہ پیش آیا ہے لاحل

کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل آج
جائیں گے کس طرف کو ہم آئے کہاں سے ہم

ماہیتِ خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

سب خبر رکھ پر ایسی کر باتیں
جیسی کرتے ہیں بے خبر باتیں

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ اگر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

آج کیوں دیتے ہو ہونٹوں میں چبا کر گالی
آپ تو روز یہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

کرتے نہیں کبھی جو قدم رنجہ اس طرف
آتا کچھ اپنا عیب ہے کیا بندہ خانہ میں

جز عشق اور بھی ہے کوئی ذکر لے امیر
دیکھوں ہوں جب تجھے تو اسی ہی فسانہ میں

قطعہ

کرنیکو اے شوخ میرے قتل کے
پوچھ تو تو لوگ تجھے کیا کہیں

دور رکھا پاس بیٹھے ہیں امیر
دیکھ تو اس امر میں وے کیا کہیں

اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں

مثل حباب گو کہ سبک سر ہوں پر امیر
ہے حل عقدہ ہر مرے دم قدم کے ساتھ

تاب کیا آئینہ کو ہووے مقابل تیرے
سامنے ہو کے ترے شمس و قمر دیکھیں تو

جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ہے سو دل جانے
یہ دل کی بات ہے دلبر کسی بیدل سے مت کہیو

نوح کے طوفان کی شدت کو عالم بھول جائے
ہر بن نم اپنے ٹک اے چشم تر آ جاؤ تو

جی سوا کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آ جاؤ تو

جی میں جو آوے سو کیجے پہ ہیں یہ پوچھوں ہوں
کچھ تجھے ہاتھ بھی آتا ہے دل آزاری سے

بس میں آیا جو تمہارے اسے جا ہو سو کرو
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

ترے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے
اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

گر وقت ذبح نالہ کیا سینے کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ کسیکی زباں چلے

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے

بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

دیجو مت ایذا ہمیں اے شور حشر
خوش پڑے ہیں اپنے اک آرام سے

پوچھا میں میاں دل تو نہیں زلف میں تیری
بل کھا کے لگا کہنے میاں لیتے ہو ہاں ہے

جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
اک باد کے جھوکے میں مٹ ہم ہیں نہ نشاں ہے

پوچھا میں کبھی ہم سے بھی ملنے گا کہا خیر
بولا میں جو مر جاؤں لگا کہنے بلا سے

سچ کہیو امیر آج ملا کیا نہیں وہ شوخ
کچھ تو نظر آتے ہو ہیں یار خفا سے

جاہِ دنیا پہ اعتماد ہے کیا
مہر بعد از عروج ڈھلتا ہے

آ گئے اُس بت کے شیخ تو کیا ہے
گر خدا آ دے رام رام کرے

لے وہ مجرا اتار اگر آج امیر
تو یہ بندہ تجھے سلام کرے

نہ سجدے سے خوشی ہوں نے عبادت سے کبھی راضی
نئی اک طرح کی مہرباں کی بھی خدائی ہے

اہلِ فنا کو سانس بھی لینا ہے یہاں محال
رو بیٹھے زندگی سے جو ٹک دم حباب ہے

اُس مُنہ پہ کھلے زلف تو از بہرِ قدمبوس
شام آوے ادھر سے تو اُدھر سے سحر آئے

امیر

(امیر) حافظ امیر الدین۔ شرفائے قصبہ بدایوں میں ممتاز اور با وصف کم گوئی نہایت شیریں کلام اور نازک خیال سخن سنج تھے۔ فارسی میں ایک مختصر دیوان آپ سے یادگار ہے بروقت ترتیب تذکرۂ شوق حیات تھے۔ امتدادِ زمانہ کے باعث بعض الفاظ جو اُس زمانہ میں رائج تھے اب متروک ہو گئے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

پھر چمن کی سیر کو امسال آتی ہے بہار
سوئے تے فتنۂ جنوں کے کو جگاتی ہے بہار

کیوں نہ آپس میں کریں بحثِ سخن ہر صبحدم
گلستاں کا درس غنچوں کو پڑھاتی ہے بہار

نو عروسانِ چمن کی گر یہ مشاطہ نہیں
کیوں گلوں کے ہاتھ پر مہندی رچاتی ہے بہار

باغ میں کھلکے دہان و رخ کی کل تقریر تھی
گل پریشاں ہو رہا تھا اور کلی دلگیر تھی

پہنچتے ہی کر دیا اُس سنگدل کو بدماغ
واہ واہ اے آہ بس تجھ میں یہی تاثیر تھی

دے چکا تھا اپنے در سے بار ہا تو تو اُٹھا
پر وفاداری ہی اپنی ہم کو دامن گیر تھی ؂

قطعہ

خانہ بدوشی ہے عجب گھر امیر
جس کو نہ دیوار نہ در چاہیئے

پاس میرے تک وہ آ بیٹھا امیر
رات اپنے بخت نے کی یاوری

بیخودی میں پینے جامِ شوق کے
ایک بوسے کی طلب اُس سے کری

کر کے رو کھی تیوری مہرو اُٹھ چلا ؂
رکھ کمر میں خنجرِ کینہ دری

اُسکے دامن کو پکڑ کر میں کہا	اب کوئی چھوڑوں ہوں اے رشک پری
مسکرا کر ناز سے کہنے لگا	عاشقی کرتے ہو یا زور آوری
اِن دنوں کچھ بن نہیں آتا تک آیندہ بہار	چھیں لوں مجنوں سے اقلیمِ بیاباں تو سہی
باغباں لالہ پر اتنا مٹھتا ہے پھول پھول	داغ سینہ کا کروں میں بھی نمایاں تو سہی

امیر

(امیر) مرزا امیر بیگ - دہلوی - غدر سے بیشتر ریاست گوالیار میں ملازم تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - کلام ملاحظہ ہو ٥

آنکھ وہ کافر کہ قتلِ عام جس کی اک ادا	لب وہ روح افزا جسے مردے جلانا بات ہے
کب تلک رو سکے کہو کوئی کہ تمکو تو امیر	مار مرنا سہل ہے اور زہر کھانا بات ہے

امیر

(امیر) امیر الشعرا مولوی مفتی منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی خلف اکبر مولوی کرم محمد مغفور - شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں ۱۶ شعبان ۱۲۴۴ ہجری بروز شنبہ بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپ کا نسبی سلسلہ بہت ہی قریب حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملتا ہے - جن کا مزارِ مقدس لکھنؤ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے - یہی وجہ ہے کہ جناب امیر کے نام نامی کے ساتھ مینائی لکھا جاتا ہے - آپکو صرف خاندانی فضیلت ہی حاصل نہ تھی بلکہ اپنی ذات سے خود بھی صاحب زہد و تقویٰ - صوفی مشرب - خدا پرست درویش صفت - منکسر المزاج آدمی تھے - خاندان چشتیہ صابریہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ صاحب سے بیعت رکھتے تھے - اور بعد میں خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے تھے - آپ کا ابتدائی زمانہ تحصیل علوم و فنون میں بسر ہوا - آپکی تعلیم قدیم دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی تھی - فہم سلیم و ذہانت فطری کی امداد سے عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - اسکے علاوہ طب جفر - نجوم وغیرہ میں بھی معلومات اچھی تھیں اور شاعری کے لئے تو ایسی خداداد طبیعت پائی تھی کہ آپ کی نازک خیالی ضرب المثل اور آپکی ہمہ دانی مسلم ہے - اس فن میں آپ کو مدبر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر سے تلمذ تھا - مگر انصاف یہ ہے کہ اپنی خداداد طبیعت

اور قابلیتِ علمی کی بدولت آگے نکل گئے تھے - یہ بالکل سچ ہے کہ آپ خاندانِ مصحفی کے آفتابِ رخشاں تھے بچپنے میں حضرتِ ناسخ کی بلند پروازی - حضرت آتش کی آتش بیانی نے اپنا جلوہ دکھا کر انکی نوخیز طبیعت میں عاشقانہ رنگ پیدا کردیا اور عالم شباب میں صبا - وزیر - رند خلیل کی جادو بھری نغمہ سرائیوں نے فریفتہ بناکر محفل سخن میں لا بٹھایا میر انیس اور میرزا دبیر کی معرکہ آرائیوں اور اُس وقت کے نامی شاعروں میں شرکت بھی آپکے حق میں رہبر کامل سے کچھ کم نہوئی - ان نامی بزرگوں کی فیض صحبت سے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ ۱۲۶۹ھ ہجری میں آپکو سلطان عالم واجد علی شاہ اختر کے دربار دُربار میں باریابی ہوگئی اور حسب الحکم سلطانی دو کتابیں ارشاد السلطان وہدایۃ السلطان تصنیف کیں - جن کے جلدو میں خلعت فاخرہ اور انعام عطا ہوا - اُسی وقت سے آپ کی عالمگیر شہرت کا زمانہ شروع ہوا جو بے روک ٹوک ترقی کرتا گیا اسی اثنا میں اودھ کا الحاق ہوگیا چند [illegible] نشین رہے - بعد ازاں ۱۲۷۵ھ ہجری میں آپ کی معجز بیانی کا شہرہ سُنکر فردوس مکان نواب محمد یوسف علیخاں بہادر ناظم نے طلب فرمالیا - اُس وقت سے آپکی مستقل سکونت بجائے لکھنؤ کے رامپور میں منتقل ہوگئی ریاست کی طرف سے عدالت دیوانی کے ایک رکن ہوگئے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب شاعری کا پھلا پھولا سدا بہار چمن سلطنت دہلی ولکھنؤ کی بساط اُلٹ جانے کی وجہ سے سرزمین رامپور پر جو اپنی قدردانی سے گلشن سخن بننے کی قابلیت پیدا کرچکی تھی پھر نئے سر سے شگوفے کھلانے کے لئے آباد ہوا - رفتہ رفتہ تمام اہلِ کمال نواب صاحب کی قدردانی وقدر افزائی کے سبب یہیں آکر جمع ہوگئے - جن میں سے اکثر آخر وقت تک وہیں رہے - نواب فردوس مکان کے انتقال کے بعد ۱۲۸۱ھ میں نواب خلد آشیاں کلب علیخاں بہادر کا عہد حکومت آیا - اُردو شاعری کو اور بھی فروغ ہوا شاہد انِ زبان اُردو کی قسمت کھُل گئی سخن فہم ورتبہ شناس رئیس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تمام ہند کے نامی گرامی شعرا کو بلاکر اپنے دامنِ دولت کے سایۂ عاطفت میں لے لیا - پھر کیا تھا مصاحب منزل میں باکمال شعرا کا جمگھٹا ہوگیا تغزل کا شاداب تختہ گوناگوں پھولوں سے

صحن چمن کی طرح کھل گیا ہر نازک خیال سخنور جدا جدا اپنی بہار دکھانے لگا یہ وقت جناب امیر مینائی کے آفتاب اقبال و کمال کے عروج کا تھا۔ یہانتک کہ حضرت امیر کو نواب کی اُستادی کا فخر حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مرزا داغ۔ اسیر۔ حیا۔ منیر۔ بحر۔ ذکی۔ قلق۔ عروج۔ جلال۔ شاغل۔ تسلیم۔ رسا۔ وغیرہ کا رامپور میں جمگھٹا ہے کبھی کبھی حضرت غالب بھی دلی سے تشریف لاکر اس یادگار بزم کو اپنی صدارت سے اعزاز بخشتے تھے۔ آپکی تصانیف اکثر تلف ہوگئیں اور بعض مستور ہیں از انجملہ سُنا ہے کہ ایک اُردو دیوان موسوم بہ غیرت بہارستان جو اُس زمانے میں مکمل و مرتب ہوگیا تھا ایام غدر کی دست برد کی نذر ہوا وقتاً فوقتاً جو اشعار یاد آتے گئے وہ دوسرے مسودے میں درج ہوتے گئے جسکا کچھ حصہ دیوان منتخب میں مل کر شائع ہوا۔ غدر کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ مراۃ الغیب جو دراصل پہلا دیوان سمجھا جاتا ہے نعتیہ دیوان اور مولود شریف کے ساتھ چھپا۔ ۱۸۹۱ء میں دوسرا عاشقانہ دیوان موسوم بہ صنم خانۂ عشق چھپا اسمیں اکثر جگہ جہاں اُستاد نواب فصیح الملک حضرت داغ کی مقبول زمانہ طرز کا تتبع کیا ہے وہی خیالات۔ وہی مضامین وہی سلاست وہی معاملہ بندی قریب قریب موجود ہے اسی وجہ سے یہ دیوان زیادہ مقبول ہوا کہ آپ نے اپنا پہلا رنگ بالکل بدل دیا۔ اصناف سُخن پر زبردست قدرت رکھنے کے علاوہ آپکے کلام میں اور ایک خوبی ہے یعنی اوس میں اکثر جگہ ہمواری اور موزونیت اس غضب کی ہے کہ دوسری جگہ کم دیکھنے میں آتی ہے۔ غزل قصیدہ۔ رباعی مسدس۔ مخمس۔ غرض جو کچھ بھی ہے ایک رنگ میں ڈوبا ہوا ہے معانی کی جدت۔ الفاظ کی مناسبت۔ خیالات کی بلندی نکات کی برجستگی اشارات کی شوخی۔ بیان کی صفائی۔ الغرض وہ کونسی خوبی ہے جو امیر اقلیم سخن کے کلام میں اپنے اپنے محل موقع پر نہیں پائی جاتی پھر اُسپر تصوف اور اخلاق کی چاشنی سونے پر سہاگا اور طعام میں نمک کا کام دیتی ہے۔ حسرت و یاس اور عبرت کے مضامیں آپ بالخصوص جیسے خوش اسلوب اور موثر پیرایہ میں لکھتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ حضرت امیر کی قابلیت میں شبہہ نہیں اور ساتھ ہی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آپکی طبیعت میں

انصاف پسندی کو بھی معمول سے زیادہ دخل تھا - چنانچہ اپنے استاد اور استاد الاستاد حضرت مصحفی کی طرح ہمیشہ باکمالانِ دہلی کے طرزِ کلام کے دلدادہ و فریفتہ رہے اور کبھی بیجا اور فضول بحثوں میں پڑکر اپنے دامنِ کمال کو آلودہ نہ کیا - ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ دورِ آخر میں آپ لکھنو کے شاعروں میں اپنا نظیر آپ تھے - اور اساتذہ زبان اُردو کے زمرہ میں آپکا نام ہمیشہ ایک خاص وقعت سے یادگار رہے گا - کیونکہ دورِ موجودہ میں (سوائے نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی اُستاد حضور نظام) آپ اپنے ہمعصروں میں ہر طرح ممتاز اور سر برآوردہ رہے - آپکے پرجوش شاگردوں نے ہر چند آپ کو حضرتِ داغ سے بھڑانا چاہا مگر آپ ہمیشہ ایسی کوششوں کو بے سود اور قابلِ احتراز سمجھتے رہے یہ وہی بات ہے کہ پیراں نمی پرند و مریداں مے پرانند - اور واقعی بنظرِ انصاف اگر دیکھا جائے تو کیا بلحاظ زبان - طرزِ بیان اور شوخیِ مضمون آپکو حضرتِ داغ پر فوق دینا انصاف اور حق پسندی کی گردن پر کُند چھری پھیرنے سے کم نہیں - دیگر امور سے قطع نظر ایک قبولِ عام ہی کے اعتبار سے جو بات حضرتِ داغ کو نصیب ہوئی وہ اُردو شاعری کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے - خود حضرتِ امیر ہمیشہ اپنے معزز اور باکمال ہمعصر کے زورِ طبع کے تحریراً و تقریراً معترف اور مداح رہے -

علاوہ تصانیف نظم تذکرہ شعرائے رامپور معروف بہ انتخابِ یادگار جو نواب کلب علیخاں کی فرمائش سے لکھا گیا تھا عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے - اسکے علاوہ آپ نے ایک اور قابلِ قدر تالیف یعنی فرہنگ زبانِ اُردو معروف بہ امیر اللغات کا سلسلہ اخیر زمانہ نواب کلب علیخاں میں شروع کیا جسکا باقاعدہ کام نواب مشتاق علیخاں کے عہد تک جاری رہا - اس فرہنگ میں آپ نے اُردو زبان کے تمام لغات اختلافی و غیر اختلافی و محاورات نہایت محققانہ اصول سے لکھنے شروع کئے تھے مگر افسوس کہ یہ تالیف ناتمام رہی اور صرف دو جلدیں جنمیں حرف الف ممدودہ اور مقصورہ کے الفاظ ہیں شائع ہوئی تھیں کہ آپ کا جامِ حیات لبریز ہو گیا - اس لغت کی تکمیل کے خیال سے آپکو سیاحت حیدرآباد دکن کا شوق دامنگیر ہوا چنانچہ اپنے

دوست نواب فصیح الملک مرزا داغ کی تحریک اور توسل سے بنارس میں حضور نظام کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کو باریابی کا اعزاز حاصل ہوا اور قصیدۂ تہنیت[۵۱] کے پیش کرنے کا بھی موقعہ ملا۔ پھر اگلے سال ۱۳۱۸ھ میں رامپور کو خیرباد کہہ کر چند روز بھوپال میں قیام فرمایا۔ معتبر ذریعہ سے سُنا گیا ہے کہ وہاں سے روانگی کے وقت آپ سے ایک قابلِ استعجاب امر سرزد ہوا یعنی آپ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے براہ راست بذریعۂ تار حضور نظام کو اپنی روانگی کے ارادہ سے مطلع کیا۔ بہر حال ۱۰۔ جمادی الاول کو آپ وارد حیدرآباد ہوئے۔ آپکے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر اور جناب جلیل اس سفر میں آپکے ہمرکاب تھے۔ نواب فصیح الملک نے نہایت خلوص و محبت سے استقبال کر کے اپنا مہمان کیا۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سفر راس نہ آیا اور وہاں پہنچتے ہی ایسے علیل ہوئے کہ پھر نہ سنبھلے۔ نواب فصیح الملک اور پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ احباب شبانہ روز آپکی تیمارداری میں مصروف رہے بلکہ سُنا ہے کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد پیشکار و وزیر بھی کئی مرتبہ مزاج پرسی کے لئے آئے مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی اور روز بروز حالت بگڑتی چلی گئی۔ کم و بیش ایک مہینہ کی علالت کے بعد ۱۹۔ جمادی آخرہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو ہزاروں آرزوئیں اور ارمان ساتھ لیکر ہگزرا سے عالمِ باقی ہوئے۔ اور وہیں پیوندِ زمین ہوئے ؂

افسوس تجھ کو رحم نہ آیا کچھ اے اجل		مارا کہاں امیرؔ غریب الدیار کو

آپکے انتقال کی یوں تو صدہا تاریخیں کہی گئیں مگر یہاں بخوفِ طوالت صرف دو تاریخیں درج کیجاتی ہیں منشی صاحب شاگردوں کے معاملہ میں نہایت خوش نصیب تھے لکھنؤ اور اطراف مشرق کے اکثر خوش فکر حضرات آپکے دامنِ کمال سے وابستہ ہیں۔ شاگردوں کی تعداد اگرچہ حضرتِ داغ سے بہت کم ہے مگر پھر بھی دو تین سو سے کم نہیں۔ جنمیں سے اچھے کہنے والوں میں حضراتِ ذیل یعنی (۱) ریاض (۲) جلیل (۳) مضطر (۴) کوثر (۵) نواب (۶) صفدر (۷) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۸) حفیظ (۹) آہ (۱۰) جاہ (۱۱) وسیم (۱۲) اختر (۱۳) قمر

[۵۱] یہ مسدس اپنی نازک خیالی اور لطافت بندش و مضمون میں بے مثل ہے ۱۲

اپنے نامور استاد کی قابلِ فخر یادگار ہیں۔ منشی صاحب کثیر العیال تھے۔ آپکے چار صاحبزادے ہیں منشی محمد احمد محمود قمر۔ منشی ممتاز احمد آرزو۔ منشی مسعود احمد ضمیر۔ منشی لطیف احمد اختر حال میں حضرت امیر کے بعض خطوط بھی شایع ہوئے ہیں جنمیں اکثر مقامات پر لطف زبان کے ساتھ ساتھ طرزِ ادائے بیان نہایت دلکش اور بے ساختہ ہے۔ کاش منشی صاحب کے لائق صاحبزادے اپنے نامور باپ کی غیر مطبوعہ تصانیف کو مرتب کر کے جلد شائع کرا دیں تاکہ ہماری زبان ایسے گراں پایہ سخنور کی آخری نغمہ سنجیوں سے محروم نہ رہے۔

تاریخ وفات حضرت امیر از نتائج افکار نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی ؎

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ	جو مرا ہم فن تھا میرا ہم صفیر
مصطفےٰ آباد سے آیا دکن	یہ سفر تھا اُس مسافر کا اخیر
کیا لکھوں کیسا کیا ہوئیں بیماریاں	کیا لکھوں تفصیل امراض کثیر
مبتلائے حدت صفرا و تپ	موردِ آزار اسہال و زحیر
گو بظاہر تھا امیر احمد لقب	درحقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ	شاعری میں خاص تلمیذِ اسیر
ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی	قصرِ عالی پائے جنت میں امیر
	۱۳۱۸ھ

مادّہ تاریخ از منشی جلیل حسن ؎ امیرِ کشورِ معنی امیر مینائی ۔ اب آپکے کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو سب سے پہلے وہ رباعیاں لکھی جاتی ہیں جو آپ نے بحالت بیماری مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار کی خدمت میں بھیجی تھیں ؎

رباعی

ہے آپکا اخلاق جو ہمدرد مرا
رشکِ دمِ عیسیٰ ہے دمِ سرد مرا
فرماتے ہیں ہر روز عیادت میری
درماں مرے حق میں ہوگیا درد مرا

رباعی

مشتاق کو ملنے کی تمنا نہ ملی
غنچہ ہی رہی اب تک طبیعت نہ کھلی
امراض نے دم بھر کو نکلنے نہ دیا
گھٹ گھٹ کے رہی دل میں تمنائے دلی

انتخاب از مراۃ الغیب

حضرتِ عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض / پہلے اُسکو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا

ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا / درد سے بھی اُٹھا نہیں جاتا

نہ ہوگا بند جب تک نقدِ جاں باقی ہو قالب میں / سخی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوکِ قاتل / کہ دو پیاسوں میں ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی چھڑکتا گر نمک قاتل / دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے مُنہ نمکداں کا

مزا عاشق کے دل سے پوچھ حسنِ شعلہ رویاں کا / تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں / لبِ خاموش سے پیدا ہے صدمہ دردِ پنہاں کا

مگر اڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے / ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلفِ پریشاں کا

جب کہا اُس سے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا / درد نے اُٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

قریب ہے یار روزِ محشر چھپیگا کشتوں کا قتل کیونکر / جو چُپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

آنے تو دو بہار یہ دونوں ہیں رہنِ مے / خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہ مرید کا

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اُسکی در کی خاک / چھوٹا نہ دستِ عجز سے دامن غرور کا

مرغِ عصیاں اُڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہوگیا / رنگ شاہیں ترازوے عدالت ہوگیا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے / امیدِ عفو میں میں گنہگار ہو چکا

ٹھیریں کبھی کجوں میں نہ دم بھر بھی راستاں / آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا

مرغانِ باغ تمکو مبارک ہو سیرِ گل / کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

ہلال و بدر ہیں دونوں تیری تصویر کے خاکے / یہ صورت ہے لڑکپن کی وہ نقشہ ہے جوانی کا

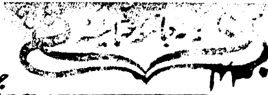
قدم یاں پھونک کر رکھتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے / ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا

اُٹھاؤں سختیاں لاکھوں کوئی بات اُٹھ نہیں سکتی / میں دل رکھتا ہوں شیشہ کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

نکیرین اک ذرا دم لینے دو پھر اٹھ جھگڑ لینا / ابھی تو میں تھکا ماندہ چلا آتا ہوں منزل کا

چشمِ نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا
تو وہ ہے ناوک فگن تیرا ہیک جائے جو ہاتھ
حلقۂ گیسو میں پائی نقدِ دل دیکر جگہ
آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجکو دیکھکر
وادئے ایمن میں تھی برقِ تجلی بے حجاب
روزِ خلقت سے وہیں ہیں باہر آسکتی نہیں
آدمی کا مُنہ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے
ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یوں ہی دل میں آگئی
ہٹاؤ آئینہ ہمکو بھی دیکھنے دو گے
بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا
ہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا
جب نقاب اولٹی نگاہ ہونکا ہوا ایسا ہجوم
فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
نہ پوچھ ناز و نیاز اسکے میرے کب سے ہے
بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع
دماغِ بحث تھا کس کو وگرنہ اے ناصح
وہ کہتے ہیں شبِ وعدہ میں کسکے پاس آتا
کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا
کمال اجباب سے ہے شکوہ کیا نہ عرس ایکدن ہمارا
شوق سے لکھیں فرشتے میرے عصیاں رات دن

اے حیا تجھ کو انہیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا
آپ اُٹھ کر تھام لے زنجیر پائے تیر کا
دے دیا پہلے گرا یہ خانۂ زنجیر کا
مُنہ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا
حیرتِ موسیٰ تھی پردہ جلوہ گاہِ طور کا
کہتے ہیں جنت جسے ہے قیدخانہ حور کا
بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا
دیکھتے چلئے تماشا اس تماشا گاہ کا
کہ خود ہی دیکھو گے حُسن اپنی خودنمائی کا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا
آتشِ تر سے جو اے ساقی گریزاں ہو گیا
پڑ گئے پردے وہ رُخ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا
جب تلک دل کو سنبھالوں میں دلِ زار نہ تھا
یہ حُسن و عشق تو اب ہے اُسے زمانہ ہوا
کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا
جسنے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا
دہن نہ تھا کہ دہن میں مری جواب نہ تھا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا
ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا
سرِ لحد ہی ہجوم ہوتا کبھی حسینانِ مہ جبیں کا
ایک رحمت اُسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب



پھینک دو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو
اُلٹے کے آئے گا جو ہے میرے مقدر کا جواب

وہ کھنچا تھا ایسی بھی کہ پہنچ جاتا تو بنتی کس طرح
سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

عمر گزری ہے مری وادیٔ غربت میں مگر
اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت

دیکھوں اسے واعظ کسے سنتے ہیں دل سے سامعیں
وصف تو فردوس کا کریں بیانِ کوئے دوست

بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤں گا کہاں
بند کرتا ہے قفس میں مجھے صیّاد عبث

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج
پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج

تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی
کل پی تھی جو شراب ہے اُسکا خمار آج

منظور کس کا قتل ہے تیغِ نگاہ سے
پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح
گردشیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح

ایک بار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے
پھونک دے مجکو بھی میرے آشیانے کی طرح

مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو
بلور کی پیالیوں میں ہے شرابِ سرخ

ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند
اور بک بک سے تری ناصح اُڑی جاتی ہے نیند

حال پر اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصہ کہانی پر گھمنڈ

یہ میری طرف پاؤں محفل میں کیسے
ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر

امیر اہلِ مسجد سے اظہارِ تقوے
ابھی آئے ہو میکدے سے نکل کر

ٹھہر گیا ہے ہمارے دل میں ہزار منت سے دردِ الفت
مگر یہ ڈر ہے کہ اٹھ نہ جائے مکان کی تنگی سے تنگ ہو کر

نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب سمجھ لیں
وہ دل میں آئے اُمنگ ہو کر گئے تو چہرے کا رنگ ہو کر

قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش
کدھر گئی ہائے نوجوانی اِن آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

خدا ہی جانے ہے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہوا اُس گرم خو کا پانی
گیا ہے لوگوں نے آگ اُسکو لگا لگا کر بجھا بجھا کر

اے روح کیا بد نہیں تری ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اس پیرہن کو چھوڑ

سیہ ہی نگاہ میں ہیں ترے تیر کے خواص
ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص

ترکش میں تیر میاں میں شمشیر بے قرار
دیکھو تو بیقراریٔ نخچیر کے خواص

کہتا ہے شعر سُن کے کوئی واہ کوئی آہ
کچھ تیر زا کے مجھ میں ہیں کچھ تیر کے خواص

ہزار خواہش کوئی جتائے وہ پھر بے پردہ کیا دکھائے
جو خوابِ عاشق میں ہی نہ آئے کبھی اُٹھا کر نقابِ عارض

ہوئے ہیں ہم محو حسن ایسے کہ علم ہے اور طاقِ نسیاں
بیاض اپنی بیاضِ گردن کتاب اپنی کتابِ عارض

کرتا ہوں میں تو روز روانہ ادھر سے خط
لکھا نصیب کا نہیں آتا اُدھر سے خط

اُن کو غرورِ حسن ہے ہم کو غرورِ عشق
آئے کبھی اُدھر سے بجائے اِدھر سے خط

ہجو مے کر رہا تھا منبر پر
ہم جو پہنچے تو پی گیا واعظ

آرہے باغِ جناں سے جو زمیں پر آدم
فی الحقیقت تھی وہ اک لغزشِ مستانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیر
شعلۂ حسن بجھا جس روز نہ پروانۂ عشق

جلد آجاؤ کہ ہیں گورِ کنارے مشتاق
دم میں آجائیں نہ حوروں کے تمہارے مشتاق

ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل سے ہے مکدر
نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات سے حاصل

کیا دیر ہے امیر کے عفوِ گناہ میں
اللہ کیا کمی ہے تیری بارگاہ میں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے سوجھا کچھ
وگرنہ ربط کی اُس سے ہزار راہیں تھیں

جب کبھی اُسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالبِ مقصود تو مٹ جائے دل
نفع تیرا ترے نقصان سے ہم دیکھتے ہیں

مدح کرتا ہے جو تو غیر کی دانائی کی +
پھیر دوں منہ کو ترے نادان سے ہم دیکھتے ہیں

وا کردہ چشمِ دل صفتِ نقشِ پا ہوں میں
ہر رہگزر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

مطلب جو اپنے اپنے کہے عاشقوں نے سب
وہ بت بگڑ کے بول اُٹھا کیا خدا ہوں میں

کہتی ہے ہر پلک تری زلفِ دراز سے
چھوٹے سے قد پہ میرے بجا نازیبا ہوں میں

رسوا ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا
جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بیٹھا ہوں میں

زندہ کئے ہیں مینے دلِ مردہ سیکڑوں
میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تیری حقیقت

بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں
اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی

ملنے کا وعدہ مُنہ سے تو اُنکے نکل گیا
مثلِ نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ

دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
مردہ جو اہلِ دل ہوں تو زندہ اُنہیں سمجھ

واماندہ دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں
یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں

کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشم میگوں ہے
امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے

مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم اُنہیں یاد
رہتا ہے صبح شام گناہوں کا سامنا

غضب کا ابرِ خوں افشاں ہے ابرِ تیغ قاتل بھی
وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں

فرشِ استبرق کی کچھ حاجت نہیں لے باغباں
ہٹاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے
فیضِ سخن سے عیسیٰ معجز نما ہوں میں *

اک مشتِ استخواں میں دو پَر لگے ہوئے ہیں
اب دخترِ رز کو چین کہاں ہے حجاب میں

یہاں عمر کٹ گئی ہے اِسی اضطراب میں
پوچھی جگہ جو مینے کہا ہنس کے خواب میں

جب تک رہی حیات رہی اضطراب میں
کیوں ہو حرام نشہ نہو جس شراب میں

عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں
کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں

نکل بھی آئی محمل سے تو پھر لیلی ہے محمل میں
چھکایا ایک پیمانہ سے تو نے سبکو محفل میں

وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمع محفل میں
شوقِ دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں

غیب سے اُنکے سوالوں کے جواب آتے ہیں
جن حسینوں کی تصور دمِ خواب آتے ہیں

فارغ جوان سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں
رواں ہے خوں کا سیلاب لاکھوں سر کٹے ہیں

جو تمکو پیار کرے اُسکو پیار کرتے ہیں
بادہ کش ہیں پڑ رہیں گے سایۂ انگور میں

تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں
امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں
کیا مست نگاہیں مجھے دکھلا گئیں آنکھیں
آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی
اوروں سے تو بیباک سر بزم لڑا کیں
اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق
نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگ جو
جب تک کہ دل ہے چاہئے ہمکو تری تلاش
کب زاہدوں کو مسئلۂ عشق کا ہے فہم
ہے غنچہ ساں بہار خموشی میں اے امیر
ظاہر میں گو فریفتہ حسن بتاں کے ہیں
گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل
دنیا میں بھی سفر ہمیں عقبیٰ میں بھی سفر
دل و جگر دونو جل گئے ہیں فراق ہیں جہاں مل گیا
کہاں ہونگی آمیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
کریگا یاد اے غم ہمکو بعد مرگ تو برسوں
کوئی میرے برابر کیا کرے گا ضبط الفت کو
بت میں بھی دیکھتے ہیں نور خدا کا جلوہ
پوچھتے ہو کس سے جو جا ہو کر و منتا رہو
ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر
راتوں کو مثل شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے

پیرا ایک سی ہے خزاں و بہار غربت میں
دو جام سے تھے لبریز کہ چھلکا گئیں آنکھیں
نیرنگ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں
عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں
جو اک نظر میں خون ہزار آرزو کریں
جب تک چلے زبان تری گفتگو کریں
نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہائے ہو کریں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں
آئی صدا یہی تو مقام امتحاں کے ہیں
ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں
تمہارے سرمہ میں اے بت تو کیا ایسی ہوئی بجلیاں ملی ہیں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں
نہیں آتا زباں تک دل سے حرف آرزو برسوں
واعظو حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں
دل ہمارے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہاتھ میں
پھرتے تھے یوہیں خوش خوش ہم بھی کبھی وطن میں
کہنے کو سوز باتیں ہیں غنچہ کی دہن میں
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

بے نشانی تو گزر خلد کی گلشن میں نہیں
حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے

دل جو صد چاک ہے اُسمیں ہے خیالِ رخِ دوست
کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی

وصلِ بت ہوتا نہیں ہے یا خدا ملتا نہیں
اے امیر اوّل تو وہ نا آشنا ملتا نہیں

اک مجھی سے رہگیا سارے زمانے کا حجاب
دَیر میں بھی ہے اُسیکا فیض اے اہلِ حرم

منکرِ یکرنگی معشوق و عاشق ہیں جو لوگ
ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا

خضر کیا جانیں مرگ کی لذت
ہماری بیخودی تمہید ہے تیری نمائش کی +

امیر افسردہ ہو کر غنچۂ دل سوکھ جاتا ہے
نزاعِ کفر و دیں ہے دور مد زلف و عارض میں

امیر اس باغ میں رہکر کریں کیا دل اُلجھتا ہے
وہ بُت آئے گا تو بت بن جائینگے واعظ ابھی

بغیر جرم ہوں پامال شرم ہم جنسی
بزمِ کثرت نورِ وحدت سے کبھی خالی نہیں

نہیں معلوم وہ مہمان ہوئے ہیں کسکے
خلوتِ وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا

میں تو میں عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے
داغ مے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

کم یہ تصویرِ گلی رنگ میں روغن میں نہیں
شاہد پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں

دوست کے دلمیں وہ ہے جو دلِ دشمن میں نہیں
ڈھونڈھنے پر آدمی آئے تو کیسا ملتا نہیں

مل گیا جس کو کہیں اُس کا پتہ ملتا نہیں
کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں

برہمن کو بت بھی بے اذنِ خدا ملتا نہیں
دیکھ لیں کیا رنگِ کاہ و کہربا ملتا نہیں

لب سے لب وقتِ تلفظ اک ذرا ملتا نہیں
اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں

مٹا کر نقش ہم اپنا ترا نقشہ جماتے ہیں
وہ میلے ہمکو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

مسلمانوں سے ٹوپی آج کل ہندو بدلتے ہیں
نہ نخوت چھوڑتے ہیں گل کانٹے خو بدلتے ہیں

حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں
کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہوں میں

چشمِ بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں
آج گھر گھر لئے پھرتا ہے تو ہم مجھکو

جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھکو
پیار کی آنکھ سے دیکھا نکرو تم مجھکو

صاف کہہ دو وہ نہیں دیدار دکھاتا ہے اگر
اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگ عشق
رنگ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر
گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو
دل دردناک چاہئے لاکھوں ہیں خوبرو
وہ حسن کیا ہے حسن جو خاطر نشیں نہ ہو
ساقی میں نشۂ مے عریاں سے مست ہوں
شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گزری
آج محفل سے تم آئے ہو اُٹھانے ہمکو
سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا
وصال پر جو ہے وصل امتحان کر دیکھو
چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہوں غیروں سے
عکس سے بچشو نہ آئینہ میں اتنا دیکھو
اے ضبط دیکھ عشق کی اُن کو خبر نہ ہو
آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لئے
ترک لذت بھی نہیں لذت سے کم
چلا تو ہوں پئے اظہار درد دل دیکھوں
وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمت شراب کی
خلقت کو ہے یہ اُسکے نظارہ کا اشتیاق
جو چاہئے سو مانگئے اللہ سے امیر
شیخ صاحب اُٹھا کے دیکھو آنکھ

کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجکو
دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو
ایک برگ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو
موسی سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو
عیسی ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو
کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہ ہو
افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو
آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہمکو
ہائے وہ دن کہ اُٹھتے تھے بٹھانے ہمکو
واہ کس پردہ میں مارا ہے ادا نے ہمکو
امیر یونہی سہی چند روز مر دیکھو
ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو
جانے دو اپنی طرف اے گل رعنا دیکھو
دل میں ہزار درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو
یاں تو شروع پرسش اعمال ہو گئی
کچھ مزا اس کا بھی چکھنا چاہئے
حضور یار مجال بیاں رہے نہ رہے
واعظ کے منہ پہ مہر لگا دوں کباب کی
کھڑکی ابھی کھلی نہیں بازار بند ہے
اِس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے
دختر رز سلام کرتی ہے

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے
گردنِ شیخ میں زنار برہمن ڈالے

یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی سے کہتے ہو
سامنے انکے ہی جب حضرتِ دل یاد رہے

حشر میں عذرِ جفا کیا ہے بتا تو رکھو
کہ مبادا ہمیں بھولے تو تجھے یاد رہے

نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے اب اے چشمِ یار باقی ہے

پیری میں کس مزے کو جوانی کے روئیے
سو داغ دے گئے ہمیں دو دن بہار کے

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ہے بجا کہئے اگر دولتِ دنیا کو پری
ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھ کو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

صلحِ کل میں ہے ابھی شرکتِ کیں تھوڑی سی
اور اے پیرِ خرابات نشیں تھوڑی سی

ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہاں
اسی انداز سے کہئیے کہ نہیں تھوڑی سی

کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں
پھر جو تسکین ہے دل کو تو یہیں تھوڑی سی

تو ہی یاں رہنے کو آیا ہے نہیں او غافل
جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے

انتخاب صنم خانۂ عشق

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اسوقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

دیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخِ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

وعظ کی مجلس میں بھی آئے تو یوں مستانِ عشق
مئے کی بوتل تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

نیند سے جھونکے چلے آتے تھے کیوں ہنگامِ ذبح
تیغ قاتل کی زباں پر کون سا افسانہ تھا

بے ہوشِ عشق ہو کر جا بزمِ معرفت میں
پردہ نہ بیچ میں ہو غافل شعور تیرا

ترے بندوں سے کرتے ہیں یہ بت دعوے خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا

خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی
خمیر ان کا بنا ہے چھکے جوہر بے وفائی کا

یہ کس بیدرد نے دستِ نگاریں خواب میں چھوما
کہ فریادی ہے ابتک نیل اُس نازک کلائی کا

گردن تنِ بسمل سے جدا ہوگئی کب کی
گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

کھینچکر چادر جو پھر تربت پہ میری ڈالدی
سچ بتا کیا تجھکو اے دزدِ کفن یاد آگیا

خواہشِ وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح +
دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارماں ہوگا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دو نو پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا

کھوگیا دل کھوگیا رہتا تو کیا ہوتا امیر
جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
مگر جو کسیکو دیا لے گیا +

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
دردِ اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

قیس کی خاک اُڑانے کو ہوا آندھی تھی
پردۂ محملِ لیلیٰ کو اُٹھایا نہ گیا

تصور مژہ کا تری رات بھر
رگِ جاں میں نشتر چبھویا کیا

حسن کھلتا ہے سینوں کا جیسے جنبشِ نگاہ
جسقدر دیکھو اُبھرتا ہے بدن تصویر کا

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے مُنہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

آئینہ دیکھ کے آتے ہیں مزے یوں لیتے
خود وہ مُنہ چومتے ہیں اپنے تماشائی کا

تو بھی آئے تو نہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے
اور ہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا

سب کی نظروں پہ نہ چڑھئے اتنا
دیکھئے دل سے اُتر جائیے گا

صورت تری دکھا کے کہونگا یہ روزِ حشر
آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

بیوفائی کو تیری لگتا داغ
وعدہ اچھا ہوا وفا نہ ہوا

کیوں ملائیں وہ آنکھ اب ہمسے
لے چکے دل نکل گیا مطلب

خاک میں بھی ملا چکے ہمکو
نہ ملے اب تو کب ملینگے آپ

زندہ محبت سے ہوں میں ناتواں
سہے یہ ہوا سینے میں دم کی طرح

خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو اِدھر اُدھر نہ پھرو
نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر

بوسہ ملا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے
دی جان ہمنے چشمۂ آبِ حیات پر

تہی دستوں کو کیا خوفِ بلائے آسمانی ہے
کفِ افسوس ملکے رہ گئی برق اپنی خرمن پر

کدورت کب جگہ پاتی ہے دلمیں صاف طینت کے
نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر

گلا کٹوا مزے لے لیکے پھر ایدل کہاں یہ دن
کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر

جب آئی گردش میں چشمِ ساقی اُڑا دیے ہوش میکشوں کے
نکل پڑے میکدے سے باہر ہزاروں میکش بہک بہک کر

جو مینے آنکھوں سے پونچھے آنسو اُبل پڑی اور اشکِ خوں میں
لہو کی دو بوتلیں بھری تھیں لگا جو ہاتھ آ رہیں ڈھلک کر

کبھی کعبہ میں صرفِ سجود ہو سر کبھی دیر میں جا کے حرم سے پھر
رہے دین میں کفر بھی مدِ نظر نہ صنم سے بگڑ نہ خدا سے بگڑ

گھبرا نہ قیسِ ناتواں لیلیٰ خود آئے گی یہاں
الجھے گا ناحق سارباں جاتا ہے کیوں محمل کے پاس

کر تو ہی رحم اب اے قضا تڑپے یہ بیکس تا کجا
قاتل خفا خنجر کھنچا کوئی نہیں بسمل کے پاس

مینے کہا بیکس ہوں میں بولے نہیں تیسے ہو دم
حسرت ہماری ہے ابھی باقی تمہارے دل کے پاس

فردوس میکدہ ہے میکش پکار رہے ہیں
اب بھی اگر نہ آئے دوزخ میں جائے واعظ

ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر میں ہوں ادھر اور غیر اُدھر
اک بتکدہ اور دو برہمن اک اسطرف اک اُسطرف

تری سفاکیاں پہونچیں یہاں تک
کہ ڈرتی ہے حیاتِ جاوداں تک

کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی
کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

نہ جلا تجھ سے قفس مینے چمن پھونک دیا
دیکھ ہیں گرم ترے یا مرے نالے بلبل

ہاتھ گلچیں کے کٹے باغ میں کانٹوں سے نہ گا
خوب ہی پھوٹے ترے دل کے بھی چھالے بلبل

دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں
ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل

جاتا تو اسکے کوچے میں ہے بار بار دل
کھائے نہ چوٹ یاس کی امیدوار دل

ملا جب وہ کھُلا تب یہ معمّا
کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم

بے مانگے دے رہے ہو زمانے کو گالیاں
باغِ جہاں میں سیر کو آئے ساتھ ہے لیکن قسمت بھی

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
کوئی پوچھے تو محتسب سے یہ کیا ہے انصاف

واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے گُنا کرتے ہیں
کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ

جب تڑپتا ہے دل میں ڈرتا ہوں
مانند شمع تاج ہی سے ہے بقائے شاہ

ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
آنکھ اپنی فتنہ ہوئے قیامت پہ کیا پڑے

حقیقت عاشقوں کی مرگ کی ہم سے کوئی پوچھے
جدا ہے دخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی

ہوئے ہم قتل جب جلسہ نظر آیا حسینوں کا
شگوفہ کوئی چھوڑے گا یہ صحبت رنگ لائیگی

کلیاں یہ سرخ سرخ نہیں لالہ زار میں
شرم آتی ہے کہ یار کو میں بیوفا کہوں

مجھ سے تو ایک نے بھی نباہی نہ دوستی
کہا جو میں نے کہ رخ سے ذرا نقاب اُلٹو

دنیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر
پھر اُس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے

اللہ رے ناز دیکھ کے کہتے ہیں آئینہ
تم سا کہاں جہاں میں کوئی دوسرا کریم

ہاتھ ہے کوتہ شاخ ہے اونچی پائیں گے کیونکر کوئی ثمر ہم
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

وہ مجھے دل سے بھُلا دے میں بھلا بھی نسکوں
کچھ مزہ ملنے لگا ہے اُنہیں صلواتوں میں

اے اسیرانِ قفس میں تو گرفتاروں میں ہوں
جو سرخ پر جا پڑے زمیں نہ کہیں

ہے اس کلاہ پوش کی جاں اس کلاہ میں
مے پیتے ہیں تو سایۂ ابرِ سیاہ میں

جسکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں
بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں

پری ہے میکشو نیں حور ہے پرہیزگاروں میں
ٹپا یہ خونِ ناحق چُلّو چلّو گلعذاروں میں

امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں
مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں

اچھا کہا ہے جسکو اُسے کیا بُرا کہوں
پھر آشنا کسے کسے نا آشنا کہوں

تو ہنس کے بولے کہ منظور قتلِ عام نہیں
سب مست ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں

گناہ گار یہ کہدے گناہ گار ہوں میں
ہم نازنیں نہیں تو کوئی نازنیں نہیں

شیخ حرم سے ملکے ہو اسقدر انفعال / کتنے ذلیل ہم نگہ برہمن میں ہیں

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں / جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

میں کہتا ہوں تمہیں نے دل لیا میرا تو کہتے ہیں / کہ ہاں ہاں لے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہیں

میں کسکی دید کا طالب ہوں کسکے وصل کا خواہاں / یہ کسکی حسرتیں ہیں آپ جنکا خون کرتے ہیں

انہیں کا مال تھا اچھا کیا دل لے لیا میرا / کوئی چھینے نہیں لیتا ہے اُن سے کیوں مکرتے ہیں

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم اُنکی نہیں جاتی / نگہ نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

پشیماں کرکے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چپکے / ہاتھ اُٹھانے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں

پھیر دو دل جو نہیں دیتے ہو بوسہ یہ کیا / مال پر لوٹ بھی ہو دام لگاتے بھی نہیں

آنکھ اُس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیر / اسی کھڑکی سے اُتر آتا ہے جادو دل میں

حکم ہے ضبط محبت کا کہ ہو راز نہ فاش / آکے آنکھوں میں پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

یوں تو سلجھے گا نہ اُلجھا ہوا بوسوں کا حساب / سہل سا گر میں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں

جذب دل اُن سے یہ کہتا ہے کہ اب کیوں آئے / تم تو کہتے تھے کہ آنا مرا ممکن ہی نہیں

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو / ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے / اب ہم ہیں خفا تم سے کہ تم ہم سے خفا ہو

یہ زباں چلتی ہے ناصح کہ چھری چلتی ہے / ذبح کرنے مجھے آیا ہے کہ سمجھانے کو

جب پوچھتا ہوں میں کوئی تدبیر وصل کی / کہتے ہیں بت کہ اپنے خدا سے دعا کرو

پردہ میں تم رہو اُسپہ یہ عالم ہے حسن کا / پردہ سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو

جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا درد عشق کی / کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

حسن و وفا کا ساتھ تو اے دل ہوا نہو / معشوق نام اُسی کا ہے جسمیں وفا نہو

کہتی ہے یاد وطن مجھسے نہ روٹھ اب من جا / چھوڑ غربت کو پلٹ چل مرے پیارے گھر کو

دم نکلتے ہی ہوئی لاش جو دو بھر ایسی / کیا ہوئی ہمسے محبت تھی جو سارے گھر کو

کیا خبر تھی کہ گراں ہوگا ہمارا آنا
سخت ناداں ہے کہ ملتا ہو وہ پاؤں کے تلے
ہو رہے ہم تو اے صنم تیرے
اس ادا سے کیا شہید اس نے
کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے
نزع میں جاتے تو ہو بالیں سے مجھ بیمار کے
پردے میں آئینہ کے یہ دل ہے امیر کا
خدا نے دن یہ دکھلایا کہ وہ بت مہماں آیا
سوا اب خاک ہونے کے نہیں حسرت کوئی باقی
جس نے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا
کہتا تھا قاتل آپ ہی مرتے تھے جاں نثار

ہم تو گھر اپنا سمجھتے تھے تمہارے گھر کو
کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگالے دل کو
تو ہمارا حشر تک شاں نہو
خوں بہا مل گیا شہیدوں کو
آگئی نیند نہ خنجرِ قاتل مجکو
اک نظر آنکھوں کا صدقہ ادھر پھر کر دیکھ لو
پہچان سے جو وہ تو کبھی روبرو نہو
ملے تو شیخ سے کہہ سنئے دو دن کو حرم لیلو
کہ مٹی ہو گیا جی دیکھ کر گور غریباں کو
لا دوا ہے جو عارضۂ جگر ہونے دو
بدنام ہائے مفت ہوئے ہم لگا کے ہاتھ

آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں
کیا تنگ ہے جلاد مری سختیٔ جاں سے

وہ شکل تہ سامنے سے سرکی
ہر دار یہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں ہر بھی

آمد جو شبِ وصل کی سن لی مرے گھر میں
اللہ رے ستم بیخودیٔ شوق کے ہم پر
کوٹھے سے نزاکت تو اترنے نہیں دیتی
آئے وہ دم بازپسیں یوں مرے گھر میں
ہمسائے ہی کے کوٹھے پر آئے وہ شبِ ماہ

اللہ ری ضد شام سے پہلے سحر آئے
ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے
جس طرح کہیں چاندنی چھپ کے پھر آئے
چاند اوروں کے گھر چاندنی ہی میرے گھر آئے

موت سے وہ جھڑک کے کہتا ہے

ہٹ نہ آ پاس میرے بسمل کے

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
کہہ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے

ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

گرد اٹھی عاشق کی تربت سے تو جھنجھلا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

گھر بیٹھے ہمیں ہاتھ لگی منزلِ مقصود
جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے

باقی ہے امیر اب تو فقط جان کا جانا
ہوش و خرد و تاب و تواں جا چکے کب کے

خلش نوکِ مژہ کا نگرائے دل شکوہ
کیا مزے کی ہے یہ پھانس اسکو چبھا رہنے دے

واے قسمت جو سب کی سنتا ہے
وہ بھی عاشق کی التجا نہ سنے

کوئے جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری
دامنِ حور کے سائے میں ہے تربت میری

دل سے بھی باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سن رہا ہوں میں کئے جاؤ شکایت میری

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنیوالے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

عجب عالم ہے اسکا وضع سادی شکل بھولی ہے
گھبی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے

ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اس نے تولی ہے
لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہم آنکھوں میں سب کو تاڑ لیتے ہیں
محبت ساری دنیا کی اسی کانٹے میں تولی ہے

صبا ان منہ بندی کلیوں نے شب کو کی چوری کی
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی لیچی ٹٹولی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکلکر دیکھ اے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے

خوشامد اے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اٹھا رکھا ہے

محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے
پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے

ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بت بولا
جا کے لے لیجئے کعبے میں خدا رکھا ہے

دمِ اخیر تو ظالم زرا انگا سے ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

بڑھاپے نے ہرن سب کر دئے نشے جوانی کے
ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

خودی سے بیخودی میں آج شوقِ حق پرستی ہے
جسے تو نیستی سمجھا ہے اے غافل وہ ہستی ہے

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

بڑھ ملے آہ رسا اب کنگرے پہ عرش کے پہنچی
بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی پستی ہے

بتوں کو دیکھ کے ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں
خدا راضی ہے جسمیں وہ ہماری بت پرستی ہے

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جسدن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

بحر الفت کے کنارے تک نہ پہنچا ایک بھی
دست و پا کتنے ہی پیراکوں نے مارے گیے

شیخ جی یوں ہی جو مے پینے کی عادت ہوگی
ایک دن رہن یہ دستار فضیلت ہوگی

رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والے کے قربان جائیے

پہچان پر ہے ناز تو پہچان جائیے
کیا ہے ہمارے دل میں بھلا جان جائیے

آخر ہوئے نہ حضرت دل آپ دل ذلیل
ہاں اور دوڑ دوڑ کے مہمان جائیے

برائی مری سن کے غیروں سے بولے
یہ سب سچ مگر ہائے کیا آدمی ہے

ایک سیدھی نگاہ ترچھی سی
لاکھ بانکوں کا بانکپن صدقے

جبیں تمہاری ہلال ابرو تو چہرہ غصے سے لال بھی ہے
بتوں سے ظاہر ہے شان خالق جمال بھی ہے جلال بھی ہے

لینے آئی ہے اجل اسکو عدم کو جائے کون
اتنی طاقت اب کہاں فرقت کے بیماروں میں ہے

رکا خنجر جو دست نازنیں سے
چھری جھنجھلا کے لی چین جبیں سے

نہ گھبرا تہ خنجر عشق دم لے
مزے کا تو وقت اسمیں اے دل یہی ہے

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے
کہ درد اٹھکر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے
جانے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسے لو
اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

لپٹا میں اٹھکے غش سے تو بولے فریبیئے
مطلب کے وقت کیسے بجا ہوش ہو گئے

ہے بخشنے نہ بخشنے میں اسکو اختیار
تو ہے گناہگار کسے جا خطا ہوئی

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

چودھویں سال میں ہے نام خدا دختر رز
پڑھ دے قاضی کہو دو بول یہ سال اچھا ہے

مانگئے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دے کر دشنام
کیوں جواب اسکا ہے اچھا کہ سوال اچھا ہے

خانقاہوں میں جو یہ پھرتی ہے بہکی بہکی
توبہ بھی پی گئے مگر نکلی ہے میخانے سے

اجل آئی ہے نذر اسکی کریں کیا
ہماری جان تو تم میں پڑی ہے

ہیں قتل گہ ناز میں سب زندۂ جاوید
شمشیر قضا توڑ کے رکھدی ہے قضا نے

وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو درود سے مشکل ہے
قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو ادھر دل ہے

کہیں ایسا نہو تجھپر بھی کوئی وار چل جائے
قضا ہٹ جا کہ جھنجلایا ہوا اسوقت قاتل ہے

سخی کا دل ہے ٹھنڈا گرمی روز قیامت میں
کہ سر پر چتر رحمت سایۂ دامان نائل ہے

نہ کر معشوق کو بے پردہ آنکھیں بند کر مجنوں
کہ لیلیٰ آنکھ کی پتلی ہے آنکھ آغوش محمل ہے

اندھیری رات میں بجلی کو بھی ترس آیا
غریب لے کے چراغ آئی آشیاں کیلئے

پھر تبسم سے چھڑک قاتل نمک
زخم پھر ہم نے نمیوں کے بھر چلے

عاشق اب ایجان جی کر کیا کریں
مرنے کو آئے تھے تم پر مر چلے

کسیکی چاہ بھی دل میں مرے لئے نازنیں نکلی
ترے تیروں نے گھر بھر کی تلاشی لی کہیں نکلی

دل مجنوں سے نکلی آہ یا بجلی کوئی چمکی
کہ محمل سے تڑپ کر لیلیٰ محمل نشیں نکلی

الٰہی کس شہید ناز نے اپنا کٹوایا
کہ ننگے پاؤں فردوس بریں سے حور عیں نکلی

نہ چوک وقت کو پاکر یہ ہے یہ وہ معشوق
کبھی امید نہیں جس سے جا کے آنے کی

بری ہو نہ قسمت الٰہی کسیکی
کہ جو سوجھتی ہے بڑی سوجھتی ہے

شیرۂ انگور کو کرتی ہے آب آتشیں
آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی

جب دو پٹہ سادھا ڈوبا تم نے دہانی ہو گیا
واہ کیا تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی

جب چمن میں آگیا مستوں کو ساون کا خیال
ساونی گاتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

ہر روش پر راستہ چمن میں اک پری ساغر بکف
ایکدن یوں دیکھیں اے ساقی فضا برسات کی

ہجر میں سب بے مزا ہے وصل میں سب بامزہ
فصل گرمی کی ہو یا جاڑے کی یا برسات کی

تری شبیہ میں کی صرف اسقدر طاقت
سکت نہ پھر قلم صورت آفریں میں رہی

عجب رسائی قسمت ہے اے حنا تیری
چمن جو چھوٹ گیا دستِ نازنیں میں رہی

ذبح کے وقت اسکی گھبراہٹ
دیکھکر مجھکو پیار آتا ہے

دل کو اب کب قرار آتا ہے
سُن لیا ہے کہ یار آتا ہے

تمکو آتا ہے پیار پر غصہ
مجکو غصے پہ پیار آتا ہے

امیر

(امیر) صاحبزادہ امیر اللہ خاں ولد صاحبزادہ حبیب اللہ خاں **فرحت** رامپوری ابتدا میں شیخ کرامت علی شہیدی اور شیخ علی بخش بیمار سے فیض سخن پایا۔ اخیر میں میر احمد علی **رسا** کو کلام دکھایا۔ کچھ تو طبیعت پہلے ہی رسا تھی حضرت رسا کی فیضِ صحبت سے اور بھی ایسا ہو گئی۔ سنہ ۱۲۹ھ ہجری میں صرف ۵۴ سال کی عمر پاکر انتقال کیا یہ تین شعر بطور یادگار درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

سوزِ غم سے داغِ غم سینے میں ہے روشن چراغ
اپنے گھر میں رات دن جلتا ہے بے روغن چراغ

نکیں وہ مژہ جو یاد آئی دستِ وحشت میں
تو پھر چبھتا پھر آنکھوں سے میں خارِ مغیلاں کو

پڑھنے کو آئے فاتحہ غیروں کے ساتھ ساتھ
شعلہ نکل گیا مرے لوحِ مزار سے

(امیر) نواب حسین علیخاں عرف آغا صاحب امیر خلف نواب امانت علیخاں ابن نواب جعفر علیخاں ابن نواب سعادت علیخاں مغفور صوبہ اودھ نواب احمد حسن خاں جوش کے شاگرد اور خوش کلام شاعر تھے ۱۲۵۶ھ میں آپ کا شباب تھا منتخب کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

خود فروشی کو جو وہ یوسفِ ثانی آیا
راستہ بند ہوا مصر کے بازاروں کا

ہمارے نالہ تو عرشِ خدا ہلاتے ہیں
بتوں کے دل میں یہ کیا ہے اثر نہیں ہوتا

نالے کئے وہ ہجر میں پیہم تمام شب
ہل ہل گیا ہے عرشِ معظم تمام شب

کشتہ سمجھ کے شمعِ رخِ بے مثال کا
پروانوں نے کیا مرا ماتم تمام شب

جاگے ہو میری جاں کہاں جا کے رات کو
آنکھوں میں نیند کا ہے جو کچھ کچھ خمار آج

امیر [illegible]

جان جاتی ہے مگر کچھ نہیں کہتے ہیں امیر		ان کو اس قاتلِ عالم سے محبت کیا ہے

امیر

(امیر) نواب میر حسن علی خاں حیدرآبادی۔ خوش باش جاگیردار ہیں۔ چالیس پچاس برس کے درمیان عمر ہے۔ آدمی نیک اور خلیق ہیں۔ شعر و سخن کی طرف بھی طبیعت مائل ہے ابتدائے عمر میں اصلاحِ سخن کسی اور شاعر سے لیتے تھے مگر اخیر میں نواب فصیح الملک مرحوم کو کلام دکھانے لگے تھے۔ داغ مرحوم کے خاص ہم جلیس دوستوں میں تھے۔ اکثر شبانہ روز اُنہیں کے مکان پر رہتے تھے حضرت داغ بھی ان سے یگانگت کا برتاؤ کرتے تھے طبیعت کا رنگ کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

آنکھوں میں رہے شوق سے دل ہو جو نا پسند	دنیا میں پھر ملے گا نہ ایسا مکاں کہیں
دل ہو گیا وارفتہ مرا ایک نظر میں	جادو ہے غضب چشمِ بتِ شعبدہ گر میں
سب رازِ جلی سرِ خفی اس پہ ہویدا	پھر غور سے دیکھو تو نہیں کچھ بھی لب میں
اللہ رے خم دپیچ تری زلفِ دوتا کا	بل کھا کے لپٹ جاتی ہے ناگن سی کمر میں
اے ہم صفیر تجھ کو مبارک چمن کی سیر	ہم تو اسیر ہو گئے فصلِ بہار میں
کیونکر جنوں میں دشت نوردی نہو پسند	پایا ہے آبلوں نے مزا نوکِ خار میں
رہا آئینہ کی گرد کدورت سے نہیں متقی	صفائی ظاہری کس کام کی ہے دل مصفا ہو
زادِ سفر کی خیر مناؤ مسافرو	رہزن کھڑے ہیں گھات میں منزل کے سامنے

دم ہمارے جسم میں باقی نہیں	خون کی پیاسی تری تلوار ہے
ہو گیا ہے تارِ بستر میں شریک	اسقدر لاغر ترا بیمار ہے
سہل ہے ملنا نگاہوں کا مگر	دل سے دل ملنا بہت دشوار ہے

ہو گئی اُن کو شکایت شکوۂ بیداد کی	کیا تماشا ہے وہاں فریاد ہے فریاد کی
شوقِ دیدار میں ہے سارا زمانہ بیتاب	اب تو چہرہ سے نقاب اپنے اُٹھائے کوئی
سر بکف میں بھی ہوں اور تیغ بکف قاتل ہے	میری مشکل اگر آساں ہو تو کیا مشکل ہے

کون سنتا ہے کہ دعویٰ ہی مرا باطل ہے	اب تو قابو میں ہے جسکے یہ اوسی کا دل ہے

امین

(**امین**) میر علی نام- قوم سے سید اور شاہجہاں آباد دہلی کے رہنے والے تھے- اخیر میں ایران کی طرف چلے گئے- طبقہ اول کے شعرا میں ان کا شمار ہے- اور یہ چند اشعار یادگار ہیں ؎

عجب کیا ہے جو تربت میری اک مخزن ہو پیکاں کا	کہ دل پر ہے جراحت اب تلک اُس تیر مژگاں کا
جلادیویں قفس اور دام آتش بارآہوں سے	اگر اک دم ہمیں صیاد دیوے حکم افغاں کا
جب وہ دل لے کے چلے میں نے کہا آؤ گے پھر	ہنس کے یوں کہنے لگے جان دو گر باقی ہے

امین

(**امین**) مرزا محمد اسمٰعیل ابتدا میں وحشی تخلص کرتے تھے طبقہ دوم کے آخر شعرا میں گنے جاتے ہیں آدمی خوش فکر نیک اخلاق اور پاکیزہ رائے تھے کلام ملاحظہ ہو ؎

گلشن میں جب اُس گل کا دا بندِ قبا ہوگا	کیا جانیے بلبل کی پھر جان پہ کیا ہوگا
اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم	گھڑ انظر آجائے لبِ بام کسی کا
نزاکت پر تک اُس دستِ نگاریں کے نظر کرنا	کہ گجرے سے گلوں کے ہاے جس کا مُڑ گیا پہنچا
لپٹ بادِ صبا کب طرۂ سُنبل نے یہ پائی	خدا جانے کہ بوے زلف تو کس کی اُڑا لائی
کیا غضب تیری آن ہے پیارے	میری تو اُس میں جان ہے پیارے

امین

(**امین**) میر محمد امین نام ہے- مسٹر فیلن نے انہیں دکھنی لکھا ہے- اور مولف جلوۂ خضر نے بنارسی مگر قرین قیاس یہی ہے کہ انکا اصلی وطن دکن تھا- میر غلام علی آزاد بلگرامی حسان الہند کے شاگرد تھے- ان کی تصنیف میں سے ایک ساقی نامہ اور ایک مثنوی یوسف زلیخا زبان فارسی میں مشہور ہے- یوسف زلیخا کے قصہ کو دکھنی زبان میں بھی نظم کیا تھا اور ریختہ گوئی کی طرف بھی طبیعت مائل تھی- اگرچہ انکے اُردو کلام میں سے صرف دو شعر دستیاب ہوئے ہیں- مگر چونکہ ان کا ایک شعر قبول عام کا رتبہ حاصل کر چکا ہے اس لئے ہم نے محض اُس مشہور شعر کی خاطر انکا ذکر اپنے تذکرہ میں مناسب جانا وہ شعر یہ ہے ؎

جی سے کہہ دو کہ آہ سرد کے ساتھ	ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

کیوں شعلہ رخو مجھکو جلاتے ہو کہ سینہ	رکھتا ہوں میں گل خوردہ مثال پر طاؤس

امین

(**امین**) خواجہ قاضی محمد امین الدین خان خلف وحید الدین خاں - جو نجیب الدولہ کے عہد میں دہلی کے قاضی القضاۃ تھے - امین مرد صلاحیت شعار اور برگزیدہ اطوار تھے اور مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں دوا خانہ کے داروغہ تھے - اپنے زمانہ کے اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے - ۱۱۹۳ھ ہجری تک زندہ اور مصحفی کے ہمعصر تھے چنانچہ اکثر انکے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے - چار اشعار بطور یادگار درج تذکرہ ہیں ؎

سخت کاوش میں ہوں بہ رنگ نگیں	ایسی نام آوری کا منہ کالا
ہمکو کیا گر بہار آتی ہے	دل وہ غنچہ نہیں جو وا ہوگا
مل گیا ہوگا خاک میں جیوں اشک	تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا
کون آتا ہے یہ کس کے پانوں کی آواز ہے	ہر صدا سے پا میں جس کی سو طرح کا ناز ہے

امین

(**امین**) نواب امین الدولہ معین الملک بہادر عرف مرزا مینڈو خلف الرشید وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ صوبہ اودہ - بعض تذکروں میں ان کا خطاب امیر الدولہ ناصر جنگ لکھا ہے آپ توپ خانۂ شاہی کے منتظم نواب آصف الدولہ بہادر والی اودہ کے بھائی اور حضرت شاہ عالم ثانی کے دلی رفیق تھے آپ کا اکثر دہلی میں قیام رہتا تھا - نہایت خلیق صاحب ہمت اور نیک خو امیر تھے - غلام قادر روہیلے کے فتنہ و فساد سے پہلے دہلی میں اپنے مکان پر بڑے تزک و شان سے مشاعرہ کیا کرتے اور شعرا کے ساتھ ہر طرح سے سلوک ہوتے تھے مفصلہ ذیل اشعار سے آپکی طبیعت کی روانی کا اندازہ ہوسکتا ہے ؎

حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر	ہر شب ہے سوز آہ سے روشن چراغ دل
شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا	سینے میں اب تو خاک نپایا سراغ دل
کل جو ہم نے مغبچہ کے ساتھ سیر دیر کی	لڑکھڑایا تھا ہی پا لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو و جمع یہ سب چیز ہے	بل بے سمائی تری دل بھی عجیب چیز ہے

امین

(امین) خواجہ امین الدین عظیم آبادی - ملازم سرکار نواب ناظم مرشد آباد - کچھ دنوں نواب مظفر جنگ سید محمد رضا خاں کے مصاحب بھی رہے تھے - علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ کے یار دیرینہ اور سنہ ۱۱۹۶ھ کے قریب تک زندہ تھے بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے - ان کی طبیعت کا رنگ کلام ذیل سے آشکار ہے ؎

دنیا میں جو اگر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا

مانندِ نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے
مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشاں کا

پردہ سے جو وہ شہرۂ ایام نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا

گالیاں جو دیں سو دیں - بس کیجیے
سُن چکے ہم جب تلک مقدور تھا

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا
خاک میں سے - ملا دیا ہوگا

گالیاں غیر سے سُناتے ہو
ہاں میاں! تم سے اور کیا ہوگا

وہی مقصودِ دل ہے - اور وہی منظور آنکھوں کا
سرورِ سینہ میں اُسکو کہوں - یا نور آنکھوں کا

کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا
کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا
فائدہ اسقدر رِجھانے کا؟

سخت کاوش میں ہوں بہ رنگِ نگیں[1]
ایسی نام آوری کا منہ کالا

خورشید تیرا دیکھ کے مُنہ کانپ کے نکلا
مہ چادرِ مہتاب میں مُنہ ڈھانپ کے نکلا

ہمکو کیا گر بہار آتی ہے
دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنے خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر

یہ نہیں جوہر نمایاں تیغِ تیزِ یار پر
کھُد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیالِ زُلف میں بے خواب بے آرام ہے
رات ہوتی ہے امیں بھاری ہر اک بیمار پر

ڈر سے ترے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

اُس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو پتنگ
بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے اپنے دو چار پر

[1] یہ دو نو شعر خواجہ امین الدین خان آئین کے نام سے بھی تذکروں میں درج پائے گئے۔

یار کے مژگاں سے لڑ جاتا ہے یوں تیرِ نگاہ
جس طرح تروار کوئی آ لگے تروار پر

آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز
لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہ سبز

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں
گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جاتا ہوں

جی نکلتا ہے یہ لب یاد میں ہنستے ہیں ترے
مرتے مرتے بھی ترا نام لئے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکرِ معاش
غم کو کھاتے ہیں امیں خونِ جگر پیتے ہیں

سرو دیر آشنا پہ بھول مت قمری
ہم بھی اک نونہال رکھتے ہیں

دل تو کیا ہے امیں جو آوے یار
جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بے چین رکھتا ہے دل انکا پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جسکے رہے بیمار پہلو میں

مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہو
ملاقات تیری اگر کم نہو

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے
پر اتنا بھی خلوت میں ہمدم نہو

امیں کی غذا آ رہی ہے یہی
الٰہی یہ خونِ جگر کم نہو+

ہوئی ہے آشنائی جب سے اُس مے نوش سے مجھ کو
جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہل ہوش سے مجھ کو

کیا کہیں دودِ آہ کی تاثیر+
گھر کا گھر ہے سیاہ مت پوچھو

مفت مارا گیا ہزار افسوس
تھا امیں بے گناہ مت پوچھو

دل باندھئے تو یار کی کاکل سے باندھئے
بلبل کو باندھئے تو رگِ گل سے باندھئے

خضر نے اک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی
مانگتے ہیں اب تلک اُس سے حسابِ زندگی

کیا بھلا اس میکدے میں جی کسی کا شاد ہو
مر گیا آخر کو پی جس نے شرابِ زندگی

غیر سے کیونکہ وہ چھوڑے ملنا
چھوڑتا ہے کوئی اپنی بانی

جتنے تھے محفل میں تھا سب سے تپاک اور اختلاط
ایک ہم کمبخت گویا واں گنہگاروں میں تھے

بھر عمر گدائی میں بھی کرتے رہے شاہی
دنیا میں جو ٹھانی تھی میاں ہمنے بنا ہی

تمہاری آنکھیں جو دیکھتے ہیں نپٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری
پر اسقدر ہیں جو خوں کی پیاسی یہ کافر آنکھیں ہیں یا کٹاری

تری نگہ کے جو ہو نگے مارے نہ مانگا ہوگا اُنہوں نے پانی
نہ ایسی دیکھی ہے تیغ ہنسنے۔ نہ ایسی دیکھی ہے آبداری

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بیقراری میں کٹی

رنگ چہرے کا زعفرانی ہے
عاشقی کی یہی نشانی ہے
کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھکو
ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے
جلوہ تیرے حسن کا کہاں ہے
یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے

رباعی

کیا شہر میں آج مجھ پہ ہے ہولی
پھرتے ہیں لئے عبیر بھر بھر جھولی
وعدے سے کیا کرو گے دل خوش کبتک
ہولی کا قرار تھا سو یہ بھی ہو لی

کیا بُرا وقت تھا اُس شوخ سے جب آنکھ لگی
جب تلک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی
حیاتِ جاوداں بخشے ہے تیغ آبدار اُس کی
اگر باور نہ آوے جا کے کھاوے جسکا جی چاہے

چشمِ گریاں کی دیکھئے خوبی
ساتھ اپنے مجھے بھی لے ڈوبی
یار بھی اب گلہ لگا کرنے
یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی
صبح اور شام سب بہانہ ہے
آئیے آئیے جو آنا ہے

زاہد کبھو تو گردنہ پھر یو شراب کے
یاں آگ ہے چھپی ہوئی پردے میں آب کے
کیا چشمِ منعماں سے رکھیں مفلسانِ دہر
دریا نے تو بھرے نہیں کاسے حباب کے
رشکِ گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا
یار کے بھاویں تماشا ہے تماشہ یہ ہے
اُس ماہرو کے سامنے آتی ہے چاندنی
اپنے تئیں اب آپ ہنساتی ہے چاندنی
دو دن کی چاندنی ہے پھر آخر اندھیری رات
ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی
غیروں سے اختلاط ہماری بلا کرے
گر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے
دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے
پر ہے وہی بھلا۔ جو کسیکا بھلا کرے

(امین) حافظ محمد امین باشندۂ کانپور تاجر کتب کلکتہ۔ شاگرد شیخ عبد اللہ عزم کانپوری

امین

پہلے ثروت تخلص تھا - بعد میں امین اختیار کیا - زیادہ حال معلوم نہیں اشعار ذیل ہدیۂ ناظرین ہیں

صفائی ہاتھ کی قاتل جب ہی ہے	نہ خالی جائے کوئی وار تیرا
دوبارہ مانگا جب بوسہ تو بولے	لکھا کیا پتہ ہے عمر بھر کا
حجابِ یار کا کشتہ ہوں یارب	دھواں پنہاں ہے آہِ جگر کا
عاشق کا کبھی خوں کر کے پشیماں نہیں دیکھا	بے رحم کوئی تجھ سا میری جاں نہیں دیکھا
جان آ جائے تن بیجاں میں شاید ہمدمو	لے چلو میرا جنازہ کوئے جاناں کیطرف

انتخاب (**انتخاب**) نام باوجود تلاش گمنامی کی حالت میں رہا - آپ ایک خوش فکر نوجوان دہلی کے رہنے والے اور خاقانی ہند ذوق کے شاگرد تھے حضرت ظہیر دہلوی کی زبانی دو شعر سُنے وہی درج ذیل ہیں

اُنہیں سات پردے لگے دائے قسمت	ہوئے سامنے جب وہ آنے کے قابل
مجھے پہلے ہی مُنہ لگایا نہوتا	اگر میں نہ تھا مُنہ لگانے کے قابل

انتظار (**انتظار**) علی نقی خاں خلف علی اکبر خاں دہلوی - شاہ آبرو و فغاں کے ہمعصر میں تھے - نواب علی وردی خاں کے عہد میں مرشد آباد بھی گئے تھے سنہ ۱۱۸۵ھ میں فوت ہوئے چار شعر حاضر ہیں

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ دل میں تیرے رحم	جو چاہے تجھسے یہ دل کامیاب ہو معلوم
وقف ہے خانۂ دل قصداً گر اُس کا ہے	کہدو ناوک سے کہ آ بیٹھے یہ گھر اُس کا ہے
جو ہیں ہمسایۂ گُل کی قفس میں خبر گئی	بلبل یہ سُنکے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی
کُنج قفس میں جا کے بناتا ہوں آشیاں	سیرِ چمن کی دل سے ہوس اسقدر گئی

انتظار (**انتظار**) حکیم عطاء اللہ قریشی شاگرد قدرت اللہ بلیغ - انکے والد حکیم غلام رسول حکمت (بعد میں غمیں تخلص رکھ لیا تھا) بڑے جید عالم اور ایک خوش تقریر بزرگ کشمیری الاصل تھے اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی مصاحبت کی بدولت بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتے تھے کچھ دنوں نواب فیض اللہ خاں والئ رامپور کے یہاں بھی ملازمت کی - انجام کار دہلی میں انتقال کیا - انکے مورث محمد حسن فانی کشمیر کے شعراء مشاہیر میں گزرے ہیں - انتظار رامپور

میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی - اور نواب فیض اللہ خان کے صاحبزادوں کے مصاحب رہے - اُردو فارسی دونو زبانوں میں دادِ سخنوری دیتے تھے - شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت جوان تھے ۵

چھا گیا گلعذار آنکھوں میں[1] | کیا ہے پھولی بہار آنکھوں میں
مثل عینک کے اُٹھ گیا ہے حجاب | تو ہی ہے وار پار آنکھوں میں

گر ستاوے گی یونہی تیری جدائی مجکو | کل موا آج اگر موت نہ آئی مجکو
پہنچے گا ہاتھ نہیں اپنا کبھی زلف تلک | خوب معلوم ہے طالع کی رسائی مجکو

اِن آنکھوں سے میں دیکھوں ترا بھی جگر خوں | اللہ کرے ظالم تو بھی کہیں مفتوں ہو

یہاں تک تو ہوئی ہے ناتوانی | کرنے لگی روح بھی گرانی
شاید کہ ہوا مرا جگر خوں | آتے ہیں جو اشک ارغوانی

ایک تہمت ہر آن رکھتا ہے | مجھ پہ تو کیا گمان رکھتا ہے
مت ستا دیکھ ماں سے کہنا | اور کوئی بھی جاں رکھتا ہے
مٹ چکا ہے یہ مثل نقش قدم | نام کو اک نشان رکھتا ہے
کل تو تھی ہی بہار کافر پر | آج کچھ اور آن رکھتا ہے
ہو چکا انتظار تو ناحق | زندگی کا گمان رکھتا ہے

نہ شکوہ تیغ ابرو سے نہ رنجش تیر مژگاں سے | مری خاطر پریشاں ہے تری زلفِ پریشاں سے
خدا سے ڈر جھٹک مت رحم کر ہم خاکساروں پہ | کہ رکھتے ہیں علاقہ کچھ تو ظالم تیرے داماں سے
نہیں مفتوں کسی پر انتظار اُسکی بلا جانے | کہ کیا گزرا دلِ نالاں پہ میرے دردِ ہجراں سے

مت اُٹھا ہاتھ مرے دل کی دوا ہونے دے | ہے یہ بیمار محبت اِس کو شفا ہونے دے
آہ و نالہ کا نہ مانع ہو کہ دل ٹوٹتا ہے | توڑتا ہے جو تو شیشہ تو صدا ہونے دے
ڈرتے ڈرتے جو کیا دردِ دل اُس سے ظاہر | ہاتھ رکھ دل پہ مرے کہنے لگا ہونے دے

[1] یہ شعر آحمدی (صفحہ ۱۹۶) کے نام سے مشہور ہے - غالباً توارد ہوا ہو ۱۲

در قفس کا تو عبث بند کرے ہے صیاد	ہم گرفتاروں کو کب خواہش آزادی ہے

انجام

(انجام) عمدۃ الملک نواب امیر خاں صوبہ دار الہ آباد - خلف امیر الامرا نواب امیر خاں عالمگیری صوبہ دار کابل - اصلی وطن یزد واقع ایران تھا - انکے بزرگ ایران میں سلاطین صفویہ کے دربار میں ہمیشہ معزز و ممتاز رہے اور انکے والد عالمگیر کے عہد میں صوبہ داری کے منصب جلیلہ پر سرفراز تھے - اور یہ خود اپنے زمانے کے ممتاز اور مقتدر امیروں میں گنے جاتے تھے - خلق - مروت سخاوت - اور سیر چشمی میں ضرب المثل اور نہایت بذلہ سنج شیریں کلام امیر تھے - آپ ۱۱۵۵ھ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز ہوئے - محمد شاہ بادشاہ کو ان سے ایسا اُنس تھا کہ خلوت و جلوت میں کسی وقت انہیں حضوری سے علیحدہ نہ کرتے تھے - اور انہوں نے بھی اپنی حاضر جوابی اداشناسی اور نکتہ سنجی سے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا اور ایسا رسوخ پیدا کیا تھا کہ دیگر امرا کی نظروں میں خار کی مانند کھٹکتے تھے - انکی شوخ طبعی اور بذلہ سنجی کے اکثر لطیفے مشہور ہیں - اور فی الحقیقت آپ اُس رنگیلے دربار کی روح رواں تھے - فن سخن میں مرزا بیدل کے شاگرد تھے اُردو فارسی کے علاوہ ہندی زبان سے بھی واقفیت تھی چنانچہ پہیلیاں اور مکرنیاں اکثر کہا کرتے تھے - علم موسیقی میں آپ کو ایسا دخل تھا کہ اس فن کے اچھے اچھے اُستاد آپ کا نام سُنکر چکراتے تھے اور آپ کی خداداد ذہانت اور قابلیت کے قائل اور معترف ہوتے تھے افسوس کہ محفل خاص کی بے تکلفانہ صحبتوں میں آپ داب شاہی کا پورا پورا لحاظ نہ رکھ سکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے مخالفوں نے بادشاہ کے دل میں انکی جانب سے ایسی کدورت پیدا کردی کہ انجام کار انہیں کے ایما سے ۱۱۶۹ھ میں دیوان خاص دہلی کے صحن میں ایک غلام نے بضرب کٹار ان کا کام تمام کر دیا - ہمراہیوں نے اسیوقت اُس نابکار کو پکڑ کر کیفر کردار کو پہونچایا مگر بادشاہ نے اُس غلام کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھوایا - غم عمدہ آپ کی تاریخ وفات ہے دہلی میں روح اللہ خاں کی سرا کے قریب آپکا مزار ہے - شعرائے ریختہ گوئی ایک بیاض آپکی یادگار ہے جو راقم تذکرہ کی نظر سے بھی گزری - مختلف تذکروں میں جو کلام ملا اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

دُور سے آئے تھے ساقی سُنکے میخانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا کہیں صیاد کو
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
ٹک تو فرصت دے کہ ہولیں رخصت اے صیاد ہم
اب یہی احساں ہے جو ہرگز نہوں آزاد ہم
مُنہ ترا تکتے ہیں سب اقلیمِ حسن و عشق کے
دل تو ہے داغِ غلامی سے ترے طاؤس وار
اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا
ساتھ اپنے سر کے تھا انجام کارِ تمکنت
کیوں بُلایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی
کل محیطِ عشق کے صدموں سے پائی تھی نجات
ہر پری تمثال جوں آئینہ رکھتا تھا عزیز
نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو
نہ سُن تو پندِ واعظ کی جو اپنی دھُن میں یکتا ہے
خاکساری پر نکر موذی کے ہرگز اعتبار
چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو

پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم
سر پٹک کہتے ہیں اپنے آپ دیوانہ کو ہم
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم
مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا مُنہ لیکے اے صیاد ہم
تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم
سامنے قمری کے گو ہیں سروساں آزاد ہم
عمر مانندِ شرر جب کر چلے برباد ہم
شکر ہے تڑپے نہ زیرِ خنجرِ جلاد ہم
دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی
کشتی دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی
ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی
دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی
خدا حافظ ترا دو زخ بھی اک شرعی دھڑکا ہے
جونک پانی میں رہے تو بھی لہو پیتی ہے
سوزنِ تقدیر بھی گر سو برس سیتی رہے

انجم

(انجم) نواب ہمایوں قدر سید محمد علی مرزا عرف امیر صاحب مرحوم - آخیر نواب ناظم بنگال نواب منصور علیخاں بہادر کے خلف الرشید اور والی حال مرشد آباد کے حقیقی چچا تھے - صورت ظاہری کے علاوہ جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف تھے خلق و مروت اور سیر چشمی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی - بعالم شباب ۱۳ ستمبر ۱۸۸۳ء کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا اور مرشد آباد میں دفن ہوئے

موزونیٔ طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی توجہ مبذول ہوجاتی تھی چنانچہ اشعار ذیل آپ کے طبعزاد ہیں ؎

کر گیا مجھکو وہ ظالم دمِ رخصت برباد	اب رہونگا میں یونہیں تا بقیامت برباد
اپنے مرنے کا ہمیں غم نہیں لیکن اے جاں	ہم نہوں گے تو یہ ہوجائے گی صحبت برباد
جوشش گریہ سے نمو تخم اثر کا نہوا	کر دی اس کثرتِ بارش نے زراعت برباد
ساتھ غیروں کے بجایا کرو کہنا مانو	کوچہ گردی سے ہوا کرتی ہے عزت برباد
کبھی ہوتا نہیں کوشش سے خلافِ تقدیر	ساری تدبیروں کو کرتی ہے یہ قسمت برباد
جان دی ہمنے وہ بولے مجھے بدنام کیا	یہ مثل وہ ہے گنہ لازم و محنت برباد
دل کو پہلو میں جگہ دی تو وہ دشمن نکلا	سچ ہے یہ خانۂ اخلاق و مروت برباد
پوری نہ سرگزشت کبھی آپ نے سنی	رہ جاتا ہے یہ قصہ مرا ناتمام روز
پردۂ محمل گرا دیتی تھی لیلیٰ دا نصیب	جب کبھی جاتا تھا مجنوں دوڑ کر محمل کے پاس

انجم

(انجم) صاحبعالم مرزا آسماں جاہ بہادر خلف الرشید سلطانعالم واجد علیشاہ سابق تاجدار اودھ آپکی ولادت بزمانۂ سلطنت ۱۸۵۳ء میں بمقام لکھنؤ واقع ہوئی - بحالت صغر سنی بادشاہ کے ہمراہ کلکتے گئے اور وہیں ساری عمر گزار دی باعتبار عمر شاہ مرحوم کی وفات کے موقع پر فرزند دوئم تھے چنانچہ اسی لحاظ سے اپنے اور بھائیوں کی نسبت زیادہ وظیفہ پایا - یعنی ۱۱۰۰ ماہوار پنشن مقرر ہوئی صاحبعالم مرحوم کی شادی اپنے حقیقی چچا جنرل سکندر حشمت مرحوم کی صاحبزادی سے جو پرنس سر مرزا جہاں قدر مرحوم کی حقیقی بہن تھیں ہوئی تھی - آپ کو علوم و فنون متداولہ میں اچھی مہارت حاصل تھی بادشاہ انہیں خاص طور پر عزیز رکھتے تھے - دربار گورنر جنرل میں بھی آپ کو پرائیوٹ انٹری کا اعزاز حاصل تھا - راقم تذکرہ کلکتہ میں دو مرتبہ فیضیاب خدمت ہوا تھا کمال نوازش فرماتی تھی - افسوس بمقام مونگیر ۱۴- اپریل ۱۹۰۶ء کو ۵۳ سال تک دنیا کی ہوا کھا کر عازم سیر جناں ہوئے اور بھاگلپور میں دفن کئے گئے - کثیر العیال تھے - آپکے خلف اکبر صاحبعالم مرزا محمد مقیم بہادر

راقم تذکرہ کے بڑے عنایت فرما ہیں - دیوان مطبوعہ سے جو انیس کا عطیہ ہے کلام منتخب ہو کر زیب تذکرہ کیا جاتا ہے - طبیعت کی رنگینی - معاملہ بندی اور صفائی روزمرہ کے ساتھ ساتھ اسلوب بیان قابل داد ہے - مذاق سخن آپ کو وارثتاً ملا تھا لیکن کبھی کبھی میر علی حیدر صاحب طباطبائی سے مشورہ بھی فرما لیا کرتے تھے کلام فصاحت التیام حاضر ہے

یوں اٹھتی ہے ہمارے دل زار سے آہ
جسطرح سے چراغ دھنواں دے بجھا ہوا

بیت الصنم کو چھوڑ کے کعبے کو جائیں کیوں
زاہد تو ہی بتا ہے وہاں کیا دھرا ہوا

بکھرے ہوئے بالوں میں بھی ہیں لاکھ ادائیں
الھڑ کو ابھی میرے سنورنا نہیں آتا

ایک عالم کو کر دیا بیخود
میرے مست خمار کیا کہنا

دل میں سو چٹکیاں نہ لیتی تھیں
ایک نشتر چبھو دیا ہوتا

غیر سے الفت جو تھی مد نظر
پھر ہمیں کیوں آپ نے رسوا کیا

دوست اپنا نہ یار ہے اپنا
وہی پروردگار ہے اپنا

یہ بھی اپنا نصیب ہے ورنہ
درد تو لا دوا نہیں ہوتا

دفور الفت میں ان بتوں کو بیاں کریں کیا کہ کیا نہ جانا
مگر بڑی خیر کی خدا نے کہ ہم نے اپنا خدا نہ جانا

سینے کو چاک کر کے میری جان دیکھ لے
مجھسے سبب نہ پوچھ مرے اضطراب کا

کیا سیدھی نگاہوں نے تو بسمل
کرے گی دیکھئے ترچھی نظر کیا

جاتے جاتے لوٹ آئے آپ کیوں
لیجئے یاں دم میں دم پھر آ گیا

تم ستاؤ کوئی اُف تک نہ نکالے منہ سے
منہ میں رکھتا ہوں زباں اور نہ بولے کیا خوب

وہ اور ستائیں گے زیادہ تمہیں انجم
گر کچھ بھی زباں سے کیا اظہار محبت

بیمار سے تیرے نہیں لیجاتی ہے کروٹ
آ آ کے صبا اوسکو بدلواتی ہے کروٹ

کام قارون کے نہ آیا مال و زر
منعمو بیجا ہے دولت پر گھمنڈ

حال کھلجائے زمانہ میں محبت کا مری
قاتلا تجکو مرے سر کی قسم اتنا تو کر

ہاتھ ٹوٹیں جو چھوا بھی ہو ہاتھ
دلِ بیتاب کو تسکیں تو ہو
ہے آپ سا کوئی تو بتا دیجئے ہمیں
میں بھی نہ بولونگا اب تم سے خدا کی قسم

دُکھ گئی ان کی کلائی کیونکر
نہ دے بوسہ مگر اقرار تو کر
جائیں کہاں ہم آپکے صاحب قدم کو چھوڑ
دیکھوں تو رہتے ہو تم مجھ سے خفا کب تک

ضرور ڈھائیگا کوئی آفت ضرور فتنہ بپا کریگا
دل تو میرا اے لیا وے دے کے دم
کیسا خفا مجھ سے ہوئی جو آپ نے
نہیں صاحب یہ اچھا روز کا عذرِ فراموشی
ابھی سے دلکو اے انجم چکھادی درد کی لذت
یوں تو خدا کے فضل سے کہنے کو کیا نہیں
اگر یہی ہے تلون اُنکا خدا ہی ہے وعدہ ہو جو پورا
کسیلئے انجم؟ نہیں سکھائے تو میں نیاز نگ آج لائے
جدھر دیکھتا ہوں اُنہیں کا ہے جلوہ
اگر انصاف سے پوچھو تو انجم دونو حق پر ہیں

یہ تیرا اٹھکیلیوں سے چلنا جھکا کے گردن اُٹھا کے آنچل
اُس پہ کہتے ہو نہیں دمساز ہم
کر دیا موقوف آنا یک قلم
کرو پھر وصل کا وعدہ کرو دو پہلے آنچل میں
یہ کیسا قہر ڈھایا گھُن لگا یا اُٹھتی کوپل میں
پُر تو نہیں تو جینے کا اپنے مزا نہیں
کہا تھا کل آج وصل ہوگا وہ آج پھر کل پہ ٹالتے ہیں
کر چکے بیٹھے ہیں سر جھکائے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں
وہ نظروں میں ایسے سمائے ہوئے ہیں
یہ ہے بیکار کا جھگڑا پڑا گبر و مسلماں میں

نخلِ امید بارور نہوا
سینے فرقت میں آہیں کیں دو چار
روا نرکھ کہ جہاں میں ذلیل و خوار ہوں نہیں

پھول آئے نہ پتیاں آئیں
لوگ سمجھے کہ آندھیاں آئیں
جو ہوں سو ہوں پہ ترے در کا خاکسار ہوں میں

خدا خدا کر کے آئے بھی تو وہ مُنہ لپیٹے پڑے ہوئے ہیں
نہ کہتے ہیں کچھ نہ سنتے ہیں کچھ کسی سے جیسے لڑے ہوئے ہیں

ہاں بھلا کسطرح وہ مُنہ سے کہیں
جب کہا میں نے تم پہ مرتا ہوں
مانگا بوسہ تو بولے جھنجلا کر

اُنکے سر پہ تو ہے سوار نہیں
ہنس کے بولے کہ اعتبار نہیں
کہہ چکے ہم ہزار بار نہیں

ہمیں جانکنی سے مفر ہو تو جانیں
دلا آج کی شب سحر ہو تو جانیں

کہاں وہ یار کہاں تو کہاں وصال اُسکا
یہ اور کیا ہے دلا گر خیال خام نہیں

آپ کیوں مجھسے لیتے ہیں قسمیں
دل تو میرا ہے آپ کے بس میں

کب کہتا ہوں میں بوسہ تم دیکے چلے جاؤ
دل لیکے مرا بے بوسے کے چلے جاؤ

یہ خون بھرا دامن دیکھے نہ کوئی دشمن
تم پاس سے اب میرے لاشے کے چلے جاؤ

جاتے ہو جو کعبے کو جاؤ مگر اے انجم
یہ کس نے کہا تیغ کے گھر آپ چلے جاؤ

اسی بیساختہ پن نے تو مجھے مارا ہے
اور ایسی کوئی تلوار لگاتے جاؤ

نام قاتل اگر خدا پوچھے
کیسا بتاؤں مجھے بتا دے تو

دربدر ہوں تلاش میں تیری
راہ سے اب مجھے لگا دے تو

مر کے باقی رہا نشان تو کیا
اے صبا خاک تک اڑا دے تو

اپنے در سے اگر اٹھاتا ہے
دوسرا کوئی در بتا دے تو

کعبۂ دل میں گھر بنایا ہے
ہوگئے بت بھی با خدا اب تو

جو مسیح آئے بھی تو کیا ہوگا
ہوگیا درد لا دوا اب تو

دیکھ تو کیسی ہوتی ہے چاہت
دل کسی سے ذرا لگا دو تو

ناصحا جی نہ جلا میرا ہوا خواہی سے
ناحق آ بیٹھا دبی آگ کے بھڑکانے کو

ہے غضب ظالم اُسے تو بھولجائے
مرتے دم تک جو تجھے بھولا نہ ہو

عالم بیخودی میں جاکر ہم
کیا کہیں دیکھ آئے کیا کیا کچھ

کھل گئے کیوں جانِ انجم ایسی ابھی کیا دنیا دیکھی
مرنے لگے خوبانِ جہاں پر تیری میری دیکھا دیکھی

ایک ذرا سے حشر پہ واعظ اُس کو ڈرانا اللہ اللہ
جسنے بتوں کی گلی میں برسوں روز قیامت بپا دیکھی

آنے کا آپ ہمسے وعدہ جو کر نجاتے
کیوں ہم پڑے سسکتے مدت کے مر نجاتے

یہ عشقِ بتاں غضب نہ ڈھائے
کافر نہ کہیں ہمیں بنا دے

یا نام نہ لکھ مسیح اپنا خاک میں ہمکو ملا رکھا ہے	یا دردِ جگر مرا مٹا دے کچھ ابھی اور اٹھا رکھا ہے
شوق سے تو پیش کر دامن کے پرزے حشر میں	ہم بھی ٹکڑے دل کے لائے ہیں دکھانے کے لئے
میری بگڑی ہوئی بنا ورنہ ہوئی خیر آیا نہ دیوانہ تیرا	کارسازی میں فرق آتا ہے قیامت میں کیا کچھ قیامت نہ ہوتی
حقیقت میں تفاوت کچھ نہیں شیخ و برہمن میں پرسشِ روزِ قیامت سے ڈرایا تو کہا لے کے دل پھرتے ہو ایں گلِ دیگر شگفت سینے کہا مر جاؤں گا فرقت میں تمہاری	سنا ہے ہمنے بھرتے تیرا دم اسکو بھی اسکو بھی ہم جو چاہیں تو وہاں بھی نہ ملے داد تجھے پھینک دو چاہو جہاں لو واہ واہ اچھی کہی جھنجھلا کے وہ بولے کہیں جھگڑا چکے مر بھی
کچھ کسی کا گلہ نہیں انجم تو اسکی یاد نہ دل سے بھلائیو انجم یا الٰہی بھرے نہ زخمِ جگر بیمارِ محبت ہوں میں بیکار دوا ہے جفاؤں سے تری بھرتا نہیں دل بہت چاہا نہ بولوں یار تجھ سے روز تم ہنستے کھلاتے ہو شگوفے ناز سے یہ صورت اور یہ بھولی بھولی باتیں	دل ہوا اب سے اپنا دشمن ہے اگر وہ بھول گیا ہے تو بھول جانے دے میرے قاتل کی یہ نشانی ہے خاکِ درِ جانان ہی مجھے خاکِ شفا ہے تڑپنے میں مزا کیا جانے کیا ہے مگر ظالم یہ دل کب مانتا ہے یہ تو بتلاؤ تمہیں اور کوئی کام بھی ہے تمہیں ستلاؤ پیار آئے نہ آئے
کسے تھی جان دو بھر ابھی ایسا کوں بیدل تھا سچ تو کہتے ہو بھلا کیونکر نہ جانو تم غلط یہ بھی نہ پوچھا تمنے انجم جیتا ہے یا مرتا ہے نئی جوانی نئے نویلے نادان الہڑ اور البیلے	خدا جانے جہاں میں عاشقی ایجاد کی کس نے جب غلط ہو جائے دل کا غم تمہارے سامنے واہ جی وا عاشق سے کوئی ایسی غفلت کرتا ہے سچ پوچھو تو تمکو صاحبِ دل دیتے جی ڈرتا ہے

بڑائی جس کو خدا دے اُسی کی بات بڑی	کسیکا نام بڑا ہو کسیکی ذات بڑی
جان جانے میں اب رہا کیا ہے دیکھ تو لیجئے لکھا کیا ہے عشق گر ہو تو کیا کرے کوئی دل نمانے تو کیا کرے کوئی بے وفا سے وفا کرے کوئی کینے کو یوں کہا کرے کوئی	ظلم سے ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو بے پڑھے خط کے آگیا غصہ درد ہو تو دوا کرے کوئی تم نہ مانو تو دل کو سمجھا لے باوفا سے سبھی نباہتے ہیں بُت بھی انجمؔ کہیں ہوئے ہیں خدا
گر گدا ترے در کا گدا بھی شاہ بھی ہے تمھارے لئے کوئی رُسوا ہوا ہے	مراد تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں میں جو عاشق نہ سمجھو تو اتنا تو سمجھو

انجم

(**انجم**) نواب سید بہادر حسین خاں انجمؔ نیشا پوری ابن نواب سید حسین خاں سالدار بن نواب افتخار الدولہ امتیاز الملک سید احمد علیخاں عرف نواب میر آفتاب داماد ہمشیرۂ نواب منتظم الدولہ وزیر نصیر الدین حیدر۔ فن شاعری میں ان پر میر نواب صاحب مونس لکھنوی نے سات برس تک بہت ریاضت کی اور جملہ نکات شاعری بڑی دلسوزی و توجہ سے انکے ذہن نشین کئے اُنکے انتقال کے بعد آپ نے مدبر الدولہ حضرت اسیر سے تلمذ اختیار کیا وہ بھی نہایت توجہ سے آپ کا کلام درست فرمایا کرتے تھے۔ آپ ذاکر بھی ہیں اور مرثیہ بھی پڑھتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں اچھا دخل رکھتے ہیں۔ صورت معاش یہ ہے کہ گھر سے آسودہ ہونے کے علاوہ آپ امام باڑہ حسین آباد میں بزمرۂ ذاکران وظیفہ خوار ہیں۔ شبانہ روز شاعری کا مشغلہ ہے۔ اب ۱۳۱۵ھ میں آپ کی ۸۵ برس کی عمر ہے۔ عرصۂ دراز سے آپ کو فوٹوگرافی کا شوق ہے چنانچہ اس فن میں کثرت مشق سے دستگاہ کامل بہم پہنچائی ہے۔ دیوان جسمیں غزلیات کے علاوہ چند مراثی اور سلام بھی ہیں ہنوز مرتب نہیں ہوا۔ ایک مثنوی موسوم بہ پرستان خواب بھی چار ہزار بیت کی آپکی تصنیف ہے مقامی مشاعروں کے ماسوا آپ بیرونجات کے مشاعروں میں بھی بڑے شوق سے

شرکت فرماتے ہیں۔ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی میں فرد ہیں۔ خوش فکر اور طباع شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے ۔

عبث وہ شاد ہوئے توڑ کر ہمارا دل
کہ آئینہ تھا انہیں کی یہ خود نمائی کا

نہ ذکرِ خلد خراباتیوں میں کر اے شیخ
اُنہیں یقیں کہاں اِس سُنی سُنائی کا

میدانِ حشر گو کہ نہایت وسیع تھا
دیکھا تو سب تمھارے شہیدوں سے پٹ گیا

انجم فراقِ یار میں تڑپو نہ اسقدر
مر جاؤ گے جو زخم کلیجہ کا پھٹ گیا

وہ کیوں کھڑے ہیں قیامت میں سر جھکائے ہوئے
کہ عشق میں جو کیا وہ قصور سینے کیا

دیکھا جب اُس صنم کو کیا کیجئے حال کیا تھا
ایمان کی تو یہ ہے اسلام کا خدا تھا

شکرِ خدا جو مُنہ سے نکلا قصور کیا تھا
میری زبان کا ٹو گر شکوۂ جفا تھا

خود حال پوچھ کر وہ بگڑا ہے اُف رے ظالم
یہ کیوں کہا کہ میں تھا اور رات بھر خدا تھا

کیوں نظر ہے طرفِ گنجِ شہیداں قاتل
وہ بھی بستی کہیں ہو جائے نہ ویران قاتل

لب ہر زخم پہ اب آگئی ہے جان قاتل
اِک چھُری اور پلٹ کر ترے قربان قاتل

زندہ نہیں جب رہے نہ بتوں کی جفا سے ہم
پھر موت کس امید پہ مانگیں خدا سے ہم

قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دعا سے ہم
کتنا بڑا ہے عرش اور اتنے ذرا سے ہم

واں کیا ہے خوفِ حشر جہاں یہ خیال ہے
کچھ کم نہیں ہے فتنۂ روزِ جزا سے ہم

وہ بحرِ غم میں کشتیٔ دل کیا ڈبوئیں گے
سر پر خدا نہ ہو تو ڈریں نا خدا سے ہم

آتے ہیں لاش پر وہ منانے کے فکر میں
اب کچھ اونہیں دکھائی دئے ہیں خفا سے ہم

تری درد کا دلِ مبتلا تپِ غم علاج میں کیا کروں
نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

بال کھولے تم سوئے گورِ غریباں کیوں گئے
اور بھی روحیں اندھیرے میں پریشاں ہوگئیں

یاں بھی آنکھیں پھر گئیں اب کیا غرض ہے نزع میں
ہم بھی بیٹھے ہیں جو برگشتہ وہ مژگاں ہوگئیں

بن گئیں بدمستیاں آخر پسینہ شرم کا
چھن گئیں جب کُفر کی باتیں تو ایماں ہوگئیں

دل جلاتے ہیں وہ ابرو تو بجھا بھی دینگے
کہ جہاں آگ ہے پانی بھی ہے تلوار و نہیں

اُسکا بلبل ہوں جو خوبو پہ بھی کرتا ہے ستم
پھول بھی چھید کے گوندھے گئے ہیں ہار و نہیں

اور اندھیر کیا قبر پہ تم نے آکر
بال کیوں کھول دئے میرے عزادار و نہیں

پس گیا خاک ہوا آہ نکی واہ رے دل
مرحبا بار محبت کے اُٹھانے والے

مے واعظا حرام ہے پھر کیا کرے کوئی
کیونکر تلافیٔ غم دنیا کرے کوئی

پردہ دوئی کا دیدۂ مجنوں سے اُٹھ گیا
یوں ہو سکے تو الفت لیلیٰ کرے کوئی

دیوانگانِ عشق کی بخشش عذاب ہے
پیدا کہاں بہشت میں صحرا کرے کوئی

سب روزِ حشر تشنۂ دیدار سمیع ہیں
اب تو وفائے وعدۂ فردا کرے کوئی

اللہ نے جہاں میں سب کچھ مگر نہ دے
وہ دل کہ جسمیں تیری تمنا کرے کوئی

اللہ رے دردِ شوق کہ پھر عرضِ حال ہے
سو بار سن چکا ہوں کہ "پھر کیا کرے کوئی"

توفیق اپنی اپنی ہے انجم شب وصال
ہم تو دعائیں دیتے ہیں کوسا کرے کوئی

شرم کس سے آرہی ہے آپ ہی تو بانی ہیں
دل کے آئینے سے آنکھیں چار رہنے دیجئے

حلق تک دم آچکا ہے اشتیاقِ دید میں
اب چھری کا کام ہے تلوار رہنے دیجئے

یہاں سے تا قبضِ ارواح جائیں دشمنوں کے گھر
وہ آ بیٹھے تو مرنے کی ہمیں اب کیا ضرورت ہے

پسینے میں نہ کیوں لہرائیں زلفیں روئے رنگیں پر
یہ جوڑا سانپ کا ہے چاٹنے شبنم نکلتا ہے

ہمارے داغِ دل مٹتے ہیں اُٹھتی ہے نقاب کی
ستارے ڈوبتے ہیں نیر اعظم نکلتا ہے

تمھیں بھی کچھ محبت آزمانی ہے دمِ رخصت
ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیونکر دم نکلتا ہے

رو رہا ہوں میں شبِ ہجر جو اے نخلِ امید
پانی دیتا ہوں ترے پھولنے پھلنے کیلئے

وائے میرے حال پر گھر بن ترے ویرانہ ہے
ہائے اُسکا بخت جسکا تو چراغِ خانہ ہے

نیند وقتِ ذبح قاتل آ ہی جاتی ہے مجھے
تیرے خنجر کی زباں پر کون سا افسانہ ہے

واعظا ہم کو غمِ دنیا و عقبیٰ سے معاف
رند ہیں بوتل بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

انجم

(**انجم**) شیخ ذاکر حسین انجم رئیس غازیپور۔ آپ کو غالباً حضرت تمشاد سے تلمذ رہا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر اور یہ نمونۂ کلام ہے ؎

قتل گہ میں عجب تماشا تھا
وہی قاتل وہی مسیحا تھا

تو ہے گلِ خوش رنگ گلستانِ زمیں کا
یا پھول ہے کوئی چمنِ خلد بریں کا

میخانہ کہاں اور کہاں حضرتِ واعظ
کچھ اور ارادہ تو نہیں قبلۂ دیں کا

پوچھو نہ کہ جاتا ہے کہاں رہروِ ہستی
جس شہر سے آیا ہے ارادہ ہے وہیں کا

تو اپنے آشناؤں سے ناآشنا نہ ہو
قطرہ سے بحرِ بحر سے قطرہ جدا نہیں

تلوار سے ڈرنے کے نہیں عاشقِ جانباز
کچھ تیز نہیں ابروئے قاتل کی چھری سے

اے آبِ دمِ تیغ ذرا پیاس بجھا دے
بیتاب ہے جانباز کوئی تشنہ لبی سے

انداز

(**انداز**) میر غلام حسین خلف میرزا ہدایت علی گورگانی۔ علم موسیقی و مرثیہ خوانی میں کامل تھے فن سخن میں خاقانی ہند ملک الشعرا ذوق مرحوم سے مستفید ہوئے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال فرمایا انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

دیکھئے آگے آگے کیا ہو وے
دل لگی میں تو ہے ابھی سے رنج

جور و جفا کی اُسکے شکایت کریں تو کیا
سو شوخیاں نکلتی ہیں جسکے حجاب میں

انداز یادِ عارضِ جاناں میں روز و شب
سلگی ہے آگ سی دلِ خانہ خراب میں

خزاں ہوتی نہ دامن گیر گل کی ......
نہ دن برگشتہ گر بلبل کے ہوتے

نہ بہکاتے اگر اغیار اُن کو ؛
تو کیا کیا عیش بھر مل جل کے ہوتے

نیم بسمل مجھے رکھنے سے تمھیں کیا حاصل
ایک ہاتھ اور بھی خنجر کا لگاتے جاتے

تیور آج اور نظر آتے ہیں اُن کے ہمدم
خیر کچھ چیکے ہی چپکے ہیں بڑھاتے جاتے

انداز

(**انداز**) حافظ نظام احمد صاحب انداز خلف منشی نیاز احمد صاحب مرحوم تعلقدار ریرپور حسن گنج آپکے دادا منشی کرم احمد خیرآبادی سررشتہ دار ڈپٹی کمشنر ریزیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے۔

حافظ صاحب ۱۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے - عربی فارسی گھر پر اپنے نانا منشی قدرت حسین سے پڑھی - والد کی زندگی میں کچھ دن تجارت کا مشغلہ رہا - پھر گورکھپور جا کر ریاض الاخبار جاری کیا - اب چند سال سے وطن میں مستقل سکونت ہے - اور وہاں کے مینوسپل بورڈ کے ممبر ہیں - فن شعر میں آپ کو حضرت امیر مینائی سے تلمذ حاصل ہے - شعر و سخن میں کافی مشق ہے - طبیعت رسا ہے - یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے ؎

منتیں ہیں کہ دم حشر گلا رہنے دے — کہتے تھے دل میں ذرا خوف خدا رہنے دے
بھول کے دل کے طرف آج یہ آنکلا ہے — اپنے ناوک کو ابھی اور ذرا رہنے دے
جو ہے مشتاق رُخ تو آئے آگے — یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے
خلش خار بیاباں نہ ہمیں — تھکے ماندے پڑے ہیں منزل کے
وہی کعبہ وہی میخانہ اپنا — جہاں ابر کرم دن رات برسے
یہ ہائے اور قیامت ہے تجھے اُٹھانے کو — تمہارے ساتھ قیامت بھی اُٹھ کھڑی ہو گی
سوجھتی ہی نہیں بتوں کے سوا کچھ ہمکو — لطف ہوتا ہے جو گفتگو بُتا ہوتی ہے
سر کو سجدے میں جھکا دیتے ہیں اللہ والے — ان بتوں میں بھی عجب شان خدا ہوتی ہے

اندوہ

(اندوہ) نواب علی حسین خاں خلف شمس الدولہ بارگاہ قلیخاں امیر عہد شاہ عالم ثانی - گاہے ماہے شعر و سخن کیطرف بھی رجوع کیا کرتے اور اُسمیں حضرت مصحفی سے مشورہ لیا کرتے تھے - آپکے ہاں مجلس مشاعرہ بھی منعقد ہوا کرتی تھی - کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

گور پر مجھ دل جلے کے مت کرو روشن چراغ — لطف کیا ہے گر جلایا بر سر گلخن چراغ
غیرت مہتاب خود ہے چہرۂ روشن ترا — چاہئیے کیا گھر میں تیرے اے بت پرفن چراغ
صیاد نے رکھے گل پژمردہ قفس پر — اچھی ہوس مرغ گرفتار نکالی
مارا تھا ہمیں عشق نے اک پردہ نشیں کے — کیوں نعش ہماری سر بازار نکالی

اُنس

(انس) میر مہر علی لکھنوی خلف میر مستحسن خلیق فرزند میر حسن - صاحب بدر منیر - اپنے

والد مرحوم کے شاگرد اور اکثر مرثیہ کہتے تھے - آپ میر انیس مغفور کے حقیقی بھائی تھے - ان کے بیٹے میر وحید و میر تعشق بڑے خوش فکر و شیریں زبان شاعر گزرے ہیں - آٹھ دس برس کا عرصہ ہوا کہ نوّے (۹۰) برس سے زیادہ عمر پاکر راہیِ دار البقا ہوئے افسوس کہ باوجود تلاش صرف ہی چند شعر ملے ؎

لو قسم وصل ہوا ہو جو کبھی ہمکو نصیب	اک نظر دیکھنے کی تو ہیں گنہگار آنکھیں
رُخِ روشن کو نہ دامن سے چھپاؤ واللہ	اب نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنہگار آنکھیں
مر گئے جاگتے ہی جاگتے فرقت میں تری	سوئیں اب چل کے بہت تھکیں بیدار آنکھیں

انسان

(انسان) اسد الدولہ نواب اسد یار خاں - محمد شاہی عہد کے امرائے پایہ تخت میں سربلند تھے - اکثر اکبر آباد میں قیام رہا کرتا تھا بعالم شباب ۱۱۵۰ھ میں بمقام دہلی انتقال فرمایا اور اکبر آباد میں دفن ہوئے - فارسی کا مذاق زیادہ تھا - ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی اسطرح فرماتے تھے ؎

زمین و آسماں و مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں	نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا چمکتا ہے

انسب

(انسب) میر ابو طالب ولد میر اکرام علی لکھنوی - شاگرد میر کلّو عرش ۱۲۷۷ھ ہجری کے گلدستۂ شعرائے لکھنؤ میں ان کا کلام چھپتا تھا اُسی سے انتخاب کیا جاتا ہے ؎

ہے فرطِ داغ سے انسب کا سینہ تختۂ باغ	برنگِ گُل ہے گُلِ زخم سے بدن کی بہار
آئی نہ مثلِ مرکزِ عالم نظر کمر	ڈھونڈا کیا میں شام سے لے تا سحر کمر

انسخ

(انسخ) مولوی عصمت اللہ ولد چودہری رحمت اللہ مرحوم - قصبہ پنڈوہ نواح ضلع ہوگلی کے باشندے اور مولوی عبد الغفور خاں نسّاخ کے تلامذۂ ارشد میں شمار ہوتے تھے - ان کا سال ولادت ۱۲۵۳ھ ہجری ہے - اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا - پہلے پہلے مجبور تخلص رکھا تھا پھر حضرت نسّاخ کی شاگردی میں آکر انسخ بن گئے - لڑکپن کے زمانہ سے کلکتے میں رہے - ایک دیوان اور رسالۂ طومار اغلاط انکی یادگار ہے - بنگالہ میں انکی شاعری کا بڑا چرچا تھا تذکرۂ شعرا کی ترتیب کے وقت حیات تھے - کلام حاضر ہے ؎

روشن ہو چراغ اپنے اگر داغِ جگر کا	خورشید پہ ہو جائے گماں شمعِ سحر کا

ایک ہی صیاد زیرک زاہد مکار ہے
سبحۂ صد دانہ گویا دام ہے تزویر کا

نہ پوچھ حال تو آغاز عشق کا الشغ
یہ مبتدا ہے وہ جسکی خبر نہیں پیدا

ہو گیا جو مجھ سے دریا نوش کو ذوق شراب
آسماں شیشہ بنا اور مہ ساغر ہو گیا

ہیں جو اے طفل مجوسی لاشۂ عاشق پری
تیرا کوچہ آج دخمہ کے برابر ہو گیا

کس بادہ نوش کو ہے صبوحی کی احتیاج
دست سحر میں ہے جو قدح آفتاب کا

اس کا سنتا نہیں اچھا کبھی کوئی الشغ
کرتی ہے حسن و محبت کی حکایت برباد

سر بلندوں کو کیا ہے کس نے عالم میں اسیر
طائر سدرہ ہوا ہے کب گرفتار قفس

ایک دن یہ ہے کہ پابند سلاسل پاؤں ہیں
ایک شب وہ تھی کہ تھی زلف معنبر ہاتھ میں

مخاطب جس سے ہو قاتل شہید بے اجل وہ ہو
زباں تیز کیا چلتی ہے گویا تیغ چلتی ہے

ق

جسم یوں روح سے لگا کہنے
تن سے جب ہو گئے بیقرار چلی

چھوڑ کر ساتھ ایک عمر کا آج
حیف اے جانِ غمگسار چلی

انشا

(**انشا**) سید انشاء اللہ خاں خلف الرشید حکیم ماشاء اللہ خاں مصدر دہلوی - اگرچہ خاندانی اعتبار سے ان کے والد نامی گرامی شخص تھے مگر انشا کی ذاتی ناموری نے اپنے باپ کیا بلکہ تمام خاندان کی عظمت کو فرط شہرت سے دوبالا جلوہ گر کر دکھایا - ان کے بزرگ نجف اشرف سے ہندوستان میں آئے تھے - بعض کہتے ہیں کہ خطۂ کشمیر کے صحیح النسب سیّدوں سے ہیں جہاں کسی زمانے میں سمرقند سے آکر بسے تھے پھر دلّی میں اقامت گزیں ہوئے - رفتہ رفتہ امرائے شاہی میں داخل ہو گئے جن میں سے بعض کی شہرت طبل و نقارہ سے بلند آوازہ ہوئی اپنے خاندانی پیشہ کے لحاظ سے میر ماشاء اللہ خاں دربار شاہی میں طبیب اور زمرۂ امرا میں شامل تھے آخر عمر میں انکے والد نے مرشد آباد جا کر نواب ناظم کی سرکار میں تعلق پیدا کر لیا تھا - ان کی خاندانی خوبیوں اور چال چلن کو دلّی اور لکھنؤ کے سب شرفا مانتے تھے - ان کے خاندان میں پرانے مراسم و آئین کا یہ اثر تھا کہ گھر کی عورتوں کا لباس دھوبی کے گھر نجاتا تھا - اُس زمانے میں

اس قسم کی باتیں انتہائے حیاداری سمجھی جاتی تھیں۔

سید انشا کو ان کے والد نے تمام ضروری علوم وفنون سے ماہر کر دیا تھا مگر جو خداداد جوہر طبیعت کا خزانہ ازل سے لیکر اُترے تھے اُس کی مثال زمانے میں نہیں۔ فن سخن میں انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی ابتدا میں اپنے والد ہی کو کچھ کلام دکھالیا تھا۔

حق یہ ہے کہ ان کی شعر وشاعری کا رنگ ڈھنگ جہان سے نرالا ہے۔ شوخی ظرافت انشا کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

سید انشا کی ولادت مرشد آباد میں ہوئی۔ وہاں سے عام تباہی کے وقت دلّی میں آئے اُسوقت دلّی کا دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ سے مناسبت رکھتا تھا جسکے سجادہ نشین شاہ عالم بادشاہ تھے۔ حضرت موصوف نے جو خود بھی شاعر تھے شاعرانہ قدردانی کے لحاظ سے یا اُس عام نظر شفقت سے جو بادشاہوں کو اپنے متوسلین پر ہوتی ہے (اور یہ خاندان تیموریہ کا خاصہ تھا) اس نوجوان پر خلعت وعزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا۔ اور سید انشا اہل دربار میں داخل ہوئے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطائف وظرایف سے کہ ایک چمن زعفران تھا گل افشانی کر کے محفل کو لٹا دیتے تھے۔ اب تو یہ عالم ہوا کہ شاہ عالم کو ان کی جدائی ایک دم کے لئے بھی ناگوار ہوتی تھی۔ اُسوقت دلّی میں میر اور سودا سے لوگ نہ تھے مگر انہیں بزرگوں کے نام لینے والے بوڑھے بوڑھے شوقین موجود تھے۔ حکیم ثناء اللہ خاں **فراق** شاگرد میر درد حکیم قدرت اللہ خاں **قاسم** شاگرد میر درد۔ شاہ **ہدایت**۔ میاں **شکیبا** شاگرد میر۔ مرزا عظیم بیگ **عظیم** شاگرد سودا۔ میر قمر الدین **منت** والد میر ممنون ساکن سونی پت۔ شیخ ولی اللہ **محب** وغیرہ حضرات کا دور دورا تھا جو رفعت شاعری کے علاوہ دربار شاہی میں خاندانی اعزاز رکھتے تھے

حضرت انشا کا جب دلّی سے دل اوچاٹ ہوا تو لکھنؤ جانے کا ارادہ کیا۔ آصف الدولہ کی قدر افزائی اور سخاوتوں کا حال سُن چکے تھے۔ دلّی سے لکھنؤ پہنچے۔ اور مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں اپنی بذلہ سنجی وشاعری کی شہرت کے ذریعے سے باریاب ہوگئے۔ مرزا سلیمان شکوہ

پہلے مصحفی سے اصلاح لیتے تھے۔ جب یہ پہنچے تو اُن کا چراغ گل ہوگیا ان سے اصلاح لینی شروع کردی چنانچہ ۱۲۱۵ھ تک انہیں کی سرکار میں رہے۔ مرزا سلیمان شکوہ کی مصاحبت کے بعد رفتہ رفتہ نواب سعادت علی خاں کے دربار میں رسائی ہوئی اور مدتوں اپنی خلقی بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی سے اُن کو محظوظ کرتے رہے۔ مگر زمانہ کا دستور ہے کہ کبھی ایک حالت اور ایک رنگ پر کسی کا حال قائم نہیں رکھتا۔ اسی بے تکلفانہ مصاحبت میں ہنسی ہنسی میں رنج ہوگیا اور رنج کے بعد مخاصمت کی آگ ایسی بھڑکی کہ وہ چہکتا ہوا بلبل اپنے گھر کے پنجرے میں بند کردیا گیا اور وہاں سے اس گمنامی کے ساتھ زمین کا پیوند ہوا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔

سید انشا کی قابل حیرت زباندانی۔ وسیع معلومات۔ علمی لیاقت۔ فرط شہرت سے محتاج بیان نہیں۔ انکے لطائف و ظرائف عموماً ہر علم دوست اور خصوصاً طبقۂ شعرا میں سب کو معلوم ہیں۔ مرزا عظیم بیگ عظیم اور مصحفی کے مخالفتوں اور ہجوں کا حال سب پر روشن ہے۔ ان کی حاضر جوابی اور طلاقت لسانی کے واقعات تذکرہ آب حیات میں مفصل درج ہیں۔ مزاج کی بیباکی اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اچھے اچھے اُستادوں کا کلام سُن کر اعتراضوں کی بھرمار کردیتے تھے اور اپنے اقوال کی تائید میں اساتذہ کے صدہا اشعار سند میں پیش کردیتے تھے حقیقت یہ ہے کہ میر انشا اُردو شاعری میں ایسا مجموعۂ کمال شخص گزرا ہے جس کی مثال اور شاعروں میں نہیں ملتی۔ مگر افسوس ہے کہ فطرتی ظرافت اور مزاج نے ہمیں میدان سخن میں اور اساتذۂ ماضی کی طرح قابل استناد و اعتبار نہ بننے دیا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ظرافت آمیز کلام کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں ان کا کلام کسی سے رتبے میں گھٹا ہوا ہے جو طرز جو جدت جو رنگینی۔ جو اسلوب بیان ان کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ ضرور قدر کی نگاہوں سے دیکھنے کے قابل ہے۔ ترکی۔ عربی فارسی میں قابل قدر تصانیف علمی کے علاوہ ہندوستان کی مختلف زبانوں کشمیری۔ پنجابی۔ مارواڑی۔ بھاکا میں اچھی دسترس تھی ان کی قادر الکلامی کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ جس پُرخار وادی میں ان کے شبدیز قلم نے قدم رکھا اُس کے سب جھاڑ جھنکاڑ صاف کردئیے۔ بہرحال میر انشا مدتوں عیش و

عشرت اور کچھ دنوں تنگی و عسرت سے اپنی زندگی کے دن پورے کر کے ۱۲۳۳ ہجری میں مقام لکھنؤ اس دنیائے فانی سے عالمِ بقا کو سدھارے منشی بسنت سنگھ نشاطؔ نے تاریخ انتقال اس طرح موزوں کی ہے

عمرِ فی وقت بود انشا گفت	سال تاریخ او زجانِ اجل

اس تاریخ میں اجل کی جان یعنی جیم کا تعمیہ ہے۔

میر انشا کے انتخابِ کلام سے پہلے ہم ایک قطعہ فارسی درج کرتے ہیں۔ یہ وہ قطعہ ہے جو فائق نامی شاعر کے لفظ یدٗ کے مشدد لکھنے پر بطور تمسخر و تضحیک لکھا تھا۔ کسی تذکرے میں اس کی نقل نہیں ملے گی۔ اور نہ اُنکے موجودہ کلیات مطبوعہ میں یہ اشعار دیکھے گئے مگر ایک پُرانی بیاض میں مل گیا۔ چونکہ ازبس پُر لطف ہے اس لئے جی نہیں چاہتا کہ ہم آپ ہی آپ اس کا حظ اُٹھائیں۔ دیکھئے کس مزے سے تشدید کا جواز قائم رکھ کر تعریض کی ہے ؎

چہ خوش گفت فائقؔ شاعرِ غرّا — کہ چون ذہنِ او ذہنِ رسا نباشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزن — شود خواندہ و شک معنی نباشد
دراں لفظ یدرا ابدال مشدّد — نوشت است و ایں غلط اصلا نباشد
شنید ایں سخن را چو گردِ سخن — ز انشا کہ ہمسرِ تش اصلا نباشد
بگفتا کہ من شاعرِ خوش فکرم — چو من ہیچ مغل گویا نباشد
تو گلستاں اندانی درست — ترا ہیچ شغلو روزگا نباشد
سند یاد از اُستاد است مارا — بکلامِ ما ہیچ خطا نباشد
چو تشدید در شعر ضرورت افتد — تشدید صحیح چرا نباشد

اسی طرح ان کا ایک مصرع مشدد یہ بھی مشہور ہے ع درمیاں چوک سعد اللہ خاں ؎

میر انشا کی تصانیف میں دیوان و دیگر کلام نظم کے علاوہ ایک کتاب موسوم بہ دریائے لطافت بھی ہے۔ جس میں مصطلحات بیگمات۔ روزمرہ دہلی قواعد عروض رسالہ منطق باصطلاحات

ہندی قواعد اُردو وغیرہ شامل ہے - اگرچہ انداز بیان میں وہی تمسخر اور شوخی ہے - مگر بقول جناب آزاد قواعد اُردو کی یہ پہلی کتاب ہے جو ہمارے کسی اہل زبان نے اُردو میں لکھی ہے - اُس میں اول اُردو بولنے والوں کے مختلف فرقوں کی زبانوں سے نمونے دکھائے ہیں اور اُن میں زباں دانی وسخن فہمی کا حق ادا کیا ہے - پھر قواعد بیان کئے ہیں - اور ظرافت سے لیکر فحش تک کوئی بات باقی نہیں چھوڑی - عروض کے بیان میں اُسکی تقطیع اپنی ظریف طبیعت سے عجیب وغریب ایجاد کی ہے مثلاً مفاعیلن مفاعیلن کی جگہ "پری خانم پری خانم" اور فاعلن فاعلن فاعلن کی جگہ "چت لگن چت لگن چت لگن" ارکان قائم کئے ہیں - اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو

لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مے لا — جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ شے لا

قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں اٹھ کہیں گھر چل — خدا کے واسطے اتنے تو پاؤں مت پھیلا

نکل کے وادیٔ وحشت سے دیکھ اے مجنوں — کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلا

گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ — درون کوہ سے نکلی صدائے واویلا

نزاکت اس گل رعنا کی دیکھیو انشا — نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

برق چشمک زن ہے ساقی ابر ہے آیا ہوا — جام مے دے تو کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا

وہ جو محو دشت نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہیں وہ — کہ اسی تجلی نور نے ہمیں مثل طور دیا جلا

یہ جو کہتے کعبے میں ہے فقط سو غلط ہے محض اسی نمط — جدھر آنکھ اٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھکو وہ برملا

کہا یہ ہم نے دل سے کہ لو خدا حافظ — کہ حق بندگی اپنا تمام مینے کیا

مقیم کعبۂ دل جب ہوا تو زاہد کو — روانہ جانب بیت الحرام مینے کیا

مزا یہ دیکھئے گا شیخ جی رُکے اُسنے — جو اُن کا بزم میں کل احترام مینے کیا

ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پر کبھی نہ کہا — کہ آج سے تجھے انشا غلام مینے کیا

پوچھا کسی نے مجھکو اُن سے کہ کون ہے یہ؟ — تو بولے ہنس کے یہ بھی ہے اک غلام مرا

کیا خدا سے عشق کی میں رونمائی مانگتا — مانگتا ابھی اُس سے تو ساری خدائی مانگتا

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
یہ عجب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں
ہوئے وعدہ پر جو جھوٹے تو نہیں ملاتے یہ تو
نہیں اب جو دیتے بوسہ تو سلام کیوں لیا تھا
فقط اس لفافے پر ہے کہ خط آشنا کو پہنچے
گو روپ بدلتا ہے ہر روز نئے انشا
آبخورے برف کے انشا کو بھیجے آپ نے
ملا پھر آج ہمکو وہ غضب اٹھکھیلیوں والا

واسطے دو دن کے عرشِ کبریائی مانگتا
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا
اسے لو دیکھا کچھ تماشا یہ سنو عتاب الٹا
مجھے آپ پھیر دیجے وہ مرا سلام الٹا
تو لکھا ہے اسنے انشا یہ ترا ہی نام الٹا
صحبت میں کبھی اس کی پر بار نہیں پاتا
اسکے یہ معنی کہ لو نقشہ تمہارا جم گیا
بھبوکا برق شعلہ نور کا آتش کا پرکالا

دل میں سو لاکھ چٹکیاں لیں
انشا سے نروٹھ مت خفا ہو
صبح رخسار اسکے نیلے تھے
گالیاں آپ شوق سے دیجے
خرابات کی جب سے لذت پڑی ہے
رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتا ہے کہیں اور
اے بادِ سحر محفلِ احباب میں کہیو

دیکھا بس ہمنے پیار تیرا
ہے بندۂ جاں نثار تیرا
شب جو گزرا خیال بوسے کا
رفع کیجے ملال بوسے کا
چھٹا بیٹھنا مسجد و خانقہ کا
ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
دیکھا ہے جو کچھ حال ترے دام ہمارا

مل گیا سینے سے سینہ پھر یہ کیسا اضطراب
عشق وہ پھل ہے کہ جسکے تخم ہیں یہ اشکِ سرخ
نمودِ سطوتِ پروردگار کو دیکھو
گل برگِ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ
کیا ہنسی آتی ہے مجھکو حضرتِ انسان پر
گیا یار آفت پڑے اس سحر پر

مر مٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب
بیخودی ہے مغز اسکا اور چھلکا اضطراب
جہاں تلک کہ کرے کام یہ نظر کا سوت
بلبل ہمارے زخمِ جگر کے کھرنڈ پر
فعلِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر
اداسی برسنے لگی بام و در پر

آئے نہ رات آپ جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دلِ امیدوار پر

نہ ٹسوے گھلا دو یہ ہو یاں سے شبنم
نمک کیوں چھڑکتی ہے زخمِ جگر پر

سلطنت بیچتے ہیں مردِ گلستاں خاک کے مول
ہے یہاں سایۂ ہما کا خس و خاشاک کے مول

خم کے خم تو لنڈھائے یوں ساقی
اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

خلوت میں یوں جو چاہیئے کر لیجئے مجھے
لوگوں میں لیکن آپ کی میری ہنسی نہیں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

ہے نہاں لطف و کرم چینِ جبیں کی تہ میں
ہاں مجھے بھی صاف ہے اک آن کی نہیں کی تہ میں

حرم میں دیر سے یاں آپ دوانے آیا
تو ربِ کعبہ مرا اس میں کچھ گناہ نہیں

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت ہیں جا چکے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی مے خوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شے ہے
میاں رو پیٹ کر ان سب کو یاں اک بار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

ادا و ناز و حجاب و غمزہ کرشمہ شوخی حیا تغافل
تمہاری چتوں کے آگے آگے یہ کرتے ہیں اہتمام اکڑوں

دل کو لے بھاگی کدھر ہاتھ سے تیرے انشا
کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبدِ بے در میں نہیں

مت کیجے روکھی پھیکی ہم سے اُچاٹ باتیں
دھیان آپ انکار کیجئے تیور جو بھر لڑے ہوں

شیخ و برہمن دیر و حرم میں ڈھونڈتے ہیں کیا لاحاصل
موند کے آنکھیں دیکھو تو ہے ساری خدائی سینے میں

انشا کو بھی دے ڈال خدا سے عیسیٰ مریم
گر کچھ مرضِ عشق کی تجھ پاس دوا ہو

انشا تو اینڈتے ہیں پڑے میکدے کے بیچ
کہیو سلام زاہد شب زندہ دار کو

جی میں کیا آگیا انشا کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اُس نے کیا عالم تنہائی کو

کون کہتا ہے بولو۔ مت بولو
ہاتھ سے میرے ایک جام تو لو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

توڑی جو اُس نے تجھ سے تو جوڑی رقیب سے
انشا تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ

نیند مستوں کو کہاں اور کدھر کا تکیہ
خشت خمخانہ ہے یاں اپنے تو سر کا تکیہ

گالی سہی ادا سہی چین جبیں سہی
یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

گر ناز نیں کہنے سے بُرا مانتے ہو تم
میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے
وہ تو بیچاری تو آپ ننگی ہے

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلو پھر کعبہ بھی ہو آئیں بھلا سیر تو ہے

یہ پیاس اپنی بجھے برف کے نہ شورے سے
بجھے تو نرگس ساقی کے آبخورے سے

دیں گالیاں ہزاروں سن مطلع اس غزل کا
کہنے لگا کہ انشا اسکا یہی صلہ ہے

عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

اک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے
کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چوں مرے آگے

کیا مال بھلا قصر فریدوں مرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبد گردوں مرے آگے

ہوں وہ جبروتی کہ گروہ حکما سب
چڑیوں کی کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے

بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے

گالیاں سینکڑوں دیں پاؤں جو دباتے ہنسنے
محنتیں خوب سہی کیں خوب کے انعام ملے

غصے میں ترے ہم نے بڑا لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

گھب گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجھکو کیا جانے کہ کیا بات خوش آئی تیری

نگہ سے اُس پری کی سحر چتوں ایک آفت ہے
معاذ اللہ دیکھئے جو اُدھر کس کی شامت ہے

ہوئے ہیں خاکِ سرِ راہ اُسکے ہم انشا
بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

لگا کر گلے رفع دل کی تپش کی
بڑی آپ نے آج یہ پرورش کی

رشک کرتی ہیں سدا اُن سے ارم کی حوریں
تیری دیوار کے جو سایہ تلے بیٹھ گئے

گلے میں ڈالکر زنار قشقہ کھینچ ماتھے پر
برہمن بنئے اور طوفِ در بیت الصنم کیجے

آزادگی خوش آئی انشا کو جب یارو
وہ سب کو چھوڑ بیٹھا سب اسکو چھوڑ بیٹھے

گالیاں سن کے جی نہیں آتا ہے
لیجئے تیری زبان میں چٹکی

غنچۂ گل کی صبا گود بھری جاتی ہے
اک پری آتی ہے اور ایک پری جاتی ہے

انور (انعام) حافظ انعام احمد دہلوی - حکیم محمد سجاد تو ہانی کے شاگرد ہیں اور چمڑے کی سوداگری کرتے ہیں۔ کلکتے میں سکونت ہے یہ کلام کا رنگ ہے ؎

انشا نہ اُڑ گیا کہیں ننھے سا کا
پتا ملتا نہیں دل کا جگر کا

دل جو اُس زلف میں پابند رہے اچھا ہے
میں ہوں دیوانہ مرے پاس سے کھو جائیگا

ساتھ میرے قتل ہو گی حسرت داراں کی فوج
میں چلا مرنے کو لیکن ساتھ لشکر لیچلا

در بند ہے اور رند ہیں میخانہ کے اندر
شیشے کی پری آج سلامت نہیں جاتی

ہاں آپ کہیں اپنی زباں سے تو ابھی جائے
میرے تو کہے سے شب فرقت نہیں جاتی

انعام (انعام) منشی انعام احمد بیگ دہلوی شاہ جی کے چھتہ کے مدرسہ میں کسی جماعت کے معلم تھے - مرزا غالب کو چند غزلیں دکھائی تھیں - اب عرصہ سے بہت کم شعرگوئی کا اتفاق ہوتا ہے ۵۰ برس سے زیادہ عمر اور یہ اُن کا کلام ہے ؎

بقا ہے باغ جہاں نہیں کسکو ٹھکانا ہے سمجھ کے اسکو
لگی ہے اسکی ہوا بھی جسکو وہ رنگ و بو بھی نہیں رہیگا

شباب تک ہے اداے رنگیں کہاں یہ پھر جلوہ ہائے رنگیں
سفید ہونگے یہ موئے مشکیں یہ رنگ و بو بھی نہیں رہیگا

بنیادِ زمیں تھی نہ فلک زیب زمیں تھا
کن کہتے ہی سب کچھ یہ ہوا کچھ بھی نہیں تھا

وہ گئے غیر کے گھر اور یہاں ہم شب کو
صبح تک لیتے رہے راہ گزر کی آہٹ

انعام

(انعام) لکھنؤ کے کسی خوش بیان شاعر کا تخلص ہے رسالہ گلشن بہار مولفہ منشی منصب علی منصب میں ایک غزل نظر سے گزری۔ چند شعر اندراج تذکرہ کے لائق پائے درج کئے گئے ؎

دل کوچۂ صنم میں گڑا ہم مزار میں
کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں

اہل زمانہ ڈھونڈتے ہیں جسکی روشنی
وہ ماہ ہے چھپا ہوا اپنے غبار میں

انجام بعد مرگ اگر ہو گیا بخیر
سمجھیں گے پھول پھیل گئے پھر تو مزار میں

دو پھول بھی چڑھائیگا روکر وہ گل اگر
پھولا نہیں سماؤں گا کنج مزار میں

کرتا ہوں کوئی بات نکلتی ہے منہ سے آہ
دل اختیار میں نہ زباں اختیار میں

لاؤں کہاں سے اپنی صفائی کے میں گواہ
ساری خدائی تو ہے ترے اختیار میں

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مری بعد مرگ بھی
ایسا مزا ملا ہے تجھے انتظار میں

انعام اُس صنم کی محبت کو ترک کر
مصروف اب ہو طاعت پروردگار میں

انعام

(انعام) سید انعام اللہ صاحب انعام الہ آبادی شاگرد کوثر خیرآبادی۔ گیا میں سکونت اختیار کرلی ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

بیٹھ کر اُسے مغوں نے بہ ہوش پیا ہے شراب
خانقہ میں آج واعظ نے جو منبر رکھ دیا

دلنشیں ہجر کی اب بھول کر بھی یاد نہیں
نقشۂ شوق نے کس کا رخ تاباں دیکھا

خوب میخانے پہ رحمت کی گھٹائیں برسیں
بادہ نوشوں کو جو آلودۂ عصیاں دیکھا

توبہ خلاف وضع ہے پیری میں محتسب
وہ کام کیوں کریں نہ کیا جو شباب میں

انور

(انور) شیخ حافظ انور الدین۔ موضع مئو محمد آباد اصلی وطن تھا مگر یہ خود شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں بڑے ہوئے۔ انکے والد احمد شاہ کے وقت میں منصب داران شاہی میں سے تھے۔ یہ خود فن سخن میں میر سوز سے مستفید ہوئے۔ خوش گوئی ملنساری اور زندہ دلی نے ہر دلعزیز بنا رکھا تھا۔ شاہ عالم ثانی کا زمانہ تھا۔ تذکرہ شوق میں انکا حال نظر سے گزرا۔ چند شعر انتخاب ہو کر درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ معاملے کے شعر خوب کہتے تھے اور روزمرہ کو

نہایت صفائی سے بناتے تھے طرز بیان دلچسپ اور زبان صاف ہے شوق نے انکا
تخلص قانع لکھا ہے مگر مقطع میں انور ہی تخلص پایا لہذا اسی لحاظ سے تذکرہ میں درج ہوا۔

یہ بعد وفات میرے کہیا جو (قطعہ) نقش لوح مزار کرنا +
خوبان جہاں کی دوستی کا ہرگز مت اعتبار کرنا

نہیں ہم جانتے گل کسطرح کا ہے سمن کیسا
ندیکھیں یار کا منہ جس جگہ باغ و چمن کیسا

شہید تیغ ناز دلربا ہم ہو گئے انور
کہاں کا غسل کاہے کی لحد گور و کفن کیسا

مجھے کہنے لگا وہ دیکھ رکھ شمشیر کو میری
اسے ڈرتا رہا کرو رنہ بسمل ایکدن ہوگا

بسلو جاؤ مت جھوٹی باتیں بناؤ
اگر ہم سے ملتے تو ڈر تھا کسیکا

پوچھتا کیا ہے کہ جاؤں یا نجاؤں یار پاس
مت ستا تو مجکو دل میری بلا سے جا نجا

گو نہیں بوسے دیے پر سامنے آنکھیں تو کر
جان یہ کیا طور ہے اتنا بھی تو شرما نجا

حال دل انور کا سن بیرحم ٹک انصاف کر
راست کہتا ہوں تو میری بات پہ ہنستا نجا

اب تو کرتا ہے سوال کو تو حیران بھلا
میں بھی سمجھوں گا بھلا رہ تو مری جان بھلا

کچھ تجھے رحم نہ آیا میری تنہائی پر
یوں ہی مجھے چھوڑ گیا او دل نادان بھلا

اور تو تجھ سے کسی چیز کی امید نہیں (قطعہ)
پر مرے پیارے اب اتنا تو کہا مان بھلا

آن کر مجھ سے کبھی پوچھ کہ کیا ہے تجکو
جی سے نکلے تری باتوں ہی کا ارمان بھلا

یہ کیا قد و قامت ہے حضرت سلامت
کہ دل پر قیامت ہے حضرت سلامت

نہیں دیکھا تم نے اُسے شیخ صاحب
جو ہم پر ملامت ہے حضرت سلامت

رقیبوں سے خوش ہم سے بیزار بیچ ہے
بھلے کا نہیں دور حضرت سلامت

جامہ زیبی میں کیا قیامت ہے
اُس سجیلے کی شان کے قرباں

انور نے کہا ٹک شب آؤ تو ہمارے گھر
ہنس ہنس کے لگا کہنے آنے دو بڑی راتیں

(انور) مولوی امام الدین خاں ولد غلام حسین خاں باشندہ رامپور نسیم کے شاگرد تھے اُردو کے سوا

فارسی بھی کہتے اور اُسمیں امام تخلص کرتے تھے سنہ ۱۲۵۹ھ میں ینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا نتیجۂ فکر حسب ذیل ہے

اور سب محشر کو بیٹھے تھے یہاں ویسے اٹھے — ایک میں بے سر اٹھا بیجاں اٹھا بیدل اٹھا

سلسلہ پری آدمی کیونکر نہوں اس جال پہ غش — تیرا سایہ ہے پری چال پہ لوٹا جاتا

بنی تربت درِ قاتل پہ یارب شکر ہے تیرا — کہ سر جس آستاں پر تھا رہا وہ آستاں سر پر

چشم بیمار آئینہ سے ہے — عکس تجکو نظر لگاتا ہے

ہے دل میں سا چبھی کسیکی مژگاں — اس شیشہ میں بال آگیا ہے

(انور) شیخ ولی محمد خاں دہلوی - اُنکے بزرگ سرکار شاہان مغلیہ میں داروغہ تھے - فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے عرصہ ہوا انتقال کیا چند اُردو کے شعر درج کئے جاتے ہیں

انتظار ہی میں تری چشم ہوا گوش ہوا — مژدہ آنے کا ترے سنتے ہی بیہوش ہوا

ایسی جاں بخش ہوا موسم گل کی آئی — قصد پرواز میں ہیں بلبل تصویر کے پر

ہوا تنگ خوف بہار گریباں — رگ گل سے ہے تار تار گریباں

روبرو آئینہ رو کے کیوں نہ میں لگ کے ہو لیا — حیرت نظارہ سے جوں غنچۂ تصویر ہوں

(انور) میر انور علی انور عظیم آبادی - غدر کے بعد تک عظیم آباد میں زندہ و سلامت موجود تھے - یہ اُن کا کلام ہے

اس فصل بہاری میں وہ گل سے جدا ہو — اے گردش ایام نہ یوں تیرا برا ہو

ہر سمت سے ہو سایہ فگن یار کی صورت — آئینۂ خاطر میں اگر کچھ بھی جلا ہو

لائی نہ کبھی پیرہن یار کی خوشبو — اے باد صبا چل مرے آگے سے ہوا ہو

قطعہ

اُڑتی سی خبر ہم قفسو پائی ہے میں نے — معلوم نہیں کون رہے کون رہا ہو

پابند رہے الفت کا تقاضا ہے مگر یہ — صیاد اگر چھوڑ دے خود رشتہ بپا ہو

(انور) منشی سید محمد کاظم نام - نواب باقر علیخاں لکھنوی کے شاگرد اور صاحب دیوان

مطبوع تھے۔ انکی موزونِ طبعی اور مشاقی میں شبہہ نہیں۔ الفاظ کی نشست اور تلاش دونو درست ہیں تشبیہ و استعارہ بندی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں سادہ سادہ عاشقانہ رنگ بھی کلام میں موجود ہے۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔ اب انتخاب ملاحظہ ہو

افسوس چار دن میں نگہ اُن کی پھر گئی
دعوے تھا عمر بھر جنہیں ہم سے نباہ کا

مصحفِ روے صنم یاد کیا کر زاہد
ہے جو منظور تجھے حافظِ قرآں ہونا

مجھ نیم جاں کو دیکھ کے کوچہ میں کہتے ہیں
پھرتا ہے ڈھونڈتا ہوا جائے مزار کیا

بڑھ گیا لیلیٰ کا ناقہ نجد سے مثلِ صبا
دیکھتا حسرت سے مجنوں سوئے محمل رہ گیا

میخوار اُسکے بادۂ عرفاں سے مست ہیں
ساقی نے گر نہ جام پلایا تو کیا ہوا

عمر گزری خانۂ صیاد میں
یاد نقشہ بھی نہیں گلزار کا

کہدے کوئی کہ فاتحہ پڑھنے کو آئیے
مرقد مریضِ ہجر کا تیار ہو چکا

اس درجہ ترے حُسن کا بازار ہوا گرم
اب آئے جو یوسف بھی تو سودا نہیں ہوتا

جہاں میں نور ظلمت سے جمالِ یار سے پیدا
ہوئی ہے شام زلفوں سے سحر رخسار سے پیدا

ہوتا نہیں ہے نالۂ عُشاق کا اثر
پتھر بتوں کا دل مری تقدیر نے بنادیا

توڑئیے گا نہ دلِ عاشق کو
ہے یہ کعبہ نہ اسے ڈھائیے گا

کعبہ کی راہ چھوڑ کے جاتا ہے دیر میں
عشقِ بتاں میں شیخ کا ایماں بدل گیا

جذبۂ عشق یہ ہے دور تلک قتل کے بعد
ساتھ قاتل کے تڑپتا ہوا بسمل آیا

کیا بتائیں ڈھونڈتے کسکو ہیں کوچہ میں ترے
نقدِ دل جو پاس تھا وہ سیمبر جاتا رہا

واعظوں سے سُنکے تیرا ذکرِ رحمت اے رحیم
میکشوں کو آتشِ دوزخ کا ڈر جاتا رہا

جا ہی پہونچی ایک دم میں بند آنکھیں جب ہوئیں
رہ رستہ ملکِ عدم کا دور کیا تھا کچھ نہ تھا

اُٹھّے گی نہ عاشق سے جفائے شبِ فرقت
اللہ نہ دکھلائے بلائے شبِ فرقت

جیسا ہے ترا پان کی سرخی سے دہن سرخ
ایسا کوئی دیکھا نہیں یاقوتِ یمن سرخ

دست صیاد ستمگر سے ہوئے بیکار پر
فصل گل میں آئی آفت عندلیب زار پر

واعظا کس کو ڈراتا ہے عذاب حشر سے
ناز ہے بادہ کشوں کو رحمت غفار پر

یکایک خنجر کا چھٹنا تو اُن سے غیر ممکن ہے
مگر اتنا ہے کچھ کچھ ہمسے پیماں ہوتے جاتے ہیں

گیسو ہوا سے چہرے پہ بل کھائے جاتے ہیں
دو سانپ گنج حسن پہ لہرائے جاتے ہیں

نہیں معلوم تمکو زاہدو توقیر تیغہ کی
رہی گھر میں خدا کے مدتوں تصویر تیغہ کی

کام کیا خانۂ کعبہ سے اُسے اے زاہد
جس کو محراب عبادت خم ابرو ہو جائے

زلف تا عارض دلدار نہ آنے پائے
صبح صادق میں شب تار نہ آئے پائے

دم تو کہتا ہے کہ میں گھٹ کے لبوں تک آ دوں
ضبط کہتا ہے خبردار نہ آنے پائے

زلیخا عاشق شیدا فقط تھی ماہ کنعاں کی
تو وہ یوسف ہے اک عالم کا تجھ پر دم نکلتا ہے

الفت کی پوچھے سختیاں فرہاد سے کوئی
ڈھا کر پہاڑ کو دل شیریں میں راہ کی

ہزار بار کہا پر نہ ایک بار آئے
تمھاری بات کا کیا خاک اعتبار آئے

جلائیں گے ہمیں اے شیخ کیا شعلے جہنم کے
بجھا دیں گے اُسے قطرے ہمارے دیدۂ نم کے

عشق کامل بعد مر جانے کے بھی جاتا نہیں
خاک مجنوں کو ہے تلاش صاحب محمل میں ہے

یار کے آگے نہ دم نکلا یہ حسرت رہ گئی
موت سے ہمکو فقط اتنی شکایت رہ گئی

انور (انور) نواب سید محمد علیخاں بہادر انور موسوی صفوی ملقب بہ نواب دولھا رئیس قصبہ شمس آباد ضلع فرخ آباد روسائے رامپور کی اولاد میں تھے انکے والد ماجد نواب حفیظ اسد خاں ولد نواب غلام محمد خاں بہادر سابق والی ریاست رامپور بڑے نامی رئیس گزرے ہیں - انور موصوف نواب اعتماد الدولہ فضل علیخاں بہادر دہلوی - وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے صاحبزادی جعفری بیگم سے بیاہے گئے تھے - اور انہوں نے انکو گھر داماد کر لیا تھا چنانچہ ان کی وفات کے بعد یہی انکی ریاست شمس آباد کے مالک ہوئے تمام عمر خوش حالی اور فارغ البالی کے ساتھ بسر کر کے ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں انتقال کیا منشی آمیل حسین منیر نے تاریخ کہی ہے ؎

پاک گوہرآہ نواب بہشت آرام گاہ * نواب صاحب بعد غدر کچھ دنوں نظربند بھی رہے تھے ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی اور اُسمیں تنبیر شکوہ آبادی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ انکے صاحبزادے نواب سید مہدی علی نے انتخاب کلام اساتذہ معروف بہ بہارستان اشعار سنہ ۱۲۹۱ھ میں شائع کیا تھا۔ اُسمیں سے چند شعر منتخب ہوکر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ؎

زندگی میں مری تعریف نہ کہہ اے ہمدم
رند ہوتے تو ہراک جلسہ میں ہوجاتے شریک
اب خدا جانے کہ اس بت کو اکیلا پاکر
احتیاط اتنی تو اے زاہد و ناحق نہ کرو
دل اُلجھتا ہے جو ہر شب نہیں معلوم آنور

ہاں مگر بعد فنا دیکھ کر انجام بخیر
لطف دُنیا ہی گیا زہد کی پابندی سے
غیر کیا کیا مری جانب سے لگاتے ہونگے
ہندو کس کے ہیں بتاؤ یہ مسلماں کس کے
یاد آجاتے ہیں گیسوئے پریشاں کس کے

انور

(انور) سلطان الشعرا سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا مرحوم دہلوی۔ آپ سید جلال الدین حیدر مرصع رقم خوشنویس و اُستاد ابوظفر بہادر شاہ ثانی کے خلف اصغر اور فخر اساتذہ مولانا ظہیر دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آنور مرحوم بڑے ذکی اور طباع شاعر تھے۔ اوائل مشق میں خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق سے استفادہ حاصل کیا۔ اُنکے انتقال کے بعد مرزا غالب سے مشورہ لیتے رہے طبیعت نہایت دقت پسند اور مضمون خیز واقع ہوئی تھی۔ کلام کی شوخی خیال کی چلبلاہٹ۔ فکر کی رسائی۔ روزمرہ کے نئے نئے سے لوٹ فریفتگان سخن کے دماغ میں عجیب سرور اور عاشق مزاجوں کے دلوں میں غضب کا درد پیدا کرتے تھے۔ جو شعر دیکھو پھڑکتا ہوا حسن خیال۔ بلندئ مضمون پر نظر ڈالو تو ایک خوش آیند حیرت پیدا ہوتی ہے۔ اس جوان طبیعت کو خدا نے وہ مضمون آفرینی بخشی تھی کہ شعر سُنکر بوڑھوں کے ٹھٹھرے ہوئے دلوں میں عشق کی اُمنگ پیدا ہوجاتی تھی۔ افسوس ہے کہ اس جوان مرگ نے عالم شباب میں اپنے دائمی جدائی کا داغ دیا۔ اگر آج آنور زندہ ہوتے تو ہرجگہ انکا ہی نور جھلکتا نظر آتا اور انکے سامنے کسی کا چراغ روشن نہ ہونے پاتا۔ مگر اس مرحوم کا کلام اس ناپرسی اور ناقدری کے

زمانے میں بھی انصاف پسند طبائع کو اپنے کمال کا معترف بنائے بغیر نہیں چھوڑتا - اسقدر دقت پسند اور نازک خیال ہونے کے باوجود مشاقی اور پرگوئی کا یہ عالم تھا کہ کیسی ہی مشکل زمین کیوں ہو تعداد اشعار میں کمی نہ آتی اور ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح سے ادا کرتے - اکثر مشاعروں میں مصرع طرح پر سہ غزلہ اور چو غزلہ کی نوبت آجاتی - جس بحر اور جس قافیے میں مضمون کی گنجایش ہوتی اُسی میں گوہر مضمون نکال کر دکھا دیتے - غدر سے دس برس بعد جو دلی میں مشاعرے کا سلسلہ ہوا تھا اُس کی روحِ رواں انہیں کہنا چاہئے - حضرت داغ - مولانا ظہیر - حالی - مجروح - سالک - عزیز - آرشد - مشتاق - اِن مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن دیا کرتے تھے - ثقات سے سُنا گیا ہے کہ اکثر تو یہی ہوا کہ انکی غزل سب پر فوق لے گئی - حکیم مومن خاں صاحب مومن نے خیال گوئی کی جو ایک خاص طرز ایجاد فرمائی تھی جسکا اُنکے زمانے ہی میں شہرہ ہو گیا تھا اگر اُسکے موجد مومن خاں تھے تو پورے پورے مقلد حضرت انور - اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو جیسا انکی طرز کو حضرت انور نے نباہا ہے اور کسی سے نہ بن پڑا اسیطرح مرزا غالب کی استعارہ بالکنایہ کی خوش اسلوب ترکیب کی تقلید انور مرحوم کے برابر کسی سے نہیں ہوئی - الغرض ذوق - غالب - و مومن کے جداگانہ طرزوں کو سمو کر مرحوم نے ایک رنگِ خاص ایسا ہر دلعزیز پیدا کیا تھا جو سب کے دلوں میں نقش ہو گیا - حضرت انور کو افکار زمانہ نے نہایت تکلیفیں پہنچائیں - دستبرد غدر سے ایسے پریشان ہوئے کہ ترک وطن کر کے جے پور چار ہے اور وہیں ۴۸ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - انکے دو مکمل دیوان تلف ہو گئے - جنمیں سے ایک تو خاص حمد و نعت اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا مولف تذکرہ نے بڑی محنت اور مشقت سے متفرق و پریشان مسودوں سے ایک دیوان مرتب کر کے چھپوایا ہے مگر یہ اُنکے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں ہے اور اسمیں بیشتر ایسا کلام ہے جو نظر ثانی سے محروم رہا - یہ بھی امر قابل ذکر ہے کہ اُستاد ذوق کے مروجہ دیوان کی اشاعت میں انور مرحوم کا نام شکریہ کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ دیوان حافظ ویران

حضرت ظہیر اور انور کی متحد سعی و کوشش کا نتیجہ ہے خوشنویسی میں یدطولیٰ رکھتے تھے معظمی و محترمی شمس العلما مولانا حالی نے راقم کی تحریک سے جو تقریظ انکے دیوان پر لکھی ہے قابلِ دید ہے - اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری صورت کو دیکھا اور آنکھیں کھل گئیں کیا کیا
نظر آیا جمالِ معنیٔ حسن آفریں کیا کیا

اجل ہے سر پہ تو بھی زیست کا ساماں نہیں کیا کیا
اُمیدیں رکھتی ہیں دل کو مرے اندوہگیں کیا کیا

نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا
پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا

کیا غمّاز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے
زباں بنکر کہے دیتا ہے چاکِ آستیں کیا کیا

ترے کوچہ میں ہر ہر نقشِ پا پر سجدہ کرتا ہوں
ملاتا خاک میں ہے مجھکو یہ شوقِ جبیں کیا کیا

ترے آنے کی سُنکر ساتھ ہی آنکھوں میں دم آیا
مگر سرگرمِ استقبال ہے جانِ حزیں کیا کیا

دوچار اس چشم سے ہوتے ہی اک چُپ لگ گئی گویا
خدا جانے نگاہیں چپکے چپکے کہہ گئیں کیا کیا

نہ لب پہ ہو ذکر مہر و کیں کا نہ دیکھے اک اشک منہ زمیں کا
وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

وہ جلوہ رخسارِ آتشیں کا وہ عکسِ برتاب اُس جبیں کا
یہ صاعقہ رختِ کفر و دیں کا چراغ وہ خلوتِ یقیں کا

کہیں سرِ طور جلوہ افگن کہیں درِ دیر ان سے روشن
وہاں تو ہو جائے جائے مسکن ہمیں تو رکھا نہیں کہیں کا

یہ طعنہ کم ہے کہ بے دہن ہو یہ شرم کیسی کہ چپکے بیٹھو
زباں کو دشنام ہی پہ کھولو دہن تو ہو بند نکتہ چیں کا

نظر ہے یاں تیرے اوجِ شاں پر فغاں سے برپا کیا جو محشر
کہ سر پہ کوچہ ترا اُٹھا کر بنا دیا آسماں زمیں کا

جو کیجے اظہارِ مطلب اُن سے تو چاہیے پہلے مدح کر کے
یہ مستِ مدہوشِ حسن کیجے کہ ہوش باقی نہ ہو نہیں کا

پی بھی جا شیخ کہ ساقی کی عنایت سے شراب
میں ترے بدلے قیامت میں گنہگار رہا

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیوں رکھتا
یہ بھی اک بے خبری تھی کہ خبردار رہا

خدنگِ نگہ دل کُشا ہو گیا
ستم قابلِ مرحبا ہو گیا

محبت میں جی کیا سے کیا ہو گیا
ستم عاشقوں کو وفا ہو گیا

بشر رہوں نہ کھاؤں تو کیونکر جیوں
غم و غصہ میری غذا ہو گیا

شبِ غم میں کس کس کی ہو روک تھام
محبت یہاں جس قدر پڑ گئی

جو دلِ من گیا دم خفا ہو گیا
وہ اُتنا ہی نا آشنا ہو گیا

دیکھا جو بعدِ مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا
بدلے فنا کے ملکِ بقا کچھ گراں نہ تھا

کیسی حیا کہاں کی وفا پاسِ خلق کیا
ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا

کچھ اپنے دل کے ولولے کچھ زاہدوں کی ضد
سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا

حسنِ جہاں فروز سے جس جا نہ تھے وہ تھے
میں بے نشانیوں سے جہاں تھا وہاں نہ تھا

مرتا ہوں یوں کہ کیوں نہ رہا دل میں تیرِ یار
آرام جان تھا کوئی آزارِ جاں نہ تھا

خالی در اُن کا پایا تو دل وہم سے ڈرا
تھا پاسباں میں آپ جو واں پاسباں نہ تھا

کوئی اک گردش تو ہو ایسی کبھی ہاں اے چشمِ یار
شیخ پوچھے مجھ سے رستہ خانۂ خمار کا

لے چلو واعظ کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھائے میکشو
پاسباں چل کر بنا دو خانۂ خمار کا

جان سُننے والوں کی واعظ لبوں پر آ گئی
واہ کیا کہنا ہے حضرت آپ کی گفتار کا

ملتی ہے آخر کو کچھ کیفیتِ سوز و گداز
صاعقہ حصہ ہے پہلا طالبِ دیدار کا

الدرے فرطِ شوقِ اسیری کہ شوق میں
پھروں اُٹھا اُٹھا کے سلاسل کو دیکھنا

نقلیہِ خاکساری ہوتی ہے خاک ہو کر
مِٹ مِٹ کے ہم نے سیکھا اندازِ نقشِ پا کا

ہے انا الحق سراپہ کیوں بیداد
گر نہیں ہے رواج باطل کا

جزو ذاتِ حبیب ہے عاشق
نام دریا ہے نام ساحل کا

غرق واں ہوں جہاں لگاؤ نہیں
کشتی و بادبان و ساحل کا

کچھ تو ہو مزدِ رنجشِ بازو
کچھ تماشا تو دیکھ بسمل کا

کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ
ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

مسیحائی کرو مرتے ہیں تم پر
خلاصہ ہے یہ اپنی داستاں کا

بنائے درد کو دل پر خوشی خوشی لیجے
بُرا گناہ ہے الفت میں دل چُرانے کا

ہائے کیا کیا نہ وہ اس گریہ پہ نازاں ہوگا
تم کسی وعدہ سے پھر جاؤ کہ ہو جاؤں تمام
تم آج ہی چل پھر کے مٹا دو نہ یہ جھگڑا
وہ دن گئے کہ مصر کو پہنچا کوئی بخیر
کوئی تڑپے نہ کیوں تاب و تواں تک
دل کے کھوٹے ہیں سب یہ سیم اندام
حُسنِ نظارہ سوز ہے پردہ
تجھ سے دل کا غبار مٹ نہ سکا
پامال اِک جہاں ہے اور پھر جفا نہیں
گو سب رہا ہوئے کوئی قیدی رہا نہیں
اپنے خدا سے وصلِ صنم مانگتا ہوں میں
دوزخ پہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست
دل ہم نہ دیں گے اور کے دینے کیواسطے
تکلیفِ دست و بازوئے قاتل کا فکر ہے
بسم اللہ کہہ کے کود پڑوں بحرِ عشق میں
قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں
جور پر جور جفا پر وہ جفا کرتے ہیں
موت کیا چیز ہے ہنگامِ قلق ہم دل پہ
کچھ کچھ وہ چھیڑ لطف کی ہم کو عتاب میں
دریائے جرم ہو تو گھٹا دے ہوائے عفو
دیکھے گا جو رہے گا زمانے کے انقلاب

جس کی آنکھوں پہ تیرا گوشۂ داماں ہوگا
ہو اگر بھرنے میں میرے حلق پر خنجر خراب
کیوں کل پہ رکھو شورشِ غوغائے قیامت
تم ورنہ آفت رہِ صد کارواں ہو آج
نہ پوچھیں گے نہ دیکھیں گے کہاں تک
خوب ہم آزمائے بیٹھے ہیں
گو وہ پردہ اُٹھائے بیٹھے ہیں
اپنے کو ہم مٹائے بیٹھے ہیں
کھلتے ہی کچھ یہ معنیٔ ناز و ادا نہیں
ہوں وہ اسیرِ شوق کہ دل چھوڑتا نہیں
ناصح نہ مر کہ تجھ سے تو کچھ مانگتا نہیں
گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں
یہ تو نہ ہوگا اور کبھی حاشا ہوا نہیں
قاتل سے دعوئے دیت و خوں بہا نہیں
کشتیٔ دنا خدا نہ سہی کیا خدا نہیں
وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں
اِس پہ بھولے ہیں کہ ہم یاد کیا کرتے ہیں
جان کو صدقے سے پہلے دفع بلا کرتے ہیں
جی سے امید و یاس سے کس کس عذاب میں
تو دامنی مری ہے وہاں کس حساب میں
مرتا ہوں اُس نگاہ کے اِک انقلاب میں

کیا غم درازدستیٔ نارِ سعیر کا
ساقی نہ پوچھ دارُوئے افسردہ خاطری
خونفشانی مری داخل مرے نقصاں میں نہیں
مجھ سا دیوانہ و ہشیار ہو امکاں میں نہیں
جو صلے تو نے بڑھائے ہیں دکھا کر جلوے
جو کہے سچ ہے نہ مئے پی نہ کہیں دل اٹکا
ہے تذبذب کہ انہیں دیکھ کے کچھ کہہ نہ اٹھوں
مگر زاہد اُڑے گا اب پری پیکر پرستاں میں
نہیں انجم یہ رو رو کر کسی کے یادِ زنداں میں
ہر اک جانب سے نقشِ عین المطلوب عکس آرا
طریقِ راستی مجھکو ملا برگشتہ راہی سے
جُدا اک دم گریباں سے نہیں ہوتا نہیں ہوتا
میرا اور اُس بتِ مخمور کا ہے ایک سا عالم
وہ چشمِ مدعا بیں سکندر یہ ہوئی پردہ
بڑھے ہے جو شوق کے ہاتھوں وہ ناکامی سے ہٹ آئے
ثباتِ سرمدی ہے خاک راہِ یار میں ہونا
ہوا یاں اک نظارہ سے کلیم و طور کا عالم
نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی
ٹیڑھی ترچھی کوئی پڑ جائے تو دیکھے واعظ
جب تواضع سے جھکے خجلت سے دشمن کٹ گیا
دو اِدھر سے آ گئے لو چار اُدھر سے آ گئے

دامن کو لیے چلا ہوں بھگو کر شراب میں
آتش ملا دی آب کے بدلے شراب میں
اب تو دامن میں ہے وہ کچھ جو بدخشاں میں نہیں
خاک اُڑتا ہوں مگر کوچۂ جاناں میں نہیں
کچھ سماتا نظرِ صاحبِ عرفاں میں نہیں
گفتگو کچھ سخنِ ناصحِ ناداں میں نہیں
گرچہ اب تک کوئی لغزش مرے ایماں میں نہیں
اُڑا دی آدمیت سب ہوئے باغ رضواں میں
بھرے ہیں ہمنے موتی دامنِ شب ہائے ہجراں میں
دل اک آئینہ خانہ ہے تجلی گاہِ عرفاں میں
خدا یاد آ گیا یادِ بتِ برگشتہ مژگاں میں
جنوں نے ہاتھ میرا ہی دیا شاید گریباں میں
جو واں لغزش قدم میں ہے تو یاں ہے پائے ایماں میں
اڑائی خاک جتنی جستجوئے آبِ حیواں میں
قدم اک کشمکش میں پڑ گئے ہیں کوئے جاناں میں
کیا ہے سعی کو مٹی تلاشِ آبِ حیواں میں
سمائی ہے تجلی کس طرح اُس روئے تاباں میں
چلو انور تماشا دیکھ آئیں بزمِ رنداں میں
اور یوں کہنے کو تو برقِ نظر کچھ بھی نہیں
تیغ کا خم جانتے ہیں ہم خمِ تسلیم کو
بن پڑے گی کیا تمھیں روزِ امید و بیم کو

دل میں بحرِ الفت ساقی ہے انور موج زن
جانتا ہوں ایک قطرہ کوثر و تسنیم کو

ملیں گے تم سے یہ کیونکر گماں ہو
گماں جس جا نہ ہو پہنچے تم وہاں ہو

کیا مٹائیں گے ہم اُسکے دل سے نقشِ یادِ غیر
جب مٹا سکتے نہیں اپنے خطِ تقدیر کو

غیر کی تقدیر میں جو کچھ کہ چاہا لکھ دیا
داوری ہے کیا کہوں میں کاتبِ تقدیر کو

کاوشوں ہی کاوشوں سے سر بسر لبریز ہے
دل سے لایا ہے مگر فرہاد جوئے شیر کو

اور جُرمِ رہزنی پر ہو سزا نخچیر کو
دل مرا اُڑ کر لپٹ جاتا ہے اُسکے تیر کو

نام زورِ بازوئے فرہاد اُستی ہی تو ہے
شمعِ بزمِ خود نمائی کہیے جوئے شیر کو

یاس کیوں ہو غمِ فرقت کی وفا سے مجھ کو
اور رکھ آس ہے بندے سے خدا سے مجھ کو

میں گنہ کر کے گنہگار تمھارا ٹھہرا
نسبتِ خاص لگی ہاتھ خطا سے مجھ کو

جور سہہ کے یہ خوش خوش ہوں کہ محشر میں مگر
بخشوائیں گے جفا کار خدا سے مجھ کو

ہے ستم تو مگر اک لطف سے دیکھو کیا ہو
اُس نے مارا ہے محبت کی ادا سے مجھ کو

بندۂ محرم و بیار ہوا سیر اُسکا ہوں
کچھ تعلق سے تعلق ہے خدا سے مجھ کو

آیا ہے میرے مرنے کی سُنکر وہ بدگماں
کوئی لپیٹ دو مجھے زندہ کفن کے ساتھ

اے جانِ زار کچھ تو رہے پاسِ ہمدمی
لب تک تو آ وصالِ صنم کی دعا کے ساتھ

بھولے ہیں کس خیال پہ زُہّاد و پارسا
رشتہ نہیں ہے داورِ روزِ جزا کے ساتھ

تیرے ستم سے مجھکو ملا منصبِ کلیم
اِک وجہ گفتگو نکل آئی خدا کے ساتھ

شے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی طلب
بندوں کے ناز بھی ہیں نرالے خدا کے ساتھ

لیلیٰ کا نام زندہ ہے اب تک جہاں میں
تم بھی نباہ دو کسی اہلِ وفا کے ساتھ

کچھ جو عزت ہے تو پھر کوچے میں اسکے ہے کہو تو
دو قدم آن کے لیجاتی ہے توقیر کے ساتھ

کچھ تو مل جائے لبِ شیریں سے
زہر کھانے کی اجازت ہی سہی

دل میں یاں آ کے نکلنا کیسا
اے وہ ارمانِ شہادت ہی سہی

تیرے کشتوں کا روزِ حشر حساب
غیرت او فتنہ گر نہیں آتی

بے طرح پڑتی ہے نظر اُن کی
خیر دل کی نظر نہیں آتی

برگ برگ سبزہ قدرت سے تیرے معمور ہے
جس زباں پر دیکھتا ہوں نغمۂ منصور ہے

اور کچھ دنیا سے کھنچ جا اور بڑھ جا سوئے حق
تیر جتنا کھنچ گیا چلہ میں اتنا دور ہے

نیک ہوں بد ہوں تمہارا ہوں تمہیں کو پاس ہے
تم نے لکھا ہے مری قسمت میں جو مسطور ہے

ربط بڑھ جائے تو حسن و عشق کی ہے شان ایک
جو نفس ہے سینۂ عاشق میں شمع طور ہے

کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں
ہے نظر اُس پر کہ جس سے قہر کوسوں دور ہے

وہ گناہ کرتا ہوں اب جی کھول کر جو رہ گئے
جانتا ہوں خیر مجھ سے قہر تجھ سے دور ہے

جو اٹھا پردہ نظر سے واں حجابِ پردہ ہوا
جتنی یاں آنکھیں کھلیں اتنا ہی وہ مستور ہے

ہو فنا پر منحصر دیدار اور جیتا رہے
واقعی عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے

کچھ نہیں سنتے کسی سے ہم کہ ہے واں رنگ کیا
کیا زباں بندی تمہاری بزم کا دستور ہے

اس مقامِ لاتعین پر وصول انور کہاں
آ کے منزل پر جہاں سنتے کہ دلی دور ہے

تیرے جلوے دمِ خلوت جو نمودار ہوئے
حیرت آگیں مرے گھر کے در و دیوار ہوئے

صلح کل مشرب و مذہب کا ہوا دشمن و دوست
دل میں وہ پھول ہوئے آنکھ میں جو خار ہوئے

کمبخت کوئی دم تو رہے گا نظر سے دور
خوش ہوں جو اُن کے در پہ عدو پاسباں رہے

مٹی خراب ہے ترے کوچہ میں ورنہ ہم
اب تک تو جنت میں یہ رہے آسماں رہے

مرتے ہیں تڑپتے ہیں تری یاد میں ہر دم
بیکار کسی دم کو بھی جانے نہیں دیتے

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

میں اس بے ہم مزاجی کے تصدق
اُلجھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

کہاں کی دل لگی کیسی محبت
مجھے اک لاگ ہے جانِ حزیں سے

ادھر لاؤ ذرا دستِ حنائی
پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

ضعف میں مرنا بھی مشکل ہوگیا	جان اُلجھی ہے نفس کے تار سے
تھرہیں مستی میں وہ انگڑائیاں	خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے
جمع اپنا خرمن دل جب ہوا	بجلیاں ٹوٹیں نگاہِ یار سے
خدا کی بے نیازی مانتا ہوں	ذرا پرستش نہیں نازبتاں کی
چلے دشمن کے گھر خود رفتہ ہوکر	طبیعت آگئی ایسی کہاں کی
کیا اسکی ہے خوشی کہ وہ رخ بے نقاب ہے	اک میرے ساتھ چشم جہاں کامیاب ہے
جاں بخش ہے گفتار تو لب چشمۂ حیواں	پھر گئے کہ ان پر کوئی کس بات پہ مرجائے
یہ خوشی کم ہے کہ ہم اُس بزم میں	اک طرف بیٹھے تو ہیں ناشاد سے
اسقدر محوِ تحیر ہوں کہ میں	مل گیا تم میں تمھاری یاد سے
دل میں کیوں کھٹکا رہائی کا رہے	مول لے لیجے قفس صیاد سے

انور

(**انور**) حافظ حکیم سید انوار احمد صاحب انور دہلوی ۔ خلف حافظ سید خیر الدین احمد۔ خلف سید محمد باقر۔ قوم سے صحیح النسب سید اور دہلی کے رہنے والے تھے شاہان مغلیہ انکے اسلاف کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ بہادر شاہ ثانی سید خیر الدین احمد صاحب کو اپنی طرف سے شاہ سلیمان چشتی صاحب سجادہ تونسہ شریف کی خدمت میں معہ نذرانہ بھیجا کرتے تھے حکیم صاحب موصوف کے بڑے بھائی حکیم سید نیاز احمد مرحوم شاگرد رشید حکیم احسن اللہ خاں صاحب طبیب شاہی ریاست پٹیالہ میں بزمرہ اطبا ملازم تھے حضرت انور طب میں اپنے برادر مرحوم کے شاگرد تھے۔ اور فن ڈاکٹری میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان زبدۃ الحکما کے سند یافتہ تھے علم رمل اور نجوم میں بھی اچھا دخل تھا۔ نہایت ذکی اور خوش اخلاق تھے۔ تشخیص مرض کے علاوہ شافی مطلق نے ہاتھ میں شفا بھی عطا کی تھی شروع میں چند غزلیں حافظ غلام رسول ویراں کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا کئی برس حیدرآباد دکن میں نواب لائق الدولہ غالب جنگ کی سرکار میں بصیغہ طبابت ملازم رہے ۔ مگر گردش قسمت نے کہیں زیادہ ٹکنے ندیا ۔

آخر ۱۳۲۲ھ ہجری میں اپنے وطن آبائی دہلی میں انتقال فرمایا-چند اشعار انتخاباً درج ہوتے ہیں ؎

حسرتوں سے دم نکلنے میں جو دشواری ہوئی
موت میری دیکھ کر اُن کو بھی سکتا ہو گیا

دورِ آخر ہے پلا دے پھر کہاں بزمِ طرب
تیرے ہی دم سے ہے ساقی گردشِ پیمانہ آج

شیخ صاحب کل تو میرے حال پہ تھے طعنہ زن
شمع رُو سے لو لگا کے خود بنے پروانہ آج

ناتواں ہوں میں بہت جذبۂ دلدارانہ کھینچ
مجھ میں کیا باقی ہے اب حسرتِ دیدارانہ کھینچ

اب تک ہے انتظار کسی کے خرام کا
اُٹھ بیٹھتے ہیں قبر میں آوازِ پا سے ہم

تمہارے کشتۂ بیداد کو مسیحا نے
ہزار بار جلایا مگر جیا ہی نہیں

مجھے کیا کام ہے دیر و حرم سے
مری آنکھوں میں ہے صورت صنم کی

انور

(انور) سید انور علی انور نبیرۂ مولوی امجد مقیم بھوپال-حضرت داغ دہلوی سے ارادت رکھتے ہیں-اور شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں-یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

دیکھتے کس کو ہو کچھ ہوش سنبھالو اپنے
کیا سمائی ہے یہ اے حضرتِ موسیٰ دل میں

اس دل کو یہی زلف کا سودا جو نہ ہوتا
کاہے کو میں پہنتا شبِ فرقت کی بلائیں

کٹتی ہے ترے ہجر میں یوں اپنی شب و روز
دن نالہ و فریاد میں شب آہ و بکا میں

اندھیری رات میں اے مہ لقا تم
یہ بن ٹھن کر کہاں جاتے ہو گھر سے

تمنا حور کی کرتے ہیں حضرت
کوئی صورت تو دکھے شیخ جی کی

کہیں دور ہو ہجر کا غم الٰہی
کہیں جان لے دردِ فرقت ہماری

انور

(انور) منشی محمد انور لکھنوی-خوشنویس و مصلح سنگ- کلکتے کے امیر الاخبار کے مطبع میں کتابت کرتے تھے- دو تین سال ہوئے دہلی میں انتقال کیا-حضرت داغ کے شاگردوں میں تھے-کلام ہدیۂ احباب ہے ؎

شرارت ہے شبِ وصلت میں وہ کہتے ہیں کیوں انور
اگر ہم آج بھی فرقت میں تڑپاتے تو کیا ہوتا

نازِ ہر گام پہ شمشیر میں سے بھی کہتا تھا
نہ بھرے پاؤں میں خونِ سرِ فرہاد کہیں

شاید اسے بلبلِ شیدا یہ تری تاک میں ہے — آج گلشن سے جو ہلتا نہیں صبا کہیں
پاس سے دیکھا جب - وہ کہنے لگے — دل میں کیا ہے بتائیے تو سہی

انور
(انور) منشی گل محمد انور بنگلور کے رہنے والے ہیں گاہے گاہے حضرت داغ کو کلام دکھایا ہے - نمونہ کلام یہ ہے ؎

کیا تھا ناز جس قاتل نے خنجر کی روانی پر — ہوا ہے آج وہ حیراں ہماری سخت جانی پر
کہاں سنتے ہیں اے ناصح تری عشق و محبت میں — وہی کرتے ہیں ہم آتا ہے جو اپنی طبیعت میں
یہ وہ منزل ہے اسمیں فکر کی بھی عقل حیراں ہے — قدم رکھو سنبھل کر حضرتِ دل راہِ الفت میں
دورنگی کا سبق تمکو پڑھایا ہے زمانہ نے — کبھی میری محبت میں کبھی میری عداوت میں

انور
(انور) مولوی نور محمد مدرس مدرسہ ہاشمیہ بمبئی شاگرد مولانا نظامی اصلی وطن غازیپور ہے مگر یہ خود عرصہ سے بمبئی میں رہتے ہیں - ۲۵ - ۲۶ - برس کی عمر اور یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

کچھ اشارہ ابرو اور چتون میں ہو کر رہ گیا — رہ گئی شمشیر اٹھکر کھینچ کے خنجر رہ گیا
ناتوانی اور وہ بھی عشق کے بیمار کی — ہے گماں مجھ پر ابھر کے تارِ بستر رہ گیا
دل سے تھی ساری خوشی یہ مبتلائے غم ہوا — عیش کا سب کارخانہ درہم و برہم ہوا
آشنا تیرا ہوا بیگانہ ساری خلق سے — تجھ سے جو محرم ہوا عالم سے نامحرم ہوا
یہ ہمارا ہی جگر ہے لے دیئے دیتے ہیں دل — اب تو راضی اب تو خوش لے گیسوئے برہم ہوا
حاصل اُس در پہ اگر ناصیہ سائی ہوتی — دُور قسمت کی مرے ساری بُرائی ہوتی
حکمتیں ترکِ محبت کی سمجھائیں ناصح — وصل کی بھی کوئی تدبیر بتائی ہوتی

انور
(انور) منشی سید نور الحسن بلگرام ضلع ہردوئی اصلی وطن ہے - حضرت امیر مینائی کے شاگردوں میں ہیں - ۲۵ - ۲۶ - برس کی عمر اور بہ سلسلہ روزگار دکن میں اقامت ہے - یہ آپکا کلام ہے ؎

پھریں آنکھیں جو وقتِ نزع میری منہ کے وہ بولے — کہو اب بے وفا ہم ہیں کہ صاحب بے وفا تم ہو
ناصح بھی دم بخود ہیں ہر ایک ہمنشیں خموش — میں آپ میں نہیں کوئی سمجھائے کیا مجھے

ہوتا ہے جو لکھا ہے مقدر میں نیک و بد — شکوہ ہے دوست کا نہ عدو کا گلہ مجھے

یہ کیسی تہمت ہے مجھ سے پاک دامن پر — جناب شیخ تمھارا خیال کیسا ہے

اگر خیال ہے کچھ آ کے دیکھ جاؤ خود — عبث ہو تم پوچھتے غیروں سے حال کیسا ہے

انور

(انور) مرزا علی حسین لکھنوی مقیم کلکتہ سید علیجان شفق مصاحب سلطان عالم کے شاگرد اور ریختہ میں اصلاح فکر کرتے تھے ؎

وعدہ تو کر دیا پہ خیالِ وفا بھی ہے — دینے کو کہتے ہیں کوئی بوسہ دیا بھی ہے

کیوں مفت اپنی جان تمھارے لئے گنوائیں — نقصان کے سوا ہیں کچھ فائدہ بھی ہے

کیا پوچھتے ہو قیمتِ دل کا معاملہ — تم سے بھلا کبھی کوئی سودا بنا بھی ہے

انیس

(انیس) امیر الدولہ نوازش خاں شاہجہاں آبادی - شاہ نواز خاں مختار کار حضرت شاہ عالم ثانی کے حقیقی بھانجے اور خود بھی سرکار شاہی میں خدمات شائستہ سے مشرف اور فن سخن میں فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے - تذکرہ گلشن بیخار کی ترتیب کے وقت ان کی ضعیفی کا عالم تھا - شعر و سخن سے عشق تھا چنانچہ اپنے گھر پر مجلس مشاعرہ بھی منعقد کیا کرتے تھے - اشعار ذیل ان کی طبیعت کا نتیجہ ہیں ؎

دردِ دل سوزِ جگر کاہشِ تن کاوشِ جاں — حضرتِ عشق نے کیا کیا مجھے انعام کیا

یہ کالۂ آفت تھا وہ رخسار انیس آہ — چہرہ جو غضبناک ہوا اور بھی چمکا

کشتی سے اپنی چشم جزیرہ کا آج — رُکتے سرشکِ دیدۂ طوفاں فشاں نہیں

جب تک نہ دمِ سرد بھروں دل کو نہیں چین — کیا نیند بھلا آوے جو ٹھنڈی نہ ہوا ہو

آہ یہ کس کی یادگاری ہے — آج جو دل کو بے قراری ہے

انیس

(انیس) سلطان الشعرا میر ببر علی خلف الرشید میر مستحسن خلیق خلف جناب میر حسن دہلوی صاحب مثنوی سحر البیان - اردو علم ادب کا ایسا کونسا شائق ہے جو اس نامور اور باکمال استاد فن سے واقف نہیں - اور وہ کونسا دل ہے جو اس ادیبِ کامل کے کلام فصاحت

التیام سے متاثر نہیں ۔ افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ موجودہ زمانے کے اہل قلم نے اب تک ایسے نامور اور فخر روزگار شاعر کی سوانح عمری مرتب کرنے میں کوتہ قلمی کی اور سب سے زیادہ تعجب انگیز اور افسوسناک یہ بات ہے کہ خاص میر صاحب کے لائق اور قابل اعزا بجائے اسکے کہ خود اس کام کا بیڑا اُٹھاتے دیگر محبان فن کو اپنی معلومات سے مستفید کرنے میں بخل فرماتے ہیں ۔ پروفیسر آزاد نے آب حیات میں انکا حال لکھتے وقت ہر طرح کوشش کی مگر افسوس کہ وہ بھی کماحقہ کامیاب نہ ہوئے پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے لکھ دیا آج وہی غنیمت ہے سچ ہے جب اعزا و متوسلین ہی توجہ نکریں تو مورخ کیا کرسکتا ہے ۔ ہم بھی اسی مجبوری میں گرفتار ہیں مختصراً جو حالات معلوم ہوئے یہ ہیں کہ میر انیس نے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی اور ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے پڑھیں ۔ شاعری تو انکی خاندانی میراث تھی جسطرح بعض مہاتما کے پیٹ ہی سے ولی کہلاتے ہیں اسیطرح نیچر نے انہیں شاعر بنایا تھا ۔ اول اول غزل گوئی کی طرف مائل ہوگئے چندہی غزلیں کہی تھیں کہ باپ کو خبر ہوگئی ۔ اگرچہ دل میں انکی طباعی دیکھ کر خوش ہوئے اور شوق کو روکنا نچاہا مگر ایک مرتبہ غزل سُنکر فرمایا کہ میاں اس غزل کو سلام کرو اور اس میدان میں توسن طبع کی جولانیاں دکھاؤ جس میں دنیا و دین دونو حاصل ہوں ۔ چنانچہ اس فہمائش کو تازیانۂ ہدایت سمجھ کر مرثیہ گوئی کے میدان میں شبدیز فکر کی باگ موڑ دی ۔ پھر ساری عمر اسی سرمایۂ آخرت کے جمع کرنے میں صرف کردی اور اس ہی کو توشۂ آخرت سمجھ کر ساتھ لیگئے اپنے والد ماجد کی حیات تک جو کچھ کہا انہیں دکھایا ۔ اُنکی وفات کے بعد بطور خود کہنے لگے ۔ انکے صفائی کلام ۔ سلاست ۔ حسن بیان ۔ لطف محاورہ روزمرۂ اہل زبان ۔ سوز و گداز محتاج بیان نہیں ۔ جس طرح یار لوگوں کا شیوہ ہے کہ باکمالوں میں خواہ مخواہ نقیض کرادیتے ہیں اسیطرح ابنائے زمانہ نے مرزا دبیر مرحوم میں ان کا مدمقابل پیدا کردیا یہ معرکہ آرائیاں جنکی تشریح و تفصیل باعث طوالت ہے جب تک یہ دونو بزرگوار زندہ رہے برابر ہوتی رہیں ۔ ان کا ایک مفید اور بدیہی اثر یہ ضرور ہوا کہ لکھنؤ کے عالی حوصلہ اور قدردان امیر انعام و اکرام کی امید

دلا کر دونو باکمالوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے جس سے ان کا کلام روز بروز منجھتا اور چلا پاتا چلا گیا ۔حقیقت یہ ہے کہ دونو صاحبوں نے اپنی اپنی قادر الکلام طبیعت کے زور سے ایجادِ مضامین کے دریا بہا دیے اور ایک محدود اور محض مذہبی مضمون کو سینکڑوں نئے دلنشین رنگوں میں اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ مرثیہ گوئی کو ایک جداگانہ علم بنا دیا - رزم - بزم - صبح شام - غرض جس چیز کو لیا اسی میں اپنے انتہائے کمال کو دکھا دیا۔ مجتہد العصر جناب مفتی سید محمد عباس لکھنوی کا قول دربارہ موزانہ کلام میر انیس و مرزا دبیر قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں " کلام مرزا دبیر دقیق و نمکین است و کلام میر انیس فصیح و شیریں و بوجہ اختلاف ہر دو ذائقہ و ہر دو مزہ محل ترجیح باقی نماندہ زیرا کہ بعض مردم شیرینی را پسند مے کنند و بعض نمکین را " اگر شاعری کے اصلی موضوع پر نظر ڈال کر غور سے دیکھا جائے تو غالباً کسی صاحب فہم کو اس امر کے مان لینے میں تامل نہ ہوگا کہ میر انیس مرحوم صرف مرثیہ گویوں ہی کے سرتاج نہ تھے بلکہ زبان اُردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست فن سخن کے مسلّم الثبوت اور قادر الکلام اُستاد ۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میر انیس صرف مرثیہ گو تھے دیگر اصناف سخن سے انہیں تعلق نہ تھا اور کسی کا یہ عامیانہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں ہو جاتا ہے ہمیں اس خیال سے مطلق اتفاق نہیں - اُنکے مرثیوں اور سلاموں کو دیکھیے ۔کیا چیز اُن میں نہیں ہے - رباعیوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں - اُنکی عمدگی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہوگا کہ صدہا ضرب المثل کیطرح زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں - ہمارے خیال میں تو جملہ اصنافِ سخن میں سے مرثیہ گوئی ہی ایک ایسی دقیق - جامع اور مشکل چیز ہے جس پر قدرت رکھنے والا تمام اصنافِ سخن پر قادر ہونے کا ثبوت دے سکتا ہے۔

اس مبحث میں منشی امیر احمد صاحب بی اے کا قول قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "یہ نظم اُردو کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ نہایت سرعت سے عروج و کمال کے مدارج طے کر رہی تھی ۔لکھنؤ میں ایک خود مختار حکومت قائم ہوگئی جسکے مذہبی اثر سے اظہار محبت اہلبیتؑ کے ساتھ ساتھ

انکے مصائب پر نوحہ خوانی اور مجالس ماتم میں گرمی پیدا کرنے کے لئے کاروان کربلا کے واقعات نظم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس بحث پر جسقدر سرمایہ اُسوقت تک موجود تھا ناکافی معلوم ہوا۔ اسطرح ہمارے شعرا کو میدان جنگ کا نقشہ کھینچنے کا موقع ملا تھوڑے ہی عرصہ میں چند ماہران فن نے اسطرح توجہ کر کے جوہر شناسوں کے لئے لعل و جواہر کے بیش بہا انبار لگا دئے اور اس صنف سخن میں وہ وہ صناعیاں اور نازک خیالیاں صرف کیں اور اپنے زور طبع سے شستگی زبان اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ تشبیہوں اور استعاروں کے وہ ناپید اکنار دریا بہا دیے کہ یورپ و ایشیا کے کل شاعروں نے ازمنہ مظلمہ کے انتہائی کنارے سے اسوقت تک میدان جنگ کی پرشور و ہیبت انگیز تصویر دکھانے یا قتل و خونریزی کا قیامت خیز نمونہ پیش کرنے یا شجاعت و جوانمردی۔ سفاکی و بیرحمی کا نقشہ اتارنے میں برسوں خون جگر کھا کر جو کچھ رطب و یابس لکھا تھا انہوں نے چندسال میں گرد باد کر کے ایک طرف فردوسی اور نظامی کا کا بازار سرد کر دیا اور دوسری جانب ہومر ملٹن کو صرف اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے کے قابل رہنے دیا۔

ہم یہ اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مرثیہ گوئی وہ صنف شاعری ہے جسمیں تمام اصناف سخن نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان ہو سکتے ہیں۔ میر انیس مرحوم نے جو اس صنف شاعری کو معراج کمال پر پہنچانے میں حصہ لیا وہ محتاج تشریح نہیں۔ غرضکہ فصاحت۔ بلاغت۔ شستگی زبان۔ خوش اسلوبی و مناسبت تشبیہات۔ خیالات کی متانت۔ بیان کی سنجیدگی نفیس بندشوں اور جذبات انسانی سے کامل واقفیت اور عمدہ منظروں کی دلچسپ اور پُر اثر الفاظ میں تصویر کھینچنے کی وجہ سے میر صاحب کو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے مشہور شعرا میں درجۂ امتیازہ حاصل ہے اور کیوں نہو آخر کس سحر البیان دادا کے پوتے اور کس معجز نشان باپ کے بیٹے تھے۔ اُردو زبان انکی خانہ زاد کنیز اور فصاحت بیان ایک ادنی پرستار بلکہ پرستارزادی تھی۔ اللہ اللہ کیا سحر بیانی تھی کہ جسکے سامنے فصحا و بلغا ر سلف کی توصیف ایک پارینہ کہانی تھی

مرثیہ گوئی کو ایسے معراج کمال پر پہنچا گئے کہ اُسے ایک جداگانہ علم بنا دیا رزم کے بیان سے رستم دلوں کو ہلا دیا بزم کے ذکر سے شاہی درباروں کو شرما دیا۔ فطرت نے وہ بلا کی ذہانت و ذکاوت عطا کی تھی کہ بات میں بات نکالتے تھے۔ جس محاورہ کو چاہا باندھ کر چار چاند لگا دیئے ایسے لوگ اب کہاں ہیں جو لطف زبان کے دلدادہ اور فریفتہ ہیں وہ آج تک انیس کو روتے ہیں اور ہمیشہ روتے رہیں گے۔

ایک اور امر بھی میر صاحب مرحوم کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ کہ گو میر صاحب تمام لکھنؤ میں رہے مگر اپنی خاندانی دہلوی زبان کے تحفظ کے لئے ہمیشہ غیر معمولی کاوشیں فرماتے رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ لوگوں نے میر صاحب سے خاص خاص محاورات مستعملہ میر صاحب کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ "اہل لکھنؤ کا یہ محاورہ نہیں ہے بلکہ وہ اسطرح معلوم بولتے ہیں اور فقیر کے گھرانے میں اسطرح بولا جاتا ہے" گویا جمہور لکھنؤ سے ہمیشہ اپنے آپ کو علیحدہ تصور فرمایا کرتے تھے۔

جب تک لکھنؤ آباد رہا (یعنی سلطنت قائم رہی) اسوقت تک جب کسی اور شہر میں جانے کا ذکر ہوتا تو میر صاحب یہی کہتے کہ اس کلام کو اس شہر کے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اسکی کیا قدر جانے گا۔ اور ہماری زبان کے لطف کو کیا سمجھے گا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد ۱۸۵۹ء میں میر صاحب کے قدم لکھنؤ سے اُٹھے۔ اور اول اول نواب قاسم علیخاں کے اصرار سے عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہاں کی محفل عزا کی رونق بڑھائی۔ پھر ایک مرتبہ ۱۸۷۱ء میں سید شریف حسین خاں صاحب کی تحریک اور نواب تہور جنگ بہادر کے اصرار سے حیدرآباد گئے۔ ان ہر دو مقامات میں آپکا نہایت خلوص و عقیدت سے خیر مقدم کیا گیا۔ سامعینوں اور مشتاقوں کی مجلسوں میں یہ کثرت ہوتی تھی کہ صدہا مشتاق بار نہ پاتے تھے جسطرح میر صاحب کا کلام لاجواب ہے۔ اسیطرح ان کا پڑھنا بھی بے مثل تھا۔ انکی آواز۔ قد و قامت۔ صورت کا انداز غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ انکا اور انکے بھائیوں

میر انیس و میر مونس کا قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھکر خلوت میں بیٹھتے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے ۔۔ وضع حرکات سکنات اور بات بات کو دیکھتے تھے اور آپ ہی اُسکی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے ۔ بقول ذوق ؎

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئنہ گر		ہنرورا اپنے بھی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں

میر صاحب کی ذات توکل ۔ استغنا ۔ خودداری اور زہد و پرہیزگاری کا ایک قابل تقلید نمونہ تھی میر صاحب اور مرزا صاحب کے تلامذہ او معتقدین کی باہمی تکراروں اور مناقشوں کی کیفیت باعث طول کلام سمجھ کر ہم نظر انداز کرتے ہیں ۔ ان میں سے بعض اصحاب تعصب و سخن پروری کے جوش میں حد اعتدال سے متجاوز ہو کر قابل شرم و افسوس حرکات کیا کرتے تھے اور طرفہ تر مزا یہ ہے کہ ثقات اسطرح بھی بیان کرتے ہیں ۔ کہ میرزا دبیر مرحوم کو میر صاحب مغفور کی ذات سے ایک خاص عقیدت و الفت تھی ۔ اور ہمیشہ اُن کا حد درجہ ادب و احترام فرمایا کرتے تھے ۔ اور اپنے شاگردوں کو ان ناگوار مباحثوں سے محترز رہنے کی فہمائش کیا کرتے تھے ۔ ایک اور امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ باوجود حیرت انگیز قادر الکلامی و خوش گوئی کے بیحد پرگو تھے بے تعداد مرثیہ و سلام و رباعیات عجیب و غریب صنعتوں اور باریکیوں سے مملو و مرصع آپ سے یادگار ہیں ۔ عاشقانہ دیوان کے علاوہ سنا گیا ہے کہ چھ ضخیم جلدیں مراثی کی جو شائع ہوئی ہیں فی الحقیقت آپکی تصانیف کا عشر عشیر ہیں ۔ اور بیشتر حصۂ کلام ہنوز قلمی مسودوں کی صورت میں اُنکی اولاد کے پاس محفوظ ہے ۔ میر صاحب کی سال ولادت کا پتہ نہ چلا البتہ یہ معلوم ہے کہ تقریباً ۷۴ برس کی عمر پا کر آپ نے ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ اس جہان فانی سے کوچ فرمایا ۔ اور عجب اتفاق ہے کہ جسطرح زندگی میں ساتھ رہے اُسیطرح موت میں بھی مرزا دبیر نے ان کا ساتھ دیا چنانچہ چند ہی ماہ بعد ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ کو اُنہوں نے بھی عالم قدس کی راہ لی ۔ منشی محمد میرزا جان محمود نے تاریخ کہی ؎

غم انیس میں سب ہے ۔ دیا دبیر کا غم ۱۲۹۱ھ ۱۲۹۲ھ	میر صاحب نے تین صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے

(۱) میر خورشید علی صاحب نفیس - (۲) میر سلیس - (۳) میر رئیس - جنمیں سے اول الذکر بحیثیت کمالِ آبائی فی الحقیقت خلفِ ارشد کہلانے کے مستحق اور باعثِ فخر و نازش خاندان تھے - ہنگامِ قیام لکھنؤ میں مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹر کی معیت میں میر انیس و میر نفیس کے مسکن قدیم اور خاندانی قبرستان دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا -
اب ہم اُنکے ذکر خیر کو ختم کرتے اور اُنکے جواہر منظوم کے بحر ناپیدا کنار سے تھوڑے سے موتی اس کاغذ کی کشتی میں رکھکر ناظرین کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں ؎

راحت کا مزا عدوئے جانی نکلا پیاسے رہے آکے چاہِ دنیا پہ انیس	رباعی	دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا نکلا بھی کبھی تو شورِ پانی نکلا
بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا ممبر پہ نشست سرپہ حضرت کا علم	رباعی	ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا
قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر		تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا
کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس	رباعی	چپ ہوگئے اسطرح کہ بولا نہ گیا یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا
سمجھتا ہوں سبب کافر ترے آنسو نکلنے کا مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر	قطعہ	دھنواں آنکھوں میں لگتا ہے کسیکے دل کے جلنے کا زمیں اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا
مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا نقاش نے سطرح کی خلقت کھینچی	رباعی	اُترا بھی تو کچھ نکو کے نقشا اُترا تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرا اُترا
یارب چمنِ نظم کو گلزار ارم کر توفیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نجائے	آغاز بعض مرثیہ	اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نجائے

صبح

پھاڑا جو گریباں شب آفت کی سحر نے   پردے میں چھپایا رخ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے   گردوں سے سفر فوج کواکب لگی کرنے
تاباں جو رخ نیر افلاک ہوا تھا   ذرّوں سے زرافشاں ورق خاک ہوا تھا
پھیلا ہوا تھا نور سے صحرا ارض و سما میں   مصروف تھی سب خلق خدا یاد خدا میں
چمکا صفت شعلہ جو وہ مہر جہانتاب   شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئے بے آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگ رخ مہتاب   اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوز جگری کی   پروانوں سے رخصت تھی چراغ سحری کی
وہ سرد ہوا صبح کی اور نور کا عالم   اور زمزمے مرغان خوش الحاں کی وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا یہ پڑے گوہر شبنم   اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم   مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم   سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا   تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا
وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار   تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیم باد سحر کا وہ بار بار   کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے   ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار   پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار   بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری   بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری   پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو   بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملادوں   قطرہ کو جو دوں آب تو گوہر سے ملادوں

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں
مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
مدّ آ کے پَرے ہیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

سرعت اسپ

تصویر لکھی اُس کی مصور تو پڑے دھوم
سُرعت قدمِ توسنِ تصویر کو لے چوم
کوڑا اپنے تعزیر جو چاہے کرے مرقوم
اک آن میں تصویر کا سب رنگ ہو معدوم
نقاش کا دل نقش پہ آمادہ ہی رہ جائے
اور ہاتھ میں اُسکے ورقِ سادہ ہی رہ جائے

رباعی

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو دنیائے دوں کے دھوکے میں
سراب ہے یہ جسے موج آب سمجھے ہیں

رباعی

دولت کا کبھی خیال آتا ہی نہیں
یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں
دل اپنا ہے بند قفلِ ابجد کی طرح
جب حرف تمنا سا ہو تو کھلتا ہی نہیں

رباعی

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
یا معدنِ کوہ و دشت و صحرا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
یہ اشکِ تاک ہی کہتے ہیں جسکو آبِ طرب
یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب کہتے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو
سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب کہتے ہیں

سلام

رنجِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے اُنکے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں
یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
زور سے اسکے لیا ہے ہمنے میدانِ سخن
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکّل ایک نقدِ جاں ہے پاس　　ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی اُنکے ہاتھ　　اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف　　بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

گرد ہیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک سن　　جسطرح رشتۂ گلدستہ میں گلہائے چمن

رباعی

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں
دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گرد بازارِ کساد
ہوتا ہے یقیں کہ زندہ در گور ہوں میں

رباعی

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ
کھُل جائے گا سب جو بند ہونگی آنکھیں

رباعی

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں
حاسد جو بُرا کہتے ہیں چپ رہتے ہیں
جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک
جو بد ہیں وہ نیکوں کو بُرا کہتے ہیں

مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا　　وہ نہیں ہیں جو کسی پر بار ہوں

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں یکرنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رباعی

کس منہ سے کہوں لائقِ تحسیں میں ہوں
کیا لطف جو گل کہے رنگیں میں ہوں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں میں ہوں

شدتِ گرما

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں　　انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کے زباں　　تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی　　ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

توصیف تیغ

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا　　برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لیگئی پھولوں سے زر لیا　　اپنا خراج تیغ نے ہر طرح بھر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تُل گئی　　ایک اک گرہ بندھی ہوئی ہزنے کی کھل گئی

سر عدو کے خود جدا تن سے سر جدا — شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا — گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا — عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

توصیف تیغ

غل تھا کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے — ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے — آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری نسل ید اللہ لڑے گا — تر ہوگی زمیں خون سے وہ رن آج پڑے گا

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی — دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی — بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا — تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں گرتے تھے سپر پر — برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر — مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر — زیں سے گئی مرکب پہ تو مرکب سے زمیں پر

نے خود نہ چہرہ نہ جبلم چھوڑتی تھی وہ — نے ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ — نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز زہے ضرب کی زہ سے — غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زرہ سے

دال شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا — قرنا کی وہ آواز کڑکیتوں کا کڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا — اک غل تھا کہ دولھا پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن چلتے ہیں پھرتی ہے جو برق اس میں نہیں ہے — سر جسم سے اڑ جائیں کہ فرق اس میں نہیں ہے

اللہ رے زباں آوری تیغ بلا نوش — زرہیں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لبِ دریا بھی ہے خاموش — باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی — دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کی

اڑنے جو پڑا بول کوئی بول کے آیا ⁂ — یہ شیر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا — اڑتا ہوا اس پیچ میں اس غول کے آیا
حق جسکی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے — سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا — یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا — گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا چمپیوں تھراتا ہے گھوڑا — تیلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

قطعہ

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم — انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

رباعی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے — اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں — وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

رباعی

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے — ناداں تجھے فکر آب و دانہ کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا — آنا ترا دلیل جانے کی ہے

رباعی

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا اپنی آپ — جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

رباعی

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے — شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے
ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا — خاک ہو جا تو تو حاصل ہو جلا میرے لئے

وجد ہو بلبل تصویر کو جس کی بو سے — اس سے گل رنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے — آتش دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے

رباعی

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باج نبی — اور عرش پہ تھا شب معراج نبی
فرماتے ہیں میں تن ہوں علی سر میرا — اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاج نبی

رباعی

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے ⁂ — ممکن ہے نگیں جلیل و سلم ملتا ہے

عنقا کو گردِ سُرخ - پارس - اکسیر ... یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

سلام

زباں پہ مدح ہے باغِ علیؑ کے نونہالوں کی ... گلستاں سے ہیں رنگین مجلسیں نازکخیالوں کی

کمر کس کر علیؑ اکبر نے جب سر پر رکھا سہرا ... بلائیں لے لیں اُٹھ کر ماں نے گھونگروالی بالوں کی

جوانانِ حسینؑ نے صفیں توڑیں پرے اُلٹے ... نہ بھولے گی لڑائی تا قیامت مرنے والوں کی

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطے دے کے ناخن پر ... نہ سُوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہ کے خالوں کی

جوانانِ علیؑ کو دیں تو پھر تشبیہ کس سے دیں ... کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں ہم نِتالوں کی

معاذاللہ رعبِ دلبرانِ حضرتِ زینبؑ ... علیؑ کا رعب چِتوں شیر کی آنکھیں غزالوں کی

جُھکا تھا پشت پر ہر اک کے سر ہر ایک بی بی کا ... یہ نقشہ قیدیوں کا تھا یہ صورت پردہ والوں کی

عزادار اس طرف سب تعزیہ شہ کا اُٹھاتے ہیں ... وہاں نقلیں لکھی جاتی جنت کے قبالوں کی

غمِ اصغرؑ میں بانو کہتی تھیں مرتی ہوں آئے بیٹا ... سنگھاؤ اُٹھ کے خوشبو اپنے گھونگر والے بالوں کی

متفرق

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُس جناب کے ... جیسے کرن نکلتی ہے گردِ آفتاب کے

یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے ... جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے

در توصیف تیغ

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی ... ہاتھ منہ صدر و کمر سینہ و سر کاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی نہ بیجان لئے پھرتی تھی ... ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

کیں صفیں صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی ... کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی

کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی ... سینکڑوں خوں گئے اور کہیں آئی نہ گئی

شور تھا برق سے جلوہ گری نکلی ہے ... جان لینے کو اجل بنکے پری نکلی ہے

رباعی

دنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے ... پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے

مابین زمین و آسماں یوں ہم ہیں ... جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

سلام

جیتے رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ ... ہم سا غربت زدہ آرام وطن کیا جانے

قیدِ زنداں کی سکینہ متحمل نہ ہوئی ... ناز پروردہ غم و رنج و محن کیا جانے

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیس
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

دل دیدیا ہے یار کو مٹھی میں بند ہے
کھلتا نہیں پسند ہے یا ناپسند ہے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیرِ منتِ خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے ولولے کیا آسماں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

شرم گناہ

گناہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کہیں جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہمنے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

ملا جنہیں انہیں افتادگی سے اوج ملا
انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

رباعی

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

رباعی

یہ اوج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے
یہ دلق مرقع امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہمکو یہ دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشاہ کو نہ ملے

رباعی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
محجوب نہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ اٹھیں جب تو خدا کے آگے

رباعی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے

کیونکر نہ لپٹ کے تجھسے سوئوں سے قبر	رباعی	مٹنے بھی تو جان دے کے پایا ہی تجھے
جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے		جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب		غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے
کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے	رباعی	جب ملک کو چرخِ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوندِ کریم		اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے
کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے	رباعی	جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں		دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے
راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی	رباعی	لذت دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی
اسوقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے		دو چار گھڑی زیست بھی مشکل ہوتی
گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے	رباعی	پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے		غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے
کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے	رباعی	دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تک پھر آئے سب لوگ		ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

انیس

(انیس) منشی انیس الدین احمد باشندہ باندہ حضرت نامی کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

غم و اندوہ جدائی کا ہے نرغہ مجھپر		اے اجل کر تو ہی کچھ آکے حمایت میری
آپ دیکھا کئے اور مجکو قضا نے مارا		حشر تک تم سے رہے گی یہ شکایت میری
چاند سورج سے ترے جلوہ کو دُونا سمجھے		مثلِ خالق تجھے ہم حسن میں یکتا سمجھے
رات دن دیکھتی رہتی ہے قضا آنکھوں کو		وہ بھلا آپ کا کیونکر نہ اشارہ سمجھے

انیق

(انیق) منشی حافظ محمد یعقوب - اِن کا اصل وطن جون پور ہے - حیدرآباد دکن میں رہتے ہیں - موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شاعر ہیں اشعار حاضر ہیں ؎

ف - رباعی انتزاع سلطنت اودھ کے وقت کہی گئی تھی ۱۲

بعد مرنے کے مجھے مل گئی راحت کیسی
رنج سے فکر سے غم سے ہوئی فرصت کیسی
جو تیری یاد میں ہستی سے گزر جاتے ہیں
غم کو نیں سے پا جاتے ہیں راحت کیسی
یوں تو ظاہر میں حسینانِ جہاں ہوتے ہیں
دل کے لینے کی انہیں یاد ہے حکمت کیسی
آکے آغوش میں بوسہ کا نہ دینا کیسا
آپ یہ تو فرمائیے حاضر ہیں یہ حجبت کیسی

اوباش

(اوباش) شیخ امیرالزماں نام ہے۔ ان کے وطن میں اختلاف ہے کوئی انکو بجنور کا رہنے والا بتاتا ہے کوئی لکھنؤ کا۔ اسیطرح فیلن صاحب نے ان کو شیخ زادہ لکھا ہے اور دیگر تذکرہ نگاروں نے پیرزادہ۔ بہرحال فن سخن میں مصحفی کے شاگرد اور اپنے زمانے کے خوش گو شاعروں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے ۱۷۹۲ء میں جوان تھے یہ انکا کلام ہے

دین و دنیا سے ہم پھرے پر آہ
اپنی خو سے وہ بدگمان نہ پھرا
یار مجھسے وہ مہ جبیں نہ ہوا
میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا
ہو گئے پیر انتظار میں ہم
تو بھی **اوباش** وہ جوان نہ پھرا

خون ہو دل کاوش سے اُسکی بہ گیا
ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا
مجھ سے مت منزل کی پوچھو سرگزشت
ہمرہاں آگے گئے میں رہ گیا
فقیرانہ جو کل جا نکلے ہم اُس بت کے کوچہ میں
لگایا ہمنے تھا واں اور ہی اک تاک بہتر
وہ شاہِ کلر خاں آ ہمسے حسنِ خلق سے بولا
ہمارے گھر میں چل کر کیجئے جائے پاک پر بستر
کہا ہمنے میاں صاحب فقیروں کو برابر ہے
سریر عرش پہ بستر ہو یا خاک پر بستر
دل و دیدہ جو اپنے یار تھے سو درد و غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہمسے چرا گئے

اوج

(اوج) منشی عبداللہ خاں نام۔ ساکن سرد ھنہ مقیم شاہجہاں آباد۔ اگرچہ انکی استعداد علمی معقول نہ تھی مگر طبیعت میں رسائی اور فکر میں خداداد تیزی تھی سنگلاخ زمینوں میں زور طبع دکھاتے۔ عارضۂ خلل دماغ میں مبتلا تھے۔ اکثر شعراے مشاہیر مثل ذوق۔ مومن۔ غالب آزردہ۔ وغیرہ جوان کے ہم عصر تھے۔ مزاحاً انکو اُستاد کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی اپنے آپ کو ایسا ہی

سمجھتے تھے۔ سچ ہے۔ دیوانہ رہو سے بس است۔ مرزا سنگو محزول کی سرکار میں ملازم تھے ۱۲۷۰ ہجری میں انتقال کیا۔ فکرِ مضامیں اور تلاش الفاظ میں تن بدن کا ہوش نہ رہتا تھا۔ شاعروں میں غزل سناتے تھے تو صفِ مجلس سے گو گز بھر آگے نکل جاتے تھے۔ پروفیسر مولوی محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ میں اُن دنوں میں مبتدی شوقین تھا اپنا مشتاق سمجھ کر مجھ سے بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ بس تم ہمارے کلام کو سمجھتے ہو۔ رستے میں ملجاتے تو دس قدم دور سے دیکھکر کھڑے ہو جاتے اور جو نیا شعر کہا ہوتا اُسے وہیں سے اکڑ اکڑ کر پڑھنے لگتے۔ ایک دن رستے میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ آج گیا تھا انہیں بھی سنا آیا میں نے کہا کیا؟ کڑک کر کہا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب	غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسے میں مومن خاں بھی موجود تھے۔ مجھ سے سب نے شعر کی فرمائش کی میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سنائی۔ مقطع پر بہت حیران ہوئے ع کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب تو آٹھواں ہے۔ عام واقعات پر اکثر شعر کہا کرتے تھے۔ مومن خاں کو کنور اجیت سنگھ نے جنتنی دی آپ نے کہا ؎

جنموں میں وہ مومن مکان لیتا ہے	نجومی بن کے جو جنتنی کا دان لیتا ہے

دلّی میں شیریں جان ایک بڑی نامی رنڈی تھی وہ حج کو چلی انہوں نے کہا ؎

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی	مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

اگر اوج کا یہ بیان صحیح مان لیا جائے کہ انہوں نے ریختے میں آٹھ دیوان کہہ لئے تھے تو انکی قادر الکلامی اور پرگوئی میں کیا کلام ہے افسوس اب انکا کوئی دیوان نہیں ملتا۔ کچھ اشعار پروفیسر آزاد وغیرہ کے لکھے ہوئے درج کئے جاتے ہیں ؎

بہاتا ہے جوشِ عشق شیریں شوں میں ونا	ہے آبِ شورِ گریہ آبِ زلال اپنا

غیر جنس ایک جگہ رہ کے جو ہوتا ہم جنس	شعلۂ آتش کا برو بال سمندر ہوتا
ہیں مچھلیاں بھووں کی جبیں پر شکن کے اندر	الٹی ہے بہتی گنگا۔ مچھلی بھون کے اندر
دنیا ہے منقلب کا اُلٹا ہے کارخانہ	ہے ٹھہر شمع واثروں۔ اس انجمن کے اندر
وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر	طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر
جب تھا زر گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں	بلبل پڑی گلچھرے اُڑاتی ہی تھی اکثر
سخن اپنا نہیں یہ اوج کچھ الہام غیبی ہے	لکھی ہے کاتب قدرت نے موزونی مقدر میں
ہے اوج مردمک دیدہ مردم آبی	نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

اوج

(اوج) آغا نواب اشرف علی خان لکھنوی۔ شاگرد آغا حجو شرف لکھنوی۔ ۱۲۷۰ھ ہجری میں زندہ تھے۔ گلدستۂ شعرائے لکھنؤ میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا۔ اُنکے اشعار کا انتخاب یہ ہے ؎

بے بہا حسن ہے وہ یوسف ثانی ادل	نقد جاں تک بھی ٹھہر جائے تو سستا ٹھہرا
خدا ہی جانے کہ کل کیا ہو تو بہ کر لیویں	زبان کہنے میں ہے ہمکو اختیار ہے آج
تمہارے گھر میں یہ کس مہ لقا کی آمد ہے	کہو تو اوج تمہیں کس کا انتظار ہے آج
جاں بلب ہوں دیر سے دم توڑنا ممکن نہیں	کس قدر غالب ہے مجھ پر ناتوانی وقت نزع

اوج

(اوج) میرزا جعفر بیگ اوج۔ بلاد شرقی کے رہنے والے تھے۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

راہ مقام یار تصور سے ہے قریب	جب آنکھ بند کی وہیں طے راستہ ہوا
چمن میں جا کے جو میکش وہ آفتاب ہوا	پیالہ گل ہوا غنچہ خم شراب ہوا
نہ پایا داغ حسرت کے سوا کچھ ہمنے قسمت میں	دل اپنا بیچ دیکھا بارہا بازار الفت میں
نہ کھیا مقتل گہ میں دیر تک جب ہمکو قاتل نے	گلا خود رکھدیا خنجر پہ ارمان شہادت میں
ترا ابرو نہیں چشم صنم میں پتلیاں زاہد	مسیح و خضر استادہ ہیں محراب عبادت میں

اوج

(اوج) مرزا محمد حسین نام۔ آپ کو حضرت عشق لکھنوی مرحوم سے شاگردی کا فخر حاصل تھا بسیط دیوان لکھا ہے۔ کلام سے خاصے مشاق اور فن عروض سے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

ہمکو زیادہ غور کا موقعہ نہیں ملا۔ ایک سرسری نگاہ میں جتنے اشعار پسند آئے انتخاب کرئے
سید حاسادا مزیدار کلام ہے ۵

خونِ ہجرم سے کیوں اب تو ہوا دل ٹھنڈا
لے تڑپ کر ہوا آخر ترا بسمل ٹھنڈا

میری بے جرمی پہ حکمِ قتل جب اُسنے دیا
شرم سے پھر گیا مُنہ خنجرِ فولاد کا

ہمسے اے بیدرد جو تونے کیا بہتر کیا
گیا زباں پر لائیے شکوہ تری بیداد کا

گزرا نہ عقبہ بازی سے اور خود گزر گیا
دیکھو کہ سر گیا پہ نہ یہ دردِ سر گیا

ترے قدم پہ دم مرا اے جان نکل گیا
صد شکر مرکے ایک تو ارماں نکل گیا

فعلِ عبث ہے کیجئے کیوں عرضِ مدعا
محرم ہے خود وہ آپ ہی اس دل کے راز کا

کل کے آنے کی قسم کھاتے ہیں وہ
خیر کچھ دل کو سہارا ہو گیا

تمام خلق میں رسوا ہوئے خراب ہوئے
اب اور اے دلِ خانہ خراب کیا ہوگا

قصدِ حرم کا کیوں کریں دیر بتاں سے کیا غرض
اپنا تو مدعا ہے تو سارے جہان سے کیا غرض

تو گزر جاتی ہے یا جی سے گزر جاتے ہیں ہم
اے شبِ فرقت سحر تک تو نہیں ہا ہم نہیں

صبا نکلے ادھر ہو کر تو روکیں ہم بشر کیا ہے
یہ باہم شور سے روز اُنکے دربانوں میں ٹھنے ہیں

نفاق کفر و دیں کیا غلط کہتا ہے تو واعظ
وہ ہیں زنار جو تسبیح کے دانوں میں ٹھنے ہیں

کب تک ترک و عیش کے ساماں میں رہیں گے
قصر آج ہے کل گورِ غریباں میں رہیں گے

یوں دل نہ کسیکا پھر ستانا
مجبور تھے ہمنے در گزر کی

(اوج) مولوی سید محمد عابد حسین خلف الصدق سید محمد احمد علی صاحب رسا تخلص مرحوم رئیس رام پور۔ تکمیل علمی کے بعد آپ کئی سال تک الموڑے کے عربی مدرسے میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد رام پور آکر ریاست میں ملازم ہو گئے چنانچہ اب مدار المہام صاحب کے اجلاس میں اہلکار ہیں۔ شعر و سخن کا مذاق بچپن ہی سے ہے آپکی طبیعت کو اس فن سے خاص مناسبت ہے۔ فنِ سخن میں اپنے والد مرحوم سے فیض

پایا ہے۔ مخدومی منشی امیراللہ تسلیم لکھتے ہیں کہ آپکی استعداد علمی معقول اور معلومات فن شعر میں دستگاہ کمال حاصل ہے۔ اس وقت آپکی عمر ۴۹۔ ۵۰ برس کی ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

وہ شوخ مسکرا کے جو آنکھیں چرا گیا
میری نظر سے کیا مرے مطلب کو پا گیا

مرتا ہوں میں غیوریٔ طفل سرشک پر
آنکھوں سے گر گیا تو زمیں میں سما گیا

بے اختیار یوں جو سر بزم رو دئے
کہئے تو اوج آپ کو کیا یاد آ گیا

میں بھی نہیں محروم کہ ساقی ہو طلب گار
جھڑکی مجھے ملتی ہے جو ساغر نہیں ملتا

اس فرط لاغری سے بس اتنا خیال ہے
ایسا نہو کہ اُٹھ نہ سکے ناز یار کا

پنجرے کی تیلیاں بھی رگ گل نظر میں ہیں
آنکھوں میں چھا رہا ہے جو عالم بہار کا

تیری ہی چشم شوخ کا صدقہ ہے بیخبر
یہ اضطراب میرے دل بیقرار کا

گنڈا بناؤں گردن مینا کے واسطے
ڈورا اگر ملے رگ ابر بہار کا

لو اوج اب تو صورت مقصود دیکھ لو
پیش نظر ہے آئینہ رخسار یار کا

یار ملتا ہے نہ کچھ عرض تمنا کا جواب
کیا کہوں ناکامیٔ تقدیر میں ہوں لاجواب

یہ تو مانا قتل عالم اک تماشا ہے مگر
حشر کے دن داور محشر کو دوگے کیا جواب

کہہ رہی ہے اُن سے میرا مدعا میری نظر
دیکھئے دیتی ہے وہ چشم سخن گو کیا جواب

کچھ خبر بھی ہے تجھے چین سے سونیوالے
کیا گزرتی ہے شب ہجر کے بیداروں پر

ایسے دمساز کے فقروں میں نہ آؤ دیکھو
اوج اتراؤ نہ اُس شوخ کے اقراروں پر

برا ہو ضعف کا وہ پوچھتے ہیں حال میں چپ ہوں
زباں کہنے کو ہے لیکن نہیں تقریر کے قابل

لئے بوسے عدو نے مجھ سے وہ بگڑے تماشا ہے
کسی سے ہو خطا ٹھیرے کوئی تعزیر کے قابل

اسی سے کچھ شب غم جی بہلتی تھی مگر ہمدم
کہاں ہوں ضعف سے اب نالۂ شبگیر کے قابل

صبا کیوں آتش گل تو نے بھڑکائی ہر گلشن میں
کوئی پھول اُڑ کے پڑ جائے نہ بلبل کے نشیمن میں

کہوں کیا رشک ظالم ہر طرح مجھ کو ستاتا ہے
تصور میں بھی پاتا ہوں اُسے آغوش دشمن میں

اِسے کیا جستجو ہے خنجرِ خونریز قاتل کی
پلانا ہے تو ساغر بھی لگا دے آپ ہی منہ سے

آنکھیں اگر لڑیں تو بشر ہوں خفا نہ ہو
بگڑو تو اپنے حسن سے بگڑو کہ ہے غضب

آہوں کے ساتھ منہ سے نکلتا ہی کیوں دھواں
آفت ہے جلے بھی کہیں دل سوزِ نہاں سے

کچھ تو دلِ بیتاب کو ہوتی ہے تسلی
قرباں میں تم روٹھ کے جاؤ نہ یہاں سے

کچھ تڑپنے ہی سے تسکین کی صورت ہوگی
چٹکیاں یوں جو کلیجے میں کوئی لیتا ہے

حضرتِ شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی
اے اجل کیوں ہیں تقاضے کہ مریضانِ قلق

تم نہ آؤ گے تو کیا پاس نہ ہوگا کوئی +
اوج ہم خلد میں کیوں جائینگے مطلب کیا ہے

آڑے نہ آتی اُنکی نزاکت تو واں مجھے
نیچے ملا کے آنکھ مجھے بت بنا گئے

وہ خوش ہیں یوں کہ اسکو اذیت ستم سے ہے
تیری بلا کو ہو دلِ اغیار سے غرض

ہم خوب جانتے ہیں خوب چھپاتے ہو ہمسے کیل
یہ چین ہو موت ہو آئے شبِ ہجراں کوئی

دل میں آ تو سہی خلوت بھی ہوئی جاتی ہے

لہو یوں دوڑتا پھرتا ہے کیوں رگ ہائے گردن میں
پڑے رہنے دے میرے ہاتھ ساقی اپنی گردن میں

تیرِ نظر نہیں ہوں ترا جو خطا نہو
اِس پیار کی نظر سے مری جاں خفا نہو

سوزِ غمِ نہاں سے جگر جل رہا نہو
اے دیدۂ تر اشک فشاں تیری بلا ہو

وعدہ تو وہ کر لیتے ہیں چاہے نہ وفا ہو
آنکھوں میں چلے آؤ اگر دل سے خفا ہو

یہی بیتابیٔ دل باعثِ راحت ہوگی
یہ اُنہیں شوخ نگاہوں کی شرارت ہوگی

میکدے میں قدمِ پاک سے برکت ہوگی
دم بھی توڑیں گے تڑپنے سے جو فرصت ہوگی

شبِ فرقت مری ہمدم مری حسرت ہوگی
گلشنِ کوچۂ دلبر میں جو تربت ہوگی

دل سے اُتارتے وہ گراتے نگاہ سے
گویا وہ منہ کو سی گئے تارِ نگاہ سے

ہم شاد ہیں کہ اُنکو تعلق تو ہمسے ہے
اے حسرتِ وصال تجھے کام ہمسے ہے

جو مدعا جناب کا طوفِ حرم سے ہے
کاش نکلے دلِ ناشاد کا ارماں کوئی

میر اذمہ جو سمجھے حسرت و ارماں کوئی

توڑ کر غنچۂ گل کس لئے خوش ہوتے ہو — یہ مرا دل ہے نہ یہ آپ کا پیماں کوئی
اوج اب داغ تمنا بھی نہیں ہے دل میں — ہائے مجھ سا بھی نہ ہو بے سرو ساماں کوئی
بغل میں اب نہ وہ دل ہے نہ دل میں وہ تمنا ہے — ہجوم یاس اس اجڑے ہوئے گھر میں در آیا ہے
بھلا ہو بیخودی دل کہ یہ تیرا ہی صدقا ہے — غم امروز ہے مجھکو نہ کچھ تشویش فردا ہے
مرا ابھرا ہوا داغ جگر ہے دید کے قابل — یہ وہ ذرہ ہے جو مہر رخ جاناں سے چمکا ہے
ترے بیمار ہجراں کو اسی سے کچھ توقع ہے — یہی درد جگر کروٹ بدلوانیکو اٹھتا ہے
جو بھرتے دیں مری آنکھوں میں چھپتے ہیں وہی مجھ سے — جو رہتے ہیں مرے دل میں انہیں کا مجھ سے پردا ہے
کہاں جاؤں کہوں کس سے کہ یہ بیتابی خاطر — کیسی شوخی چشم فسوں گر کا کرشمہ ہے
میں صدقے فائدہ کیا اس حیا سے — غضب ڈھاؤ نگاہ فتنہ زا سے
اُسے ہے آپ میری فکر اے اوج — کروں لب آشنا کیوں التجا سے
کچھ خبر بھی تجھے اے محو خود آرائی ہے — ٹکٹکی باندھ کے آئینہ تماشائی ہے
آنکھ میں ہے کبھی دل میں ہے کبھی پہلو میں — کسقدر شوخ مرا شاہد ہرجائی ہے
آہ پیری میں جوانی سے سوا ہوں غافل — نیند کیسی مجھے ہنگام سحر آئی ہے
دل کو کیا سمجھے ہو دیکھو تو کلیجا اس کا — تم سے پرکالۂ آفت کا تمنائی ہے
اوج اس دور محبت میں بسر کی ہے یوں میں — داغ کھایا ہے کبھی تیغ ادا کھائی ہے

اوج

(اوج) منشی میر محمود جان اوج۔ دہلی کے قدیم متوطن اور شیریں کلام و خوش فکر شاعر تھے۔ بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ ایک قلمی بیاض سے آپ کا کلام انتخاب ہو کر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ۵

کون ہے دوست اب یہاں اپنا — دشمن جاں ہے اک جہاں اپنا
ہزار بار گیا وہ رقیب کے گھر پہ — ہمارے پاس نہ افسوس ایکبار آیا
روانہ ہوئی جان بھی تیرے ساتھ — ترا یاں سے جانا غضب ہو گیا

اے غیرتِ مسیح ذرا چل کے دیکھ لے
کس کس طرح سے اُسکی خوشامد ہمنے کی

اتر بت ہے اب ترے بیمار کا مزاج
پایا کبھی نہ اُس بتِ عیار کا مزاج

یہ کہتا نہیں روز میرا کہا کر
عجب حال دو دن میں میرا ہوا ہے
کہوں کیا میں اُس چشمِ جادو کی باتیں
کیا ساقیا تو نے بیہوش کیسا
نہ غیروں پہ کر اے ستمگار ناز
پلا دے مئے وصل کا جام ساقی
نہیں بوسۂ لب اگر دیتے ہمکو
عشاق کو زمانہ میں دیکھا نہ بیوفا
وعدہ ہر روز کیا کرتے ہیں

گر اک دن جفا کر تو اک دن وفا کر
ذرا دیکھ تو پاس اپنے بلا کر
لڑایا مجھے آنکھ سب سے لڑا کر
مجھے جام الفت کا اپنی پلا کر
اُٹھائیں گے ہرگز نہ اغیار ناز
بھلا دل ہمارا اگر ہانے سے حاصل
ہمیں گالیاں پھر سنانے سے حاصل
معشوق میں وفا کا نہ دیکھا اثر کہیں
کب جفا کار وفا کرتے ہیں

وہ صحبت اور باتیں پیاری پیاری یاد آتی ہیں
کیا کہیں اپنے ستارہ کی ہے جو گردش کو
کیوں پھراتا ہے کو بکو ہمکو
آرزو ہے یہی خدا تجھکو
شبِ وصل کی کیا بیاں کیجے حالت
دکھاتی تھی مجھ میں اُس میں یہ صحبت
وضع کیا آپ نے نکالی ہے
یا الٰہی کیا ہوا وہ کیوں نظر آتے نہیں

بھلا میں کس طرح کہہ دوں حال یار جانی کو
ماہرو سے نہ ملایا نہ ملایا ہم کو
رہنے دے اپنے روبرو ہم کو
اُس صنم سے کہیں ملا مجھکو
سناتا تھا جتوں جتوں وہ مجھ سے خفا تھے
کبھی میں خفا تھا کبھی وہ خفا تھے
بات پیچھے ہے پہلے گالی ہے
رات دن رہتے تھے جو اپنی نظر کے سامنے

ترا دشمن جہاں ہوا جاتا ہے
آنے میں اُس جہاں جانیکی دیر ہے

جسے جان سے تو ہوا چاہتا ہے
کچھ مقدر کا ہمارے پھیر ہے

ہے شبِ مہتاب اور سامانِ عیش	گر نہ آیا ماہرو اندھیر ہے
ہے یقین وہ جانِ جاں آتا نہیں	موت کے آنے میں پھر کیوں دیر ہے

اوج

(اوج) سرتاج مرثیہ گویاں حال مرزا محمد جعفر صاحب خلف الرشید و جانشین حضرت دبیر مرحوم مرثیہ گوئی میں اپنے والد ماجد کے قدم بقدم ہیں۔ قابلیت علمی معقول رکھتے ہیں مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی ان کا آبائی شعار ہے۔ شروع محرم سے چہلم تک مختلف مقامات میں جا کر اپنے تازہ مرثیوں سے اہلِ مذاق کو محظوظ کرتے ہیں۔ ہنگام قیام لکھنؤ میں راقم کو بھی مکرمی مسٹر حامد علیخاں کے ہمراہ شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا۔ اثنائے گفتگو میں جناب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہمارا اصلی وطن دہلی ہے اور ہمارے اجداد کی سکونت قاضی کے حوض کے پاس تھی۔ چنانچہ آپ خود بھی ایک مرتبہ خاص اسی غرض سے کہ مسکن قدیم کا کچھ نشان لگائیں دہلی تشریف لائے تھے مگر انقلاب زمانہ سے اُس محلہ کی صورت ایسی تغیر ہو گئی کہ کوئی پتہ آپکے بزرگوں کے مسکن کا بہم نہ پہنچا۔ نہایت خلیق۔ خوش مزاج۔ زندہ دل بزرگ ہیں۔ سن شریف ۶۰ سال سے متجاوز ہے حضرت جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ عظیم آباد کے اوقاف سے بہ صلہ مرثیہ خوانی دو ہزار سالانہ آپکا مقرر ہے۔ اسکے علاوہ اکثر حیدر آباد دکن کی مجالس عزا کو بھی قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشتے ہیں۔ اودھ کے بعض رئیسوں اور ریاست رامپور سے بھی آپکی معقول قدر ہوتی ہے۔ فی زمانہ آپکی ذات بابرکات مغتنمات سے ہے۔ اساتذہ سلف کی آپ ایک عمدہ یادگار ہیں۔ فن عروض میں آپکو زبردست مہارت حاصل ہے۔ چنانچہ ایک مبسوط رسالہ اسی فن میں آپکی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ اب آپکے کلام گوہر نظام میں سے چند اشعار زیب تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

چار سو عالم امکاں میں اندھیرا دیکھا	تو جدھر ہے اُسی جانب کو اُجالا دیکھا
اُس پہ قرباں کہ جسنے تری آواز سُنی	صدقے اُس آنکھ کے جسنے ترا جلوہ دیکھا
خلوتِ قدس کی بے پردہ تجلی کو نہ پوچھ	شوقِ نظارہ میں صنعتِ آنکھ کا پردہ دیکھا

آنکھ جب بند ہوئی کھل گیا رازِ قدرت
شانِ معبود اندھیرے میں اوجالا دیکھا

پردہ اُٹھ جائے گا جب روئے تجلی سے کلیم
آپ خود مُنہ سے کہیں گے کہ ابھی کیا دیکھا

روئے گل رنگِ خزاں - جوشِ جنوں فصلِ بہار
چار دن کے لئے اس باغ میں کیا کیا دیکھا

اوج کج بحثیٔ اربابِ سخن سے کیا بحث
دامنِ گل کبھی کانٹوں میں نہ اُلجھا دیکھا

خواہشیں دنیا کی بارِ دوش وگردن ہوگئیں
رفتہ رفتہ منزلِ عقبیٰ کی رہزن ہوگئیں

یہ ہوا کیسی چلی اس تنگنائے دہر میں
شہر جنگل ہوگئے آبادیاں بن ہوگئیں[1]

چل بسُوئے گورِ غریباں اے حریصِ مال و زر
دیکھ کتنی آرزوئیں نذرِ مدفن ہوگئیں

کیسی رنگا رنگ شکلیں ہونگی اے جوشِ بہار
مِٹ کے جو گلگونۂ رخسارِ گلشن ہوگئیں

کھل نہیں سکتی کبھی کیفیتِ بغض و حسد
میرے آہیں پردۂ ناموسِ دشمن ہوگئیں

میرے نغموں نے جو پائی قلبِ گلشن میں جگہ
شاخِ گل پر بلبلیں بارِ نشیمن ہوگئیں

جب مرے نالے ہوئے قدِ صنوبر سے بلند
بلبلیں ساکت سرِ دیوارِ گلشن ہوگئیں

جامۂ ہستی ہوا صد چاک جب مثلِ سحر
زینتیں دنیا کی گرد اگر دامن ہوگئیں

ہو سکے عون و محمد سے نہ سر بر زرہ پوش
حق میں بیٹوں کے دعائیں ماں کی جوشن ہوگئیں

سلام

سلامی سوزِ ماتم سے نہ سرگرمِ فغاں کیوں ہو
نہوں آتش فشاں نالے تو مجلس میں دھواں کیوں ہو

حقیقت کنہ خالق کی عیاں کیونکر نہاں کیوں ہو
نہ سُننے کا تحمل ہو تو کہنے میں زباں کیوں ہو

اُسیکے لطف سے ہے ارتباطِ عالمِ امکاں
جو وہ نامہرباں نکلے تو کوئی مہرباں کیوں ہو

زمیں کیسی کہاں کے آسماں سب اُسکی جولاں ہیں
کہیں ملتا نہیں وہ بے نشاں خاطر نشاں کیوں ہو

حجابِ نور ہو یا آنکھ کا پردہ ہو جو کچھ ہو
تمہیں تم ہو اگر دل میں تو کوئی درمیاں کیوں ہو

شہادت دے رہا ہے امتزاج اپنے عناصر کا
نہو گر مرتبط کوئی تو ربطِ جسم و جاں کیوں ہو

جو آئی دوست کی جانب سے کیوں خوش خوش سر آنکھوں پر
بلا میرے مقدر کی نصیبِ دشمناں کیوں ہو

فشارِ سرزمینِ حرص بربادی کو کافی ہے
ملا کر خاک میں ہمکو نہ گا آسماں کیوں ہو

[1] لکھنؤ کی تباہی و ویرانی کی طرف اشارہ ہے جہاں زمانِ شاہی میں ۸ لاکھ کی بستی تھی ۱۲

اطاعت اور خداوند کے جب نسبت ہم ٹھہری ‖ تو اس ناچیز مشتِ خاک کا پھر امتحاں کیسا ہو

رباعی

بیہم شب ہجر نیند کھونے آئی ‖ پلکوں میں دُرِ اشک پرونے آئی

چونکا تو نہ ابتک اوج سوتے سوتے ‖ دن ڈھل گیا اور رات ہونے آئی

(اوج) منشی محمد یعقوب خلف شیخ قادر بخش مرحوم تاجر کتب گیا۔ ۲۵ برس کے قریب عمر اور تجارت وجہ معاش ہے۔ استعداد علمی خاصی ہے اکثر اخباروں کے نامہ نگار بھی ہے ہیں پہلے آپ کو ملتفی سید ضمیر الدین عرش سے تلمذ رہا اب حضرت کوثر خیر آبادی کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ طرز قدیم و جدید دونو میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ناول موسوم بہ خوابِ غفلت اور بیاض انتخاب نوبہار آپکی تصنیف سے ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے سہ

جورِ فلک سے ہائے مٹے نامیوں کے نام ‖ باقی نہیں نشان بھی لوحِ مزار کا

ابر چھایا ہے مینہ برستا ہے ‖ پہنو پوشاک آسمانی آج

گورِ غریباں

ہمنے دیکھا جب پڑی گورِ غریباں پر نظر ‖ فرش گل کے سونیوالے سو رہے ہیں خاک پر

مونس و غمخوار جتنے تھے کنارہ کر گئے ‖ آج کوئی نوحہ گر ان کا نہیں آتا نظر

فاتحہ کو بھی نہ آئے قبر تک وہ آشنا ‖ زندگی میں جو کہ رہتے تھے بہم شیر و شکر

مال و زر یونہیں پڑا رہجائے گا سب دہر میں ‖ کام آئے گا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر

ایک دن ہے خاک میں ملنا یہ سب کچھ خاک ہے ‖ دولتِ دنیا پہ نازاں کیوں ہیں انساں اسقدر

کسی غریب سے ہر دم کی چھیڑ ٹھیک نہیں ‖ سُنو سنو نہ سنو ہم جتائے دیتے ہیں

ملیں اغیار کو ہر وقت بوسے ‖ مرا دل دیکھنے کو ہائے ترسے

وفورِ سوزِ نہاں سے بسکہ پیاس مجھے ‖ خدا کے واسطے ساقی کوئی گلاس مجھے

کوئی بھی ساتھ نہیں اوج کوئے قاتل میں ‖ گئے ہیں چھوڑ کے تنہا مرے حواس مجھے

کبھی مفلس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے غنی ہوتے ‖ کبھی اہل دول کو ہمنے بے اسباب دیکھا ہے

بہت دن تک رہے ہیں اوج اس قصرِ طلسمی میں ‖ بہت کچھ ہمنے حالِ عالمِ اسباب دیکھا ہے

کیسا ہے یہ دل میں داغ کس سے کہئے	رباعی	پژمردہ ہے کیوں یہ باغ کس سے کہئے
اے کاش کوئی ادھر مخاطب ہوتا		گھر کیوں ہے یہ بے چراغ کس سے کہئے
جیسے کوئی گل توڑ کے لیجائے چمن سے		اسطرح نکالا مجھے غربت نے وطن سے
اوج ایسی خوشنما دیکھی نہ تھی چاندنی	رباعی	چار سو پھیلی ہوئی ہے آج جیسی چاندنی
جو ہیں اعلے مرتبت رہتے ہیں پستی میں بلند		خاک پر پڑنے سے کب ہوتی ہے میلی چاندنی

اوحد

(اوحد) مولنا محمد عبدالودود خلف مولینا محمد عبد الرؤف وحید - ان کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر یہ خود بمقام کلکتہ نومبر ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی - علم ادب فارسی و اردو میں ماہر اور نظم و نثر دونو پر قادر تھے - زبان انگریزی میں بھی خاصی دستگاہ حاصل تھی - اپنے والد مولانا وحید میر منشی دفتر لیجسلیٹو کونسل کے توسل سے اُسی محکمے میں مترجم ہوگئے تھے - مگر زندگی نے وفا نہ کی ۲۴ سال کی عمر پاکر ۱۸۸۲ء میں راہی ملک بقا ہوئے اِن کے والد نے ایک مرثیہ اور کئی تاریخیں نہایت پردرد اور رقت خیز انکے داغ مہاجرت میں کہی ہیں - اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

گہ دید شہر گاہ بیاباں کی سیر ہے		مت پوچھو حال اس دلِ خانہ خراب کا
زاہد پیو شراب کسی ماہ رخ کے ساتھ		صحن چمن میں فرش بچھا ماہتاب کا
فصلِ بہار صحنِ چمن یار سے بکف		کیوں زاہدو حرام ہے پینا شراب کا
ہیں حضرت وحید ولی نعمتِ سخن		اوحد ہے ریزہ چین سی عالیجناب کا
ہووے جو اُنکے روئے منور کے روبرو		ذرے سے بھی فروغ میں کمتر ہو آفتاب
دریا میں عکس آپکے رخ کا پڑے اگر		ہوجائے ہر صدف میں ہر اک گوہر آفتاب
دو آفتاب کا ہے قران وقتِ میکشی		چہرہ ہے آفتاب ترا ساغر آفتاب

اُستاد

(اُستاد) میر یار علی نام - ایک پرانی بیاض میں چند اشعار نظر سے گزرے - ان کا تمام معہ درج تذکرہ کیا جاتا ہے - مزاج میں شوخی و ظرافت خلقی تھی ؎

کریں کس منہ سے عرض اُن سے کہ عاشق ہیں تمھارے ہم
کہاں وہ صاحب حسن اور کہاں آفت کے مارے ہم

مٹا دالہ کو بہت خوف لگائے ہیں حنا کے
انھوں کو جلا دیتے ہیں شعلے کف پا کے

ہر جسائی پن اُس شوخ ستم گر کا ہے پیشہ
آشنا پشیماں ہیں بہت دل کو لگا کے

قتل وہ کرتی ہیں اب سرمئی آنکھیں مجھ کو
پہلوانی کے ارادے ہوئے بیماروں کے

ہم فقیروں کی صدا اک نہیں سنتے بیدرد
سیم بریں ہیں الٰہی کہوں زرداروں کے

شاید اغیار کے گھر سے اُنہیں ڈالی آئی
میرے بھیجے ہوئے وہ نے نہ لئے ہاروں کے

الاماں کہنے لگے دیکھ کے تیر مژگاں
ہوش اُڑے دیکھ کے ابرو کو کمانداروں کے

جب نہ تھا عشق تو کٹتی تھی مزے میں اُستاد
رات دن کٹتے تھے جلسے میں ہمیں یاروں کے

اُستاد

(**اوگھٹ**) حضرت اوگھٹ شاہ وارثی - آپ قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد کے باشندے اور سلسلۂ چشتیہ وارثیہ میں بیعت رکھنے کے علاوہ خود بھی بحر ذخار معرفت کے شناور ہیں - آپ کی تصنیف سے فیضان وارثی نام رسالہ نظر سے گزرا اُسکے مطالعہ سے یہ امر آشکار ہے کہ کہ آپکو کتب درسیہ میں عبور حاصل ہونیکے علاوہ تصوف و معرفت میں ایک خاص مذاق ہے - جب کبھی سخن گوئی کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر اسی رنگ میں کہتے ہیں - زبان ہندی سے بھی بخوبی ماہر ہیں - اور اکثر دوہے اور گیت بھی کہتے رہتے ہیں - اب آپ کے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ؎

کرامت یہ بھی ہے پیر مغاں کی
کہ زاہد نے در میخانہ دیکھا

بوسۂ رخ کا جو میں سائل ہوا
ہنس کے بولے تو بھی اس قابل ہوا

خدا شاہد ہے نہیں تقصیر میری
ہوا دل خود بخود مائل کسی کا

چھوڑ کر بسمل گیا پر ہم یہ سمجھا نہ ہائے
دل میں ارمان شہادت یہاں لیجائیگا

دل کا عالم عاشقی میں کیا کہوں کیا ہو گیا
رخ [illegible] کا کعبہ ہو گیا

جو غنیمت کو دل لگی سمجھے
اُس سے [illegible] دل لگانا تھا

یہ تیری آنکھ ہے یا بادۂ وحدت کا ساغر ہے
ہوا بیہوش و بیخود جسکو تونے اک نظر دیکھا

سُنا ہے شیخ جی آئے ہیں کعبے سے چلو چھپیں
نظر آیا خدا بھی یا خدا کا خالی گھر دیکھا

گلی میں اُس ترک جبیں کے عجیب یہ انقلاب دیکھا
نماز ہندو کو پڑھتے واعظ کو ہنسنے پیتے شراب دیکھا

غنی ہے وہ مست نازمیرا ہے اُسکی سرکار لاؤبالی
کبھی کرم ہے کسی پہ بیجا کبھی کسی پہ عتاب دیکھا

ہے خالق ایک ہی سے بت یہ اپنی قسمت ہے
تو بے نیاز ہوا میں نیاز مند ہوا

لحد پہ آیا جو بعدِ مردن لگا کے ٹھوکر یہ بولا اُٹھ کر
اسی پہ دعویٰ تھا عاشقی کا کہ بھاگ کے دنیا سے منہ چھپا کر

عشق رہبر ہے پیشوا ہے عشق
اپنی کشتی کا ناخدا ہے عشق

مکیں بھی ہمیں لامکاں بھی ہمیں ہیں ✣
کسی بے نشاں کے نشاں بھی ہمیں ہیں

برہمن بھی آوازِ ناقوس بھی ہم
موذن بھی ہم ہیں اذاں بھی ہمیں ہیں

ہمیں بت پرست اور ہمیں بت شکن ہیں
ہمیں بُت ہیں محبوبتاں بھی ہمیں ہیں

فنا و بقا کا بیاں کیا ہو اودگھٹ
نہیں بھی ہمیں اور ہاں بھی ہمیں ہیں

کُھل گئی اپنی حقیقت جس کو وہ
جزسے کل قطرہ سے دریا کیوں نہو

یہ دل ہے وہ مکاں جو لامکاں والے کی منزل ہے
وہ لیلیٰ ہے اسی میں یہ اُسی لیلیٰ کا محمل ہے

ایک خوش رو سے محبت ہوگئی
دل لگی کی اچھی صورت ہوگئی

ہمکو کیا خوش رو جہاں میں لاکھ ہوں
ہوگئی جس سے محبت ہوگئی

لاکھ پردہ کیجئے ہوتا ہے کیا ✣
آپ کی ظاہر حقیقت ہوگئی

سنتے ہیں واعظ کی میخانے میں آج
رہن دستارِ فضیلت ہوگئی

رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیا ہمنے
بتوں کو سجدہ کیا جا نکر خدا ہمنے

بتوں کا عشق ہوا جب نصیب اے واعظ
کہ مدتوں کیا پہلے خدا خدا ہمنے

اویس

(اویس) منشی میر ناصر علی اویس بلگرامی خلف اکبر میر غلام علی مغفور آپنے اپنے چچا میر حیدر علی کی زیرنگرانی تعلیم و تربیت پائی عنفوانِ شباب سے فنِ سخن کی طرف توجہ ہوئی مگر

زیادہ تر مرثیہ گوئی کا شوق رہا ۱۸۵۹ء میں آپ کا مجموعہ مراثی شائع ہوا تھا - چند بند بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں - ان سے آپکی طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

طوبیٰ و خلد و کوثر و تسنیم و آسماں
آب و ہوا و آتش و گل دشت و بوستاں
ذرات ریگ و اختر و مہر و مہ کتاں
درباں خلد و حور و ملک گلشن جناں
یہ سب مطیع امر امام جلیل ہیں
کعبہ پکارتا ہے یہ حق کے خلیل ہیں

وہ کھیت پڑا دشت ہوا خون کا تھالہ
بچہ بچہ گئے بیدل ہوا پامال رسالہ
لشکر دہن موت کا تھا ایک نوالہ
کہنے کو تو ناگن تھی یہ پھا منہ میں نہ چھالہ
دم وہ تھا کہ اژدر بھی دبک جاتے تھے اس سے
موذی نہ کبھی جانکی اماں پاتے تھے اُس سے

ہاں اے زمین نظم فلک سے بلند ہو
ہاں اے ورق ضیا میں قمر سے دو چند ہو
اے کلک نور طور سے تو بہرہ مند ہو
ہاں سطر بہر صید مضامیں کمند ہو
ہاں ہر ورق یہ خازن جنت نثار ہو
ہر جزو ہشت خلد کی زیب بہار ہو

(اویسی) منشی غلام محی الدین خاں متوطن سرہند - حضرت سید حسن رسول نما صاحب کے خاندان کے مرید اور مرد قابل و ذہین - صاحب فکر سلیم - خوشنویس کامل اور درویش سیرت بزرگ تھے قرآن شریف کی ایک تفسیر نظم میں خوب لکھی تھی جس میں طرح طرح کے صنائع بدائع ملحوظ رکھے تھے - اُردو - فارسی - عربی - تینوں زبانوں میں داد خوش کلامی دیتے تھے - تذکرۂ شوق کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت تھے شیفتہ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے اور ان کا دکن جانا بھی درج کیا ہے ؎

دل کی چوری پہ ترا خال ہے کالا کالا
لے گیا قد ترا لیکن اُسے بالا بالا
یک طرف تھی نگہ چشم جو چبھی دل میں مرے
دوسری ہر مژہ کرتی اُٹھی بھالا بھالا
ذکر و شغل اب تو اویسی کا یہی آٹھہرا
پہ کٹی رونے میں کچھ تیری حکایات میں رات
لائق تر ہے ہم تو کہیں سیر و سفر کے
جوں نقش قدم جا نشیں ہیں ترے در کے

ہم اپنے تجمل میں نہیں آپ کو پاتے کس طرح چھوڑ سکوں تیری گلی کو جانا	جس دن سے ہوئے محو میاں تیری کمر کے سر اگر جائے تو جاوے یہ قدم رکتا ہے
اس آفتاب سے چہرہ پہ زلف سے کالی تین[۵۱] روز عید بھی قرباں کیا نہ میرا دل	پناہِ سوختگاں مدظلہ العالی ہزار حیف یہ ذی الحجہ یوں ہی گیا خالی

ایاز

(ایاز) منشی عبد العلی - حیدر آباد دکن کے نو مشق موزوں طبع نوجوانوں میں ہیں - مولانا حالی کے جشن جوبلی نظام پر حیدر آباد تشریف بری کے موقع پر آپنے ایک نظم اُن کی ستائش میں لکھی تھی - اُسکے چند بند بطور نمونۂ کلام حاضر کئے جاتے ہیں ؎

	در وصف مولانا حالی	
یہ وہ حالی ہیں جنکی آج شہرت ہے زمانے میں انھیں کی کوششیں ہیں قوم مردہ کے جلانے میں ہر اک شعر انکا قومی سوز کا دمساز ہوتا ہے یہ وہ حالی ہیں جو پیدا کریں امرت کو زہروں میں معانی کی جگہ جادو بھرا ہے انکی بحروں میں انھیں کے نام کا حالی کلب قائم ہے لندن میں مسلّم شاعرانِ ہند میں ہے انکی اُستادی انھیں نے شاعری کو قید سے دلوائی آزادی مؤثّر نظم دلکش شعر درد انگیز مضمون ہے		زمانہ ان کا قومی راگ گاتا ہے ترانے میں انھیں کی شاعری کی روح ہے قومی فسانے میں ہر اک ساز اُسکا قومی راز کا ہمراز ہوتا ہے ہیں اِنکے نام کے قائم کلب یورپ کے شہروں میں مہذب لیڈیاں گاتی ہیں جنکو اپنی لہروں میں انھیں کی نظم کے تو ترجمے ہوتے ہیں سپین[۵۲] میں نئی نظموں کا رکھا ہے انھیں نے سنگِ بنیادی ہیں قدرت کے مناظر شاعری میں انکی ایجادی زباں میں انکے جادو ہے قلم میں انکے افسوں ہے

ایجاد

(ایجاد) شاہزادہ مرزا رحیم الدین گورگانی - تلمیذ رشید صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر صاحب تذکرہ گلستانِ سخن مرزا حسین بخش کے بیٹے بڑے خلیق اور ملنسار آزاد منش نوجوان تھے - غدر کے زمانے میں ۲۵ - ۲۶ برس کے سن میں پھانسی پائی - فن سخن میں طبیعت نہایت رسا اور عالی پائی تھی - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

بتخانہ میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا	اے زاہد ناداں تجھے کیا میں کہیں تھا

[۵۲] پرتگال کے دار الخلافہ کا نام ہے ۱۲ [۵۱] یعنی تو نے ۱۲

ہر چند کے میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
ہے ہے غلط اندازئے عیارِ ستمگر
اب آئے وہ اب جاں کو ہوئی میری تسلی
دیکھو تو مری ضد کہ کسی شب وہ ستمگر
دو دن میں ہوا حال یہ اُسکا کہ مری جاں
شب جاکے وہاں اپنا تو کچھ دل سا بھر آیا
لب اُسکے زخموں پہ چھڑکا کیا نمک جوں جوں
لے اب جنازہ یہ ایجاد کے تو چل ظالم
تیرے خنجر کے شکر نے قاتل
اس فصل میں کھو لینگے جو زنداں کے در کو
یہ باتوں میں بہلائے وہ دل چھین کے لیجائے
ہمکو نہ اُٹھا بزم سے اپنی کہ میری جاں
لگے ہم سے نظر اپنی چُرانے
سبب سمجھا جو بیماری کا وہ شوخ
نظر کی برق مجھ پر ہی گرے گی
ظالم ہیں سزاوار تو کچھ لطف کے ہم بھی
سکھایا دخترِ رز کو منہ چھپانا
جتنی ہو پلا دے کہ پیاسا ہوں میں ساقی
کرتے ہیں میرا چارہ غم جس قدر ایجاد
کتنا ہی کروں خشک پہ یہ دامن تر ہائے

پر دل وہ بلا ہے کہ جہاں تھا یہ وہیں تھا
جس جا پہ میرا دھیان گیا واں وہ نہیں تھا
تھا دھیان یہ اور لب پہ دمِ بازپسیں تھا
آیا بھی تصور میں تو دشمن کے قریں تھا
دیکھا تو وہ ایجاد ہی گویا کہ نہیں تھا
سب تجھے تری محفل میں پر ایجاد نہیں تھا
نگاہ دلبہ کیا کی سناں گزاری رات
تری ہی یاد میں تھا وقتِ دم شماری رات
کی ہے زخموں سے سو زباں ایجاد
مرجائیں گے دیوانے ترے پھوڑ کے سر کو
کیا یاد ہیں ڈھب لب کو تیری اور نظر کو
ہم آپ ہی بجھ جائینگے جوں شمع سحر کو
وہ سمجھے جس گھڑی لطفِ نظر کو
نہ آیا پھر کبھی میری خبر کو
وہ دیکھے گو ادھر کو یا اُدھر کو ✣
دیکھو کبھی تم ایک نگہ سے ہی ادھر کو
کوئی کیا روئے جانِ شیشہ گر کو
ظالم میں سمجھتا نہیں کم اور زیادہ
اُتنا ہی یہ ہوتا ہے الم اور زیادہ ✣
خجلت سے ہوا جاتا ہے نم اور زیادہ

(ایجاد) شیخ الٰہی بخش ایجاد ساکن صاحب گنج علاقہ گیا شاگرد مولانا کوثر خیر آبادی معمولی لیاقت

ایجاد

کے تجارت پیشہ آدمی ہیں۔ اب ۳۲ برس کی عمر ہے اور کم و بیش ۱۲ برس سے شاعری کا شوق ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

ہیں وہ میکش مفلسی میں بھی نہ چھوٹی میکشی
رہن دو پیالوں پہ ہمنے حوض کوثر رکھدیا

مئے گلرنگ سے ساقی چھکا دے
گھٹا چھائی ہے اُودی آسماں پر

یہ کہہ کے رُخ سے وہ پردہ اُٹھائے دیتے ہیں
تجھے بھی طور کا عالم دکھائے دیتے ہیں

دیکھنے والوں سے پردہ کہیں ہو سکتا ہے
نگہ شوق نے روزن کئے دیواروں میں

اسطرف رُخ تری رحمت کا جو دیکھا دم حشر
ملگئے دوڑ کے زاہد بھی گنہ گاروں میں

وہی ہم ہیں کہ ہنسنے پڑتے تھے بلبل کی فغاں سُنکر
وہی ہم ہیں کہ اب دن رات لب پر آہ و نالے ہیں

نہیں جس بات پر ہوگی قیامت تک نہیں ہوگی
خدا اس ضد کو رکھے اب وہ کسکی سننے والے ہیں

کسیکی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دئے ہمکو
جگر میں ٹیس - دل میں درد - لب پر آہ و نالے ہیں

چھپائے مُنہ جناب شیخ نکلے بزم رنداں سے
انہیں کی دُھوم تھی پہلے بڑے اللہ والے ہیں

لگا کر دل کسی سے جان ہے ایجاد آفت میں
امید وصل کیسی زندگی کے اب تو لالے ہیں

ناتوانی سے بیٹھتے اُٹھتے
جو پسند آئے ملیئے ہاتھوں میں

لب تک آتی ہے آہ مشکل سے
خون عاشق بھی ہے حنا بھی ہے

ایجاد

(**ایجاد**) منشی سرفراز علی ایجاد باشندہ رودلی اودھ یہ آپکا کلام ہے ؎

درد کہتا ہے کہ ہوں ضبط فغاں تک ملیں
ساتھ نالوں کے میں کانٹا سا نکل جاؤں گا

صدمۂ ہجر یہ کہتا ہے کہ جلدی کیا ہے
جان لے لونگا تو پھر دل سے نکل جاؤں گا

ہزاروں حسرتیں رہتی دل میں
ہے گھر چھوٹا سا گنجایش بڑی ہے

رو کے ہمنے جو کہا جاں ہی اب دیدینگے
ہنسکے وہ بولے کہ نقصان ہمارا کیا ہے

عاشق حسن بتاں ہوں اے جناب شیخ میں
مجھ سے ذکر کا فرد دینداری رہنے دیجئے

بن چکیں باتیں بس اب تکرار رہنے دیجئے
بوسۂ لب ہو عطا انکار رہنے دیجئے

ایجاد

(ایجاد) مولوی قمرالدین صاحب بھوپال سے ایک رسالہ آپ کی زیر نگرانی شائع ہوا کرتا تھا یہ آپ کا کلام ہے ؎

آئے نہ وہ تو بھیجدیں آنکھیں نکال کے
ہم نے نیا علاج کیا انتظار کا

دل نے بھی آہ اُن سے میرا حال کہدیا
اب اعتبار کیا ہو کسی رازدار کا

ہم نے نہ پی شراب جو قحطِ شراب میں
اللہ نے ثواب دیا روزہ دار کا

ایرن

(ایرن) مسٹر ایرن جیکب۔عیسائی مذہب اور گورکھپور کے رہنے والے ہیں۔شاید حضرت ریاض سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔بہرحال یہ اُنکے کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

ہاتھ میں سبحہ ہے لب پر ہے ترا نام اے بت
بس یہی دیں ہے میرا یہی ایماں میرا

خبر اسکی نہیں کیا ہوگیا دل
مگر یہ یاد ہے پہلو میں تھا دل

ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے
یہ ظلم اوکماندار کیا ہو رہا ہے

یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہے اے دل
خبردار کسکا گلہ ہو رہا ہے

لگی چوٹ ایرن کے دل پر کیسی
کہ ہر وقت ذکرِ خدا ہو رہا ہے

محبت کے رکھنے کے قابل یہی ہے
حسیں جسپہ مائل ہو وہ دل یہی ہے

مرے بت سے اچھی سہی حورِ جنت
مگر پیار کرنے کے قابل یہی ہے

نکلتی کسطرح سے دیکھ جائیں جانِ بسمل کی
نظارہ ہو دم آخر بر آئے آرزو دل کی

ستم ایسا نہ کر اے باغباں فصلِ بہاری میں
گرائیں بجلیاں ایسا نہو آہیں عنادل کی

ایما

(ایما) میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علیخاں۔صبیہ زادہ خوشحال خاں قاقشال۔عالمگیر بادشاہ کے عہد کے حضور رس امیروں میں تھے۔دولت و تمول کا یہ حال تھا کہ ایک بنگلہ جواہر سے مرصع تیار کرایا تھا جس پر حضورِ شاہی سے موردِ عتاب ہوئے۔شوخ طبعی خلقی تھی۔دکن آپ کا مولد تھا اور وہیں زندگی کے دن پورے کئے۔علم ہندی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔نواب نظام الملک آصفجاہ کے قدرشناس و ہمعصر تھے۔ریختہ میں کبھی ایما اور کبھی عاشق تخلص کرتے تھے۔یہ

آپ کا کلام ہے ؎

طبیبِ عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا
کہا تجھ پر بھلا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا

وقتِ بد میں کیا کسی سے ہو رفاقت کی امید
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سایہ سا رفیق

رزالا یا جب بولا میرا آنا روپے پر ہے
تو ہم بولے کہ مُنہ دیکھو روپے کے سولہ آنے ہیں

عاشق نہیں ہے تجکوں کچھ خوف معصیت کا
موئے چلتے رضا سین ہیں گے امام ضامن

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں
لیک مُنہ دیکھی آشنائی ہے

کیوں نہ گھر آوے وہ کماں ابرو
واسطے جسکے کھینچے ہیں چلے

ایما

(ایما) میر حسین علی خاں مغفور۔ باشندۂ اورنگ آباد دکن۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک والی دکن کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک اور پانسو روپے ماہوار کے وظیفہ خوار تھے۔ شعر ریختہ کا شوق حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ مہاراجہ چندولال دیوان دکن کی قدردانی سے ہم عصروں میں ممتاز اور ہمیشہ مورد انعام واکرام رہے۔ نہایت خوش تقریر وشیریں کلام بزرگ تھے۔ حضور نظامِ وقت کی فرمائش سے فی البدیہ یہ تضمین کی تھی جو درج ذیل ہے۔ ۶۰ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۳۰ھ ہجری میں راہیٔ ملک بقا ہوئے ؎

ایما میں ساکنانِ چمن سے کیا سوال
ہم بھی تو تھے خزاں میں تمھارے شریک درد

کیفیتیں بہار کی ہم سے بھی کچھ کہو
اردی بہشت دو دہی کی ہوئی کسطرح نبرد

غنچہ نے مسکرا کے دیا چٹ وہیں جواب
تو نے سُنی نہیں کسی اُستاد کی یہ فرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

ایما

(ایما) حکیم سید حسن ایما شاگرد نواب فصیح الملک داغ دہلوی یہ خود دہلی کے متوطن ہیں مگر مدت مدیدہ سے کلکتہ میں قیام رکھتے ہیں گلدستہ نتیجہ سخن میں کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا ؎

حال بیتابیٔ دل لختِ جگر کہتے ہیں
چلی آتی ہے خبر آنسوؤں کے تاروں پر

یہ لبِ زخم تیری تیغ کا بوسہ لیں گے	بدگماں ایسا گماں اپنے نمک خواروں پر
حضرتِ ایماؔ درِ جاناں وہ آتا ہے نظر	دیکھو ہمت کو نہ ہارو آ چلے منزل کے پاس
ٹھیک بیٹھا جگر پہ تیرِ نگاہ	بل بے ظالم تری نظر کی تلاش

ایمان

(ایمان) شیر محمد خاں خلف محمد عاقل نایک۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے دورانِ حکومت میں حیدرآباد کے شعرائے مشاہیر میں شمار کئے جاتے تھے۔ اخبار نویساں ریاست کے زمرہ میں تعلق تھا۔ سرزمین ملکِ دکن کے حالات سے واقفیت کامل حاصل تھی۔ عروض و قافیہ سے خوب ماہر تھے۔ اور اکثر اشعار میں ضلع جگت کی طرف طبیعت کی توجہ مبذول رہتی تھی۔ ایک رسالہ جگت اور مثنوی برسات اِن کی یادگار ہے۔ شطرنج بھی خوب کھیلتے تھے۔ امیرالامرا وزیر اعظم کی مصاحبت میں اکثر رہتے تھے۔ سنہ [illegible]ھ میں وہیں انتقال کیا۔ یہ اِن کا کلام ہے ۵

جو داغ ہے دل کا سو برنگِ پرِ طاؤس	ہو کیوں نہ خجل دیدۂ تک پرِ طاؤس
روا ہے کون سے مذہب میں یہ اے عشقِ نامنصف	دلِ پرویز خوش ہو خاطرِ فرہاد محزوں ہو
مئے گلگوں کا جو دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے	ٹپک پڑتا ہے خونِ دل مرا ایمانؔ آنکھوں سے
قدرِ یاقوت نہیں لختِ جگر کے آگے	ابر بھی پانی بھرے دیدۂ تر کے آگے
ہے بناگوش سے شرمندہ ترے آبِ گہر	شمع کو تاب نہیں نورِ سحر کے آگے
سرمہ گر چشم سے اپنی وہ خوش ابرو پونچھے	گردِ خجلت کو سدا دیدۂ آہو پونچھے
آستیں کا میں کسیکی نہوا دستِ نگر	میرے ہی ہاتھوں نے آخر مرے آنسو پونچھے

ایمان

(ایمان) منشی محمد علیخاں ایمان مقیم شکارپور ضلع بلند شہر۔ آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے ۵

ناآشنا بھی ہیں یہ صنم آشنا بھی ہیں	بندے بھی ہیں خدا کے یہ کافر خدا بھی ہیں
مٹا دو ہمارے نشانِ لحد کو	نہ چھوڑو زمیں پر نشانی ہماری
مٹاؤں تجھے دل سے کیا داغِ ہجراں	وہ پوچھیں گے کیا کی نشانی ہماری

ایمان

(ایمان) نواب تجمل حسین خاں رئیس مدراس جناب جلال لکھنوی سے مشورۂ سخن فرماتے ہیں ۵

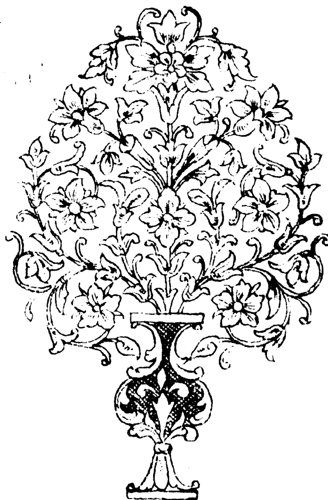
دیکھو ڈہنگ اُس پری شمایل کا	روز خواہاں ہے اِک نئے دل کا
بوسہ ملجائے روئے قاتل کا	خونبہا ہے یہی مرے دل کا ✦
اثر ہوتا جو کچھ اپنی وفا میں	گئی کرتا وہ ظالم کیوں جفا میں
نہیں مُدت سے دل پہلو میں ایماں	بتوں کو دیدیا راہِ خدا میں

ایمن

(ایمن) حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری - دور موجودہ کے شاعر ہیں - یہ آپکا کلام ہے ۵

ہائے رو رو کے جتانے پہ یہ ان کا کہنا	روٹھ کے ہمسے چلے ہیں یہ منائیں کیونکر
ناتوانی کا یہاں عذر نزاکت کا وہاں	وہ نہیں آتے تو ہم ہوش میں آئیں کیونکر
تم جفا کیش عدو چرخ فغاں بے تاثیر	آرزوئیں دلِ مضطر کی برآئیں کیونکر
خون منظور ہے عاشق کی تمناؤں کا	آپ مہندی شب وعدہ نہ لگائیں کیونکر
تُوہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا	لگ گئی آتشِ غم دلمیں بجھائیں کیونکر







ب

بادشاہ

(بادشاہ) میر بادشاہ علی نام دہلی کے متوطن اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں حیات تھے ؎

بلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار	اے گلِ رعنا ترے دامن پہ کیوں لپٹے ہیں خار
گل نے کر چاکِ گریباں یوں کہا رو رو کے حال	چشمِ گل کو نوکِ مژگاں کی جگہ ہے نوکِ خار

باران

(باران) منشی سید ولایت علی باشندہ بلند شہر۔ علمی استعداد رسمی اور ایک خوش گو شاعر ہیں بلند شہر اور اُسکے نواح میں خاصی شہرت حاصل ہے۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

جو کہئے اُن سے مشاقِ جفا تم ہوتے جاتے ہو	تو فرماتے ہیں شوخی سے کہ ہاں ہاں ہوتے جاتے ہیں
لگا تا ہے نشانہ کون سا ناوک فگن دل میں	نکل کر تیر جنگی سے رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں
بہار آتی ہے شاید۔ پھر وہی شورش ہے سینے میں	کھل جاتی ہیں باچھیں زخمِ دل نگت بدلتا ہے
خزاں بھی ہو چکی اور فصلِ گل بھی جا چکی آکر	یہ نخلِ آرزو کیا جانے کس موسم میں پھلتا ہے
نہ ملئے وصل کا وعدہ نہ کیجے خیر کیا ڈر ہے	مگر یہ بھی سمجھ لیجے کہ ہونا ہو کے ٹلتا ہے
سرِ محفل یہ کیسا کاٹ نا مڑ کر ان انکھیوں سے	یہ کیسی بجلیاں گرتی ہیں خنجر کس پہ چلتا ہے
پھر وہی بے باکیاں پہلی سی دکھلاتے لگے	پھر مجھے چھیڑا تصور میں مرے آنے لگے

بارق

(بارق) مرزا مظفر حسین بیگ نام ہے۔ مرزا صفدر علی بیگ رسائیدار اسٹنٹ نظام کے صاحبزادے ہیں۔ خود بھی فوجی ملازم رہ چکے ہیں۔ اصل میں ضلع علی گڑھ کے رہنے والے ہیں مگر اب عرصۂ دراز سے حیدر آباد دکن میں مقیم اور قلعۂ گول کنڈہ کے مدرسہ میں فارسی کے مدرس ہیں۔ امامیہ مذہب ہے۔ اہل و عیال کے جھگڑے سے آزاد و رتن تنہا مزاج میں وارستگی اور بے تکلفی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ طبیعت میں سپاہیانہ جوش و خروش پایا جاتا ہے ساتھ ہی شوخ طبعی بذلہ سنجی سے ہر دل عزیز اور یار شاطر ہیں۔ پچاس برس کے قریب عمر ہے۔ فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مستفید اور اُنکے عقیدت مند شاگردوں میں ہیں۔ حضرت

داغ بھی اِن پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے کلام میں شوخی - صفائی - پختگی - جدت - روانی - سب کچھ موجود ہے جیسا کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

شکوہ بیجا ہے بے وفائی کا — یہ تو شیوہ ہے دلربائی کا
سب میں مشہور ہو گئے کافر — اور دعوے کرو خدائی کا
حشر میں ہے خدا بھی وہ بت بھی — اب ہے موقعہ مری دوہائی کا
کیا زمانہ ہے یہ کہ ہے دشمن — باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا

اس حسن پہ بھی اُس کو دئے ناز و ادا اور — سچ یہ ہے کہ بھرتے ہی کو بھرتا ہے خدا اور
بسمل میں ہے گر جاں تو پھر دیکھتا کیا ہے — تیغ نگۂ ناز کا ایک اور وار لگا اور
ساتھ اس بتِ کافر کے خدائی ہے خدایا — مجھ عاشقِ بیکس کا نہیں تیرے سوا اور
بھر زاہد میکدے سے لے چلیں رند شراب — لاؤ کوئی صاف ستھرا پاک برتن دیکھکر
صبح کعبے میں گزرتی ہے تو شب کو دیر میں — دنگ ہیں مذہب مرا شیخ و برہمن دیکھکر
آؤ بس مل لو اب چھوڑدو رنج و ملال — لوگ ہنستے ہیں تمہاری میری ان بن دیکھکر
رسا گردوں تک آہیں ہیں قریبِ عرش نالے ہیں — تری فریادیوں کے آجکل تو بول بالے ہیں
بری باتوں کا ان کی پھر برا مانے کوئی کیونکر — کہ وہ تو گالیاں دے کر دعائیں لینے والے ہیں
جو دنیا میں نہیں ملتے وہ محشر میں ملینگے کیا — یہ سارے عہد و پیماں آپکے حیلے حوالے ہیں
کبھی مطلب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے — ہمارے دیکھے بھالے ہیں وہ جیسے بھولے بھالے ہیں
یہ تم ہر بار کسکو کھینچکر خنجر ڈراتے ہو — وہ کب مرنے سے ڈرتے ہیں جو تیرے مرنے والے ہیں
عشق چھوٹا ہے نہ چھوٹینگے کبھی اے ناصح — اس بہلنے ہی سے آجائے جو موت آنی ہے
تیرا بیمار مسیحا کی دوا کیوں کھائے — اس کو منظور تو جنت کی ہوا کھانی ہے
آپ کا وعدہ وفا ہوگا ضرور — گر قیامت تک سلامت ہم رہے
دو روز تو جینے دو جوانی میں خوشی سے — کیا تم یہ فدا ہو کے میں مرجاؤں ابھی سے

طالب نہیں ہوتے کبھی اسکے وہ خوشی سے
رکھئے کبھی امید نہ دنیا میں کسی سے
خنجر سے کریں قتل کہ تلوار سے تجھکو
دیکھی فلک پیر کی جب سفلہ نوازی
وصل کا کرتے ہی آنکھ اُسکے اشارہ لیکن
حضرت زاہد اگر دیندار ہیں
شوخیوں کا دلِ بیتاب کی وہ قائل ہے

دل دیتا ہے انسان اُنہیں آپ خوشی سے
بگڑی ہوئی بندے کی سنورنی ہے اُسی سے
میری وہ سزا پوچھتے ہیں آج مجھی سے
نفرت ہوئی دل کو مری ثروت طلبی سے
قائم اقرار پہ رہتے ہیں کہیں متوالے
میکشوں ہیں کون دنیادار ہے
یہ تو بجلی ہے اسے کون کہے گا دل ہے

بارق

(بارق) حکیم میر عنایت حسین لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؏

مرا ہر اشکِ غم ہے ایک نعش حسرت مردہ
نیازِ عشق اسی نامنصفی کا نام ہے ایدل

قطار نخلِ ماتم کا ہے شک مو ہائے مژگاں پر
خود اپنی جان دینا اور دعویٰ ناز جاناں پر

بازغ

(بازغ) ابوالحیات محمد عبدالحی بازغ فرزند حاجی حافظ محمد حسین فارغ سابق سرگروہ فوج کوتوالی بلدہ حیدرآباد - مرزا منیرالدین گورگانی ضیاء دہلوی کے شاگرد اور سرکار نظام کے وظیفہ خوار ہیں - طبیعت اچھی پائی ہے - زبان اور بندش کا خیال رکھتے ہیں یہ شعر انکے ہیں ؏

جا گزیں ہے جب سے زانوئے بتاں پر آئینہ
اپنی صورت دیکھنے میں اتنے مستغرق ہیں وہ
نرکھ لباس کا اولجھاؤ تن پہ دستِ جنوں
لحد پہ میری آکے وہ کہہ رہے ہیں ہائے
وہ حُسن سے ہیں مست تو ہم عشق میں بیخود
لے لیجئے جو آپ کی منظورِ نظر ہے

ہو گیا ہے روکش خورشیدِ خاور آئینہ
آئینے کے سامنے بیٹھے ہیں بنکر آئینہ
کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی
کسی کی خبر بھی ہے ملے سونے والے
پروا ہے دو عالم نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے
یہ جان یہ ایمان ہے یہ دل یہ جگر ہے

باسط

(باسط) منشی سید باسط علی صاحب انکے والد کا نام سید محمد علی تھا آپ رمضان ۱۲۹۹ھ کو پیدا ہوئے - نھٹوار ضلع بارہ بنکی کے متوطن ہیں - ۱۵ - سال کی عمر سے شعر گوئی کا شوق ہے

آجکل ریاست بھٹوامؤ ضلع سیتاپور میں راجہ صاحب کے رشتہ دار ہیں - اوائل میں چند غزلیں منشی علی محمد صاحب آزم کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے رجوع لائے یہ کلام ہے ؎

مجھسے کیا پوچھنے جو حشر کے دن کیا ہوگا — سب کو آنے کا خدا یاد کچھ ایسا ہوگا

کسیلئے وعدۂ فردا پہ صبر کیا معنی — ہمیں تو اپنے ہی جینے کا اعتبار نہیں

کرو رقیب کے ملنے سے تم ہزار نہیں — خطا معاف مگر ہم کو اعتبار نہیں

بسمل تو ہزاروں ہی ترے آئے نظر میں — دیکھی نہ کبھی تیغ بندھی تیری کمر میں

فرقت میں یہ لیلی کے تصور کا تھا عالم — تاریک شب و روز تھے مجنوں کی نظر میں

اے پیر فلک شمس و قمر پر ہے تجھے ناز — داغ ایسے ہیں صد ہا مرے اپنے سے جگر میں

وہ آتے ہی رہے شب وعدہ کہ ہوگئی — صبح قیامت آج شب انتظار میں

کہتے ہیں قتل کیا اس لئے ہمنے تجھ کو — خوں میں دیکھیں ترے رنگ حنا ہی کہ نہیں

آنکلتے ہیں وہ جب گور غریباں کی طرف — بیکسی بڑھ کے بتا دیتی ہے تربت میری

باطن

(**باطن**) حکیم میر قطب الدین مولف تذکرہ گلستان بیخزاں و شاگرد نظیر اکبرآبادی گو آپ نے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بیخار کے جواب میں یہ تذکرہ لکھا مگر افسوس کہ وہ بھی اُن عیوب اور نقائص سے پاک نہیں نکلا جو انہوں نے شیفتہ مرحوم کے تذکرہ میں نکالے تھے - آپ میاں کالے صاحب دہلوی کے مرید تھے - دیوان اور مثنوی غم دلربا ان کی یادگار ہیں - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

جی گیا مرنے سے مرنے نے جلایا مجھ کو — ملک الموت مرے حق میں مسیحا آیا

آنکھوں میں رہتے دلمیں جگہ کرتے بےحجاب — پردہ نشین تھے آپ تو پردہ کہاں نہ تھا

ترے در سے خالق انس و جاں جو ملی تو لوں میں بلا طلب — دہ چلے یہ پائے ہوس طلب بڑھے یہ دست طالب

ضبط کے معنی ہیں یہ کرتے نہیں ہم منہ سے اُف — شورش ہنگامۂ محشر ہمارے دل میں ہے

ہر اک جانب ظہور نور روئے یار جانی ہے — کہاں ارنی کہاں موسیٰ کہاں کی لن ترانی ہے

باقر

(**باقر**) میر باقر علی ولد میر علی حسین۔ حکیم مومن خاں وغیرہ کے ہمعصر تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں مدت تک لاہور اور اطراف پنجاب میں رہے۔ شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی اور اچھا کہتے تھے اُن کا کلام یہ ہے ؎

تجھے تو مشغلہ اغیار سے رہا تا صبح	تری بلا سے کسیکو گر انتظار رہا
اگر وہ شب کو نہ آئے تو کیا کیا ہم نے	یہی نہ اُن کے نہ وعدہ کا اعتبار رہا
چکھا ئینگے تجھے نازک مزاجیوں کا مزا	اگر ذرا ہمیں دل پر کچھ اختیار رہا

باقر

(**باقر**) اعتضاد الدولہ سید محمد باقر علی خاں برادر خرد ذوالفقار الدولہ ولد سید محمد تقی علی خاں شاگرد مرزا مظفر علی ہنر واجد علی شاہ کے زیر سایہ مٹیا برج (کلکتہ) میں رہتے تھے۔ تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے۔ صاحب دیوان ہیں اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

خاک پروانوں کی تھی بس اور لگن میں کچھ نہ تھا	صبح کے ہوتے ہی ہوتے انجمن میں کچھ نہ تھا
کسیطرح سے یہ کم ظرف ہونگے عالی ظرف	حباب لاکھ بڑھے آسماں نہیں ہوتا
نہ مرتا عشق میں تو عاشقِ دلگیر کیا کرتا	سوا اسکے وصالِ یار کی تدبیر کیا کرتا
نیشِ غم نے اسقدر رگ رگ میں تیری کی خلش	مغز بنکر درد ہر اک استخواں میں رہ گیا
جبہ سائی کی یہاں تک آستانِ یار پر	مٹ گیا سنگِ درِ جاناں سے خطِ تقدیر کا

باقر

(**باقر**) نواب محمد باقر خاں لکھنوی۔ خلف نواب ظہیر الدولہ غلام یحییٰ خاں بہادر وزیر محمد علی شاہ بادشاہ اودھ۔ کشمیری الاصل اور لکھنؤ کے رئیس تھے۔ خواجہ وزیر سے فنِ شعر میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ بعد غدر انتقال کیا ؎

غیر کے کہنے سے گو اُس نے چرائیں آنکھیں	ہو گئی صلح جو اک بار لڑائیں آنکھیں
بوسۂ چشم کبھی ہمنے جو مانگا باقر	یار نے چیں بجبیں ہو کے دکھائیں آنکھیں

باقر

(**باقر**) باقر خاں ولد عباس خاں رامپوری۔ شاگرد مرزا حسین علی خاں شاداں۔ تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت اِن کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

آہ اک آہستہ کی تھی ہجر میں روزِ ازل	رنگ پیلا ہوگیا اُس روز سے افلاک کا
عطر آگیں ہے ہر اک جھونکا صبا کا دیکھنا	اُس نے زلفیں کھول کر شاید کیا ہے شانہ آج
چلے جو اپنے سائے سے بھی بچ کر	وہ ظالم کیا کسی کا آشنا ہو
قبر میں کشتۂ رفتار کا کیا جی بہلے	چاہیئے روز نئی ایک قیامت ہم کو

باقر

(**باقر**) باقر علی خاں ولد امجد علی خاں۔ خویش سبحان علی خاں کمبوہ لکھنوی۔ شعر و سخن کی طرف مائل تھے۔ مگر رعایت لفظی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی شعر اس التزام سے خالی نہیں جاتا۔ پانچ شعر انتخاباً ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

حادث ہو کیوں نہ صورتِ عالم تراد ہن	لب بھی نئے نئے ہیں ترے اور نیا دہن
اے بحر حسن دانت ہیں سلکِ گہر ترے	موجیں ہیں گال لب ہے حباب آشنا دہن
آگے تو گالی دے کے زباں خوب صاف تھی	اب مُنہ چڑا کے بگڑا ہے کیا آپ کا دہن
باقر ریاضِ شعر میں جو مدفن کی ہے طلب	وا کر منازِ فجر میں بہرِ دعا دہن

باقر

(**باقر**) اسم نامعلوم۔ مجموعۂ عشاق مولفہ منشی محمد اسمٰعیل ۱۳۰۹ھ میں چند غزلیں نظر سے گزریں انکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آؤ گے	کسی دن تو اثر دکھلائے گا اندوہ و غم اپنا
تمھاری دید کی حسرت میں دیکھو جان جائیگی	کھلی رہ جائینگی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا
شکل تصویر ہو خاموش تماشہ کیا ہے	بیٹھے بیٹھے کھنچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے

باقی

(**باقی**) راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ محبوب نواز ونت راجہ بنسی بہادر مغفور۔ آپ قوم کے کایستھ سکسینہ اور راجہ نرہری پرشاد خلف راجہ سوامی پرشاد کے فرزند تھے۔ سنسکرت اور فارسی سے بخوبی ماہر اور کسیقدر عربی سے بھی بہرہ ور تھے۔ آپ سلطنت آصفیہ کے ایک ممتاز رکن جاگیردار اور حضور نظام کے سچے خیر خواہ تھے فوج باقاعدہ دولت آصفیہ کے سررشتہ دار اور دفتر خانسامانی کے منتظم تھے۔ حضور نظام کے مزاج میں آپ کو ایک خاص

رسوخ حاصل تھا اور اکثر سفر و حضر میں اُنکے ہمرکاب رہا کرتے تھے۔ شاہی تقریبوں اور دربار کا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ آپ کو شعر و سخن سے دلی رغبت تھی۔ فارسی خوب کہتے تھے۔ فنِ سخن کے دلدادہ اور اربابِ کمال کے بڑے قدردان تھے چنانچہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے ابتدائی قیام میں اُنکے بڑے مدد و معاون رہے۔ ۱۳۰۵ھ میں جناب باقی کے دو صاحبزادے (جنمیں سے ایک ۲۵ برس کا نوجوان تھا) یکے بعد دیگرے داغِ مفارقت دے گئے۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کا اُردو دیوان موسوم بہ بقائے باقی منشی دوارکا پرشاد افق کے اہتمام سے چھپا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ بھاگوت فارسی۔ کیشو نامہ۔ کلیات یادگار باقی۔ قصائد باقی۔ پرنس نامہ وغیرہ۔ ۱۵-۱۶- رسالہ آپکی تصنیف سے ہیں۔ انکے علاوہ دو صغیر سن لڑکے آپنے یادگار چھوڑے۔ ۶۰ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۹۱۰ء میں عالم کو سدھارے ۹

اپنے سے جدا خدا کو سمجھا	باقی دیکھا شعور تیرا
چشمِ بلبل سے بنا دو مرے مرقد کا غلاف	جسمیں سب جانیں کہ عاشق تھا کسی گلرو کا
آہ نالے سے نہ نکلا کچھ کام	آسماں تک اسے پہنچا دیکھا
یار کا پاؤں تو عالم کا دہاں سر ہوتا	کاسئہ میں بھی دربار کا پتھر ہوتا
دلِ عاشق کے یہ سو ٹکڑے کہاں سے ہوتے	تیغِ ابرو میں جو غمزے کا نہ جوہر ہوتا
یوں تو ہونے کو ہزاروں ہی نئے عاشق ہیں	باقی اک بندۂ دیرین و کہن ہے اُنکا
جامہ زیبوں کی لٹک ان میں کہاں بادِ صبا	تونے غنچوں کے نئے گو جمع داماں کر دیا
لفظ بسمل جائے بسم اللہ تھا تیرا سبق	تونے مکتب ہی میں پہلے خوں کیا اُستاد کا
دیکھتے تم کہ شرارت سے یہ شر کیا کرتا	گر اجل سر پہ نہوتی تو بشر کیا کرتا
موت آئی ترے عاشق کی بڑی خیر ہوئی	مرضِ عشق ابھی کسکو خبر کیا کرتا
میرے زخموں سے جو پھاہا اُترا	بن گیا پنبۂ مینائے شراب
بات میں پیر جواں ہوتا ہے	زاہد ادیکھ تماشائے شراب

کہہ رہا ہے دلِ شیدائے شراب
ہائے خُم - ہائے سبو ہائے شراب

پُتلیاں بھرتی رہتی ہیں آنسو
میری آنکھیں ہیں پیالہ ہے پنگھٹ

رفیقو جاں دی ہے میں نے کسکے روئے روشن پر
کہ جائے شمع شعلہ طور کا ہے میرے مدفن پر

شوق سے کرتے مرے صیاد یہ دو چار پر
طاقتِ پرواز کب ہے ہیں کسے درکار پر

شہسواروں کا چھو لیا دامن
اپنے مشتِ غبار پر ہوں غش

کاٹے کھاتے ہیں غمِ ہجر صنم میں باقی
شمع - سیارے ستارے - شب دیجور - چراغ

قدرت نہیں جھپکے دمِ نظارہ کبھی آنکھ
تصویر بنا ہے تری تصویر کا مشتاق

لُطموں سے بحرِ غم کے ہیں باقی ہمیں ہلاک
یاروں کی کشتی پہونچی ہے ساحل کے متصل

دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ
ہے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم

تُو نے مجھکو جو بھلایا تو کیا
میں تجھے یاد کیا کرتا ہوں +

عارضِ یار نہیں عکس فگن پانی میں
گُلِ شاداب کا پھولا ہے چمن پانی میں

کسیکے ہے لبِ شیریں کی ہمسری کی سزا
جو نیشکر کے جدا بند بند کرتے ہیں

سب وہی وہ ہے کہاں میں ہوں کسے پوچھتے ہو
من دما چھوڑ چکا ہوں کہوں کیونکر میں ہوں

یہ سمجھا خنجرِ قاتل سے میں تڑپا جس دم
بولی شمشیر نہ گھبرا ترے سر پر میں ہوں

تُو بھی سُنتا ہے کہ یہ سب تجھے کیا کہتے ہیں
کتنے بت کہتے ہیں اور کتنے خدا کہتے ہیں

جیتے جی مر گیا جو زندہ جاوید ہوا
وہ جو عارف ہیں فنا ہی کو بقا کہتے ہیں

قطعہ

دوستو میں نے یہ مانا کہ شریعت والے
کفر و ایماں کو برا اور بھلا کہتے ہیں

لیکن از راہ طریقت ہے مرا یہ سوال
جو کہ دونوں سے بری ہو اُسے کیا کہتے ہیں

چھوڑنا عشق کا آساں ہے نکرنا آساں
کیا قباحت ہے کہ عاشق کو ہیں مشکل دونوں

دل میں تو لگی ہے آگ اشکو
کیوں پانی سے گھر بھرا رہے ہو

معلوم ہے زرگری تمہاری
کیوں سیم تنو تپا رہے ہو

سنتا ہے تمھاری کون باقی | دیوانے ہو غل مچا رہے ہو

رسم بازارِ محبت کی نرالی دیکھی + چور کی طرح سے کٹتے ہیں خریدار کے ہاتھ
حُسن وہ جنس ہے بازار جہاں میں باقی پھیلے ہیں جسکے لئے مفلس و زردار کے ہاتھ
کعبہ و دیر میں تھے شیخ و برہمن سرکوب ہم تھے سنگِ درِ دلدار تھا پیشانی تھی
یارجب تک کہ نہ تھا ٹھنڈی تھی محفل ساقی مئے گلرنگ صراحی میں تری پانی تھی
حضرتِ فیض کا سب فیض ہے باقی پہلے نہ سخن گوئی تھی ایسی نہ زباں دانی تھی
جتنوں میں تیری کیا کیا فتنے بھرے ہوئے ہیں یاں سامری کا جادو چلتا نہیں ہے کوئی +
اپنے کشتے کی زیارت کیجئے شمع رُخ کو شمع تربت کیجئے
نزع تک بھی اُسکی لے پروانیاں باقی ہیں جب کہا دم توڑتا ہوں میں کہاں توڑنے
مژگاں کا ذکر آیا ابرو کے عاشقوں میں خنجر پہ پہونچی نوبت تلوار چلتے چلتے
تمھارے حسن کا افسانہ گر مشہور عالم ہو چھٹے وامق سے عذرا قیس سے لیلیٰ و من ملے
مجھے اشکوں سے رسوائی کا ڈر ہے مثل ہے گھر کے بھیدی سے خطر ہے
کیا زبوں حالِ دلِ رنجور ہے داغ دل میں داغ میں ناسور ہے
اُسکی مژگاں کا تصور نکر اے دل زنہار کیوں تو بوتا ہے یہ اپنے لئے ناداں کانٹے
ماہِ نو جھکتا ہے مجرے کے لئے مہرباں نیچے سے اوپر دیکھئے
مست و مجذوب میں نہیں کچھ فرق مے پرستی خدا پرستی ہے +
صنم کا نور دیکھا ہے خدا کے نور کے بدلے ہوا ہے داغِ دل روشن چراغِ طور کے بدلے

(بالا) سید رحم رسول عرف بالا میاں - ولد سید جمال علی عرف کلو میاں پرستار زادۂ سید شاہ نجات اللہ ماہروی سنہ ۱۱۱۵ ہجری میں پیدا ہوئے - فن تاریخ گوئی میں عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا - بہت سی ایسی تاریخیں کہی ہیں جن کے مطول قطعوں میں متعدد صنعتوں کے ساتھ بے شمار تاریخیں نکلتی ہیں - چونکہ وہ سب فارسی میں ہیں اس سبب سے قلم اندازی کی -

بالا

گئیں آپ ریختہ گوئی کی طرف بھی مائل تھے۔ چنانچہ اس زبان میں بھی پورا دیوان مرتب کیا تھا۔ اپنے وقت کی زبان کے موافق اچھا کہتے تھے سنہ ۱۲۵۵ہجری میں انتقال کیا اُنکے قلمی دیوان سے کچھ اشعار انتخاباً لکھے جاتے ہیں ؎

پھر اُس کو دو جہاں میں کس چیز کی ہَوس ہے
معلوم کچھ تو ہو میں کیا کیا ترا گناہ
تو جو غیروں کو گلے لے ہے ہر اک آن لگا
کیا کہوں دیکھنا اُسکا وہ نظر بھر کے آہ
نالۂ عشاق میں سنتے تھے اک تاثیر ہے
ہائے سُن نالہ مرا بولے وہ کل کس پیار سے
دل سا تو کم جہاں میں گلستاں ہے دوسرا
کیا ظلم ہے کہ دل پہ ادھر لگ چکا خدنگ
اب غم ہمیں فلک یہ دکھاتا ہے دوسرا
نالاں ہوں درد و غم کے میں ہاتھوں سے اسقدر
دیتے ہیں اب تو ایک ہی بوسہ پہ دل کو ہم
باتیں یہ میٹھی میٹھی ہم کچھ نہیں سمجھتے
یا رہو تجھے سو جل بسے بالا
دل جب سے لگا اُس بتِ ناداں سے اپنا
آباد کر قدم سے اپنے کبھو تو پیارے
جی تنگ ہو چاہو لے لو دیں ہیں تمہیں گر
لب چوسنے سے کیوں تو ہوتا ہے یار ناخوش
کیا ہی طالع ہیں بُرے اپنے کل اُس شوخ کے آہ

ہے نام جس بشر کو ورد زبان تیرا
چاہے ہے قتل مجھ سے جو تو خیر خواہ کا
اپنی چھاتی سے ہمیں بھی تو کبھی جان لگا
تیر سا تھا کہ کلیجے پہ مرے آن لگا
سو مری قسمت میں وہ بھی بے اثر پیدا ہوا
یہ مُواجی کو مرے اِک نوحہ گر پیدا ہوا
مرجھائے داغ ایک تو خنداں ہے دوسرا
موجود زخم پرد ہیں پیکاں ہے دوسرا
بھاتے تھے ہم جسے اُسے بھاتا ہے دوسرا
ضبط ایک کو کروں تو ستاتا ہے دوسرا
لینا ہو لو نہیں لیئے جاتا ہے دوسرا
بوسہ بھی دو تو دل سے کرتے ہیں جاں بدلا
تو بھی جلد اب قدم یہاں سے اُٹھا
لگتا ہی نہیں جی کسی عنوان سے اپنا
تجھ بن یہ خانۂ دل ویراں ہے ہمارا
روٹھو نہ ہمسے اسمیں نقصاں ہے ہمارا
تیرا تو مصحفِ رُو ایمان ہے ہمارا
قطعہ
جو میں بہانے سے دمِ پابوس مرا ہاتھ لگا

وہ ہیں کیا کہتا ہے جا اب تو تجھے چھوڑ دیا
مار ہی ڈالوں گا کبھو پھر جو ترا ہاتھ لگا +

لوگ کشتہ کو ترے دیکھ لیئے جاتے ہیں
دو قدم اُس کو موئے پر تو بھلا ہاتھ لگا

جی اُٹھوں کیا ہے تعجب وہ دم آخر بھی
دیو سے بالا مرے تن سے جو ذرا ہاتھ لگا +

دی ہے ہر گل کو صبا میں ہے یہ تاثیر کھلا
غنچۂ دل نہ مرا پر کسی تدبیر کھلا

سیر ہوتا ہی نہیں لذتِ دلدار سے دل
جانے دی عشق نے کیسی اسے اکسیر کھلا

آپ بسمل ہے رکھے ہو مجھے نت کل کل میں
جی میں ہے زہر دوں دل کو کسی تدبیر کھلا

دیکھ بے رحم وہ یوں کہتا ہے گریہ کو مرے
پڑ گیا ہے ترے کیا دیدۂ تر میں تنکا +

عید قرباں میں نہ کیوں اپنا گلا کاٹوں میں
اُسنے پکڑا تھا مجھے ذبح کو - پر چھوڑ دیا

دوسرا دل جو تو مانگے ہے کہاں سے تجھے دوں
ایک دل تھا سو میں صدقے ترے کر چھوڑ دیا

ہے یہ وہ چشم کہ تنہا نہ زمیں جاوے ڈوب
ٹک جو رووں بخدا عرش بریں جاوے ڈوب

بے دھڑک بال کھولے نکلے ہو
شام دیکھو نہ تم سحر صاحب

کیا جی کو خوش آتا ہے کہ جس وقت وہ ہنسکر
کہتا ہے مجھے آئیے شیطاں کی صورت

کیا کہیں حالِ دلِ زار کہ کچھ پوچھو مت
غم سے ہے اب تو یہ بیمار کہ کچھ پوچھو مت

تھمتے نہ اشکِ خوں ہیں نہ مٹتا ہے سوزِ دل
بیطرح کچھ بھڑکتی ہے آتش جگر میں آج

نامۂ و شوق و پیام و عجز سب کچھ کر چکے
نامہ بر تو ہی بتا کچھ اُسکے یہاں آنے کی طرح

جو جدائی میں جئے بن یار وہ عاشق نہیں
سیکھ لے بلبل تو پروانے سے مرجانے کی طرح

بے اختیار مجھکو ابھی چاہنے لگے
میرے جو حال سے ہو وہ محرم کسی طرح

قطعہ

کیا غضب ہے دیکھ کل چھاتی پہ میرے زخمِ گل
یوں لگا کہنے وہ کر چہرہ بت عیار سرخ

خوف چوری کرکے بیٹھے ہو کہیں مارے بچاؤ
سچ بتاؤ تمنے یہ پائیں کہاں دینار سرخ

لاش دیکھو مری لٹکا در جاناں پہ ضرور
ہو کسی پر نہ کوئی شیفتہ نامہ سے بعد

قیس بھی چونک پڑا اسکے مرا شورِ جنوں
بولا شاباش بڑا نام کیا میرے بعد

میں دیکھنا تو اُسے ہوں پہ رشک آتا ہے
کہ خود نظر ہی نہ میری کہیں لڑا ئے نظر

یہی ہے جی میں کسُو کو نہ دیکھنے واں تجھے
رکھوں میں آنکھوں کے بھیتر تجھے بجائے نظر

ملاؤں کسطرح گُل سے دلِ پُر داغ کو گلچیں
یہ گلدستہ بنایا ہمنے غم کے داغ سہ سہ کر

ہزاروں نیک و بد اِدھر اُدھر سے آتی جاتی ہیں
یہ کیوں ہنستا ہے میخانہ میں شیشہ اتنا قہقہ کر

صبا کیا دل میں گزرا کرد یا وا آتے ہی شب کو
رکھتا تھا بغنچہ غنچہ کو شبنم نے جو تہ تہ کر

جس شب نہیں آتا وہ یہاں وعدہ کسل ہائے
قسمت سے وہ شب بھی مری بڑھ جاتی ہے کچھ اور

آپ کو خاک کر دیا تو بھی
پائی اُسکی نہ خاک پا ہرگز

یوں تو عشاق ہیں کہنے کو ہزاروں بالا
خاص بندے ہیں پہ اُس شوخ دلارام کے ہم

شب اُٹھائے گئے اُس بت کے جو در پار سے ہم
رہ گئے سوئے فلک دیکھ کے ناچار سے ہم

غرور و جور و ستم کج ادائیاں دیکھیں
سُنی تھیں جو جو کہ تجھ میں برائیاں دیکھیں

پھر ہجر کا جگر پہ لگا تیر کیا کریں
تقدیر جب اُلٹ گئی تدبیر کیا کریں

طالب ہیں اُسکے دیکھنے سے جسکے ہو گشتہ دل
لیکر یہ سیم و زر کی ہم اکسیر کیا کریں +

جب میں مانگوں ہوں عوض دیکے لبوں کا بوسہ
ہنس کے کس پیار سے کہتا ہے یہ دستور نہیں

جسکے لئے جاتے ہو حرم کو سو وہ تمہارے پاس ہے شیخ
چشمِ یقیں سے دیکھو بھری ہے ساری خدائی سینہ میں

دخترِ رز کی خدا اِس دور میں حرمت رکھے
محتسب اور شیخ دونو لگ رہے ہیں تاک میں

جام مئے الفت سے دل مست ازل کا ہے
بیخود اسے کہتے ہیں مخمور اسے کہتے ہیں

ہمسایۂ تک یہ کہتے ہیں سنکر فغاں مری ؛
اِس بیقرار کو کہیں یارب قرار ہو

آنکھ لگا کر جی کو گنوایا لینا ایک نہ دینا دو
دامِ بلا میں دلکو پھنسایا لینا ایک نہ دینا دو

عجب سج دھج سے نکلا ہے وہ کافر گھر سے ای بالا
خدا کے نور کا منظر نہ دیکھا ہو تو یہ دیکھو ؛

ہائے بیمار پڑے تو بھی نہ اُس کافر کے
جی میں آیا یہ کبھو چل کے ذرا دیکھیں تو

چار دن کی بہار ہے پیارے
حُسن پر اتنا مت گمان کرو

اُسکا ہی لیویں دل اور اُسی کو کریں خراب
ان ظالموں سے پھر کوئی کیسے وفا کرے

جو صدائے قم باذنی لبِ نازنیں سے نکلے
موئی اُمتِ مسیحا وہیں سُن زمیں سے نکلے ٭

بخدا نقاب کھینچے جو ذرا دہ مُنہ سے کافر
تو نہ پھر جہاں میں ہرگز کوئی اہلِ دیں سے نکلے

دل کیا جی بھی تم پہ ہے قربان لیجئے
لیکن مرے کہے کو ذرا مان لیجئے ٭

جس نام کے لئے سے ہو ہر درد کو شفا
نام اُس صنم کا کیونکہ نہ ہر آن لیجئے ٭

دل وجاں دیا تجکو تس پر بھی ہے ہے
نہ کی تو نے کچھ قدردانی ہماری

اُس نے دشمن کو مرے عشوہ گری دکھلائی
دے مری چشم نہ کیوں خوں سے بھری دکھلائی

سانس ٹھنڈی نہ یہ کیوں عاشقِ حیران بھرے
رات دن در پہ ترے رہتے ہیں دربان بھرے

خون سے کل تو نے تو تھے تیر دنکے پیکان بھرے
آج کیوں مجھ سے پھر آئے ہو مرجان بھرے

ہووے گا تُرا دردِ زباں نام وہاں بھی ٭
جب حشر کو ہم حکم سے داور کے اُٹھیں گے

کچھ پتنگا ہی نچھوڑے شمع کو آگے ترے
شمع خود تجھ پر ہو پروانہ لگن کو چھوڑ دے

ہو حسن کا تیرے کیوں نہ چرچا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے
کہ نالہ و اشک اپنا گزرا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے

اُدہر ہے نالوں سے عرش آتش اُدھر ہی اشکوں سے فرش پانی
کیا ہے غم نے یہ حشر برپا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے

کوئے جاناں کا رہا جی ہیں جو سارے دن خیال
رات بھر ہم خواب میں باغِ ارم دیکھا کئے

مرتے دم بھی ہم تو مُنہ قاتل کا مارے شوق کے
تیغ سے جب تک یہ ہو گردن قلم دیکھا کئے

بحر

(**بحر**) شیخ امداد علی لکھنوی - خلف شیخ امام بخش - شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ - آپ کے اُستاد اور اُستاد بھی مستند ہونے میں کسیکو کلام نہیں - تلاش اچھی - بندش چست - خیالات درست یہ تمام خوبیاں انکے کلام میں موجود ہیں - اور سب سے بڑھ کر وہ صفت جو خاص ہی خاص شاعروں کو میسر ہوتی ہے یعنی درد - آپکی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں ہی گزرا اگرچہ ہمیشہ آفات زمانہ کے ہاتھوں دق اور پریشان رہے لیکن طبیعت کی جولانی بڑھاپے میں بھی جوانی کا زور دکھاتی رہی - آخر عمر میں نواب کلب علیخاں والئ رامپور نے دستگیری فرمائی اور رامپور طلب کر کے

فکر معیشت سے آزاد کر دیا۔ انکے کلام میں استعارہ بندی کے ساتھ سلاست وصفائی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ کلام میں آورد کم اور بے ساختہ پن بلا کا ہے۔ عروض میں آپ کو اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ اِنکے بحر سخن سے بہت لوگ سیراب ہوئے۔ ۷۵ برس کی عمر پاکر سنہ۱۳۰۱ھ میں انتقال فرمایا۔ دیوان جسکی تدوین انکے دوست نواب سید محمد خاں رند نے کی تھی عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔ انتخاب زیب تذکرہ ہے ؎

کبھی جو باجے کی لہر آئی تو ہوش اُڑائے وہ شہ بجائی
جنوں کے بولوں پہ گت بتائی چھلاوہ بنکر ستار آ

بتو خدا پہ رکھو معاملہ دل کا
بُرا بھلا ہیں ہو جائے فیصلہ دل کا

بھٹک کے کوئی گیا دیر کو کوئی کعبے
عجیب بھول بھلیاں ہے مرحلہ دل کا

رباعی

احباب سے کوئی ہم کو پیارا نہوا
افسوس ہے دست و پا سے زور و زر سے
بیخ اُن کا کسی وقت گوارا نہوا
ہم سب کے ہوئے کوئی ہمارا نہوا

تارکِ دنیا کسی ملت میں بیگانہ نہیں
لاکھ گلیوں میں گزرتا ہے فقیر اللہ کا

ہرگز نہ رُک سکے گا جو روکیں گے دو پہاڑ
پونہچے گا بحر جو ہے تمھارے نصیب کا

حلاوت زندگی کی ہے ملاقاتِ احبا میں
مزا مردے کو تنہائی کا ہے زندے کو صحبت کا

آدمی کیا دیو ہوتا ہے اطاعت سے مطیع
یہ ہمارے تجربہ میں ہے عمل تسخیر کا

صندل کی نہ ہو جائے گی پیسو کہ جلاؤ
تنتا ہے مٹائے سے کہیں نام کسیکا

راز پوشی سے کبھی ہاتھ اُٹھایا نہ گیا
نبض دکھلا کے مرض اپنا بتایا نہ گیا

جادۂ دل پہ قدم مار یہ ہے سیدھی راہ
درگزر کوئے حرم سے وہ ہے رستہ اُلٹا

باغباں بلبلِ شیدا کی یہی ہے تعذیر
شاخِ گل میں اسے پر باندھ کے لٹکا اُلٹا

نہ تو وہ پھول نہ کلیاں نہ وہ سبزی نہ بہار
رُت کے پھرتے ہی چمن زار کا تختہ اُلٹا

کیا کیا نہ مجھ سے سنگدلی دلبروں نے کی
پتھر پڑیں سمجھ پہ نہ سمجھا کسی طرح

آبرو کھوئی ہے محوِ رُخِ زیبا ہو کر
بیڑیاں پہنی ہیں اس زلف پہ شیدا ہو کر

دل کو اسواسطے پہلو سے جدا کرتا ہوں
آرزو ہے کہ ملوں یار سے تنہا ہو کر

ق
مجھکو نہ سلائیں ساتھ اپنے
حسرت ہے یہ کہدیں مسکرا کر
آرام کیا کروں میں جب تک
آنکھیں تلووں سے تو ملا کر

ق
جبکہ فرہاد سے شیریں نے یہ اکدن پوچھا
کیا بنی تجھ پہ تراشتے گئے کیونکر پتھر
کوہکن نے یہ کہا جان حقیقت تو یہ ہے
نرم معلوم ہوا مجھکو سراسر پتھر
ڈھادیا کوہ مگر بس نچلا کچھ تجھپر
سخت دیکھا نہ ترے دل کی برابر پتھر

دوپٹے کو آگے سے دھرا نہ اوڑھو
نمودار چیزیں چھپانے سے حاصل

قسم کھاؤ انکی جنہیں چاہتے ہو +
میرے سر کی سوگند کھانے سے حاصل

وصل جاناں نہوا وقت وصال آپہنچا
وائے حسرت کہ رہی دل کی تمنا دل میں

شکر کعبے میں کلیسا میں بھٹکتے نہ پھرے
اپنے دلبر کا پتا ہمنے لگایا دل میں

جان کے دشمن نہ یہ ارمان کر
دل لگاکر آدمی بچتا نہیں

ظالم ہماری آج کی یہ بات یاد رکھ
اتنا بھی دل جلوں کا ستانا بھلا نہیں

دو باتیں کرلوں ایک نظر دیکھ لوں بسے
اسکے سوا کچھ اور میرا مدعا نہیں

مدت سے التفات مرے حال پر نہیں
کچھ تو کجی ہے دل میں جو سیدھی نظر نہیں

تری رکھائی کے صدقے ترے نثار ہوئیں
گلے سے آکے لپٹ جا کہ بیقرار ہوئیں

برا مان جاؤگے منہ پھیر لوگے
نہ پوچھو قسم دے کے کیا چاہتا ہوں

معاف کیجئے ایسی خطا نہوگی کبھی
برا کیا تمھیں چاہا گناہگار ہوں میں

ق
ایک پرزے پہ لکھکے یہ دو حرف
دوستو یار کو روانہ کرو
جلد آؤ کہ دم نکلتا ہے
مجھکو پیٹو اگر بہانہ کرو
جاں نکلے ہجوم غم میں کیونکر
کچھ بھیڑ چھٹے تو راستہ ہو

کبھی نہ دنیا میں چین پایا ہمیشہ رنج والم اُٹھائے
یہاں کے رہنے سے ہاتھ اُٹھایا چلے عدم کو قدم اُٹھا کے

سراپئے دل جگر ہمارے وہ آگ بھڑکی اُڑے شرارے
فرشتے بھی لامکاں پکار اُٹھے وہ داغ دیکھے وہ غم اٹھائے

شراب مانگینگے خضر سے بھی طلب نہ آب بقا کرینگے
سرور میں لطفِ زندگی ہے خمار میں جی کے کیا کرینگے

نہ مانیں گے ہم کسیکا کہنا کسیکا اسمیں ہے کیا اجارہ
یہ دل تو کیا ہے جو دل نے چاہا تو جان اپنی فدا کرینگے

اب اپنا اسمیں نہیں گزارا تو سے دل جھپٹ گیا ہمارا
کرینگے بتخانہ سے کنارہ حرم میں یادِ خدا کرینگے

کبھی ہے بُرا کبھی ہے اچھا ہوائے دنیا کا کیا بھروسہ
یہاں کے پھولوں پہ ہو نہ شیدا نہ چار دن یہ وفا کرینگے

مایوس ہو کوئی بشر فضلِ خدا سے
مرتے ہوئے بھی ہاتھ اُٹھائے نہ دعا سے

بخیر انجام ہے جس کا وہ ہے خود رفتگی اپنی
چلے تھے ہم کلیسا کی طرف کعبے کو جا نکلے

صورتِ روح میرے دل میں گزر اُسکا ہے
صورتِ نور میری آنکھوں میں گھر اسکا ہے

یار صیاد ہے اور اسکی نظر ہے شہباز
میں شکار اسکا ہوں حلقہ یہ جگر اسکا ہے

یکرنگ آشنا نہیں ہمنے پرکھ لیا
مُنہ پر کھرے ہیں آپ مگر دل میں کھوٹ ہے

جنکے عاشق ہیں تصور میں وہ ہر آن رہے
ہم رہیں وجد میں دل بار رہے قربان رہے

بے زری کا نہیں کچھ غم یہ بڑی دولت ہے
آبرو اپنی سلامت ہے ایمان رہے

محتسب شیشہ و ساغر کو سمجھ کر توڑے
دل نہ ٹوٹے کسی مسکین کا ذرا دھیان رہے

میرا لہو چاٹے گا جب تک نہ تیغ کو
قاتل کو داہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے

شکوہ نہ کر ازل سے یہی کارخانہ ہے
آج اُسکا دور ہے تو کل اُسکا زمانہ ہے

اسکی نگاہِ قہر ہے اپنی نگاہِ مہر
ہم اُسکے ہیں ہدف وہ ہمارا نشانہ ہے

یہ دی ہے بیکلی تو نے کہ دل میں ہے یہی کل ہے
میں دھو کر زندگی سے ہاتھ پونچھوں تیرے آنچل سے

جوڑا اُلجھا اس ادا سے کھُلا ہم تو مر گئے
نبضیں چھُٹیں جو بال کسی کے بکھر گئے

نکلے خزاں میں باغ سے یہ کہہ کے ہمصفیر
دیکھیں گے پھر بہار اگر آب و دانہ ہے

آسائشِ بیجا سے مسرت نہیں ہوتی
سو جائیں اگر پاؤں تو راحت نہیں ہوتی

آنکھیں نہ چھیننے دیں گی تیری بیوفا مجھے
ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے

زلف کھولے ہوئے مقتل جو وہ یکبار چلے
بھیجدے تھوڑا سا پانی اپنے او پروار کے

حور بنکر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
بسمل ہجر سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی

وہ مسیحا اگر آئے تو ٹھہر جاوں میں
داغ کو کیوں نہ کلیجے سے لگائے رکھوں

جاؤں کسی طبیب کی خدمت میں کس لئے
جان کیا چیز ہے آئی پہ نہ چھوکے انساں

اسے بتو ہم تو سمجھتے تھے مسیحا ہو تم
یہی لاتا ہے خرابی یہی کرتا ہے ذلیل

پردہ دوئی کا اٹھ گیا وحدت کی آنکھ سے
اسے بحر قلب روح کی تسخیر سیکھ لے

نقاب میں نہیں بوجہ منہ چھپائے ہوئے
نہ پوچھو کس لئے آنسو ہیں ڈبڈبائے ہوئے

کسی کے منہ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے وقت
خدا پناہ میں رکھے تمھاری پلکوں سے

کہو یہ قافلہ والوں سے ہم بھی آتے ہیں
بچا نہیں کوئی گھائل تمھارے ابرو کا

بچھڑ گیا ہے میاں بحر سے کوئی شاید
کٹی برسات بحر اس سال بھی فریادوں میں

تصور میں اک عالمِ بیخودی ہے

ایک رسی میں بندھے سارے گنہگار چلے
وقتِ آخر منہ میں ٹپکادیں ترے بیمار کے

دامنِ تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے
جان آتی ہے بدن میں کہ قضا آتی ہے

نفسِ بازپسیں سے یہ صدا آتی ہے
مجھکو اس پھول سے خوشبوئے وفا آتی ہے

جس نے مرض دیا وہی دیگا شفا مجھے
مرمٹے بات پہ اتنی تو حمیت رہے

بے اجل مارا خدا تمکو سلامت رکھے
بادشاہی ہے اگر دل پہ حکومت رکھے

دیکھا مجاز کو جو حقیقت کی آنکھ سے
الطاف کی زبان شفقت کی آنکھ سے

کسی غریب کا آتے ہیں دل دکھائے ہوئے
کسی جگہ سے ہم آتے ہیں چوٹ کھائے ہوئے

کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے
ستم کی فوج کھڑی ہے پرا جمائے ہوئے

بڑھے ہے بحر اُدھر خدارا قدم بڑھائے ہوئے
یہ دونوں تیغے ہیں زہر کے بجھائے ہوئے

اِدھر اُدھر پڑے پھرتے ہیں تلملائے ہوئے
خبر ہمکو نہیں بادل کدھر آئے کدھر برسے

خبر یہ نہیں مجکو میں ہوں کہ تو ہے

بخت

(بخت) حکیم قیام الدین جونپوری شاگرد امیر مینائی - پہلے فکر تخلص تھا - جونپور سے ایک رسالہ بھی آپ نے شائع کیا تھا - مذاقِ سخن اچھا ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

گرائی بجلی جو اسے چرخ ٹوٹ پڑ تو بھی　　اٹھا نہ رکھ کوئی بیداد آشیاں کے لئے
چڑھے جو ابروئی پُرخم نظر رہے سیدھی　　یہ تیر خوب ہی موزوں ہے اس کماں کے لئے

ایک بوسہ پہ مانگتے ہو دل　　کبھی سودا کوئی لیا بھی ہے

بخت

(بخت) منشی سید امیر حیدر صاحب بخت خلف الصدق میر صادق حسین نیشتر باشندہ آگرہ رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے نومشق نوجوان ہیں مشق سخن جاری رہی تو اچھا کہنے لگیں گے - کلام حاضر ہے ؎

شبِ وعدہ جھنڈی لگانا کسی کا　　نہ آنے کی خاطر بہانہ کسی کا
کچھ اچھا نہیں ہے ستانا کسی کا　　برا ہوتا ہے دل دکھانا کسی کا
جو آئے تو کیا دی تسلی کسی کو　　برابر ہے آنا نہ آنا کسیکا
بدلتے ہو جو تم آنکھ پل میں　　بھروسہ کیا تمہاری دوستی کا
گلا ہم تیغ سے خود کاٹ لینگے　　مری جاں کام اٹکا ہے کسی کا

راز اسکے عشق کا عالم میں افشا ہو گیا　　میں تو رسوا ہو چکا تھا وہ بھی رسوا ہو گیا
مر گیا عاشق تمہارا پائی منہ مانگی مراد　　دل میں خوش ہو لو تمہارا اب تو چاہا ہو گیا
کیا نویدِ جاں فزا تھی تیرے آنیکی خبر　　یک بیک حالِ مریضِ عشق اچھا ہو گیا

بے مائگی سے غم کریں کیا اہلِ قناعت　　رکھتے ہیں نظر سوئے خدا اہلِ قناعت
رہتے ہیں غنی فقر کی دولت سے ہمیشہ　　خواہاں نہیں دولت کے ذرا اہلِ قناعت

نہیں مطلب نکلتا راستی سے　　غلط تکذیب باطل افترا جھوٹ
کسی کو راست گوئی میں مزا ہے　　کسی کے واسطے راحت فزا جھوٹ
چھپا لو چاہے آج اے کاذبو تم　　چھپے گا کسطرح روزِ جزا جھوٹ

عز و وقار ہم پہ مریں تب تو لطف ہے
یہ بات کیا کہ ہم مریں عز و وقار پر

وائے قسمت کب عبادت کیلئے آیا ہے وہ
جبکہ بیمارِ محبت میں رہا کچھ بھی نہیں

دیکھئے تو دل کے خوں بسمل کا اپنے ہاتھ میں
اسکے آگے شوخیٔ رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

پائی بیگانگی یگانہ میں **
کوئی اپنا نہیں زمانے میں

بچا کر دامن اپنا آج بسمل سے نکل جاؤ
کہاں جاؤگے تم دامن بچا کر دیکھیں محشر میں

جگہ دوں خانۂ دل میں بچھاؤں ہر قدم آنکھیں
خدا وہ دن تو دکھلائے کہ تم آؤ مرے گھر میں

یہ کیا کہتے ہو تم سے بخت ہو سکتا ہے برگشتہ
مقدر یہ نہیں اپنا کہ جو پھر جائے دم بھر میں

انداز وہ کہ فتنۂ محشر نثار ہو
شوخی تو دیکھو بیٹھے ہیں کیسے غریب سے

بخشی

(بخشی) میر محمد علی نام اور دربنولا حیدرآباد دکن جائے قیام ہے مرزا سالک دہلوی سے فیض پایا ہے یہ آپکا کلام ہے ؎

دلِ عاشق کا اب خدا حافظ
شوق ہے اُن کو دلربائی کا

کیا جاکے واں ہوا ہوں خجل اضطراب میں
وہ پوچھتے ہیں قصد کدھر ہے جناب کا

رہا بھی ہو کے کرینگے نہ قصد جانے کا
قفس میں لطف ملا ہم کو آشیانے کا

ذکرِ حورانِ دہر کر واعظ *
چھوڑ روزِ شمار کی باتیں

نہ کیجے مجھے دیکھ کر آنکھ نیچی *
کوئی تاڑ لے گا زمانہ بُرا ہے

عجب دہشتِ وحشت میں بخشی نے دی جاں
ملا ہائے جسکو نہ دو گز کفن بھی

بخشی

(بخشی) منشی خاکسار حسین نام - سلطانپور ضلع اودھ کے رہنے والے اور اُردو فارسی دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - کلام سے پایا جاتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر یا جذباتِ دل سے مجبور ہو کر شعر کہتے ہونگے ورنہ اس فن کی طرف کچھ خاص توجہ نہیں معلوم ہوتی مختصر سے دو دیوان بھی شایع کر چکے ہیں - بہرحال یہ انکا کلام ہے ؎

ہر باغ میں گلزار بہار نظر آیا
بلبل میں وہی یار بہار نظر آیا

عجب نامِ خدا محبوب ہے وہ
فدا جس پر مری جاں سر بسر ہے
جب تلک اس دہرِ فانی میں رہے
بے خبر ہم زندگانی میں رہے

بدر

(بدر) میرزا بلاقی گورگانی۔ خلف شاہزادہ مرزا نصیر الدین شاگرد مرزا پیارے رفعت جوان زیبا شمائل و خوش اخلاق تھے۔ شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی کلام ملاحظہ ہو ؎

سُن لینا ایک دن کہ اسے غم نے کھا لیا
غم کھائے گا یونہیں جو یہ غمخوار آپ کا
اے بدرؔ گاہ گاہ ہے اب تک تو دردِ دل
بگڑے کہیں نہ طول یہ آزار آپ کا
اک کشتیٔ طوفاں زدہ گرداں کو بنایا
اے بدرؔ گریہ میرے اس دیدۂ تر کا
کہتا وہی ہے" اور محبت بتوں سے کر"
کہتا ہوں جس سے حال دلِ بیقرار کا
گھٹا نہ خاک ہوئے پر بھی کچھ وقار اپنا
ہمیشہ دوشِ صبا پر رہا غبار اپنا
اپنی ہی پرسش میں ہوگا ختم وہ ہنگامہ سب
گر قیامت میں ہمارے حال کا دفتر کھلا
تو نہ آتا تری آواز تو آیا کرتی ؎
گھر بھی قسمت سے تری گھر کی برابر نہوا
در بدر مجھ کو لئے پھرتی ہے وحشت دل کی
گاہے گاہے تیرے کوچہ میں بھی آجاتا ہوں
وہ لب اور ان سے مجھ کو ملانے کی آرزو
جن کو دعا بھی دوں تو کہیں یوں کہ مر کہیں
میں اگر جاؤں تو نکلے مطلبِ دل کچھ نہ کچھ
میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے
کیا ڈر ہے جو چرخِ ستم ایجاد غضب ہے
اپنی بھی یہ آہِ دلِ ناشاد غضب ہے
جادو ہے نگہ غمزہ ستم چال قیامت
انداز ترا قہر ہے بیداد غضب ہے
چارہ گر کھینچ لے اس دل کو بھی پیکان کے ساتھ
گر یہی دل ہے تو دل بھی نہیں درکار مجھے

بدر

(بدر) نواب مرزا ہدایت علی خاں۔ نبیرۂ نواب مستقیم الدولہ مرحوم فروغ لکھنوی کے شاگرد ہیں حیدر آباد میں مقیم ہیں ؎

شب وصل میں ہائے کیا کیا مزے تھے
بگڑنا کسی کا منانا کسی کا
وہ نازو نیازِ محبت کی باتیں
وہ تیغ اُٹھتے ہی سر جھکانا کسی کا

لگاوٹ آپکو اے دلربا نہیں آتی	وفا کی جس میں ہو بُو وہ ادا نہیں آتی
دل کو بیچین کئے دیتا ہے جوبن کا اُبھا	کسطرح سینہ سے اُنکو نہ لگائے کوئی

بدر

(بدر) منشی سید امیر حسن آروی - حضرت صفیر بلگرامی کے شاگردوں میں نامور ہیں - اور یہ اُن کا کلام ہے ۵

تاثیر بارے اتنی تو دکھلائی یار نے	محفل سے اپنی غیر کو تم نے اُٹھا دیا
اے خفتگانِ خاک سناؤ تو کچھ مجھے	کس کا فسانہ کہہ کے اجل نے سلا دیا

فغاں کا ہماری اثر دیکھ لینا	جہاں ہو گا زیر و زبر دیکھ لینا
نشاں دل کا اُٹھ اُٹھ کے تیرِ نظر کو	بتا دے گا دردِ جگر دیکھ لینا
نام تیرا لے کے چلاتی ہے روح	جب ہجومِ غم سے گھبراتی ہے روح
پیمانِ یار کیطرح ٹوٹے گی لاکھ بار	توبہ کا اعتبار نہیں کچھ شباب میں
رونا تمام شب ہے تڑپنا تمام دن	میں دل لگا کے ہائے پھنسا کس عذاب میں
خلش نوکِ مژہ کی کچھ نہ پوچھو	انی برچھی کی سینے میں گڑی ہے

بدر

(بدر) منشی سید مصطفےٰ حسین عزیز و تلمیذ شبیر حسین نسیم بھرت پوری ارشد تلامذہ حضرت داغ مرحوم قصبہ ہرسر ریاست بھرت پور انکا وطن ہے مگر یہ خود اور اُنکے ابا و اجداد بوجہ روزگار خاص بھرت پور ہی میں عرصہ سے قیام رکھتے ہیں - ۱۸۷۶ء سال پیدائش ہے عنوان شباب ۱۸۹۵ء سے جناب نسیم کے فیضانِ صحبت سے شعر کہنے لگے محکمہ محلات میں محافظ دفتر ہیں - اب کچھ عرصہ سے فکرِ سخن کا کم اتفاق ہوتا ہے تاہم خوش فکر ہونے میں شبہ نہیں - کلام مرسلہ کا انتخاب درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو ۵

میں روزِ حشر کثرتِ عصیاں سے ہوں خجل	رحمت ہے شاد مجھکو گنہ گار دیکھ کر
اچھے بُرے کا فرق رہے بزمِ غیر میں	لینا جو دل تو اے نگہِ یار دیکھکر
کوئی موقعہ محل ہو گر اے بدر	اُن سے کچھ اپنا عرضِ حال کریں

یوہیں کیا ہاتا پائی میں مرہجاں صبح کردوگے
بھلا اک جام سے کیا سیر ہونگے رند ایساقی
لگی ہوئی ہے سوئے جام تاک واعظ کی

مزہ دیتی بھی ہے تو وصل میں تکرار تھوڑی سی
خدا کے واسطے دے اور میرے یار تھوڑی سی
چھڑک دو تھوڑی سی رند و نظر گر رکے لئے

چارہ گر خیر ہے ہوا کیا ہے
ایک دل تھا وہ دے چکا تمکو
کسی پہلو نہیں ہے چین اسے

مرض عشق کی دوا کیا ہے
میرے پہلو میں اب دھرا کیا ہے
دل کو کیا جانے ہو گیا کیا ہے

ہردم نظر بد سے بچاتے ہیں یہ تجھکو
دل بیچتے تھے تم تو یہ اے بدر رہا کیا

ہو جاتی ہیں زلفیں ترے رخسار کے آگے
کیوں ہو گئے خاموش خریدار کے آگے

بدر (بدر) منشی حسن افضل بدایونی - دور موجودہ کے موزوں طبع نو مشق اور یہ اُنکا کلام ہے

ہمیں محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
تصویر میں اترا نہ فروغ رخ روشن
ہم خاک نشینوں سے ہے اس درجہ کدورت
ظالم کو بھی ہوتا ہے کسی شے کا سہارا
جناب شیخ مٹے گا کبھی نہ داغ جبیں
جو دل گیا تو گیا جاں کیوں نکلتی ہے
بس اب تو درد جدائی سے دل لگائینگے
گلے میں ڈال کے باہیں وہ پیار سے کہنا

آئی کو کسی کے کبھی ٹلتے نہیں دیکھا
سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا
مٹی کا انہیں عطر بھی ملتے نہیں دیکھا
ھتیار کو بے ہاتھ کے چلتے نہیں دیکھا
یہ روسیاہی کا دھبا ہے نقش پا تو نہیں
یہ بت حسیں ہیں طرحدار ہیں خدا تو نہیں
بلا سے کچھ سہی تم سا یہ بیوفا تو نہیں
تمھیں ہماری قسم ہم سے کچھ خفا تو نہیں

برتر (برتر) نواب حامد الدولہ سید محمود علی خاں بہادر برتر لکھنوی - خلف الصدق آغا جلیس الدولہ مصاحب الملک لطافت رقم آغا سید علی خاں بہادر مستقیم جنگ مصاحب سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بادشاہ مذکور کے زیر سایہ عاطفت کلکتے مٹیا برج میں امیرانہ شان سے رہتے تھے - جب ۱۸۸۴ع میں مرزا داغ مرحوم کلکتے گئے تھے اُسوقت

کے مشاعروں میں یہ بھی شریک ہوئے تھے۔ فنِ سخن میں خاص بادشاہ کے شاگرد تھے
بادشاہ کی وفات کے چند ماہ بعد سٹیم لانچ میں شہر سے میٹابرج آتے ہوئے غرق دریا ہوئے
اُنکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

بکھرے بالوں کو ہٹاؤ روئے عالم تاب سے
اے فلک کیوں شب ہجر انکی درازی نہ گئی
پانی میں بھی تو آگ لگاتی ہے تری تیغ
آتے آتے رک گئے آنکھوں میں جو لخت جگر
زمیں سے بھی خدا نے چرخ کو پیدا کیا پہلے
غضب کی شوخیاں تھیں چلبلا پن تھا لڑکپن میں
جو ہیں اہل وفا مر کر بھی ہیں ثابت قدم نکلے
کھٹک ہوتی ہے دل میں درد بھی پہلو میں اٹھتا ہے

لوگ گھبرا کر کہیں گے ماہِ کامل کیا ہوا
ہو گئی باتوں ہی باتوں میں سحر وصل کی رات
نکلے ستر آب ہو دمِ شمشیر باہر
بہتے بہتے لگ گئی کشتی مرے ساحل کے پاس
بنی ہے دانۂ گندم سے شاید آسیا پہلے
تمھارے ہاتھ پر چڑھتا تھا رنگ حنا پہلے
بدن سے جان نکلی پر نہ اُس کوچہ سے ہم نکلے
مگر کچھ رہ گئے ہیں کچھ ترے تیرِ ستم نکلے

برتر

(برتر) مولوی نادر علی غازیپوری۔ ابتدا میں آپ مرزا غالب کے شاگرد رابطہ دہلوی کے تلمذ سے بہرہ ور ہوئے اب عرصہ سے فخر الاساتذہ مولانا ظہیر دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا ابتدائی زمانہ ملازمت ریاست دربھنگہ میں گزرا پھر عرصہ تک ریاست بڑودہ میں رہے اب ۷، ۸ سال سے حیدر آباد میں مقیم اور راجہ راے رایان امانت ونت بہادر کی سرکار میں مصاحب اور نوبلز کلب کے سکرٹری ہیں۔ ۴۷ و ۴۸ برس کی عمر ہے۔ شوخ طبیعت پائی ہے شعر اچھا کہتے ہیں اور اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں۔ فارسی کی استعداد اچھی ہے چند سال ہوئے نسیم دکن نامی گلدستہ آپنے جاری کیا تھا اب عرصہ سے بند ہے۔ حیدر آباد کے مشاعروں میں آپ شوق سے شریک ہوتے ہیں اور وہاں کے شعرا میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

تفرقے فرقتِ دلدار میں کیا ہوتے ہیں
دل کے دو حرف مگر وہ بھی جدا ہوتے ہیں

ہجر میں پاسِ وفا و ستم آرا کب تک
اب تو شرمندۂ احسانِ قضا ہوتے ہیں

انکی تمکیں سے جُھکے ہیں سرِ نخوت کیا کیا
بت بھی اللہ وغنی شانِ خدا ہوتے ہیں

بت بنے بیٹھے ہو کیوں دیر میں جاکر برتر
ڈھنگ مومن کے یہی مردِ خدا ہوتے ہیں

یہ کیا غضب کیا مرے شکوے رقیب سے
رسوا کرے تمھیں نہ تمھاری زباں کہیں

کچھ تو لگاؤ ہو پئے تسکینِ دردِ دل
نامہرباں ہی مجھ پہ رہو مہرباں کہیں

میرے مرنے پہ کیوں آئینہ حیرت تمام ہو
حقیقت تو یہ ہے اس ابتدا کی انتہا تم ہو

نگاہِ ناز سے دیکھا جدھر بسمل ہوئے لاکھوں
مگر طرفہ قدر اندازِ تیرِ بے خطا تم ہو

غرورِ ناز میں بھی بے نیازی ہو نہیں سکتی
تغافل کیش ہو خواہانِ جانِ مبتلا تم ہو

مزہ آجائے پامالِ ستم کو پائمالی کا
اگر کچھ بھی شریکِ جورِ چرخِ فتنہ زا تم ہو

قیامت میں بھی ہو اک دھوم بزمِ عیش برتر کی
مزا ہو گر سزائے جرمِ الفت کی جزا تم ہو

پسِ چلمن یہ ایمائے جمالِ حیرت افزا ہے
تماشا ہو گئے کیوں حسنِ صورت دیکھنے والے

حقیقت میں ہمارا کفر بھی اسلام ہے زاہد
بتوں کو دیکھتے ہیں شانِ قدرت دیکھنے والے

تبسم غنچۂ لب کا نمکپاشِ جراحت ہے
تمھیں کتنے ہیں یوں کانِ ملاحت دیکھنے والے

گھڑی بھر دیکھ لینگے سیر آشوبِ قیامت کی
اگر جیتے بچے ہم طولِ فرقت دیکھنے والے

شبِ وصل انکا شرما کر یہ کہنا ناز سے برتر
کسی کی آج ہم ہیں آدمیت دیکھنے والے

ہے یہ افتادِ گراں جانی کہ بعدِ مرگ بھی
نعشِ بسمل سے نظر اُٹھتی نہیں جلاد کی

اب نواسنجی کے آ بیٹھنگے گلستاں میں مرے
دل سے بلبل کے خلش جاتی رہی صیاد کی

وہ خاک پر ہے میں ہوں تہِ خاک ضعف سے
مجھ سے نہ دب سکے گا ترا نقشِ پا کبھی

کرم مجھ پر زیادہ تھا تو دشمن پر جفا کم تھی
تری بیداد یہ اور بانیِ بیداد کیا کم تھی

پردہ اُٹھا کبھی جو رُخِ رشکِ ماہ سے
آیا مجھے حجابِ خود اپنی نگاہ سے

احساں ہے مجھ پہ جلوۂ نظارہ سوز کا
میری نظر لڑی نہ کسی کی نگاہ سے

ہماری خانہ ویرانی مگر وجہ سکوں ہوگی	تڑپ جو کچھ ہے بجلی کی بقائے آشیاں تک ہے
ہوئی مدت رہائی کو مگر یہ رنگِ وحشت ہے	درِ زنداں پہ ابتک پھڑ پھڑاتی ہیں پر چھائیاں میری

برتر

(برتر) مولوی انیس الدین فرخ آبادی ـ یہ آپکے کلام کا نمونہ ہے ؎

اقرار شرم سے جو کیا ہر گناہ کا	چھوڑا خدا کے رحم نے منہ عذرخواہ کا
کمسن ہو ڈر بجا و ذرا ڈال لو نقاب	دم ٹوٹتا ہے بسملِ تیغِ نگاہ کا
بالیں پہ ہاے آکے کسیکا پکارنا	کس منہ سے تمنے وعدہ کیا تھا نباہ کا
حشر کے دن بھی تو سب نے اُس کو دیوانہ کہا	جو گنہگار اُن کا تھا گویا گنہ سے پاک تھا
تم اپنے بات کے پورے ہو مانا	مگر دل بھی ہے اپنے نام کا دل
ادہر پتھر سے سنگیں اُنکی باتیں	اُدھر شیشے سے نازک تر مرا دل

برجیس

(برجیس) صاحب عالم و عالمیاں شاہزادہ مرزا برجیس قدر بہادر خلف الرشید حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ آپکی والدہ نواب حضرت محل بادشاہ کی ممتاز بیگموں میں تھیں ـ انتزاع سلطنت کے بعد جب بادشاہ کلکتے چلے گئے آپ اپنی والدہ کے سایہ عاطفت میں لکھنو میں قیام پذیر تھے کہ غدر ہوگیا ـ آپکی عمر اُسوقت نو برس سے زیادہ نہ تھی ـ جب باغی فوج لکھنو میں داخل ہوئے تو اُسنے پہلے مرزا مصطفےٰ علی حیدر شاہ اودھ معزول کے برادر کلاں کو بادشاہ بنانا چاہا مگر انگریزوں نے اُنہیں بیلی گارد میں لے لیا ـ پھر فوج نے مرزا جہانقدر بہادر مرحوم کو بزور لینا چاہا مگر اُنکی والدہ نے یہ امر منظور نہ کیا اور اُنہیں لیکر بیلی گارد میں چلی گئیں ـ آخرش فوج نے مرزا برجیس قدر کو مسند حکومت پر متمکن کر دیا ـ شاہِ دہلی کی جانب سے باضابطہ تقرری منصب وزارت کے لئے ایک سفارت نواب حضرت محل نے دہلی روانہ کی انکے نام کا سکہ جاری ہوا جملہ نظم و نسق ریاست نواب حضرت محل صاحبہ کے حکم سے ہونے لگا ـ اور اکثر اودھ کے رؤسا اور سابق حکام شاہی نے اُنکا ساتھ دیا ـ العرض نو ماہ تک اُنکی حکومت رہی آخر کو سرداران فوج میں ناچاقی ہوگئی اُدھر انگریزی فوج دہلی فتح کرکے اودھ

کی طرف متوجہ ہوئی اور شہر پر گولہ باری کر دی۔ ایک تلاطم مچ گیا۔ اس ہنگامہ میں نواب حضرت محل اُنہیں لیکر مختصر جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر نکلیں اور مختلف اضلاع میں کئی ماہ تک نہایت دلیری۔ تحمل اور استقلال سے مقابلہ کرتی رہیں لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور انجام کار اُنہیں نیپال میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ مہاراجہ جنگ بہادر نے لوازم مہمانی بآئیں شائستہ ادا کئے اور انکے گزارہ کے لئے معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ اُس زمانہ میں ہر چند سرکار نے چاہا کہ بیگم صاحبہ عملداری ہند میں قیام کریں اور سُنا گیا ہے کہ لاکھ روپیہ ماہوار بطور پنشن اُنہیں دئے جانے کی تجویز بھی ہوئی مگر بیگم صاحبہ نے کسیطرح اس امر کو قبول نہ کیا نیپال ہی میں ساری عمر گزار دی۔ اُنکے انتقال کے بعد صاحب عالم بہادر وہیں تشریف فرما رہے۔ چند پرانے نمک حلال آپکے اس غریب الوطنی میں بھی رفیق رہے۔ شاہ اودھ کے انتقال کے بعد آپ سنہ ۱۸۹۰ء میں کلکتے چلے آئے اور اپنے استقرار حق کے لئے سرکار انگریزی میں کوشاں رہے سرکار نے تا تصفیہ حقوق آپکے خورونوش کے لئے چار سو روپیہ ماہوار مقرر کر دیا۔ مگر برابر پولیس کمشنر کی زیر نگرانی رہے۔

گورنمنٹ کے اکثر جلیل القدر حکام انکے زمانۂ حکومت کی باتیں اُنہیں یاد دلایا کرتے تھے مگر یہ حکایتًا ہوتا تھا نہ کہ شکایتًا کیونکہ فی الواقع وہ اُسوقت بالکل کمسن تھے آپ کا رنگ سانولا ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے۔ قد پستہ۔ مزاج بہت سیدھا۔ انکسار اور خلق بیحد تھا۔ موسیقی کا بہت شوق تھا۔ گاہ گاہ شعر بھی کہتے تھے۔ ابھی انکے معاملات سرکار کے زیر تجویز تھے کہ یکایک سنہ ۱۸۹۳ء میں سفر آخرت پیش آیا۔ انکے بیٹے بیٹیوں اور چند ہمراہیوں نے بھی انکے ساتھ ہی دم دیا۔ ۴۵ - ۴۶ برس کی عمر ہوئی۔ ایک ممتوعہ ایک لڑکی آپکی یادگار رہی اور ایک لڑکا بعد وفات پیدا ہوا جسکا نام مرزا خورشید قدر ہے۔ سرکار سے اب ۲۵۰ روپیہ ماہوار سب کو وظیفہ ملتا ہے چند شعر بہزار دقت دستیاب ہوئے۔ وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

بلبل تو ہوں پر ایک گل یاسمیں سے دور	برجیس ہوں مگر بت زہرہ جبیں سے دور

ہوتا نہیں اثر ترے دل میں تو سنگدل — یاں تیر آہ گزرا ہے عرش بریں سے دور
ہے شکرِ کردگار عقوبات سے بچے — خالق نے کر دیا مجھے تاج و نگیں سے دور
تکرار ایسے لفظ کی بوسہ کے وقت واہ — للہ آپ رکھیں زباں کو نہیں سے دور
مٹی خراب ہوگئی نیپال میں تری + — رہنا ہے کیوں مزارِ امام مبیں سے دور

برشتہ

(برشتہ) آغا حسین علی مرحوم۔ استاد الاساتذہ میر تقی میر مرحوم کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اردو فارسی دونوں میں صاحب دیوان تھے۔ دو شعر ملے تبرکاً درج کئے گئے ہ

ہر وقت مجھے کرتا ہے دو نوجواں دماغ — استاد داغ اٹھانے کا مجھکو کہاں دماغ
بوئے عبیر سے جو سارا بھر گیا میرا دماغ — کوئے زلفِ یار سے باد صبا آئی نہو

برق

(برق) میاں شاہ جی۔ ایک موزوں طبع شاعر تھے۔ فن سخن میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے مستفیض تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں شوخی درجۂ اعتدال سے متجاوز تھی۔ ان کا کچھ کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا جس سے تین چار شعر انتخاباً درج ذیل ہیں ہ

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے — واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے
ہو وے دلِ پژمردہ مرا کیونکہ شگفتہ — ہے باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے
اے برق نہ جی اپنا جلا یاد میں اسکے — کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے
کیا دھوم سے اٹھی ہے گھٹا اسی ہوا میں — افسوس کہ ساقی و مے و جام نہیں ہے

برق

(برق) فتح الدولہ بخشی الملک میرزا محمد رضا خاں ابن مرزا کاظم علی مرحوم مصاحب خاص و استاد حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختر بادشاہ لکھنو۔ شاگرد رشید ناسخ مغفور۔ انتزاع سلطنت اودھ کے بعد برق مرحوم اپنے خلوص دلی سے بادشاہ کے ہمرکاب کلکتے گئے اور ہنگام غدر میں جب گورنر جنرل نے مزید احتیاط کے لئے بادشاہ کو فورٹ ولیم میں نظر بند کیا یہ مردانہ دار بادشاہ کی رفاقت میں رہے بادشاہ کو ان سے دلی انس تھا اور وہیں چند ماہ بعد ۱۸۵۸ء میں حق نمک سے ادا ہوئے یعنی انتقال کیا اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ چنانچہ یہ انکا کہا ہوا شعر ہے ہ

برق جو کہتے تھے آخر وہی کر کر اُٹھے	جان دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اُٹھے

ایام شباب میں بڑے جری اور بانکے مشہور تھے۔ منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی وزارت میں بڑے مقتدر اور بارسوخ رہے تمام عمر خوش حالی اور فارغ البالی سے بسر کی۔ صاحب دیوان اور نامی شعرائے لکھنو میں تھے۔ ایک شہر آشوب لکھنو کے حال میں بہت درد انگیز لکھا ہے بڑے پرگو شاعر تھے۔ ضخیم دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ تشبیہ و رعایت لفظی سے کوئی شعر خالی نہ ہوتا تھا۔ غضب کے مشاق تھے۔ بیان میں صفائی و سلاست بھی ہے۔ اصناف سخن پر اچھی طرح قادر تھے۔ غزل کے علاوہ مخمس۔ مسدس۔ ترکیب و ترجیع بند مثنوی۔ رباعی۔ قطعہ غرض سب کچھ کہتے تھے۔ اپنے اُستاد کی دل سے قدر کرتے اور اُن سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت برق کا دیوان عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط اور کمال صحت کے ساتھ اُنکے زمانے ہی میں چھپ گیا۔ اُنکے جامع صفات اور مخزن کمالات ہونے میں کچھ شبہہ نہیں۔ شاعری کے علاوہ پتا بنوٹ بانک خوب جانتے تھے اور تلوار بہت اچھی لگاتے تھے۔ بذل و رحم بھی اُنکا مشہور تھا۔ انکے شاگردوں میں حضرت جلال لکھنوی یادگار اساتذۂ سلف ہیں۔ اب انتخاب دیوان ملاحظہ ہو

بے پردہ دیکھنے کی تجھے کسکو تاب ہے	عاشق کو برق طور ہے گوشہ نقاب کا
گوہر افشاں ہے نیسان کرم سلطان عالم کا	بہار آئی جوانان چمن کی لکھنو چمکا
سخاوت کے یہ معنی ہیں کریمی اسکو کہتے ہیں	کہ حاتم بھی گدائے کمتریں ہے میرے حاتم کا
راجہ اندر کا اکھاڑا صحبت اقدس ہے برق	نام رکھا ہے پرستاں بزم عشرت گاہ کا
جل بجھے گا طالب دیدار اپنی آگ میں	نام ہے برق تجلی شعلۂ ادراک کا
خواہان وصل یار ہے طالب محال کا	ممکن نہیں جواب ہمارے سوال کا
اسفل بھی انکسار سے پاتا ہے مرتبہ	گر کر بڑھا نہال سے سایہ نہال کا
دے کر سخی اُٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں	پتھر عوض ثمر کے ثمر ہے نہال کا

اتنا تو جذبِ عشق نے بارے اثر کیا
اُسکو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

لے گئی موت مجھے سوئے عدم ہستی سے
بے طلب گھر میں خدا کے بھی تو مہماں ہوا

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی
جھپکی نہ آنکھ بھی کہ ادھر سے اُدھر گیا

تن تن کے میں گیا صفِ مژگاں کے سامنے
ہر بار نوکِ نیزہ سے سینا ملا دیا

نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی
اچھا ہوا جو خاک میں تمنے ملا دیا

برائی ہوئی مُنہ دکھانے سے کیا
ہزاروں کا اسمیں بھلا ہو گیا

بحرِ عالم میں رہی کشتیٔ امید تباہ
دمبدم موجِ حوادث نے طمانچہ مارا

اسی بہلانے سے پوچھا تو جاؤنگا اے برق
ہزار شکر کہ بندہ گناہگار رہا

راحت بھی کم از غم نہیں دل جبکہ غمیں ہو
صرصر مجھے جھونکا ہے نسیمِ سحری کا

میرے مولا ہیں صنم میرے ہیں میرے محبوب
عاشق اُنکا ہوں غلام اُنکا ہوں بندہ اُنکا

آنکلتا کبھی زاہد جو تری محفل میں
ہاتھ میں شیشۂ مے طاق پہ قرآں ہوتا

خیر گزری کہ چلے آئے کہاں لیسا
ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا

سر پر اعلیٰ کے بلا آئی تو ادنا بڑھ گیا
دھوپ جب بڑھنے لگی قامت سے سایہ بڑھ گیا

زینتِ اسلام اسے زاہد سیاہی دلکی ہے
جامۂ کعبہ ہوا جب کفر اپنا بڑھ گیا

دیں و ایماں کہتے ہیں کسکو خدا کا نام لو
سب کو بھولے یہ اثر ہے اُس صنم کی یاد کا

اذاں دی کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

سینہ داغوں سے رشکِ باغ ہوا
جسنے دیکھا وہ باغ باغ ہوا

مجکو ہر منزل پہ ہر جا دیکھنے آتی ہے خلق
لکھنؤ مجھ سے چھٹا کیا میں تماشا ہو گیا

تو نے اُسکو عزیزِ مصر کیا
ماہِ کنعاں غلام ہے تیرا

ناتوانی نے حیاتِ جاودانی دی مجھے
کیا اجل پائے نشاں عاشق کے جسمِ زار کا

گر قناعت سے آشنا ہوتا
جامِ جم کاسۂ گدا ہوتا

بیان کیا ہو رُخ و جبیں کا وہ مہر ہے چاند چودھویں کا

جو اہلِ رفعت ہیں صاف طینت بال انکو ہو دل کی کلفت

بتاؤں کیا تجھے لذت نہ پوچھ اے زاہد

کہاں کی توبہ کسے خلد چاہیئے۔ توبہ

فراقِ یار میں لذت نہیں ہے جینے کی

نہیں ہے اس سے اپنے بھی نفع موذی کو

تُو آئے عیادت کو تو کہنے لگے عیسے

ہر ایک نفس عشق میں ہے زندگیٔ خضر

سب میں ہے جلوہ اُسیکا کیا میں دیکھوں سوئے دوست

بوسہ لیتے ہی قرارِ دلِ مضطر رہا

اُس مسیحا نے قدم رنجہ کیا کیوں نہ کہوں

باغباں خواب سے چونکا تو غضب لائے گا

پیکاں کے ساتھ ساتھ جو نکلے دل و جگر

مانند تیر اور جھکا بڑھ گئے عجز سے

وہ رازقِ کریم ہے تو اے کریمِ خلق

کس مُنہ سے وصف تیرے لبوں کے بیاں ہو

وہ ہم نہیں کہ بیٹھ کے پھر اُٹھیں جیتے جی

گرم بازاریٔ معشوق تو عشاق سے ہے

فروغِ رتبۂ عالی جہاں میں خاکساری ہے

بچایا سختیوں سے دشمنوں کی ملکے چلنے نے

آتا نہیں قرارِ دلِ بیقرار کو

جو عکس پڑ جائے اُس حسیں کا ستارہ ہر ذرہ ہو زمیں کا

ہمیشہ رہتے ہیں سب کدورت اثر فلک پر نہیں زمیں کا

چھٹے نہ حشر تلک مُنہ سے جو لگائے شراب

قبول مجکو جہنم ہے کوئی لائے شراب

پلا دے زہر مجھے ساقیا بجائے شراب

یہ دخل کیا ہے کہ کچھ گنج میں سے کھائے سانپ

کیوں ہم نہوئے آج کو بیمارِ محبت

جینے کے لئے مرتے ہیں بیمارِ محبت

میری نظروں میں ہے یکساں سب رہِ دشمن رہِ دوست

بڑھ گیا دردِ جگر اور دوا کے باعث

اُتر آیا ہے فلک سے میرے گھر میں خورشید

کھیلتی ہے اجل سے بلبلِ نالاں سے پر

ناوک فگن بھی رونے لگا تیر دیکھکر

سر ہے زمین پر تو قدم آسمان پر

کچھ قید نیک و بد کی نہیں تیرے خوان پر

دنیا کی لذتیں ہیں ہماری زبان پر

مٹ جائیں گے فقیر اسی آستان پر

قدر موقوف ہے ہر شے کی خریدار و نپر

یہ لازم ہے زمیں بنجائے انساں آسماں ہو کر

رہا محفوظ دانتوں میں ہمیشہ میں زباں ہو کر

غم میں پھنسا ہوں دامِ محبت سے چھوٹکر

در مدح سلطان عالم واجد علی شاہ

عشق اگر منظور ہے اُس سیمتن سے آپکو
پہلے رکھ لیجے منگاکر برق توڑے زر کے پاس

رہین زمین ہے کیا زیرِ آسمان خاموش
فغان کہ خاک کے نیچے ہے اِک جہان خاموش

بیکسوں کے واسطے جلتا ہے دل کسکا یہاں
کون رکھتا ہے بھلا گورِ بیابان میں چراغ

چاند سورج کو ترستا ہوں سیہ خانے میں
کسکو پھر کہئے شبِ غم میں پکارے مشتاق

عجب بانکے کنھیا نوجواں سلطانعالم ہیں
کہ قالب ہے جہاں جانِ جہاں سلطانعالم ہیں

حسین و خوبرو شاہِ شہاں سلطانعالم ہیں
جوانمرد و جواں بخت و جواں سلطانعالم ہیں

زبانِ موج سے بادِ بہاری کہتی پھرتی ہے
کہ قیصر باغ کے سروِ رواں سلطانعالم ہیں

بنا ہے لکھنؤ کنعاں ورشکِ مصر ہیں کوچے
عزیز و یوسفِ ہندوستاں سلطانعالم ہیں

لبِ جاں بخش سے جیتے ہیں مردے باتوں باتوں میں
مسیحائے جہاں معجز بیاں سلطانعالم ہیں

صدقے کیونکر نہ بھلا تابعِ فرماں ہوجائیں
دیکھیں پریاں بھی جو حضرت کو تو قرباں ہوجائیں

پیشِ الفت درہم و دینار کو رتبہ ہے کیا
بندۂ بے زر ہیں ہمکو بیچ لو بازار میں

جب کہا میں نے کہ تڑپیگی تہِ خاک بھی روح
ہنسکے فرمانے لگے خلد میں کیا حور نہیں

بے عبادت نہ خدا بخشے گا سبحان اللہ
ایسی فردوس سے ہم گزرے کہ مزدور نہیں

لاکھ نعمت ہے جو بے رنج ملے نانِ جویں
پانی پی لیں گے اگر بادۂ انگور نہیں

موت نے آکر چھڑایا قیدِ ہجرِ یار سے
غم رقیبوں کو ہو سارے اقارب شاد ہیں

دے ڈالیں جان بات نہ دیں اپنی ہاتھ سے
نکلے نہ ہاں زباں سے کبھی اگر نہیں

قطعہ

ترکِ مے توبہ کرو کفر ہے لاحول و لا
برق موقوف اسی پر تو مزے سارے ہیں

روزِ زہاد کو پلواؤ سبیلیں رکھو
اپنے نزدیک یہ اس جرم کے کفارے ہیں

ترے خنجر نے بحرِ خوں میں نہلایا مجھے قاتل
تری تلوار نے کفنا دیا زخموں کے داماں میں

فزوں طاقت سے نعمت ہو تو سم ہے ناتوانوں کو
کہ اکثر مور مر جاتے ہیں جاکر شکرستاں میں

ہوگئی اللہ کی مجھ پر عنایت خواب میں
بخت جاگے دیکھ لی اُس بت کی صورت خواب میں

دل مکدر ہو تو سب عیشِ جہاں مٹی ہے	تو نہیں پاس تو پھر لطفِ چمن خاک نہیں
پارس سے بھی زیادہ ہے تاثیر پاؤں میں	چھوتے ہی خاک ہوتی ہے اکسیر پاؤں میں
کسقدر دور دور ساقی سے ہے	شیخ کہتا ہے مے حرام نہیں
عشق و غیرت شرم و نخوت مانع گفتار ہیں	اُس طرف مجبور وہ ہیں ہم ادھر ناچار ہیں
طالبِ سجدہ وہ بت ہے مجھے معلوم ہوا	اب یہ منظور ہے ناراض خدا مجھسے ہو
واہ رے رحم کریمی کے یہی معنی ہیں	عفو ہو اُنکی طرح سے جو خطا مجھ سے ہو
دل میں ہے عشقِ صنم نامِ خدا ہونٹوں پے	میں ہوں وہ رند کہ کہتے ہیں مسلماں مجکو
لذتِ بوسہ نے لب بند کئے زخموں کے	دہنِ یار ہوا غنچۂ پیکاں مجکو
میرا کیا جائے گا تم آپ ہی رسوا ہوگے	یہ ہنسی خوب نہیں کیوں مجھے رلواتے ہو
زاہدا وہ تو رگِ جاں سے کہیں ہے نزدیک	کیوں بھٹکتے ہو ادھر آؤ کہاں جاتے ہو
آج ترساؤ نہ صورت کو مُوا جاتا ہوں	کل دمِ حشر نہ دیدار دکھانا مجکو
شکل دکھلاؤ تو معلوم نہیں کیا ہو جائے	جانیں جاتی ہیں جو آواز سنا دیتے ہو
ایسا نہیں یہ سر کہ جھکے آگے غیر کے	پڑھتا نہیں نماز وہ جسمیں سلام ہو
اعجاز چال ہے بتِ محشر خرام کی	قدرِ خدا نے اُسکے قیامت تمام کی
خدا غریب کی سنتا ہے غیب سے فریاد	اثر عجیب دلِ دردمند رکھتا ہے

قطعہ

مٹانا اگر ان کو منظور تھا	یہ حیرت ہے پھر کیوں بنایا مجھے
فدا تھا جو میں خال و رخسار پر	عجب واقعہ پیش آیا مجھے
یہ جھگڑا رہا کفر و اسلام کا	نہ گاڑا نہ اُسنے جلایا مجھے
سسکتا ہوں اچھے مسیحا ہیں آپ	نہ مارا نہ تمنے جلایا مجھے
کچھ بن آتی نہیں یہ حیرت ہے	کیا کرے عاشق اور کیا نکرے
مرتبہ عالی نہیں پاتا ہے اہلِ مال سے	جانتے ہیں اہلِ دانش جنکو عقل و ہوش ہے

سر کارتبہ پاؤں کو ہرگز کبھی ملتا نہیں
اس سے کیا ہوتا ہے زر و زری اگر پاپوش ہے

عشق ہوگا جو کسی سے تو کھُلے گا احوال
ہم بھی پوچھیں گے مزاج آج کہو کیسا ہے

قیامت آئے اُٹھاؤ جو پردۂ عارض
نہ ماہتاب رہے پھر نہ آفتاب رہے

زہر امرت ہے کہیں آبِ بقا زہر کہیں
بے سبب کونسی شے عالمِ اسباب میں ہے

شہرت بجا جہان میں اُس خودنما کی ہے
ایسے بشر بھی ہوتے ہیں قدرت خدا کی ہے

بے دئے جان نہیں بزم سے جانیوالے
اب تو بیٹھے ہیں اُٹھائیں تو اُٹھانے والے

پھیر کے للہ ادھر دیکھ کہاں جاتا ہے
قتل ہم ہو گئے اُو مُنہ کے چھپانیوالے

ایک ہے اللہ تو بندے بھی سارے ایک ہیں
پھر بتاؤ تفرقہ کیا زاہد و ہندو میں ہے

وہی اُسکا ہے جو دیتا ہے کسیکو کوئی
اپنی وہ چیز نہیں جو کہ پرائی نہ ہوئی

شکوہ مٹنے جو کیا جائے شکایت نہیں
جس سے ہوتی ہے اُمید اُس سے گلہ ہوتا ہے

خضر آگاہ لبِ یار کے بوسوں سے نہیں
جان تک دیتے ہیں عاشق یہ مزا ہوتا ہے

یوں تو ہر روز قیامت ہے قدِ جاناں سے
دیکھیں کب وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے

ہوش سب جاتے رہے جان پہ آفت آئی
پھر نہ میں آپ میں آیا جو طبیعت آئی

عیب بیں کو ہنرِ اہلِ ہنر سے چڑ ہے
کیوں نہ آئینے سے بدشکل کو نفرت ہو جائے

گریۂ و غم کی مجھے طاقت نہیں
معجزہ دکھلائے گر عیسیٔ عشق
کار و بارِ عشق اب کیونکر چلے
ساتھ قاتل کے تنِ بے سر چلے

اصل جس چیز کی جو ہے وہی ہے وصف اُسکا
بھرے تلخیٔ مے کیوں نہ حلاوت ہو جائے

اُٹھ گیا پردۂ دوئی تو کھُلا
خود پرستی خدا پرستی ہے

منعمو کوئی عمارت نہیں الفت سے زیاد
سیل کا خوف نہیں دل میں جو گھر ہوتا ہے

بیکس کو ستانا نہیں اچھا نہیں اچھا
تم شاد رہو گے جو ہمیں شاد کروگے

بتوں سے جلوۂ حق کا ظہور ہوتا ہے
عجیب خاک کے پتلوں میں نور ہوتا ہے

عاشق کو طواف کوچۂ جانانہ چاہیے
زاہد کو کعبہ رند کو میخانہ چاہیے

اے صنم اپنی جو قدرت میں خدائی ہوتی
مسجدوں میں تری تصویر لگائی ہوتی

مانو ہماری بات جو بخشش کی چاہ ہے
اے زاہد و گناہ نہ کرنا گناہ ہے

کیا حقیقت داغ کے آگے چراغ طور کی
رشک شمع طور ہے بتی مرے ناسور کی

صوم میں گزرے اگر دن مے پیا کر رات بھر
جام سے افطار کرنا روزے کا کفارہ ہے

جان دیں وہ ہم داغ ایک اگر کم ہو جائے
بخل عاشق پہ خدا ہمت حاتم ہو جائے

فلک نے داغ دئے لالہ زار کے بدلے
لئے خزاں نے چمن سے بہار کے بدلے

اٹھا کے آئینہ دکھلا دیا اسے سینے
نسوجھی عارض گلگوں کی جب مثال مجھے

نگاہ مست سے بیہوش کر دیا تو نے
پیالہ ہاتھ سے رکھ ساقیا سنبھال مجھے

ایسی قسمت تو کہاں سچ جو کوئی بات کہو
جھوٹ وعدہ بھی تمھارا سبب تسکیں ہے

رنج ہوتا ہے جہاں میں صحبت ناجنس سے
جسم میں جب تک رہیگی روح بے آرام ہے

چشم حق بیں کو جہاں میں کفر سے کیا کام ہے
ہر صنم خانہ نظر میں کعبۂ اسلام ہے

جز غبار دل نہیں حاصل کسیکو چرخ سے
خاک جھڑتی ہے ہمیشہ کہنہ سقف بام ہے

چاک جگر کو طاق دعائے حرم سمجھ
قبضے میں ذو الفقار ہے گر دل دو نیم ہے

کچھ حاجت لباس نہیں اہل خضر کو
دن چادر سفید ہے ہر شب گلیم ہے

جور و جفا اٹھانے کی طاقت نہیں
آزاد کر کہ بندہ غلام قدیم ہے

جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی
کیا شوخیاں ہیں ابلق لیل و نہار کی

میں جو روتا ہوں تو کہتے ہیں مجھے ہنس ہنس کر
جو کرے عشق یہی اسکی سزا ہوتی ہے

ناحق اپنے پاؤں توڑے یہ نہ سمجھا زاہدا
وہ رگ جاں سے بھی ہے نزدیک کعبہ دور ہے

جوش وحشت کا تقاضا ہے کہ دل خوں کیجے
دشت میں روشن چراغ نام مجنوں کیجے

چاہیے تدبیر بیجا شکوے ہیں تقدیر کے
یہ بڑی تقصیر ہے قائل نہوں تقصیر کے

قوتِ بازو عدو کو جانتے ہیں اہلِ دل	طائرِ جاں کو پرِ پروانہ ہیں پر تیر کے
جو کڑے ہیں چرخ سے انگوٹھی حلقہ نہیں	آسیا سے پستے ہیں دانے کہاں زنجیر کے
کام کچھ کسب و ہنر آتا نہیں ادبار میں	زنگ سے جوہر عیاں ہوتے نہیں شمشیر کے
فیضِ نیسانِ کرم سے بیزباں تنگ سیر ہیں	رزق پہونچاتا ہے رازق مُنہ صدف کا چیر کے

برق

(**برق**) قاضی نجم الدین صاحب برق خلف قاضی سراج الدین از خاندان قضات سکندر آباد نواح دہلی۔ آپ کا بچپن اور شباب دہلی میں گزرا اور وہیں تعلیم پا کر حکیم مومن خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فنِ شعر میں استفادہ کیا۔ چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ اُنہیں کے اشارہ سے میر حسین صاحب تسکین (شاگرد رشید مومن) سے اصلاح لینے لگے۔ طبیعت قدرتاً شاعری کے مناسب پائی تھی۔ چند ہی روز کی مشق میں اچھا نام پیدا کر لیا۔ عاشقانہ مضامین بالخصوص معاملہ بندی میں فرد تھے۔ شوخیِ طبع میں اسم بامسمی برق تھے۔ کلام بے ساختہ دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔ غدر سے پیشتر آپ کا عین شباب کا عالم تھا مگر خداداد ذہانت اور زورِ طبع کی بدولت اُس زمانہ میں بھی آپ کا کلام دہلی میں زبان زد خاص و عام ہو گیا تھا۔ اکثر اربابِ نشاط آپ ہی کے کلام رنگین سے رقص و سرود کی مجالس کو گرم کرتی تھیں۔ اور فی الواقع آپکے نتائج افکار میں غضب کی دلفریبی اور بلا کی دل گرفتگی ہے۔ شروع جوانی میں جب ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگرہ اور الہ آباد کی عدالتوں میں امین رہے۔ بعد حصول پنشن مراد آباد میں وکالت اختیار کی۔ ۷۲ برس کی عمر پاکر انجام کار وہیں ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا۔ چونکہ طبیعت کی لاپرواہی اور خلقی استغنا نے شاعری کو بطور فن مشغلہ نہ بنانے دیا اسلئے بیشتر حصہ کلام تلف ہو گیا اور جس شہرت کا فی الحقیقت مستحق تھا وہ حاصل نہ ہونے پائی۔ وجیہہ۔ خوشخو اور وضعدار شخص تھے۔ اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی بدولت جلسہ احباب کے روحِ رواں سمجھے جاتے تھے۔ نفاست بندش اور عمدگیٔ مضامین کے دلدادہ آپ کا طرز ادائے بیان غضب کا دلکش ہے

غزلوں میں آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور اُن میں سے اکثر موسیقی کی دلفریب چاشنی سے مملو ہیں۔ ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام مختلف ذرائع سے بکوشش تمام ملا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

آج ارمان میرے دیدۂ تر کا نکلا ؎ — کہ ہر ایک اشک سے اِک لختِ جگر کا نکلا
ہم تو کہتے تھے کہ جنت میں لگے گا کیا جی — بارے کچھ اُس میں بھی نقشہ ترے گھر کا نکلا
وہ بغل میں بھی رہا تو بھی نہ پایا آرام — دل سے کھٹکا نہ شبِ وصل سحر کا نکلا
اے فلک تجکو بھی سوزش کا چکھا دینگے مزا — ایک بھی نالہ جو اس تفتہ جگر کا نکلا
خط پہ خط بھیجے اُسے لیک یہ حسرت ہی رہی — کوئی قاصد نہ کبھی آن اُدھر کا نکلا
عمر تو ساری ؎ کٹی کسبِ کمالات میں برق — یاں ؎ نہ پرساں ہی کوئی اہلِ ہنر کا نکلا

جلایا گھر عدو کا اور نہ کاخِ آسماں پھونکا — مجھی کو چپکے چپکے تو نے اے سوزِ نہاں پھونکا
اُٹھے کیونکر نہ دود دل کہ اُس بدخو نے محفل میں — دیا حقہ عدو کو اور میری جانب دھواں پھونکا
بتوں کی گرم خوئی سے دلِ عشاق جلتے ہیں — ہمیں تو سرد مہری نے تمہاری مہرباں پھونکا
پری محفل میں ہل چل اُٹھ چلے وہ اک قیامت ہے — یہ کیسا صور تو نے نالۂ آتش فشاں پھونکا

کیا کیا اُڑی ہیں جیب و گریباں کی دھجیاں — ہاتھوں سے جبکہ یار کا داماں نکل گیا
پوچھا جو اُس نے آپ ہمیں چاہتے ہیں کیا — بے ساختہ زباں سے مری ہاں نکل گیا
اے برق تیز دستی وحشت کو دیکھنا — دامن کے سیتے سیتے گریباں نکل گیا

میری خاطر پھر دکھا عالم رخِ پرنور کا — غش سے موسیٰ نے نہیں دیکھا ہے جلوہ طور کا
گر یہی ہے شوق پابوسی تو بعد مرگ بھی — ٹھوکریں کھاتا پھرے گا لاشہ اس رنجور کا
گر کوئی محشر میں پرساں ہو تو فریادی ترے — ہر دہانِ زخم سے بس کام نفخِ صور کا

کیا لگی پھرتی ہے اُس پائے نگاریں سے بہار — جس جگہ اُس نے قدم رکھا گلستاں ہو گیا
صورتِ گل چاک چاک اپنا جگر ہے برق یاں — چارہ گر کو فکر ہے ٹکڑے گریباں ہو گیا

؎ مدت کی عمر یونہی ۱۲ ؎ کوئی پرساں نہ یہاں ۱۲

دل چور تھا زخموں سے مرا گر پڑے جگر تھا
شب رُخ تری مژگاں کا خدا جانے کدھر تھا

کیوں ضبط کیا دیکھ کے بیتاب اُسے ہائے
شب لب پہ جو نالہ تھا سو سرگرمِ اثر تھا

یوں کاٹ لیا قاتلِ سفاک نے ہمدم
گویا کہ ازل ہی سے نہ تن پر مرے سر تھا

شب غیر میں اور رہم میں رہی یوں ہی لڑائی
دیکھا تو وہ بے دید ادھر تھا نہ اُدھر تھا

کس واسطے خوش آئی تجھے دل کی خرابی
اے خانہ برانداز یہ تیرا ہی تو گھر تھا

سودائے محبت میں کئے نالہ و افغاں
حاصل ہمیں ہر کام سے اک جی کا ضرر تھا

وہ بھی نہ رہا جوششِ محبت میں الٰہی +
پہلے جو مری آہ میں تھوڑا سا اثر تھا

طالع جو بُرے تھے نہ ہُوا ستمنے تو ورنہ
وہ کام کئے جس میں مرے جی کا ضرر تھا

وہ وقت نہ پایا کہ کہیں حالِ دل اپنا
جب دیکھا اُنہیں آئینہ ہی پیشِ نظر تھا

وہاں جاکے چھپا کوئی جہاں جانے نہ پائے
اے برق یہ نالوں سے ترے غیر کو ڈر تھا

میں تو ہوں محوِ تماشا اک بتِ مغرور کا
واعظِ ناداں مجھے دیتا ہے لالچ حور کا

اب نہیں تابِ تحمل تو اٹھا رخ سے نقاب
اک فسانہ ہوگیا عالم میں جلوہ طور کا

اُف رے گرمیٔ محبت عمر بھر مانگے پناہ
گر پڑے دوزخ پہ سایہ اس تنِ محرور کا

چارہ گر وہ مہروش آتے جو اس مجروح تک
چاندنی میں ہوا اثر پیدا ابھی کافور کا

مے سے کی ہے گرچہ توبہ لیک ہوجاتا ہوں مست
جب خیال آتا ہے اُسکی نرگسِ مخمور کا

ہمنے جب طالع سے مانگا یار کا روزِ وصال
تیرہ بختی نے دکھایا مُنہ شبِ دیجور کا +

ہجر کی شب روتے روتے جان دی تھی گو کہیں
سیلِ گریہ لے گئی لاشہ ترے رنجور کا

گر نہیں جاتی بلا سے مار ہی ڈالے مجھے
یوں بھی تو احسان ہوتا ہے شبِ دیجور کا

پیر میخانہ ہے تسکیں برق اُسکا جرعہ کش
ہے مزا اُسکے سخن میں بادۂ انگور کا

قلقلِ مینا ہے بے ساقی کے نالہ صور کا
آفتابِ حشر ہے ساغر جو ہے بلّور کا +

کوئے جاناں سے نکلتے ہی یہ حالت ہوگئی
جس طرح بار اٹھا آئے مسافر دور کا

ہے بظاہر ترکِ لذت دل میں ہے حور و شراب
زاہد کو کچھ بھی ٹھکانا ہے تمھارے زور کا

میں نہ سوجھا موت کو سوا آتشیں نالوں پہ بھی
کچھ اندھیرا سا اندھیرا تھا شبِ دیجور کا

وعدۂ دیدار ہے محشر پہ تو ہی کر مدد
انتظار اب نالۂ پرشور کب تک صور کا

وصل کی شب صبح ہوتے ہی قیامت آگئی
بانگ تھی مرغِ سحر کی یا کہ نالہ صور کا

جان دینے پر بھی عاشق بات سے ٹلتے نہیں
کیا ہوا گر دار پر سر رکھ دیا منصور کا

سوزِ دل جاتا رہا سینہ سے لگتے ہی ترے
گرم جوشی نے اثر پیدا کیا کافور کا

کیوں نہ ہو ہر دم جہنم سے صدا ہل من مزید
برق لقمہ گرم ہے میرے تنِ محرور کا

وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں تلک
ملتا نہیں زمیں کا پتہ آسماں تلک

جی چاہتا ہے خاک میں ملئے یہاں تلک
پیدا نہ ہووے حشر کے دن بھی نشاں تلک

صیاد ظلم کرتے ہیں لیکن نہ یہاں تلک
میرا چمن سے پھینکدیا آشیاں تلک

واں دل میں یہ کہ بوسہ بھی نہ دیجیے
ہاں شوق یہ کہ چوسئے انکی زباں تلک

عدو کے وصل کے وہاں عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں
ہماری جاں کے جانے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

مزا بڑھتا چلا ہے انکو بے باکانہ ملنے کا
نگہباں بر طرف موقوف درباں ہوتے جاتے ہیں

چھری پھیرے گا دم لے لیکے اس سے کب توقع تھی
یہ قاتل کی مری گردن پہ احساں ہوتے جاتے ہیں

تاثیر کچھ بھی ہووے تو رونے کا ڈر نہیں
ناحق تو کر خراب مجھے چشمِ تر نہیں

وہ اشک کیا ہے جس میں کہ لختِ جگر نہیں
کیا ہے وہ آستین کہ لوہو میں تر نہیں

رشکِ عدو و حسرتِ وصل آرزوئے مرگ
صدمہ ہے کونسا جو مری جاں پر نہیں

گو تیر کی نگاہ ہے پر دیکھتے تو ہیں +
کیوں کر کہیں کہ آہ میں اپنی اثر نہیں +

تیرے ستم سے موت کی خواہش ہوئی ہمیں
ورنہ ہمارے دل میں فقط تیری چاہ تھی

جان جاتی ہے جو گردن سے جدا ہوتا ہے
ہائے کیا خنجرِ قاتل میں مزا ہوتا ہے

دیکھ لیں ہم بھی کہ دل لیتا ہے کیونکر کوئی
ہاں اشارہ کرے وہ چشمِ فسونگر کوئی +

دستِ تسکیں وہ مرے سینہ پہ رکھکر بولے
لے گیا برق ترا کب دلِ مضطر کوئی

پیکاں نکالنا ہے اگر ہاں نکال لئے
پر دل پہ ہاتھ رکھ کے مری جاں نکال لئے

بہت ہے مے کا قطرہ بھی جو دے ساقی محبت سے
غنیمت ہے جو گزرے کوئی دم غفلت میں حرمت سے

ترا قامت بنا کر صانعِ قدرت نے فرمایا
کہ یہ فتنہ رہے گا دو قدم آگے قیامت سے

وا جو گلشن میں ترا عقدۂ گیسو ہو جائے
غنچہ غنچہ گرۂ نافۂ آہو ہو جائے

کب یہ ممکن ہے نہ معشوق جفا جو ہو جائے
ہم مسیحا کو بھی چاہیں تو ہلاکو ہو جائے

نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں
غش وہ اس پر ہیں کہ شہرت میری ہر سو ہو جائے

کیا گہر دولتِ کونین تصدق اسپر
کسی دل میں جو مؤثر کوئی آنسو ہو جائے

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھاوے تو تو ہی تو ہو جائے

تو نہو گا تو ترا درد رہے گا دل میں
یہ نہو گا کبھی خالی میرا پہلو ہو جائے

بزم اغیار ہے ڈر ہے نہ خفا تو ہو جائے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہو ہو جائے

کشتۂ چشمِ فسونگر کا جلانا کیسا
نہ کہیں اور مسیحا پہ یہ جادو ہو جائے

ناز تو اسکے اٹھاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں
بے نیازی کی نہ اس بت میں کہیں خو ہو جائے

کچھ مزا ہے یہ ترے روٹھ کے من جانے میں
چاہتا ہوں یونہی ہر روز خفا تو ہو جائے

تو تو جس خاک کو چاہے تو کرے بندۂ پاک
میں خدا اسکو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

پہنچے اس بت کے نہ در تک یہ مری ہمت کا قصور
ورنہ چاہے جو بشر عرش پہ قابو ہو جائے

آپ انکار کریں وصل سے میں در گزرا
کچھ تو ہو جس سے طبیعت مری یکسو ہو جائے

در بدر پھرنے سے ملنا تو کسیکا معلوم
ہاں غنیمت ہے جو کچھ ہم سے تگا پو ہو جائے

منہ تکا کرتا تھا اعجازِ مسیحا جسکا
ہائے اوس پر ملک الموت کا قابو ہو جائے

ق

نہ وہ بلبل ہوں کہ ہر گل پہ فدا جاں کروں
نہ وہ پروانہ کہ ہر شمع کا قابو ہو جائے

ہاں یہ مانا کہیں دل بیٹھ کے بہلاؤں مگر
تو کہاں لا کے کسی میں تیری خو بو ہو جائے

ہو نہ لبس میں کوئی کچھ نہیں اسکی پروا
وہ آنکھ چُراتے ہیں میرے دیدۂ تر سے

جو دیکھ چکے نوح کا طوفان نظر سے
اِس غم میں کہ کوئی کبھی آتا تھا ادھر سے

دن رات پڑا رہتا ہوں دروازہ پر اپنے
دلِ بیتاب پہ اے برق جو قابو ہو جائے

برق

(**برق**) منشی محمد منظور احمد - وکیل شکوہ آباد فن سخن میں ابتدا سے حضرت داغ دہلوی کے ارادت مندوں میں ہیں پہلے منظور تخلص کرتے تھے۔ پھر برق تخلص اختیار کیا طبیعت تخلص کی موزونیت سے شوخ اور تیز پائی ہے - پھر اس براقی پر استاد کی تقلید و اصلاح سونے پر سہاگہ ہوگئی - ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام حاصل ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بھی دیا جگر بھی دیا جانِ زار بھی
ہمنے تو تیرے عشق میں سب کچھ لٹا دیا

سوا اسکے کہ تیغ پر جان دیدیں
ہماری آرزو کیا مدعا کیا

آبلے ٹوٹے ہیں نوکِ خار پر
سرکشوں کی موت آئی دار پر

وعدہ کرتے ہی تبسم آگیا
ناامیدی چھاگئی اقرار پر

بلائے ہجر ہے ضبطِ فغاں ہے
مصیبت میں جگر آفت میں جاں ہے

یہ ہے رازِ نیاز حضرتِ عشق
کسیکا سر کسیکا آستاں ہے

تمھاری خوش خرامی پر تصدق
قیامت کیوں نہیں ہوتی کہاں ہے

بیاں کرتے کو بلبل کی زباں ہے
عجب دلکش ہماری داستاں ہے

نظر پھرتے ہی پھر جاتی ہے قسمت
تری آنکھوں میں رنگِ آسماں ہے

آیا جہاں میں آتے ہی حسنِ بتاں نظر
ہم پہلے ہوش آنے سے بیہوش ہوگئے

آرزوئیں نکلتی ہیں دل سے
گلے مل مل کے تیغ قاتل سے

برق

(**برق**) جناب منشی ہری شنکر سہائے کالیستھ سرپواسٹو کلرک اسپشل فنڈ ہردوئی انکے والد منشی بلدیو سہائے لکھنؤ کے باشندہ ہیں - آپنے ایک رسالہ اصول اقلیدس پر شائع کیا ہے - فن سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ کیا کرتے تھے - ۴۰ برس کے قریب

عمر اور کلام مرسلہ کا انتخاب یہ ہے ٥

کچھ نہ پوچھو نازِ قاتل وقتِ قتل	ہر ادا پر اُس کے میں مر مر گیا
آئینہ دیکھ کے دیکھا یہ تماشائے عجیب	اک تماشا تھا اُسے اپنے تماشائی کا
آئی ہے بہار اب تو صیاد	بلبل کو قفس سے تو رہا کر
میں کہتا تو ہوں کہ ہے قیمتِ دل اک بوسہ	اسپہ حجت ہے تو پھر آپ ہی ارشاد کریں
جو تنک ہیں آپکے اُنکو منائے دیتے ہیں	لو آؤ چیر کے ہم دل دکھائے دیتے ہیں
جذبِ دل خود کھینچ لائے گا اُسے پروا نہیں	غیر بہکاتا ہے گر اُسکو تو بہکانے بھی دو
تم ہی سچے سہی آخر یہ جھگڑا اٹھے بھی ہو صاحب	بگڑتے کیوں ہو اچھا بیوفا میں باوفا تم ہو
یہ چھپ کر روز جانا میکدے میں حضرتِ زاہد	ہمیں معلوم ہے واللہ جیسے پارسا تم ہو
اللہ رے بیخودی کہ تصور میں یار کے	تصویرِ یار ہی سے ہم آغوش ہو گئے
اے برق تم تو برق تھے پھر اک نگاہ میں	کیوں دیکھ کر حبیب کو بیہوش ہو گئے
آئینہ تمھارے روبرو ہے	سچ سچ کہو کون خوبرو ہے
خطا کیا جو بتو دیکھا نگاہِ شوق سے تمکو	کہ ہم ہیں صانعِ قدرت کی قدرت دیکھنے والے
بتِ طناز آئینہ سے یہ خوش فعلیاں کب تک	اِدھر بھی اک نظر او اپنی صورت دیکھنے والے
مانا کہ اُسے تیغ لگانی نہیں آتی	ابرو بھی ستمگر کو ہلانی نہیں آتی
تمنا آج تیرے دل کی اے زہرہ جبیں نکلی	کہ خوش خوش تیرے قدموں پر یہ جان حزیں نکلی
بندہی تھی یار کی ہچکی لگے اغیار بھی رونے	کچھ اس حسرت سے گھٹ گھٹکر یہ جان حزیں نکلی

برق

(برق) منشی محمد اسحاق برق خلف مولوی محمد عبدالقادر مرحوم رئیس و مصاحب نواب کلب علیخاں والئ رامپور حضرت داغ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں ٥

یاد میں اُس نگہِ مست کے ہوں چشم پُرآب	بن گئے ہیں مرے یہ دیدۂ تر جام شراب
ابھی بھر آئے گا پانی تیرے مُنہ میں زاہد	تونے دیکھا جو کبھی بھر کے نظر جام شراب

حشر کے دن بھی یہ مجھ رند کو خواہش ہو گی
کچھ ملے یا نہ ملے مجھکو مگر جام شراب

برق

(برق) منشی محمد باقر دہلوی کافی پلانٹر مقیم احسن ملک میسور۔ حضرت داغ سے تلمذ رکھتے ہیں خود بھی خاصہ کہہ لیتے ہیں ؎

چمن حسن میں آئی ہے جوانی کی بہار
آج محرم میں سماتا نہیں جوبن انکا

نثار دل کو کیا ابروئے ستمگر پر
طبیعت آگئی بیٹھے بٹھائے خنجر پر

غضب کی چال ہے اے شوخ اسکا کیا کہنا
نثار فتنۂ محشر ہے تیری ٹھوکر پر

گناہ تھوڑا ہے زاہد ثواب افزوں ہے
دُرود پڑھتا ہوں سو سو میں ایک ساغر پر

ہو نہ پرسان حال جب کوئی
جی جلانے میں پھر مزا کیا ہے

روز و شب اسمیں خیال عارض پرنور ہے
طالب دیدار کا دل ہے کہ کوہ طور ہے

مختصر اتنا ہی لکھا یار نے خط کا جواب
آنکھ سے جو دور ہے دل سے کوسوں دور ہے

برق

(برق) منشی محمد الیاس شاگرد مولانا شوکت میرٹھی۔ اب کچھ عرصہ سے منشی جلیل حسن صاحب جلیل کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ یہ چند شعر آپکے کلام سے منتخب ہوئے ؎

تیغ وہ لائے ہیں ہم سر نہ جھکائیں کیونکر
اجل آئی ہے بلانے کو نہ جائیں کیونکر

سو رہے وہ مری قسمت کیطرح وصل کی شب
آنکھ کھلتی ہی نہیں ہائے جگائیں کیونکر

ایک ہی وار میں دل ہو گیا ٹکڑے ٹکڑے
اب جو آنکھ اُس سے لڑائیں تو لڑائیں کیونکر

برق

(برق) منشی مہاراج بہادر برما دہلوی شاگرد آغا شاعر۔ زمانۂ حال کے نو مشق شعرا میں ہیں۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں ؎

ابرو کا وار اور دل بیقرار پر
کیوں رکھ لیا غریب کو خنجر کی دھار پر

اُس ماہ برق وش نے ہنس کے مری جان زار پر
بجلی گرائی خرمن صبر و قرار پر

سنتے نہیں تو کچھ نہیں یہ بُرا ماننے کی بات
دل دے تو کوئی آپکو کس اعتبار پر

لی ہو گی جیتے جی مری کچھ آپنے خبر
کچھ بعد مرگ آئینگے میرے مزار پر

کُنجِ قفس سے ہائے رہائی نہ ہوسکی	ہر چند عندلیب نے مارے ہزار پر
جس طرف آئیگی یہ مثلِ قیامت آئیگی	رُک سکے گی کیا کسی پر جب طبیعت آئیگی
ہم اگر خاموش ہیں تو کچھ اسی میں خیر ہے	ورنہ اُف بھی کی تو یہ سمجھو قیامت آئیگی

برق

(**برق**) نواب سید عبدالحسین خان عرف چھجو نواب۔ رئیس پٹنہ۔ شاگرد مولنا شاد عظیم آبادی۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

کیا مقدر رہے واہ بسمل کا	چل کے رکتا ہے ہاتھ قاتل کا
نا امید آہ تھک کے بیٹھ رہے	جب نہ پایا نشان منزل کا
ضبط کی آہ مرحبا اے قیس	رکھ لیا تو نے پردہ محمل کا

برق

(**برق**) منشی محمد یعقوب۔ باشندہ جالندھر۔ مولوی شوکت میرٹھی کے شاگردوں میں ہیں۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہے اِن دنوں عروج پہ موسم بہار کا	گلشن میں ہر طرف ہے ترانہ ہزار کا
جو دم ہنسی خوشی میں گزر جائے خوب ہے	کیا اعتبار ہستیٔ ناپائیدار کا
مے پی کے گر گیا در دیر مغاں پہ میں	بے ہوشیوں میں کام کیا ہوشیار کا
جی چاہتا ہے خط سے وہاں جاؤں پیشتر	اللہ رے شوق دیدۂ دلِ بیقرار کا
وہ دل میں اور دل تپش و اضطراب میں	رہتے ہیں یہ حسین ہمیشہ عذاب میں
زاہد ابھی تو پی نہیں مت کر نہیں نہیں	چکھ کے تو دیکھ کیسا مزا ہے شراب میں

برکت

(**برکت**) منشی برکت علی خاں۔ باشندۂ خیرآباد۔ ملازم ریاست پٹیالہ۔ شعر و سخن سے نہایت ذوق رکھتے تھے۔ نصیر الدولہ جنرل اختر لونی رزیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے اور اس عہدۂ ممتاز کی وجہ سے اپنے زمانے کے عمائد میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی شاعری کا شوق حد بیان سے باہر ہے۔ قیام دہلی میں انکے ہاں تمام شہر کے ارباب کمال و معززین کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اکثر مشاعرے بھی کیا کرتے تھے ۔

غدر سے بیس بائیس سال پیشتر اپنے وطن خیرآباد میں انتقال کیا - یہ اُنکا کلام ہے ؎

اشکوں کو بہا دیدۂ گریان سمجھ کر
گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھکر

موسم گل ہے قفس ہی میں نوجوان ہوا
مست نسیم سحری مرغ گرفتار سے مل

یوں بچے آسیب نہ اُسکو کہیں دلگیر نہو
نالۂ شب میں الٰہی مرے تاثیر نہو

دلِ بیتاب کیطرح سے ٹھہرائے کوئی
مجھے سمجھائے کوئی یا اُسے سمجھائے کوئی

غم اُٹھانا میرے اس دل کا ٹھکانے لگجائے
ایک دم کے بھی لئے پاس جو بہلائے کوئی

تصور میں ترے کوئی چھیڑے ہے تو لکتا ہوں
ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

مجھ کو رُکا رکا سا جو پایا تو یوں کہا
بالے خدا نہ ڈالے کسی بدگماں سے

مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے
یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے

برہم

(**برہم**) حکیم عبدالکریم نام - فتح پور ہنسوے کے رہنے والے ہیں - حضرت امیر مینائی کے خاص معتقدین اور نہایت خوش فکر ہیں - طبیعت میں رنگینی اور اُسکے ساتھ شوخی بھی ہے - نثر نگاری میں بھی اچھی دسترس ہے - گورکھپور سے صلح کل نامی اخبار آپ ہی کی اڈیٹری میں شائع ہوا تھا - رسالہ فتنہ کے بھی آپ ہی مالک و مہتمم ہیں - اخبارات میں اکثر آپ کے مضامین چھپتے رہتے ہیں - لیکن اکثر حرارت قومی و بیجا پاسداری کے جوش میں آپ حد اعتدال سے متجاوز ہوجاتے ہیں جیساکہ اُنکے ناول کرشن کماری کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے ؎

دردِ دل سے تڑپ نہیں سکتے
ضعف یہ ہے ہلا نہیں جاتا

لہو میں ہمارے جو بسی گئی
بت شوخ رنگِ حنا ہوگیا

خدا تک یہ بت بھی ہیں پہنچے ہوئے
کہ جو کچھ زباں سے کہا ہوگیا

ہماری نعش پہ آنچل کا ڈالدو سایا
کڑی ہے دھوپ ذرا سایہ کام کرتا جا

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھکر
میری طرف تو دیکھیے سرکار کیا ہوا

زخم بھرنے کے نہیں تیر نکلنے کے نہیں
چارہ گر سہل نہیں مجکو شفا ہو جانا

کیا رنگ دیکھتے ہو دلِ داغدار کا
رہتا ہے یاں خزاں میں بھی عالم بہار کا

عالم شباب کا ہے زمانہ اُبھار کا
آیا ہے باغِ حسن میں موسم بہار کا

ہردم ہے اُسکا وصف تمھاری زبان پر
دشمن کا کیوں دماغ نہو آسمان پر

پھر اُسی ناز سے کہنا کہ ہو غارت کوئی
ہاں مری عمر بڑہانے کی دعائیں کیونکر

نہ پوچھو اُس گھڑی شام وصال کا عالم
وہ آئی جب مرے گھر مُنہ چھپائے بالوں میں

صفر اک تارِ نفس پر ہے مدار
سچ تو یہ ہے کچھ نہیں انساں میں

بتاؤں کیا تمھیں اپنی حقیقت
مجھے خود ہی نہیں معلوم کیا ہوں

جان دیدیتے مگر سہتے نہ یہ رنجِ فراق
کیا کریں ہم موت اپنی بس میں انسانکے نہیں

غیر کی صورت وہی ہے ہجر میں
آتشِ غم میں یہ جلتا کیوں نہیں

ملتا رہے کچھ لطف وفا کا بھی جفا میں
تسکین کا پہلو ہو ستانے کی اداؤں میں

تصویر تری سامنے ہوتی ہے تو ای بت
کچھ اور ہی آتا ہے مزا یادِ خدا میں

جب وصل ہوا اور تڑپ بڑہ گئی دلکی
چھریاں ہیں ترے ناز میں نشتر ہیں ادا میں

وہ چتون یہ کیا مجکو سمجھا گئی
کہ نکلی ہوئی جان پھر آگئی

عشق کی بات سمجھ میں نہیں آتی کوئی
اسمیں آسان سی آسان بڑی مشکل ہے

شبِ فرقت کی شکایت نہ کرو تم برہم
ایسی باتوں سے کہیں رُوٹھ بجائے کوئی

عید کے دن جسنے دیکھا اُن کو قرباں ہو گیا
عید سے عید اُسکے قربانی سے قربانی ہوئی

تو دیکھ تو اپنی نگہِ ناز کو ظالم
کافر یہ وہ شے ہے کہ نکلتی نہیں جی سے

جنکی نظروں میں حسینونکی ادا ہوتی ہے
وہ نہیں جانتے کیا چیز قضا ہوتی ہے

مار ڈالا نگہِ لطف سے اک عالم کو
زہرِ قاتل مرے عیسیٰ کی دوا ہوتی ہے

لاکھ داغ ایک طرف عشق کا داغ ایکطرف
گل سبھی ہوتے ہیں بُو باس جدا ہوتی ہے

نمک پاش اب نہیں انکا تبسم کل کا وعدہ ضرور ہو جائے	مزہ زخموں میں پھر آئے کہاں سے کہ قیامت تو دور ہو جائے
سیریں کی ہیں خوب ہم نے حسن کے بازار کی دامن تربت کا سبزہ نرم و نازک سے بہت	کچھ دنوں کھالیں ہوا اب دشت کے بازار کی تاب لا سکتا نہیں وہ گرمی رفتار کی

برہمن

(**برہمن**) پنڈت چندر بھان - اکبر آباد اصل وطن تھا مگر دہلی آن بسے تھے - فارسی کی استعداد عالمانہ درجہ کی تھی چنانچہ پہلے شاہ جہاں کے دفتر میں خاص منشی رہے پھر شاہزادہ دارا شکوہ کے میر منشی ہو گئے طبیعت کی موزونی سے عاشقانہ و تصوف دونو رنگوں میں نہایت اچھا شعر کہتے تھے - اور اُسوقت کے مشاہیر میں انکا شمار تھا - ایک دیوان فارسی اور منشآت برہمن اِن سے یادگار ہے شاہزادہ دارا شکوہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے اور ہر وقت انکے اعزاز و ترقی کے خواہاں رہتے تھے - ایک دن شاہزادہ موصوف نے بارگاہ شاہی میں کہ مجمع کاملان عصر تھا عرض کیا کہ در نیوالا منشی چندر بھان سے عجیب شعر موزوں ہوا ہے - اگر حکم حضور ہو تو آکر عرض کرے - بادشاہ نے اجازت طلبی دی چنانچہ اُسیوقت حاضر ہوئے - بادشاہ نے فرمایا کہ آج جو تمہارا شعر ہا نے پسند کیا ہے سناؤ - اُنہوں نے یہ بیت پڑھی ؎ مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار + بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم + بادشاہ کو یہ بیت سُنکر غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کافر مرتد کو گردن مارو - نواب سعد اللہ خاں وزیر اعظم نے جو برہمن کے مربی و قدر دان تھے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ جناب عالی حضرت شیخ سعدی چارسو برس پیشتر تردید میں فرما گئے ہیں ؎ خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود + چوں بیاید ہنوز خر باشد + اس شعر کے سننے سے بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور فرمایا کہ اگر اسوقت ایسا جواب بہم نہ پہونچتا تو آج ضرور اسے ہلاک کر ڈالتا شاہزادہ کو نہمایش کی کہ آئندہ ایسے اشعار کا تذکرہ ہمارے حضور میں نہ آیا کرے - بیچارے پنڈت جی جان بچا کر گھر آئے اور سجدۂ شکرانہ درگاہ خالق حقیقی میں بجا لائے دارا شکوہ کے قتل کے بعد برہمن تارک الدنیا ہو کر بنارس چلے گئے اور وہاں یاد خدا میں

مشغول ہو گئے - آخر ش ۱۳۰۷ء میں انتقال کیا - ریختہ میں اسطرح سخن سرائی کرتے تھے تبرکاً کلام درج تذکرہ کیا گیا - زبان اگرچہ قدیم اور مخلوط بہ ہندی ہے مگر مضامین کی نفاست خوبی صاف جھلک رہی ہے

خدا نے کس شہر اندر ہمیں کو لائے ڈالا ہے ۔ نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے
خُوباں کی باغ میں رونق ہووے تو کسطرح یاراں ۔ نہ دونا ہے نہ مرواہے نہ سوسن ہے نہ لالہ ہے
پیا کے ناؤں کی سُمرن کیا چاہوں کروں کسسین ۔ نہ تسبی ہے نہ سمرن ہے نہ کنٹھی ہے نہ مالا ہے
(نام) (تسبیح)
پیا کے نام عاشق کون قتل یا عجب دیکھے ہوں ۔ نہ برچھی ہے نہ کرچھے ہے نہ خنجر ہے نہ بھالا ہے
(دیکھیے)
برہمن واسطے اشنان کے پھرتا ہی بگیا سین ۔ نہ گنگا ہے نہ جمنا ہے نہ ندی ہے نہ نالا ہے
(باغیچہ)

برہمن

(**برہمن**) نام و نشان معلوم نہو سکا - یہ دو شعر گل و صنوبر کے اُردو ترجمہ مصنفہ منشی بھیم چند سے لئے گئے - تبرکاً درج کئے گئے ہ

یہ بنجا نوکہ مری آنکھ سے آنسو ٹپکا ۔ نشترِ عشق لگا جس سے کہ لو ہو ٹپکا
برہمن عشق بتاں کی ہوئی لذت معلوم ۔ پکّے پھوڑے کیطرح جب دِل بدخو ٹپکا

بریاں

(**بریاں**) تخلص ہے ایک برہمن کشمیری نژاد بزرگ کا جنکا کلام ایک قدیم قلمی بیاض میں نظر سے گزرا - کاغذ بوسیدہ ہو جانے کے باعث نام پڑھا نہ جا سکا ہ

غیر کے پہلو صنم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی ۔ ہائے قسمت یہ ستم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
شاد اور خنداں پھریں ہیں روز و شب میرے عدو ۔ میں پھروں با چشمِ تر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

برزم

(**برزم**) مرزا محمد عاشق حسین برزم رئیس اکبر آباد خلف مرزا محمد عباس ملیح برادر زادہ مرزا فصیح مرثیہ گو - ۱۲۷۰ھ آپ کا سال پیدائش ہے - دس برس کی عمر تھی کہ آپ کو داغِ یتیمی نصیب ہوا - مرزا علی حسین قیصر شاگرد رشید آتش نے جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپکو اپنے ظلِ عاطفت میں لیا - ۱۶ برس کی عمر سے شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی - فخر الاساتذہ منشی اسمٰعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی سے جو رشتہ میں آپکے دادا بھی ہوتے تھے رجوع کیا - اُنہوں نے خاص توجہ سے نکاتِ فن بتائے چنانچہ چند ہی برس میں اچھا کہنے لگے - اور تین چار برس

میں خاصہ سرمایہ فراہم ہو گیا - عرصہ ہوا آپکا دیوان موسوم بہ بزم سخن اور مثنوی تصویر سخن شائع ہوئی تھی - دوسرا دیوان بھی تیار ہے ۵

واں تیغ کھچ کے رہ گئی قاتل کے ہاتھ میں
یاں خون جوش کھا کے رگ جاں میں رہ گیا

رقص بسمل سے مکدر ہو گئے
خاک میں سارا تماشا مل گیا

حرم دل کے سوا اور نہیں کوئی مکاں
جھوٹ ہے مسجدیں انکی نہ شوالا انکا

ملک الموت و مسیحا ہیں یہاں دونوں ایک
وہی جاں بخش ہے اپنا وہی جلاد اپنا

مجھسے نقد دل و جاں نذر میں لیکر کوئی
تمکو اک بوسہ کا احسان رہا یاد اپنا

دنیا سے ہمکو عشق نے آزاد کر دیا
پابند دام گیسوئے صیاد کر دیا

کیا جانے مرنے والوں کو آیا پسند کیا
ہستی تباہ کی عدم آباد کر دیا

سیماب ٹھہر جاتا ہے تھم جاتی ہے بجلی
پر تجھکو قرار اے دل مضطر نہیں ہوتا

سب سے چھپ کر جو رہے دل میں وہ بیتابی کیا
جو نہ آئے کبھی منہ تک وہ کلیجا کیسا

تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر
جسے ہمنے پوجا خدا ہو گیا

کسطرح وہ ٹھہریں مرے ٹوٹے ہوئے دل میں
ویران مکاں رہنے کے قابل نہیں ہوتا

کسطرح کوئی ہو ترے اسرار سے آگاہ
یہ علم تو تحصیل سے حاصل نہیں ہوتا

جرأت گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی
رحمت کو تیری اے مرے غفار دیکھکر

کس قیامت کی ہے شمشیر ادا قاتل کے پاس
لوٹتے ہیں حسرتیں بھی پہلوئے بسمل کے پاس

کیوں نہ ٹھہرے جان بیتاب آکے اپنے دل کے پاس
پھر قرار آتا ہے بسمل کو تو کچھ بسمل کے پاس

دل سے عاشق کے نہ کھینچو ابھی پیکان خدنگ
ٹھیرو ٹھیرو دہن زخم مزا دیتے ہیں

اس درجہ ہمکو تنگ زمانہ نے کر دیا
تقدیر بیچنے سر بازار آئے ہیں

تشنہ کامان شہادت کو تو کر دے سیراب
اتنا پانی بھی ترے خنجر براں میں نہیں

جسکو سب اہل زباں جور و جفا کہتے ہیں
آپکی بولی میں کہئے اسے کیا کہتے ہیں

ہم بھلا بھی جو کہیں لوگ بُرا کہتے ہیں
آپ بیجا بھی جو فرمائیں بجا کہتے ہیں

یہ جفا جو جسے انداز و ادا کہتے ہیں
ہم اُسے چاہنے والوں کی قضا کہتے ہیں

جامِ مے ہاتھ میں لو آنکھ دکھا کر پوچھو
کسکو اربابِ خرد ہوش رُبا کہتے ہیں

بیوفا مینے کہا تمکو تو کیا قہر ہوا
کہنے والے تو کچھ اس سے بھی سوا کہتے ہیں

اُنہیں منظور ہے یہ آج مقتل رشکِ محفل ہو
چلیں ساغر شرابِ موت کے اور رقصِ بسمل ہو

دلمیں آئے تو مجھے کیا یہ خدا کا گھر ہے
میرے گھر آؤ تو احساں یہ اے یار ہے

بند آنکھیں کئے جائیے کیوں ملکِ عدم کو
یہ راہ ہے پُرخوف و خطر دیکھتے چلئے

بیخودوں کو کسی کی کیا پروا
تم بھی آئے ہیں خبر نہوئی

شوقِ گیسو میں بسر عمرِ رواں ہوتی ہے
دیکھئے شام مسافر کو کہاں ہوتی ہے

دیکھنا حشر عدم والوں میں برپا ہوگا
آج وہ گورِ غریباں میں ہیں آنے والے

دیر و حرم کے سجدوں سے کچھ فائدہ نہیں
پھوٹے ہوئے نصیب کو جوڑا نہ جائیگا

بارِ عالم جو سلاطیں نے اُٹھایا سر پر
بادشاہ ہوکے بھی مزدور کے مزدور رہے

دل نے اِک بوند لہو کی جو چھپا رکھی ہے
یہ امانت تری اے دزدِ حنا رکھی ہے

صحبتِ غیر میں گھونگٹ نہ دوپٹہ نہ نقاب
کون سے پردے میں شرم آج اُٹھا رکھی ہے

روز منبر پر کیا کرتے ہیں ذکرِ خلد و نار
دیکھئے زاہد کی صورت یہ بہشتی حور ہے

بجز سختی اُٹھائے نام ممکن ہے کہیں نکلے
تراشا جائے جب سو بار پتھر تب نگیں نکلے

چلا ہوں میں حرم کو دل وہاں کسطرح بہلے گا
خدا ایسا کرے بتخانہ کعبہ کے قریں نکلے

رنج و ایذا ہو مرے واسطے یا راحت ہے
آپ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے

جب تو خاصانِ خدا نے دیا دنیا کو طلاق
نہ رہی ہو کے کسیکی یہ بدکار رہے

(بزم) میر عباس حسین خاں بزم حیدرآبادی - دکن میں وکالت کرتے ہیں - یہ آپکا کلام ہے

جو زیرِ زمیں سوتے ہیں راحت ہیں وہی ہیں
آرام کسیکو نہیں دنیائے دنی میں

یہ رنج یہ افسوس ہے کیوں زاہد نافہم	کیا دم ترا ٹوٹا میری توبہ شکنی ہیں
اے بزم ہے معشوق بھی اور ساغر مے بھی	اب کیجئے تا خیر نہ توبہ شکنی میں
دیکھا جدھر فگار ہوے عاشقوں کے دل	تیر ونکا مینہ برستا ہے اُنکی نگاہ سے
پہونچی کہاں رسائی تو آہوں کی دیکھئے	لپٹی ہوئے ہیں پایۂ عرش الہ سے

بزم

(**بزم**) شیخ خورشید حسین قدوائی - اودھ کے ایک مشہور خاندان کے ممبر ہیں - یہ آپکا کلام ہے

بگڑی ہوئی قسمت کو بنایا نہیں جاتا	ہاتھوں کی لکیروں کو مٹایا نہیں جاتا
وہ آئیں تو آئیں نہیں پھر موت ہی آجائے	اب صدمۂ فرقت تو اُٹھایا نہیں جاتا
ہے لطف کہ باندھی ہے کمر قتل پہ میرے	اور ہاتھ سے خنجر بھی اُٹھایا نہیں جاتا
دل بھی کہنے لگا اونہیں کی سی	اپنا کوئی بھی آشنا نہوا

بزم

(**بزم**) سید محمد یعقوب علی دہلوی مقیم رامپور نثر خوب پڑھتے ہیں گاہ گاہ شعر گوئی کا بھی اتفاق ہوجاتا ہے

پتھر پسیجنے لگے غم کے بیاں پر	رحم آگیا بتوں کو مرے داستان پر
اتنا بھی عاشقوں سے تغافل نہیں ہے خوب	سُن لینا کوئی کھیل گیا اپنی جان پر
باتیں تو دیر تک رہیں اُس شوخ سے مگر	اک مدعائے دل ہی نہ آیا زباں پر

بزمی

(**بزمی**) مرزا محمد اشرف بی اے خلف مرزا محمود اشرف گورگانی دہلوی - ابتدا سے ملازمت میں آپکو ریاست بھاولپور کے سررشتہ تعلیم سے تعلق رہا - آجکل خانپور میں ناظم اور ریاست کے ارکین میں شمار ہوتے ہیں شعر گوئی کی ابتدا ایام طالب علمی ہی میں ہوگئی تھی اور اُسمیں اپنے قابل بزرگ مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی سے مشورہ کیا کرتے تھے کمال ظریف و شوخ طبع اور بلا کے ذہین ہیں - غزل کم کہتے ہیں باوجود کوشش آپ کا تازہ کلام دستیاب نہوا چند اشعار ابتدائی مشق سے بہم پہنچے وہ درج کئے جاتے ہیں مزاج کی شوخی اُس میں بھی اپنی جھلک دکھا رہی ہے - بن باسی رستم کا قصہ انہیں کی شوخی طبع کا نثری نتیجہ ہے جو کسی انگریزی رسالہ سے ترجمہ کیا گیا ہے

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ ۔۔۔ مے سے اچھی کب تھی توبہ

کعبہ گرجا اور بت خانہ ۔۔۔ گھر گھر جھانکی میری توبہ

زاہد تیرا دل تو نہیں ہے ۔۔۔ رنج ہے کیا گر ٹوٹی توبہ

واعظ کر لو گرمی گرمی ✣ ۔۔۔ ساون آیا ٹوٹی توبہ

آخر زاہد کی بیٹی تھی ۔۔۔ رندوں میں جی ٹکتی توبہ

میری صورت دیکھی آئی ۔۔۔ سیرت دیکھی بھاگی توبہ

واعظ کہدیں اور ہم کر لیں ۔۔۔ گھر کی لونڈی سمجھی توبہ

بادل گرجے بجلی چمکی ۔۔۔ مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ

کس کو خبر ہے واں کی زاہد ۔۔۔ تو نے ناحق کر لی توبہ

ق

مولوی صاحب کیونکہ نہ کرتے ۔۔۔ ان کی روٹی تھیں بی توبہ

میں اور ایسا کام کروں گا ۔۔۔ توبہ توبہ کیسی توبہ ✣

واعظ اب تو جاڑا آیا ۔۔۔ کس کی توبہ کیسی توبہ

لہری بندے ہی جو ٹھہرے ۔۔۔ آگئی دل میں کر لی توبہ

واعظ اپنا دل تو دیکھو ۔۔۔ یوں ہی خالی خولی توبہ

دیکھو بزمی اب بھی کر لو ۔۔۔ کام وہاں پردے گی توبہ

بسمل

(**بسمل**) مولوی محمدی ملقب بمیاں صاحب ایک فاضل بزرگ تھے مولانا فخر الدین قدس سرہ کے دوستوں میں اور اپنے زمانے کے عالم متبحر و فاضل اجل تھے۔ اکثر درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ ساتھ ہی اسکے فن شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اُردو فارسی دونو زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ مگر طبیعت کی بے پروائی سے وہ مجموعہ برباد ہو گیا کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں ؎

تری گالیاں میں بہت کھا چکا ۔۔۔ مزا عشق کا خوب ہی پا چکا

پھر اب پاؤں کو کیوں لگائی حنا
قیامت تو سر پر مرے لا چکا

ذرا اب تو تحمل کر مل اے مہرباں
بہت مدتوں تک تو ترسا چکا

ہوا سبز اب تک نہ نخلِ امید
بہت برکھا آنسو کی برسا چکا

ہائے اس دیوانے دل نے کام کیا بیجا کیا
آپ تو بدنام تھا ہی مجھ کو بھی بدنام کیا

دلِ مجروح ہے از بس کہ زخمی لذتِ غم کا
لہو اُترے ہے چشمِ زخم میں سُن نام مرہم کا

چلے ہم رکھ کے دوشِ بیکسی پر آشیاں اپنا
نہ ہو آزردہ دل اے باغباں گلستاں اپنا

اُس لب کی سدا یاد میں پنجہ میں مژہ کے
کب اشک ہے تسبیحِ عقیقِ جگری ہے

بسمل

(**بسمل**) منشی سید جبار علی - موضع جبار کھڑ کی نواح چنار گڈھ اصل وطن تھا مگر اکثر عظیم آباد اور بنارس میں رہتے تھے - کچھ دن مہاراجہ چیت سنگھ والی بنارس کی سرکار میں وکیل رہے - نواب علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ سنہ ۱۱۹۶ھ میں لکھتے ہیں کہ میر مذکور بنارس میں قیام فرما ہیں اور باعزاز و آبرو بسر کرتے ہیں - جوان سلیم الطبع اور سخن فہم آزاد منش ہیں - تذکرہ لطف میں بھی آپ کا کلام نظر سے گزرا - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کیا خیال آوے بلاؤں سے اُسے پرہیز کا
ہے جو بیمار اس تری چشمِ بلا انگیز کا

جب غمزۂ چشمِ یار دیکھا
سو تیر سے جگر کے پار دیکھا

یاد آگئی مشتِ خاک اپنی
اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا

دل خس و خاشاک کی صورت اُٹھتا ہی رہا
گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا ہی رہا

جستجو میں یار کی گم کردہ رہوں کی طرح
میں کبھی ایدھر کبھی اُدھر بھٹکتا ہی رہا

کیا اُسکو جتادیں ہم جو ہمنے کیا ہوگا
کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دلکو دیا ہوگا

ہر دم مجھے نیاز اُسے ناز ہی رہا
انجام کارِ عشق کا آغاز ہی رہا

صیاد فائدہ ہے رہائی سے کیا مجھے
اُڑنے سے جب مرا پر پرواز ہی رہا

پہلو میں کھول میں دلِ ناشاد کہاں تک
اے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک

در آج قفس کا ہے کھُلا کیجیے پرواز
اے ہم قفساں خاطرِ صیاد کہاں تک

جز یادِ حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گرہ
دے سبحہ وار مُنہ پہ اگر آپڑے تو گرہ

یارتیری ہی زلف میں دیکھا
ایک زنجیر لاکھ دیوانہ

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
کیا مہرباں ہیں مرے مہرباں کی

کوئے بتاں تلک تو رسائی محال ہے
جب تک یہ مشتِ خاک نہ برباد کیجیے

بیارے یہ وضع چشم مروت سے دور ہے
دل لے کے اسطرح بھی نہ آنکھیں چرائیے

آوارگی سے باز رکھوں آہ کسطرح
دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے

تیری ہی یاد ذکر ترا ہی ہر آن ہے
گویا کہ اس لئے مرے مُنہ میں زبان ہے

عہد و پیماں بتاں بسکہ یہ سالوسی ہے
ایک امید تو سو باعثِ مایوسی ہے

داغ اتنے ہیں دئے عشق نے تیری کہ تمام
مُو بہ مو تن پہ مرے جلوۂ طاؤسی ہے

آئیے جلد کہ یہ بسمل مجروح ہنوز
ہر لبِ زخم سے مشتاق قدمبوسی ہے

گریہ افزا اسقدر اعضا مرے سارے ہوئے
ہر بُنِ مو جوش سے آنسو کے فوارے ہوئے

پیش آئی ہمارے وہ جو کچھ کہ تھی پیش آنی
اب یہ دردِ دل ہے اور اپنی یہ پیشانی

بسمل
(**بسمل** فیض آبادی) مرزا عنایت علی ولد مرزا سعادت علی شاگرد رشید آتش مرحوم - اصلی وطن فیض آباد تھا - مگر بنارس میں رہتے تھے صاحب دیوان اور نامی شاعر گزرے ہیں یہ انکا کلام ہے

گناہ میرے خطائیں مری قصور مرا
وہی کہیں ہم انہیں کو گواہ کرتے ہیں

جفائیں سہتے ہیں جور و ستم اُٹھاتے ہیں
ہمیں ہیں یار جو تجھ سے نباہ کرتے ہیں

نکرتے عشق اگر آگاہ ہوتے عادتِ دل سے
کہ لگ جاتا ہے آسانی سے اور چھٹتا ہے مشکل سے

محبت قطع کرتے ہو تو پہلے ذبح کر ڈالو
جدائی آپکی دیکھی نہیں جائیگی بسمل سے

بسمل
(**بسمل**) پنڈت سندر لال سررشتہ دار محکمۂ پرمٹ کانپور - ولد بخشی ٹیکارام - ان کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے - شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے - صاحب دیوان

گزرے ہیں۔ یہ چار شعر اُن کے ہیں ؎

یہ نہیں ناقوس اے طفل برہمن ہات میں	گر رہا ہے مرغِ دل اپنا یہ شیون ہات میں
گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر	شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہات میں
آئینے سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے	آرسی پہنی ہے کیوں اے شوخ پرفن ہات میں
دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے	میں جو چٹکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں

بسمل

(**بسمل** دہلوی) حافظ محمد حسین ولد حافظ محمد بخش ساکن حویلی خاندوراں خاں دہلی شاگرد میرزا افادر بخش صابر بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ اشعار سے رسائی فکر و خوش کلامی ہویدا ہے ؎

نہ آوے گا پیام تک اور نہ مطلب لکھے ہوویں گے	نہ سمٹے گا قیامت تک کبھی دامن تمنا کا
دل تُو نے ہم سے او بتِ کافر اُٹھا لیا	اس نازکی پہ بوجھ یہ کیونکر اُٹھا لیا
بارِ گرانِ عشق فلک سے نہ اُٹھ سکا	کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا
کیا کام ہے بلا سے جو تُو ہو اسیرِ زلف	جب تجھ سے ہاتھ اے دلِ مضطر اُٹھا لیا
پیرِ مغاں نے بسمل مے کش کو دیکھ کر	شیشہ بغل میں ہاتھ میں ساغر اُٹھا لیا
نیم بسمل کیوں نہ مجھ کو چھوڑتا ہنگامِ ذبح	یار کو میرے تڑپنے کا تماشا ہو گیا
شکوہ مت کر حال جو بسمل ترے دل کا ہوا	شکر ہے ہر حال میں جو کچھ ہوا اچھا ہوا
میں نہ کہتا تھا نہ ہو روکش تو اسکی زلف سے	اس خطا سے مُنہ ترا مشکِ ختن کالا ہوا
ہم گئے تھے دل کو لینے وہ طلب کرتے ہیں جاں	دل کو کیا روتے تھے ہم اب جاں کا رونا ہوا
تم سے دل کی نازبرداری نہ ہو گی دل نہ لو	جانِ من یہ دل بڑے نازوں کا ہے پالا ہوا
دلبری کی بات گو اُن میں نہیں لے دل مگر	عمر بھر اُن سا نہ ظالم بھی مجھے پیدا ہوا

بسمل

(**بسمل**) مولوی عبدالحکیم ولد حکیم پیر بخش۔ برادرزادۂ حقیقی مولوی امام بخش صہبائی۔ فارسی عربی اپنے چچا حضرت صہبائی سے پڑھی۔ علم طب میں مہارت کامل تھی اور اس فن میں

اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے فن سخن میں حضرت صہبائی سے اصلاح لیتے تھے۔ اس فن میں ایسا ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ انکے طباعی و ذہانت کے سب ہمعصر معترف تھے کلام سے صفائی زبان روزمرہ۔ بندش کی چستی۔ نزاکت خیال و معانی۔ اور رسائی ذہن آشکار ہے جو اُن کی خوش مذاقی کی دلیل ہے۔ علاوہ ان کمالات علمی کے نہایت ستودہ صفات و پسندیدہ اطوار تھے۔ غدر میں جوان فتحمند گوروں کے ہاتھ سے مارے گئے ۵

نوائے بلبل و بوئے چمن تو آجاتی — قفس کے گر مرے نزدیک گلستاں ہوتا

اگر نہ تیغ نگہ سے اُسے بچاتا میں — تو ہر ہدف کیلئے آج دل کہاں ہوتا

نہ اتنا بدگماں ہو تو نہ تڑپیں گے نہ تڑپیں گے — خدا کے واسطے مُنہ کھول زخموں پہ نمکداں کا

میری بالیں پہ وقت نزع لاؤ ایک دم اسکو — رہے گا حشر تک سینہ میں ورنہ داغ ہجراں کا

چین دیتا نہیں یہ آٹھ پہر میں اکدم — آفت جان ہوا یہ دلِ مضطر نہوا

دیکھ دینا نہ بتوں کو تو دل اپنا بسمل — یہ وہ ہیں جنکے کوئی ہاتھوں سے جاں بر نہوا

ہزار حیف کہ سمجھے نہ تم ہمیں اور ہم — ہمیشہ کرتے رہے دل تلک نثار اپنا

شب فراق میں آوے اجل شتاب کہیں — کہ کر رہی ہیں عدم والے انتظار اپنا

ہم ایسے کیا تھے کہ یوں سہتے طعنۂ اغیار — پہ کیا کریں کہ نہیں اسمیں اختیار اپنا

کس شوق سے پہونچے ہم اے پیر مغاں تجھ تک — پر خوبیٔ طالع سے ماہِ رمضان آیا

یقیں نہ تھا مجھے کچھ فتنۂ قیامت کا — یہ تیرے قد کو جو دیکھا تو اعتبار آیا

قصہ سنے ہے کون عذاب و ثواب کا — ساقی شتاب دے مجھے ساغر شراب کا

میں اور روز و شب کی اُٹھانی مذلتیں — یارب بُرا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

ہے آج کون بام پہ جلوہ نما جو یوں — اُڑتا ہے رنگ میری طرح ماہتاب کا

ساقی ہے اور شراب ہے اور یار باہوش — اور اُس پہ لطف دے ہے ترشح سحاب کا

کعبہ اگر بنا ہے اسی سنگ سے تو کیا — زاہد کو بت کدہ سے سبب اجتناب کا

دَیر و حرم میں جا کے جو دیکھا بچشمِ غور
پایا کچھ ایک رنگ ثواب و عذاب کا

کر دیں گے ہم زمانۂ پیری کو صرفِ زُہد
اب کیوں نہ مے پئیں کہ یہی عالم شباب کا

انداز گر یہی رہے ظالم ترے تو گھر
اُجڑے گا آج کل کسی خانہ خراب کا

لائیے گا سر پہ دیکھئے کیا کیا قیامتیں
رُخ سے یکا یک اُسکا اُلٹنا نقاب کا

عہدِ شباب حضرتِ بسمل ہے مے پیئو
جھگڑا اُٹھا کرو نہ کسی شیخ و شاب کا

میں کیا کہ خبر اُسکو اپنی بھی نہیں ہمدم
کمبخت یہ دل اپنا آیا تو کہاں آیا

کیا بنتی ہے اب دیکھئے بلبل کے دل و جاں کی
پھر خار نظر آئے پھر وقتِ خزاں آیا

وحشت سی برستی ہے آوارہ سے پھرتے ہو
دل آپ کا اے بسمل سچ کہئے کہاں آیا

دیر و مسجد میں خرابی پڑ گئی دل کی طرح
جس طرف سے اے بتِ کافر گزر تیرا ہوا

حضرتِ بسمل کی حالت دیکھ کر بولا یہ قیس
پیر و مرشد خیر تو ہے آپ کو یہ کیا ہوا

عاشقوں پر تیرے کب حشر سا برپا نہوا
اک قیامت ہوئی ظالم ترا چلنا نہوا

ساقی ہے آرزو کہ ترے لطف سے کبھی
بیٹھیں جو شام سے تو پئیں تا سحر شراب

دل نام کو تھا اپنے سو وہ بھی نہیں ہے اب
مدت ہوئی کہ داغ ہے بر میں بجائے دل

شیخ مے کو بُرا بتاتے ہو
اس کا تمسکو مزہ چکھائیں گے ہم

ناصحا توبہ ۔ لے خدا کا نام
دل لگانے سے باز آئینگے ہم

مری شوقِ شہادت کو تو دیکھو اُسکے کوچے میں
خود اپنے قتل کی خاطر لئے تلوار پھرتا ہوں

مجھے ڈر ہے کہیں عالم نہ ڈوبے جوشِ طوفاں سے
لئے جوں ابر ساتھ اب دیدۂ خونبار پھرتا ہوں

نہ جی جانے ہے کعبہ کو نہ بتخانہ کو اے بسمل
کروں کیا اضطرابِ دل سے میں ناچار پھرتا ہوں

قاصد پھرا ہے یوں کہ خدا خیر ہی کرے
میری طرح سے کچھ اُسے اپنی خبر نہیں

تاثیر شوق کی مرے حق میں ہوئی ہے زہر
ٹِکتا زمیں پہ قدمِ نامہ بر نہیں

سُنکر مرے فسانۂ ہجراں کو دیر تک
چُپ تھا وہ اس طرح سے کہ گویا خبر نہیں

ہر ہر جگہ ہے بسمل شوریدہ سر کی دھوم
تیرے جگر فگار کے چرچے کدھر نہیں

ہر ہر نگہ میں ناز فروشی ہے کس لئے
اپنا تو اب وہ دل ہی نہیں وہ جگر نہیں

اس بیکسی میں آبلۂ پا تھا اک رفیق
دولت سے خار راہ کی وہ بھی رہا نہیں

سو بار آسماں کو جلایا یہ ہم نشیں
کچھ ان دنوں میں ضعف سے نالہ رسا نہیں

بسمل تم اسپۂ دل پے بیٹھے ہو کس لئے
وہ بت کبھی کسی کا ہوا آشنا نہیں

اللہ ری غفلتیں کہ ہوئے ہم تو مر کے خاک
اور تم نے اب تلک نہیں اُلٹا نقاب کو

بہانے خونِ عاشق کیا اور اسکا خون کیا صاحب
مجھے تم قتل کرکے کس لئے اب ہو پشیماں سے

کسی دن حضرتِ دل تیرہ بختی گل کھلادیگی
اُلجھنا روز کا اچھا نہیں ہے زلفِ پیچاں سے

کھُلے گا جس جگہ حق ہم وہیں سر کو جھکادینگے
نہ ہم کو رابطہ کچھ کافر سے نے نفرت مسلماں سے

بتوں کا گھر ہے کعبہ سبحہ سے زنار کو رشتہ
کھُلا یہ ماجرا زاہد ہمیں تحصیلِ ایماں سے

گلی کوچے میں پھرنا روز کا اچھا نہیں حضرت
ہوا کیا تم کو اے بسمل جو ہو ایسے پریشاں سے

اے بلبلانِ باغ رہائی سے فائدہ
سر پر خزاں بھی آگئی جب ہم رہا ہوئے

اُسکی گرہ بھی کیا مرے دل کی ہے اک گرہ
بندِ قبا جو ہم سے نہ اک روز وا ہوئے

بسمل اُنہیں کی یاد میں سب کچھ بھلا دیا
نادان یہ صنم نہوئے کچھ خدا ہوئے

بسمل

(**بسمل**) پنڈت موتی لال دہلوی کشمیری - پرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور وہاں کے بڑے ممتاز و مشہور متعلموں میں تھے انگریزی اور فارسی زبانوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے - تمام عمر عہدہ ہاے جلیلہ پر ممتاز رہے - کئی سال تک گورنمنٹ پنجاب کی میر منشی گری کے عہدے پر ممتاز رہ کر جوڈیشل اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول مقرر ہوئے - اپنے وقت کے سر آوردہ اور نامی بزرگوں میں تھے طالب علمی کے زمانہ میں ایک تذکرہ بھی لکھا تھا - اور دو کتابیں فن مسمریزم میں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی تھیں - انگریزی کی استعداد درجۂ عالمانہ تک تھی - مسمریزم میں بھی اچھا دخل تھا تعلیم نسواں اور دیگر مضامین کے صلہ میں سرکار سے تمغہ طلائی انعام پایا - ۶۲ برس کی

عمر پاکر ۱۸۵۹ء میں بمقام لاہور سفر آخرت اختیار کیا۔ رندانہ مزاج کے اقتضا سے ریختہ گوئی کیطرف بھی طبیعت مائل تھی۔ چنانچہ ذیل کے اشعار انکی یادگار ہیں ؎

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خال لب اُس آفت جاں کا	بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آب حیواں کا
بہت سا فرق تجھ میں اور اس میں ہے نکر دعویٰ	مہ نو ہمسری ناخن وابروئے جاناں کا
بہادیں اشک کے طوفاں سے کشتی نوح کی بھی ہم	اٹھادیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشم گریاں کا
چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو	فلک پر چاند رکھا نام عکس روئے تاباں کا
عاقبت تک رہے پابستۂ زنجیر بلا	دیکھ پائے جو تری زلف گرہ گیر کے بل
گھر پر آتے ہی ترے پاس سے مرجاتا ہوں	بس ادھر آتا ہوں میں اور ادھر جاتا ہوں

بسمل

(**بسمل**) خواجہ فضل الرحمن دہلوی خلف اصغر نواب موسیٰ خاں۔ بعالم شباب ۱۲۸۳ھ میں سنگ مثانہ کے عارضے سے انتقال کیا حافظ احسان کے پوتے اور اپنے خالو مولانا آزردہ مغفور سے فن سخن میں مستفیض تھے۔ کلام ضائع ہو گیا۔ فرد یہ شعر ملا ؎

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے	تم بھی بسمل کسی پہ مر دیکھو

بسمل

(**بسمل**) شیخ محمد زماں عرف عبد الرحمن صدیقی ابن شیخ افضل الرحمن بجنوری نواح لکھنؤ میں ایک مقام ہے فرخ آباد عرف چلاواں وہ اُن کا مولد و وطن ہے۔ مگر مدت سے شہر رامپور میں بود و باش ہے۔ نواب کلب علیخاں کے عہد سے ملازم ریاست ہیں ۱۲۶۳ھ ہجری سال پیدائش ہے۔ نہایت خلیق اور بڑے نیک ذات ہیں۔ عربی کی کچھ کتابیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم کے منجھلے بھائی مولوی عنایت احمد مغفور سے پڑھی تھیں فارسی میں امیر مینائی مرحوم سے مستفیض ہوئے۔ شعر و سخن سے دلی شوق ہے مخصوص اُردو شعر گوئی سے بہت ذوق ہے۔ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگردوں میں ممتاز ہیں ترتیب تذکرہ انتخاب یادگار کے وقت عدالت دیوانی میں نائب سررشتہ دار تھے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

چشم بینا ہو تو دیکھے وہ تماشا تیرا	کعبہ و دیر میں ہے ایک سا جلوہ تیرا

ہوں میں بیگانہ نہ میری کون سُنے گا ساقی
میکدہ تیرا ہے مے تیری ہے مینا تیرا

مہ وہ مہر آنکھوں میں کیونکر سمائیں
تصوّر میں ہے روئے روشن کسیکا

غش میں گرے کلیم تو آئی ندائے غیب
وہ ذوق و شوق طالبِ دیدار کیا ہوا

کس غمزدہ نے آج جہاں سے سفر کیا
چلا رہا ہے غم میرے غمخوار کیا ہوا

زبانِ پیغامبر کی قطع کرکے بھیجدی مجھ کو
جواب اچھا دیا ظالم نے پیغامِ زبانی کا

ہوں میں وہ افسردہ خاطر نغمۂ اہلِ طرب
کان تک میرے جو پہونچا نالۂ ماتم ہوا

قیامت سا یہ بنکر پیچھے پیچھے ساتھ ہوتی ہے
گزر جس راہ سے ہوتا ہے میرے آفتِ جاں کا

بیوجہ پرزے پرزے گریباں گل نہیں
یہ بھی تو ماتمی ہے تمھارے شہید کا

مرنے کا اپنے غم نہیں پر غم یہ ہے کہ غم
بیکس ہوا غریب ہوا بیوطن ہوا

کوئی بات سُنے گا مطلب کی بھی
کہ قصہ کہانی میں جائے گی رات

ہے عشق جسم حُسن تو ہے حسن جانِ عشق
جو حسن کا مکان ہے وہی ہے مکانِ عشق

کچھ اُس نے کمی کی مگر اندازِ جفا میں
فریاد ہے کیوں مجمعِ اربابِ وفا میں

یو بنے جو صنم خانے تو دیکھے وہ کرشمے
بت بن گئے خود بیٹھ کے ہم یادِ خدا میں

پانی کی جگہ خوں شہیدوں کا ملا تو بہ
شوخی تمھیں منظور ہے گر رنگِ حنا میں

لذت ہے جو آبِ دمِ شمشیر میں بسمل
وہ خضر کو حاصل نہوئی آبِ بقا میں

ملیں گے زاہدانِ خشک کیونکر بادہ خواروں میں
کبھی گنتی نہوگی اِن پیادوں کی سواروں میں

ادھر چمکی اُدھر چمکی یہاں تڑپی وہاں تڑپی
گِنی جاتی ہے بجلی بھی تمھارے بیقراروں میں

انداز کیا نرالے مرے دلستاں کے ہیں
دل کے پوچھتا ہے ارادے کہاں کے ہیں

کچھ ایسی بیخودی تھی سرورِ وصال میں
ہم کہہ گئے جواب کا مطلب سوال میں

ترے دیوانے نے یہ پیدا کیا رنگِ اثر
جس پری سے ملگئیں آنکھیں وہ دیوانی ہوئی

دھو گئی ساری سیاہی نامۂ اعمال کی
جب گرے اشکِ ندامت جب پشیمانی ہوئی

عقیدت ہے جو ساقی سے تو بے کھٹکے پیے جاؤ
کہاں کی گفتگوئے حلت و حرمت نکالی ہے

دل کی طرح عزیز مجھے داغِ دل بھی ہے
اس پھول میں بسی ہوئی خوشبو وفا کی ہے

ٹھوکر لگا کے لاش کو قاتل نے یہ کہا
بسمل اُٹھو اگر تمھیں ہمت وفا کی ہے

بڑھا ہے اُنس یہ دردِ جگر سے
تڑپ جاتا ہوں ذکرِ چارہ گر سے

ہوا آخر وہ ظالم جی کا دشمن
جسے دیکھا محبت کی نظر سے

یہی ہے حکمِ ضبطِ رازِ الفت
نہ گرنے پائے آنسو چشمِ تر سے

خود اپنے عکس سے آئینہ میں وہ کہتے ہیں
کہ دیکھ دیکھ غش آیا ذرا سنبھال مجھے

ڈھلا جو کالبد ہے سے وقتِ خرامِ ناز اس کے
کہا ادا سے ڈوپٹے نے تو سنبھال مجھے

اسے بیخودی سلوک کراتا کہ حشر تک
میری خبر ہو دل کو نہ دل کی خبر مجھے

بزم میں انکی کیا کرتا ہے مجھکو بیچین
دل سے کہدو میرے پہلو سے ذرا ہٹ بیٹھے

سمجھ عشرتکدہ غافل نہ عبرت گاہِ عالم کو
یہاں مثلِ حبابِ بحر اک دم بھر کی ہستی ہے

زباں واعظ کی بہکی لڑکھڑایا پاؤں زاہد کا
نگاہِ ناز ساقی میں عجب عالم کی مستی ہے

جلا پروانہ کوئی شمع پر گر کر تو سمجھا میں
کہ مرجانا مآلِ مذہبِ شاہد پرستی ہے

خدا کا ہے اگر طالب خودی کو چھوڑ دے بسمل
گزرنا خود پرستی سے کمالِ حق پرستی ہے

نقشِ پا بن کے میں اُس در پہ پڑوں تو لیکن
ڈر ہے چل پھر کے مٹا دیں نہ مٹانے والے

لیں زمانے نے کروٹیں کتنی
رنگ بدلے نہ انکی محفل کے

بے محابا حسنِ مطلق کی تماشائی ہوئی
سات پردوں میں اسی سے قید بینائی ہوئی

دیکھکر آئینہ اپنے عکس سے بولا وہ شوخ
پڑتی ہے اب آپکی بھی آنکھ للچائی ہوئی

نشۂ حسن وہ کافر ہے کہ جب آنکھ میں آئے
نہ محبت نہ مروت نہ وفا رہنے دے

کیوں کروں قصدِ حرم کیوں ترے در سے اُٹھوں
کیوں کروں کعبہ کو سجدہ ترے در کے ہوتے

کیا دخل پری آکے یہاں رنگ جمائے
دیوانہ ترا حور پہ بھی آنکھ نہ ڈالے

اے پیرِ مغاں تاک میں ہے محتسبِ شہر
پردے سے قدم دخترِ رز اب نہ نکالے

پیاسے ہیں بہت خیر ہو ساقی ترے دم کی
للہ پلادے ہمیں دو چار پیالے

بسمل

(بسمل) مولوی رضی الدین بسمل خلف حکیم سعید الدین خان سعید سند وکالت حاصل کرکے نواب محمد علیخاں مرحوم معزول رئیس ٹونک کی سرکار میں داروغہ ہوگئے اور اسی وجہ سے بنارس میں سکونت اختیار کرلی تھی - چند سال بعد شاہجہاں پور جاکر وکالت شروع کردی - فنِ سخن میں مولانا مذاق سے استفادہ کیا تھا یہ کلام ہے

رُکا ہے آکے دم سینہ میں باہر آنہیں سکتا
نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں بُرا ہونا توانی کا

جبینے دیکھا ہے اُسکے ابروکو
کیا سمائے ہلال آنکھوں میں

شب نہ آیا ترے تصوّر میں
خواب کا بھی خیال آنکھوں میں

ہنس ہنس کے وہ زخمِ دلِ بسمل
چھڑکیں جو نمک تو کیا مزہ ہو

واعظ یہ تیرا ظاہر و باطن نہیں یکساں
لب پر تو خدا دل میں تیرے یادِ بتاں ہے

بینا ہُوا اگر دیدۂ باطن تو ہو معلوم
وہ پردہ نشیں دل ہی کے پردہ میں نہاں ہے

بسمل

(بسمل) حافظ سید محمد حسین بسمل خیر آبادی مولوی عبدالحق منطقی خیر آبادی کے حقیقی نواسے اور آجکل کے مشہور شاعر مضطر خیر آبادی کے بڑے بھائی اور امیر مینائی کے شاگرد تھے - دربار ٹونک میں پہلے بصیغہ سفارت و وکالت رہے پھر میر منشی بھی ہوگئے تھے - نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر والی ٹونک ان سے مشورۂ سخن بھی لیا کرتے تھے اور انکا نہایت ادب کیا کرتے تھے - منکسر المزاج اور درویش صفت آدمی تھے - فارسی میں اعلیٰ درجہ کے مشاق تھے اُردو کی طرف کم میلان تھا چند سال ہوئے ۴۵ برس کی عمر میں بمقام اجمیر انتقال کیا - کلام کا انتخاب یہ ہے

اس خموشی سے بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم
عین گویائی ہے چُپ رہنا تری تصویر کا

نزع میں خواہش نہیں کچھ اور اے قاتل مگر
چاہتا ہوں بُوند بھر پانی تری تلوار کا

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو
دل اُسکو کہا کرتے ہیں جو تجھ پہ فدا ہو

جب تم ہو نمک پاش تو پھر کیوں نہ مزا ہو
دم وہ ہے کہ جو تیری محبت میں فنا ہو

نہیں رندوں نے یہ سر پر چڑھی ہے
خدا کی مار زاہد پر پڑی ہے

کسی کے گیسوئے شبگوں سے جاکر
سیہ بختی مری ٹکر لڑی ہے

جہاں دل تھا وہاں اب کچھ نہیں ہے
بسا لو گھر جگہ خالی پڑی ہے

گواہی دے رہا ہے روز محشر
بڑی ہے تو شب فرقت بڑی ہے

بسمل

(**بسمل**) منشی غلام اللہ بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ - بانس بریلی کے رہنے والے ہیں سرکار انگریزی میں ملازم تھے اب پنشن خوار ہوکر خانہ نشین ہیں حج بھی کر آئے ہیں مرزا غالب کو کلام دکھایا ہے - اور فکر سخن میں اُنہیں کی طرز کے مقلد ہیں جیسا کہ کلام ذیل سے ظاہر ہے - چار پانچ سال قبل تک زندہ تھے - اب حال معلوم نہیں ۵

غزل بسمل

شب وفور اشک سے گردوں کف سیلاب تھا
دورۂ چشم کواکب حلقۂ گرداب تھا

واں حنا بندی عناں گیر خرام ناز تھی
یاں تن کاہیدہ غرق اشک خوں ناب تھا

شمع بزم عیش تھا واں خندۂ دنداں نما
اشک جو آنکھوں سے ٹپکا یاں در نایاب تھا

واں رخ پر نور تھا صبح اُمید زندگی
یاں ہر اک داغ جگر خورشید عالم تاب تھا

واں نگاہ سرمہ آلودہ تھی گلچیں بہار
موجزن یاں چشم تر سے خوں کا سیلاب تھا

یاں دل شوریدہ کو سر پھوڑنیکا تھا خیال
زیر سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا

دیدۂ بیخواب تھا یاں ہائے محو انتظار
استراحت کے لئے واں بستر سنجاب تھا

حسن تمکیں آزما کو پاس خودداری اُدھر
خانہ زاد عشق کو ملحوظ یاں آداب تھا

اُنکو پاس ننگ دامنگیر مجکو پاس وضع
وہ ادھر بیتاب تھے اور میں ادھر بیتاب تھا

ہوگیا بے ساختہ یوں آج سرگرم سخن
ایک مدت سے نوا سنجی کو دل بیتاب تھا

دیدۂ بیخواب کو شب تھا کسیکا انتظار
کان آہٹ پر سو واں مژگاں سے خون ناب تھا

ہاے ایسے ناتوان پر تو ہوا تیغ آزما
نشترِ فصاد جس کو دشنۂ قصاب تھا

کیون نہ جھکتی زاہدِ مغرور کی گردن ادہر
خنجرِ خمدارِ قاتل صورتِ محراب تھا

ساغرِ مل اب کہان وہ شورِ قلقل اب کہان
نغمۂ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تھا

میںنے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر
بسترِ سنجاب تھا نے بالشِ کمخواب تھا

بسمل

(**بسمل**) منشی واحد علی باشندۂ کاکوری۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد اور بڑے طبّاع اور ہوشیار شخص ہیں۔ قریب ۴۰-۴۲ برس کی عمر ہے۔ زبان ستھری اور مذاق سلیم رکھتے ہیں عرصہ دراز سے رامپور میں بعہدۂ نائب میر منشی ممتاز ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

دل میں مجمع ہے مرے یار کے پیکانوں کا
میزبان ہے یہ عجب نوک کے مہمانوں کا

غضب ہے جوانی میں جوبن کسی کا
قیامت ہے بے ساختہ پن کسی کا

جلوہ پردہ سے دکھاتا نہ اگر بیٹھ کے تو
نہ تو کافر کوئی ہوتا نہ مسلمان ہوتا

تو قتل گہِ ناز میں دم بھر بھی نہ ٹھیرا
کشتے ترے تڑپا کئے آغوشِ قضا میں

ساقیا عید کا دن روز نہیں آتا ہے
آج دن بھر درِ میخانہ کھُلا رہنے دے

زخم کہتے ہیں تیغ سے مل کر
آج نکلیں گے حوصلے دل کے

نوکِ مژگاں ذرا خیال رہے
پھوٹ جائیں نہ آبلے دل کے

ادھر کا گرم ہے پہلو اودھر سے
تڑپ دل میں سوا ہے کچھ جگر سے

نگاہیں ڈھونڈھتی پھرتے ہیں پہروں
نکل جاتا ہے وہ کافر جدھر سے

پھر سوئے گورِ غریبان وہ ہیں آنیوالے
پھر ہیں سوتے ہوئے فتنوں کو جگانیوالے

کیا ستم ہے رہے مالک کہیں گھر کے ہوتے
تیر پہلو سے نکل جائے جگر کے ہوتے

بسمل

(**بسمل**) مولوی فتح الدین صاحب مرحوم آپ پنجابی اخبار نویسوں میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے اور بڑے ہوشیار۔ ذکی اور لئیق مضموں نگار تھے۔ کئی سال تک آپ پنجاب پنچ لاہور کے اڈیٹر رہے علاوہ ازین علمی اور رفاہ عام کے دیگر کاموں میں بھی نہایت مستعدی

سے حصہ لیتے تھے ۔ ظرافت کے مضامین لکھنے میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل تھا ۔ عالم شباب ستمبر ۱۸۹۱ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا ۔ آپکا کلام تلف ہوگیا بمشکل یہ چند شعر ایک پولٹیکل غزل کے ہاتھ لگے ۔ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ۵

کابلی بر سرِ پیکار ہیں لو اور سنو
اُن کی اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو

جنکے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے
اُن سے ہی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو

شاہ تھیا نہ تو اور ک نہ مصالحہ موجود
سونٹھ کی گانٹھہ پہ عطار ہیں لو اور سنو

کل جہالت میں جو عرفات بھی تھے یہ کالا لوگ
سول سروس کے طلبگار ہیں لو اور سنو

دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی
جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو

ہم نرے مولوی تھے آج طفیلِ سرکار
پنج ہیں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو

جیب میں نافے پڑے رہتے ہیں بسمل کے مدام
آج ہم عنبرِ تاتار ہیں لو اور سنو

بسمل

(بسمل رامپوری) صاحبزادہ محمد مرتضےٰ خان شاگرد جلال ۔ رامپور کے عمائدین سے ہیں بڑے خوش فکر شاعر ہیں کلام انکا بہت اچھا ہوتا ہے ۔ ۵۴۔۵۰ برس کی عمر ہے ۔ ریاست سے گزارہ کے لائق وظیفہ پاتے ہیں یہ کلام ہے ۵

ہوش کیوں جاتے رہے کس کا تجلا دیکھا
طور پر آپ نے کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا

جذب نظارہ مراد یکھ تو اے حسرتِ دید
اٹھ گیا وہ رُخِ محبوب کا پردہ دیکھا

کیا کچھ بتوں کو روزِ ازل اے خدا دیا
مجھ کو بس ایک دل ہی یہ حسرت بھرا دیا

بزم سرور ہوگئی بزم عزا مری
اس گل کو لا کے پھول نہیں کس نے بٹھا دیا

دے کر خبر وصال کی تڑپا یا ہمکو اور
مژدہ اجل نے نزع میں یہ کیا سنا دیا

کہنا کسی کا ہائے پسِ قتل ناز سے
اللہ رے سخت جاں مرا بازو دکھا دیا

ہماری چشم نظارہ بین کو ستائے کیونکر نہ بدگمانی
یہ کسکو نرگس چمن میں یار بنگاہ حسرت سے تک رہی ہے

تمام مطلب ادا ہو کیونکر مرا بیان اور زبانِ قاصد
وہ پوچھتے ہیں کہاں سے آیا زبان اُسکی بہک رہی ہے

بپا محشر ہوا آہ و فغاں سے / ہوئے آگاہ سب دردِ نہاں سے
مزے تیرِ نگہ کے کوئی پوچھے / ترے بسمل سے تیرے نیم جاں سے

بسمل

بسمل۔ منشی سید احمد شاہ صاحب شاگرد قیصر الہ آبادی دورِ موجودہ کے شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

آپ نے وعدۂ دیدار کیا ہے جب سے / دیدۂ شوق بنا ہے ہمہ تن دل اپنا
دھیان میں جب لبِ جاں بخش کے پی لیتا ہوں / زہر میں بھی اثرِ آبِ بقا ہوتا ہے
شور کرتا نہیں ناقوسِ کلیسا غافل / اسی پردے میں وہاں ذکرِ خدا ہوتا ہے
تیر نگاہِ ناز کسی خوش جمال کے / پہلو سے لے گئے جگر و دل نکال کے
فتنے بھی پامال ہوں ٹھوکر سے راہ میں / محشر بھی لے قدم تری مستانہ چال کے
کچھ پی گئے ہیں آج مقررِ جنابِ شیخ / ہو حق جو کر رہے ہیں عمامہ اچھال کے
دو گھونٹ کیا پلا کے کہ مدہوش کر دیا / قائل ہیں ہم تو پیرِ مغاں کے کمال کے
اثر دیکھا صبا کا غنچۂ پیکاں میں قاتل کے / گلِ خنداں بنا ہر اک دہانِ زخم کھل کھل کے
نہ چونکا اُٹھ کا اے شورِ قیامت کنجِ مرقد میں / تھکے ماندے مسافر سو رہے ہیں پہلی منزل کے
قضا سر پر کھڑی ہے ملتمس کے وہ چڑھتے نگاہیں / تماشے کس ادا سے دیکھتے ہیں رقصِ بسمل کے

بسمل

بسمل۔ سید بنے میاں صاحب باشندۂ رامپور شاگردِ مولانا راسخ دہلوی۔ نوجوان آدمی ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں۔

بیقراری میں دلِ بیتاب سا مونس ہے کون / کوئے جاناں کی طرف مجکو یہ رہبر لیچلا
المدد شوقِ شہادت ہمت اے ذوقِ وصال / رازِ دل اُس نازنیں سے برملا کہنے کو ہیں
کچھ اشارہ آنکھ کا ہے ہلتے ہیں کچھ میرے لب / دونو ملکر تجھسے کچھ اے بیوفا کہنے کو ہیں
ذرا تو رنجِ الفت کا جوانی میں مزہ دیکھو / ملے ہو مدتوں اے حضرتِ دل ناز و نعمت میں
دیکھ لے آکے تماشا سرِ بالینِ مزار / دل لگی کرتی ہیں حوریں ترے دیوانے سے

کیوں نگہ پھیرتے ہو آؤ چھری پھیر بھی دو | لو گئے کیا طالب دیدار کے تڑپانے سے

بسمل

بسمل - منشی عبدالرحیم بسمل کلرک کورٹ آف وارڈ فیروزپور باشندہ کرانہ حضرت ارشد گورگانی کے تلامذہ سے ہیں۔ انکے والد شیخ ہدایت اللہ صاحب ریاست ممدوٹ میں وکیل ہیں۔ انکی عمر تیس سال کرانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے ہیں طبیعت صوفیانہ ہے اپنے استاد کا کلام بہت جانفشانی سے فراہم کیا ہے خود بھی صاف صاف اچھا کہتے ہیں۔ مذاق سلیم ہے مندرجہ ذیل کلام سے آپ کی خوش فکری اور بلند نظری ظاہر ہے۔

محو خرام یار کو محشر سے کام کیا | | اے صور حشر کیوں مجھے ناحق جگا دیا
کعبے میں تیرا فیض ہے جاری دیکھا | رباعی | بت خانہ میں ہر بندہ پجاری دیکھا
صد شکر کہ کی ترک دورنگی بسمل | | ہر گھٹ میں ہے اب شام مراری دیکھا
خوش وقت ہے وحدت کا جسے جام ملا | رباعی | کیا خوب یہ سرکار سے انعام ملا
آنکھوں سے اٹھا اپنے دوئی کا پردہ | | ہر رنگ میں بسمل ہے سریرام ملا
ہمکو مزا جو ملتا ہے سوز و گداز میں | | زاہد تجھے کہاں وہ میسر نماز میں
سلجھے ہوؤں کی عین حقیقت پہ ہے نظر | | الجھے ہوئے ہیں حضرت زاہد مجاز میں
کس کو تمیز قبلہ و قبلہ نما رہے | | میں وقت سجدہ غرق تھا بحر نیاز میں
بسمل وہن پہ مہر خموشی لگی رہے | | منصور دار وار ہے افشائے راز میں
تو انتخاب حسن کا نقطہ ازل میں تھا | | گو لاکھ ہوں حسین پہ تجھسا کہیں نہیں
تھا خوان فیض جنکا جہاں کے لئے کھلا | | آج انکے شب کے کھانیکو نان جویں نہیں
گھٹا کی آبرو گھٹ جائے پانی پانی باراں ہو | | ہماری چشم تر رونے پہ گر آجائے ساون میں
ہر شان میں ہے شان نرالی تیری | رباعی | سر جھکتے ہیں درگاہ ہے عالی تیری
آباد ہے ہر نام سے دل کا مندر | | آنکھوں میں ہے تصور خیالی تیری

آپ تو ٹھکرا ابھی سے گھر چلے | | عاشقوں کی کیا تسلی کر چلے

بارِ اُٹھکر بٹھا دیا دل نے		اُٹھکے کوچے سے ترے اکثر چلے	
سحرِ بنگالہ ہے آنکھوں میں تری		ہم پہ بھی جادو کوئی منتر چلے	
آپ اُٹھتے میں ادھر بیہوش ہوں		بیٹھے بیٹھے کیا یہ جادو کر چلے	
ہر نام سے اب عشق کا ساغر اُٹھے	رباعی	توحید کے بادل سے سمندر اُٹھے	
استے پہ تلک کہتا ہے سُن لو بسمل		مالک کی نہ جو کھٹ سے کبھی سر اُٹھے	

بسمل

بسمل - منشی محمد عبدالرحمن خلف مولوی حکیم قربان علی حنفی مذہب قادری مشرب نوجوان ہیں موضع منہار ضلع گیا آپ کا وطن اور ۱۲۹۹ھ سالِ پیدایش ہے - گیا میں بود و باش ہے اور کتابت کے شغلہ سے اوقات بسری کرتے ہیں - شاعری کا عنفوانِ شباب سے شوق ہے جو کچھ کہتے ہیں اُس میں خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے مشورہ کر لیتے ہیں اُردو اور فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں - کلام مُرسلہ میں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں -

سختی ہجر اُٹھائے دلِ مضطر کیونکر	رکھ لے سینے پہ الٰہی کوئی پتھر کیونکر
دیکھنا ہے کہ ملاتے ہی نظر دل کو مرے	چھین لیتی ہے تری چشمِ فسونگر کیونکر
رووں صحرا میں سمندر میں اگر آہ کروں	مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

ابھی باقی ہے حرصِ زندگانی	چراغ گور روشن ہے ہوا میں
اولجھہ کر لیا دلِ عشاق چھوٹیں	بلا کے پیچ ہیں زلفِ دوتا میں

دل تو لیتے ہو مگر بوسہ تو دیدو پہلے	تم سمجھتے ہو کہ مجھ سا کوئی ہشیار نہیں
گوشِ گُل تک کبھی فریاد نہ پہنچی افسوس	چیختے چیختے بلبل کی زباں سوکھ گئی
زیادہ دوستی میں دشمنی کا خوف رہتا ہے	عدو وہ بنگیا جس سے ذرا ہمنے محبت کی
نہ ترکِ عشق ممکن ہے نہ صبر آتا ہے فرقت میں	عجب آفت میں جانِ زار ہے بیمارِ الفت کی
فراق میں مجھے برسات تیرِ باراں ہے	ہوائیں ہوتی ہیں سینہ کے پار ساون کی

شمع لے کر مری تربت پہ نہ آئے کوئی	مرگیا ہوں مجھے اب تو نہ جلائے کوئی

بسمل

بسمل۔ منشی اشرفی لال۔ آپ غالباً رامپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

شورِ محشر مرے نالوں نے اٹھایا کیسا	ہوگیا سارا زمانہ تہ و بالا کیسا
حسرت و یاس والم دم تو ذرا لینے دو	آخری وقت لگا رکھا ہے میلا کیسا
خود نما حسن نہیں جذبِ محبت بھی نہیں	پھر یہ بے پردہ تمہارا ہے نکلنا کیسا
وہ اثر ہے مرے نالوں میں جو رہا ہوں بسمل	دل کو تھامے ہوئے وہ آئیں تو آنا کیسا

بشاش

بشاش۔ آغا کلب عابد خاں بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول امرتسر خلف اکبر نواب کلب حسین خاں نادر مرحوم رئیس بنارس۔ بہت نیکنام منصف اور فیاض شخص گذرے ہیں امرتسر ہی میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ ایک عظیم الشان سرائے رفاہِ عام کی غرض سے امرتسر میں تعمیر کرائی تھی وہ آپ سے یادگار ہے۔ پندرہ سال کے قریب ہوئے وہیں انتقال کیا۔ مندرجہ ذیل اشعار آپ کی موروثی موزونیٔ طبع کا نتیجہ ہیں۔

نہ میرے درپئے ایذا ہے آسماں تنہا	ہزار دشمنِ جاں ہیں اور ایک جاں تنہا
اگرچہ دشمنِ جاں ہوں مرے رقیب ہزار	نہیں ہے خوف جو ہو دوست مہرباں تنہا
ہے صحبت آپکی ناصح مجھے عذاب الیم	وہ بہتر اس سے بسر ہو جو مہرباں تنہا
میں عادت اسلئے کرتا ہوں گوشہ گیری کی	کہ کنجِ قبر میں رہنا ہے جاوداں تنہا

بشاش

بشاش۔ منشی دیبی پرشاد خلف منشی نتھن لال بہجت قوم کایستھ ان کے بزرگ شہر بھوپال کے متوطن تھے یہ خود عرصے اجمیر میں سکونت پذیر ہیں اُردو انشاپردازی اور تالیف اور تصنیف کتب جغرافیہ و تاریخ کا زیادہ تر شغل رہتا ہے۔ اوائل عمر میں صاحبزادگان ٹونک کی سرکار میں منسلک رہے اُسکے بعد ریاست جودھپور میں ملازم رہے۔ لطائف ہندی۔ افسانۂ خرد افروز۔ گلدستۂ ادب۔ وقایع راجپوتانہ۔ احکام نوشیروانی۔ تاریخ ترک ہند۔ تذکرہ

شعرائے مہنود ۔ اُن سے یادگار ہیں ۔ اسوقت آپکی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے اور ریاست میں منصفی کے عہدہ پر ممتاز ہیں ۔ یہ اُنکے اشعار کا خلاصہ ہے ۔

ہر بزم میں ہے ذکر تری جلوہ گری کا
لیتا نہیں اب نام کوئی حور و پری کا

آفت ہی تجھپہ ڈہائینگی یہ بے نیازیاں
جب داد اپنی چاہینگے اے بُت خدا سے ہم

سیر ہو کر دیکھنے پائے نہ رُوئے یار ہم
جل گئے لائے نہ تابِ گرمیٔ دیدار ہم

علاجِ ہجر بتاؤ بتو خدا کے لئے
ہمیں تو موت بھی ملتی نہیں دوا کے لئے

بُرا نہ جانئے تو تقوے آب کیا جانے
نہ پی ہو جسنے وہ قدرِ شراب کیا جانے

بغل میں جسکے نہو ایک چاند سا معشوق
وہ لطف سیرِ شبِ ماہتاب کیا جانے

جسے نصیب نہو لذتِ وصالِ صنم
بھلا وہ لذتِ عہدِ شباب کیا جانے

دلکو لگی ہے شعلہ رخوں کے وصال کی
کعبہ میں روشنی ہے بتونکے جمال کی

عشق میں پایا ہم نے کیا بشاش
جان کھو بیٹھے جی کھپا بیٹھے

بشیر ۔ شیخ بشیر احمد سرہندی از اولاد شیخ احمد سرہندی ۔ اکثر علوم و فنون مثلاً رمل ۔ نجوم عُروض ۔ موسیقی میں مداخلت تام رکھتے تھے ۔ خوش وضع خوش خلق شخص تھے باقتضائے موزونی طبع صحبتِ احباب میں کبھی کبھی فکرِ سخن بھی کر لیتے تھے ۔

رونق ہے غم کی بسکہ گلشن میں دہر کے
جوں سرو سربلند میں آہ کشیدہ ہوں

موجِ آبِ زندگی ہے جوہرِ تیغ نگاہ
وے کے سر لیجئے یہ آبِ حیواں پھر کہاں

جب تلک ہے تو کمندِ زلفِ مشکیں کا اسیر
خوابِ راحت کر لے یہ شامِ غریباں پھر کہاں

غافلوں کی ست نصیحت ماں اے شوریدہ سر
سلطنت اپنی نہ کھو یہ فوجِ طفلاں پھر کہاں

بشیر ۔ میر بشارت علی دہلوی شاگرد فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون غدر سے بہت پیشتر لکھنؤ سے واپسی کے وقت سفر میں انتقال کیا ۔ ۱۲۴۴ھ تک حیات تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

دلِ بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
دیکھتے ہیں تجھے حسرت سے بھرے بیٹھے ہیں

یارب نہ کھُلے زلفِ گرہ گیر کسی کی
وابستہ وہاں خاطرِ دلگیر کسی کی

شاید دلِ بیتاب کو تسکین ہو اپنی
کھچوا کے رکھوں سینہ پہ تصویر کسی کی

بشیر

بشیر - محمد بشیر خاں رامپوری ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہوگی - پُرانے سپاہیانہ وضع کے آدمی ہیں - فنِ سپاہ گری میں بھی اچھے بلکہ اوستاد ہیں - شعر شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے رکھتے ہیں - بظاہر الف کے نام بے نہیں جانتے مگر مبدء فیاض نے اس فن میں انکو بھی خاصہ حصہ دیا ہے - شعر اچھا کہہ لیتے ہیں - یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ کسی اَن پڑھ کا کلام ہے - بتیس برس کی مشق نے طبیعت میں پوری رسائی پیدا کر دی ہے - جو کچھ کہا نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کو دکھالیا - رامپور سے اِنکے فیضِ صحبت کا لطف اُٹھایا ہے - اب آجکل حیدرآباد میں کسی رئیس کے ہاں ملازم ہیں یہ اُن کا کلام ہے -

گردشِ چشم سے کب یہ دلِ مضطر پھرتا
بُت وفا کرتے تو اُن سے کوئی کافر پھرتا

یہ لگاوٹ یہ کرشمے جو نہوتے تجھ میں
اے صنم کہہ تو خدا سے کوئی کیونکر پھرتا

نقدِ دل میں نے چھپایا تو بُرائی کیا کی
کوئی رکھتا نہیں دولت کو تو نگر باہر

اُسکا وہ ناز سے کہنا کہ عبث رو رو کر
پانی کرنا تمہیں خوب اپنا لہو آتا ہے

دُھوم رندوں میں ہے مسجد سے نکلکر باہر
آج میخانہ میں کرنے کو وضو آتا ہے

تنہا لحد میں چھوڑ گئے آج وہ رفیق
ہوتے نہ تھے جو مجھسے گھڑی بھر جدا کبھی

وہ چیز تھی شراب کہ اس پر جہانمیں
سب فاتحہ دلاتے جو ہوتی روا کبھی

تیغِ قاتل پہ گلو مقتل میں رکھدیں بڑھکے خود
کر دکھائیں آج ہم بھی جو ہمارے دل میں ہے

بتوںکو بیوفا تونے بنایا کیا وفا کم تھی
کمی کسکی تھی کیا تیرے گھر میں ایذا کم تھی

نگاہِ غور سے دیکھا تو یہ دونوں برابر تھیں
نہ فرقت تھی قضا سے کم نہ فرقت سے قضا کم تھی

بنایا آسماں بھی اور اک بھرِ ستم تو نے
الٰہی تیرے بندوں پر تو کیا جفا کم تھی

بشیر

بشیر۔ شاہ بہاء الدین دہلوی معروف بہ عبداللہ شاہ بشیر۔ آپ شاہ نصیر کے چھوٹے بیٹے شاہ نجم الدین صغیر کے حقیقی نواسے تھے اور چونکہ انکی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے انہوں نے انھیں متبنے بھی کر لیا تھا چنانچہ انکی وفات کے بعد درگاہ و جاگیر آبائی خانقاہ صدر جہاں (دہلی) کے مالک ہوئے۔ فن سخن کا مذاق موروثی تھا اور اس میں اپنے عزیز شاہ تنویر سے مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ عربی فارسی کی تحصیل اچھی تھی تصوف اور فن سخن کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرتے تھے۔ افکار زمانہ نے کبھی دل جمعی نہ ہونے دی۔ ایک تذکرہ شعراء اردو کا لکھنا شروع کیا تھا مگر اُسے پورا نہ کر سکے۔ سات برس کا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ ۵۵-۶۰ برس کے قریب عمر پائی قلمی دیوان جو راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

چراغ صبح ہوں اکدم کا مہماں تم ذرا دم لو
جُدا یا گر نہیں ہے دل تو کیوں آنکھیں چُراتے ہو

دل مرا جانے ہے یا اُسکو خدا جانے ہے
ہوش میں پھر نہ سحر تک دلِ ناشاد آیا

رو کے سمجھے تھے کہ کچھ دل کو کرینگے خالی
غم میں سر دشوار بالیں سے اُٹھانا ہو گیا

کیا یہ کیا لڑکپن اے بشیر خستہ دل تم نے
اور تو کیا بخت برگشتہ سے ہے یہ ہی اُمید

دیدیا دل اُسکو لیکن یہ نہ سمجھے تھے بشیر
مُصحفِ رُخ پہ نہ لاوے گا جو اُس کے ایماں

کہتا ہے آج ذوقِ طلب یہ دن کہ تو سہی
مُنہ کو چمن میں چومتی ہیں اُسکے بلبلیں

خُلد حُوروں سے ہے پر یہ تو نے پرستاں جیتا

مجھے رخصت تو کرلو نام لینا بعد رخصت کا
نہ شرماؤ کہ شرمانا تمہارا گھر ہے تہمت کا

کہ ترے ظلم سے اس نے ستمگر کیا کیا
اُسکا یہ کہنا نہ چھیڑو بے مجھے جب یاد آیا

چشم تر کرنے لگی اور یہ رسوا اُلٹا
دل لگانا سہل تھا مشکل چھڑانا ہو گیا

یہ مانا وہ خفا تھے تم منا لاتے تو کیا ہوتا
آبِ حیواں بھی جو ہاتھ آئے تو سم ہو جائیگا

دوستی میں دلکا دشمن وہ صنم ہو جائیگا
وہ مسلماں نہ ہوگا کوئی کافر ہو گا

توڑوں تڑپ کے یار کی شمشیر دیکھنا
جھڑتے ہیں پھول کیا دمِ تقریر دیکھنا

تُو نے وہ حُسن کے اقبال سے میداں جیتا

خضر بھی جان چھپاتے یہ پھرینگے کب تک — انکو چھوڑیگی نہ یہ گردش دوراں جیتا

حسرتیں روز نئی روز ہیں ارمان نئے — یہ نہ رکھیں گے مجھے حسرت و ارماں جیتا

جھلاتی نزاکت نہ اُسے گرد م رفتار — پامال یہ دل زیر قدم ہو ہی چکا تھا

نہ تیغ ہاتھونمیں ہے نہ خنجر یہ نمیں ہزاروں موئے تڑپ کر — اُتارتا ہے لحد کے اندر چڑھانا قاتل کی آستیں کا

وے ٹپک خاک پہ اے زلزلہ آ دلسے — ستم ہے جو خورشید کلس گنبد مینائی کا

کون کہتا ہے دیئے تم نے ہیں داغ فرقت — نخل اُمید مرا لایا ہے بار آپ سے آپ

جرم کچھ تیر نگہ کا نہیں تیرے قاتل — جان دیتے ہیں ترے سینہ فگار آپ سے آپ

چاہت دل جب سے اُسپر کھل گئی سب سے اے بشیر — اور بھی ہر بات پر کرتا ہے وہ دلبر مزاج

کچھ دم سے ہے پھر نگاہ محبت سے دیکھ لو — صدقے ہزار جان سے ہوں اس امتحان پر

بے پری پہ تو یہ صنم ہیں ہوا میں اُڑتے — کیا غضب ہوتا جو ہوتے کسی زردار کے پر

جلانے کا مزا جب آئے میرے — دل آجائے جو اُن کا بھی کسی پر

صندل وہی لگائینگے جاگے ہو جنکے گھر — کیوں لیں یہ مفت درد سری درد سر ہم

ناخوش ہیں کیوں رقیب ملا ہمسے رنگ گل — دیتے ہیں اُسلئے داغ درم انکو گھر سے ہم

عجب تسخیر دنیا میں شباب حسن دلکش ہے — کہ اس سے بس میں پریونکو یہ آدم زاد کرتے ہیں

پہلے ہی پہل آئے ہیں جوں غنچے منہ بند — کھل کھلیں گے ایدل ابھی شرمائے ہوئے ہیں

مرجائیں وے پیئینگے مے ہاتھ سے اسکے — ہم ساقی کوثر کی قسم کھائے ہوئے ہیں

منتوں پہ تو کرو وصل کا انکار نہیں — ایتو اس منہ سے کرو ہو چکی سو بار نہیں

ق

کیوں میں نے یہ کہا کہ مجھے بھی دو جام مے — پچھتایا کہہ کے اُس صنم پُرعتاب کو

شیشونکو پھینکا توڑ کے سب ہو کے پھر خفا — بولے کہ ایلو آگ لگاؤ شراب کو

نکلی ہے جان حسرت دیدار میں مری — بس شرم ہو چکی کہیں الٹو نقاب کو

مرجاؤں پہ توبہ نہ کروں عشق بتاں سے — اس سے بھی ہو گر رنج و محن اور زیادہ

جہاں سے آگ الفت کی وہیں تو لاگ ہوتی ہے
زیادہ دوستی میں بھی عداوت آہی جاتی ہے

یہ مانا ہم نے راہِ عشق میں ہے جان کا خطرہ
ذرا مضبوط دل کر لے تو ہمت آہی جاتی ہے

کسی سے دیکھتے ہیں اُسکو ہنستے بولتے جب ہم
تو جیتی جان ہیں ہمکو بھی حسرت آہی جاتی ہے

جو کچھ بھی تھی اُسی سے بنے یہ شمس و قمر
تمہارے محوِ رخ سبے نقاب کی مٹی

لوائی کروٹیں بادِ سحر سے
ترا بیمار لاغر اس قدر ہے

اچھے اچھوں سے تری کاوشِ مژگاں کافر
تنکے جنوائی ہے دیوانہ بنا دیتی ہے

کوئے قاتل کا پتا شوقِ شہادت مت پوچھ
سُنتے ہیں ہم تو اجل آپ بتا دیتی ہے

تجھے بھیجی حنا تحفہ ہے یہ جس دوزخی نے اب
لگا منکو اُسی کے آگ پھر اے جانِ اٹھی

کسی کے بیٹھے بٹھلائے جو دن گردش میں آتے ہیں
تو ہو جاتی ہے انکی عقل سے چرخ کہن الٹی

دہ کرکے کیا شکایتِ دورانِ سر گئے
لاکھوں دلوں نکے اُنپے سے صدقے اُتر گئے

اس بھولے پن پہ مار لئے سینکڑوں نکے دل
سایہ سے اپنی زلف کے وہ آپ ڈر گئے

کیا انکار اک بوسے سے تُو نے دل ہمارا بھی
یہ کچھ تلوار سے کم تھی ترے انکار کی برچھی

کیوں نہ اپنی غشی پہ میں غش ہوں
رہ چھڑکنے گلاب آتا ہے

کبھو شام کہوے کبھو سحر جو سحر ہو کہوے وہ دوپہر
جو یہی ہے وعدۂ وصل گر کوئی دن میں بنا وصال ہے

نہ جام دے کوئی چلّو مجھے شراب تو دے
جو یہ بھی ہو نہیں سکتا صنم جواب تو دے

کیا جو قتل یہ خاک اُسکو داب تو دے
کہ روزِ حشر کو کشتہ ترا جواب تو دے

بہت سے ہے تشنہ لبی تو خدا کا لے کر نام
گلے پہ پھیر مرے خنجرِ پر آب تو دے

نہ دے جو دیتا نہیں قولِ وصل کا ظالم
ہمارا پھیر دلِ خانماں خراب تو دے

کہوں گا حال شبِ غم کا تجھسے اے ہمدم
یہ چین لینے مجھے دل کا اضطراب تو دے

جوشِ وحشت میں جھپک جاتی ہیں آنکھیں جو کبھی
خواب میں بھی تو بیابان نظر آتا ہے

ہے عجب مذہبِ الفت بھی کہ جسکو دیکھا
کوئی ہندو نہ مسلمان نظر آتا ہے

کیوں خفا ہوتے ہو خنجر بھی ہے ہیں بھی حاضر
یہ تمھیں ہو جو ایک بوسے پہ کرتے ہو نہیں

ہو گیا سینکڑوں آشفتہ دلوں کو سودا
دل نہ بہلے گا اپنا حوروں سے

زباں تیری بُتِ پیماں شکن کچھ اور کہتی ہے

کس لئے پھیر نہیں خنجر بُرّاں دیتے
جان تک مانگتے ہم سے تو مرجاں دیتے

کیوں نہیں رُخ سے اُٹھا زلف پریشاں دیتے
وہاں بھی تیری ہی جستجو ہو گی

یقیں کسکا ہو چشمِ سحر فن کچھ اور کہتی ہے

بشیر ۔ جناب منشی بشیر احمد خانصاحب رئیس ملیح آباد خلف محمد احمد خانصاحب تعلقدار مرزا گنج ۔ آپ لکھنؤ کے مشہور شاعر رسالدار فقیر محمد خان گویا کے پوتے ہیں ۔ اسطرح گو یا مذاقِ سخن آپ کو میراث میں ملا ہے ۔ شعر خاصہ کہتے ہیں ۔ معاملہ بندی کیطرف زیادہ میلانِ خاطر پایا جاتا ہے ۔ کلامِ ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ۔

رقیب تم سے کرے آرزوئے بوسۂ لب
بگڑ کے میں جو وہاں سے اُٹھا تو وہ بولے

کیسی مشکل سے بنے کریں آہ تو رسوائی ہے
کون دل لے گیا وہ پوچھتے ہیں

عشق میں ہم نے تم سے حضرتِ دل
دیکھو ہم جان دیتے ہیں کہ رقیب

شیخ جی ہجو مے تو کرتے ہو
درد ہے دل میں ہمارے آہ بے تاثیر ہے

تم ابھی دشمن کی قسمت کو جو کہہ اُٹھے بُرا
کھُل گیا ہم پر کہ تھے فردِ اہلِ دہلی بھی بشیر

خطا معاف مزہ ہے یہ مُنہ لگانے کا
کوئی منالے تو ہے لطف روٹھ جانے کا

مُنہ کو آتا ہے جگر ضبط اگر کرتے ہیں
اور یہ طرفہ ماجرا دیکھو

جو کہا تھا وہی ہوا دیکھو
بات ہی کیا ہے آزما دیکھو

تھوڑی پی لو تو پھر مزا دیکھو
آپ بسمل ہے یہ تیر انداز اپنے تیر سے

ہو جو ممکن تو بدلوا دو مری تقدیر کو
رنگِ ذوق و غالب و سودا و دردو میر سے

تیری تیرِ نگہ کا کیا کہنا
سن کے وہ دردِ دل مرا بولے

دلنشیں بھی ہے دلربا بھی ہے
جھوٹ کی کوئی انتہا بھی ہے

جسے خیال کسیکا ہو اُسکو چین کہاں	کہاں انکا خواب کسیکا جو انتظار رہے

بشیر

بشیر ۔ منشی محمد بشیر ۔ موضع پھر سانا ر کے رہنے والے اور منشی ظہیر احسن صاحب شوق کے تلمذ سے بہرہ ور ہیں ۔ شوخی طبع آپکے کلام سے ظاہر ہے ۔

گر کہی یہ نگہ ناز تو بسمل مجکو	آپ فرماتے ہیں کیوں کہتے ہو قاتل مجکو
یہ ذکر شراب اور مسجد میں واعظ	تجھے بھی عجب بے تکی سوجھتی ہے
کرو مے کشی خوب کالی گھٹا ہے	کہاں اس میں نیکی بدی سوجھتی ہے

بشیر

بشیر ۔ منشی بشیر مرزا دہلوی ۔ مولانا عبدالرحمن راسخ کے شاگرد اور موزوں طبع نومشق کہنے والوں میں سے ہیں ۔ یہ آپ کا کلام ہے ۔

اجل نے لی خبر میری نہ آئے آپ فرقت میں	یہ سچ ہے کام آتا ہی نہیں کوئی مصیبت میں
الہی دردخواہان ستم ہیں منتظر کب سے	لگا رکھی ہے اتنی دیر کیوں تو نے قیامت میں
ہمارا دل تمہارا ہے ہماری جاں تمہاری ہے	خیانت کب وفاداروں سے ہوتی ہے امانت میں
ادہر خواہش حسینوں کی اُدہر اصرار حوروں کا	شہید ناز پر برسوں رہی تکرار جنت میں
تم سے عزیز کب دل آشفتہ حال ہے	لیجاؤ لو اُٹھا لو تمہارا ہی مال ہے
کیوں داد اپنی چال کی لیتے ہو چرخ سے	اس کا تو قدردان کوئی پامال ہے

بقا

بقا ۔ شیخ بقاء اللہ خان اکبرآبادی اصلی وطن انکا اکبرآباد و مولد دہلی ہے ۔ حافظ لطف اللہ خان خوشنویس کے بیٹے اور مرزا رفیع سودا ۔ میر تقی میر اور درد وغیرہ کے معاصر تھے ۔ ریختہ میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے کثرت مشاقی سے میر اور مرزا دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے ۔ طبیعت میں شگفتگی و رنگینی خداداد تھی کبھی کبھی اُس زمانے کے مذاق کیموافق ہجوگوئی بھی کرتے تھے چنانچہ کچھ عرصہ تک غمگین بھی تخلص کرتے رہے پھر بقا بن گئے ۔ علمی پایہ بھی بلند تھا ۔ اس فن خاص سے مناسبت تمام رکھتے تھے ۔ غزلوں کے سوا قصائد میں بھی اپنا زور طبع دکھایا ہے ۔ آخری عمر میں لکھنؤ جا رہے تھے ۔ اُردو میں ایک مختصر دیوان انکی یادگار ہے انکے شاگرد منشی ظہور اللہ خاں نوا مشہور ہوئے ۱۲۰۶ھ میں مقام حجاز انتقال کیا یہ انکا کلام ہے

سرسری دل کے صاحب پاس سے جانا کیا تھا
راہ بس ناپتے آئے تھے یہ آنا کیا تھا

ق
میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر
اس میں ہووے جو نام شاعر کا
لے کے دیوان پکارتے پھرئے
ہر گلی کوچہ کام شاعر کا

قطعہ
نوبت اب اُس بُت سے پہنچی نامہ و پیغام تک
جس سے نت خلطہ تھا مجکو اور بہم یارانہ تھا
آہ کانوں نے سُنا اُسکو جو تھا منظور چشم
چشم سے دیکھا جو کانونکے لئے افسانہ تھا
ہم نفس کوئی نہ دیکھا بیکسی کے دن بقا
آشنا صورت مگر معنی میں وہ بیگانہ تھا

وہ انگارا ہے پہلو میں دلِ بیتاب آتش کا
کہ دیکھے سے جسے ہوجاوے زہرہ آب و آتش کا

دستِ ناصح جو مری جیب کو یکبار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اُس میں نہ رہے تار لگا

یار کو پہونچی خبر نالۂ تنہائی کی
مُدعی کون کھڑا تھا پسِ دیوار لگا

گردش پہ تری چشم کے بحثے ہے ہمسے یار
دعووں کی گفتگو سے قدح اور قدح سے ہم
چشم اپنی ٹک دکھاوے اُسے تا کہ باز آئیں
اِس بحثِ دو بدو سے قدح اور قدح سے ہم

ساقی کو دے نوید بہار آئی باغ میں
سودے نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمنِ جان ہے
مرنے کا نہیں نام کا اپنے میں بقا ہوں

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اُسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

آہیں افلاک میں ملجاتی ہیں
محنتیں خاک میں ملجاتی ہیں

میکشی غیر کی محفل میں جو کرتے ہو تو یار
باخبر رہیو کہ ہے بیخبری شیشے میں

گرمیٔ مے سے پڑا آبلہ یوں دلمیں بقا
جسطرح ہووے حبابِ جگری شیشے میں

سیلاب سے آنکھونکے رہتی ہے خرابی میں
ٹکڑے مرے دلکی بستی ہے دُوابے میں

ق
پنہاں ہی بھلا ہے خونِ عاشق
جانے دو اب اسپہ خاک ڈالو
گر قتل کیا بقا کو خوباں
اِس بات کو مُنہ سے مت نکالو

تو نے اسطرح سے اے چرخ گرایا ہمکو
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اُٹھایا ہمکو

یاد میں تڑپے ہے دل اُس ابروئے خمدار کے
آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اُس بیمار کی

عشق میں بوسہ ہے کبریائی کی
عاشقی جس نے کی خدائی کی

تھے ہم استادہ ترے در پہ وہ لے بیٹھ گئے
تو نے چاہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے

گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے ترے
در پہ نالے کئے اتنے کہ گلے بیٹھ گئے

یہ رخ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے
ہے نہاں صبح وطن شامِ غریباں کے تلے

آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفل اشک آن چھپے دامن مژگاں کے تلے

کیا کروں سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھروں
داغ سے داغ ہیں کچھ میرے گریبان کے تلے

نہیں ملنے کی بقا ہمکو بجز کنجِ مزار
جا ہے آسودگی اس گنبدِ گرداں کے تلے

قطعہ

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے
دو آبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

میر و مرزا کی شعر خوانی نے
بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونو صاحب کے
اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی

کچھ نہ پایا سوائے اس کے سخن
ایک تو تو کہے ہے اک ہے ہے

رخ اس کا صفائی ترے تلووں کی نہ پائے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھائے

دل سے نکلے کہیں پابوسی قاتل کی ہوس
کاش وہ خوں کو مرے رنگِ حنائی جانے

بقا۔ مستند الشعرا خواجہ محمد مرتضیٰ خاں بہادر بقا دہلوی۔ مقیم لکھنؤ کتاب سراپا تاریخ کے صلہ میں پرنس آف ویلز نے خان بہادر اور مستند الشعرا کا خطاب ان کو عطا کیا تھا سنہ ۱۲۹ھ میں بطور سیر حیدرآباد اور کلکتہ بھی گئے تھے سنہ ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا انکے شاگردوں میں سید محمد جعفر صاحب آسان مشہور ہوئے۔ یہ انکا کلام ہے۔

باریابی کی توقع کسے درباں اُن کا
بختِ عاشق تو نہیں ہے کہ جو سو جائیگا

فروغِ کعبہ و بُت خانہ میں ہوں
چراغِ خانۂ شیخ و برہمن کا

دبستانِ ازل میں قیس تک نے
سبق مجھ سے لیا دیوانہ پن کا

بیخبر کو ہے بیخبر کی تلاش	یعنی اب دل کو ہے جگر کی تلاش
دور میں جام شراب خوشگوار آنے تو دو	قالب مینا میں جان بادہ خوار آنے تو دو
مہندی نے غضب دونو طرف آگ لگا دی	تلووں سے ادھر اور ادھر دل سے لگی ہے

بقا - میر بادشاہ علی صاحب بقا خلف الرشید میر وزیر علی صبا لکھنوی آپ مرزا دبیر مرحوم کے داماد اور خاندانی شاعر تھے۔ ۰ برس کی عمر پا کر چند سال ہوئے لکھنؤ میں انتقال کیا۔ فن سخن کا شوق تھا مگر اپنے والد کے رتبہ کو نہ پہنچے یہ کلام کا انتخاب ہے۔

خدا کو بھول جاتے ہیں بتو کی آشنائی میں	بہت ایسے بھی ہیں اللہ کے بندے خدائی میں
کہا میں نے دکھا کر لخت دل اُس شاہ خوباں کو	ملی یہ عشق کی سرکار سے ٹکڑے گدائی میں
بنتی ہے جب تو یہ کہتے ہیں ہوا فضل خدا	جب بگڑتی ہے تو سب کہتے ہیں قسمت تیری
یہ کہہ کے رنج کو دیتا ہوں اپنے دلمیں جگہہ	ہو ٹھکانا کہیں جسکا میرے گھر میں رہے

بقا - مولوی عبدالرحمن بقا ۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۱ھ کو آپکی ولادت ہوئی۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ کتب درسیہ کی تعلیم اعلے درجے تک مولوی محمد عبدالاحد شمشاد سے پائی۔ اور علوم عربیہ کی تکمیل اپنے ماموں مولوی عبداللہ سے کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں عربی کے مدرس رہے لیکن چونکہ مزاج میں ملازمت سے تنفر تھا اسلئے جلد مستعفی ہو کر مدتوں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے لیکن سلسلہ تعلیم و تعلیم ہمیشہ جاری رہا۔ منطق میں رسالہ تہذیب کی اردو شرح آپ نے لکھکر شایع کرادی ہے عنوان شباب سے شعر و سخن کا بھی شوق رہا۔ آپ صاحب دیوان ہیں۔ اور حضرت شمشاد کے نامی شاگردوں میں گنے جاتے ہیں۔ کلام مرسلہ سے چند شعر انتخاب ہو کر درج ذیل ہیں۔

کبھی تو وہ آجا ئینگے بھولے بھٹکے	اگا ہے سر راہ بستر کسی کا
وہ بدنام ہونگے ہمیں رنج ہو گا	گلا کیجئے ہائے کیونکر کسی کا
بتوں کی محبت بھی قہر خدا ہے	نہ دل آئے یارب کسی پر کسی کا

کسطرح دیں تمہیں ہم آئینۂ دل اپنا
توڑ ڈالوگے جو دیکھوگے مقابل اپنا

پردۂ رنج سے ہوتی ہے عیاں شکل خوشی
ناخن غم سے کھلا عقدۂ مشکل اپنا

خاک عاشق نے جو کی اس سے لپٹنے کی ہوس
ناز بولا کہ اٹھا لیجیے دامن اپنا

ہوں وہ بیخود کہ کہا جا کے بقا کعبہ میں
اے بت شوخ دکھا دے رخ روشن اپنا

دفتر معرفت ہے اے بلبل
ہر ورق مصحف گل تر کا

شوق دیدار کی یہ خواہش ہے
آنکھ پر پردہ سینے ترے در کا

میں بقا ہوں مجھے جو قتل کرو
زندہ ہو جائے نام خنجر کا

ہم نہ فتنہ ہیں نہ جادو ہیں نہ شوخی نہ حیا
اسکی آنکھوں میں جگہ پائیں تو پائیں کیونکر

شبنم سے ساری رات ہوئی شست وشوئے گل
پھر بھی نہ مل سکا ترے تلوے سے روئے گل

اے عندلیب عقل وادب سے بھی کام لے
گل کو بہت نہ چھیڑ کہ نازک ہے خوئے گل

وہ ارمانوں کے جھرمٹ دیکھکر دلمیں یہ کہتے ہیں
یہاں بھی لوٹنے والے مرے جوبن کے بیٹھے ہیں

یہ ہم نے سوچ رکھا ہے کہ لٹ جائیں راحت سے
متاع دل لیے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں

دکھا دے آ مری زہرہ ادا انکو بھی اک جھلکی
حرم میں حضرت زاہد فرشتہ بن کے بیٹھے ہیں

خبر لے جلدی اب او ستمگر وگرنہ کھلتا ہی بھید سب پر
کہ میری آنکھوں سے اشک بنکر تری تمنا ٹپک رہی ہے

شباب آیا گیا لڑکپن ابھار پر ہیں تمہارے جوبن
ہوئی ہے شوخی حیا کی دشمن خبر لو چولی مسک رہی ہے

لطف راحت بھی جو درد دل ناشاد میں ہے
کیا وفا کا کوئی پہلو ترے بیداد میں ہے

بقا ۔ شاہ محمد عبدالغفور فریدی مانک پوری مقیم میرٹھ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں چند انتخاباً درج تذکرہ کیے جاتے ہیں

بقا

قاتل یہ ستم اور ہے تجھپر تہ خنجر
عکس ابروے پرخم کا ہے خنجر تہ خنجر

کیا منہ سے کہے عاشق مضطر تہ خنجر
دم لینے کا یارا نہیں دم بھر تہ خنجر

صد شکر دم قتل ہوا مجھکو میسر
نظارۂ ابروے ستمگر تہ خنجر

تقصیر ہوئی عاشق ابرو سے بھلا کیا
کیوں اسکو کیا تو نے ستمگر تہ خنجر

بلاغت

بلاغت منشی علی احمد قریشی ساکن امروہہ حیدرآباد دکن میں مقیم اور جناب سلام سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں یہ اُنکا کلام ہے۔

جانے والے عدم کے کیوں یارب
نام لیتے نہیں ہیں آنے کا
کوئی ایفا بھی ہو تو میں جانوں
وعدہ کرتے ہو روز آنے کا

اچھی نہیں ہے خوئے تکبر یہ چھوڑ دے
اے دل وہ چال چل جو عدو کو بنائے دوست
دلکو اگر چرایا نہیں کیوں ہے پھر حجاب
کہدو نظر ہماری نظر سے ملائے دوست
ہر لحظہ یوں شکایت ظلم و ستم نہ کر
اے دل زبان روک کہیں آ نہ جائے دوست
اچھا ہُم نہالِ محبت سے مل گیا
وردِ زباں ہے شام و سحر ہائے ہائے دوست

وعدہ وصل تمہارا کبھی ایفا نہوا
یا یونہیں ہمکو یہ اُمید دلا رکھی ہے
جسکو دیکھو ہے پرستارِ بتانِ مہرو
پردۂ حُسن میں کیا شانِ خدا رکھی ہے

بلند

بلند۔ مرزا صفدر علی بیگ خلف مرزا افضل علی بیگ ساکن کھاری باؤلی (دہلی) الور کے سررشتہ تعلیم میں ملازم اور مرزا صابر دہلوی کے شاگرد تھے۔ نہایت دوست دوست نواز اور قابل شخص تھے علم حساب کے عدد نستعلیق اور شکستہ اچھا لکھتے تھے کچھ دنوں تھانہ دار بھی رہے طبیعت میں بیحد شوخی تھی یہ کلام ہے

یہی مدار ہے رنج و محنت کا
ذکر مت کیجئے محبت کا
مٹے ملکر بنا نشانہ بلند
درد کا رنج کا مصیبت کا

وہی بیگانہ وش رہا ہم سے
عمر بھر جسکو ہمنے پیار کیا
رنج و راحت ہے انتہا میں ایک
ہجر میں ہو گیا وصال اپنا
روز ہے اُسکو میرے قتل کی فکر
غیر سے دھیان ہے سوا اپنا
تیرے ہرجائی پن نے اے سنگ مہر
مجکو عالم سے شرمسار کیا
قیس و فرہاد وامق اور بلند
عشق میں جو رہا خراب رہا

جان سے ہے یہ کچھ کشاکش آزار میں کہ آج
رو دیا گیا سرہانے مسیحا تمام شب

توبہ تو مدت سے کی تھی ہم نے پر اے محتسب
ہو گئی مے کی ہوس کچھ ابر و باراں دیکھکر

ایک بوسے پہ یہ لڑائی ہے
دس نہیں سو نہیں ہزار نہیں

میرے پہلو میں دل ہے یا بجلی
کہ کسی دم اُسے قرار نہیں

جو ہم دل کہیں دیں نہ رکھو بلند
تمہارا تو اس میں ضرر کچھ نہیں

سینکڑوں بندۂ خدا مارے
کیا بُتوں نکے ہی گھر خدائی ہے

او کھڑا او کھڑا ہے مجھسے دل شاید
اسنے اپنی وہاں جمائی ہے

کہاں وہ اور کہاں ہو شمن مگر یہ
ہمارا ہی فقط دیوانہ پن ہے

بلیغ

بلیغ۔ منشی قدرت اللہ بلیغ متوطن قصبہ ایدن۔ پہلے غم تخلص کیا کرتے تھے پھر بلیغ تخلص اختیار کیا زمانہ کے ہاتھوں کبھی چین نہ پایا آخر حج کو چلے گئے وہاں سے واپس آکر دکن چلے گئے اور وہاں سلسلہ معاش پیدا کیا۔ تذکرہ شوق کی ترتیب کے وقت حیات تھے۔ جوان قابل اور خوش وضع تھے یہ انکے اشعار ہیں

جب ہاتھ میں قاتل کے وہ خنجر نظر آیا
دعوت کو لبوں پر مرا لخت جگر آیا

کانوں میں کسی کے جو پڑا نام کسیکا
سُنتے ہی کسی کے گیا آرام کسی کا

دل کی کلفت چھپی نہیں رہتی
یعنی اُلفت چھپی نہیں رہتی

خون ہو نکلے اشک ہو یہ جائے
دلکی رقت چھپی نہیں رہتی

بلیغ۔ منشی سید عسکری مرزا خاں بلیغ باشندۂ لکھنؤ۔ دور موجودہ کے شعرا میں ہیں آجکل کے رسالوں میں آپکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ ۳۰-۴۰ کی درمیان عمر اور شاید جناب صفی سے تلمذ ہے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے۔

دل سنبھالے ہوئے کرتا ہوا فریاد آیا
عرصۂ حشر میں یوں آپ کا ناشاد آیا

حق میں وارفتۂ گیسو کے بلا ہو جانا
اے درازیٔ شب ہجر سوا ہو جانا

اپنے قابو سے ہوئے جاتے ہیں باہر کیا خوب
دل لگی میں یہ بگڑنا یہ خفا ہو جانا

دل سے اس گیسوئے پرخم کی گرہ کھل جائے
اے مرے ناخن غم عقدہ کشا ہو جانا

نہ پوچھو ناتوانی اے مسیحاں ایسے وحشی کی
چاہتے ہیں ایک عالم طالب دیدار ہو
موہنی ہے ان حسینانِ جہاں کی آنکھ میں
دو طرح کی اُس نگاہِ شوخ میں تاثیر ہے
کلیجہ تھام لیں مشتاقِ دید حشر میں بھی
خط کا ہر فقرہ سوا ہے خنجر و شمشیر سے
خمِ قد کا ہے پیری میں اشارہ
پڑھا مجنوں نے پہلے درسِ الفت

نہ اُٹھا بار جس سے بخیہ چاکِ گریباں کا
گھر سے جب نکلیں زمانہ بھر پہ ہم احساں کریں
یہ نظر بھر کے جسے دیکھیں اُسے حیراں کریں
پھر گئی تو تیغ ہے سیدھی ہوئی تو تیر ہے
اُسی ادا سے یہاں بھی ذرا نگاہ ملے
ٹکڑے ٹکڑے دل ہے تری شوخیٔ تحریر سے
محبت بڑھتی جاتی ہے زمیں سے
ادائے لیلیٰ مکتب نشیں سے

بہا

بہا ۔ حکیم بہاء الدین خان بہار شاگرد حضرتِ داغ دہلوی اصلی وطن جاورہ ہے تحصیل علم کے بعد بھر حود ہپور میں رہے اب مہتمم شفاخانہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں ۔ فنِ سخن کیطرف اچھا میلان ہے اور کثرتِ مشق سے خاصی مہارت پیدا ہو گئی ہے ۔ اُنکے مطب کا بھی اجمیر میں اچھا شہرہ ہے ۔ ۴۰ ۔ ۴۲ برس کا سن ہے چند شعر انتخاباً درج کیے جاتے ہیں ۔

کبھی جگر سے کبھی دل سے رسم و راہ رہے
وہ آنکھ کیا ہے کہ جو طالبِ نظارہ نہو
مزہ تو یہ ہے کہ محشر میں ناصحِ ناداں
یہ بھی ارمان تھا تیرا گویا
آپ ہی کی ہے اس میں رسوائی
ہاتھ سینے پہ کیوں دھرا تم نے
تمہیں کیا تم بُرا کیوں مانتے ہو
بہا کہتے ہے وہ کیوں ہو مضطر

مزہ تو تب ہے پلٹتی تری نگاہ رہے
وہ دل ہی کیا ہے نہ جس میں کسی کی چاہ رہے
ترے ثواب سے بڑھکر مرا گناہ رہے
دم بھی نکلا تو وہ بھی مشکل سے
مجھکو اُٹھوائیے نہ محفل سے
تم بھی مجبور کیا ہوئے دل سے
شکایت ہے مجھے گر آسماں سے
نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

بہادر

بہادر ۔ راجہ بینی بہادر مغفور صوبہ بہار ۔ عالمگیر ثانی شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں بڑے نامی

اور صاحب اقتدار امیر گذرے ہیں۔ اُنکے بیٹے راجہ جسونت سنگھ پروانہ مشہور شاعر گذرے ہیں۔ تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ ہوا۔

سیاہی مُو کی گئی دل کی آرزو نہ گئی	ہمارے جامۂ کہنہ سے کی بو نہ گئی

بہادر

بہادر۔ راجہ بہادر سنگھ۔ کشمیری الاصل برہمن اور میر انشاء اللہ خاں کے ارادتمند تھے تذکرہ شوق کی ترتیب کے وقت انکا شباب کا عالم تھا۔ نہایت خلیق خوش مزاج اور رنگیں طبع رئیس تھے۔ یہ اونکے اشعار ہیں۔

اے مشفقِ من ہم ہیں فقط بوسے نکے نوکر	تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سوخت
سودور رکھو دل سے ابھی لینگے ہٹا کر	نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہر وہ خود بیں	اسطرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سُن لے تو اے بارِ خدایا	یکبار سُنوں میں کہ ہُوا شہر حلب سوخت

بہادر

بہادر۔ بابو رن بہادر سنگھ مقیم آگرہ آپ کے والد بابو فتح سنگھ مہاراجہ بلوان سنگھ رئیس بنارس کے عزیزوں میں سے تھے آپ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مرزا حاتم علی بیگ مہر سے مشورۂ سخن کرتے تھے یہ اُنکے شعر ہیں۔

مجھے رہتا ہے کھٹکا آپکی امروز فردا سے	کہیں صاحب قیامت پر نہ وعدے کی وفا ٹھیرے
ایک دم بھی جُدا نہیں ہوتا	کیا محبت ہے درد کو دل سے
اب وہ بے پردہ بام پر آئے	چاند کترا گیا مقابل سے
اپنے ہونگے کبھی یہ بُت اے دل	درگذر اس خیالِ باطل سے

بہادر

بہادر۔ منشی راج بہادر رئیس شہر مرزاپور آجکل کے شعرامیں ہیں اور یہ کلام کا انتخاب ہے۔

گُل چاک گریباں ہوکے نالاں ہوئی بلبل	یہ بادِ بہاری چلی گلشن میں کہاں سے
داغوں نے عجب سینہ میں ہیں رنگ جمائے	ایدل یہ کھلے گل تیرے گلشن میں کہاں سے
بتخانہ نظر آتا ہے زاہد کو دم دید	آئی ہے یہ خوبی بت پرفن میں کہاں سے

جلوہ نہیں اُس بُت نے دکھایا جو بہار ورنہ	جھگڑے یہ بڑے شیخ و برہمن میں کہاں سے

بہار

بہار۔ لالہ ٹیک چند کھتری دہلوی۔ خوشگو اور سراج الدین علی خانِ آرزو کے دوست صادق۔ صاحبِ استعداد و سخن فہم۔ وقت پسند۔ نظم و نثر فارسی کے اُستادِ کامل اور جملہ محاوراتِ فارسی و علم لغت پر قادر و ماہر تھے۔ چنانچہ خانِ آرزو نے جو کتاب سراج اللغات لکھی ہے اُس میں اکثر اس بحرِ فنون شعر و زبان سے مشورہ کیا ہے۔ نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج بزرگ تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ پایا تھا چنانچہ نادرشاہی یورش کے زمانہ میں موجود تھے اور کسبِ کمال و تحقیق کا ذوق اس درجے بڑھا ہوا تھا کہ قتل و دار و گیر کے وقت میں بھی قزلباش سپاہیوں سے فارسی لغات محاورات کی تحقیق کرتے پھرتے تھے۔ اللہ اللہ ایک وہ سچے قوم اور ملک کی خدمت کرنے والے تھے اور ایک اس زمانہ کے اہل علم ہیں کہ باوجود ہر قسم کے اسباب و اطمینان کے اپنی مادری زبان کی درستی اور تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بہر حال حضرتِ بہار کی تعریف فرطِ شہرت سے زیادہ محتاج بیان نہیں اپنے زمانہ کے عالم متبحر اُستادِ مسلّم الثبوت تھے۔ آپ نے فارسی میں وہ ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ادیب و زباں داں باادب نام لیتے تھے۔ بہارِ عجم جو ایک مبسوط اور مشہور لُغت کی کتاب ہے آپ ہی کی محنت و قابلیت کا نمونہ ہے۔ رسالۂ ابطال الضرورت بھی انکی تصنیف ہے فارسی کے علاوہ کبھی کبھی ریختہ گوئی کی طرف عنانِ توجہ پھر جاتی تھی۔ ایک قدیم قلمی نسخے میں جسکی تحریر کا زمانہ ۱۲۰۰ھ ہجری ہے چند اشعار ریختہ نظر سے گذرے۔ اُنکی زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اب متروک ہیں تاہم بطور اُس زمانے کی زبان کے نمونہ کے کچھ شعر تبرکاً و تیمناً درج کئے جاتے ہیں۔ کہ ایسے قادر الکلام مشاہیر روزگار کے ذکر و کلام سے تذکروں کی رونق و زینت متصور ہے۔ آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں دہلی میں انتقال کیا۔

سبھی کرتے ہیں دعوے خوں کی قسمت ہے تو دیکھینگے	صفِ محشر میں کسکے ہاتھ دامن ہوگا قاتل کا

محبت کے قلمرو میں اگر جاگا تو سن لیگا
کرے وہ سلطنت یہ عشق میں شیریں کے سر ہوئے
منظور سیر لالہ جو ہو اس بہار بیچ
کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھکو دیکھ
دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو سجن
ناز استغنا عتاب اغراض سب جانتا ہیں
عبث تشویش کیوں دیتے ہو گل کی طبع نازک ہے
نہیں اس شوخ سا رنگیں ادا گل
مہرباں ہو کر ملا ہے ماہرو شب مجھے حجاب
ستی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلی کا قیس
وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں زاہد
ناز بیجا و لطف بے موقعہ
کریں ہیں یہ ستمگر قتل بے تقصیر کیا کیجے
بنا کر عشق کی سنگیں کیا ہے ہمنے عالم میں
دیکھکر کیونکر نہو وے دل رقیبونکا کباب
کوئی کس ساتھ لیوے فصل گل میں دل کو پر جائے
ہمیں واعظ ڈراتا کیا ہے دوزخ کے عذابوں سے
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
اگر بارا پڑا دل ہاتھ سیں غمزے کے کیا غم ہے

کوئی[۱] آرے تلے چیرا[۲] کسو کو کوہ پر پٹکا
تکلف برطرف خسرو کو کیا فرہاد میں نسبت
پھولا ہے خوب دیکھ دل وا غدار بیچ
امید جیو نے کی نہیں اس بہار میں
کس سے سیکھے ہو تم لیکر مکر جانیکی طرح
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ ہو دلکو نشاط
یہ گستاخی نہیں ہے خوب مت کر شور اے بلبل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل ہو
کیا مبارک ہے ہمیں یہ ماہ اب کے سال میں
یہ عجب مظہر ہے جسکے مبتلا ہوں مرد و زن
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں
دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ
جو اُنکے ہاتھ یوں مرنا ہوا تقدیر کیا کیجے
جو ہوتا کوہ کن یاں آج کرتا آکے مزدوری
کس ادا سیتی صنم دیتا ہے ساغر واہ رے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مطرب ہے نہ ہمدم ہے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کچھ مغفرت کم ہے
ہمیں ایسا خرابا نی کیا تجکو منا جاتی
سیاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سرو ہوئے

[۱] مثل حضرت زکریا ۔ [۲] مثل حضرت موسیٰ۔

بہار

بہار۔ سوامی پرمانند سرستی۔ سیالکوٹی ۱۳۰۰ھ ہجری کے گلدستۂ شعرا لکھنؤ میں ان کی غزل چھپی ہوئی دیکھی اُسکے کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں زیادہ معلوم نہیں ہوا۔ کلام دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت میں جولانی اور رسائی تھی آپ بہار اور عاشق دونو تخلص کرتے تھے۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

میں ناچیز اسطرح کا ہوں برنگ کاہ اُڑتا ہوں
میں بہلاتا ہوں ہراک کیس سے اپنی طبیعت کو
چلے جائینگے کوچے سے خفا کیوں ہو تو ہو صاحب
لگاتا ہے تو کیوں جراح مرہم میرے زخموں پر

مرے اس درد کے درماں سے دلمیں عت عاری ہے
نہیں لگتا ہے لیکن دل یہ کیسی بیقراری ہے
ہمیں کیا عذر ہے اسمیں اگر مرضی تمہاری ہے
اسے یہ داغ کوئی دن برائے یادگاری ہے

بہار

بہار۔ حاجی مرزا علی مرثیہ گو مخاطب بہ گلشن الدولہ خلف حاجی علی بیگ لکھنوی رشک مرحوم کے شاگرد اور واجد علیشاہ کے مقربوں میں تھے۔ مٹیابرج کلکتہ میں رہتے تھے۔ فن سخن میں بھی حضرت سلطان عالم کے خوان نعمت سے بہرہ ور تھے۔ کربلا کی بھی زیارت کر آئے تھے۔ غالباً کلکتے ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی چند غزلیں ہم پہونچیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ادا کو نہ ترے ناز کو عجب جانا
دل ہے آب آب گناہوں پہ خدا خیر کرے
کعبہ و بتخانہ اہل معرفت کو ایک ہے
رفتہ رفتہ روح دُنیا کے مزے میں پڑ گئی
ناتوانوں سے دبے سرکش تو تیرے زور سے
اُٹھو گلے سے لپٹ جاؤ پھر نکمر لینا
روکوں حضور کو میں یا تھام لوں کلیجہ
حسینوں کی محبت اپنے آب و گل میں ہے رہ دو
تمہیں بھی درد دل کا ذائقہ معلوم ہو جائے

جو بُرائی نظر آئی اُسے اچھا جانا
یہ بھی بھیگے ہوئے دامن کو بھگو جائیگا
دو طریقے پر کھچا نقشہ عبادت گاہ کا
دیکھئے کب راہ پر آتا ہے بھولا راہ کا
توڑ کر نکلا پہاڑوں کو ذخیرہ کاہ کا
تمام رات پڑی ہے بناؤ کر لینا
پہلو سے آپ اُٹھے اک درد اٹھا جگر میں
ہزاروں نہیں لاکھوں مرادیں دلمیں رہنے دو
اگر دم بھر ہمارے دل کو اپنے دلمیں رہنے دو

تماشا دیکھنے آتے ہیں وہ میرے تڑپنے کا
نکالے تو نکالے عیب میرے دل کے داغوں میں
جنازہ کوئے جاناں سے نہ آگے لیچلو یارو
ایک میں ہوں سرِ بازار ذلیل و رسوا

فرشتوں اور تھوڑی دیر دم بسمل میں رہنے دو
جب ہی جانوں نہ وہ ہے بھی سرکاں میں رہنے دو
تھکا ماندہ مسافر ہوں اسی منزل میں رہنے دو
ایک وہ ہیں جنہیں گھر بیٹھے حیا آتی ہے

بہار۔ منشی سید علی قادری باشندۂ مدراس۔ اکثر حیدرآباد دکن میں قیام رہتا ہے کچھ عرصہ جناب شریف مدراسی سے اصلاح لیتے رہے پھر حضرتِ امیر مینائی کے خوشہ چینوں میں داخل ہوئے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

اسرارِ حسن و عشق ازل ہی جگہ جگہ
یادِ مژہ کی پھانس ہے دلمیں گڑی ہوئی
وہ کیا دردِ دل کا مداوا کریں گے

رازو نیازِ بلبل و گل ہر چمن میں ہے
یہ چوٹ بھی نیا مرے زخمِ کہن میں ہے
مسیحا ہمیں خاک اچھا کریں گے

بہار۔ جناب نواب سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب لکھنوی آپ کو حضرتِ فصاحت سے تلمذ حاصل ہے کلام سے خوش فکر ہونا ثابت ہے۔

کیوں کسی محفل میں ذکرِ جلوۂ جاناں کریں
ساری وقت تو ہی ہے مجھسے غافل ہیں حضور
کچھ نہ کچھ دل ہی بہل جاتا ہے آؤ یا نہ آؤ
قابلِ عبرت ہے اس گھر کی تباہی کے بہار

آپ بھی حیران ہوں اور وں کو بھی حیراں کریں
مشکلیں پھر مشکلیں کیوں ہوں جو آپ آساں کریں
روز تم وعدہ کرو اور روز ہم ساماں کریں
ہائے جسکے رہنے والے خود اُسے ویراں کریں

بہجت۔ منشی عبدالمجید۔ شیخ قلندر بخش جرأت کے زمانہ میں طالب العلم تھے اور مولوی بسمل سے علوم رسمیہ کے درس لیا کرتے تھے۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

خورشید ہے شرمندہ ترے منہ سے قمر بھی
تہا نہ دہن نقطۂ موہوم ہے تیرا

ہے مشک بھی گیسو سے خجل سنبل تر بھی
جوں خطِ خیالی ہے میاں تیری کمر بھی

بہجت۔ منشی خیر اللہ پنجابی مقیم بریلی۔ غلام علی عشرت کے شاگرد اور بڑے ظریف مزاج

زندہ دل نوجوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ شوق کے وقت نوجوان تھے۔ پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اُنکے حرکات دیکھکر لوگوں کو بیساختہ ہنسی آتی تھی۔

ہر دم جو تجکو کہتا ہے چل کوئے یار کو	ناصح یہ کیا ہوا ہے دلِ بیقرار کو
جڑاؤ کان میں ہر چند ہر مہوش کے بالا ہے	ترے بالیکا پڑا ہے مہروش عالم نرالا ہے

بہجت منشی ٹھٹھن لال ولد لالہ کشن چند قوم کایستھ متوطن قدیم بھوپال بھادوں بدی سمت ۱۸۷۶ میں بمقام سرونج ضلع مالوہ پیدا ہوئے مگر تعلیم اور تربیت ٹونک میں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد نواب عبد الکریم خان مرحوم خلف نواب میر خاں بہادر کی سرکار میں ملازم ہوکر اجمیر آئے اور ۳۰ برس تک بکمال دیانت و ولدہی و راستبازی اُنکا کام کرتے رہے ۱۸۸۶ء میں اپنے آقا کے انتقال کے بعد پنشن یاب ہوکر متولی درگاہ خواجہ معین الدین چشتی کے دفتر میں ملازم ہوگئے بڑے حلیم الطبع پابند مذہب دیانتدار اور کارگذار شخص تھے۔ شعرگوئی میں اصلاح کسی سے نہیں لی۔ ذاتی استعداد اور موزونی ہی مصلح ہوجاتی تھی مندرجہ ذیل کتب اُنکی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ انشار فارسی۔ دیوان فارسی۔ دیوان اُردو۔ قصاید اُردو فارسی۔ سنگیت مال منظوم جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ کاتک بدی سمت ۱۹۵۹ کو بعمر ۸۴ سال جودھپور میں انتقال کیا آپکے بیٹے لالہ دیبی پرشاد ریاستِ جودھپور میں مُنصف ہیں اشعارِ ذیل آپکی فکرِ رسا کا نتیجہ ہیں ملاحظہ ہوں۔

ستمگروں کی گلی میں گیا سو پھر نہ پھرا	عدم کو جو کہ روانہ ہوا سو پھر نہ پھرا
چلدیا ہوش و حواس اور طاقت و صبر و قرار	ساتھ دل کے کیا کہوں اک قافلہ جاتا رہا
طفیلِ اہلِ انگلش ہند میں پیدا ہوئی ہے صلح	خدا جانے تجھے کیوں قصد ہے مجھسے لڑائی کا
زیرِ فلک جو شب کو اک ابر سا اُٹھا تھا	دودِ سیاہ یا رو اپنی ہی آہ کا تھا
برق نظر سے تیرے کوچے میں حشر سا تھا	کوئی تو مر گیا تھا کوئی تڑپ رہا تھا

یار آتا نظر نہیں آتا	غم یہ جاتا نظر نہیں آتا
کوئی دشتِ جنوں کی سیر سے بعد	خاک اُڑاتا نظر نہیں آتا

حق کہا منصور نے تو بھی چڑھایا دار پر   اِسلئے رہتے ہیں ہر دم واقفِ اسرار چپ

حشر برپا ہوا خرام نگر   ڈر خدا سے تو قتل عام نہ کر

یہ ستارے نہیں روشن ہیں ہزاروں بہجت   دید کو اُسکے فلک نے ہیں بنائیں آنکھیں

بندے ہیں بُت کے پیرِ مغان کے مرید ہیں   مذہب ہمارا عشق ہے اور کچھ خبر نہیں

غضب میں ہوں میں اس سے دل دیکے اب کس کسکو تو ملی جاں   نگہ کو ناز کو ابرو کو لب کو رُخ کو مژگاں کو

ہوا ہوں اب تو میں عاشق بتوں کا چھوڑ کر بہجت   پیمبر کو خدا کو دین کو ایماں کو قرآں کو

تلاشِ دل میں جاتا ہے یہ اے چشم   نہ روک اِس قاصدِ اشکِ رواں کو

بیٹھے ہیں یاں در پہ بتونکے ہم اور دلِ دیوانے دو   کوئی خدا لگتی نہیں کہتا انکو اندر آنے دو

ہے مجازی عشق میں جان و دل و دیں کا خطر   بہجت ایسی راہ چل جسمیں خطر کوئی نہو

اِک گھٹا دل پہ چھا گئی غم کی   تیری بدلی ہوئی نظر کو دیکھ

بہرام

بہرام۔ نواب خسرو قدر بہادر بہرام شاگرد میرزا یوسف علی ماہر۔ خاندان نواب ناظم مرشدآباد سے ہیں۔ اور کبھی کبھی اسطرح فکر سخن کرتے ہیں۔

بے محل بیہودہ بکنے سے ہوا خالی دماغ   کسلئے ہوجائے واعظ کا نہ دیوانہ مزاج

قیس کو کچھ بھی نہ تھی اپنے سراپا کی خبر   عشق نے ایسا بنا رکھا تھا دیوانہ مزاج

بیان

بیان۔ خواجہ احسن اللہ۔ انکا اصل وطن کشمیر تھا۔ مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کے کہلائے۔ حُسن صورت و سیرت دونوں سے کافی بہرہ پایا تھا فنِ سخن میں مرزا مظہر جانجاناںؒ کے شاگرد اور مسلکِ طریقت میں مولانا فخرالدینؒ سے بیعت تھے سنہ ۱۸۰۱ء میں سرکار نواب نظام علیخاں نظام الملک والیِ حیدرآباد دکن کے ملازم تھے۔ اور بڑے اعزاز سے رہتے تھے اصولِ فن شاعری سے باخبر اور بڑے خوش کلام۔ تیز طبع۔ مشاق۔ سخن سنج و سخنور تھے کلام میں نمکینی و رنگینی غضب کی ہے۔ تمام کلام میں دور از قیاس استعارات اور پیچیدہ بندشوں سے کام نہیں لیا۔ جو کچھ کہا ہے صاف ستھری زبان میں کہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ سادگی میں

بھی وہ آن بان نکالی ہے کہ کیا کہئے حق تو یہ ہے کہ سیدھی سادھی زبان میں مضامین کا پایا نکا گرنے نہ پانا خالی از کمال نہیں ہو سکتا۔ بعض بعض جگہہ تو ان کے کلام میں میر اور درد کے کلام کا رنگ دکھائی دے جاتا ہے گو انکے کلام کی شہرت کماحقہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ اردو زبان کے پودے کو سینچنے والے ضرور اسکی داد دینگے۔ رباعیات میں خصوصیت کے ساتھ ایک انداز دل کشی پیدا کیا ہے۔ قصیدے بھی لکھے ہیں اور گو صرف دو ہی لکھے ہیں۔ لیکن دکھا دیا ہے کہ اس میدان میں بھی بیان کا توسن فکر رسا جیسی چاہیے جولانی دکھا سکتا ہے۔ آخرش بڑی عمر پا کر حیدر آباد دکن میں وفات پائی۔ انکے شاگرد رشید گلاب چند ہمدم نے تاریخ کہی ہے۔ اُستاد از جہاں رفت (۱۲۱۳ھ) - معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ اخلاقی مضامین بھی عجیب نفاست سے نظم کئے ہیں - ان کا قلمی دیوان راقم کے کتب خانے میں موجود ہے اور اسکا انتخاب یہاں پیشکش کیا جاتا ہے۔

قفس میں میری رہائی کیلئے کیا کیا نہیں کرتا
تڑپتا ہوں پھڑکتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

ہمدم نہ فکر کر یہ میرا کام ہو چکا
جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا

آتا ہے ننگ تجکو مرے نام سے عبث
اے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

کیا کیجیے بیاں اُسکے وجوب اور قدم کا
طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا

بندے سے ثنا حضرتِ اُستاد[۱] کی کیا ہو
مظہر ہے خداوند کی وہ شان کرم کا

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

گو کہ خسرو نے سو بنائے قصر
دلمیں شیریں کے ایک گھر نہ کیا

کیا غبار اُسکے دل میں تھا کہ بیاں
خاک پر بھی مری گذر نہ کیا

سب کچھ بیان سے تب ہم جانیں ہو سکیگا
جب ہاتھ کو وہ اپنے دنیا سے دھو سکیگا

جس دل کو فرش گل پر آرام تھا نہ اک دم
بستر پہ خار و خس کے وہ کیونکہ سو سکیگا

۱؎ مراد ہے حضرت مرزا جانجاناں مظہر سے۔

تقلید کر بیاں کی رویا بھی تو تو پھر کیا
پر لخت دل مژہ میں کیونکر پرو سکیگا

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سرخ و سفید ماٹی کی صورت ہوئی تو لیا

نکلا ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ
رنگیں ہوا شہید ونکے خوں میں نہا نہا

عالم کو لعل و گوہر و تاج دلوا دیا
اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

اُسکا ادا سے شکریاں کیونکہ کر سکوں
جس نے اُٹھا کے خاک سے انسان کر دیا

کب تلک اسکی شکایت ہو نہ سب سے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھسے اور سب سے آشنا

غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو یکبارگی
دیکھ تو اے شوخ میں تیرا ہوں کب کا آشنا

کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے
پھولا پھلا ہے مگر دل تجھے پیغام کسیکا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق میں مجکو
اُنہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

دیکھا تھا اپنے یار کو پہلو میں غیر کے
یہ طرفہ تر ترا ہے کہ خنجر بھی پاس تھا

تو کہا اسنگدل تو ہی نہیں ہے
ہمارا دل بھی پتھر سا کبھی تھا

گل کی حسرت سے مرے دل میں سدا خار رہا
عمر بھر میں تو قفس ہی میں گرفتار رہا

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا

مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب
اے یار مجھ سے یاری جواب نہیں تو پھر کب

برسے ہے ابر رحمت ساقی کدھر ہے مینا
ہنگام بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب

جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطف زندگانی
آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب

دل تھا گھر ہمارا گم اے بیاں ہوا ہے
ہو مجکو بیقراری جواب نہیں تو پھر کب

یار نے جیسے اُٹھایا اپنے چہرہ سے نقاب
طعن کرنے سے مرے آتا ہے ناصح کو حجاب

یہ حساب دوستان در دل مثل مشہور ہے
پر عجب ہیں دوست جو ولیس بھی کرتے ہیں حساب

خان وہاں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیاں
اب یہی در ہے یہی گھر۔ خانۂ الفت خراب

کل تو آویگا ہی آخر غرۂ ماہ صیام
آج تو پی لیجیے من مانتی ساقی شراب

اپنی مخموری سے نے اے واعظ نصیحت کیا مجھے
تو تو ساقی جام ترسا کر پلاتا تھا مجھے

کیا اُمنگیں ولمیں آتی ہیں بیاں میں کیا کہوں
پوچھتا کون ہے ڈرتا ہے تو اے یار عبث

تو بزم سے اُٹھا کہ ہوئی تلخ مے کشی
خم جسکے پاس ہے وہ فلاطوں سے کم نہیں

کہتا نہیں میں عرش پہ اے نالے جا پہنچ
مشت غبار کو مرے وہاں ہو و کیا پہنچ

کہاں یہ ہاتھ مرا اور کہاں وہ دامن پاک
وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھا

عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آسکتی نہیں
اے مسیحا مجکو تو زندہ نکر

جز خدا آشنا نہیں کوئی
ہم سرگذشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خار

از بس میں نہیں زباں پہ اپنی قادر
صاف مُنہ پر میں نہیں کہتا کہ ہو گا اُسکے پاس

جو نہوا اُس شمع رو کے عشق کا سینے میں داغ
آتا ہے جی کو دیکھ کے جوش بہار حیف

یا تنگ ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
میں بسکہ خاک میں ترے کوچے کی ملگیا

ہو و یگا ذوق حسرت دیدار میں خلل
واقعی ہے آج سمجھا بد ہے انجام شراب

یار کی آنکھوں نے مجبور کردیا یکبار مست
جب نظر پڑتا ہے تنہا مجکو وہ میخوار مست

قتل کرنے مرے ہے تجھے انکار عبث
میں سچ کہوں شراب کو سمجھا حرام آج

جمشید ہے وہ جسکو میسر ہے جام آج
کانوں تلک تو اُسکے تو اے نارسا پہنچ

جسکی گلی میں رکھتی نہ وا اے صبا پہونچ
تمہارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ

قلم کے بن کو لگے آگ اور جلے کاغذ
رحم آتا ہے بیان اب مجھکو اپنی مستی پر

اُن لبوں کے مُنہ سے شرمندہ نکر
کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دور

پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر
اکثر ہوئی ہیں دل کی باتیں ظاہر

ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہی میرا جسکے پاس
کون مجھ بیکس کی تربت پر کرے روشن چراغ

اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف
نکلے ہے اُسکے مُنہ سے کبھی نے اختیار حیف

تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھسے غبار حیف
شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

ہوئی آہ اب اسقدر نارسا
کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک

نپٹ یہ بیاں کا برا حال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک

یہی دن ہے ملنا ہے تو اُس سے مل
کہ جینا نہیں آج کی شب تلک

ادب سے یار کے دل میں نفس خوں ہو گیا یارا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس ہی میں ہوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
ڈرا جاتا ہے کیوں اتنا کٹک اک تو پڑا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
بیاں کس منہ سے مانگے اس سے اپنا خونبہا بسمل

گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں
ولے یہ میرا کچھ اختیار نہیں

وہ نگاہیں جگر میں پیر گئیں
کونسا وار ہے کہ پار نہیں

وقت آنے کا اپنے تو مت پوچھ
مجکو کس آن انتظار نہیں

جھانک تاک باغ دل میں اپنے بیاں
اس چمن میں بھی کم بہار نہیں

چراغ صبح ہوں یا آفتاب وقت آخر ہوں
کوئی ساعت کا مہماں ہوں کوئی دم کا مسافر ہوں

ہوس اسباب آزادی کی سب برباد کر آئی ہے
گرفتار علایق ہائے ہوا میں تیری خاطر ہوں

گر میری خبر پوچھیں بیاں حضرت آصف
کہیو اوسی کوچے میں بدستور پڑا ہوں

کافر ہوں اس سے زیادہ گر کوئی آرزو ہو
اک نے خلل سی جا ہو وہاں میں رہوں اور تو ہو

ہمیشہ کہتے ہو مجھ سے کہ بیوفا تم ہو
خدا ہی جانے پرائے جانیں ہوں یا تم ہو

ہرچند کہ گل بستر گلزار بہت تحفہ
دل اشکے اگر اپنا تو خنار بہت تحفہ

جا کہو کوئے یار میں کوئی
مر گیا انتظار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا
سر رکھے اس کنار میں کوئی

کون کہتا ہے بیوفا تجکو
جھوٹ ہے افترا ہے تہمت ہے

رخصت ہے عقل و ہوش کو چاہے جہاں رہے
اے ساکنان کوئے بتاں ہتو یاں رہے

کیا دیکھتی ہو دلکو مرے تم اولٹ پلٹ
آیا ہے گر پسند تو اے مہرباں رہے

فرہاد و قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت
اب کونسی جگہ ہے کہ جسمیں بیاں نہ ہے

بیاں کون سے ہے اب تلک پوچھتے ہو
تغافل سے کے قرباں تجاہل کے صدقے

مت آئیو اسے وعدہ فراموش تو اب بھی
جسطرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاں
نومید بھی نہو کہ خدا کارساز ہے

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی
ظالم یہ تیری نگاہ کیا تھی

کیدھر ہے کہاں ہے خوشدلی تو
ہم سے بھی کبھی تو آشنا تھی

قطعہ

شیریں بھی تجھی سے تھی ستمگر
لیلی بھی اگرچہ بیوفا تھی

فرہاد پہ اس قدر نہ تھا ظلم
مجنوں پہ نہ یہ غضب جفا تھی

مارا ہے بیاں کو جس نے اے شوخ
کیا جانئے کونسی ادا تھی

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھ دراز ہے
آنکھیں جو کھل گئیں تو وہ صبح باز ہے

رسوا نکر خدا سے ڈر اے چشم تر مجھے
آتا ہے اس کی بزم میں بار دگر مجھے

خدا کرے کہ خفا ہو کے جی نکل جاوے
کہیں شتاب یہ قصہ چکے خلل جاوے

میں وہ نہیں کہ ترا جا بجا کروں شکوہ
ترے فراق میں گو جی مرا نکل جاوے

ساقی تری نگاہ کے صدقے میں ایکبار
دونوں جہاں کی فکر سے کر بیخبر مجھے

آیا ہوں اس گلی سے ابھی دم لیا نہیں
پھر لیچلا ہے یہ دل وحشی ادھر مجھے

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھسے ہمنشیں
شام سے لیکے صبح تک وہ ہیں نہیں نہیں رہی

بھر عمر سینے ضبط کیا ایک وقت نزع
بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

تھا حکم شرع عشق کہ ہرگز نہ رو بیاں
گو ضبط گریہ سے نہ ترے جی کو کل پڑے

شب فراق کی وحشت سے جان جاتی ہے
یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات جاتی ہے

الجھ دیکھو دامن سے اسکے بھی ہاتھو
یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہووے

بوسے کہ نام ہی پہ لگے کاٹنے زباں
کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھگئی

سو برس میں نہ نکلے دل کی خلش
اور نکلے تو آن میں نکلے

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے
لیکن اُسکا نباہ مشکل ہے

ترک مشکل نباہ مشکل ہے
سخت کافر یہ چاہ مشکل ہے

جو گل کی قفس میں خبر جائے گی
تو کیا اُن سے کے بلبل نہ مرجائے گی

قطعہ

بیاں کا یہ پیغام لے جائیو
صبا اُسکے کوچے میں گرجائے گی

جو ہم بن تمہاری گذرتی ہے خوش
ہماری بھی تم بن گذر جائے گی

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ
دل میں اُس شوخ کے تو راہ نہ کی

آفریں صبر کو بیاں تیرے
مرگیا ضبط سے پر آہ نہ کی

بُت خود کام چلا جاتا ہے
صبر و آرام چلا جاتا ہے

عمل نیک سدا رہتا ہے
جم نہیں جام چلا جاتا ہے

ہے کدھر قیس کدھر ہے فرہاد
عشق سے نام چلا جاتا ہے

عشق میں صبر کی دولت سے بیاں
بارے کچھ کام چلا جاتا ہے

مجھے غم سے اسواسطے پیار ہے
کہ میرے بُرے وقت کا یار ہے

مری ناو پہونچی ہے آ منجدھار
تری اک توجہ سے بس پار ہے

ہزاروں قصر جنت کی برابر میں سمجھتا ہوں
فرشتوں کی عبادت کا مصلی ہے مرا دامن

اگر گردوں دوں آسودہ زیر خاک رہنے دے
اگر آسودگی دنیا کی اسکو پاک رہنے دے

جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کر لے
آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کر لے

اپنے نہ دامن میں گہر چاہئے
اشک کے قطروں میں اثر چاہئے

پائے طلب کھینچ کے بیٹھوں کہاں
خانہ نشینی کو بھی گھر چاہئے

دام میں جو شخص کے اپنے پھنسے
اوسکی کبھو لینی خبر چاہئے

دل سبھے جیسا کہ خدا نے دیا
مجکو بھی ویسا ہی جگر چاہئے

بس ہے بیانِ حسرتِ دیدار اور	کیا تجھے اب خاک بسر چاہیے

بیان

بیان۔ سباح الملک ہمہ دانی سید محمد مرتضیٰ بیان یزدانی شاگرد رشید سید احمد حسن فرقانی میرٹھ کے نامور اور قابل شعرا میں سے تھے۔ استعداد علمی بہت معقول اور فن سخن میں دستگاہ کامل حاصل تھی مزاج بہت آزاد اور بےباکانہ پایا تھا نظم و نثر پر قادر تھے بیدہ فیاض سے شعر گوئی اور سخن فہمی کا نہایت شستہ اور صحیح مذاق آپ کو ملا تھا۔ فارسی کلام سے نہایت ذوق تھا اور اُسمیں نہایت قابلیت کے ساتھ داد سخنوری دی ہے۔ جملہ اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ ایک عجیب کمال ان کی قادر اور ہمہ گیر طبیعت میں یہ تھا کہ جس رنگ میں چاہتے فکر سخن کرتے اور پھر یہ نہیں کہ صرف قافیہ پیمائی ہو بلکہ فی الحقیقت اُس رنگ میں اپنی زور طبیعت سے وہ وہ اختراعیں کرتے کہ سننے والے حیران رہجاتے۔ مثلاً ان کے بعض شعر مرزا غالب کے رنگ میں ایسے لاجواب ہوتے تھے کہ اجنبی کو مرزا غالب کے کلام کا دھوکہ ہوجاتا تھا۔ الغرض یہ جوہر کامل گوشۂ خمول میں رہکر جس شہرت کا مستحق تھا اُسے حاصل نہ کرسکا ایک عرصے سے کچھ دماغی عوارض میں مبتلا تھے۔ وہ عارضہ بظاہر وہم سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ روشنی میں بلا وجہ بدرجہ غایت اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ سالہاسال اس وہم میں حجرے سے باہر نہ نکلے اور آخر عمر تک اسکا اثر باقی رہا۔ اسی طرح بغیر میانہ کے پاپیادہ گھر سے کبھی باہر نہ جاتے تھے۔ عرصۂ دراز تک طوطیِ ہند کے اڈیٹر رہے اسکے علاوہ جلوۂ طور وغیرہ اخباروں میں مدتوں اپنے نادر مضامین سے ارباب مذاق کیخدمت کرتے رہے۔ آپ کے مضامین نہایت وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ باوجود امراض انکے ہمت وخیال پر ہزار آفریں ہے۔ کہ کسی وقت قلم ہاتھ سے نہ چھوٹا طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی آخر میں لسان الملک نامی ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا جس میں اکثر انکا اور انکے شاگردوں کا کلام چھپتا تھا اور کچھ نثر بھی ہوتی تھی۔ مولانا حالی کے مسدس کے جواب میں آپ نے بھی ایک مسدس لکھا تھا جو چھپ چکا ہے۔ اردو میں صاحب دیوان تھے مگر ہنوز

شایع نہیں ہوا ہے تاہم اکثر غزلیں زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں - ساٹھ سال کے قریب عمر پاکر ۱۹۰۰ء میں بمقام میرٹھ انتقال کیا - اب کلام ملاحظہ ہو -

سارے جہاں کے دل میں ترا مقام نکلا
ہر ایک شے میں پنہاں تیرا مقام نکلا

تو ہے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا
توڑا جو بتکدہ کو بیت الحرام نکلا

اُنکا منجملۂ اربابِ وفا ہو جانا
میرے نزدیک ہے بندے کا خدا ہو جانا

سرِ شوریدہ پائے دشت پیما شام ہجراں تھا
کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا

گئے تھے روندنے دلکو لئے بیٹھے ہیں تلوونکو
فرورگ رگ میں نشتر تھی نہاں نس نس میں پیکاں تھا

نکھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے
کسیکا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

یہ ہے شام فرقت یہ ہے شام فرقت
نہ ہوگی نہ ہوگی سحر دیکھ لینا

وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اپنا تعلق
اِدھر دیکھنا پھر اُدھر دیکھ لینا

کروذبح میں صیدِ بے بال و پر ہوں
اوڑے گی نہ اصلا خبر دیکھ لینا

جو سو ٹھیکیاں لیکے آئی ہے لب تک
اُسی آہ کا تم اثر دیکھ لینا

تو ہی اے تیشۂ فرہاد بتا دے کوئی چال
ان بتوں کے دلِ سنگیں میں ہوں راہیں کیونکر

شمع کہتی ہے میرے سر سے دھواں اُٹھتا ہے
تو نے روکیں دلِ پر سوز میں آہیں کیونکر

ہماری نعش کا احساں رہیگا محشر پر
کہ منحصر ہے قیامت کسی کی ٹھوکر پر

کبھی رُکا ہے اگر دستِ نازنین اُسکا
تڑپ کے ہمنے گلا رکھدیا ہے خنجر پر

اُسے قرار نہیں اور مجھے قرار نہیں
مرے قدم کے تلے آگ شمع کے سر پر

مجھے بھی نقدِ آمرزش کی محشر میں ضرورت ہے
ٹھنڈا کی کیا ہے تری سرکارِ رحمت میں

جہاں پرشور ہے ابدل پڑا رہ کنجِ عزلت میں
کہیں مارا نجائے جنگِ ہفتاد و دو ملت میں

تعصب سینہ سوزِ شیخ ہے پانی چھڑک ساقی
پھنکا جاتا ہے زہدِ خشکِ مذہب کی حرارت میں

کلیسا میں بت کی ادا بن گئی تو
حرم میں پہونچکر خدا بن گئی تو

یہ پردے کی ہے بات نکلے نہ کوئی ۔ کہ پردے میں کیا جانے کیا نکلی تو
لگائی ہے لو تجھسے اُجڑے ہوؤں نے ۔ اندھیرے گھروں کا دِیا بن گئی تو
ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے ۔ ہر اک درد و دکھ کی دوا بن گئی تو
بیان کے سوا تو نے سب سے نباہی ۔ یہیں آنکے بے وفا بن گئی تو

سمائی ہے آنکھوں نہیں یکتائی اوسکی ۔ دو احول ہیں جن کو دوئی سوجھتی ہے
تہمتِ قتل مٹائے سے نہیں جانے کی ۔ خونِ ناحق مرا سُرخی ہے ہر افسانے کی
اب مجھے لکھوکے نہ رُو وکہ اگر روئیگی شمع ۔ جان پڑ جائیگی کیا راکھ میں پروانے کی
اثرِ سوزشِ تاثیرِ محبت مت پوچھ ۔ ہو گئی شمع ستی آگ میں پروانے کی
جلوے سے ڈالدیا چشمِ تماشہ پہ نقاب ۔ یہ نئی وضع ہے ظالم ترے شرمانے کی
جیت کیا جانے دمِ ذبح کدھر کی ہوتی ۔ نگہِ یاس سے گر تیغِ نظر کی ہوتی
اے فلک گردشِ ایام کا کیا رونا تھا ۔ وصل کی رات اگر چار پہر کی ہوتی

جگاتی ہے جھینیٹو نے تو غافلوں کو ۔ رگوں میں لہو بنکے تو دوڑتی ہے
اُٹھاتی ہے شوخی سے تو کاہلوں کو ۔ ترے ساتھ ساتھ آرزو دوڑتی ہے

اداوانِ فسوں کاری خمارِ چشمِ قاتل ہے ۔ زنخداں مکتبِ تعلیمِ سحرِ چاہِ بابل ہے
شہادت منزلِ مقصود ہے ملاح قاتل ہے ۔ یمِ مواجِ بیتابی دمِ شمشیر ساحل ہے
تگ و تاز سمندِ جسم تا ایوانِ قاتل ہے ۔ اُتر لے اسے سرِ شوریدہ اب نزدیک منزل ہے
فسادانگیز جسم و جاں ہوا ہے دشتِ الفت کی ۔ جنونِ قیسِ بیاباں گرد کو فرہاد کو سِل ہے
اگر بھوپچے تو پہونچے گیسوؤں کا سلسلہ ہم تک ۔ ازل سے بیش پا افتادہ مضمونِ سلاسل ہے
نگاہِ یاس نے کیا تاک کر چھریاں لگائی ہیں ۔ لہو میں لوٹتی ہے تیغِ خنجر نیم بسمل ہے
جلی ارض و سما پر آتشیں تیغِ دو دم کس کی ۔ کہ سینہ ماہ کا زخمی گلو ماہی کا گھائل ہے
غمِ الفت گلوگیرِ نفس سے ہے پھیر دو خنجر ۔ تمہیں آسان ہے مشکل ہمیں آسان مشکل ہے

ازل سے اکتساب اندوز اُستادِ ازل ہوں میں
سیہ روزی سے میری چرخ اسیر بند مشکل ہے
حجاب قالب خاکی ہے جبتک دید مشکل ہے
مزہ پھرتا ہے ہونٹوں پر تلاش خون بسمل سے
چلی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربار قاتل ہے
تڑپ جاتے ہیں اُنکے خال رخ کو دیکھنے والے
نگاہ یاس کی چھُریوں سے لے چھوڑا قصاص اپنا
مری صورت سے خود صورت سوال دید جاناں کی
ستارے صورت پروانہ کسکے گرد پھرتے ہیں
میرا دل اے بیاں مجنوں ہو اُس لیلی شمائل کا
قیامت آگئی قاتل ترا کشتہ نکلتا ہے
خدا ملتا نہیں ہرگز خودی ملتی نہیں جبتک
ازل سے جوہر آسا دل غریق آب خنجر ہے
بیاں کہدو قیامت سے اوٹھا لیجائے حشر اپنا
گھبرا کے جہاں نے یہ ستم کش ترے گھر جائے
رشک آئے ہے غمخوار مرا حال نہ کہنا

بیاں تائید سبحاں ہو تو کیا سبحان وائل ہے
کہ طشت خور میں کا فور سحر کی پاس قلقل ہے
مکان عاشق و معشوق میں دیوار حائل ہے
زباں بگڑی ہوئی ہے کیا چھُری تیغ قاتل ہے
کسیکا سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے
نکر دے نیم بسمل کیوں کہ تل بھی نیم قاتل ہے
جو قاتل تھا وہ بسمل ہے جو بسمل تھا وہ قاتل ہے
ہیں کچکول گدا آنکھیں تو مژگاں دست سائل ہے
الٰہی کون فانوس فلک میں شمع محفل ہے
غبار عالم ایجاد کسکے گرد محمل ہے
غریق آب خنجر بر لب ساحل نکلتا ہے
یہ پردہ عاشق و معشوق میں حائل نکلتا ہے
ہزاراں صورت ماہی مرا گھائل نکلتا ہے
ہزاروں حسرتیں سے کرہمارا دل نکلتا ہے
اور ور ہو ترا بند تو بتلا کہ کدھر جا سے
میں جانسکوں وہاں تلک اور میری خبر جائے

بیباک (بیباک) ۔حکیم میر نجف علی۔ وطن ملک عرب اور مولد کوئل (علیگڈھ) تھا کچھ عرصہ دہلی میں رہے اور حضرت مصحفی سے کے تلمذ سے فیضیاب ہوئے۔ طب میں اچھی دستگاہ تھی یہ ان کے اشعار ہیں۔

ہم کو لیل و نہار نے مارا
ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے

گردش روزگار نے مارا
روز کے انتظار نے مارا

واد خواہوں سے گھر گئے رستے
اُس کا جس کوچے سے گذرا ہوا

صیاد یہ ہوس ہے دلِ داغدار میں
گلپوش کر قفس کو مرے تو بہار میں

بیباک

بیباک۔ مولوی سید حسین احمد صاحب۔ آپکے والد شاہ تجمل حسین صاحب قادری شاہجہانپور میں صاحب سجادہ اور ایک معزز سرگروہ مانے جاتے ہیں۔ جناب بیباک کی زمانۂ طالبعلمی مختلف مقامات میں گذرا۔ اب ۳۵۔۴۰ کے درمیان عمر ہے۔ شاعری کا اچھا مذاق ہے۔ فکر کی رسائی۔ اور زبان کی صفائی مزید برآں ہے۔ آپ کو حضرتِ داغ دہلوی سے ارادت تھی۔ مشق کم ہے لیکن جب کہتے ہیں تو اچھا کہتے ہیں۔ معاش کیطرف سے بدرجۂ اوسط بے فکر ہیں۔ باوجود کوشش صرف چند ہی غزلیں ہم پہونچیں اونکا انتخاب درج ذیل ہے۔

دنیا کی نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج ہے دیں کا
مشرب ہے تو رندانِ خراباتِ نشیں کا

تو کوچۂ دلدار اگر دیکھ لے واعظ
واللہ کبھی نام نہ لے خلدِ بریں کا

کیا کیجئے بیباک وہ دل مانگ رہے ہیں
ہاں کرتے ہی بنتی ہے نہ موقع ہے نہیں کا

کہاتے کہاتے ہجر میں اُکتا گئے
اے فلک اب کہدے کتنا غم رہا

کچھ تذکرہ کسی کا احوال کچھ کہیں کا
دل چیپ ہے فسانہ میرے دلِ حزیں کا

واعظ کے ولیں بھی اب گھر کر لیا بتوں نے
کعبے میں بھی عمل ہے ان دشمنانِ دیں کا

ساقی کے عکسِ رخ کی ادنی ہے یہ کرامت
پیمانہ میں دکھاوے وہ چاند چودھویں کا

بس بس معاف رکھو ہم خوب جانتے ہیں
جو تم سے میل رکھے رہتا نہیں کہیں کا

آخر نہ رنگ لائی آشفتگی کسی کی
دیکھو تو حال اپنے گیسوئے عنبریں کا

کرتا ہوں کب سے سجدہ اُس بت کے آستانہ پر
مٹجائے اب تو یارب لکھا مری جبیں کا

ہملو تو پند واعظ اللہ تجھسے سمجھے
کرتا ہے جس مزے سے تو ذکر حورعیں کا

ناصح یہ سچ ہے لیکن کیا اپنا حال دیکھوں
آنکھوں میں تو ہے جلوہ اُس شکلِ دلنشیں کا

ہر شے تو کھنچ رہی ہے تیری طرف مری جاں
مانا گیا ہے پھر کیوں ساکن کرۂ زمیں کا

دعویٰ خوں کہاں انکا اپنی تو یہ دُعا ہے
لو مری جانِ حزیں جاتی رہی
ناتواں قیس نازنیں لیلیٰ
موت آئی نہ مجکو ہجر کی شب

رو یاں بھی ہو نہ میلا قاتل کی آستیں کا
ہوگیا جو کچھ تمہیں منظور تھا
کون پردہ اُٹھائے محمل کا
درد اُٹھا مگر دوا نہوا

جواب حشر میں ہو شانِ کبریائی کا
ایک کو ایک کے جلوے سے ہوئی ہے حیرت

خدا کے سامنے دعویٰ کرو خدائی کا
عکس آئینہ میں حیران وہ ششدر باہر

کہاں تک اب نہیں ہوگی نہیں پر
ہوا کیوں عشق میں دشمن ہمارا
کچھ لذتِ وصال اُسی کو ہوئی نصیب
آبِ بقا نہیں کہ دمِ جانفزا نہیں
کیوں نگاہِ لطف کا احسان لوں

کرم کیجے دلِ اندوہگیں پر
مگر ناصح بھی مرتا ہے انہیں پر
جو نا مراد کھیل گیا اپنی جان پر
مشتاق چاہیے ترے خنجر میں کیا نہیں
کیا مزا کم ہے مجھے بیداد میں

عیش عشرت میں گذرتی ہے عجب راحت میں ہوں
نعرۂ مستانہ لب پر وجد کی حالت میں ہوں
اُسکے جلوے نے کہاں سے اب کہاں پہونچا دیا
دل حشر میں بھی یار کے قدموں پہ پڑا ہے
وعدۂ فردا پہ وہ بیتاب مجکو دیکھکر
ہم کیوں نہ کہیں حالِ دلِ زار تجھی سے
کیا غم ہجر آرزوئے وصل کہاں کی
اب اسکو وہ تڑپائیں کہ آرام سے رکھیں
مجبور ہوئے حضرتِ ناصح تو یہ بولے
وقت آئے مری جان تو پھر ناز سے چلنا

محفلِ جاناں میں ہوں یا جیتے جی جنت میں ہوں
جب سے دیکھی ہے وہ چشمِ مست کیفیت میں ہوں
عالمِ حسرت سے نکلا عالمِ حیرت میں ہوں
آفت کی محبت ہے قیامت کی وفا ہے
ہنسکے فرماتے ہیں کیا ایسی قیامت دور ہے
جو دوست ہو ہوتی ہے شکایت تو اُسی سے
اپنی تو خوشی ہے مری جاں تیری خوشی سے
کچھ ہم کو غرض دل کی بُری سے نہ بھلی سے
اتنی بھی کسی کو نہ محبت ہو کسی سے
کیا حشر اُٹھانیکا ارادہ ہے ابھی سے

اُسے جاتے نہ دیکھوں اپنے گھر سے	الٰہی موت دے پہلے سحر سے
محبت کر رہی ہے دستگیری	سنبھل جاتا ہوں گر گر کر نظر سے

بیتاب

بیتاب - میاں محمد اسمٰعیل - فقیر وارستہ مزاج - آزاد منش اور مصطفیٰ خان یکرنگ شاعر دور اوّل کے تلامذہ میں تھے - سر راہ گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوئے - کچھ کلام ایک پرانی بیاض میں ملا چند شعر انتخاب ہو کر درج کئے گئے - ان کے اشعار دلپسند ہوتے تھے -

نہ ہوتا اگر کسی سے آشنا دل	تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں	پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں
وہ خفا مجھ سے میں خفا دل سے	بھلا کس بات کی خلاوت ہو
تمثو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو	اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

بیتاب

بیتاب - شاہ حاتم کے کسی شاگرد کا تخلص ہے جنکا نام باوجود تلاش بہم نہ پہونچا - تذکرۂ گلشن بہار میں اُنکا یہ ایک شعر قابل درج ملا -

بیتاب بھی کیا جواں تھا اے وائے	ہو خانہ خراب اِس اجل کا

بیتاب

بیتاب - لالہ سیوک رام - بقاء اللہ خان بقا کے شاگرد اور خود بھی شعر کا اچھا مذاق رکھتے تھے - کلام ملاحظہ ہو -

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں	کہ خوباں یوں ہیں دُکھ دیں ہم اُنکو اسطرح چاہیں
اِدھر نالہ کیا اُدھر وہ مضطر ہو چلا آیا	عجب دن تھے کہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں

بیتاب

بیتاب - افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں عزیز نواب غازی الدین خاں وزیر عالمگیر ثانی مقیم کالپی صاحب دیوان گذرے ہیں - یہ اُنکے اشعار ہیں -

نہیں ہے آج جو وہ گلعذار پہلو میں	اُچھل رہا ہے دل بیقرار پہلو میں
نہ منہ سے اُف کبھی نکلی ہمارے اے قاتل	لگائے گن کے جو خنجر ہزار پہلو میں
اُٹھا سکا جو نہ صدمہ فراق کا آخر	تڑپ کے رہگیا دل ایکبار پہلو میں

ؔ یہ شعر شاہ حاتم کے نام سے مشہور ہے - یا تو سرقہ ہے یا توارد ہوا - واللہ اعلم -

بیتاب

بیتاب - مرزا خداوردی خاں دہلوی نواب سعادت یار خانِ رنگین (جو ایک مشہور شاعر اور میر انشا کے دوست تھے) کے حقیقی چھوٹے بھائی اور دہلی کے خوشباش لوگوں میں تھے فنِ سخن میں آپنے میر نظام الدین ممنون سے استفادہ کیا تھا۔ یہ دو شعر آپکے ہیں۔

آپکا قصد ہے پھر غیر کے گھر جانیکا
مجھسے کہتا ہے وہ ہر دم اپنا خنجر دیکھکر

فائدہ کیا ہے ابھی ہمسے قسم کھانے کا
قتل کیجے تجکو جی چاہے ہے اکثر دیکھکر

بیتاب

بیتاب - لالہ کشن نراین بیتاب قوم کے کھتری اور بنارس کے رہنیوالے تھے۔ اکثر آگرہ میں بھی قیام رہا کرتا تھا۔ ایک عرصہ دراز تک سابق مہاراجہ نیپال مقیم بنارس کی سرکار میں مختار رہے خوش فکر اور موزوں طبع شاعر تھے۔ صفائی روزمرہ کے علاوہ اخلاقی مضامین میں اچھے اچھے نکالے ہیں۔ اور خوش کلامی کی داد دی ہے۔ بیس برس کے قریب ہوا انتقال کیا۔ دیوان کا انتخاب درج ذیل ہے۔

قضا سے دامِ تن میں ہے مقید مرغِ دل ورنہ
یہ وہ ہی گلشنِ جنت میں جس کا آشیانہ تھا

کھو دیا دکھ درد چشمِ یار نے مجھ زار کا
کام نکلا دیکھنا بیمار سے بیمار کا

رشتۂ وحدت کی دیکھو تو دورنگی کو ذرا
شیخ قائل سبحہ کا ہے برہمن زنار کا

پیشِ ابرو سر جھکا ہے گیسوئے پرتاب کا
کرتے ہیں کافر بھی سجدہ کعبہ کی محراب کا

آبرو کب پائیں وہ بیتاب جو بے علم ہیں
مرتبہ ہوتا نہیں کچھ گوہرِ بے آب کا

مجھ زار سے کہتا ہے وہ ہنس ہنسکے دمِ نزع
گل ہونا ہی اچھا ہے چراغِ سحری کا

شمع رو کیا کہیں جو عشق میں تیرے دیکھا
ہمنے وہ دیکھا جو پروانے نے جلکر دیکھا

گھر سے باہر کبھی آنیکا وہ دلدار نہیں۔ فکر کرلا کھ ولا
خانگی شوخ ہے کچھ یوسفِ بازار نہیں۔ خام سودا ہے ترا

مارگیسو میں چھپا ہی جو دلارد کے صنم۔ اس میں گھبرانا ہی ہم
صبح ہو جائیگی رہنے کی شبِ تار نہیں۔ صبر کر صبر ذرا

میں تو سمجھا تھا صبا ساتھ کو تیرے بہتر۔ پر ہوا آمیں ضرر
خاک بھی پہنچی مری تا بدرِ یار نہیں۔ یہ مفت برباد ہوا

کہنے کو تو کہتا ہوں کوئی غیر نہیں ہے
پر دل سے مرے اپنا پرایا نہیں جاتا

دوست بنجاتے ہیں دشمن جب مگر ہوتا ہے نصیب
آپ اُسکے دام میں بیتاب پھنس جاتے ہیں ہم

تیشۂ فرہاد نے پھوڑا ہے پھوڑا ہے سر فرہاد کا
دل دُکھانا کب ہمیں منظور ہے صیاد کا

ہے ستم میں پھنسا ستمگر آپ
ہے خوشی کسکے ملنے کی جو آج

چرخ کھاتا ہے روز چکر آپ
جامہ سے ہو رہے ہیں باہر آپ

ہوا ئے شوقِ گلستاں میں ہو نہیں سرگرداں
کھول دو دستِ کرم اے منعم بیٹھے ہو کیا
عاشقِ معنی کبھی ہوتی نہیں صورت پرست

پھریگا ساتھ مرے تو کہاں کہاں صیاد
ایک دن اُٹھنا پڑیگا سب یہ ساماں چھوڑکر
شیخ جاتا ہے حرم کو کعبۂ دل چھوڑکر

میں عاشق ہوں نہیں کرنیکا شکوہ

جفا کر اے پریرو یا وفا کر

دِلا ایمان مت لانا کہیں شیخ و برہمن پر
یوں جان و دل ہیں سینے میں بیکان کے آس پاس

گماں رہبر کا مت کر بیٹھنا بھولے سے رہزن پر
جسطرح میزبان ہوں مہماں کے آس پاس

محوِ جمالِ یار کو مطلق خبر نہیں

آتا ہے کون بزم میں جاتا ہے کون شخص

پوچھتا ہے کون کسکو کام ہو جانیکے بعد
رُخ روشن طبع سہتے ہیں بنے شادیِ غیر

صبح ہوتی ہے بجھا دیتے ہیں خاص و عام شمع
جل کے خود دیتی ہے دیکھو اوروں کو آرام شمع

ہے ترے ہات اب مرا انصاف
بوسہ غیروں کو گالیاں ہمکو
تیرے کوچے کے لاکھوں راستے ہیں
تماشائے پری گر دیکھنا ہے
پوچھتے کیا ہو مجھسے کیا ہے عشق
نہ مرتی ہے نہ چھٹتی ہے قفس سے
ساتھ دیگی نہ جب تلک تقدیر

کچھ تو کر بندۂ خدا انصاف
یہ بھی ہے کوئی مہ لقا انصاف
بھلا کیونکر نہ دھوکا کھائے عاشق
کہو دیوانہ بن کر آئے عاشق
ظلم ہے قہر ہے بلا ہے عشق
پڑی ہے کس بلا میں ہائے بلبل
با تدبیر نہ آئیں گے

ذرا اے میکشو دیکھو مچلنا دخترِ رز کا

سبو سے آئی شیشے میں گئی شیشے سے ساغر میں

عبث ہے منعو تمکو بھروسا جاہ و ثروت کا
لئے زلفوں کے بوسے ہمنے آج اکؑ اگر وعدہ

پا شکستہ ہیں ہمتواے وحشت
ایدل تجھے کیا بتاؤں کیا ہو ں

صحبتِ پیراں جواناں فیض سے خالی نہیں
جسم میں اسے روح تو آئی ہے کسکے حکم سے

آج کا کام چھوڑ مت کل پر

تھا عرش پہ سر جنکا وہ خاک پہ بیٹھے ہیں
جب روح لگی چلنے کچھ بس نہ چلا آخر
مردہ کیا چالو سنے زندہ کیا باتوں سے

عاشق و معشوق میں کرنا تمیز

اسے پریرو تیرا دیوانہ ہے سب بھولا ہوا
ہماری خاک اوڑتے ہی ہوا کیطرح جالپٹی
گر یہی ہے زمزمہ سنجی تو اک دن دیکھنا
اپنے اپنے رنگ میں ہیں مست گلہائے چمن

چل بسی روح جسمِ خاکی سے
اڑگئی روح رہگیا قالب
کون ہوتا ہے وقتِ بد میں شریک
مغتنم جان صحبتِ احباب
عشق میں زر کی نہیں حاجت ہے کچھ
جس سے دم بھر جدا نہوتا تھا

زمانہ کا دگرگوں رنگ ہوجاتا ہے دم بھر میں
پھنسائے دیکھنا بیتاب دو سانپ ایک منتر میں

کوئے جاناں سے مت نکال ہمیں
تو ورو سے میں تری دو ا ہوں

یہ کماں کا زور ہے جو دیکھتے ہو تیر میں
شمع روشن کی نہ کر سنے خانۂ تصویر میں

زندگانی کا اعتبار نہیں

اقبال اسے کہتے ہیں ادبار اسے کہتے ہیں
مجبور اسے کہتے ہیں ناچار اسے کہتے ہیں
رفتار اسے کہتے ہیں گفتار اسے کہتے ہیں

ایک دل دونوں کو ہوجانے تو دو

لے قسم دیر و حرم کا راستہ گر یاد ہو
بچایا لاکھ اُس رشکِ پری سنے اپنے داماں کو
دام میں لاوینگے مرغانِ چمن صیاد کو
کون سنتا ہے بھلا بلبل کی یاں فریاد کو

ہوگیا دم میں کیا سے کیا دیکھو
کیا پیادہ چلے سوار کے ساتھ
ابر روتا ہے برق ہنستی ہے
یہ بھی اک اتفاقِ ہستی ہے
خاک ہوجا بس یہی اکسیر ہے
ہاے اُس سے چھڑا دیا کس نے

مجکو دکھلا کے حسن کا عالم
محوِ حیرت بنا دیا کس نے
زلف سرکا کے روئے روشن سے
رات کا دن بنا دیا کس نے

غیر اپنوں کو یا غیر کو اپنا نہ کریں گے
اے یار ترے عشق میں کیا کیا کرینگے
کر ذبح ہمیں شوق سے تیغ نگہ یار
اس مرنے پہ جینے کی تمنا نہ کرینگے

شکایت کی جو میں نے بیوفائی کی تو وہ بولے
کسی اب اور کو ڈھونڈو اگر ہم بے وفا ٹھیرے

تو عاشق مردہ کو جلاتا ہے کرم سے
ہے زندگی اے رشک مسیحا ترے دم سے
اک دم میں طلسماتِ جہاں کھل گیا او نیر
رندوں نے ترے چھین لیا جام کو جم سے
مجمع ہے نہ رندوں کا نہ ہو حق کی صدا ہے
تھی زینت میخانہ جہانگیر مرے دم سے
بڑھ ہے اتنی ہے جتنی خرچ کیجے
کوئی دولت نہیں بہتر ہنر سے

اے دل یہ شب وصل نہ کل ہو گی میسر
جو کچھ کہ اڑانے ہیں مزے آج اڑا لے
واعظ سے کہو ہونا جو ہووے گا وہ ہو گا
ناحق ہمیں اندیشۂ فردا میں نہ ڈالے

بیتاب

بیتاب رامپوری - صاحبزادہ عباس علیخان مرحوم خلف الرشید نواب عبدالعلیخان بن نواب غلام محمد خان و برادر زادہ حقیقی نواب محمد سعید خان مغفور والی رامپور - حضرت بیتاب کو فن سخن سے دلی عشق تھا - مومن خان مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے - ۱۲۸۷ھ میں کئی برس سے دہلی میں رہتے تھے - نہایت پاکیزہ سرشت اور خوش مقال کمالات ظاہری و باطنی سے پیراستہ تھے - آپکا دیوان ریختہ نواب کلب علیخان نے مرتب کرا کر شایع کرا دیا تھا عاشقانہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے - تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت (۱۲۹۸) میں ۶۲ برس کی عمر تھی پندرہ برس ہوئے انتقال کیا -

میں مُوا تو چارہ گر کو کیوں پشیماں ہو گیا
دردِ دل کا بے خبریوں بھی تو درماں ہو گیا

تم طمانچوں سے کرو بوسوں سے ہم رخسار لال
ہے مزے کا معرکہ تقصیر اور تعزیر کا

ہے بتوں کی سرنوشت اللہ پتھر کی لکیر
پھر خطا انکی خطا یا جرم ہے تقدیر کا

اُسی کافر کو سب کا حسن تو نے دیدیا یارب
مگر اب حشر تک پیدا نہ کوئی بھی حسین ہوگا

لڑا کر کبھی نہ اُن سے ملا ہمسے ہائے تو
ہمسے لڑا تو جا کے رقیبوں سے مل گیا

ضد تو دیکھو کہ نکی غیر کی جانب واری
بولنا یوں بھی اُنھیں ہم سے گوارا نہوا

ہل گئی وہاں کی زمیں ہوگئی آفت برپا
لے کے میں تجکو جدھر سے دل مضطر نکلا

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے جا پہنچے ہم اُسکے گھر تک
دل گم گشتہ مرے حق میں تو رہبر نکلا

آج شہرت ہے کہ عاشق ترا دنیا سے گیا
زُلف کے پیچ سے حیران ہوں کہ کیونکر نکلا

ہر بات میں برہم کوئی اتنا نہیں ہوتا
آپس میں ذرا سمجھو تو کیا کیا نہیں ہوتا

یوں کوئی ستاتا ہے مری جان کسیکو
خوبی یہ ہے جسے اپنا بھروسا نہیں ہوتا

کچھ بن گئی ہے ایسی ہی دم پر مرے ورنہ
مرنا تو کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا

اغیار کی کیوں بھیڑ دم ذبح لگی ہے
کچھ قتل میں عاشق کے تماشا نہیں ہوتا

کیا دوا نے تری کام زہر قاتل کا
مری تو جان چلی ہائے چارہ گر لینا

ملا کے خاک میں جاتے تو ہو مجھے لیکن
خدا کے واسطے پھر بھی مری خبر لینا

مارا ہے میرے دل نے مجھے ملکے ہائے ہائے
برسوں رہا وہ سینے سے اور اُسنے ملا رہا

خنجر پڑیں کلیجہ پہ قاتل تو ہے مزہ
اتنا سا دل میں تیر کا پیکاں ہوا تو کیا

بس اتنی تمنا ہے یہی حشر تک اللہ
تڑپے یونہیں برسوں دل ناکام ہمارا

کس بُت کے شہید نگہ ناز ہوئے تم
اب دیکھ لیا شیخ جی اسلام تمہارا

جرّاح اس علاج سے خوش ہوں کہ مفت میں
کس کس مزے سے پیتے ہیں زخم جگر شراب

بوسے کا لطف پا کے تو ہم آپ مر مٹے
تجویز آپ کرتے ہیں اُسکی سزا عبث

ساتھ لے چل مجکو بھی قاصد ملیگا کچھ جواب
وہ کہیگا کچھ نہ کچھ مجکو مقرر دیکھکر

کروں اللہ سے فریاد تمہارا ہوکر
تمہیں منصف ہو کہ پھر میں رہوں کسکا ہوکر

آئے بے نام و نشاں جاتے ہیں رسوا ہوکر
وائے تقدیر کہ ہم مٹ گئے پیدا ہوکر

شک مٹا عشق کا جب پائی جنوں نے شہرت
کہتے ہو جلد اُٹھا دُکوئی اس مردے کو
خیر گذری کہ ذرا چونک کے پھر لگ گئی آنکھ
بیتاب دردِ عشق کہاں اور ہم کہاں
قتل ہونا نہیں دشمن کا گوارا واللہ
ان بیوفائیوں کا دکھاتا ذرا مزہ
یا بند ناصحوں کی زباں کردے یا خدا
پھر خدا بنادے تو اتنا بھی ناصحا
کون کہتا ہے کہ یہاں آنیکا دستور نہیں
کہنا صبا جو جائے یار ونکے انجمن میں
سامان وہاں عیش کے دلبر کے لئے ہیں
مُنہ بھی نہ لگائے وہ مسیحا کی زباں کو
کیوں ہاتھ رُکا جاتا ہے دل کھول کر قتل
اُٹھ یہاں سے جو کہا تو نے نکلجائیگا دم
آخر فریب کھا کے کیا اُسنے مجھکو قتل
غیر بھی کہہ نہیں سکتا ہے کہ بیتاب ہو نہیں
ملگیا راہ میں بُت خانہ بھلے کو زاہد
قطعہ
معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ
بیتاب پی خدا نے تجھے بھی دئیے ہیں ہاتھ
رہیں نہ چین سے دشمن بھی یاں تلک بیتاب
زاہد کو بادہ نوشی سے نفرت کمال ہے

راز پوشیدہ ہمارا ہوا رسوا ہوکر
التجا اوروں کی کرتے ہو مسیحا ہوکر
رہگیا یوہیں سا کچھ حشر کا غوغا ہوکر
بیٹھے بٹھائے ٹوٹ پڑا ناگہاں فلک
ہائے محشر میں کہے وہ اُسے میرا قاتل
ہوتا نورہ بھی دل جو مرا اختیار میں
یا مجکو دے یہ صبر کہ بیٹھا سنا کروں
اُسکو کروں نہ یاد تو پھر کیا کیا کروں
بات تو یہ ہے کہ ملنا اُنہیں منظور نہیں
ہم بھی کبھی ملیں گے آنکلے گروطن میں
یہاں ہجر کے صدمے دلِ مضطر کیلئے ہیں
جس زخم نے بوسے ترے خنجر کیلئے ہیں
عشاق کے سر سب ترے خنجر کیلئے ہیں
مار ڈالیگا مسیحا یہ ترا غم مجھکو
مینے کہا تھا تمسے اُٹھائینگے مرکے ہاتھ
نام سے میرے ہوئی ہے اُسے نفرت ایسی
کعبہ کو جا ہی چکے تھے ترے بہکانے سے
ساقی اگر نہیں تو نہ ہو مے سے کام ہے
یہ خم ہے یہ سبو ہے یہ شیشہ یہ جام ہے
ستم اُٹھا کہ ستانے کی اُسکو خو ہوجائے
جنت میں بھی نجائے کہ واں مے حلال ہے

واعظ بہلا یہ ہوش کا تیرا کلام ہے
جنت میں مے حلال ہے اور یاں حرام ہے

کس صفائی سے تصور ہے صنم کا دل میں
کعبہ میں لائے ہیں کافر کو مسلماں کر کے

یہ ہما کوئی نہ ہو پر بیکسی تو یہ
ہماری نعش کے صدقے ہُوا کی

فرماتے ہیں بالیں پہ وہ بیمار کے آکر
کیا درد ہے کیوں اسکا مداوا نہیں کرتے

سینے سے جدا کروں میں جی کو یہ
چھاتی سے لگائے تو کسیکو یہ

اشعار مثنوی

یہاں غم سے ہو دل جگر میرا خوں
منہدی سے واں ہوں ہاتھ گلگوں

یہ طور نئے ہوئے ہیں ایجاد
تم بھولتے جاؤ میں کروں یاد

اے فلک اب عیش و عشرت کے وساماں کیا ہوئے
دلبری و شوخی و انداز خوباں کیا ہوئے

ہیں کہاں وہ لعل لب وہ روئے خنداں کیا ہوئے
کیا ہوئے وہ ناز اور انداز جاناں کیا ہوئے

شادمانی کی ہے جا ماتم دل ناشاد کا
قہقہوں کے بدلے غل ہے ماتم و فریاد کا

بیتاب

بیتاب ۔ منشی دوست محمد خاں بیتاب دہلوی۔ خلف منشی عبدالرسول خانصاحب شاگرد رشید امراؤ مرزا انور۔ آپ حیدرآباد دکن میں ملازم تھے۔ ۱۰ و ۱۲ برس ہوئے دہلی میں جوان انتقال کیا باوجود کم مشقی اچھا کہتے تھے

سر اُسکے آستاں سے اٹھایا نجائیگا
تقدیر کا لکھا ہے مٹایا نجائے گا

ہنس ہنسکے بات بات میں جو تی ہے چھیڑ چھاڑ
ان شوخیوں کو دل سے بھلایا نجائیگا

یوں جائیگا کہ جیسے قضا آکے لیگئی
تیر نگہ سے دل کو بچایا نجائیگا

مجھکو ہُر کار گاسا جو دیکھا تو کہتے ہیں
ہمسے کسی کا ناز اٹھایا نجائیگا

کیوں کی تری تلاش کہ پایا عدو کے پاس
کیسے خجل ہوئے ہیں ترے امتحاں نے ہم

کبھی کہتا ہوں قیامت اسکو
کبھی کہتا ہوں قیامت کیسی

بیتاب

بیتاب ۔ میر سید حسین لکھنوی شاگرد حضرت جاوید لکھنوی۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔

اوائل مشق ہی میں کلام کا یہ رنگ ہے - طبیعت کی شوخی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے - ملاحظہ ہو

وار کچھ اوچھا سا شاید پڑ گیا تلوار کا
مسکرانا کہہ رہا ہے زخم دامندار کا

مر گئے ہیں مرنے والے اتنی سی اُمید پر
حشر پر وعدہ کیا ہے یار نے دیدار کا

دیکھنا ہو جسکو اگر رات ہی کو دیکھ لے
غیر ہوگا صبح تک حال آپکے بیمار کا

وہ سرِ بالیں جو آئے ہیں عیادت کیلئے
موت بھی مُنہ تک رہی ہے دور سے بیمار کا

اسنے بھی چرچا سنا ہے سخت جانیکا مری
دیکھتا ہے مُنہ کبھی میرا کبھی تلوار کا

ہوشیاری سے بھی بڑھکر غش ہے موسے کو عزیز
دیکھتا ہے حال کوئی طالبِ دیدار کا

وہ زور کسی طرح کا چلنے نہیں دیتا
اُف کی بھی صدا منہ سے نکلنے نہیں دیتا

سو جاتا ہوں تو خواب میں آتا ہے ستمگر
دل کو کسی پہلو وہ سنبھلنے نہیں دیتا

منحصر جبکہ تھا مرنے ہی پہ اچھا ہونا
پھر تو بیکار ہی تھا انکا مسیحا ہونا

رو چکے دلکو تو پہلے ہی محبت میں تری
آگے تقدیر میں ہے دیکھئے کیا کیا ہونا

سوکھ کر رہگئیں کانٹوں کی زبانیں آہ دشت
برسوں آیا نہ کوئی آبلہ پا میرے بعد

تنگ آکے مر نہ جائے تو آخر وہ کیا کرے
سو درد جس غریب کی ہوں ایک جان پر

جورِ فلک نہ کم تھا کہ تم بھی جوان ہوئے
دو آسمان ٹوٹ پڑے میری جان پر

تمہاری ضد بھی پوری ہو مری بھی آرزو نکلے
عدو کے گھر چلے جانا مگر دم بھر یہاں ہو کر

نکالے لیتے ہیں سینے سے پیکاں
ہمارے درد کا درماں سمجھکر

تیری تصویر کا انداز اُسے بھایا ہے
کہ اسی طرح سے رہتا ہے مرا دل خاموش

رنگِ صحبت بھی بدلتے ہوئے دیکھا ہمنے
اُنکے چُپ ہوتے ہی سب ہوگئی محفل خاموش

چوٹ جو کھا چکا ہو اُسکو بھلا صبر کہاں
درد جسمیں ہو وہ ہوتا ہے کہیں دل خاموش

جان دیدیے کے دُعا کرتے ہیں مرنے والے
آپ آئینگے سوئے گورِ غریباں کبتک

جل چکا دل بھی مرا شمع لحد بجھ بھی چکی
روئے جاؤگے سرِ قبر مریضاں کبتک

مغرور حسن وہ تو ہمیں چاہنے پہ ناز	باز آئیں وہ جفا سے نہ اپنی وفا سے ہم

پڑے ہیں داغ بھی اُتنے ہی بلبل کے کلیجہ پر
چمن سے پھول جتنے بھر لیے ہیں تنگ دامانیں

اسیری میں بھی ہے پیش نظر معشوق کا جلوہ
بنائیں جابجا تصویریں دیوار وں پہ زنداں میں

خنجر بھی پھیرنا ابھی آتا نہیں انہیں
لیکن ہر اک سے داد کے خواہاں ابھی سے ہیں

منت کے طوق اُسنے گلے میں پہن لیے
دل کے اسیر ہونگے ساماں ابھی سے ہیں

نا رسائی کے بر آنیکی کوشش اب کرینگے ہم
ہمیں بھی دیکھنا ہے یہ کہانتک دل میں رہتے ہیں

جنوں تھا قیس کو جو در پئے دیدار لیلیٰ تھا
وہ خود پر وہ اُٹھا دیتے ہیں جو محمل میں رہتے ہیں

مشکلوں کو ہجر کی کسطرح ہم آساں کریں
بڑھتی جائے شب جو ذکر گیسوئے جاناں کریں

توڑے جاتے ہیں یہ کھکر او دل بیمار کا
درد جب حد سے گذر جائے تو کیا درماں کریں

خوگر ایذا جو ہیں راحت میں وہ بےچین ہیں
درد دل کم ہو تو بڑھ جانے کا پھر ساماں کریں

ہجر کے صدموں سے گو باقی نہیں ہے تن میں جان
رہ گیا ہے جو وہ صرف دعوت پیکاں کریں

پھر اسکے حلق پہ کیوں روکتے ہو خنجر کو
جفا میں رحم نہیں چاہیے ستمگر کو

دعائیں مانگتا ہوں درد دل کے بڑھنے کی
کبھی سکون جو ہوتا ہے قلب مضطر کو

مرے حال پریشاں کی کسی کو کیا خبر ہوگی
اسی جانب کو سب ہونگے جدھر اُنکی نظر ہوگی

پریشاں ہوگئیں زلفیں تو تم اتنا نہ گھبراؤ
کسی کی آہ بے تاثیر جو پائے اثر ہوگی

جواب خط نہ آیا موت آئی دل و جگر کا ابھی ختم ولولہ ہو جائے	یہانتک راہ دیکھی نامہ بر کی جو ایک تیر سے دونوں کا فیصلہ ہو جائے

بیتاب مولوی محمد بشارت اللہ۔ وطن آبائی آپکا مرادآباد ہے۔ ۱۲۶۲ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپکے والد اُس زمانے میں یہاں مفتی تھے۔ کتب درسیہ اپنے والد مرحوم سے پڑھیں۔ بعد نواب کلب علیخاں بہادر رامپور میں منصب داری ملی۔ ۱۸۹۰ء میں رامپور سے گوالیار گئے اور محکمۂ بندوبست میں سررشتہ دار ہوئے۔ آخر سال ڈیڑھ سال بعد یہاں سے بھوپال پہنچے اور

ناظر محکمہ وزارت بنائے گئے بعد چندے عہدۂ نیابت وکالتِ ریاست پر ممتاز ہوئے۔ منشی امیر احمد صاحب امیرؔ مینائی لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے

چھپکے ہوؤں کو ترا ڈھونڈھنا محال نہ تھا
جو چھپ کے اُن سے ہٹ گئے تھے تو کیا خیال نہ تھا

دہن کو اُنسے جو پوچھا تو رہ گئے خاموش
جواب جسکا ہو ممکن یہ وہ سوال نہ تھا

نذرِ ناوک یہ جگر نذرِ سناں دل ہو گیا
پھل نہالِ عشق کا دونونکو حاصل ہو گیا

کس قدر اپنے تصور پر مجھے آتا ہے رشک
مجھسے پہلے یہ تری محفل میں داخل ہو گیا

کچھ تاسف بھی نہیں اسکا نہ آئے بر اُمید
حیف تو یہ ہے دُعا کرکے میں سائل ہو گیا

بانکپن سے آگئی اسمیں روش تلوار کی
اسقدر کھنچکر ملا مجھسے کہ قاتل ہو گیا

فیضِ بخشش سے ترے وصل کی شب وارے ہیں
بانٹ دیتا ہوں رقیبونکو سبھی غم اپنا

یہ جور تو ہی ہے جو دل سینہ میں پایا نہ گیا
کہاں تیرے سوا کوئی نہ آیا نہ گیا

دل کو توڑا اگر آکر کبھی تسکین نہ دی
گھر بگاڑا تو گیا تم سے بنایا نہ گیا

تجھسے بہتر ہے ترا درد کہ میرے دل میں
تو جب آیا نہ تھا درد جب آیا نہ گیا

بہت خوش ہوں سے گر خاکِ دشمن کوئے جاناں میں
کبھی تو اُڑ کے پڑ جائیگی وہ چشمِ نگہباں میں

عبث ہے بے نصیبونکو تقرب فیض بخشوں کا
کہ بجلی خشک رہتی ہے ہمیشہ ابرِ باراں میں

اعانت کچھ نہیں درکار ہے روشن دماغوں کو
کبھی روغن نہیں پڑتا چراغِ مہرِ تاباں میں

ڈرتا ہی یہاں کون ہے جو چاہے سزا ہو
وہ سامنے بلوائیں کوئی ایسی خطا ہو

پڑا عجیب کشاکش میں آج سر میرا
وہ تیغ کیلئے سمجھا میں آستاں کیلئے

کیا ہو گی واں مرے دلِ پر آرزو کی قدر
انکو تلاش اِک دلِ بے مدعا کی ہے

کیا مفت کا دل ہے جو یونہیں کردیں حوالے
اُسکے لئے حاضر ہے جو ارمان نکالے

دل قابو سے باہر ہے جگر پہلو میں بیچین
اِک جان اکیلی مری کس کس کو سنبھالے

مہمان کی خاطر میں کمی ہونے نہ پائے
چلتے ہیں مٹاتے ہوئے نقشِ کفِ پا کو
عاصی و گنہگار خطاوار ہے بیتاب
سرسبز ہو پھولوں کی طرح خارِ بیاباں

ور دُ اُٹھے جو دل سے تو جگر اسکو بٹھا لے
ضد ہے کہ کوئی اسکو نہ آنکھوں سے لگا لے
ستار ہے تو دامنِ رحمت میں چھپا لے
کرتے ہیں دعا پھوٹ کے یہ پانو نکے چھالے

جہاں میں جسکا نہیں اعتبار دم بھر کا
خود تمہیں اسنے گرفتارِ بلا رکھا ہے
گرم بازاری بازارِ کرم سُن سُنکر

ہماری توبہ ہے وہ یا کسی کا پیماں ہے
تمنے کاکل کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے
ہمنے عصیاں کا اک انبار لگا رکھا ہے

بیتاب

بیتاب - مولوی سید علی جان عرف لاڈلے صاحب عظیم آباد پٹنہ کے باشندے اور مولانا شاد کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہیں - ابھی نومشقی کا عالم ہے - چند شعر انتخاباً درج ہیں -

نثار ہوتے ہیں سات آسمان کے سر پر
جو اُنکے دلمیں جگہ ہو تو صدر و پائیں کیا
جزائے خیر ملے میرے عشقِ کامل کو
دمِ نزع آخر نکل آئے آنسو بھی
دل لئے اور دکھا دکھا کے لئے
کتنے الزام آخر اپنے سر
خود اُترتی ہے عرش سے تاثیر

ملی ہے کوچہ جاناں میں کیا زمیں مجکو
صفِ نعال بھی ہے بہتر از نشیں مجکو
جہاں کی خاک تھی پہنچا دیا وہیں مجکو
کہاں جا کے چُوکے وفا کرنیوالے
کی جفا اور مزے وفا کے لئے
تمنے غیروں کو سر چڑھا کے لئے
دل سے نکلی ہوئی دعا کے لئے

بیتاب

بیتاب - پنڈت نراین پرشاد - دہلوی - آپ کے والد کا نام مہاراج ڈھلا رائے ہے - حکیم سردار محمد خانصاحب طالب تلمیذ مرزا غالب مرحوم سے علم بیان و عروض وغیرہ میں استفادہ حاصل کیا - اور کچھ کلام منشی نظیر حسین سخا کو بھی دکھایا ہے - اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۳۵ سال ہے ڈراما نویسی ہی کا مشغلہ رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ممبئی میں زیادہ قیام رہتا ہے - متعدد

ڈرامے آپ کی تصنیف سے ہیں۔ شیکسپیر نامی رسالہ آپ نے بمبئی سے نکالا تھا جس میں شیکسپیر کے ڈراماز کے اُردو ترجمے شائع ہوا کرتے تھے اب بند ہو گیا۔ ایشیائی شاعری کے علاوہ نیچرل مضامین میں بھی طبیعت کی روانی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ دونوں قسم کی شاعری کے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ابھی کلام میں پختگی کا رنگ پیدا نہیں ہوا ہے مگر کثرتِ مہارت سے اُمید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے۔

عالمِ خواب

گزر ہے خطرناک صحرا میں میرا
درندوں کا ہے گوشہ گوشہ میں ڈیرا
کروں ایسے جنگل میں کیونکر بسیرا
گزندوں نے ہے چپّہ چپّہ کو گھیرا

ادھر بھیڑیوں کے پرے کے پرے ہیں
نہیں دور بس کوئی گز بھر پرے ہیں

نہ کچھ پوچھیے حال اب میرے جی کا
یہ جانا کہ اب آسرا ہوں کسی کا
ہوا رنگ چہرے کا دہشت سے پھیکا
نشاں ہی نہ آیا نظر آدمی کا

ٹھکانا رہا جب نہ دل کی تڑپ کا
اَدھا دھند ہی ایک جانب کو لپکا

ہوئی اتفاقاً نظر میری اونچی
وہ ہاتھی ہے یا صبح ہے رات اندھیری
تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہے ایک ہاتھی
سر اتنا بڑا ہے کہ توبہ الٰہی

نظر آتے تھیں سر میں روزن جیسے
نہیں ایک میں تین سو ساٹھ ایسے

دہن جیسے ہیں اور پاؤں بارہ ہیں سارے
ہوئے ہوش غائب مرے ڈر کے مارے
کھڑا ہے وہ اس غار ہی کے کنارے
نظر مجکو آنے لگے دن میں تارے

میں سمجھا یہاں سے ذرا بھی جو کھسکے
تو پھر بڑی ہڈی نہ ہے اور پاؤں اسکے

پولٹیکل کریما

توبرحق ہے اے حق مشکلکشا
سوا تیرے اب کون ہے ہند کا

تجھے بھولنا ہے سراسر خطا
کریما بہ بخشائے بر حالِ ما ؎

کہ ہستم اسیرِ کمند ہوا ؎

نہ کچھ قافلہ ہے نہ بانگِ جرس
نہ ہے اب کوئی ہمدم و ہم نفس

نہ تیغ و سپر ہے نہ فیل و فرس
نداریم غیر از تو فریاد رس

توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

سیر کا اس باغِ عالم میں مزا کچھ بھی نہیں
فرق کچھ اپنے پرائے میں نہیں آتا نظر
رہ گئی ہے اب زمانے میں محبت نام کی

خوشنما ہیں گل مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
امتیازِ آشنا نا آشنا کچھ بھی نہیں ؎
دل ٹٹولیں تو بجز مکر و دغا کچھ بھی نہیں

رباعی بہ غم انتقال سوامی رام تیرتھ صاحب۔ ایم۔ اے

دنیا سے عجب مردِ خوش اسلوب گیا
اب ہند کے بیڑے کا خدا حافظ ہے

وہ ملک کا محب و محبوب گیا
افسوس کہ رام ناخدا ڈوب گیا

دیگر

کیوں سر پہ نہ تیغ اصفہانی پھر جائے
جب رام سا رہبر ہو غریق رحمت

کیوں در ہے سے نہ دورِ شادمانی پھر جائے
امید و نیہ کس طرح نہ پانی پھر جائے

بیجان

بیجان ۔ میاں عزیز خاں ساکن قصبہ بسولی۔ خوش سلیقہ و خوش اطوار شخص تھے۔ مولوی قدرت اللہ شوق رام پوری مؤلف تذکرہ کے خاص حبیب تھے۔ اور فن سخن میں اُنہیں سے مشورہ

لیا کرتے تھے۔ دیوان ریختہ مرتب کیا تھا۔ تذکرۂ شوق میں بہت سا کلام ان کا نظر سے گذرا چند اشعار اُس میں سے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ زبان سلیس اور صاف ہے۔ اچھے اچھے مضامین نکالے ہیں۔

کیا ہمسے کھُلے بھید ترے رازِ نہاں کا — نے وہم میں طاقت ہے نہ مقدور گماں کا
کوئی دن ہے اگر شورہی حسن کا تیری — برہم نظر آتا ہے سب اسباب جہاں کا
دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا — حرفِ دعا ہو کیونکہ مرے لب سے آشنا

قطعہ

اُس دشمنِ وفا سے جو بیجاں میں کل کہا — بیگانہ کیوں ہے مجھسے تو اور سب سے آشنا
کہنے لگا وہ میری طرف دیکھکر کہ ہاں — ہو دیں ہیں یکدگر سبھی یکڈھب سے آشنا
پر تم جو مجکو بھیجو ہو پیغام ہر گھڑی — اتنے ہوئے ہیں آپ مگر کب سے آشنا
وہ چشم نم ہے مری ابر کیا کہوں تجھسے — کہ جسکو دیکھ گیا ڈوب آب میں دریا

نہ دنداں کی صفائی سے جگر ہے آب گوہر کا — ترے لب دیکھکر جی جلگیا یاقوتِ احمر کا
حدیثِ عشق یا مہر و وفا کی بات سُن ہمسے — دماغ قصہ یاں کسکو ہے دارا و سکندر کا
بوقتِ وعظ اُس واعظ پسر کی دیکھکر کاکل — میں تب مضطر ہو بولا نام لے خلاقِ اکبر کا
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی — الٰہی تو ہی بس والی ہے اب دینِ پیمبر کا
مقدورِ بشر ہو نہ جہاں جنبشِ لب کا — ایمارِ سخن کس سے ہو بوسہ کی طلب کا
ہو جانہ کسی غرفے سے سرگرم نظارہ — بیٹھا ہوں میں مشتاق ترے کوچے میں کب کا
کل ہی تو دِ صبح سے قتل ترے اک جہاں ہوا — بن ٹھن کے پھر تو آج کدھر کو رواں ہوا
بیجاں جنابِ شوق کی صحبت سے فیض سے — ہر فن میں محترم و عزیزِ جہاں ہوا

ہے جو شیریں لبوں کے لب میں مزا — کب ہے وہ دانۂ عنب میں مزا
دن کا ملنا بھی خوب ہے لیکن — ہے ملاقات کا تو شب میں مزا
بات میں جو بچو کے گالی سے — اُس سے بوسہ کی ہے طلب میں مزا

جذبۂ عشق بد بلا ہے کہ جو
کوئی کہتا ہے دِوانا کوئی مجنوں مجکو

تجھسے کافر کو میرے گھر لایا
عشق میں تیرے ہمارا تو گیا نام بدل

یہ طرب کے دن بھلا ملتے ہیں پھر ساقی کہاں
ہنسی آتی ہے گل کو حال پر کِسکے خدا جانے
ہوگیا ہے نقش دلپر شام سے کِسکا خیال

آج تو ظالم مچادی خندۂ قلقل کی دُھوم
ایدھر ہے نالہ کش بلبل اُدھر ہے چشم تر شبنم
دیدۂ تصویر کی مانند ہے بیحجاب چشم

بھیک مانگیں ہیں کھول کر دامن

دیکھ گلشن میں تجکو اہل چمن

پرورش گو زیر دامانِ فنا ہو لیک یار

کون بجز زِ لیستن یاں مثلِ گل خنداں نہیں

ہیں کشتۂ ابروئے بتاں ہوں

انگشت نمائے اِک جہاں ہوں

جبکہ مستی میں مغاں اپنے میں آجاتا ہوں
مضطرب حال چراغ سحری ہوں میں نسیم
رحم کر مجھپہ ٹک اِک رحم کہ جیوں مورِ ضعیف
غیر کے ہاتھ میں دیکھا ترے داماں کو تئیں

جائے مے زہر بھی ہووے تو چڑھا جاتا ہوں
کوئی دم صبح خموش آپ ہوا جاتا ہوں
موج میں تیری میں اے اشک بہا جاتا ہوں
چاک کیونکر نہ کروں اپنے گریباں کو تئیں

لکھوں کیا میں وصفِ وہان و کمر
سایۂ نخلِ حنا میں مجھے کیجو مدفون
شرم آتی ہے کہیں سر کو نوا آتی ہجاں
سب کے قدم کو تونے سرِ عجز پر لیا
کثرت میں ہے عین ویدِ وحدت
غربت کے مزے کو کون جانے

مجھے غیب کی تو خبر کچھ نہیں
تا وہ جانے یہ مُوا حسرتِ پا بوسی میں
اشک ساں محو ہیں ہم اپنی قدمبوسی میں
اس تیری خاکساری کو صد آفریں میں
گر ولیس نہ اپنے ما و من ہو
تا میری طرح نہ بے وطن ہو

مری بیماریِ دل کا سبب ٹک سو وہی سمجھیگا
کیا ہی جھگڑا تھا ہم کل اسطرف آئے پہ یار
کیونکہ تاراجِ متاعِ دل ہوا ہے مرد ماں

کہ جس نے آنکھ تجھسے بیمروت سے لڑائی ہو
ہو نصیبِ دوستاں ہر وقت ایسی جنگ راہ
ترک چشم یار ہو بیٹھے ہیں اب سرہنگِ راہ

تنے دل میں غم کفر نہ ایمان کا خطرہ	ہے کس کے تئیں گبر و مسلمان کا خطرہ

تو بھی تو چلے ہے وہی رفتار ہمیشہ
جس چال پہ چلتی ہے یاں تلوار ہمیشہ

ارے گل تجھے ہنستے دیکھوں تو پھر ہنس
اسیطرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی

تغافل کے مارے سنا شب نہ تو نے
حکایت ترے روبرو تھی کسی کی

سکندر سلیماں یہ کیا ہے یہ دنیا
کبھو تھی کسی کی کبھو تھی کسی کی

یہ میں کہتا تھا ہر دم اُس سے شکوہ خوب نہیں ایدل
غبار آپس میں ان باتوں نے آخر درمیاں بیٹھے

قطعہ

منظور قتل عالم یار و نہیں جو اوسکو
پھرتا ہے چرخ کیسہ تیغ ہلال باندے

رنگینیٔ سخن سے بیجاں تلاش کر کے
تو نے ہر اک غزل میں تازہ خیال باندے

لیکن میں یہ ڈروں ہوں لیا نہو کہ نادل
اس فن سے کچھ تو لیں زعم کمال باندے

چھاتی ابھی حاسدوں کی پھٹ جاے
سینے سے مرے جو تو لپٹ جاے

خریداری سے خوباں کی اٹھایا ہاتھ عالم نے
تری فریاد ہمنے پر سر بازار ایسی کی

ہر اک بجز دہوتڑپے ہے کسی میں سدہ نہیں باقی
یہ مجلس اُس نگاہ مست نے سرشار ایسی کی

کہتے ہیں کل رقیب سے اور اُس سے چل گئی
کیا میری بات مُنہ سے کچھ اُسکے نکل گئی

اس اپنی بے کسی پہ کسی کا نہ جی جلا
شمع مزار تک مرے بالیں سے ٹل گئی

خارا شکن نگاہ فرنگی پسر کی آج
سنگین کی طرح مری چھاتی پہ چل گئی

بیخبر - مرزا محمد بیگ قوم مغل خلف مرزا حیدر بیگ - قدیم وطن اصفہان تھا مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی - آغاز جوانی میں عہد شاہ عالم ثانی میں عازم لکھنو ہوئے اور وہیں کے ہو رہے - ایک قلمی تذکرے میں کچھ انکا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے - زبان اگرچہ پرانی اور اُسمیں اکثر الفاظ متروک ہیں مگر لطف سے خالی نہیں -

شب خواب میں جسکو رخ جاناں نظر آیا
جیوں آئینہ وہ صبح پریشاں نظر آیا

اُسکے گل عارض کا جو باندھا میں تصور
پھیکا سا مجھے رنگ گلستاں نظر آیا

روئے عرق آلود کا اوصاف تھے جبیں
قاتل کے محلے کی نہ تو شہر میں کیوں ہو اک
کہ بیخبر ایسی ہی غزل تاکہ کہیں یار
آلودہ مسی سے لبِ جاناں نظر آیا
گلگشتِ چمن کو جو گیا میں کبھی تجھ بن
بس وہیں جواب آکے دیا طاقتِ پا نے
جب پڑھنے لگا کھول کے اوراقِ گلستاں

وہ صفحۂ کاغذ مجھے افشاں نظر آیا
نامرد بھی واں رستمِ دستاں نظر آیا
تجھسا نہ کوئی ہمکو غزل خواں نظر آیا
ظلمت میں ہمیں چشمۂ حیواں نظر آیا
ہر غنچہ مجھے صورتِ پیکاں نظر آیا
وادیٔ محبت کا جو میداں نظر آیا
ہر غنچہ مجھے طفلِ دبستاں نظر آیا

جہاں کو چھوڑ کے کیوں تارکِ لباس نہ ہو
وہ کیا کرے ترے ملنے کی جسکو آس نہ ہو

بیخبر

بیخبر - خان بہادر ذو القدر غلام غوث صاحب بیخبر مرحوم رئیس الہ آباد - روایت ہے کہ انکے مورث اعلے سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کی اولاد میں سے تھے - اور حکومتِ سلاطین مغلیہ میں بعض بزرگ عہدۂ قضائے کشمیر پر معمور رہے - اور بعض اراکین خاندان ملکی خدمتوں پر سرفراز رہے - انجام کار بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ ان کے والدِ ماجد خواجہ حضور اللہ اور انکے خسر یعنی انکے نانا خواجہ فرید الدین ترک وطن کرکے لاسہ (تبت) چلے گئے وہاں بھی انکی مدارات ہوئی اور اہلِ اسلام کے مقدمات کے تصفیہ انکی ذات سے متعلق رہا وہاں کچھ ٹھہر کر دونو صاحب ریاست نیپال میں وارد ہوئے اور وہیں اقامت اختیار کرلی - چنانچہ بیخبر وہیں سنہ ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے انکے چار برس کی عمر تھی کہ والد اور نانا کو گردشِ زمانہ نے پھر ترک سکونت پر مجبور کیا اور اسمرتبہ بنارس میں طرح اقامت ڈالی - یہیں سنِ شعور کو پہونچے اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہونچا سنہ ۱۸۴۲ء میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی لفٹنٹ گورنر شمال مغرب کے نائب مقرر ہوئے - انہیں ایام میں جب لارڈ ہالن برا نے گوالیار پر چڑھائی کی تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانے میں منسلک ہوکر شریک مہم ہوئے اور جنگ کے خاتمہ پر بصلہ کارگزاری خلعت پایا - پھر کئی سال بعد

اپنے خالو کے بجائے میر منشی مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۸۵ تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور حکام میں اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر ۵۷ء میں خیر خواہی کے صلہ میں سند و خلعت ہفت پارچہ جسمیں تین رقم جواہر بھی شامل تھیں مرحمت ہوا۔ ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقعہ پر جو دربار لارڈ لٹن نے کیا اوس میں آپ کو بھی تمغۂ قیصری ملا۔ ۱۸۸۵ء میں ۵۴ سال ملازمت کے بعد آپنے پنشن لی اور خطاب خان بہادر ذوالقدر سے سرفراز ہوئے۔ اسی دوران میں نواب کلب علیخاں نے کئی مرتبہ باصرار اپنا مدارالمہام کرنا چاہا مگر خان بہادر نے ہمیشہ شکریہ کے ساتھ اُسے نامنظور کیا۔ اور آخری حصہ زندگی کا یادِ خدا میں بسر کرنا مناسب سمجھا۔ شاعری اور انشاپردازی میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ فارسی شعر ایسا اچھا اور برجستہ کہتے تھے کہ اکثر اہل زبان بھی اون کے کلام کی ستائش کیا کرتے تھے۔ غالب مرحوم سے خان بہادر مغفور کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے چنانچہ اکثر خط کتابت رہتی تھی۔ تصنیفات میں سے خونابہ جگر (رقعات و نظم فارسی) اور فغاں بے صبر (رقعات اردو) ۱۸۹۱ء میں احباب میں تقسیم کے لئے شائع کئے تھے۔ خطوط کا طرز تحریر بھی نہایت شستہ و دلکش تھا۔ پیرانہ سالی میں ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا آپ کی صرف ایک غزل فقیروں کی بول چال میں نظر سے گذری انکی ذات والاصفات ایک زمانہ دراز سے الہ آباد میں مرجع اہل کمال تھی۔ تا دم واپسین زندہ دلی اور شوخ کلامی آپکی ہمدم رہی۔ تبرکاً چند شعر درج ہیں۔

فقیر و نسے کرتے ہو جو بولی ٹھولی تو	بہت پیاری باتیں ہیں یہ بھولی بھولی
بھکاری ہیں تو ہم تو دیدار کے ہیں	بھلا ہوگا بھر دو ہماری بھی جھولی
نہیں بند رہتا کوئی کام اپنا	گرہ دل کی ہے جب سے مرشد نے کھولی
پری آج شیشے سے داتا نکالو	یہ کالی بلا کیسی افیون گھولی
کہاں ہم فقیر اور دنیا کے جھگڑے	یہ کیچڑ تو دامن سے پہلے ہی دھولی

بیخود

بیخود - منشی نراین داس دہلوی - حضرت میر درد مرحوم کے با عقیدت تلامذہ میں تھے - افسوس کہ کلام ضائع ہوگیا - اونکی خوش فکری کا یہی ایک شعر کافی ثبوت ہے -

مے گلوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد	بنایا ہے یہ اعجازِ مغاں نے آب آتش کا

بیخود

بیخود - منشی محمد انتظام الدین خاں خلف و شاگرد مولوی محمد حیات خاں غدر سے پیشتر دہلی میں رہتے اور کسی سرکاری دفتر میں ملازم تھے - گاہ گاہ شعر بھی کہ لیتے تھے -

رہ گیا پیکاں جو پہلو میں ترا اچھا ہوا	دل لگی کو اور دل پیدا ہوا اچھا ہوا
تھی ہمیں مدت سے اے بیخود اسیری کی ہوس	ہوگیا دل مائلِ زلفِ دوتا اچھا ہوا

بیخود

بیخود لکھنوی - منشی ہادی علی بیخود باشندۂ لکھنو - خواجہ وزیر کے شاگرد رشید اور منشی ناصر علی سحر زمیندار بہری براؤں کے بیٹے تھے - آپ کچھ عرصے تک واجد علیشاہ کی سرکار میں ملازم بھی رہے - چنانچہ اکثر غزلوں میں بادشاہ کی تعریف کی ہے - آپ کا دیوان عرصہ ہوا چھپا تھا - مثنوی جلوۂ اختر آپ کی تصنیف سے ہے - شعر اچھا کہتے تھے بعد غدر انتقال کیا - دیوان میں سے جسقدر صاف اشعار ہمارے پسند کے نکلے اُنکا انتخاب درج ذیل ہے -

حسن تیرا حیرت افزا ہوگیا	جسنے دیکھا اسکو سکتا ہوگیا
کوچۂ زلف کے کہیں دل حیرت سے پھر	یارب بچایئو مجھے کھٹکا ہے راہ کا
منھ پھیر لیا کر کے ہدف تیرِ نگہ سے	دیکھا نہ گیا اُس سے تڑپنا مرے دل کا
عجب حسرت سے پانی مانگتے ہیں تیغ قاتل کا	ہمارے جسم میں جو زخم ہے کاسہ ہے سائل کا
مرکے بھی ہوتے نہیں جس کے گرفتار رہا	مژدہ اے شوق اسیری وہی صیاد آیا
کچھ نہ کی تمنے دوائے دردِ دل	ہم تو آئے تھے مسیحا جانکر
صلح میں آنکھ لڑاتا ہے گنہگار ہے دل	دارِ مژگاں پہ چڑھ جانے کا سزاوار ہے دل
نہ تمہیں رحم کی عادت نہ اُسے صبر کی خو	تم بھی مجبور ہو بندے کا بھی ناچار ہے دل
دور ہو کاہشِ جاں روز کا جھگڑا چک جائے	انکے پہلو میں رہے جنکا طرفدار ہے دل

در مدح واجد علیشاہ

پہلے تھی صاف صبح حلب اے قمر جبیں
افشاں چھڑک کے بن گئی اختر نگر جبیں

شبِ تنہائی ہے فرقت سے بہلتا نہیں جی
کہد و اشکوں سے تمہیں کرتی ہیں یاد آنکھیں

ہم اسیرانِ قفس لطفِ چمن کیا جانیں
سر پہ صیاد کو دیکھا جو ہوئیں وا آنکھیں

یادِ چشمِ مست میں رہتی ہے ازخود رفتگی
طرفہ بیخود ہوں کبھی میں آپ میں آتا نہیں

بوقت نغمہ آرائی حضور ایسا بتاتے ہیں کہ
پری و غمزہ و ناز و ادا کو بھول جاتے ہیں پَری

تو ہے ایسا کنہیا دیکھتے ہیں جب حسیں تجکو
درِ دولت سرا پہ آکے سب دھونی رماتے ہیں

جدا ہو نہ پہلو سے اے دردِ عشق
بہلتی ہے تجھ سے طبیعت مری

جام سے لب پہ یہی گفتار ہے
پی ہے گلگوں خدا غفار ہے

فصلِ گل میں ٹوٹتی ہے بار بار
دل شکستہ توبۂ میخوار ہے

دیدۂ باطن کو وا کر دیدہ گر منظور ہے
پردۂ غفلت حجابِ شاہدِ مستور ہے

فرقت میں تن سے روح مری کوچ کر گئی
آخر کو جو گذرنی تھی مجھ پر گذر گئی

تم جو گالی لبِ جاں بخش سے دو جی اُٹھوں
دمِ عیسیٰ کا اثر تلخیٔ دشنام میں ہے

بیخود

بیخود۔ مولوی عبدالحی خلف الرشید مولوی غلام رسول مرحوم بدایونی۔ آپ کی ولادت ۲۷ محرم ۱۲۷۴ ہجری مطابق ۱۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ کا نسبی سلسلہ حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے۔ اپنے والدِ ماجد کی توجہ خاص سے مختلف اُستادوں کے زیر تعلیم رہے اور عربی فارسی دونوں زبانوں میں کافی استعداد بہم پہونچائی۔ ابتدائے زمانہ شباب سے رندانہ مزاجی و حُسن پرستی کی طرف میلان طبع رہا۔ اساتذۂ ماسبق کے دیوان دیکھ دیکھ اور بھی طبیعت میں جوش آنے لگا۔ یہانتک کہ خود بھی فکرِ سخن میں منہمک ہوگئے۔ یہ پندرہ سولہ برس کے سِن کا ذکر ہے۔ رفتہ رفتہ کسی پختہ کار اُستادِ سخن کی تلاش ہوئی۔ اُسی زمانے میں شمس العلماء مولانا سید الطاف حسین حالی کا کلام سُنا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا حالی نیچرل شاعری کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے۔ جناب بیخود کو اُس وقت اُن کی طرز

پسند آئی اور شاگرد ہوگئے۔ کچھ دنوں تک مولانا حالی سے فیض سخن پاتے رہے۔ ۱۲۹۰ کے بعد سلسلہ معاش کی فکر ہوئی اور الہ آباد میں درجہ اوسط وکالت کی سند حاصل کی وکالت کے بہانہ کئی شہروں کی ہوا کھائی مگر طبیعت کی بے چینی اور شاعری کے شوق نے کہیں دل جما کر کام نکرنے دیا۔ ۱۲۹۲؁ ہجری کے بعد وکالت شروع کی۔ اُسی زمانے میں گلزار داغ شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ رنگ اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ رام پور جاکر حضرت داغ مرحوم کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے۔

سنبھل کی وکالت کے بعد ریاست سروہی میں بعہدہ جوڈیشیل آفیسر ممتاز رہے۔ وہاں بھی جی نہ لگا تو ۱۳۰۹؁ ہجری میں ریاست جودھپور کی طرف رخ کیا اور وہاں تھوڑے دنوں کی کوشش کے بعد ایک معقول عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اب عرصے سے اُسی ریاست میں فوجدار ہیں۔ طبیعت میں برجستگی۔ شوخی صفائی اور مضمون آفرینی بلا کی پائی ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پچیس تیس برس کی مشق اور فکر کی رسائی نے فن سخن میں ایک عمدہ اور اعزازی رتبہ ان کے کلام کو بخشا ہے۔ عاشقانہ مضامین نہایت خوب کہتے ہیں۔ دنیائے شاعری میں آپ کا نام بہت کچھ شہرت پا چکا ہے۔ اور اپنے مرحوم اُستاد کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کلام میں روانی اور صفائی بلا کی ہے۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ایسی نکلتی ہے جو بے ساختہ دل میں چٹکی لے لیتی ہے۔ عرصہ ہوا کچھ کلام عنایت کیا تھا اُسکا انتخاب یہ ہے۔

سُن لیا تو نے کہ جینا ہی اری مرجانا ساتھ ساتھ اہلِ تمنا کا وہ مضطر جانا جب کہا اوسنے کہ مرتے ہیں تو ہنسکر بولے سبھے تو جان ہے دو پھر نہ آؤ تم تو نہ آؤ	سببِ ترکِ ستم ہمنے ستمگر جانا اللہ اللہ رے ترا بزم سے اٹھکر جانا زندگانی کا تو انجام ہی ہے مرجانا پتہ اجل ہی کو دیدہ و غریب جانا نہ کا
ہاں سچ ہے میرے سینے میں کیا ہی دہرا ہوا	اِک داغ ہجر وہ بھی تمہارا دیا ہوا

دل بھی عزیز ہے مجھے غم بھی عزیز ہے
یہ نعمت خدا وہ تو لٹا دیا ہوا

ہو گیا سنگِ درِ یار بھی پامالِ عدو
دل گیا خاک میں ارمان جبیں سائی کا

انکی حسرت بھی نہیں میں بھی نہیں دل بھی نہیں
اب تو بیخود ہے یہ عالم مری تنہائی کا

یہ کوئی وقت ہے توبہ کا توبہ کر بیخود
خدا سے ڈر یہ جوانی ہیں پارسائی کا

وعدہ ہے قیامت کا اور اسپر یہ قیامت
کہتے ہیں خدا چاہے تو محشر ہی نہوگا

الٰہی ہمکو دلِ دردآشنا دینا
ہزار درد کا ہر درد میں مزا دینا

تم اپنے ہاتھ سے تعزیر روز ہے قسمت
جواب خطا نگریں تو ہمیں سزا دینا

پردہ والے ہیں تو لیں بھی نہ آئین
آنکھ سے پردہ کیا تو کیا کیا

سنکے میری موت غیروں سے کہا بیرحم نے
ضعف کے ہاتھوں عدم تک آن جایا جائیگا

رگِ گردن سے صدا آئی کہ اب دیر نکر
چلتے چلتے جو ذرا خنجرِ قاتل ٹھہرا

پردے سے پوچھتے ہو اترا دل کہاں آئے اب
پہلو میں میرے آؤ تو کہدوں یہاں ہے اب

منعموں شاد نہو دولتِ دنیا پاکر
ہمتو کمو بیٹھے ہیں کیا جانیئے کیا کیا پاکر

ہدفِ تیرِ جفا تم مرا سینہ نہ بناؤ
حسرتیں دل کی نکل جائیں نہ رستہ پاکر

چار دن میں یہی کانٹے کی طرح کھٹکے گی
شاد ہے کیا دلِ ناشاد تمنا پاکر

ابتو لوگوں کی ادائیں بھی ادا فہم ہوئیں
شرم رخصت ہوئی چتون کا اشارا پاکر

دیتے ہو بیخود سے شوق کے طعنے کسکو
آپ میں کون ہے اب آپ کو تنہا پاکر

اس درجہ ہے وارفتہ رفتار قیامت
جاتی ہی نہیں کوچۂ جاناں سے نکل کر

قبر میں بھی کیا نہ لینے دو گے چین
جاؤ کیوں بیٹھے ہو اب مدفن کے پاس

زندگی کو موت پر سو رشک آئے
کوئی جب آیا مرے مدفن کے پاس

اللہ رے سوزِ غم کے بدولت بہارِ داغ
دل ہے فدائے داغ جگر ہے نثارِ داغ

کیا ہوا گر ستانے پہ پابند ہے کمر وہی
جس کی تسلیوں نے کیا بیقرار دل

شیوۂ مہر و محبت تمہیں آتا ہی نہیں
کسی ناشاد کا دل شاد کروگے کیا تم

اُسکے ہاتھوں نملا چین مجھی کو دم بھر
مجھسے لے کر دلِ ناشاد کروگے کیا تم

وہ کہتے ہیں نہیں یہ نام کچھ خدا کا نام
ہمارے سامنے کیوں لے کوئی وفا کا نام

کہا جب اُس سے کسی نے کہ مرگیا بیخود
ملا جواب ہمیشہ رہے خدا کا نام

کوئی نظیر نہیں اپنا بے کمالی میں
مگر جہاں میں یکتا ہیں اس کمال میں ہم

مجمع یاس کچھ ایسا دلِ ناشاد میں ہے
آج پامال سب ارمان ہوئے جاتے ہیں

کہدیا اوسنے مرے دلمیں تمہارا گھر ہے
اب وہ آباد رکھیں یا اسے برباد کریں

حاصل اُس مہ لقا کی دید نہیں
عید ہے اور ہمکو عید نہیں

چھیڑ دیکھو کہ خط تو لکھا ہے
میرے خط کی مگر رسید نہیں

مجھسے قاصد نے کہا سُنکے یہ قاتل کا پتا
آپ خط یا مجھے پیغام قضا دیتے ہیں

دردِ دل داغِ جگر لُٹنے کو لُٹتے ہیں مگر
لُٹتے لُٹتے جگر و دل کو مٹا دیتے ہیں

خواہاں تھے حور کے نہ شرابِ طہور کے
ہم توبہ کرکے پھنس گئے ناحق عذاب میں

مدعی کے سامنے کہتے ہیں کیسے مدعا
مُدعا یہ ہے یہ کہدوں مدعا کچھ بھی نہیں

نصیحت کی بھی حد ہوتی ہے کوئی حضرتِ ناصح
بس اب سمجھا چکو تم ورنہ تمکو ہم سمجھتے ہیں

جہاں یہ لب تک آیا کھل گئے چودہ طبق زاہد
ہم اپنے ساغرِ مے کو بھی جامِ جم سمجھتے ہیں

تمہارے مرنے والوں کی سمجھ ہی کچھ نرالی ہے
قضا اُنکو شفا ہے زخم کو مرہم سمجھتے ہیں

کسی کا دل دُکھے یا جان جائے انکو کیا پروا
وہ دل کو دل سمجھتے ہیں نہ دم کو دم سمجھتے ہیں

وہ سرشارِ شرابِ حُسن ہم مستِ مئے الفت
ہماری وہ سمجھتے ہیں نہ اُنکی وہ سمجھتے ہیں

کیا کہوں ہمدم دلِ پُر آرزو کی آرزو
آرزو اور اُس بتِ بیگانہ خو کی آرزو

آرزومندوں سے تمکو آج نفرت ہے مگر
کل تمہیں کو ہوگی اِس آرزو کی آرزو

تم مخاطب ہو کہیں کیسی ہی لفظوں سہی
آپ کی ہمکو تمنا ہے نہ تُو کی آرزو

زاہد وہ گناہوں سے بھی بیزار ہے لیکن
نفرت ہے اُسے زُہد ریائی سے زیادہ
ہر فرد بشر خلق میں طالب ہے انہیں کا
کیا بات بتوں میں ہے خدائی سے زیادہ

اب تو مل جاؤ کہ سارے شہر میں
شہرتِ نا آشنائی ہو چکی

میکشوں کا خُم ہے توڑ دیا زاہد نے
یا خدا بُوند نہ آبِ چشمۂ زمزم میں رہے
راہ پر ناصح مشفق کو لگا لو رندو
یہ بھی کچھ لطف ہے ہمسا ہو اور ہم میں رہے

دعا کو نہیں راہ ملتی فلک کی
کچھ ایسا ہجوم بلا ہو رہا ہے

ہماری خاک بھی برباد ہو گئی لیکن
کسی کے دلمیں ابھی تک غبار باقی ہے
اجل نے آکے وہ قصہ ہی کر دیا فیصل
نہ منتظر شبِ انتظار باقی ہے
غیروں کے جلانے کو ملا مجھسے وہ بیخود
خالی نہیں بیدرد سے ظالم کی وفا بھی
ہجوم شوق میں کچھ سوجھتا ہو تو قسم لیجے
یہ ناحق شرم کیسی کیوں یہ پردہ ہمسے ہوتا ہے
یہ شوخی دیکھنا دل کے تقاضے پر وہ کہتے ہیں
ملایا خاک میں خود اور تقاضا ہمسے ہوتا ہے
ادا دیکھو کہ پردے میں نگاہیں سب سے لڑتی ہیں
حیا دیکھو بھری محفل میں پردا ہمسے ہوتا ہے
اُلجھ کے حضرتِ دل بھی اگر مچل جاتے
کسی کے گیسوئے خوش خم کے بل نکلجاتے
دیکھتے ہیں مجکو کس حسرت سے وہ
دید کے قابل ہے حیرانی مری
اب جگہ دلمیں کہاں آپ کے پیکاں کیلئے
ہو گیا وقف یہ گھر حسرت و ارماں کے لئے
وہی جنت ہے جہاں چین ملے دل بہلے
جس پہ دل آئے وہی حور ہے انساں کیلئے

بیخود

بیخود ۔ منشی سید وحید الدین دہلوی ۔ اِن کے اجداد امجاد ہمیشہ مناصبِ جلیلہ پر سرفراز رہے ۔ چنانچہ سید شاہ نظام الدین احمد صاحب جن کا چھتّا اور تالاب دہلی میں دو شاہ جی کی نسبت سے مشہور ہے ۔ مہاراجہ مادھوجی سیندھیا فرمان فرمائے گوالیار کی طرف سے خاص دہلی کے صوبہ دار تھے ۔ اُن کے خلفِ اکبر نواب محمد میر خاں اعظم الدولہ معین الملک اور خلفِ اصغر شرف الدولہ نصیر الملک نصرتِ جنگ کے خطابات سے

اقران و اماثل میں ممتاز اور صاحب جاہ و مناصب تھے۔ نواب محمد میر خاں بہادر کو سرکار انگلشیہ سے بھی دو ہزار روپے ماہانہ کی پنشن خیر خواہی کے صلہ میں ملتی تھی جو اُن کی وفات کے بعد اُن کے فرزند رشید نواب سید محی الدین خاں عرف بڈھن صاحب علاء الدولہ یمین الملک استقامت جنگ بھی غدر ۱۸۵۷ء تک پاتے رہے۔ غدر کے بعد اگرچہ عزت کے ساتھ الزام بغاوت سے وہ بری کر دیے گئے مگر پنشن اور جاگیر ضبط ہو گئی۔ صرف چاوڑی بازار کی حویلی اور ایک موضع محمد گنج انہیں ملا۔ حضرت بیخود کے حقیقی پردادا نواب امتیاز الدولہ افتخار الملک سید احمد میر خاں منظور جنگ بہادر دربار شاہی میں منصب وزارت پر مامور تھے۔ اُن کے چھوٹے بیٹے یعنی بیخود کے دادا صاحب اپنے بڑے بھائی کی رحلت کے غم میں دہلی کی بود و باش ترک کر کے گوالیار تشریف لے گئے ایک سال بعد وہاں سے آکر سری مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر والی تجارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ اور اُن کے مزاج میں اس قدر درخور پیدا کیا کہ مہاراجہ نے مرتے دم تک جدا نہ ہونے دیا۔ اُن کے سُرگ باش ہونے پر مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر فرمانروائے بھرت پور کی سرکار میں ان کا نصیب لڑا۔ مہاراجہ موصوف اور اُن کے جانشینوں نے بڑی قدردانی فرمائی اور اُن کو کہیں جانے کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ دو گانوں سالم جاگیر میں ملے ہوئے ہیں۔

جناب بیخود کی عمر کا ابتدائی زمانہ بھی آپ نے والد شمس الدین احمد کے ساتھ (قصبہ کالمبن کے انسپکٹر ہیں) ریاست بھرت پور ہی میں گذرا اور وہیں فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم پائی پھر دہلی آکر اپنے شوق سے اچھی علمی استعداد پیدا کی اور وجاہت خاندانی و میلان طبع سے اچھے بزرگوں کی صحبت اُٹھائی۔ ابتدائی عمر سے آپکو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ اس فن میں جہاں اُستاد نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ طبع سلیم و ذہین رسا کی مدد سے جلد اس میدان کے پورے شہسوار بن گئے۔ اور اپنے

نامی گرامی استاد کی نظر توجہ سے اس وقت اپنے ہم چشموں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرت داغ انکی زباندانی اور مہارت فن کا خود اپنے سرٹیفکٹ میں اعتراف فرماتے ہیں۔ فصاحت روزمرہ کے ساتھ خیال بندی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ داغ صاحب فرماتے ہیں کہ انکی شاعری اور زباندانی میرے قابل اطمینان ہے۔ اصناف کلام پر بفضلہ تعالیٰ قدرت رکھتے ہیں داغ کی زبان انکی زبان ہے یہ مجھے اُستاد کہکر ناز کرتے ہیں میں انکو اپنا بچہ سعید جانکر دعائے عمر دراز نظم کے علاوہ نثر کا بھی آپ کو شوق ہے۔ ناول موسوم بہ "نام وننگ" آپ ہی کی تصنیف ہے۔ اب چھ سات سال سے وطن میں اقامت گزیں اور مقامی پادریونکو اُردو فارسی پڑھاتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور ترتیب تذکرہ میں بھی گاہ گاہ اپنے مشورہ سے امداد دیتے رہتے ہیں۔ بڑے خلیق - ملنسار - زندہ دل - پابند وضع شخص ہیں۔

یہ آپ کا کلام ہے۔

نگاہ غیر کی جانب خطاب ہے مجھسے تماسی شاطرنہ دیکھی نہ دیکھیں ندیکھا تھا جو بزم دشمن میں دیکھا	تری قسم کا یقیں اب ضرور میں نے کیا تصور میں نقشے جماتی ہے کیا کیا محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا
ٹوٹنے سے اور پیدا دل میں جوہر ہو گیا کیا اسی کا نام الفت ہے کہ جب دیکھا اسے ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ آنکھ کہتی ہے کہ اب برباد کرتے ہیں تجھے جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی دیکھی	قیمتی شیشہ ہمارا بال پڑکر ہو گیا خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا ابتو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا مُنہ سے یہ ارشاد ہے دل میں ترا گھر ہو گیا ان دیکھنے والوں نے تجھکو ابھی کیا دیکھا
بات سُننے میں کیا قباحت ہے	ہر سخن مدعا نہیں ہوتا
بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات تکیہ خشت خم ہے فرش زمیں بستر خواب	بات ہی کیا ہے جو رہجاؤ یہیں رات کی رات چین سے کٹتی ہے رندان خرابات کی رات

تھی شبِ ہجر بلا جان بچی لاکھوں پائے
اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخود

مری محرومئِ قسمت سے تو واقف تو ہی یارب
حیا غماز ہے رازِ محبت کھول دیتی ہے

الٰہی فصلِ گل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو گی

لگی ہیں دل کی لو میں شمع کی بیحد تفاوت ہے
غضب ہے اس تمنا سے وہ خواہش دلکی کرتی ہیں

وہیں بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتی ہیں
یہ کوئی بھید ہے اسمیں بھی کوئی رازِ مخفی ہے

ہماری جان ہو کر جب جدا رہتے ہو تم ہم سے
بجھائیں شمع سے دلکی لگی پروانے جب جائیں

جھجک کیسی یہ خنجر پھیرنے سے ہچکچانا کیا
سنبھل جائینگے بیخود آگیا ہے غش نہ گھبراؤ

ہاتھ میں طاقت اگر اے مہ جبیں اتنی نہیں
جانتا ہوں سنے ثباتی سے تری ہر بات میں

اُسکے قدموں میں ہمارے دلکو لیکر ڈالدے
آپ سے کہتے ہیں کہ رہتا ہے ترا اکثر خیال

یار بدخو آسماں دشمن زمانہ برخلاف
اُسکو سمجھے اسکو دیکھے عقل و چشم اتنی کہاں

ساربان ناقہ کی شوخی اور دینی ہے پتا
خیر سے کٹ گئی صد شکر یہ آفات کی رات

آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات
وہیں پامال کر دے دلمیں جو ارمان پیدا کر

نگاہِ شرم میں شوخی ترے قربان پیدا کر
چمن میں پھول پیدا کر تو نا فرمان پیدا کر

نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر
تمیزِ عشق پروانے سے اے نادان پیدا کر

زمانہ جانتا ہے انکے دشمن مجھپہ مرتے ہیں
ستم کیسا تمہارے لطف سے بھی ہم تو ڈرتے ہیں

مرا دل دیکھکر وہ اپنے دلپر ہاتھ دھرتے ہیں
تو پھر کیا جھوٹ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں مرتے ہیں

یہ اپنی آگ میں جلتے ہیں تو کیا گل کترتے ہیں
نہ تڑپیں گے قسم لے لیجئے کیوں آپ ڈرتے ہیں

بھلی تشویش کی تم نے کہیں ایسے بھی مرتے ہیں
پھیر دے دل پر چھری چینِ جبیں اتنی نہیں

چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں
کیا رسائی تیری زلفِ عنبریں اتنی نہیں

آپکے دلمیں تو گنجایش کہیں اتنی نہیں
یہ مصیبت سہ سکے جانِ حزیں اتنی نہیں

یہ رسا اتنی نہیں یہ دور بیں اتنی نہیں
شوخ طینت لیلیٰ محمل نشیں اتنی نہیں

ہمنے دیکھا ہے زمانہ ہمنے دیکھے ہیں حسیں
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

آپ جاتے ہیں تو اسکو ساتھ لیتے جائیے
پھر پلٹ آئے نگاہ واپسیں اتنی نہیں

بتکدہ میں دل ٹٹولو دل جناب شیخ کا
بت چرا کر جس میں رکھ لیں آستیں اتنی نہیں

پہلے دیکھی غور سے تصویر یوسف پھر کہا
جتنی دیکھیت میں ہے اچھی دلنشیں اتنی نہیں

سانس کچھ باقی ہیں اب وہ بھی فقط گنتی کے ہیں
آپ پر صدقے کروں جان حزیں اتنی نہیں

یاور وقت رخصت اندھیر کر گئے ہیں
وہ اپنے ساتھ لیکر میری نظر گئے ہیں

دل کا سودا تو نگاہوں میں پٹا کرتا ہے
کسکو معلوم ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

غم الفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتے جاتے ہیں
یہ گھر آباد ہو جانے سے ویراں ہوتے جاتے ہیں

ملا کر خاک میں مجکو بنے ہیں قدرداں میرے
بیاں کن حسرتوں سے میرے ارماں ہوتے جاتے ہیں

جوانی میں سمجھ آتی ہے ہم قائل نہیں اسکے
کہ جتنی عمر بڑھتی ہے وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے
نئے سر سے انھیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

نگاہیں جب لڑیں آپسمیں یہ بھی دیکھتے جاؤ
عیاں کس کی نظر سے راز پنہاں ہوتے جاتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رند لاؤ بالی تمنے بیخود سے
کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

تمہارا تو یہ شیوہ ہے جسے تاکا اسے مارا
نگاہ لطف کہتی ہے ستم میں بھی داخل ہوں

اس طرح سے برباد نکر اہل وفا کو
ڈھونڈھے سے بھی ملتے نہیں لوگ دوا کو

مدفن سے نکل کر کوئی دامن نہ پکڑ لے
ٹھکرا کے چلا کر نہ مزار شہدا کو

گریباں چاک ہے میرے ہی ماتم میں سحر دیکھو
مجھی کو شمع بھی روتی رہی ہے رات بھر دیکھو

عدو کی بزم میں راز محبت کھل گیا دیکھا
کہا تھا تم سے کسنے تم کن انکھیوں سے ادھر دیکھو

اسیران قفس لو پر نکل آئے قیامت کے
مرے صیاد نے چھوڑیں ہیں زلفیں دوش پر دیکھو

لڑائی سے یوں جھجھی تو روکتے رہتے ہیں ہم تمکو
کہ دل کا بھید کہدیتی ہے لڑتیں نظر دیکھو

نہ حسرت ہی نکلتی ہے نہ خنجر ہی نکلتا ہے
نزاکت نے ہمارے قتل پر باندھی کمر دیکھو

سوالِ وصل پر کچھ سوچ کر اس نے کہا مجھ سے
لگا دو آگ خاطر سے ہماری غیر کے غم کو

مثل ہے یہ تو قسمت سبکی سبکے ساتھ ہوتی ہے
رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا

قیامت ڈھا رہی ہیں گرمیاں خورشیدِ محشر کی
نہ آنسو آنکھ میں آئے نہ دل میں داغ ہو پنہاں

سپہرِ کینہ پرور کی سخاوت میں ظرافت ہے
نہ دیکھا انسانکو اے آسمان چشمِ حقارت سے

سدھارو گھر کو جاؤ ہاتھ دھو لو تیغ کو پوچھو
سینہ سے دل نکل آیا ترے پیکان کے ساتھ

کیوں الجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود اُن سے
جو دم ہے ہجرِ یار میں خنجر کی دھار ہے

چھوٹا نہ بعدِ مرگ بھی شادی و غم کا ساتھ
بے سبب دھوم قیامت کی مچا رکھی ہے

طرزِ رنجش کی زمانے سے جدا رکھی ہے
اور خلوت میں شب و روز عدو سے ملنے

دیکھ لیں تجکو تو پھر کافر و دیندار ہیں ایک
ہجومِ مے بٹھیے کے رندو نہیں نہ کرلے واعظ

کہاں کا غم ہے کس سے لڑے ہو کیا جی میں ٹھانی ہے
خدا رکھے دلِ مرحوم کی اب قدر جانی ہے

تم اپنی سی کئے جاؤ ہم اپنی سی کئے جائیں
ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو

اٹھا کر جھونک دو دوزخ میں اس نارِ جہنم کو
عدو کو گالیاں دی ہیں تو بوسہ دیجئے ہم کو

خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو
یہی موقع تو ہے اے داغہائے دل ذرا چمکو

وہ کہتے ہیں چھپاؤ راز دار رونے مرے غم کو
دیئے موتی مگر جھوٹے دیئے ظالم نے شبنم کو

ارے تیرے فرشتوں نے کیا ہے سجدہ آدم کو
قیامت اب ہماری نعش پر آئے گی ماتم کو

صاحبِ خانہ بھی رخصت ہوا مہمان کے ساتھ
تم بھی نادان بنے جاتے ہو نادان کے ساتھ

میری ہی آہ میرے کلیجے کے پار ہے
ہنسنے کو پھول رونے کو شمعِ مزار ہے

تیرے قامت نے کوئی بات اٹھا رکھی ہے
بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے

سن بھی لی آپ نے جو اس نے اڑا رکھی ہے
تیرے پردے نے قیامت یہ اٹھا رکھی ہے

سوجھتا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے
شکن ماتھے پہ آنکھیں سرخ چہرہ ارغوانی ہے

یہ داغِ آرزو اس مرنے والے کی نشانی ہے
جفا کا حسن موجب ہے وفا کا عشق بانی ہے

نہ ہم نکلیں کہیں شب کو نہ دن کو تم کہیں جاؤ
مجھے سمجھا رہے ہیں تم کے معنی جان سے جانا
جگر پر ہاتھ دل پر تکیہ آنکھوں پر رہیں دامن
دعائیں مانگتی گذری ہے اون کو
جوانی کا وہ عالم جسپہ دل بے اختیار آئے
قیامت ہے جو ایسے پر دل امیدوار آئے
ہمارا فرض تھا سر کو تہ شمشیر رکھ دینا ہو
خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی
قیامت کا تو وعدہ اُسپہ یہ مضموں قیامت کا

تمہاری تو خدا جانے ہمیں تو بدگمانی ہے
لب عیسیٰ پر انکو خون کی تہمت لگانی ہے
یہ افسانہ نہیں مجنوں کا یہ میری کہانی ہے
شب غم جان بچ جائے کسیکی ہو
وہ صورت پیاری پیاری دیکھتے ہی جسکو پیار آئے
جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے
قضا کو کیا کریں ہم بوجھ گردن کا اُتار آئے
جناب شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے
یہ ممکن ہی نہیں کمبخت تمکو اعتبار آئے

سمجھ کر ہی کچھ دل میں خاموش ہوں میں نہ مے نوش ہوں میں نہ بے ہوش ہوں میں
یہ قصہ یہ جھگڑا نہ چھیڑو تو بہتر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے
اشارے بھی آپس میں کچھ ہوتے جائیں کہانی جدائی کی ہے روتے جائیں
سنو گے اسی طرح گر نیکے پتھر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

بل بھی چتون پر ہنسی کے ساتھ ہے
مر گیا بیخود تو اسکا کیا ملال

بانکپن کس کی سادگی کے ساتھ ہے
موت تو آخر سبھی کے ساتھ ہے

حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی ہو
جو نکرنی تھیں التجائیں کیں
دل لگاتا ہوں دل سے اس بت کے
انکی طرف سے دل کی طلب بارہا ہوئی
ایسی تو مے وصل کی شب بارہا ہوئی

حج کا موسم نہیں تو سیر سہی
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی
ایک کعبہ تو ایک دیر سہی
چپکے چلے فریب دیا التجا ہوئی
غصے سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی

یہ بت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے فولاد کے ٹکڑے
سکے اس نازکی پر عاشق ناشاد کے ٹکڑے

نکلنے دی دمِ کشتن نہ منہ سے آہ بھی پوری　　کیے ہیں میرے قاتل نے مری فریاد کے ٹکڑے

گزر جاتے ہیں وہ دو دو دن ہمیں بے آب و دانہ کے　　قفس میں کون کھائے بیٹھکر صیاد کے ٹکڑے

دکھا دینگے تمہیں بھی جو قیامت اُسپہ گذرے گی　　اُڑینگے ایک دن چرخ ستم ایجاد کے ٹکڑے

زمانے سے جدا ہوتی ہے کچھ خلقت حسینونکی　　دہن موہوم ہوتا ہے کمر معدوم ہوتی ہے

دونوں کی صبح وصل کو حالت بدل گئی　　اِنکی نظر پھری میری قسمت بدل گئی

محفل وہی مکان وہی آدمی وہی　　یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی

پروانہ شمع بنکے جلا شمع گل بنی　　آتے ہی اُنکے بزم کی رنگت بدل گئی

دلِ بیتاب میں شوخی کا پتا ملتا ہے　　مٹنے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے

حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا　　تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے

پی کے زاہد نے مے ناب یہ ارشاد کیا　　اِسکا انگور کے شربت میں مزا ملتا ہے

عالمِ کیف میں ہستی سے گزر جاتا ہوں　　چشمِ ساقی سے مجھے جامِ فنا ملتا ہے

بتکدہ میں ہے خدائی کا تماشا موجود　　اور کعبہ میں فقط ایک خدا ملتا ہے

سختیاں ہجر کی مٹجاتی ہیں سب بعد وصال　　قطرہ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے

ابتو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے　　تجکو کمبخت ستا کر انہیں کیا ملتا ہے

ہر ایک بات تری بے ثبات کتنی ہے　　پلٹنا بات کو دم بھر میں بات کتنی ہے

ترے شہید کو دولہا بنا ہوا دیکھا　　رواں جنازے کے پیچھے برات کتنی ہے

جو شبکو کھلتے ہیں غنچے وہ دنکو جھڑتے ہیں　　بہارِ باغِ جہاں بے ثبات کتنی ہے

ہائے وہ نیچی نظر سے مسکرا کر دیکھنا　　ایک برچھی تھی کہ دل کے پار ہو کر رہ گئی

مہربان وہ بتِ کافر اگر اک آن رہے　　ہے تو یوں پھر کوئی کافر ہی مسلمان رہے

اُس گنہگار کو زاہد نہ گنہگار سمجھ　　عمر بھر اپنے کیے سے جو پشیمان رہے

بیخود - حکیم احمد علی خان - رامپور کے باشندے اور موزوں طبع شاعر ہیں - وہاں کے

رسالوں میں کلام شایع کراتے رہتے ہیں۔ چند اشعار انتخاباً درج ہوئے ملاحظہ ہوں۔

پس مُردن مرے کام آگیا یہ سوزِ دل میرا
کہ دودِ آہ کا ہے شامیانہ میرے مدفن پر

مٹائے سے مٹے گا کیا یہ میرا خونِ ناحق ہے
جو دھو ڈالوگے دامن سے تو رہجائیگا گردن پر

دامنِ دل سے کسیکے کبھی دھویا نہ غبار
کیا کیا دیدۂ غمناک نے گریاں ہوکر

دُور سے کعبے میں کیا لطف سوا ہے واعظ
دل نشیں کون سا گھر ہوتا ہے ویراں ہوکر

بیخود

بیخود۔ حکیم سید شاہ محمد فاخر۔ الہ آباد کے رہنے والے اور آجکل کے نومشق شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے۔

لوگ پھر جیتے ہیں مرنے کی تمنا میں وہاں
عرصۂ حشر ہوا کوچۂ قاتل نہوا

دل لبھا کرتے ہیں تو فتنے اٹھا کرتے ہیں
آپ چلتے ہیں کہ اک حشر بپا کرتے ہیں

چہرے پر اب نقاب ذرا ڈال لیجئے
بس ماندآپ مہر کی تنویر کرچکے

اب کعبے چلئے کیجئے بیخود خدا خدا
نالے بتوں پر آپ کے تاثیر کرچکے

جب ادائے شکر رحمت میں ہوا ہے قصور
وقت کلفت شکوۂ جور وستم کیا کیجئے

اک نفس کا فرق ہے۔ ملجائینگے سب روز حشر
دم زدن کی بات ہے پھر اس کا غم کیا کیجئے

بیخود

بیخود۔ منشی احمد صاحب باشندۂ موہان۔ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کے عزیز اور غالباً انہیں کے شاگرد ہیں۔ علمی استعداد معقول اور ابھی نومشقی کا عالم ہے چند شعر درج ذیل ہیں۔

کرم اسے خود فراموشی کہ کوئی جلوہ آرا ہے
قیامت ہے کہ میں محوِ تماشا ہو نہیں سکتا

مری ایذا رسانی مجھکو یوں تسکین دیتی ہے
کہ تیز ہوکے وہ ظالم کسیکا ہو نہیں سکتا

جو خود بینی وہاں ہے یاں وہی ہے خود فراموشی
یہاں کچھ امتیاز قیس ولیلی ہو نہیں سکتا

زہی حسنِ خرد دشمن سے جب اک حال ہو سکا
ہجومِ حشر میں پھر کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

عبث شوقِ تماشا شکوہ سنج بے نیازی ہے
وہ مستِ ناز اے بیخود کسی کا ہو نہیں سکتا

بیخود

بیخود۔ محمد اکرام اللہ خاں بیخود ملازم کوتوالی میرٹھ۔ بجز اسکے کہ آپکو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے

اور کچھ حال معلوم نہوا۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہماری سخت جانیکا نہو گا بال بھی بیکا ہ	وہ ہونگے اور جو خنجر کا لوہا مانجاتے ہیں
عاشق کی جسکے ہجر میں حالت خراب ہے	مذہب میں اُسکے ظلم ہی کرنا ثواب ہے
ہم رند مشربوں سے ملائیگا کون آنکھ	قسمت میں زاہدوں ہی کی روز حساب ہے
لگ جائے گی نظر نہیں ابھی یہ تاک جھانک	نام خدا بہار پہ جوشِ شباب ہے
قدم جمنے دیا ہرگز نہ جانباز انِ الفت کا	فلک سے بڑھکے قاتل تیرے کوچے کی زمیں نکلی
تصور نے تو پکڑا تھا تمہارا جاکر دامن	مگر جب غور سے دیکھا تو اپنی آستیں نکلی

بیدار — میر محمدی دہلوی۔ شاگرد میر درد و شاہ حاتم و مرید مولانا فخر الدین قدس سرہٗ۔ دہلی چھوڑکر اکبرآباد جا رہے تھے میر اور مرزا کے ہمعصر تھے۔ کچھ دنوں مرتضیٰ علی فراق سے بھی اصلاح لی تھی۔ دہلی میں قیام کے وقت عرب سرا میں سکونت پذیر تھے۔ کلام صاف دلپذیر اور معرفت سے بھرا ہوا ہے یہ بھی شاہ حاتم کے اُن شاگردوں میں تھے جنھوں نے اُردو زبان کی درستی میں سعی موفور کی تھی ورنہ شاہ حاتم کے وقت تک اُردو شاعری صرف رعایت لفظی تک محدود تھی۔ جب سودا نے اس رنگِ نامحمود کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اسمیں کوشش کی۔ ملکہ سودا کی صفائی کے ساتھ اپنا تصوف کا رنگ بقدرِ مناسب شامل کرکے اپنے طرز کلام کو علیحدہ کرلیا۔ انکے بعض اشعار اپنی دلاویزی کے باعث ابتک لوگوں کی زبانوں پر بیساختہ جاری ہیں ع قبول خاطر و لطفِ سخن خداداد است۔ میر محمدی بیدار نے بمقام آگرہ ۱۲۰۹ھ میں انتقال فرمایا دو دیوان مرتب کئے تھے جو تلاش سے اب بھی ملجاتے ہیں اب کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

بھرا نہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا	کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا
ترے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار	گل جدا سرو جدا نرگسِ بیمار جدا
عکس اُسکا پڑا جو دریا میں	آب حیرت زدہ ہو بہ تنکاؤ
واہ واہ رے دلبر کج فہم یوں ہی چاہیئے	ہمسے ہونا آشنا غیروں سے ہونا آشنا

مے و ساقی ہیں سب یکجا آہا آہا آہا
کیا بیدار سے عاشق کو تو نے قتل ای ظالم

عجب عالم ہے مستی کا آہا آہا آہا آہا
کوئی کرتا ہے کام ایسا آہا آہا آہا آہا

عمر و عدوں ہی میں گنوائیے گا
یہی قامت ہے گر یہی رفتار

آئیے گا بھی یا نہ آئیے گا
حشر برپا ہی کر دکھائیے گا

نہیں کچھ ابر ہی شاگرد میری اشکباری کا
سبق لیتی ہے مجھسے برق بھی آبیقراری کا

صبح کو بے نور بن تیرے چراغ لالہ تھا
جائے بانگ گل چمن لبریز آہ و نالہ تھا

کس کسکا دل نہ شاد کیا تو نے اے فلک
اک میں ہی غمزدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا

جو کچھ کہ تھا وظائف اوراد رہ گیا
تیرا ہی ایک نام ہمیں یاد رہ گیا

بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا ہوتا

ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یا اک آگ کا پرکالہ تھا

ہے بیدار کی آنکھوں نے ساقی اشک لالہ سیر
مے گلگوں کا کوچے میں ترے گویا سبو ٹوٹا

آنکھوں میں چھا رہا ہے ازبس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا

عجز و نیاز میرا حد سے زیادہ گذرا
ویسا ہی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا

بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوے
اسپر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدگاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا

یہ مار زلف ہے وہ جسکا بچے نہ کاٹا ہو
اُترے ہے زہر کس سے افعی گزیدگاں کا

یوں تیرے سنا ہے وہ مستِ ناز بیدار
یہ کر گیا مصلائے عزلت گزیدگاں کا

پھونکدی یہ آگ کسکے حسنِ بزم افروز نے
اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانہیں آج

تھا یہی زور تری زلفِ دل آویز کا بس
خم ہوئی لا نہ سکی تاب گرفتاریِ دل

بھڑکا ہے آہِ سرد سے جوں شعلہ داغِ دل
روشن دمِ صبا سے ہوا ہے چراغِ دل

دامنِ کو نہ تیرے پہونچے ابتک
سینے پر پروانہ ہے بیدار نے فصلِ بہار
خرقہ رہن شراب کرتا ہوں
جا نہیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں
لیلے چھاتی پر میرے لیتا تھا وہ
صبح ہونے آئی رات آخر ہوئی
دیکھتے ہی اُسکو ناداں ہوگیا

ہر چند غبار ہو گئے ہم
کس توقع پہ قفس سے ہوویں آزاد ہم
دلِ زاہد کباب کرتا ہوں
بلبلے ظالم تیری بے پروائیاں
آہ کس کس آن سے انگڑائیاں
بس کہاں تک شوخیاں چلائیاں
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

[illegible]

زنگاں سے کے تئیں کیا رو دیں کہ کوئی دم میں
ہم بھی اس بزم سے جیوں شمع سحر جاتے ہیں

کہاں گنجائش حرف اُس دہن میں
نہیں جائے سخن میرے سخن میں

ہم تری خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

یہاں تو جی آنکے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانئے وہاں اسکو خبر ہے کہ نہیں

جو ہم کلام اُس لبِ جاں بخش سے ہوئے
کس سے او نہیں دماغ کہ پھر گفتگو کریں

اپنے زمانہ سے جدا روزِ شبِ سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

کہاں ہے طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو۔
کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ
دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ

محشر فتنہ ہے اُس شوخ کی رفتار کے ساتھ
جی چلا جائے ہے پازیب کی جھنکار کیساتھ

شکوہ کم نگہی آنکھوں نے اوس کی نکرو
گفتگو خوب نہیں مردم بیمار کے ساتھ

جو ہوئی سو ہوئی اب جانیدو اے بندہ نواز
آ کے ملجاؤ گلے پیار سے بیدار کے ساتھ

خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار
اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے

جام و مینا و مے و مطرب و ساقی ہمراہ
اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

نہ گئی تیری سرکشی ظالم
ہمنے ہر چند جبہ سائی کی

بیدار کیونکہ آتشِ دل اشک سے بجھے	ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے
زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں میخوار کئی	ابھی یاں جبین سے لئے جُبّہ و دستار کئی
ربط جو چاہئے بیدار ہو اُس سے معلوم	مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے
ابتک مرے احوال سے واں بیخبری ہے	اے نالۂ جانسوز یہ کیا بے اثری ہے
جی میں ہے دکھا دیجے اک روز تری قد کو	جو شخص کہ منکر ہیں اے یار قیامت کے
مقدور کیا مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رہے	ہیں چشم و دل گھر اُسکے جہاں چاہے واں رہے
نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا	محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے
ہستی ہی میں ہے سیرِ عدم اُنکی یاں جسے	فکرِ میانِ یار و خیالِ دہاں رہے
بیدار زلف کھینچے اُدھر چشم یار اِدھر	حیران ہے دل کہاں نہ رہے کسکے ہاں رہے
تیرے مژگاں ہی نہ پہلو مارتے ہیں تیر سے	ہمسری رکھتے ہیں ابرو بھی ترے شمشیر سے

بیدار

بیدار۔ رئیس الدولہ علی حسن بہادر بیدار لکھنوی مقرب بارگاہ واجد علیشاہ بادشاہ مقیم کلکتہ سلطانی مطبع کے مہتمم تھے۔ کچہری وساطت وافسری خوشنویسان کے محکمے بھی انہیں کے متعلق تھے۔ اور کتب خانہ شاہی بھی انہیں کی تفویض میں تھا۔ ۱۲۹۴ھ تک مٹیا برج میں باعزاز و آبرو بسر کرتے تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ انکا کلام یہ ہے۔

تیرے ملنے سے اے بلقیسِ عالم	سلیماں ہو گیا بیدار تیرا
اے قاتلِ عالم تجھے منظور ہے اب کیا	چھٹتی نہیں قبضہ سے جو شمشیر کسی وقت
اٹھا جہاں سے تمہارا شیدا نہ سمجھو غفلت نہ غش نہ سکتا	یہ خواب تو خواب ہے اجل کا نہ ہو جو باور جگا کے دیکھو
کیا ہے حق نے تمہیں مسیحا پڑا ہے بیجاں تمہارا شیدا	ابھی تو ہوتا ہے زندہ مُردہ لبوں کو اپنے ہلا کے دیکھو
ابھی تو ہوجائے حشر برپا ابھی تو بدلے جہاں کا نقشہ	ابھی دگرگوں ہو حالِ دنیا تم اپنی چتوں پھرا کے دیکھو
پڑی ہیں اب زندگی کے لالے یہی تو ہیں آخری سنبھالے	خدا ہی بیدار کو بچالے جو دیکھنا ہے تو آ کے دیکھو

بیدار

بیدار عالیجناب بیر بہر راجہ ہرکشن سنگھ بہادر جاگیردار کشن کوٹ (ضلع گورداسپور) و رئیس امرتسر

نبیرۂ محسن الدولہ آنریبل راجہ سر صاحب دیال۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ممبر کونسل واضع آئین وقوانین ہند۔ راجہ صاحب موصوف الحاق پنجاب سے پیشتر سرکار شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ و مہاراجہ دلیپ سنگھ میں ناظم سائرات و کانِ نمک کا عہدۂ جلیلہ رکھتے تھے۔ عنفوانِ شباب (۱۸۸۴ع) سے آپ کو شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے کچھ دن مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے پھر حضرتِ داغ مرحوم سے مشورہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ آپ کے حسب الطلب ایکمرتبہ حضرتِ داغ رامپور سے امرتسر اور کشن کوٹ کی سیر کے لئے بھی آئے تھے اور کئی مہینے آپکے ہاں مہمان رہے آپکے کلام میں روزمرّہ اہلِ زبان کا لطف موجود ہے عاشقانہ مضامین بھی اچھے سلیقہ سے باندھ جاتے ہیں۔ راقمِ تذکرہ کے احباب میں ہیں۔ نہایت منکسر مزاج۔ خلیق اور زندہ دل شخص ہیں۔ آپکے چھوٹے بھائی آنریبل ٹھاکر مہان چند صاحب آجکل پنجاب کونسل کے ممبر اور ہندو رئیسوں میں بڑے راسخ الاعتقاد۔ روشن خیال۔ نیک نفس نوجوان ہیں۔ بیدار صاحب کی عمر اب ۵۴ سال کے قریب ہے عرصہ ہوا آپ کا دیوان شایع ہوا تھا۔ چند شعر درج ذیل ہیں۔

عاشق کا حال پوچھ نہ بازارِ حسن میں
دل بکے پر بھی تیرا خریدار ہی رہا

کیا سنائیں کہ ہم پہ کیا گذرا
قصہ جانے بھی دو کیا گذرا

اُٹھائے رنج کیا کیا زندگی میں
اجل آجان بچتی ہے اسی میں

جو ہوتے تم بھی خوش میری خوشی میں
تو حسرت رہ نجاتی جی کی جی میں

ہزاروں مرگئے قاروں سے بڑھکر
خدا زر دے تو دل ہی آدمی میں

خُدا بخشے تو بخشے دولتِ عشق
مجھے لاکھوں کروڑوں ہیں اُسی میں

بن نہیں پڑتی آؤ مرد یکھیں
کچھ تو بخت آزمائی کر دیکھیں

تماشہ ہے دل لے لیا آپ نے
یہ کھکر کچھ اسکی ضرورت نہیں

جاں بلب ہوگئے اب کون سنبھالے دلکو
جیب کے پھیکتے ہیں نازک پالے دل کو

قطعہ

رات خلوت میں کیا اُنسے جو شکوہ دل کا
اور کہا ہمنے کیا تیرے حوالے دل کو

اور کہا رنج والم کون اُٹھائے ہر روز
ہنسکے کہنے لگے بیدار غضب ہے اسکی

لگا دل اک بتِ نا آشنا سے
ملو ہاتھ نہیں تم اغیار کا خوں

لیا دل اُس ستمگر نے ہمارا
دیا بیدار جب دل جب آپ اُسکو

دل کو وہ خوگرِ آزار بنا رکھا ہے
لو ہوا اور ستم کا یہ طریقہ ایجاد

حسرت و یاس و تمنا کی نہ پوچھو بیدار
آپ بیدار کو کہیں کچھ بھی نہ

آدمی تھا نہیں کلیجہ کہ سنبھالے دلکو
چاہیئے دشمن جاں جسکو وہ پالے دلکو

کروں فریاد اب کیا میں خدا سے
یہ کچھ پھیکا نہیں رنگِ حنا سے

کرشمہ سے شرارت سے ادا سے
تو پھر مطلب ہے کیا چون وچرا سے

درد کا نام محبت نے مزا رکھا ہے
نام کافر نے تغافل کا حیا رکھا ہے

سب نے دل میں مرے کہرام مچا رکھا ہے
ہم اُسے پارسا نہیں سکتے نہ

زمانہ جانتا ہے تم بھی جانتے ہو ہمیں
نالہ کچھ نغمہ نہ تھا جسکو سمجھتے معیوب

مزا تو جب ہے کہ غیروں کا امتحاں کرتے
عشق کچھ عیب نہ تھا ہم جسے پنہاں کرتے

میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
تم تو مُنہ پھیر کر خفا بیٹھے

بزم سے دشمنوں کو اُٹھوا دو
بات بیدار سے نہ کی ظالم

کہنا تمہارا میرے سر آنکھوں پہ ناصحو
آئے ہیں ساتھ غیر کے وہ میری قبر پر

عشق کیا چیز ہے خدا جانے

رنج و غم سارے گھر کی پونجی ہے
گریوہیں کوئی دوسرا بیٹھے

کیا یہ کرتے ہیں بے حیا بیٹھے
تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے

پر یہ کہو کہ دل پہ مرے اختیار ہے
ٹھکرا کے پوچھتے ہیں یہ کسکا مزار ہے

دل میں سوزش کباب کی سی ہے

بیدار

بیدار۔ خواجہ محمد بیدار بخت ولد خواجہ محمد اکبر نقشبندی۔ رئیس ڈھاکہ۔ اِن کی ولادت، ۲۸ اپریل ۱۸۸۳ء کو ہوئی۔ جو حالات انھوں نے بھیجے اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

بچپن میں مولوی محمد لطیف صاحب جو کابل کے ایک بڑے عالم تھے ان کے عربی معلم مقرر ہوئے پھر تیرہ سال کی عمر سے انگریزی و فارسی تعلیم شروع ہوئی - انگریزی میں انٹرنس کلاس تک پڑھا ہے - آغا محمود علی شیرازی سے فارسی پڑھی اور درسیہ کتابوں کی تکمیل کی -

سنہ ۱۹۰۲ء میں اپنے دوست میرزا فقیر محمد کے اصرار سے ایک مشاعرے میں انکو بھی طبع آزمائی کا موقع ملا - یہی غزل گوئی کی ابتدا ہوئی - اُس غزل کا یہ مطلع تھا -

جو اُس بت پر آئی تو کیا ہے کسی کا	طبیعت پہ بھی بس چلا ہے کسی کا

مشاعرے میں اس غزل کی بہت تعریف ہوئی - جب کچھ غزلیں جمع ہو گئیں تو اُستاد کی تلاش ہوئی چنانچہ اپنا کلام حضرتِ داغ دہلوی مرحوم کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا - اور اُنہوں نے اپنے فیضِ عام سے اِن کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا - جناب بیدار اگرچہ ابھی نومشق نوجوان ہیں مگر طبیعت رسا اور سلجھی ہوئی پائی ہے اگر توجہ سے کچھ دنوں محنت کی تو اس فن میں اچھی مہارت ہو جائیگی طبیعت چلبلی اور معنی یاب زبان کی شوخی اور بیان کی سلاست قابلِ تعریف ہے - اب اُنکا تھوڑا سا کلام انتخاباً درج کیا جاتا ہے -

آتی خود پردۂ محمل سے نکلکر لیلےٰ	جذبۂ شوق اگر قیس کا کامل ہوتا
تم جفاکار و ستمگار ہو تم کیا جانو	مہر کیا چیز ہے کرتے ہیں وفائیں کیونکر
ناز و انداز و ادا غمزہ کرشمہ شوخی	دلکو ہم اتنے اُچکوں سے بچائیں کیونکر
داغِ دل داغِ جگر دو نہیں پتھر کی لکیر	مٹنے والے نہیں یہ انکو مٹائیں کیونکر
کہتے ہیں دیکھکر وہ مرا داغدار دل	کھوٹا ہے مال کوئی خریدار ہو تو کیوں
بجا ہے تم تو وعدے کے بڑے سچے ہو کیا کہنا	ہمیں جھوٹے ہیں دم دیتے رہے تمکو ہمیں برسوں
ہمارے گھر بھی وہ آئے گئے غیروں کے بھی گھر میں	مگر تھا فرق یہ ٹھہرے کہیں دم بھر کہیں برسوں
ستم ہے سُنکے وہ رشکِ عدو کا ذکر کرتے ہیں	ہوا کیا ہے ابھی تجکو جلائیں گے یونہیں برسوں
دلِ بیتاب کہتا ہے رہیں مجھ میں ہمیشہ وہ	تقاضا ہے یہ چشمِ شوق کا ٹھہریں یہیں برسوں

نہیں پہچانتے تم کون وہ محفل میں بیٹھا ہے
وہی بیدار ہے جو رہ چکا ہے دلنشیں برسوں

اُلٹی گنگا وہ بہاتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں
وعدہ تو مجھسے ہے دشمن سے وفا کرتے ہیں
ناز انداز میں شوخی میں حیا کرتے ہیں
ہر ادا کو وہ اداؤں میں ادا کرتے ہیں
عرضِ مطلب کیلئے انکو منا طلب پا کر
دیئے جاتے ہیں ٹھوکے مرے ارماں مجکو
سن لیا سن لیا کمبخت خدا کا مارا"
آپ نے مجکو کہا ہے ابھی ہاں ہاں مجکو

نہ مانیں گے نہ مانیں گے یہ اصلا ہم نہ مانیں گے
نہ دوگے جور کا جبتک مچلکہ ہم نہ مانیں گے
سوالِ وصل پر یہ ضد یہ ہٹ کیا لطف دیتی ہے
قسم ہے تمکو پھر اکبار کہنا ہم نہ مانیں گے
تمہیں سے ہے نازکیتائی ذرا آئینہ تو دیکھو تو
یہ سب بے بنیاد یہ بے اصل دعوی ہم نہ مانیں گے
خوشامد وہ مری آنچل پکڑ کر اُنکا وہ کہنا
زبردستی سے ہے کیا چھوڑ دو ڈوپٹہ ہم نہ مانیں گے
یہ چشمِ شوق آفت ہے غضب ہے تاک جھانک اسکی
ارے او چھپنے والے تیرا پردہ ہم نہ مانیں گے

کہتے ہیں وہ محشر میں گلہ کس سے کروگے
ہو جاسے طرفدار ہمارا جو خدا بھی

جو تیرِ جان دیں اُنسے ملو تم یوں رکھائی سے
بڑے بیرحم ہو باز آؤ ایسی کج ادائی سے
جواب اپنی طرف سے دیں سوالِ وصل پر کیونکر
وہ پہلے مشورہ کرلیں حیا سے پارسائی سے
جسے دیکھا اُسے سمجھا کہ یہ بھی اُنکا عاشق ہے
عجب شکی ہوں مجکو وہم ہے ساری خدائی سے

بیدل - مولانا مرزا عبدالقادر بیدل۔ قوم چغتائی اصلی وطن توران تھا مگر یہ بخارا میں پیدا ہوئے اور صغرسنی میں ہی ہندوستان آئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ کمال عالی حوصلہ و سیر چشم تھے۔ ابتدائے شباب میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ خلف عالمگیر کی رفاقت میں رہے اور ہمیشہ موردِ عنایات شاہزادہ رہے۔ قوتِ جسمانی اور طاقتِ بدنی اسقدر رکھتی کہ ایک دفعہ شیر کو بلا ہتھیار زیر کیا۔ اپنے آقا کی وفات کے بعد تعلقات دنیوی سے کنارہ کرکے گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ نواب نظام الملک آصف جاہ نے مکرر باصرار دکن طلب کیا اگر انہوں نے نقل حرکت اصلا قبول نہ کیا۔ اور دہلی میں صبر و قناعت پر تکیہ کئے بیٹھے رہے۔ فارسی کلام آپ کا بڑے اعلےٰ پایہ کا ہے۔ فارسی کے

بیدل

کہ بڑے مشہور جلیل القدر شاعر اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ نازک خیال تھے۔ اپنی ذہانت طبع اور نازک خیالی سے اختراع و ایجاد کے گل بوٹے لگاتے تھے۔ کلیات ضخیم اپنا یادگار چھوڑا ہے جسمیں ایک لاکھ بیت کے قریب ہیں۔ اُس زمانے کی حالت اور مذاق کے موافق کبھی ریختہ کی طرف بھی توجہ ہو جاتی تھے۔ ۱۱۳۳ھ میں شاہجہان آباد میں انتقال کیا۔ اُردو شعر تذکرہ منشی قدرت اللہ شوق مرتبہ ۱۱۸۸ میں اسکے نام سے درج ہیں تبرکاً پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں۔

مت پوچھ دلکی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں — اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دلکی آستاں پہ عشق آن کر پکارا — پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہم میں

بیدل

بیدل۔ خواجہ غلام حسین خلف خواجہ محمدی خاں نبیرۂ خواجہ رحمت اللہ خاں باطن۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے شاگرد تھے۔ غدر کے بعد چند سال تک دہلی میں طبابت کرتے تھے عرصہ ہوا کہ دنیائے فانی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ چند اشعار اُن کے کلام سے انتخاباً لکھے جاتے ہیں۔ کلام کے دیکھنے سے طبیعت کی پختگی اور مشاقی کا پتا چلتا ہے۔ اور پڑھنے والے کے دل پر اثر ہوتا ہے۔

جان تو ہو کے خفا جب مرے گھر سے نکلا — ٹکڑے ہو ہو کے جگر دیدۂ تر سے نکلا
آہ اوس کو دم ناوک فگنی — گاہ دل گاہ جگر یاد آیا
ماہ سے نسبت کا دنیا تجکو ہے ناانصفی — مہروش تجھ میں اور اوسمیں فرق ہے ذرات کا
دل کر چکے پہلے ہی نیاز غم فرقت — اب کیا ہے کیا قصد جو ہے ناز و ادا کا
پاؤں رکھتا ہے کوئی کوچۂ جاناں میں مرا — دلکے ہاتھوں نہ گیا آج تو کل جاؤنگا

دل پر غم کے رہنے کے یہی دو ٹھکانے ہیں — کبھی چاہِ زنخداں میں کبھی زلفِ پریشاں میں

نگہ کی چشم کی زلفِ دوتا کی — سہے اک دل جفا کس کس بلا کی
بتونسے ملتے ہو راتوں کو بیدل — تمہیں بھی دن لگے قدرت خدا کی

کب اس گل کی گلی تک جا سکے ہے	ہوا باندھی ہے یاروں نے ہوا کی

بیدل

بیدل - مولوی حبیب الرحمان خلف حاجی احمد علی محدث - ارشد تلامذہ حسین علی خاں شاداں مرحوم دہلوی - معمر آدمی ہیں اور اب اپنے آپ کو مرزا غالب کا شاگرد لکھتے ہیں - سہارنپور کے رہنے والے ہیں - عرصے سے حیدرآباد دوکن میں وارد اور سرکار مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر کے دامن دولت سے وابستہ رہکر دعاگو و وظیفہ خوار ہیں - فی الحال مدرسہ عالیہ نظام میں معلم فارسی ہیں - پرانی روش میں شعر اچھا کہتے ہیں - مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رہتا ہے - بندش وادا سے معاملات میں خاصے مشاق ہیں - اپنے استاد شاداں کی طرز خاص کے مقلد اور باوجود جید عالم ہونے کے نہایت شوخ طبع زندہ دل ہیں - اب کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

گر ملاحت سے وہ قاتل نمک افشاں ہوتا	حشر تک زخم نہ منت کش درماں ہوتا
تنگی زخم سے ارمانوں کے عقدے نہ کھلے	کاش دل بھی مرا ہم تنگ گریباں ہوتا
بجھپہ مرنیکو سمجھتا جو حیات جاوید	بوالہوس ہجر میں کیوں مرگ کا خواہاں ہوتا
مر بھی جاتا تو جلانے کو وہ آتا نہ مسیح	مفت میں موت کا شرمندۂ احساں ہوتا
دل کی بیتابی سے آخر نکل آیا آنسو	سات پردوں میں جو رہتا تھا وہ باہر نکلا

صیاد صید ہو تو تماشائے جذب ہو	پھندا بنانا چاہئے تار نگاہ کا

عیش دنیا ہیچ ہے اور پوچ ہے اسپر غرور	آج ہم غمناک ہیں اور کل عدو غمناک تھا

رہتا ہے سیہ پوش سدا خانۂ کعبہ	اس غم میں کہ تھا پہلے جلوخانہ کسی کا
ولمیں وہی ہے جسنے کیا دلکو پاش پاش	کعبہ میں پہلے تیغ چلی پھر حرم ہوا
مژگاں کی آڑ میں وہ نگہ کام کر گئی	مارا کسی نے تیر کسی پر بھرم ہوا
پاس رسوائی نے انجان بنایا اسکو	پھر وہ بیگانگی کا پردہ بیکار نہ تھا
دوست کے گھر کو کہوں خانۂ دشمن افسوس	ربط اغیار سے اتنا بھی سزاوار نہ تھا
خدنگ سینے میں بیٹھا ہے آرزو ہوکر	رکے ہے سانس گلے میں رگ گلو ہوکر

ستایا ضعف نے لپٹی ہے ناتوانی یوں — کہ ڈھونڈھتی ہے قضا مجھکو جستجو ہو کر

لگی ہے چپ اُسے کیا جانے کہدیا ہے کیا — نقاہتِ دلِ مضطر نے گفتگو ہو کر

کسی کی زود پشیمانی میرے مرنے پر — دلِ عدو میں کھٹکتی ہے آرزو ہو کر

حریم کعبۂ غیرت سے مت نکال قدم — جیا تو خاک جیا ننگِ آبرو ہو کر

گرہی جوشش گریہ ہے تو اے وحشتِ دل — بحر ہو جائے گا جو گھر ہے بیاباں ابتک

رہنِ جاں فشاری جانِ مضطر — اسیرِ پاسِ ناموس وفا دل

کہاں ہے ساحلِ بحرِ تمنا — سفینہ جسم لاغر ناخدا دل

وہ آنکھیں ہیں چہ بابل کے چشمے — نگاہِ ناز کے ساتھ ہو لیا دل

بہتی نہیں کشتی، حیا وصل میں احباب — اس بحر میں ارمانوں کے طوفان بہت ہیں

رخنہ اندازِ راز ہیں دیکھو — نگہ شرمسار کی باتیں

کرتی ہے تیغِ ناز بیدل سے — گلے مل مل کے پیار کی باتیں

قطرہ میں ہے بحر کا تماشہ — نقشہ ہے خدائی کا بشر میں

دلِ افسردہ کو ڈھونڈو تم اپنے بالوں میں — شکستہ دل ملیگا شکستہ حالوں میں

وفائے عہد کا شاہد عدو سے — مسیحائی قضا کے روبرو ہو

کروں جینے کو اُس مرنے پہ قرباں — تہِ خنجر گلو سینہ پہ تو ہو

کام آئی گرہ کی رخنہ گری — کوئی شے مانعِ نظر نہ ہوئی

قصّہ وہ کیا جو دل گداز نہ ہو — بات وہ کیا جو مختصر نہ ہوئی

تماشائے نمکپاشی دہانِ زخم سے پوچھو — کہ مجروحوں کو حرصِ لذتِ آزار کیسی ہے

نگہ کے رخ پہ نقابِ حیا سے — جفا سے جو باز آیا شرمِ جفا سے

کس توقع پہ اٹھائیں کوفت گریہ بھی نہ ہو — حسرتِ حاصل تو اپنی سعی لاحاصل میں ہے

آئی ہے جانا یہ لیسا آئی تھی تو کوئی دم — کھاتے پیتے کرتے کچھ آرام اٹھتے بیٹھتے

کچھ ہاتھ تیرے لوٹ نہ جاتے نسیم صبح	کب سے تھا قیس پردۂ محمل کے سامنے
مجکو شکوہ کی قسم مت کو وفا کی سوگند	کیا کہوں کس سے کہوں سخت پریشانی ہے
ایک مدت سے جو بیدل ہے وہ بے سر بھی سہی	سر بیدل کی قسم کھائیے گر کھانی ہے
تیرا دہ حسن کہ ہنگامہ طلب عالم سے	میرا وہ دم کہ چلا میری نظر سے پہلے
عشق آسان نہیں ہے دلِ خود رفتۂ حسن	چشم مشتاق سے گئے ابھی تر سے پہلے

بیدل - عالیجناب مولانا مولوی محمد عبد الرحیم خانصاحب بیدل دہلوی سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل ریاست حیدرآباد دکن و رئیس دہلی - مولوی محمد تقی خانصاحب مغفور کے خلفِ اصغر اور سید امراؤ مرزا صاحب انور مرحوم کی ارشد تلامذہ میں ہیں سالک مرحوم سے بھی اصلاح لی ہے ۴۰ برس تک ریاست حیدرآباد دکن میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے اب پنشن لیکر وطن میں خانہ نشین ہیں اپنے دلی دوست ملک الشعرا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی طرز کے اسیر اور نئی روش کی شاعری کے دلدادہ ہیں اور حق یہ ہے کہ اس طرز خاص میں رتبہ اُستادی رکھتے ہیں - کلام میں سوز و گداز بہت ہے - اور متانت - اخلاق تہذیب اور نصائح کی چاشنی بھی نہایت دلکش پیرایہ میں موجود ہے - آپ کی ذات ستودہ صفات اساتذہ سلف کی یاد دلاتی ہے - خلق شرافت - متانت - اخلاق نے ہر دلعزیز بنا رکھا ہے - اب ۶۵ برس کے قریب عمر اور دہلی کے با وقر رؤسا میں آپ کا شمار ہے - ذیل کے اشعار آپکے فکر رسا کی رسائی کا نتیجہ ہیں -

تھا خبر عقیقت عقل و خرد کا دشمن	جب سے خبر ملی ہے رہتا ہوں بیخبر سا
مذہب میں شاخسانے جواب ہیں پہلے کب تھے	آپس میں آپ ہمنے پھیلا دیا ہے شر سا
یاروں کی بیوفائی اپنوں کی کج ادائی	دنیا سے اب تو بابا لگنے لگا ہے ڈر سا
سچ پوچھیے تو ملنا ممکن نہیں جہاں میں	دانا بھی آدمی سا نادان بھی بشر سا
چھٹ سکے دنیا و ما فیہا سے ہم	بیخودی میں بھی عجب عالم رہا

ہو رہا وہ کچھ نہ کچھ انجام کار
موت کا کھٹکا جسے ہر دم رہا
کام ہیں بیدل پڑے سارے یونہیں
اور موت آنے میں وقفہ کم رہا

حسنِ رخِ زیبا کو نہ مشاطہ کی پروا
حالِ دلِ بیتاب نہ محتاج بیاں کا
کچھ اب بسے دل و جان سے دنیا کے ہیں جویا
دنیا کو کبھی چھوڑ کے جانا نہیں گویا
ہے اسکا گلہ کیا کہ جو سو کر نہیں جاگا
رونا ہمیں اسکا ہے جو ہے جاگ کے سویا
کہتا ہے زمانہ مجھے کچھ کر کے دکھاؤ
عزت سے کے جو طالب ہو حکومت کے ہو جویا
ہنسی آتی ہے اب لوگوں کو سنکر نام الفت کا
گئے وہ دن پھنسا کرتے تھے دل جب دامِ گیسو میں
بسانِ آبِ نیساں قطرہ قطرہ ہو دُرِ یکتا
اثر کا دینے والا گر اثر دے مرے آنسو میں
حوادث سے نہ دلوں کی ولولے ایسے مٹائے ہیں
مزا آتا نہیں اب ہمکو غنچہ ہائے آبرو میں
ہماری طرح تم بھی بے ہنر رہ جاؤ گے بابا
جوانو کچھ نہ کچھ کرلو ابھی قوت ہے بازو میں
نصیحت کو مری مانو مرے کہنے کو سچ جانو
مرے اقوال تولو عقل و دانش کی ترازو میں
بھلا میں اُنکے حکمہ میں کہیں آنے کے قابل ہوں
اگر اغیار بیٹھے سب ہیں تو یاروں میں بھی بیدل ہوں
نہ شادی میں اُترتا ہے نہ غم میں نشۂ غفلت
اجل ہشیار اگر کر دے تو کر دے میں تو غافل ہوں
مرے دم تک ہے یہ عشق و ہوس کی تفرقہ سازی
کہاں ایک میں ہی معیارِ عیارِ حق و باطل ہوں
مزہ آتا نہیں مطرب تری رنگیں نوائی میں
کہ میں اک عمر سے خوکردۂ شورِ سلاسل ہوں
کبھی ہوں بتکدہ میں اور کبھی کعبے میں ہوں بیدل
اسی اک اپنی دُھن میں سالکِ ہر راہ و منزل ہوں

تھا جواب آپ کی شکایت کا
ورنہ شکوہ ہمارا کام نہیں
گھاؤ تھا گھاؤ سے ہوا ناسور
اب کچھ امیدِ التیام نہیں
مغفرت کا یقین اور پختہ
کیا ہے یہ گر خیالِ خام نہیں
خوب حیلہ ملا مقدر کا
ہمکو کچھ فکر صبح و شام نہیں
کچھ نہ کچھ ہو رہے گا آخر کار
شوق جسکا کہ ناتمام نہیں

مرگِ بیدل کا یار ہے خواہاں

سب طرح کی قدرتیں ہیں اور پھر مجبور ہے
منزلِ مقصود تک پہنچو گے یارو کس طرح
ایک کے مرنے سے دنیا میں کمی ہوتی نہیں
جو تجلی تھی گری اُس پر وہ یہاں ہر آن ہے
اسکی سیدھی سیدھی باتیں دلمیں چبھتی ہیں بہت
آخر کو تیرے کارن آفت پڑی اٹھانی
مُنہ سے تو پھوٹ بیدل کیا تو نے جی میں ٹھانی
وہ قہقہے کہاں ہیں وہ ولولے کدھر ہیں
اس سال خوردگی پہ چہل غضب ہے اُسکی
خود اپنی جان ہی کے یہاں پڑ رہے ہیں لالے
وہ کون سی آفت جو یہاں نہیں ہے آئی
مالِ متاعِ دنیا ہے بے ثبات کتنا
دنیا کے کارخانے دھوکے کی ٹٹیاں ہیں
دلی میں تیسر کرنا انفاسِ واپسیں کو
کمیاب ہیں انسان کے پہچاننے والے
گر میرا کہا مانے تو بیدل کو منالے
دل دیکے اونہیں لطف بہت ہمنے اُٹھائے
اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں بیمار میں تیرے
کچھ کسو ہی سے انسان کو ملتا ہے مرجاں
مجھکو بھی دکھاتی ہے دمِ سرد کی تاثیر

اُسکی الفت میں کچھ کلام نہیں

واہ کیا آزاد ہے انسانِ بے مقدور ہے
تم یہیں جاتے ہو بیٹھے اور جانا دور ہے
بھید جسپر کھل گیا حق کا وہ ہی منصور ہے
عاشقوں کا دل ہے یہ کیا مال کوہِ طور ہے
ایسا ویسا تم نہ سمجھو اسکو بیدل دور ہے
اے عمرِ رفتہ سنلے تری زبانی
تیرا اداس رہنا آفت کی ہے نشانی
روتا ہوں یاد کر کے گذری ہوئی جوانی
دنیا سے کوئی سیکھے اندازِ دلستانی
اس مُنہ پہ ہمنے کی بس گلے کی پاسبانی
اک تو ہی رہ گئی ہے اے مرگِ ناگہانی
اس پر نہ کر بھروسا دولت ہے آنی جانی
نکلا سراب آخر سمجھے تھے جسکو پانی
آساں نہیں ہے بیدل یہ آرزو بر آنی
یاں ہر کس و ناکس سے خدا کام نہ ڈالے
ملتے نہیں دنیا میں کہیں چاہنے والے
کرتے ہیں بس اب جان بھی ہم اُسکے حوالے
کیونکر تری الفت سے بھلا ہاتھ اُٹھالے
پائے وہی اُسکو جو اپنے کو مٹالے
جتنا ترے امکان میں ہو مجکو جلالے

ہے موت کا کچھ خوف نہ کچھ جسان کی پرواہ
جو مجھ پہ بلا آئی ہے فرقت میں تمہارے
شہرت سے مجھے کام نہیں اپنے سخن کے
اب سانس کے لینے کی بھی طاقت نہیں باقی

آئی ہے تو آئے کہیں جاتی ہے تو جائے
ٹلتی نظر آتی نہیں اللہ ہی ٹالے
وہ جانتے ہیں مجکو جو ہیں جاننے والے
بیدل کا بُرا حال ہے اللہ بچالے

بیدل

بیدل دہلوی - منشی مرزا بیگ خان بیدل دہلوی - نبیرۂ نواب فاضل بیگ خان عنبت جنگ وکیل سلطانی - سررشتۂ تعلیم لاہور کے رجسٹرار کے دفتر میں پچیس تیس برس سے معتمد ہیں اور اکثر اردو درسیہ کتب کی ترتیب میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں - اس وقت ۵۵ ۵۶ برس کی عمر ہے اب عرصے سے فکر سخن چھوٹی ہوئی ہے - سابقہ کلام کا انتخاب حاضر ہے -

رفو ممکن نہو یارب جو ٹکڑے ہو تو اتنا ہو
سنبھل کر قتل کر خوں بیگنہ کا چھپنا مشکل ہے
ہوا جاتا ہے یہ ایک ایک محضر خونِ بلبل کا

دل وسینہ جگر جیب و گریباں آستیں دامن
لہو میں ہوں نہ تر جیب و گریباں آستیں دامن
نہ گل چن چن کے بھر جیب و گریباں آستیں دامن

پسِ حشر بھی ہے کوئی اور فردا
کہ یہ دن بھی پورا ہوا چاہتا ہے

سچ ہے چھری غریب پہ ہوتی ہے سب کی تیز
کب تک یہ ضبط نالۂ آتش فشاں رہے
عیش و نشاط صحبتِ یاراں کہاں رہے
عنقا سے نکتہ ہاتھ لگا ہے ہمیں یہ خوب
حالِ دل کی کچھ پریشانی نہ پوچھ
دے گئی موت بھی آخر کو جواب
چارہ کر کے دوا ہوں گے خجل

چھیڑا صبا نے زلف کو مجھ پر عتاب ہے
کہدو کہ ہوشیار بس اب آسمان رہے
مانا جہانئیں آپ خضر جاوداں رہے
شہرت جو چاہیے کوئی یہاں نے نشاں رہے
مو بمو صورت ہے زلفِ یار کی بو
رہ گئی مرنے کی حسرت کیسی
تیرے بیمار کو صحت کیسی

بیدل

بیدل - حاجی واحد نور خاں باشندہ باندہ آخر آخر میں آپنے منشی امیر مینائی سے تلمذ اختیار کیا تھا آجکل جاورہ میں ملازم ہیں - اور وہاں سے ایک رسالہ بھی نکالا ہے

ہجر میں جینا تو کیا مرنا بھی مشکل ہوگیا
آہ تو غارت نہ کیوں پہلے ہی اے دل ہوگیا

مار ڈالا آپکی لطفِ عیادت نے مجھے
جو مسیحا بن کے آیا تھا وہ قاتل ہوگیا

قطعہ

صیاد قفس میں نہیں ہم آپ سے آئے
کچھ پانی تھا تقدیر سے کچھ دانہ ہمارا

دور افتادہ یارانِ گلستانِ وطن
تجھکو پیغام یہ اے بادِ صبا دیتے ہیں

ہمصفیروں سے یہ کہنا کہ گرفتارِ قفس
یاد کرتے ہیں تمہیں اور دعا دیتے ہیں

تم ہمیں بھول گئے یہ تو نہ تھی شرطِ وفا
دیکھنا تو کہ جواب اسکا وہ کیا دیتے ہیں

بیمار ہوں میں نرگسِ بیمار یار کا
بیمار سے مریض کو حاجت دوا کی ہے

بیدل

بیدل لالہ سنگل سین ۔ جھنجھیانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور آجکل علیگڈھ میں رہتے ہیں مولانا شوکت سے فن سخن میں استفادہ کیا ہے ۔ ۲۵ برس کی عمر اور یہ نتائج افکار کا خلاصہ ہے ۔

اے خوشا جلوۂ نیرنگیِ سبزانِ چمن
اے خوشا شیوۂ بدمستیِ مستانِ بہار

صلح پرواز نسیم سحری بیچ میں ہے
گل و بلبل ہیں نئے رنگ سے مہمانِ بہار

ساغر و لالہ و گل بہتے ہوئے پھرتے ہیں
آگیا بھرے ناب میں طوفانِ بہار

آؤ اور آکے مسیحائیِ قدرت دیکھو
آگئی قالبِ نظارہ میں پھر جانِ بہار

رنگ کے پردے میں اب بکتی ہے صہبا فرنگ
کھولدی جلوۂ بدمستی نے دُکانِ بہار

یکتائے صنم سے دوئی دو بدو نہو
تو ہو بسا ہوا تو تری آرزو نہو

کہتی ہیں رشکِ حسن سے دل کی صفائیاں
اے کاش آئینہ بھی ترے رُو برو نہو

ابرِ بہار دھوئے رُخِ گل ہزار بار
تیری سی آب و تاب نہو رنگ و بو نہو

بیکسی بنے روشنی مرے شمعِ مزار کی
وہ شعلہ رنگ گرمیِ بزمِ عدو نہو

بیدل کا خوں اگر نہوا تیغِ ناز سے
پھر یہ شہید روزِ جزا سرخرو نہو

جگر ٹکڑے ہوا تیرے بیاں سے
خبر لایا ہے اے قاصد کہاں سے

مرنے آتے ہیں انکو امتحاں سے | نیا دل لاؤں میں ہر دم کہاں سے
دعا سے مرگ سے بھی ہاتھ اٹھایا | کہ آخر کام ہے اک بدگماں سے

بیدم

بیدم — مولوی غلام جیلانی۔ ایک قدیم تذکرہ میں انکا بہت سا کلام نظر سے گذرا۔ مگر حالات مطلق معلوم نہ ہوئی۔ زبان بہت صاف۔ شیریں اور طرز بیان بے تکلف اور صاف ہے۔ اور نزاکتِ معنی کے پہلو بھی جابجا اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ آپ نے شاہ عالم ثانی کے عہد میں نشو و نما پائی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ کمال نے جلا نہ پائی اور قبول عام کے دربار سے محروم رہے۔ معاملہ بندی بھی اچھی ہے اور اُس زمانے کے لحاظ سے نشست قافیہ و بندش الفاظ بھی قابل تعریف۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خیال ما و منی جسنے دل سے دور کیا | خدا کے نور نے اُس دل میں آ ظہور کیا
سلوک سنگدلوں کا نہ پوچھ اے ہمدم | مرا یہ شیشۂ دل لے کے چور چور کیا

جس ادا سے ہے اُس جواں کی ادا | کون رکھتا ہے ایسی بانکی ادا
سنکے کیا اپنے بے ادب کی ادا | گرد ہے جسکے آگے سبکی ادا
کج نگاہی سے دیکھنا اُسکا | ہائے رے شوخ پر غضب کی ادا
زخم کرتی ہے دل پہ جیوں شمشیر | مسکرانے میں اُسکے لب کی ادا

گیا ہے گھوڑا کیو خیز کرتا اُدھر سے وہ شہسوار میرا | ہو کیوں نہ آنکھوں میں دوستوں کی برنگ سرمہ غبار میرا
تھی شہر سے سخت مجکو اُلفت رہا نہ مجنوں صفت تئیں میں | پھپھولے پڑتے تھے پاؤں کھینچے تھا گرچہ دامانِ خار میرا
میں خاک غربت میں رل گیا ہوں برنگ اشک روانِ بیدم | کسی کی آنکھوں کے شوق میں آہ جب سے چھوٹا دیار میرا

کس کی تو جستجو میں آہ پھرتا ہے بیدم ابر سا | نعرہ زناں و گریہ ناک خاک بسر برہنہ پا

اُس چشم سرمہ سا نے جی سے جہان مارا | ہندوستاں سے لیکر تا اصفہان مارا

سمجھے جو کوئی محرمِ اسرارِ غیب ہو | تیرے دہانِ تنگ کی ہمنے نہ پائی بات
عالم نے دیکھ سوزِ دل اور چشم تر مری | سو سو طرح کی اُس سے لگائی بجھائی بات

سنگِ گراں کسی نے اُٹھایا تو کیا ہوا
زور آور اُسکا نام ہے جسنے اُٹھائی بات

رہتے ہیں شور کناں نالہ و افغاں باہم
جیوں سبق پڑھتے ہیں اطفالِ دبستاں باہم

بہتی ہے نہر شور سے اپنی مدام چشم
اک بحر ہے عظیم کہ جس کا ہے نام چشم

کس گل کی اس چمن میں ہے دیکھی بہار چشم
جوں شبنم اب جو روتی ہے تو بار بار چشم

خوباں ہمیں بھی آن کے دیکھا کرو کبھی
پُر آب ہم بھی رکھتے ہیں آئینہ وار چشم

بیدم میں آج ہند میں ہوں فخر شاعراں
طاقت ہے کس کی ہووے جواب مجھسے چار چشم

ہیں ظالم اتنی اُس کافر بے پیر کی آنکھیں
کہ جسکو دیکھ کے پھر اگئیں جوان و پیر کی آنکھیں

تری ابرو کو گریں دیکھکر رووں عجب مت کر
کہ اکثر دیکھتی ہے خلق ماہِ نو کو پانی میں

سوادِ چشم ہوا یوں سب بیاض رونے سے
سپید ہوتی ہے جیسے کتاب دریا میں

یہ کس کے لشکرِ سیلاب اشک کی خاطر
خیم حباب میں موجیں طناب دریا میں

ہے رشح خامۂ بیدم غزل کے بحر میں یوں
کہ جیسے برسے اُتر کر سحاب دریا میں

او رے اے شعلہ خو کہ شب ترا ملنا میسر ہو
برنگ شمع تیری بزم میں جو خاک آکر ہو

گر چڑھے ناز کے توسن پہ کمر باندھ کے تو
لاوے فتراک سے اک خلق کا سر باندھ کے تو

قید اِس دلکو کیا ہے کمر نازک نے
ہے بجا مجھکو رکھے موئے اگر باندھ کے تو

اے وہ نی کھب گئے کیسہ تو اڑا گل کی طرح
مت رکھے غنچہ نما گانٹھ میں زر باندھ کے تو

دل میں رہ جائے نہ تا حسرتِ دیدار کہیں
قتل مت کیجو مرے دیدۂ تر باندھ کے تو

آبرو سے ہے دلا قیمت و قدرِ عالم
یہ سخن گانٹھ میں رکھ مثل گہر باندھ کے تو

ایک شب بخت سے پائی تھی ملاقات کی راہ
پھر کسی دن ملے اللہ اُسی رات کی راہ

شیخ کل واسطے تو بیدم کو تو لایا تھا اُٹھا
آج اُس رند نے پھر لی ہے خرابات کی راہ

خاک سے جیوں نقشِ پا ہو کیوں نہ مایوسی مجھے
خوش لگی ہے خوبرو یونکی قدمبوسی مجھے

جس سنگدل پہ اپنی یہاں اندنوں نظر ہے
تصویر اُسکی ویسے اب نقش کالحجر ہے

کب منفعت کسیکو خوش قامتوں سے پہنچے
گلشن میں سرو کیا دیکھو تو نے ثمر ہے

گلستاں ترک کر اے باغباں ہم نہیں جا بیٹھے
تمہارا جیسا جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے

یہ طفلِ سرشک اپنا اُستاد ہے
محیطا اسکو یارو رواں یاد ہے

خیالِ زلف و رخ میں نت مری اوقات کٹتی ہے
اسی میں دن گذرتا ہے اسی میں رات کٹتی ہے

جفا تو نے وفادار و پہ یہ کیبار ایسی کی
کسی نے آجتک سُنی ہے نے کینے یار ایسی کی

جفا کر کر وفا کیا چاہتا ہے بے نیاز و نسے
جو تو نے ہمسے وسی کی تو ہمنے یار ایسی کی

خطِ ترا غیرتِ ناموس نظر آتا ہے
مالکِ زنگ و شہرِ روس نظر آتا ہے

اب دیکھ ترے عقیق لب کو
انگاروں پہ لعل لوٹتا ہے

نشاں سمجھ اور بنا یا چمن میں بلبل کا
پڑے ستے مشت پر اُکجا یہ آشیاں کے تلے

ہوں شاہِ کشورِ دیوانگی کہ ہے اپنی
ہزار فوج غم اس آہ کے نشاں کے تلے

بلند مرتبہ عرشِ آشیاں ملا ہے انھیں
مکان حضرتِ بیدم ہے لامکاں کے تلے

کیا کیجئے کہ عشق سے اپنا بدن جلے
کیونکر کوئی بجھا دے جو آتش سے بن جلے

جب آیا کھینچکر مجھپر وہ تیغِ ابرواں اپنی
گئے صبر و قرار آگے چلی پیچھے سے جان اپنی

ٹالتا ہے وصل کے وعدو پہ وہ برسوں مجھے
روز بتلاتا ہے ظالم آج کل پہ سوں مجھے

رکھیں کب داغ سے اپنا دلِ پُر درد ہم خالی
جہاں سمجھے ہی کھوتا ہو جو سکے سے درم خالی

یہ بختی سخن سنجو نکو لازم ہے سمجھ دیکھو
نہیں چلتا ہے جب ہو وے سیاہی سے قلم خالی

نہ پوچھ اے ہمنشیں باعث تو بیدم کے نہ ملنے کا
نہیں رہتا ہے وہ آہ و فغاں سے ایکدم خالی

بسکہ دلِ میرا وصالِ یار سے مایوس ہے
جو سخن ہے لب پہ یہاں سو حسرت و افسوس ہے

اے کیا کیجے کہ مائل ہے یہ دل تیری طرف
اور خاطر آپ کی اغیار سے مانوس ہے

گرچہ اب ہو رنگ سی مثلِ حنا خوں کیجیے
کس کو دنیا میں ہتیریاں ترا پابوس ہے

بزم میں اُس شمع رو کی یار بیدم کب ملے
سر پر اپنے سایہ افگن طالعِ منحوس ہے

ہے وبالِ سرکمال اپنا کہ ہم اس باغ میں
کب نظر میں اُنکی آوے جلوۂ گل عندلیب
کچھ نہ ہمسے سادہ لوحوں نے ہوا جوں آئینہ
کوچے کی راہ تیری اے شوخ کم چلی ہے
سیمیں تنوں کی شہرت ہر نام عشق سے یہاں
بیمار چشم کو تو آ دیکھ اپنے ورنہ
مانندِ خامہ بیدم ہوں کیا سیاہ بخت آہ
اشک میں لکھتا ہے ڈوبا چرخ دولابی مجھے
گرم دیکھا ہے سمندِ ناز کو کس شوخ کے
ہوں مریضِ عشق دیجو اے طبیبِ حسن تو

زیرِ جورِ سنگ نخل پر ثمر دیکھا کئے
جو مدام آنکھوں نے یاں لختِ جگر دیکھا کئے
عنبر کی بید میں مگر عیب و ہنر دیکھا کئے
شمشیر ہی وہاں پر اک دم بدم چلی ہے
نے سکہ بھی جہان میں کوئی درم چلی ہے
مثلِ حباب ورنہ چھاتی میں دم چلے ہے
زنجیر پا میں میرے میرا ہنر ہوا ہے
مردمک آسا کیا ہے مردم آبی مجھے
برق کی مانند رہتی ہے جو بیتابی مجھے
جائے شربت بوسہ لبہائے عنابی مجھے

بیرنگ ۔ دلاور خان دہلوی شعرائے قدیم میں مرد سپاہی پیشہ اور مصطفیٰ احسان یکرنگ سے مستفیض تھے طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتے تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ یہ انکا کلام ہے۔

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا
میں تو لکھتا تھا اُسکو خط بیرنگ
نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
سدا بیدار رہ غفلت سے ہوتر ش
دلکو تجھ عشق سیں قرار نہیں

کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا
دوانا ہوں میں گل کی رنگ و بو کا
مثل مشہور ہے سویا سو چوکا
اب تلک تجھکو اعتبار نہیں

مفلس کی خبر ہے اے سیم بدن تجھکو
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی

افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ
شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

بےصبر ۔ لالہ بالمکند بےصبر متوطن سکندر آباد ضلع بلند شہر خلف لالہ کانجی مل کا ستھ

بیرنگ

بیصبر

بھٹناگر و شاگرد مرزا غالب و منشی ہرگوپال تفتہ - پندرہ برس کے سن سے شعر گوئی کا شوق ہوا - فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے - ایک مثنوی بھی لکھی تھی سترہ برس کی عمر سے سینتیس برس تک مناصب داروغگی و منشی گری پر سرکار انگریزی میں مامور رہے مدت تک دہلی میں رہنے کا اتفاق ہوا جب تک مرزا زندہ رہے ہمیشہ دوسرے تیسرے مہینے آتے رہتے تھے سنہ ۱۳۰۲ھ میں ستر برس کا سن تھا - مشاق اور موزوں طبع شاعر تھے - یہ انکا کلام ہے -

بے ہوئے میرے نہ آیا تو ہوا ہموت میں
تجھکو آساں مشکل اور مشکل مجھے آسان ہوا

گھر ہوا ویران جب اپنا گھر ہوا ویرانہ میں
مین رہا صحرا میں صحرا میرے گھر مہماں ہوا

تنگ ہوں یہ اپنی وحشت سے کہ صحبت ہے مری
تنگ یہانتک آگیا صحرا کہ خود زنداں ہوا

شعر سنکر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ
اب وہی بیصبر دیکھو صاحب دیواں ہوا

مدعا گر ہے تو یہ ہے عاشق دلگیر کا
اشک میں ہونا اثر کا آہ میں تاثیر کا

بیخودان عشق کو کیا حاجت ترک لباس
تن سے پیراہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا

عیاں جب اپنا فروغ کمال تونے کیا
تمام کردیا مہ کو کمال تونے کیا

خودی کی وہ جب علت ہوئی خود نگئی باقی
جسے ہم ڈھونڈتے تھے ہوگئے گم جب اسے پایا

دل اپنا قابوے زلف دوتا میں ڈالدیا
الٰہی تونے مجھے کس بلا میں ڈالدیا

صبا نے کیا یہ خطا کی کہ زلف اسکی ہلا
ختن میں زلزلہ لرزہ خطا میں ڈالدیا

تجھسے کیا اسکا گلہ کیا تیرا احساں مجھپر
غیر پر تیر چلایا تھا مرے آن لگا

کچھ میں کہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ کیا چاہتے ہو
چپکے بیٹھے نہیں رہتے ہو اٹھا چاہتے ہو

رخصت وہ ہوا اشک ہمارے نکل آئے
خورشید کے چھپتے ہی ستارے نکل آئے

بوٹا سا قد چھریرا بدن جیسے سارنگ
بھولی سی صورت آنکھ بجائی ہوئی سی ہے

بیفکر - منشی ہرپرشاد بیفکر لکھنوی - آجکل کے نومشق کہنے والوں میں ہیں

یہ کلام ہے

زندگی میں جب شریکِ دردِ دل کوئی نہیں	بعد مُردن کون ہوگا نوحہ خوانِ اہلِ درد
دھواں جو آہ کا میرے بلند ہوتا ہے	فلک پہ سب اُسے کالی گھٹا سمجھتے ہیں
خدا نے جنکو عطا کی ہے عقل و دانائی	بتوں کو دل کہیں بے آزملئے دیتے ہیں
ایسا استغنا انہیں اپنی مسیحائی کا ہے	دیکھکر بیمار کو کہتے ہیں مرجانے بھی دو
اِس زمانہ میں وہ خوش ہے جو مروت نکرے	رات دن رنج اٹھاتے ہیں مروت والے

بیقرار — میر کاظم حسین بیقرار ہمشیرزادہ نواب سید رضا خاں مختار شاہ عالم ثانی۔ شاہ نصیر کے شاگرد اور اُستاد ذوق کے ہم مشق تھے۔ دیوان ذوق مرتبہ مولانا آزاد میں آپ کا مفصل حال درج ہے۔ بڑے موزوں طبع اور ذہین نوجوان تھے مگر افسوس کہ باوجود تلاش صرف یہی دو شعر ملے۔

جس طرف پھر نارہا یار رو وہ رشکِ آفتاب	جوں دلِ خورشید دل اپنا مقابل رہگیا
رخ سے گر زلفیں اُٹھیں تو چھوڑ دی اُسنے نقاب	اِک نہ اِک پردہ ہمارے اُسکے حائل رہگیا

بیکل — سید عبدالوہاب۔ دولت آباد دکن کے باشندے اور سید مرتضٰی خاں قلعہ دار دولت آباد کے عزیز تھے۔ سید عبدالولی عزلت سے اصلاح لیتے تھے۔ فارسی میں افتخار اور ریختہ میں بیکل تخلص کرتے تھے۔ مکرمی منشی سید علی اصغر صاحب کی بیاض میں انکا کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کوہ بھی ہنگامِ بارش میں عروس وقت ہے	سر پہ اُسکے سہرا مروارید کا ہے آبشار
عشق میں بھی ثابتی ہے مجھ دلِ بیتاب کو	بر سرِ آتش یہ دیکھا بس اسی سیماب کو
تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا	دوانوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں متوالے
آج دل پھر تڑپ میں آیا ہے	کس پری کی جھپ میں آیا ہے

بیمار — شیخ علی بخش بیمار ولد شیخ غلام علی ساکن شہر بانس بریلی۔ شاگرد رشید میاں

مصحفی و احمد خاں غفلت - فارسی عربی میں استعداد کامل رکھتے تھے طبیعت مضمون خیز اور زبان نہایت صاف و شیریں پائی تھی - نواب محمد سعید خاں والیِ رامپور کی فرمائش سے بوستانِ خیال کے کچھ حصوں کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا تھا کئی دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر سب کے سب پریشان ہو گئے ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۱ھ میں ستر برس کی عمر میں انتقال فرمایا رامپور مراد آباد میں ان کے شاگرد بکثرت تھے جنمیں منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے درجۂ امتیاز پایا - سوز و درد کے مضامین بالخصوص نہایت موثر و دلکش پیرایہ میں نظم کیا کرتے تھے -

کون پرساں ہے حالِ بسمل کا ۔ خلق مُنہ دیکھتی ہے قاتل کا
لبِ جو کون سیر کو آیا ؟ ۔ موج مُنہ چومتی ہے ساحل کا
سانس آہستہ لیجئے بیمار ۔ ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا
نہ بناتا جو دن جُدائی کا ۔ کیا بگڑتا تری خدائی کا

شک ہمیں اپنے صنم کی بے نیازی میں نہیں ۔ دل کے لینے کا خدا جانے سبب کیا ہو گیا
ہائے رے شوخی کہ آ پہونچا جو وہ گھر تک مرے ۔ پھر گیا دربان سے یہ کہکر کہ دھوکا ہو گیا
جس کسی سے دل دیا اُنکو چھپے چوری دیا ۔ ایک میں کم بخت ناداں تھا کہ رسوا ہو گیا

دل چاک چاک ابروے خمدار نے کیا ۔ کعبہ کو کربلا ترے تلوار نے کیا
بیمار رہ چکے ہیں ابھی تو وہ امتحان ۔ کمبخت پھر وفا کا تجھے حوصلہ ہوا
مسجد میں دی شراب پڑھی دیر میں نماز ۔ بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں

موت سے بھاگنے لگے بیمار ۔ کیا اُسے تم شکستہ پا سمجھے
اور مطلب آہِ سوزاں سے نہیں ۔ خاک ہونے کی تمنا ہے مجھے

بیمار کو غفلت سے ہے بہت خیر نہیں آج ۔ ہر چند کہ تھی حالتِ غش کل مگر ایسی
ہر روز وہ پھر جاتے ہیں در تک مرے آکر ۔ کچھ جذبِ محبت کو لگی ہے نظر ایسی

کمندِ عشق میں جسپہ کیا اسیر مجھے
گیا نہ بزم بتاں میں نہ آپ میں آیا
کیا سفر کا ارادہ جو بزم جاناں سے
کہیں سُنی ہیں یہ نازک مزاجیاں بیمار
جنت میں حیاتِ ابدی خاک ملے گی
اَب اور آرزو نہیں اسے خدا اب مجھے
یا تو دُنیا سے الٰہی دلِ شیدا اوٹھ جائے
نہ رہنے دے گی وحشت تنگدے میں
حالِ دلِ بیمار نہیں ضبط کے قابل

عدم میں کیا وہ خدایا ہوئی خطاب مجھے
کہیں نہوں سگے زمانے میں نارسا مجھے
کوئی گلے نہ ملا موت کے سوا مجھے
کہ اُٹھ سکی نہ حسینوں کی التجا مجھے
دنیا میں تو مانگی نہ ملی موت خدا سے
کیا ور دل دیا کہ سبھی کچھ دیا مجھے
وصلِ معشوق کی یا دل سے تمنا اُٹھ جائے
اُٹھو بیمار جو مرضی خدا کی
لیکن وہ زباں مجھکو ہلانے نہیں دیتے

بیمار - حکیم محمد مراد علی بیمار خلف مولوی سید کرم علی عرف میاں کریم جی زمیندار موضع دولت پورہ معروف برائے سنگھ پورہ پرگنہ نتور علاقہ بیکانیر مطبع راجستان کے مالک راجپوتانہ گزٹ اجمیر کے ایڈیٹر تھے ان کے بزرگ حضرت پیران پیر کی اولاد امجاد اور خاندان سیادت قصبۂ شاہ ڈھوڑہ واقع پنجاب سے ہیں انکے دادا سید احسان علی صاحب کو مہاراجہ صورت سنگھ مرحوم سابق والیِ بیکانیر نے بعوض معالجہ مہارانی صاحبہ جاگیر عنایت کی تھی۔ چنانچہ اُسی زمانہ سے علاقہ بیکانیر میں بود و باش رہی پیری مریدی اور جاگیر پر معاش ہے۔ سولہ برس کی عمر میں نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر تین برس تک علم عربی و فارسی حاصل کیا انہیں دنوں مرزا غالب دہلوی مرحوم کی خدمت میں بھی کچھ دن حاضر رہے پھر سیاحی کا خیال آیا تو کشمیر۔ کاشغر۔ حبش تک دیکھ آئے ہندوستان واپس آکر چند سال محکمہ پولیس میں سررشتہ دار و انسپکٹر رہے اب عرصے سی شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ جنگ نامہ روم و روس۔ مسائل خمسہ وغیرہ انکی تصنیف سے ہیں طبیعت حاضر جواب ہے۔ اور زود نویس بھی ہیں۔

بیمار

اکثر اودھ پنچ دہلی پنچ وغیرہ میں آپ کے مضمون شائع ہوئے ہیں بروقت ترتیب تذکرہ چند غزلیں ملاحظہ ہوئیں اِن میں سے چند شعر انتخاباً لکھے جاتے ہیں۔

چڑھ گئے رندوں کے ڈھب پر آج حضرت شیخ جی	کھُل گیا چھِما میاں کے زہد نے بنیاد کا
عاشقِ زار کو ہرگز نہ ستاتا ظالم	خوف کچھ بھی جو تجھے ہائے خدا کا ہوتا
ہم مرگئے تس پر بھی خطا وار ہی ٹھیرے	اندھیر یہ ہمنے تیری سرکار میں دیکھا
اِس ہستیِ موہوم پہ نازاں نہ ہونا داں	اکدم کا بھروسا نہیں بیمار یہاں کا
نام والوں کے مٹائے ہیں سب نام و نشاں	اے فلک ہمکو بتلا تجکو حاصل کیا ہوا

بیمار ۔حکیم جعفر علی خلف حکیم سکندر علی مرحوم متوطن ضلع میرٹھ علم عروض کی تحصیل مولانا محمد حسین آزاد دہلوی سے کی تھی علوم مشرقی سے اچھی طرح ماہر ہیں تاریخ گوئی کا شوق زیادہ ہے ۱۳۰۳ء میں ۴۰ سال کی عمر تھی اور مہاراجہ کپورتھلہ کے ہاں بزمرۂ اطبار ملازم تھے یہ اسکے اشعار ہیں۔

صیّاد کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے	کل دیکھا تڑپتا جو تہ دام ہمارا
دامن کو میرے خون سے قاتل بچائیو	کہتے ہیں چھوٹتا نہیں دھبّا لگا ہوا
اک زمانہ تھا کہ پابند تعلق میں بھی تھا	اب تو میں آزاد ہوں شاگرد ہوں آزاد کا

بینوا ۔مقبول شاہ نام۔عنفوان شباب میں ظاہری تعلقات دنیاوی ترک کرکے مولوی محمد رفیع الدین کے مرید ہوگئے۔علاوہ عاشقانہ شاعری کے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔اور اس فن میں حافظ محمد حفیظ المتخلص بہ حفیظ سے اصلاح لیا کرتے تھے واقفیت فن شاعری میر عزت اللہ عشق سے حاصل کی تھی۔میر و سودا کے ہمعصر اور ۱۱۸۰ھ تک زندہ دہلی میں موجود تھے یہ کلام اُن کا ہے۔

پڑے دستِ جنوں کرپا تھ ہم حسد ان کے ہمدم	گریباں ٹکڑے ٹکڑے دھجیاں داماں کی تھی ہر ہر
یہ رتبہ ہمنے پایا عشق میں اُس شاہ خوباں کے	بندھے ہیں سر پہ سیلے اور فقیری شان تھی بر بر

کہیں اُس زلف کی لٹ کھل گئی ہے	چلی آتی ہے بو مشکِ ختن کی
شہید تیغ ابروئے بتاں ہوں	مجھے حاجت نہیں تیغ و کفن کی
جب کہ مضمونِ کمر پیش نظر آتا ہے	بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

بینوا

بےنوا۔ انکا اصلی نام تحقیق نہیں ہوا۔ فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے زمانے میں ہولی کے موقعہ پر کچھ لڑائی دنگا ہوا اور ایک جفت فروش سکرن جوہری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسپر شہر کے جفت فروشوں نے بلوہ کردیا اور جامع مسجد میں ہجوم کرکے امام کو خطبہ پڑھنے سے روکدیا۔ نواب ظفر خاں روشن الدولہ ملقب بہ طرّہ باز خاں نے اُس جوہری کو اپنے مکان میں پناہ دی اور نواب وزیرالممالک قمرالدین خاں اعتمادالدولہ جفت فروشوں کے حامی و مددگار رہے۔ آخرانِ دونوں امرائے ذی اقتدار کے مابین سخت ہنگامہ ہوا اور بیسیوں آدمی طرفین سے کام آئے۔ نواب ظفر خاں کے اُس فتنہ و فساد میں کسی جوتے والے نے جوتا مارا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

آنچہ برفرقِ ظفر خاں ازخدا افتادہ است	من چہ گویم معنی آں پیش پا افتادہ است

حضرت بینوا نے اس معرکہ کی کیفیت ایک مخمس میں رقم کرڈالی جو مدتوں تک عوام کے زبان زد رہی۔ اُسکا ایک بند نقل کیا جاتا ہے۔

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نا بکار	مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار؟
جوتی فروش مرد مسلمان دیندار	مردود جوہری نے کیا ہے ستم سے مار

سنگِ جفا سے چور کیا لعلِ آبدار

کتنوں کو مار جیسے قضا نے گرا دیا	کتنوں کا جی بچا کے بہت ہڑ بڑا دیا
کاغذ پہ بینوا نے یہ سنکر چڑھا دیا	لکھتا ہے مار جوتیوں طرّہ اڑا دیا

تاحشر ہر زبان پہ رہے گا یہ یادگار

بیہوش

بیہوش۔ ایک قدیم سخنور کا تخلص ہے۔ جنکا نام معلوم نہو سکا۔ قلمی مسودات

محررہ ۱۱۶۸ھ میں ان کی چند غزلیں ملیں اونمیں سے چند شعر منتخب ہو کر درج ہوئے شاہ حاتم اور میرزا رفیع السودا کے ہم عصر تھے ۔

روان گھر اپنے سے جس دم وہ کافر شوخ چنچل ہو ۔ تو پھر اوس دم یہی جا ہو قیامت ہو اور ہلچل ہو

زری کی اوڑھنی سر پر سراپا اور جھلا جھل ہو ۔ جھلک سے شمس تاباں کی جھلک کچھ اسکی نقل ہو

گندھی ہو مانگ میں موتی کھنچے ہوں بال کنگھی سے ۔ جڑی مسی ہو دانتوں میں لگا آنکھوں میں کاجل ہو

شکر آلودہ لب ہو ویں دہن ہو میم کی صورت ۔ صراحی کیسی گردن ہو شکم مانند مخمل ہو

جب اس سج وہج سے بن ٹھنکر دکھا دے وہ غضب عالم ۔ تو ممکن کیا کہ جو دیکھے سو وہ اسپر نہ بیکل ہو

عجائب شعر پر مضموں کہا بیہوش جو تو نے ۔ غزل اک اور لکھا سپر کہ اس سے بھی مسلسل ہو

بیہوش

بیہوش ۔ لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنو سنہ ۱۸۸۰ء تک حیات تھے ۔ زیادہ حال معلوم نہیں ۔

دیتے ہیں بے قصور جو یوں گالیاں مجھے ۔ سمجھے ہوئے ہیں آپ مگر بیزباں مجھے

اک دار اور جس میں کہ قصہ ہو مختصر ۔ قاتل نچھوڑ بہر خدا نیم جاں مجھے

ہر چند کی ہے دیر و حرم میں بہت تلاش ۔ ملتا نہیں ہے یار کے گھر کا نشاں مجھے

بیہوش حد سے بادہ پرستی گذر گئی ۔ ہر دم یہ طعنے دیتے ہیں پیر و جواں مجھے

تمت ردیف الباء

صحت نامۂ تذکرۂ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید

نمبر	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱	۲	۳	مطبع میں	مطبع سے	
۲	۱۰	۷	ڈیوڑی	ڈیوڑھی	
۳	۱۵	۱۰	گفتنت میں	گفتنت دونوں میں	
۴	۱۲	۷	سیر باغ	سبز باغ	
۵	۱۴	۴	دانوں شعر	زبانوں میں شعر	
۶	〃	۲۰	مس	میں	
۷	۲۳	۲	بوچھار	بوچھاڑ	
۸	۲۶	۸	ضمین	ضمنیں	
۹	〃	۱۶	سبحۃ المرجان	سبحۃ المرجان	
۱۰	〃	۳۰	مآثر الکلام	آثر الکلام فی	
۱۱			فی تاریخ بلگرام	تاریخ بلگرام	
۱۲	۲۷	۸	تو ہے	سے ہے	
۱۳	〃	۱۵	رو بر	رُوبرو	
۱۴	۳۱	۱۲	سلوک ہو رہے تھے	سلوک کرتے	
۱۵	۳۳	۶	یادگا	یادگار	
۱۶	〃	۱۵	تطہورا	ظہور	
۱۷	۴۶	۱۵	نوک جھوک	نوک جھونک	
۱۸	۴۸	۱	ب	پ	
۱۹	〃	۲	دیار	یار	
۲۰	۴۹	۳	ساقی کا	ساقی کی	
۲۱	〃	۸	سخن	سخن سنج	
۲۲	〃	۲۰	سنو	سبو	
۲۳	۵۰	۷	حور معصورات	حور مقصورات	
۲۴	〃	۱۰	ترجمہ	یہی ترجمہ	
۲۵	۵۲	۳	بادشاہ	اور بادشاہ	
۲۶	۵۳	۱	—	—	آذر برحاشیہ
۲۷	۵۴	۲	خوش مزاج	خوش طبع	
۲۸	۵۵	۱۱	تناخر	تنافر	
۲۹	۵۶	۹	رونا	روتا	
۳۰	〃	۱۴	کی انتخاب	کے جواب	
۳۱	۵۸	۱	دہلو	دہلوی برحاشیہ	
۳۲	۶۲	۱۴	مراۃ الاسطلاث	مراۃ اصطلاحات	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۳۳	۷۰	۱۵	کھلتا	کھِلتا	
۳۴	۷۱	۳	نیو	بتو	
۳۵	۸۰	۱۳	کتری	کھتری	
۳۶	۸۴	۱۳	پر	تے	
۳۷	"	۱۴	مکیدے	بت کدے	
۳۸	۸۴	نوٹ	چو	جو	
۳۹	۸۶	۱۳	کیجیو	کیجو	
۴۰	۸۹	۲	اصرالدولہ	ناصرالدولہ	
۴۱	"	۷	ولہاسالیو	ولہاراسیو	
۴۲	۹۱	۱۹	رئیس	بادشاہ	
۴۳	۹۳	۳	سینے	سُنے	
۴۴	"	۱۱	کو	کی	
۴۵	۹۵	۱۱	چھوٹے	جھوٹے	
۴۶	۹۶	۷	سکتے ہیں	کہتے ہیں	
۴۷	۱۱۰	۳	کی د	کی ×	
۴۸	۱۱۴	۲	نین	میں	
۴۹	۱۲۰	۱۰	کوکیا	کیا	
۵۰	"	۱۰	ہیں	ہے	
	۱۲۰	۱۹	فعلن	فَعِلن	
۵۱	۱۲۳	۱۱	ساعی	ساعی	
۵۲	۱۲۸	۱۰	توتعجبات	تعجبات	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۵۳	۱۳۵	۱۱	نکہت	نگہت	
۵۴	۱۳۶	۱۳	آبسے	آب سے	
۵۵	۱۴۰	۴	زلفت	زلف و	
۵۶	۱۴۱	۵	سن وہ	سن کے وہ	
۵۷	۱۴۳	۱۳	مری	میری	
۵۸	۱۴۵	۶	اٹھاسے	اٹھالئے	
۵۹	۱۴۷	۹	سوائے	رسوائے	
۶۰	۱۵۳	۴	ناز	تاز	
۶۱	۱۶۳	۷	کا	گا	
۶۲	۱۶۵	۱۴	سو	ہو	
۶۳	۱۶۹	۱۷	و	دو جگر	
۶۴	۱۷۷	۵	ماہور	لاہور	
۶۵	"	۱۸	کو	لو	
۶۶	۱۷۸	۷	پھیرلے	پھیر لیے	
۶۷	۱۹۱	۶	نوجوان	نوجوانی میں	
۶۸	۱۹۲	۲	ملاکر	جلاکر	
	۱۹۳	۱۱	ہاں	ہا	
۶۹	۱۹۵	۱۱	سیزا	سبزا	
۷۰	۱۹۹	۵	جرت	جرأت	
۷۱	"	۱۳	لکے	لگے	
۷۲	۲۰۱	۸	سے	کے	

نمبرشمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۷۳	۲۰۵	۷	لاڈلالا	لاڈلا	
۷۴	۲۰۸	۷	انتراع	انتزاع	
۷۵	”	۴	چاہیے	جاسکے	
۷۶	۲۱۱	۱۰	اچہل	اچھل	
۷۷	۲۱۶	۴	چاہیے	جاسکے	
۷۹	۲۱۱	۱۶	گگی	گئی	
۸۰	۲۲۴	۶	بیچ	پیچ	
۸۱	۲۲۷	۳	ہوتی ہوتی	ہوتی	
۸۲	۲۳۱	۹	اب	تم اب	
۸۳	۲۳۳	۱۹	اورمیدان	اور یہ میدان	
۸۴	۲۳۶	۱۰	رلاتا ہے	رلاتے ہیں	
۸۵	۲۳۸	۱۵	کو	لو	
۸۶	۲۴۱	۳	تڑپ کو	تڑپ کر	
۸۷	۲۴۳	۱۰	یہی ہے	یہی	
۸۸	۲۵۶	۱۴	آتے	اسے	
۸۹	۲۵۸	۲۰	معبو	جو	
	۲۵۹	۱۳	لب یا	لب یار	
۹۰	۲۵۹	۱۵	انھیں	اُنھیں	
۹۱	”	۲۰	تیری	میری	
۹۲	۲۶۲	۱	—	ارشاد ہو شیشہ	
۹۳	”	۷	لایق	طریق	

نمبرشمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۹۴	۲۶۳	۱۳	شعری تھے	کی کہتے	
۹۵	۲۶۴	۱۳	شادات	شاداں	
۹۶	۲۶۵	۱۱	لئے تھے	لئے گئے تھے	
۹۷	”	۲۱	رہ	رہے	
۹۸	۲۶۶	۱۵	کہا	پڑھا	
۹۹	۲۶۷	۲۱	ہوا	ہو	
۱۰۰	۲۷۳	۵	صورت	سورت	
۱۰۱	۲۷۴	۱۴	سے دور	دور	
۱۰۲	۲۸۰	۱	پھر	پر	
	۲۸۶	۸	مرے	مزے	
۱۰۳	۲۹۱	۹	دو	دو	
۱۰۴	۲۹۲	۱۶	دو	دو	
	۲۹۳	۳	دکھا دکھا	دکھا دکھا	
۱۰۵	۲۹۶	۱۳	تن تن کے کنا	تن تن کے کینا	
۱۰۶	۲۹۷	۶	من مضاف	من مضافات	
۱۰۷	”	۱۰	موطی	موسے	
	۲۹۸	۱۸	بندری	بندھی	
۱۰۸	۲۹۹	۲	نواح کے	نواح لکھنؤ کے	
۱۰۹	”	۶	طبع	طبع کی	
۱۱۰	۳۰۱	۷	دنیا	دتیا	
۱۱۱	۳۰۲	۶	یادہ	یادہ	
۱۱۲	”	۱۴	کوبکوچہ	کوچہ بکوچہ	
۱۱۳	۳۰۷	۱۳	احمد حسین	احمد حسن	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نشانات
۱۱۴	۳۰۹	۶	تفنا	تفنآ	
۱۱۵	۳۱۲	۱۵	آتا	آتی	
۱۱۶	۳۱۳	۱۴	رونده	روند	
۱۱۷	۳۱۵	۱۹	سہے	سے	
۱۱۸	۳۲۰	۱۶	فی زمانہ	فی زماننا	
۱۱۹	۳۲۵	۱	غلام یحیے	غلام یحیی	
۱۲۰	۳۲۶	۱۷	میں بہت	بہت	
۱۲۱	۳۳۵	۱۳	سہے	سبب	
۱۲۲	۳۳۹	۱۰	ہ کرتا	کرتا	
۱۲۳	۳۴۰	۹	پیدا ہونا	پیدا ہو	
۱۲۴	۳۴۳	۹	نزکت	نزاکت	
۱۲۵	۳۴۴	۱۹	گناہ	گنہ	
۱۲۶	۳۴۵	۱۱	ہونی	ہوئی	
۱۲۷	۳۴۶	۱	برسے	برسے	
۱۲۸	۳۴۹	۹	ہوکا	ہوگا	
۱۲۹	۳۵۱	۸	سینے	آپ سینے	
۱۳۰	۳۵۳	۱۰	بچنے	بچپنے	
۱۳۱	"	۱۳	علمانہ	عالمانہ	
۱۳۲	"	۱۴	ان والد	ان کے والد	
۱۳۳	۳۶۰	۷	گر	اگر	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نشانات
۱۳۴	۳۶۱	۱۷	بستیوتین	بستیونیں	
۱۳۵	۳۶۹	۷	مرے حق	میرے حق	
۱۳۶					
۱۳۷	۴۰۰	۱۹	دیکھے	دیکھتے	
۱۳۸	۴۰۸	۲	ڈھونڈا	ڈھونڈتا	
۱۳۹	۳۸۲	۱۱	نغزہ	نغز	
۱۴۰	۴۰۲	۱۰	تمام کلام دیوان	کلام	
۱۴۱	۴۰۹	۸	کر	گر	
۱۴۲	۴۱۰	۱۳	چوسگے	چوسکے	
۱۴۳	۴۱۱	۱۱	باریہ	بارہ	
۱۴۴	"	۱۵	مزید عنایت	بہ مزید عنایت	
۱۴۵	۴۱۳	۲۱	سرا	سر	
۱۴۶	۴۱۶	۹	ہستی	مستی	
۱۴۷	"	۱۱	کھینچے	کھینچ	
۱۴۸	۴۱۷	۱۱	عادت مجھے	عادت پہ مجھے	
۱۴۹	۴۱۹	۱۷	شل آج	شل باد	
۱۵۰	۴۲۴	۲۰	جیسے	جیسے	
۱۵۱	۴۲۶	۱۳	سگراسے	رگراسے	
۱۵۲	۴۳۵	۱	کدو	کہدو	
۱۵۳	"	۹	کر	کبھی	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۵۴	۴۳۵	۱۴	دردوں	دردِول		۱۷۴	۴۸۴	۵	پکھاپنے	کچھ اپنے	
۱۵۵	۴۳۶	۹	کیا	کہا		۱۷۵	؍	۱۱	حصہ	حصّہ	
۱۵۶	۴۳۸	۹	بھڑ	شر		۱۷۶	۴۹۲	۳	تہمت بے	تہمت سے	
۱۵۷	۴۳۹	۱	سنا	سا		۱۷۷	۵۰۲	۹	جاتی جنت	جاتی ہیں جنت	
۱۵۸	۴۴۲	۱۰	زرانگا	زرانگاہ		۱۷۸	۵۰۵	۱۱	کوبچپ	بچا	
۱۵۹	۴۴۳	۱۰	اٹھلے	اُٹھکے		۱۷۹	۵۰۷	۴	آپ یہ	؍	
۱۶۰	۴۴۴	۱۴	سرنیا	سراپنا		۱۸۰	۵۱۲	۱۸	عرض	غرض	
۱۶۱	۴۴۵	۹	ایسا	رسا		۱۸۱	؍	۱۹	خوب چھپاتی	چھپاتے	
۱۶۲	؍	۱۴	کمی	نکیلی		۱۸۲	۵۱۸	۱۶	سی	اُسی	
۱۶۳	؍	؍	دست	وشت		۱۸۳	۵۱۹	۱۴	کیت	سکیت	
۱۶۴	؍	۱۸	نالہ	نالے		۱۸۴	۵۳۴	۱	تیلا	نیلا	
۱۶۵	۴۴۸	۲۰	منبجہ	منبجے		۱۸۵	۵۳۵	۴	عالم	عالم بقا	
۱۶۶	۴۵۲	۱۱	ہمعصر میں	ہمعصروں میں		۱۸۶	۵۳۷	۱۹	ماہروی	مارہروی	
۱۶۷	۴۶۳	۱۴	نکلتی جبکے	نکلتی ہیں جبکے		۱۸۷	۵۴۱	[illegible]	پراُسکا	پھر اُسکا	
۱۶۸	۴۶۵	۹	خارہا	خارہا		۱۸۸	۵۴۲	۶	ستارآ	ستارآیا	
۱۶۹	۴۶۶	۱۰	جھکا	جھمکا	یعنی جگمگاتا تیز جلوہ	۱۸۹	؍	۷	؍	پہ نہ	
۱۷۰	۴۷۱	۳	سنے	سکے		۱۹۰	۵۴۳	۱۳	سے	اُسے	
۱۷۱	۴۷۷	۹	یاس	پاس		۱۹۱	؍	۲۱	اٹھائے	اُٹھائے	
۱۷۲	۴۸۰	۷	آسئے	آسنے		۱۹۲	۵۴۴	۴	ہتوں	بتوں	
						۱۹۳	؍	۵	برُوا	بڑُوا	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نشانات
۱۹۴	۵۴۴	۹	طلمہ	طعمہ	
۱۹۵	۵۴۵	۸	رسپے	رسکتے	
۱۹۶	۵۵۱	۶	شمشیر باہر	شمشیر سے باہر	
۱۹۷	۵۵۵	۴	مجھے کرتا	مجھ سے کرتا	
۱۹۸	"	۴	دد	وہ	
۱۹۹	"	۸	غیر	عنبر	
۲۰۰	"	۱۱	جس سے	جس میں سے	
۲۰۱	"	۱۵	اُڑی	اُٹھی	
۲۰۲	"	"	اسی	ایسی	
۲۰۳	۵۷۷	۱۸	ایڑا	انڈا	
۲۰۴	"	۲۱	راحتہیں	راحت میں	
۲۰۵	۵۸۲	۱۹	انھن	انھیں	
۲۰۶	۵۸۴	۴	لایئے	لائے	
۲۰۷	۵۸۷	۱۸	دل کے	دل لے کے	
۲۰۸	۵۸۹	۱۰	بہ	پہ	
۲۰۹	۵۹۲	۶	سھتیا	تھیبا	
۲۱۰	۵۹۴	۲۱	اکھکر	اٹھکر	
۲۱۱	۵۹۵	۱	بار	بار بار	
۲۱۲	۵۹۵	۱	دیا دل	یا درد	
۲۱۳	۵۹۵	۱۲	آلٹی	الٹی	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نشانات
	صفحہ کے اوپر		۶۹۶ / ۶۹۸	۵۹۶ / ۵۹۸	
۲۱۴	۵۹۶	۲۱	ترک	تزک	
۲۱۵	۵۹۹	۶	افکار	نگر افکار	
۲۱۶	۶۱۶	۸	وولدہی	داری	
۲۱۷	"	۱۴	چل دیا	چل دیئے	
۲۱۸	۶۱۸	۲	کاگڑے	گربے	
۲۱۹	۶۲۰	۱۵	ہدنی	ہوتی	
۲۲۰	۶۲۷	۱۰	حسکی	جسکی	
۲۲۱	۶۳۲	۱	پھوڑا	پھوڑا	
۲۲۲	۶۷۱	۲	اپنا کا	اپنا	
۲۲۳	۶۷۳	۱۷	گرز	گداز	
۲۲۴	۶۷۶	۶	جھتی	چبھتی	
	"	۱۵	تیر	ٹیر	
	"	۲۱	دکھاتی	دکھلاتی	
	۶۸۱	۱	تر	ثمر	
	۶۸۲	۲۱	کاسنھ	کاسیتھ	

یائے مجہول و معروف اور ہائے دوچشمی اور اعراب و اضافت وغیرہ کی غلطیاں نظرانداز کی گئی ہیں۔

فہرست اسمائے شعرا مندرجہ تذکرہ خمخانۂ جاوید

جلد اوّل

تقاریظ و قطعات تاریخ تذکرہ خمخانۂ جاوید

تقریظ و قطعۂ دلپسند یر از نتیجۂ فکر ارجمند آسمان پیوند مہر سپہر نازکخیالی ماہ منیر آسمان شیرین مقالی سلطان قلمرو فصاحت فرمانروائے اقلیم بلاغت فخر طالب و اسیر نظیری نظیر راقم الدولہ مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی یادگار حضرت خاقانی ہند ذوق مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنامے خدائے کہ جان آفرید
سخن آفرید و زبان آفرید

حمد و ثنائے بے منتہا اُس بے شمار بے ہمتا کو سزاوار ہے کہ جسکی تصانیف شریف پر کتب اربعہ ملل و مذاہب مختلفہ افراد عالم دال ہیں۔ زبان مقربین و متکلمین ملاء اعلےٰ توصیف فصاحت و بلاغت میں لال۔ ناطقہ انسان خاکی نبیان کو کیا حوصلہ نطق و یارائے دم زدن ہے کہ زبان چون و چرا وا کرے۔ اُسکے اوصاف لاتعد و لاتحصٰے سے ایک حرف حمد و ثنا ادا کرے

بالغ کلامان مدرسۂ سخندانی وشہسواران عرصۂ نکتہ رانی بزمزمہ ماہذا کلام البشر طب اللسان ہیں وفصحا وبلغاء عرب وعجم بکلمۂ طیبہ لا الٰہ الا ہو معترف وعذب البیان الحمد للواجب الوجود ہے۔ مستوجب وطاعت وسجود ہے۔ یکتا ویگانہ زمانہ۔ بیگانہ وباہمہ یگانہ آگاہ درونی وبرونی بیچون وچگونگی وچونی، الواحد لاشریک ثانی داناے حقیقت نہانی، درود نامحدود اُسکے رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر کہ عالم ناخواندگی میں دولتِ علم لدنی حاصل کرکے تمام علوم دینی ودنیوی سیجدہ ہزار افراد عالم کو دریا برد کر دیا۔

بیت			
تیمے کہ ناکردہ قرآں درست		کتب خانۂ چند ملت بشست	

ہیچمدان فقیر حقیر سید ظہیر الدین حسین ظہیر خوشہ چین ارباب سخن خدمت بابرکت زباندانان فصیح البیان میں گذارش پرداز ہے کہ زبانِ اُردو کا آغاز سلاطین افاغنہ کے زمانہ سے ہوا ہے یعنے جس وقت شہاب الدین غوری نے راجہ پرتھی راج پر فتحیاب ہوکر ملکِ ہندوستان پر قبضہ کیا و شہر دہلی کو دار الخلافہ ٹھیرایا اور لشکریان سلطان نے سکونت ہند اختیار کی اور فریق ہنود ومسلمان میں باہم اختلاط وآمیزش پیدا ہوئی تو ہر دو زبان مروج تھیں مگر بباعث ناواقفیت لسانین بہت بہت دقتیں پیدا ہوتی تھیں۔ مگر بعد چندے نوبت بایں جا رسید کہ ہر دو فریق تواقف لسانین سے بہرہ اندوز ہونے لگے اور کچھ سمجھنے لگے اور بولنے لگے اب آمیزش شروع ہوئی اور یوماً فیوماً وقتاً فوقتاً ترقی ہوتی چلی گئی مگر چونکہ لشکر سلاطین پیشین میں ہر ملک ودیار و ہر اقوام و ہر زبان کے اشخاص شامل تھے تو الفاظ مختلفۃ اللسانین اسمیں شامل ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ نوبت سلطنت مغلیہ کی پہونچی اور بادشاہِ شاہجہاں نے حصار کھینچکر شاہ جہان آباد کو آباد فرمایا اور جامع مسجد اور لال قلعہ تعمیر کرکے قلعہ معلیٰ میں جلوس فرماکر دار الخلافہ ٹھیرایا اور بیرون قلعہ اہلِ لشکر کی سکونت کے لئے حکم دیا اور بازار آباد کیا وہ بازار اُردو بازار کے نام سے موسوم ہوا چنانچہ تا زمانِ غدر نکھراما ن وہ بازار موجود تھا اور بعد زمانۂ غدر وہ منہدم ومسمار کیا گیا تا الی الاعلان کچھ کچھ نشانات اوسکے موجود ہیں ۵

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ	آثار پدیداست صنادیدِ عجم را

خیر اس فضول سے کیا حصول۔ باز آمدم بر سرِ مطلب۔ اب سنئے اُس بازار کے باشندے
چونکہ اہل لشکر تھے اور مختلف اللسان اور اب اگر باہم اتفاق زبان ہوا تو اسکا نام اُردوے معلی
قرار دیا اور روز بروز اسکی ترقی اور تراش خراش چھانٹ چھنٹ ہوتی چلی گئی اور الفاظ
ثقیل اور کریہ اور بعید الفہم کے عوض محاورات اور الفاظ شستہ و رفتہ قریب الفہم مستعمل
ہوتے چلے گئے۔ ہر زمانے میں رنگِ دگر پیدا ہوتا رہا حتیٰ کہ نوبت شعرا تک پہونچی اور قدما
نے زبانِ اُردو میں سخنگوئی اختیار کی اور شعرا نے اس خوان الوان نعماے ابدی
اور دولتِ سرمدی کو لوث و آلایش خار و خس ستم اور دُرد اغلاط و سخت و درشت الفاظ غیر مربوط
و ناملایم سے پاک و صاف کر کے مثل زر بیغش و قندِ نبات شیرین و خوشگوار کر دکھایا۔ اب
بجاے خود یہ ایک چیز ہر دلعزیز ایسی ہوگئی کہ بلبلان شیراز کو رشک آیا اور طوطیان
شکر خاے عرب و عجم نے زہر کھایا۔ سبحان اللہ اُردوے معلے کی فصاحت بلاغت شستگی
الفاظ رنگینی بیان شیرینی زبان کثرت محاوراتِ تراکیب ارتباطِ لطافت ظرافت اسکی اسی کو
سزاوار ہے کہ منصف مزاجان ممالک غیر کو بھی اقرار ہے آفرین صد آفرین ہمت والا ہمت اُن
برگزیدگان پیشین پر کہ جو موجد اور بانی مبانی اور مشاطہ اس شاہد طناز کے ہوئے اور کلام بلاغت
نظام اُن ذو احترام کا صفحۂ روزگار پر تا روز شمار باقی و یادگار ہے۔ ہزار ہزار تحسین اُن والا نظران
پاک گوہر پر کہ جن ارباب فہم و ذکا نے از راہِ قدر دانی و ہمدردی اُس کلام معجز نظام کو فراہم
کر کے انتخاب کیا اور پس ماندگان کے واسطے سرمایۂ دولت بے زوال چھوڑ کر اپنا رستہ لیا
تاکہ متاخرین اُسکو مستند گردانکر بہرہ وافی و کافی اُٹھاویں و دعاے خیر سے یاد فرمائیں ؎

نام نیکو رفتگاں ضایع مکن	تا بماند نام نیکت برقرار

تذکرۂ شعراے قدما اکثر میری نظر سے گذرے ہیں اُنکی حلاوت دل ہی جانتا ہے زبان سے
بیان نہیں ہوسکتی مگر فی زماننا محقق والا نظر معدنِ علم و ہنر دقیق باریک بین سخن فہم نکتہ چین

واقفِ رموزِ نکتہ دانی کاشف عوامضِ معانی عالم علوم متکاثرہ ماہر فنون متباحرہ نثار بمثال جامع الکمال چاشنی گزیدِ سخن نثر نگار کاملِ فن ماہر زبان انگریزی وفارسی لالہ سری رام صاحب ایم۔اے منصف عدالت خفیفۂ دہلی خلف الصدق جناب کمالاتِ اکتساب عالمِ متبحر زبانِ انگریزی و فارسی آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا ایم۔اے۔ (وطنی) مقیم لاہور نے بکمال عرقریزی وجانفشانی و بہزار محنت و مشقت عرصۂ گیارہ سال میں ایک تذکرہ کلام شعراء ماضی وحال منظم فرمایا ہے تذکرہ کیا اپنا جوہرِ فطری دکھایا ہے واقعی عجب کارِ نمایاں کیا ہے کہ احاطۂ طاقت وقدرتِ بشری سے باہر ہے اس محل پر یہی کہا جا سکتا ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کیا ہے دو ہزار شعراء نامدار کا کلام معہ حالات تمام نام بنام قلمبند کیا ہے اگر بنظر سیر دیکھا جائے تو ایک تاریخ معتبر ہے اگر بطور مشاہدہ حسن کلام نظر ڈالی جائے تو نقشِ ارژنگ و نگارخانۂ چین و فرنگ ہے۔ کہ قسم قسم کے شاہدانِ طناز سرگرم عشوہ و ناز ہیں جنکے مشاہدے سے نظر کو نور دلکو سرور حاصل ہوتا ہے خود بخود دل مائل ہوتا ہے اگر انشا پردازی و عبارت طرازی پر غور کیجاتی ہے تو ویسی ہی بےنظیر ہے اگر انتخابِ اشعار کو دیکھا جاتا ہے تو وہ لاجواب ہے غرضکہ بہر نہج انتخاب ہی اپنا آپ جواب ہے زیادہ لکھنا فضول ہے طول کلام سے کیا حصول ہے۔ میں بلا تصنع یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر تمام ہندوستان کے شعراء محققین یکجا ہو کر انتخاب فرماتے تو ہرگز ہرگز گوے سبقت نہ لیجاتے حق تو یوں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انواع انواع طرحکے کمالات صوری ومعنوی ذات ستودہ صفات بابو صاحب مسبوق الذکر میں عطا فرمائے ہیں خیاط ازل نے جامۂ اہلیت وخلعت قابلیت اسی قامتِ راست استقامت پر قطع فرمایا ہے اور قطع نظر

۵ یہ تقریظ حضرتِ نظیر نے ۱۹۰۸ء میں تحریر فرمائی تھی۔ صرف قطعات اب لکھے۔

علوم و فنون سے کے فی نفسہٖ بھی لالہ صاحبِ موصوف ایک شخص ہر دلعزیز ہیں کہ جن کے لطف ملاقات سے ہرگز ہرگز انسان کا دل سیر نہیں ہوتا ہے۔ خوش صورت خوش سیرت خوشرو خوشخو خوش تقریر خوش گفتار خوش کردار جوانِ رعنا سراپا فہم و ذکا سلیم الطبع حلیم المزاج با مروت باحیا سراپا خلق وسیع الاخلاق عمیم الاشفاق یار باش مہماں نواز دوستِ صادق یار موافق غرضکہ بہمہ صفت موصوف یگانۂ آفاق ہر علم و ہنر میں طاق ہیں اور کیوں نہ ہو لالہ صاحب کے آباؤ اجداد کیسے لایق و فایق اولوالعزم ذی حوصلہ عالی پایہ یگانہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ زمانۂ سلطنت جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ دہلی میں جد امجد لالہ صاحب ممدوح راجہ ٹوڈرمل بہادر ٹنڈن کھتری امرا عظام اراکین بادشاہی سے تھے کہ جن کا ذکر خیر کتب تواریخ میں مرقوم ہے اور فی زماننا عموی بزرگوار جناب رائے بہادر بیرسٹر پیارے لال صاحب کیسے نامی نامدار یگانۂ روزگار مشاہیر آفاق ہیں کہ بجلدوی خدمات تعلیم مدارس و فن ترجمہ نگاری پیشگاہ دولت انگلشیہ سے خطاب رائے بہادری حاصل کیا ہے۔ علی ہذا القیاس والد بزرگوار لالہ صاحب عالی جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹر لاہور کہ جن کا شہرۂ لیاقت انگریزی ہندوستان سے لیکر انگلستان تک اظہر من الشمس و ابیض من الامس سے موجود ہے حق تو یوں ہے کہ مصرعہ ہذا اسی خاندانِ والا شان کی شان میں صادق آتا ہے

این خانہ تمام آفتابست

جناب لالہ صاحب ممدوح از بسکہ حال فقیر پر غایت درجے کی عنایت فرماتے رہتے ہیں بارہا تقاضی اسکے تھے کہ تو چند سطریں اس حدیقہ نوبہار سخن کے لکھدے ہر چند ہیچمیرز عذرات ہیچمدانی میں پیش کرتا رہا مگر وہ مقبول نہ ہوئے ناچار فقیر ظہیر نے یہ چند سطریں بمقتضائے الامر فوق الادب بطور تقریظ تحریر کرکے ارسال خدمت کردیں اللہ تعالےٰ اس ریاض پر بہار لالہ صاحب موصوف کو سرسبز و شاداب فرمائے۔ وَ اللّٰہُ وَلیُ التوفیق۔

ہیں ظہیرِ پے کے اِک مہربان
شہرۂ آفاق و یکتائے جہان

بحرِ علم و منبع فضل و ہنر
عالم و منشی ہیں وہ والا گہر

نکتہ دان و ناظم و نثار ہیں
ماہرِ فن واقفِ ہر کار ہیں

علم انگریزی پہ قدرت خوب ہے
الغرض جو کچھ ہے خوش اسلوب ہے

عالم و فاضل ہیں اور قانون داں
فرد ہیں بیشک وہ عالی خاندان

ہر ہنر میں لایق و فایق ہیں وہ
جان و دل سے شعر کے شایق ہیں وہ

نام نامی ہے سریرام آپ کا
جانتا ہے اِک جہاں نام آپ کا

ہیں نسب میں بھی وہ عالی خاندان
شہرۂ آفاق والا دودمان

آپ پر فہم و فراست ختم ہے
اس گھرانے پر لیاقت ختم ہے

باپ دادا نام آور سب ہوئے
اہلِ دولت صاحبِ منصب ہوئے

آپ کو شعر و سخن کا شوق ہے
نثر لکھنے کا نہایت ذوق ہے

تذکرہ لکھا ہے خود اک لاجواب
منتخب اشعار کا لُبِّ لباب

صفحۂ اوراق گلشن کر دیا
شاعروں کا نام روشن کر دیا

ہے عبارت خاص دہلی کی زباں
جانِ اردو صاف و شیریں ہے بیان

خوش بیانی پر ہے تحسین آپ کی
جانفشانی پر ہے تحسین آپ کی

استدادِ سالہائے سال میں
ختم کو پہونچا ہے سالِ حال میں

اس برس چھپکر ہوا تیار ہے
تذکرہ کیا ہے کہ اِک گلزار ہے

دیکھنے سے جسکے ہوتی ہے نظر
شاعروں کا خاص ہے تعلیم گر

تذکرہ کیا شاعروں کی جان ہے
شایقوں کا دین ہے ایمان ہے

تذکرہ کیا ہے کہ ہے آبِ حیات
روح افزائی کی ہیں جس میں صفات

دیکھکر ہوتا ہے جسکو غم غلط
رنج ہو جاتا ہے سب یکدم غلط

اسکی لذت جانتے ہیں خوش مذاق
جسقدر دیکھو بڑہیگا اشتیاق

واقعی یہ تذکرہ ہے بے مثال
صاحب تالیف ہے نازک خیال

جمع ہیں اشعار کل ہر رنگ کے
ہیں شگفتہ پھول گل ہر رنگ کے

دیکھکر اسکو کہیں گے حق پرست
ہر گلی را رنگ و بوئے دیگر است

کم نظر آئیگا ایسا تذکرہ
ہے یہ اسم بامسمیٰ تذکرہ

تذکروں سے ہے الگ سکا جو رنگ
ہو جدا تاریخ کا بھی رنگ ڈھنگ

کیجئے شامل سر طوطی اگر
سنہ فصلی ہوں برآمد بے کسر

ط۹

نام سے روشن ہے سال تذکرہ
تذکرہ - تاریخ و سال - تذکرہ
سنہ ۱۳۱۴ف　　۱۳۲۵ء

ثانی

مرے مخدوم ہیں لالہ سری رام
اُنہیں اشعار پر کامل نظر ہے

مذاق شعر ہے کچھ حد سے بڑھکر
اسی کا مشغلہ شام و سحر ہے

کئے ہیں جمع وہ اشعار چنکر
بجائے خود ہر اک لعل و گہر ہے

وہ گلزار ارم اب چھپ رہا ہے
کہ مشتاق اُسکا ہر فرد بشر ہے

ظہیر اس گلکدہ کا سال تاریخ
بسا دلچسپ غایت مختصر ہے

سر اعجاز سے نکلی ہے تاریخ
نہیں یہ تذکرہ بحر گہر ہے

تقریظ رنگینۂ کلک جواہر سلک نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان شیوا بیانی نظیری نظیر عرفی ثانی مولانا نجم الدین احمد ثاقب

بدایونی المخاطب بہ پہلوان سخن از ارشد تلامذہ حضرت مولانا ظہیر دہلوی

یا خدا آمد ہے کس مست شرابِ ناز کی　　پھر یہی ہے آج کیوں صحنِ چمن میں کھلبلی

کون مہمانِ عزیز آتا ہے جسکی راہ میں　　چشمِ نرگس صورتِ چشمِ زلیخا وا ہوئی

شور ہے کسکی سواری کا یہ کیسی دھوم ہے　　سرو قد استادہ ہیں گلشن میں شمشاد و سہی

نامیہ نے سبزۂ خوابیدہ کو چونکا دیا　　ہر چمن کی ہر روش انگڑائیاں لیتی اٹھی

گھاس لہرانے لگی موجِ نسیمِ صبح سے　　بنگئی سنگت رواں ایک ایک کیاری باغ کی

چھاؤں میں سبزے کی ہریالی کی موجیں خال خال　　آ رہی ہے ناز سے رکتی ہوئی نیلم پری

سبع سیارہ نے کیں ہر ہفت کی تیاریاں　　ہو گیا ترکِ فلک آمادۂ مشاطگی

موتی شبنم کے بنفشے نے پروئے بال بال　　چوٹی سنبل کی بھی موبافِ زرِ گل سے سجی

ہو گئی بزمِ شہانہ سر بسر آراستہ　　بابِ گلشن پر صلائے عام کی نوبت بجی

لولیانِ باغ کی وہ پیشوازیں سبز سرخ　　ہر گلی میں جنکی بھبک زیرۂ گل کی لگی

سازِ غنچے تار پھولوں کی رگیں مضراب خار　　چھیڑ کر سننے سنانے کی صبا کو دھن بندھی

کھول دی غنچوں کی گٹھری باندھ لی اپنی کمر　　ہر نہالِ تازہ کو سوجھا تماشا دو لگی

خشک پتوں پر چھماچھم بوندیوں کے گھونگرو　　کونے کونے وہ مجیروں کی کھرج وہ گٹکڑی

بوئے گل کہنے لگی تازہ شگوفہ دیکھ کر　　خیر سے اب تک کہاں تھے آپ استاد جی

تالیاں دو ہاتھ سے بجتی ہیں سنتے تھے مگر　　پتے پتے نے ہوا میں بھر کے دستک آج دی

خود بخود دو لکی انگلوں سے جوانانِ چمن　　جوشِ مستی میں ہوئے آمادۂ خنیاگری

ہر کنارِ حوض پر وہ داور و داورے نکلے　　جنکی لے میں افریقی ہے بھرا اثر میں دلکشی

کونپلوں کی وہ ملہاریں جھولکر شوق کے ساتھ　　جنکی سب تانیں رسیلی اور چل پھیرا بھری

وہ غضب قمری کے پلٹے سرو کی ہر شاخ پر　　اونچے سُر میں وہ الاپیں سیدم طاؤس کی

بلبلوں کے وہ ترانے وہ ترنم خیزیاں
باغ کو سر پہ اٹھا رکھا ہے اللہ وغنی

چھیڑ رکھا ہے مہوکوں نے کیسی جنگلہ
اک طرف میرا تھو نکو دھن ہی پیلو کی ندبھی

شام سے دیپک کی لو ہے کرکٹ تا بگجر
جسطرف دیکھو ادھر ہے آگ پانی میں لگی

آشیانوں میں بھی غافل کب ہیں مرغانِ چمن
چھیڑ دینے کیلئے کافی ہیں تانیں دیس کی

صبح گلشن میں نمایاں ہے بہارِ صبح عید
خندۂ گل کی ہے نوبت شاہنائی ہر کلی

کون طوطی کی صدا نقار خانے میں سنے
کر چکی ہے مست سبکو اپنی اپنی راگنی

رکھتے ہیں سر پر شگوفوں نے بھی تاجِ زرنگار
بول بولے تو تری لیگے گت کہروکی بھری

جوڑے ارباب طرب کے خود بنانے آئی ہے
طبلہ عطار بنکر مشکدانی کی کلی

نور کا تڑکا سہانا وقت وہ ٹھنڈی ہوا
بھیرویں کی دھن میں گلچیں نے غزل چھیڑ دی

غزل

میکشو مژدہ کہ پھر آئی گلستاں میں بہار
لائی پھر رحمت کی کلیاں چن کے دامانِ میں بہار

اے زلیخا کیا مزہ دیگی شبستاں میں بہار
پہلے کچھ دن لوٹتی تھی یب کے زنداں میں بہار

سے لے اوڑی توبہ کو رند و موسمِ گل کی ہوا ہے
آ رہے گی ساقی سے اب کچھ عہد و پیماں میں بہار

جا پہونچ اے وحشتِ دل بنکے مہمانِ عزیز
سنتے ہیں آئی ہوئی ہے کوئے جاناں میں بہار

بانونکے چہاسے وہاں بھی گل کھلائینگے نئے
ساتھ چھوڑے گی نہ دم بھر کنج زندانیں بہار

جاتے ہیں کھیتی پہ بانکے ہاتھ میں دامن لئے
آئی ہے اُنکی برس فصلِ زمستاں میں بہار

پھر مئے انگور پہ ہے محتسب کی فاتحہ
پھر نمک بھرتی ہے میرے زخمِ پنہاں میں بہار

کوچۂ دشمن میں شب باشی مبارک ہو اُسے
گھر مرا کیوں گھیرتی ہے روزِ ہجراں میں بہار

پھر وہی منہ لیکے آئی میرے دل کے سامنے
سر تو ڈالے اک ذرا اپنے گریباں میں بہار

ایک چٹکی میں کھلا ہر غنچۂ زخمِ کہن
کس قیامت کی ہے قاتل تیرے نمکداں میں بہار

نام سے لیکر بس اب خالی ورق الٹا کرو
لیلی و مجنوں کے دم سے تھی دبستاں میں بہار

آشیاں سے کہکر رہ وادِ قفس لانا جواب
بات اتنی ہے اگر ہو تیرے امکاں میں بہار

ہر ادا پر غنچے سے آئے دل پریشاں ہو گئے
کس نے بھر دی کوٹ کر قاتل کی پیکانیں بہار

عیش کا کیا ذکر غم سے بھی طبیعت بھر چکی
اب کہاں صبحِ وطن شامِ غریباں میں بہار

پھر ہوائے میکدہ کھائی ہے ثاقب کوئی دم
پھر سمائی ہے نئی طبعِ غزلخواں میں بہار

مطلع ثانی

او سخی داتا فقیروں سے کہا تنگدل لگی
کوئی چلو ڈیڑھ چلو ہے ہمارے نام کی

ساقیا ہر دم تری بھٹی سلگتی ہی رہے
اور بھی یہ رات دونی دن سوائی بکری

بھولے بسرے تو صلا دے فاقہ مستوں کے بھی تھے
بہتی گنگا میں اگر کمظرف ہوگی کیا کمی

کب سے دستک دے رہا ہے دل درِ میخانہ پر
کب سے کنڈی کھڑکھڑاتی ہے پریشاں خاطری

چیختے ہی چیختے آخر سویرا ہوگیا
مغبچے جاگے نہ چشمِ مست ساقی کی کھلی

جاگنا کس کا ملی کروٹ زمانے کی طرح
رات گذری اور دن بھی چڑھنے کے آیا دو گھڑی

یا خدا اب ہم صبوحی نوش آخر کیا کریں
حلق میں سپند سے زباں بھی سوکھ کر کانٹا ہوئی

بے سبب اتنا سکوت بھی ممکن نہیں
یاد ہی بدمست ہیں یا کچھ خطا ہم نے کی

مغبچے ساقی رہے بدمست یہ مانا مگر
وہ جو شب بیداریِ پیرِ مغاں کی دھوم تھی

لو فرشتہ اسکو بھی حفظِ مراتب کا تھا پاس
اہلِ حلقہ کو ہوا کیا کر گئے کیوں ان سنی

کیا قیامت ہے کسی کے کان پر رینگی نہ جوں
کیا مصیبت ہے کہ سب نے آنکھ ہمسے پھیر لی

آؤ اک آواز دیکر آزمائیں پھر نصیب
پھر ہلائیں میکدے کا باب کہکر یاعلی

کھول ڈالیں کہہ کے یا فتاح قفلِ بر بہر
پڑھ کے بسم اللہ بے پی کی اڑائیں دو گھڑی

اب کھلی رہے آنکھ اور چوکتی نظر
ہو کسی کونے میں شاید اور بوتل بھی بھری

پھر تمتہ کیکے وہ بھی صاف کردیں خیر سے
دور میں آئے نظر کے جو چھنی اور بے چھنی

پی پلا کر دیں دعائیں خمخانۂ جاوید کو
جسکی خاطر یہ مے و معشوق کی شادی رچی

اپنی حالت سے گزر کر ایک مطلع وہ پڑھیں
نقطہ نقطہ جس کا دے ارباب معنی کو خبر

مطلعِ ثالث

شرط ہے اچھا برا سب سننے کو منصفی
یوں تو ہونے کو زمانہ سے سخن کا مدعی

کیا ستم ہے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں
کسکا دعوی ہے مدلل کسکی حجت ہے قوی

صاف ہیں کسکا بیاں گنجلک ہے کسکی ردیف
کسکے اظہار و نہیں لغزش کسکے لکھے میں کمی

کیجئے کسکی وکالت ہو جئے کسکے گواہ
مدعی سُست اور شاہد چست کا ہے پاس بھی

چھیڑ دے اپنی صفائی پھر بھی کہکر یا نصیب
فیصلے کی ہاں مگر امید باقی ہی نہ تھی

حق بجانب ہے کسی عاد لکو جابر کیوں کہیں
اپنے ہاتھوں اپنے پیروں میں کلہاڑی مار لی

مدعی سے کیا شکایت آسمانسے کیا گلہ
آپ اپنی قدر کرنی تھی جو کچھ ابتک نہ کی

جب دکھائے اپنے جوہر عیب کی صورت دکھائے
عمر بھر بے وقتگی گایا کئے ہم راگنی

راستی پر بھولکر آیا نہ اکدم بھی مزاج
بڑھ گئی دو ہاتھ قسمت سے طبیعت کی کجی

واہ واشانِ تبختر مرحبا شانِ غرور
اپنے آگے بات ناصح کی کبھی جمنے نہ دی

اپنے منہ سے خود میاں مٹھو بنے برشیا خبر
ہانک سیدھی سی بنی جو بھی جی کی کیا آگئی

گانٹھ ہلدی کی جو ہاتھ آئی پساری بنگئے
ہم پہ یہ پھبتی کہی اچھی کسینے واقعی

جان کیا آنکھیں چرائیں جانفشانی کی جگہ
کی تن آسانی جہاں کرنی تھی پوری تن دہی

گلیوں گلیوں خوب بھٹکے صاف رستے چھوڑ کر
رہبری کا ذکر کیا آئی نہ سیدھی رہروی

بنگئے ہر راہبر کے حق میں قطاع الطریق
جو ذرا آگے چلا کی بڑھکے اسکی رہزنی

الغرض اعمال ہیں افعال میں اقوال ہیں
ہے وہی ابتک خرابی یا کمی یا کوتہی

داد دینی کبھی نہ آئی داد لینی تو کجا
یہ طبیعت ہے ہماری یہ ہماری شاعری

اہل فن کو اہل فن سے رشک ہو یہ بھی قبول
عشق کی دنیا میں ہے یہ شیوۂ مردانگی

داد داد اے گردشِ گردونِ گرداں داد داد
اُٹھ گئی کیا دور میں تیرے دلوں سے منصفی

فرق بس اتنا رہا ہے آج دشمن دوست میں
اب کوئی ممنون ہو اپنا یہ ممکن ہی نہیں
لاکھ خاطر سے کسیکی کھوئیے وقتِ عزیز
قدردانی کی مگر اُمید ہے بالائے طاق
خیر حالت پر زمانے کی کہانتک روئیے
جیسی کرنی ویسی بھرنی یہ تو ہوتی آئی ہے
چھوڑ جگ بیتی کہانی پہلے اب بیتی نبیڑ
ڈال اب گہری نظر خمخانۂ جاوید پر
کونسا خمخانۂ جاوید پیارا تذکرہ
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے دور میں
کونسا خمخانۂ جاوید جسکی بزم میں
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے باغ میں
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے بام پر
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے اردگرد
کونسا خمخانۂ جاوید جسکی راہ میں
کونسا خمخانۂ جاوید جسکی سقف پر
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے شیفتہ
کونسا خمخانۂ جاوید منبر پر جہاں
کونسا خمخانۂ جاوید کرسی پر جہاں
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے طاق پر
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے منصرم

ہے کہیں احسان فراموشی کہیں محسن کشی
خواہ کیسی ہے برتئے بغرض کی دوستی
صرف بھی کر دیجئے بیصرفہ گھڑیاں عمر کی
ہاں نظر آئینگی کچھ کچھ انگلیاں اُٹھتی ہوئی
سینہ کوبی تا کجا تا چند یہ سینہ زنی
قدردانوں میں بھی ناقدروں کی ناقدری ہی
اے دلِ وحشت زدہ تجھکو پرائی کیا پڑی
کیف نے جسکے بدن میں جان دونی ڈالدی
جسکے ہر ساغر میں روحِ میر و سودا ہے بھری
جا بجا کیفیتیں پنہاں ہیں سوز و درد کی
ہمنوا ہیں جرأت و انشا رنوا و مصحفی
راس و چپ بیٹھے ہیں ممنون نصیر دہلوی
ذوق و مومن ناسخ و آتش کی ہے ٹکر کھڑی جمی
پر وے پر وپر ہے صورت میرزا نوشاہ کی
رند و مفتی سالک و مجذوب کی نوبت بجی
ہر فقیہ و عارف و کامل کی آنکھیں ہیں جمی
ہیں اسیر و نیر و آشفتہ برق و ہجر بھی
ہیں انیس و اکبر و مونس کی صدائیں گونجتی
عرش پروازی کی دھومیں ہیں و ہیں پرواز کی
قدِ آدم ہے شبیہ انور و مجروح بھی
ہیں وزیر و رشک اکجا نب نسیم لکھنوی

کونسا خمخانۂ جاوید جسپر ہے لکھا　　موحد باب فصاحت ہیں نسیم دہلوی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے اہلکار　　شاغل وصابر کہیں معروف تاباں و ذکی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے بادہ نوش　　ارشد و کامل کسی جا تھے نفیس لکھنوی

کونسا خمخانۂ جاوید جسمیں حکمراں　　ناظم و نواب آتے تھے نظر یکجا ابھی

کونسا خمخانۂ جاوید جس میں رات بھر　　ہولیاں گائیں گئیں اختر پیا کے نام کی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے فاقہ مست　　بو ظفر تھے خاتم شاہنشہی و شاعری

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے صحن میں　　ہے امیر و داغ کی تصویر جیتی جاگتی

کونسا خمخانۂ جاوید جسمیں نوبتیں　　گونجتی ہیں جابجا ابتک اُنہیں کے نام کی

کونسا خمخانۂ جاوید جسمیں حشر تک　　پھوٹ پڑتی کسطرح دونوکی مٹی ایک تھی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے چوک میں　　ہے منیر و مہر و مہ کی جابجا جلوہ گری

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے راہبر　　ہیں ظہیر دہلوی یا حالی پانی پتی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے پیشرو　　اب جلال لکھنوی ہیں سید ضامن علی

کونسا خمخانہ جس کے راز سے آگاہ ہیں　　راقم و تسلیم و شاداں ماہر و مشتاق بھی

کونسا خمخانہ جسکے ابر رحمت کی گھٹا　　چھینٹے دیکر سونیوالونکو جگانے آگئی

کونسا خمخانہ جسکی موج سے دیکر ہنیز　　ڈوبنے والونکی کشتی پھر کنارے لا دھری

کونسا خمخانہ جسکے میہمانوں کے حضور　　شمع کافوری کہیں بجلی کی تازہ روشنی

کونسا خمخانہ جسکے بام و در پر نقش ہیں　　مردوں زندونکی شبیہیں صاف لفظی معنوی

کون ساقی ہے یہاں کا جسکے ہر ہر جام میں　　ہو بہو کیفیتیں ہیں ساغر جمشید کی

کون مطرب ہے یہاں کا جسکی ہر ہر تانمیں　　دست بستہ سامنے ہے راگ ہو یا راگنی

کون ہے نقاش اسکا جسکے ہر ہر نقش نے　　مانی و بہزاد کی بھی پیٹ دی صورتگری

کون اسکا میزباں ہے جسکے دسترخوان پر　　میہمانونکے لئے نعمت ہے دنیا کی جنی

کون اسکا میر منشی ہے کہ جسکی ہر رپوٹ
مہتمم ہے کون اس دفتر کا حاکم کون ہے
منصفِ دہلی ہیں وہ لالہ سری رام ایم اے
ذی ہنر ذی علم ذی فن ذی خرد ذی حوصلہ
نکتہ داں و نکتہ بیں و نکتہ فہم و نکتہ رس
پاک باطن پاک ظاہر پاک طینت پاک دل
صاحبِ طبع فہیم و صاحبِ ذہنِ سلیم
خوش بیاں خوش لہجہ خوش اخلاق خوش خو خوش ادا
ہاتھ ڈالا آجتک جس کام میں پورا کیا
کیوں نہ میزانِ عدالت میں گہر تولا کریں
شعر گوئی کیطرف رغبت نہیں اچھا نہو
سیکڑوں دیوان اُردو اور گلدستے ہزار
چھان مارا قریہ قریہ قصبہ قصبہ شہر شہر
خود ملے ہر ایک شاعر سے جہانتک ممکن تھی
منتخب ایسے کئے اشعار ہر ہر رنگ کے
پتی پتی ڈالی ڈالی غنچہ غنچہ پھول پھول
پہلے ہر شاعر کا لکھا حال پھر اُسکا کلام
گنگا جمنی ہار گوندہا پھر طبع نکتہ رس
داد دلوا شہسوارانِ معانی داد داد
داد دیکر داد لینی ہو تو آؤ شوق سے
تذکرہ کیا ہے یہ جولانگاہ خاص و عام ہے

فقروں فقروں میں ہے رنگ آمیز حسن شاعری
جسکی ہر ہر شان میں پیدا ہے شانِ منصفی
جنکی نصفت سے خفیفہ کی گراں قیمت ہوئی
ذی دول ذی مرتبت ذی منزلت زیرکی کی
ختم جن پر نکتہ سنجی اور نکتہ پروری
کینہ و بغض و حسد حرص و تعصب سے بری
جنمیں فطرت نے بھری ہر کو نکر معنی رسی
اور پھر سولا کھ خوشیونکی خوشی خوش قسمتی
حق تو یہ ہے قول ہاری اُنسی عالی ہمتی
قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری
شعر فہمی کس بلا کی اُنکی گھٹی میں پڑی
دیکھنے میں چھانٹنے میں عمر اپنی صرف کی
جستجو لے اہلِ فن کی وہ ہوا سر میں ہی
حال کی تحقیق کامل کی جہانتک ہو سکی
روح گویا صاف اُردو شاعری کی کھینچ لی
جنکے ہر ہر باغ سے طبع رسا لاتی رہی
اور پھر ہر اک طبیعت کے مناسب رادی
یوں پروئیں نثر کے رشتے میں کلیاں نظم کی
آکے میدانیں دکھاؤ کچھ تو کرتب گدھری
جمع ہیں سب مرد میدان پھر بھی وسعت ہے بڑی
سخت کم ہمت ہے جسنے باگ اس سے موڑ لی

اپنے اپنے ہیں خیال اور اپنی اپنی دوڑ ہے
باب خلاق سخن پر دل سی ہو یوں ترزباں
تذکرے کو بخشدی خلعت قبول عام کا
اور کرا سکے مولف کی بھی پوری ہر مراد
ابتوثاقب سُننے والے بھی پریشاں ہوگئے

چھوڑ دو ہر ایک کی مرضی پہ جسکی جو خوشی
اے مرے گویائی دینے والے قادر یا قوی
تا قیامت ہو نہ اسکے قدر دانوں کی کمی
عام اس سے اب ہوا جب ہو خفی ہو جلی
اور لکھتے لکھتے اپنی بھی طبیعت بھر گئی

اک فقط تاریخ باقی ہے تو قصہ مختصر
تذکرہ بے مثل میں ہے سال ہجری عیسوی

تقریظ از نتائج افکار گہربار ارسطوے دوراں جالینوس زماں فخر اطبائے ہندوستان حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ

خمخانۂ جاوید

اس زمانے میں جبکہ پرانے آثار مٹتے جاتے ہیں اور ہواے مخالف کے جھونکے ہمارے اسلاف کے نشانوں کو روز بروز پامال کرتے جاتے ہیں میرے دوست جناب لالہ سری رام صاحب رئیس دہلی خلف الصدق جناب راے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب سرگباشی نے جو کام شروع کیا ہے وہ ہندوستان کی اُردو داں پبلک کے لئے علی العموم اور اہل دہلی کے لئے علی الخصوص باعث شکر گذاری ہے۔ بے شک انھوں نے اُردو پر احسان کیا ہے۔ اور اسکے اگلے پچھلے کارفرماؤں (شاعروں) کو پبلک سے روشناس کرنے میں روپیہ اور وقت کے صرف کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ جو اُردو کے سرمایۂ ناز اس وقت خواب

عدم میں ہیں۔ اور جو اسکے اہل کمال آجکل ہندوستان کے مختلف شہروں میں خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں اُنکے ہنر و کمال کے ظاہر کرنے میں "خمخانۂ جاوید" نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔

وہ خاندان جن کے اسلاف کو "خمخانۂ جاوید" نے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جو اپنی کوشش میں کامیابی کا تمغہ حاصل کر چکا ہے خصوصیت کے ساتھ میرے دوست لالہ سری رام صاحب کے شکر گزار ہوں گے کیونکہ انکے فرض کو اُنہوں نے ادا کیا ہے اور ان کے بار دوش کو اُنھوں نے اپنے کندھوں پر لیا ہے۔ یہ ایک ایسی جوانمردی اور عالی ہمتی کا کام ہے کہ جسکا معاوضہ صرف احسنت نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی قدر دانی دلی شکر گزاری کے ساتھ کرنی چاہئے۔

خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کو جسکے صفحات کی تعداد ۷۰۰ کے قریب ہے میں نے جستہ جستہ دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولف نے انتخاب کے کام کو جو درحقیقت ایک مشکل کام ہے بہت قابلیت کے ساتھ انجام دے کر اپنی سخن فہمی کی وقعت کو ناظرین کی نگاہوں میں بلند کر دکھایا ہے۔

مختلف شعرا کے کلام کا انتخاب کبھی تو صرف اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ گو شاعر فن شعر کا ماہر نہیں ہے لیکن علم و فضل یا دوسری حیثیت سے اسے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور کبھی اس مدعا سے اُسکے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ اُسکے خیالات اور افکار اُسکے اشعار سے معلوم ہو سکیں۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ کبھی اسکے فن ادب کی مہارت کا اظہار انتخاب کرنے والے کو مدنظر ہوتا ہے اور کبھی اُسکے طرز ادا کا اظہار مرکوز خاطر ہوتا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات اقسام شعر پر شاعر کی قدرت اور دستگاہ دکھانی ایک تذکرہ نویس کا میرے خیال میں سب سے بڑا اور اہم فرض ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ "خمخانۂ جاوید" ان تمام باتوں کو سخن فہم ناظرین کے سامنے پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

چونکہ یہ تذکرہ معنوی لحاظ سے ایک قیمتی گلدستہ ہے۔اس لئے اگر کاغذ چھپائی اور خط کے اعتبار سے وہ اپنے معنوی حسن کی مشاطگی کرے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔
آخر میں میں اپنے مہربان لالہ سری رام صاحب کا اُنکی اس خدمت پر جو انھوں نے اُردو کے علم ادب کی کی ہے۔خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اُردو بولنے والے اُردو لٹریچر کے اس قیمتی اضافہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

حکیم محمد اجمل

۲۴ نومبر ۱۹۰۸ء

تقریظ رقمزدۂ فاضل عصر یگانۂ دہر خانصاحب پیرزادہ محمد حسین ایم۔اے۔المتخلص بہ عارف چیف جج عدالت عالیہ ہائیکورٹ قلمرو جموں و کشمیر

تذکرہ خمخانۂ جاوید

اُردو شاعری کا دور اول فی الواقع بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا ہے یعنی طرز قدیم کو روز بروز اہل سخن چھوڑتے جاتے ہیں اور اُسکے قدردان بھی کم ہوتے جاتے ہیں۔ایسے وقت میں اُسکا جائزہ لینا اور چٹھہ تیار کرنا بہت ضروری تھا تاکہ دکھایا جاوے کہ ان گزشتہ دو صدیوں میں اُسنے کس قدر اور کس رتبہ کا ذخیرہ جمع کیا ہے۔اس کام کے لئے اُسی لیاقت اور دماغ کے آدمی کی ضرورت تھی جسکے تین سو سال پہلے شہنشاہ اکبر کو اپنی دیوانی دفتر کے تدوین کروانے کے لئے ضرورت پڑی تھی خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کو بھی اب ایک لایق ہونہار نوجوان نے جسکو اکبری دیوان کے اولاد میں ہونے کا فخر حاصل

سے ہے اپنے ذمہ لیا اور اگر اس کام کی عظمت اور اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جاوے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مصنف نے اپنے کام کو بہت محنت اور خوش اسلوبی سے پورا کیا ہے۔ سترہ سال تک شب و روز ایک کام کے پیچھے پڑ جانا اور اپنی صحت اور جوانی اور دولت کو قربان کرنا سوائے محبّ قوم اور عاشقِ علم و ادب کے اور کسی کا کام نہیں۔ مصنف کو جو اس مضمون سے دلبستگی ہے یا کہنا چاہئے جو عشق ہے اسکی شہادت کتاب کے ہر صفحے سے مترشح ہوتی ہے انتخاب اشعار میں جو کمال کیا ہے وہ اس سے مصنف کی صحت مذاق اور نکتہ رسی کا پتہ ملتا ہے۔ سچ پوچھو تو مصنف نے اپنے دوست سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے کچھ کم کام نہیں کیا ہے بلکہ اس کتاب کو اس ڈکشنری کا ایک ضروری جوڑ سمجھنا چاہئے۔ خوبی قسمت سے اردو زبان کے جسقدر یہ دو بڑے کام تھے انکے کرنے والے بھی اُسی قدر مناسب اور موزوں زمانے نے پیدا کئے اور ان دونوں کو سرپرست بھی اقلیم سخن کا وہ فرمانروا نصیب ہوا ہے جسکو اگر اردو زبان بولنے والوں کا بادشاہ کہیں تو کچھ عجب نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جامع تذکرہ اردو زبان کے علم ادب کے لئے آیندہ زمانہ میں اسکا سرمایۂ ناز سمجھے جانے کے قابل ہے اور ان تین ہزار حضرات میں سے جنکا تذکرہ میں حال بیان کیا گیا ہے دو ہزار نو سو پچاس کو مصنف کا خصوصاً ممنون ہونا چاہئے کہ انکا نام اور کلام ساقی خمخانہ کے فیاضی کی بدولت جریدہ جاوید پر ثبت ہو کر نسلہائے آیندہ کے گوش زد ہو جائیگا۔

راقم عارف از جموں

۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

تقریظ و تاریخ رشحۂ خامۂ نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان خوش بیانی شاعر عدیم المثال قاضی غیاث الدین احمد صاحب خورشید دہلوی

شاگرد خاندان فخر الشعرا امیر ممنون مغفور

تقریظ خمخانۂ جاوید

نام نیک دیگراں ضایع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

حکیم ارسطاطالیس کا قول ہے کہ اگر دنیا میں بعض لوگوں کی کمی ہو جائے تو مخلوق خدا کو اپنی احتیاجوں کے رفع ہونے سے سخت تکالیف اٹھانی پڑیں گی لیکن شعرا کا گروہ اسقدر بیکار اور زاید نظر آتا ہے کہ اگر سرے سے یہ طبقہ زمین کو خالی کر دے تو بظاہر کوئی نقصان انتظام دنیوی میں عاید نہیں ہوسکتا اسی آواز کی صدائے بازگشت ہکو ڈہائی ہزار برس کے بعد مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کی مقبول انام مسدس میں قریب قریب اسی جوش کی سنائی دیتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

جو سقے نہوں جی سے جائیں گذر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب

ہو میلا جہاں گم ہوں دہوبی اگر سب
جو مرجائیں بھنگی تو گندے ہوں گھر سب

یہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

ایسی زبردست شہادتوں کے مقابلہ میں دلیلیں پیش کرنا آسان نہیں لیکن اس عالم میں خدا کے بندے ایسے بھی موجود ہیں جو اس بیکار فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ ایک قدرتی اثر ہے جو نہ ارسطاطالیس کے حکیمانہ اقوال سے مفقود ہوسکتا ہے نہ مادی طور پر منفعت بخش نہونے سے نیست و نابود مانا جاسکتا ہے طبیعت کی موزونیت اسکا خداداد منبع اور زمانے کی دلچسپیاں خواہ وہ حسن انسانی کی شکل میں جلوہ گر ہوں خواہ گل بلبل کا رنگ و بو کریں اس کا لازوال ماخذ ہیں دنیا کے کاروبار بند نہیں ہوسکتے مخلوق خدا اپنی ضروریات

کا انصرام اور تکملہ کرتی رہتی ہے مگر بازاروں کی زیب و زینت تجارت گاہوں کا شور و شغب انجنوں کی گھڑ گھڑاہٹ اُس لحن داؤدی پر ہرگز غالب نہیں آسکتی جو قلب انسانی سے نکلکر اور روح انسانی پر موثر ہوکر اُسی وجد میں لاتی ہے اور جس کا جوش غیر منطقی انسان کی دم کے ساتھ ساتھ ہے عالی دماغ فلسفیوں کے غلّ غپاڑے سے ہم تو سہم گئی تھی اور سوچتی تھی کہ ہماری تو عمر اسی بیکار فن کی تحصیل میں صرف ہوئی ہے اب ہم کہاں سے گئے ہوئے وقت کو واپس لائیں جو دیگر کمالات کی تحصیل میں صرف کریں صرف اتنی امید کے سہارے پر جیتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کی بیشمار مخلوق میں سے ایک شخص کے دلمیں بھی ہماری ہزباں سرائی گدگدی پیدا کردے گی تو ہماری ساری محنت رفتہ وصول ہوجائے گی مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ زمانہ کا ہاتھ ہر وقت ایسی شے کو مٹانے کے لئے مستعد ہی جس کی حفاظت کا کافی انتظام نہ کیا گیا ہو الحمدللہ کہ خدا کی دانشمند بندوں میں سے ایک شخص لایق فنشی بابو سریرام منصف لاہور ایسی تلی ہوئی اور شعرا کے نام اور اُنکے کلام کی حفاظت کے لئے بالکل جنچی ہوئی جہان آفرین نے پیدا کئے خمخانۂ جاوید کی ترتیب اور تالیف میں لایق مولف کو جو دقتیں اور دشواریاں پیش آئی ہونگی اُنکا اندازہ صرف اسی بات سے ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے بعض نادرالوجود دواوین وہ مہیا کی ہیں جو ہندوستان میں نایاب تھی اس اہم اور مشکل کام میں اُنہوں نے اپنی عمر عزیز صرف کی اور بڑی محنت اور عرق ریزی سے اپنی جمع کی ہوئی دولت کا کثیر حصہ اسمیں کھپایا ہے بیس برس کی متواتر محنتوں اور صرف کثیر کے بعد خدا نے آج وہ دن دکھایا کہ ہم سات سو صفحہ کی ایک جلد ضخیم شعرا ماضی و حال کی یادگار مرتب پاتے ہیں اور خداوند تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ لایق و مستعد مولف کی سعی و کوشش کو مشکور فرمائے اور اس خمخانہ کو جس کی ساقی نے حریفان سخن سنج کو بادۂ سخن سے سرمست کرنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ہے خلق خدا کو بے انتہا فیوض کا منبع ثابت کرے اُردو زبان میں تذکرے کے ایسی ضخامت کی مثال شاید مشکل سے دستیاب ہوگی اور ہم اپنی اہل ملک کو مژدہ دیتے ہیں کہ آج ہماری غریب زبان کے خزانہ میں بھی ایک ایسی لازوال دولت کا اضافہ

ہوتا ہے جسپر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جسقدر شعرا کی حالات اور اُنکے کلام کے نمونہ اس بیش بہا تالیف میں جمع کئے گئے ہیں اُنکی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے گویا ہزاروں باکمالوں کے حق میں جنکی نام کچھ دنوں کے بعد صفحہ ہستی سے مٹجاتے مؤلف نے مسیحائی کا کام کر کے اردو زبان پر اک ایسا احسان کیا ہے جس کی شکر گزاری سے دنیا اور اہلِ دنیا کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

ہم قابل مؤلف کو اس بڑی کامیابی پر تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اُن کی تالیف مقبولِ انام ہو جس سے اُنکی تمنائے دلی اور ملک و قوم کی تمنائیں برآئیں۔

دعا دے رہا ہے یہ مستانہ ساقی	سلامت رہے تیرا خمخانہ ساقی

اب ہم اس اظہار سپاس کو ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتے ہیں جو ہمارے قلب مشتاق سے نکلا پڑتا ہے

قطعہ تاریخ

میرے محبِ مصدرِ لطف و کرم نے اک	شعرائے ریختہ کی لکھی ہے کتاب آج
برسوں کی کاہشوں میں کیا تذکرہ رقم	بدلا ہے عہدِ پیری سے عہدِ شباب آج
اِک عمر دور دور سخنداں کیے تلاش	ہیں مدتِ مدید میں وہ کامیاب آج
خورشید فکر ختم میں کل سے جو محو تھا	تاریخ سال ایسی لکھی لاجواب آج

آیا زبان پہ مصرع سالم یہ غیب سے
عالم کے شاعروں کا کیا انتخاب آج
۱۹۰۸ء

تقریظ ریختۂ کلکِ گوہر سلک شاعر بے نظیر ناثر پر تاثیر مشّاق طرزِ قدیم و نوی مشفقی پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دھلوی۔

پرائیویٹ سکرٹری آنریبل کنور پرتاب سنگھ بہادر آف کپورتھلہ۔ مصنف مسدس بھارت درپن وغیرہ

جس طرح ایک شخص اپنے یا اپنے پیارے دوست کے بچے کا نشو و نما دیکھتا ہے اسکی ہر چیز کو مُنہ میں لیجانے کی بالطبع کوشش۔ اسکا گھٹنیوں چلنا۔ پھر لڑکھڑاتی ٹانگوں سے گر گر اُٹھنا۔ اور پھر سرو کی طرح رواں ہونا۔ اول اسکا اُغ اُغ کرنا۔ بےوجہ ہنسنا اور رونا۔ پھر کچھ مدت بعد تتلاہٹ سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور پھر سن تمیز کو پہنچکر معقول اور سلسلہ وار گفتگو کرنا غرضکہ جس طرح ہم ایک دوست کے بچے میں دیکھ رہا ہوں جو آج خمخانۂ جاوید کے نام سے آپ کی ملاقات کو آیا ہے۔ اسکے نوٹوں کے پرچے۔ اسکے اوراق پریشاں۔ اسکے مختلف جزو۔ اسکے مسودوں کے مشقے۔ کئے پھٹے جزو اور صاف شدہ مسودہ اور اب آرایش خراش اور آب و تاب کے ساتھ اسکی جامۂ طبع سے آراستہ شکل دیکھی۔ اسوجہ سے مجھے حق ہے کہ میں اس تذکرے کی نسبت وضاحت سے لکھ سکوں خواہ وہ تقریظ کہلانے کی مستحق ہو یا تنقید کہلانے کی اُردو کا ایک محاورہ ہے "اپنے بچھڑے کے دانت کون نہیں جانتا" یعنی اپنے بچے کے دانت کون نہیں جانتا۔ یعنے اپنے بچے کے حسن و قبح سے اسکے والدین یا بزرگ ضرور واقف ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے دوست مؤلف تذکرہ ہذا تو اپنے اس اللہ آمین سے پلے پوسے مولود کی فرط محبت کیوجہ سے اسپر نقادانہ نظر نہ ڈال سکیں۔ لیکن میں اس جذباتی نقص سے بری ہوں کہ میں ہمیشہ بچپن اور لڑکپن میں بھی اس بچہ کو ڈانٹتا ڈپٹتا رہا ہوں۔
لیجئے سب سے پہلے میں اس تذکرے کے نقائص آپ کو گنائے دیتا ہوں۔

(۱) اگلے کہہ گئے ہیں۔

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد		ہر چہ گیرید مختصر گیرید

برعکس اسکے کیوں یہ تذکرہ جامع اور "آج کی تاریخ تک" مکمل ہے۔ کیوں اس میں خسرو اور دلی سے لیکر آغا شاعر دہلوی۔ اور اقبال کشمیری تک درج ہیں۔

(۲) معروف مثل "کل امر مرہون باوقاتہ" کے خلاف کیوں اسمیں ہر دور اور طبقہ کے شاعر اور پھر انکا ہر رنگ کا کلام درج ہے۔ کیوں اس فونوگراف میں بین اور سرود کے ساتھ ہارمونیم اور پیانو کی آوازیں بند ہیں۔ کیوں اسمیں دھرپد کے ساتھ ٹھمری اور غزل کے ساتھ مسدس اور ترکیب بند موجود ہیں۔ کیوں اسمیں غزل اور واسوخت کی پرانی شاعری کے پہلو بہ پہلو نئی نیچرل شاعری (جیسی کہ وہ اسوقت ہے) کے نمونے ملتے ہیں۔

(۳) کیوں اسمیں کسی مذہب یا تبدیل مذہب یا حسب نسب کے متعلق غلط یا دلخراش مندرجات نہیں پائے جاتے۔

(۴) کیوں اس میں شعرا کے حالات اس شرح وبسط کے ساتھ لکھے ہیں کہ اور جگہ ایک مجموعی صورت میں فراہم نہیں کئے گئے۔

(۵) کیوں یہ تذکرہ مقامی تعصب اور ذاتی پسند کی جنبہ داری سے پاک وصاف ہے چونکہ یہ نفسانیت سے مبرا ہے لہذا کوئی شخصیت نہیں رکھتا ہیچ و پوچ ہے۔

(۶) کیوں تذکرہ ہزار داستان نہ صرف تواریخی و شاعرانہ اہمیت بلکہ ضخامت میں آجتک کے تذکروں کو منزلوں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اور (۷) کیوں مؤلف کی اپنی زبان جس میں اسنے شعرا کے حالات لکھے ہیں زوردار پرتاثیر۔ فصیح۔ دہلی کی ٹکسالی زبان۔ رنگین اور پرشکوہ ہے۔

اب تصویر کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے۔

لارڈ میکالے کا یہ مقولہ خواجہ حالی بھی اقتباس کرچکے ہیں کہ اصلی شاعری جادو کی لالٹین (میجک لینٹرن) کی مثال تاریکی میں اپنا رنگ جما سکتی ہے۔ یعنی شاعری اور شاعرانہ انشا پردازی تاریکی کے زمانے میں یعنی جب محض تخیل اور زبان کا ہی سکہ جاری

ہو پبلک مذاق پر حاوی رہتی ہے۔ سائنس یا علوم۔ فلسفہ اور سیاسات کے عہد میں اسکی دال نہیں گلتی۔ اگر ہم میکالے کے اسی قول کو لیں تو گویا براؤننگ اور ٹنی سن۔ مثل ملٹن۔ اور بائرن کے شاعر کہلانے کی شان نہیں رکھتے۔ لیکن تاج فلاسفہ ہربرٹ سپنسر نے واقعات اور دلائل سے میکالے کے اس قول کو کاٹ دیا ہے۔ اور واقعہ میں ملٹن اور بائرن کیا شکسپیر۔ لانگ فیلو۔ بلکہ ایڈمنڈ سپنسر کا تخیل اور شاعرانہ بلند پروازیاں اگر ان سے بڑھکر نہیں (براؤننگ اور ٹنی سن میں موجود ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غالب کا تخیل اور آتش وانیس کی نغز گفتاری کا چسکا میرے محبان ذیشان محمد اقبال اور پنڈت برجنراین چکبست کی نظموں میں نہیں پایا جاتا۔

میں مانتا ہوں کہ تغزل کا وہ چٹخارا جو میرے معصر شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہو جو طرز جدید میں لکھتے ہیں۔ آنے والے "تین قرنوں کے شاعروں میں شاید نہ ملے۔ جن لوگوں نے غزل گوئی سے شعر گوئی کی ابتدا کی تھی۔ حالی۔ امیر۔ داغ اور آزاد کی آنکھیں دیکھیں تھیں انکے متقدمین کے ساتھ ہم صحبت ہوجانے پر اردو کی شاعری خوف ہے کہ کپلنگ کی شاعری کی طرح ؎

دندانِ تو جملہ در دھان اند
چشمانِ تو زیر ابروان اند

کا چربہ رہجائے۔ اگر یہ خوف معرض امکان میں جا رکھتا ہے تو میرے خیال میں یہی ایک وجہ کافی ووافی ہے کہ ہم خمخانۂ جاوید کی قدر کریں۔ اسے اردو شاعری کا ایک جامع انسائیکلوپیڈیا اور شاعروں کے حالات کا مکمل تواریخی دفتر تسلیم کریں۔

مولانا آزاد نے آب حیات کو اسطرح ختم کیا ہے۔

اے با اقبال بزرگو۔ افسوس کہ تمھاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے تمھیں اپنے سامان دیئے . . . . اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدردان

ہونگے نہ کوئی اُس شاخ کو ہرا کر سکیگا۔ نہ تمسے بڑھکر پھل پھول لگا
سکے گا۔ ہاں تمہاری لکیروں کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال
کے مضمون لینگے۔ انہیں لفظوں کو اُلٹیں پلٹیں گے اور تمہارے چبائے
ہوئے نوالوں کو مُنہ میں پھراتے رہینگے۔

اگرچہ زیادہ تر عمارتیں تمہارے حُسن و عشق کے جلوس کے لئے ہیں مگر
انمیں بھی تمنے ایسے سامان اور مصالح لگا دیئے ہیں کہ آیندہ نسلیں جس
غرض سے چاہیں گی عمارتیں بنائیں گی۔ اور تمہاری صنعتوں سے بہت
کچھ مدد پائیں گی۔ جن پتھروں کو تمنے منبت اور گلکاری سے تراشکر
فقط خوشنمائی کے لئے لگایا تھا ہم اُسے وہاں سے نکال لیں گے
شکریہ کے ساتھ آنکھوں سے لگائیں گے۔ اور اس سے کسی ایسی
محراب کو زینت دینگے جو اپنی مضبوطی سے ایک ایک ملکی ایوان کو استحکام
دے۔ اور دلوں کو خوشنمائی سے شگفتہ کرے"۔

مولانا آزاد کی یہ پیشین گوئی یا ہدایت یا کہنا یہ کس قدر راست ثابت ہوئی یا عمل میں آئی۔ اقبال۔
چکبست۔ چودھری خوشی محمد ناظر۔ میر نیرنگ۔ سرور جہان آبادی۔ افق اور برق لکھنوی۔ تمنا۔
اور مولانا شبلی۔ مرزا ارشد مرحوم اور سب سے اخیر بلکہ سب سے زیادہ خواجہ حالی کے کلام کے
ملاحظہ سے ثبوت کو پہنچتی ہے۔ ان سب اصحاب اور اس قسم کے دوسرے سخنگویوں کے کلام
و حالات بھی اس تذکرے میں غالب و ذوق۔ ناسخ و آتش۔ نسیم و سالک۔ مجروح و داغ۔
امیر و اسیر کے حالات اور کلام کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ان کا کلام بھی ملتا
ہے۔ جنھیں مولانا آزاد نے افسوس مگر صحت کے ساتھ چبائے ہوئے نوالوں کو منھ میں پھرانیوالے
کا خطاب دیا ہے۔

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس تذکرہ کا ملاحظہ ایک زباندان کو خوشنوایانِ بزمِ سخن کے

گوناگوں ترانوں اور بوقلموں نغموں کا لطف دیتا ہے تو ایک ژرف نگاہ فلسفی کے سامنے تہذیب معشرت اور وضع روزگار کی تغیر و انقلاب کے نو بر نو دفتر کھولتا ہے۔ جسکے معرض اس وقت نہ صرف اُردو زبان و شاعری بلکہ کل ہندوستان ہے۔ اسکے پر غور مطالعہ سے واضح ہوگا کہ غزل گوئی اگرچہ رفتار زمانہ موجودہ کی لتاڑ میں ہے اور حسن و عشق کی داستانیں اگرچہ داستانِ پارینہ کا حکم رکھتی ہیں لیکن اُردو زبان کے جدید تدوین کے کارکن کس قدر نغزیت زبان اور نیچرل کلام نیز تغزل معتدل کے والہ و شیدا ہیں۔

میرے دوست منصف دہلوی نے نہ صرف یہ رنگا رنگ مرقع شاہدان کلام کا پیش کر کے زبان کی بے بہا خدمت کی ہے بلکہ اُن کی خاص اپنی جادو نگاری اور فسوں نگاری جو اُنہوں نے شعرا کے حالات لکھنے میں دکھلائی ہے نہ صرف صاد بلکہ داد کے قابل ہے۔ آپ کے قلم کا زور۔ بیان کی سلاست۔ کلام کی فصاحت۔ روزمرہ کی صفائی۔ بالمقابلہ امتحان کی عمیق نگاہی بصیر نقادی اور کامل مبصری ایسے اوصاف ہیں کہ اُنکی عالمگیر واقفیت اور اُردو شاعری کے تواریخی تبحر کے ساتھ ملکر آجکل کے اُردو نویسوں میں انہیں بہت اونچے پایہ پر جگہ دیتے ہیں۔
اب میں اس الزام سے بچنے کے لئے کہ:۔

بہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دکاں نبی باید

اِس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور مولف اور تالیف کے لئے دعائے خیر کے ساتھ ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں۔

برجموہن دتاتریہ کیفی

از رشحۂ خامۂ جادو طراز شاہد باز رعنائی خیال ہم آغوش عروس کمال منشی سید علی اصغر صاحب بلگرامی بی اے۔

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند	تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند
ہنوز آں ابر رحمت دُر فشانست	خم و خمخانہ با مہر و نشانست

اُن مایۂ ناز کارناموں میں جو ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں فلسفہ کے بعد تاریخ کو بہت بلند مرتبہ حاصل ہے اگر مورخ کا قلم اپنی روانی طبع سے صفحۂ عالم کو بوقلموں نکرتا تو آج مشاہیر عالم کے کارنامے ہمارے لئے خیالی تصویریں ہوتیں اُنکی ہستی جاوید پر گمنامی کا تاریک پردہ پڑا ہوتا اور دستبرد زمانہ ان جواہر کو خاک میں چھپائے رکھتا۔

خوش نصیبی سے "بلبل ہزار داستان" کی شیوابیانیوں اور نغمہ سنجیوں سے لطف اٹھانے میں اپنے وقت کا کچھ حصہ مینے بھی صرف کیا واقعًا جس "توجہ" "دلچسپی" اور "خوش اسلوبی" سے اس تذکرہ کی تدوین و ترتیب ہوئی ہے اُس سے جناب لالہ سری رام صاحب کے "دلی شوق" "عمدہ واقفیت" اور "ذاتی تجربہ" کا پتہ لگتا ہے۔ علاوہ اور خصوصیتوں کے اس تذکرے میں "سلاست بیان" اور "لطف زبان" کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ تحقیق کی داد دی ہے اور اپنے قلم جادو رقم سے جام جہاں نما کے مرقع میں خوب خوب گلکاریاں کی ہیں۔

خدایا اس "خمخانہ" پر قبولیت عام کا بھریرا اُڑے! رندان قدح نوش اسکے کیف سے سرشار رہیں۔ پرستاران عروض اسکے فیض صحبت سے طرب اندوز ہوں اور اپنے لئے دستور قرار دیکر اس سے بصیرت حاصل کریں! قدردانان عروس سخن اسے ہاتھوں ہاتھ لیں! یہ قابل قدر تذکرہ ملک و قوم کی طرف سے دلی مبارکباد کا مستحق ہے اسلئے کہ جناب لالہ صاحب کی مستعدی" عرق ریزی" اور "جانفشانی" کی کوئی نظیر ہمکو نہیں مل سکتی۔

راقم آثم

۱۵ جولائی ۱۹۰۷ء   سید علی اصغر بلگرامی

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار پر بہار صاحبعالم مرزا مجاہد الدین بہادر شاہی خلف الرشید

میرزا مغل بہادر خلف حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی۔ از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر گورگانی ؒ

لکھا ہے تذکرہ جو سری رام آپ نے
مصرع ہر اک سرو ہر بیت باغ ہے
شاعر کی شان کھلتی ہے اشعار دیکھکر
اہل سخن کے حال کی تحقیق خوب کی
اک شان نظم میں ہے تو اک آن نثر میں
جانکاہی پہ آپ کی ڈالیں اگر نظر

کیا پر فزا ہے یہ گل اشعار کا چمن
ہر نقطہ یاسمیں ہے تو ہر لفظ یاسمن
معنی کی نہر ہوتی ہے مضموں سے موجزن
تصویریں آئینہ میں ہوئیں شعشہ فگن
دیتا ہوں داد آپ کو اے مہربان من
ممکن نہیں کہ شاد نہوں ماہران فن

شاہی کو اسکے چھپنے کا جب آگیا خیال
خامہ نے سال طبع لکھا۔ منظر سخن
سنہ ۱۹۰۰ء

سری رام ایم۔ اے۔ جو مخلص ہیں میرے
اُنھوں نے لکھا تذکرہ شاعروں کا ؎
محبت سے حالات وہ سب کے لکھے
فصاحت بلاغت کی نہریں معانی
اُسے دیکھکر میرے دل میں یہ آئی

نہ مخلص کہ ہیں رہ رو کان محبت
ہر اک لفظ ہے جس کا جان محبت
نمایاں ہوئی جس سے شان محبت
مضامین بحر روان محبت
کہ تم بھی دکھا دو نشان محبت

لکھی مجھسے ہاتف نے تاریخ شاہیؔ
لکھو چشمہ بوستان محبت
سنہ ۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر صاحبعالم مرزا سکندر شاہ بہادر جودت خلف الرشید

ملہ سنہ ۱۹۰۰ء میں تذکرہ کی اشاعت کا ارادہ تھا اسی زمانہ میں یہ قطعہ صاحبعالم نے ارسال فرمایا تھا لیکن معذوریات نے مہلت نہ دی اور سات برس گذر گئے

صاحبعالم مرزا شاہرخ بہادر خلف حضرت بہادر شاہ ثانی از تلامذہ میرزا قادر بخش صابر گورگانی

اے مشفق صمیمی اے ایم اے سریام
کیا ریختہ پہ ڈالی بنیاد نظم اردو
دعوے پہ جو دلائل لائے وہ خوب محکم
وہ آپ کی عبارت اور اسمیں نظم شاعر
جو لفظ تمنے لکھا بیشک جچا تلا ہے
تعریف نامناسب لکھی نہ شاعروں کی

کیا خوب تمنے وصف اہل کمال لکھا
تحقیق سے نہایت ہر اک کا حال لکھا
جو لکھدیا شالا وہ بے مثال لکھا
پردہ میں حال سکے ہے گویا کہ قال لکھا
مضمون خوبصورت اور پرجمال لکھا
اور ہجو سے بچا کر بے بال بال لکھا

اس تذکرہ کو سنکر اس تذکرہ کو پڑھکر
گلزار عشرت افزا جودت نے سال لکھا
سنہ ۱۳۱۷ ہجری

قطعہ تاریخ ریختہ قلم جادو رقم نواب سید بہادر حسین خانصاحب انجم لکھنوی از تلامذہ حضرت امیر مغفور

بس یہ انجم خدا کے کا چھپ گیا ہی تذکرہ
جسمیں لفظ تذکرہ سے سال پیدا ہوگیا

یہ اسی میں ہے صفت تبلا رہا ہے اپنا عہد
تذکرہ خود مشعر تاریخ اپنا ہوگیا
سنہ ۱۳۲۵ ہجری

قطعہ تاریخ ریختہ قالب طبع فصاحت منبع بزم آرائے خوش بیانی مولوی منشی

ﻟﮧ یہ قطعہ بھی اسی زمانہ کا ہے۔

سید جمیل احمد صاحب جمیل سہسوانی منشی روبکاری رئیسہ معظمہ ریاست بھوپال دام اقبالہ

این تذکرہ کہ کلک سراپا زور قم	شد از وفور شوق خریدار آن جہاں

تاریخ طبع جلد نخستین جمیل گفت
گنجینۂ کلام لطیف سخنوراں ۲؎
۱۳۲۵ھ

قطعۂ تاریخ از خوش فکری ہائے سخنور با کمال جناب منشی محمد شاکر حسین صاحب سہسوانی متخلص بہ نکہت سررشتہ دار محکمہ نیابت وزارت مال ریاست موصوف

آن سراپا سخن گستر کہ ہست	واقف اسرار و آئین سخن
داد از ذکر جمیل شاعراں	خامۂ او داد تزئین سخن

کلک نکہت بہر تاریخش نوشت
یادگار بزم رنگین سخن
۱۳۲۵ھ

در سلک نظم تازہ سراپا با کمال	چوں گوہر کلام سخن پروراں بہ سفت

نکہت چو فکر کرد پے سال عیسوی
ہاتف زچرخ تذکرہ بے مثال گفت
۱۹۰۸ء

تاریخ طبع زاد منشی محمد مقبول احمد صاحب مقبول ملازم ریاست کوٹہ تلمیذ جمیل سہسوانی

نفیس تذکرہ مقبول شاعروں کا چھپا	سخنوروں کے لئے ناز کا مقام ہے یہ
زباں پہ ہے مری تاریخ طبع برجستہ	حیات ریختہ گویوں کی لا کلام ہے یہ

۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخ از نتائج افکار مورد مراحم صمد حافظ سید وکیل احمد صاحب وکیل فرزند حضرت جمیل سہسوانی

سخن سنج کامل سریرام نے — عجب شاعروں کا لکھا تذکرہ
ہوئی کب مجھے فکر تاریخ طبع
زباں پر مرے آگیا "تذکرہ" ۱۳۲۵ھ

تاریخ طبعزاد حافظ محمد عبد المجید صاحب مجید راجگڈھی ملازم ریاست بھوپال تلمیذ جمیل سہسوانی

موج فیضاں میزند ایں تذکرہ — ہاں بیا اے تشنہ کام ریختہ
بہر سال طبع آں کلک مجید
زد رقم "جوئے کلام ریختہ" ۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ ریختہ کلک جواہر سلک سرگروہ ارباب صفا معدن صدق و وفائے شاعر نکتہ پرور حکیم معشوق علیخان جوہر شاہجہانپوری وکیل عدالت ہائے ریاست بھوپال از تلامذہ مرزا غالب مرحوم

مذاق سخن ہندوستان سے اوٹھتا جاتا ہے اسکے ماہر اسکے قدردان جسقدر تھے وہ چل بسے جو فرقہ اب شباب کے عالم میں ہے وہ اس کوچہ سے نابلد محض ہے طرز تعلیم کو زمانہ کی رفتار نے بدل دیا اور ملکی زبان انگریزی قرار پا گئی اس واسطے تعلیم یافتہ وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جو انگریزی کے ماہر ہیں۔ ضرور ہے کہ جن بزرگوں نے زبان اردو کی

آراستگی کی اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسکو صاف کیا اور اسکو ایک زبان کی حد تک پہونچایا وہ لوگ نہ اب ہیں نہ آیندہ اُنکے اس عالم میں آنے کی اُمید ہے پس اونکا نام اور نشان دو نوسٹ جانا کچھ تعجب نہیں بلکہ یقینی ہے اور اسمیں بھی شک نہیں ہے کہ زبان اُردو کے محسن اور زبان دانوں کے مربّی و رہنما ضرور تھے اور زبان کی سند جہانتک اس دور میں جواب خاتمہ پر ہے شعر سے لیجاتی ہے تو وہ لوگ اس دور کے جسکا اختتام ہو رہا ہے ارباب سخن تھے جو ہر طرح پر زبان اُردو کو فخر و مباہات کے درجے پر پہونچا گئے ہر شعر اون کا مشعل تاریکی زبان سمجھا جاتا ہے۔ کسی زبان میں اعتبار پیدا نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اُسکے جاننے والے کے اقوال سند میں نہ پیش کئے جاویں۔ محاورات اُردو کی اسناد میں اشعار اُن بزرگوں کے جنکو دنیا نے شاعر مانا ہے لائے جاتے ہیں جس سے تکملہ زبان کا ہوتا ہے۔ پس ایسے فرقے رہنمائے زبان اُردو کا دُنیا سے بے نام و نشان ہو جانا کتنا قلق ناک واقعہ ہے جسکے بقا کے واسطے منشی سری رام صاحب دہلوی نے ستر برس محنت شاقہ اختیار کر کے ایک تذکرہ تیار کیا ہے۔ جسکے جلد اول میں صرف اُن شعرا کے حالات و منتخب کلام درج ہیں جنکے تخلص کو بقید ردیف الف اور ب سے شروع ہوئی اسی طرح پر ہر حرف تخلص کو متعدد جلدوں میں قلمبند فرما کر اُن تمام شعرا پر احسان کیا ہے۔ جو تختہ ہائے تاک پر ابر نیساں اور سوکھے دھانوں پر ابر باراں موسم میں کرتا ہے بلکہ یوں کہنا بھی نازیبا نہوگا کہ احیاء اموات معنوی طور پر کیا ہے۔ اور زیادہ تعجب خیز اور حسرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ منشی صاحب موصوف اس زمانہ کے تعلیم یافتہ علم انگریزی کے قابل شخص ہیں جنکا مذاق بالکل اسکے خلاف ہوتا ہے اوسپر تعلقات ملازمت ایسے ہیں کہ جن سے اور اس کام سے کمال درجہ کا تخالف مگر یہ کون سا امر ہے جس نے منشی صاحب کو اس بات پر متوجہ کیا ہے وہ دہلی کی خاک سے اُنکے نشو و نما جہاں اُردو کی شاعری پیدا ہوئی اور جہاں اُسنے اپنے لڑکائیں اور جوانی اور بوڑھاپا سب گذارا اور وہیں جام اجل نوش کر کے اوسی سرزمین میں اپنے شیدائیوں کے خاک کے ساتھ خاک

میں سلگئے اسمیں شک نہیں ہے کہ منشی صاحب موصوف نے اندازۂ ہمت سے زیادہ کام کیا ہے جسکے داد دینے کی قابل نہ زبان میں طاقت ہے نہ قلم کو قدرت ہے یعنی دل ہی اُسکے لطف اور ذائقہ کو جان سکتا ہے اور اپنے بے زبان ہونے سے گھُٹ گھُٹ کر رہجاتا ہے خمخانۂ سخن کی میگسار جلد آئیں اور اسکے دو چار جام چڑہائیں جو حشر تک خمار ہی نہو بلکہ سرمستی کے عالم میں وہ وہ باتیں روز حساب کے معرکہ میں داور محشر سے بھی کریں تذکرہ ہے کہ کارنامۂ شعرا ہے جسکو دیکھنے وہ موجود زندہ مُردہ سبھی تو اس تذکرہ کے صفحات کے میدان میں اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں پھر کیوں نہ ایسا تذکرہ مطبوع طبع خلایق اور مقبول عالم ہو یہ تقریظ نہیں ہے بلکہ سچا واقعہ ہے تعریف نہیں بلکہ اصل معاملہ ہے دیدہ ور جنس کاسد و بے غش میں امتیاز کر سکتے ہیں تذکرہ جنکی نظر سے گذرے گا وہ اس تقریظ کا مصداق پائیں گے۔ جو جو خوبیاں اُس تذکرہ میں ہیں اُنسے حظ اُٹھائیں گے۔ اہل مذاق دونوں کی قدر کرینگے حاسد دونوں کو دیکھ دیکھ کر جل جل مرینگے میں تو اس تقریظ کو صرف ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتا ہوں اور دعا رمقبولیت میں مصروف ہوتا ہوں کہ اے سخن آفرین اس تذکرہ کو ارباب بصیرت کی پتلی کا نور بنا آمین ثم آمین۔

قطعہ

خوب تالیف کیا تذکرۂ اہل سخن
ہے مؤلف بھی تو یکتائے زمانہ اسکا
دہلوی مولد و مسکن ہے مولف اسکا
آج اُس خاک میں پنہاں ہیں وہ ارباب ہنر
میرو مرزا و ولی قائم و مضموں معروف
مصحفی حسرت و جرأت ہوئے نامی یاں سے
درد و تاباں حسن و سوز و شہنشاہ نصیر
آرزو اختر و آزردہ و مومن غالب
ذوق و صہبائی نہ تھا جنکا زمانہ میں عدیل
جس کا ثانی نہیں عالم میں نظر آتا ہے
آج سحباں کو فصاحت میں جو شرماتا ہے
جس جگہ سے کہ سخن اپنی سند لاتا ہے
جنکا ہمرتبہ نظر بھی تو نہیں آتا ہے
نام اب لینے سے دل سینہ میں ہلجاتا ہے
جنکا ہر شعر سند ہی میں پڑھا جاتا ہے
کوئی ایسا بھی زمانے میں نظر آتا ہے
ان کا غم پہلو میں دل تک کو ہلا جاتا ہے
یاد سے جنکی کلیجہ تو پھٹا جاتا ہے

سبعہ سیارۂ گردون سخن تھے یہ لوگ — انمیں سے ایک کو بھی کوئی کہیں پاتا ہے
تھی وہ دہلی کہ ہوئی سبکی یہیں نشو و نما — ہے وہ دہلی کہ نہیں کوئی نظر آتا ہے
سب کے سب آہ وہیں خاک کے پیوند ہوئے — ذکر انکا جو زباں پر کبھی آجاتا ہے
دل پہ قابو نہیں رہتا ہے جگر جلتا ہے — آنکھوں میں آنسوؤں سے بھی نہ تھما جاتا ہے
بے تحاشی ہی نکل پڑتے ہیں اس صدمہ سے — رخ پہ ہر قطرۂ اشک آپ ڈھلا جاتا ہے
جوشش گریہ ذرا تھم تو کہ لکھوں کچھ اور — ذکر اوروں کا بھی کمبخت رہا جاتا ہے
شیفتہ آہی و تسکین سے سخن سنج کہاں — قول کی جنکے ہر اک شخص سند لاتا ہے
سالک و عارف و ثاقب سے کہاں اہل سخن — آنکھیں رو دیتی ہیں جسدم کہ خیال آتا ہے
نیر و بسمل و مجروح و طلب اور ویراں — دھیان ایک ایک کا ہمدم مجھے رلواتا ہے
بیکش و تشنہ و آزاد و طرب تفتہ نسیم — یاد کر کے انہیں دل ہائے تڑپ جاتا ہے
تھی انہیں لوگوں سے دہلی کی جہاں میں شہرت — اب کوئی وہاں پہ نظر ایسا نہیں آتا ہے
خاک دہلی کو شرف حق نے عطا ہے یہ کیا — کہ وہاں اب بھی کوئی ایسا نکل آتا ہے
جسکا ثانی نہو عالم میں نہو مثل و نظیر — خطۂ دہلی انہیں لوگوں سے کہلاتا ہے
کیوں نہ پھر کہئے کہ اس وقت مولف اسکا — یادگار اگلوں کی اک ہمکو نظر آتا ہے
تذکرہ ایسا لکھا ہے کہ لکھے گا کوئی کیا — لطف تاریخ کا ہر ذکر میں آجاتا ہے
وہ عبارت ہے کہ دیکھی نہ سنی آجتلک — طبع کا سال لکھوں دل مرا للچاتا ہے
فکر تاریخ ہوئی اسلئے جوہر مجھکو — اک نئے ڈھنگ سے ہاتف مجھے سمجھاتا ہے

تذکرہ خود ہی سن طبع ہے دیکھو تو ذرا
عدد تذکرہ سے سال نکل آتا ہے
۱۳۲۵ھ

تقریظ پارسی از حکیم معشوق علی خان جوہر شاہجہاں پوری

بحمد للہ کہ انغاکدان دہلی گوہر یکتائے قابلیت مہر منیر سمائے اہلیت جلوہ وجود بہ ظہور آورد کہ عدیلش در عالم مثال پیدا نیست ۔ اعنی گوہر گرانمایہ سخندانی و سخن سنجی منشی سری رام صاحب مصنف تذکرۂ خمخانۂ جاوید کہ بہزار کشایش انجام کار عہدۂ منصفی و ضروریات دنیوی و علائق زمانہ کتابے عجیب تالیف نمود شعرائے ماضی و حال را جام حیات جاوید بخشید طبعش بہ طبائع عالم جہاں مقبول کہ ہر دیدہ مشتاق جلوہ اوست ۔ حبذا بخت شعرا گذشتہ و موجودہ کہ در صفحات خمخانۂ جاوید جا یافت گویا کہ آب بقا یافت ۔ خداوند عالم تذکرہ خمخانۂ جاوید را توتیائے چشم قبول گردانا و آمین ۔

احقر

جوہر شاہجہاں پوری

قطعۂ تاریخ از نتائج طبع وقاد ذہن نقاد سرآمد شعرائے کمال طلسم آرائے بزم خیال منشی سید جلیل حسن صاحب جلیل جانشین حضرت امیر مینائی مغفور

دے جزائے خیر اس قابل مصنف کو خدا
خوب لکھا تذکرہ نام آوران دہر کا

مصرع تاریخ لکھ کر داد دیتا ہے جلیل
یہ کھینچا زیبا مرقع شاعران دہر کا
۱۳۲۶ھ

ولہ

کم نہیں جام جہاں بیں سے یہ کامل تذکرہ
درج جس میں اہل فن کا پورا پورا حال ہے

فکر سال طبع کرتا ہوں تو کہتا ہے جلیل
فکر ہے کیوں سال کے یہ تذکرہ خود سال ہے
۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ طبع زاد مجموعہ فصاحت و بلاغت گلدستہ ذہانت و ذکاوت منشی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی ایڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

شاگرد فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم

خمخانۂ جاوید کا ہے نشہ نرالا — پہنچا ہے کہیں سے کہیں ہر جرعہ منہ والا
ہے اسکی مئے ناب میں تاثیر کچھ ایسی — وہ مست ہوا جس نے پیا ایک پیالا
ہو جاتے ہیں چودہ طبق اک آن میں روشن — کھل جاتی ہیں آنکھیں نظر آتا ہے اُجالا
جو رند ہیں اسکے وہ نیا رکھتے ہیں مشرب — کر دیتے ہیں مذہب کو تو بالکل تہ و بالا
پینے سے انہیں کام ہے تلچھٹ ہو کہ خالص — ساغر کو انہوں نے کبھی دھویا نہ کھنگالا
رکھتے نہیں دونوں سے سروکار یہ کچھ بھی — مسجد ہے مسلمان کی ہندو کا شوالا
ہے اور ہی سمرن یہ جپا کرتے ہیں جسکو — تسبیح کی حاجت ہے نہ درکار ہے مالا
سچ ہے کوئی مذہب نہیں ہوتا شعرا کا — کعبے میں بھی پڑتا ہے بتوں سے انہیں پالا
اک وقت بتوں کو بھی سمجھ لیتے ہیں پتھر — ہے مذہب و دیں انکا زمانے سے نرالا
خمخانۂ جاوید سے ساقیِ ازل نے — مدہوش بنا کر انہیں دنیا سے نکالا
ان لوگوں کے حالات بھی دلکش ہیں سخن بھی — دیکھے مری آنکھوں سے کوئی دیکھنے والا
لکھ سکتا ہے مشکل سے کوئی تذکرہ ان کا — کس طرح فراہم ہو بھلا اتنا مسالا
اسکے لئے ہے کوشش و محنت کی ضرورت — دشوار ہے یہ کام نہیں ہنسنے کا نوالا
لائے گا کہاں سے کوئی مال و زر و دولت — قارون کا بھی اسمیں تو نکل جائے دوالا
ہو مال تو پھر خرچ کی بھی چاہئے ہمت — سب اپنے خزانے کو لگا دیتے ہیں تالا
اس کام میں جو چیز ضروری ہے خصوصاً — وہ شوق طبیعت کا ہے اے حضرتِ والا
اب دیکھو یہ سب باتیں ہیں پوری بھی کسی میں — ہیں سیٹھ ہزاروں تو یہاں لاکھوں ہیں لالا
نفرت ہے انہیں مشغلۂ شعر و سخن سے — وہ روگ سمجھ کر اسے پالیں گے نہ پالا
کیا خاک ترقی ہو اب اس فن کی جہاں میں — کوئی بھی سخنور کا نہیں پوچھنے والا

لیکن ابھی بالکل ہی نہ مایوس ہوں شاعر — اب بھی اس اندھیرے میں ہے تھوڑا سا اجالا
اس وقت بھی موجود ہے اک بندہ خدا کا — ہے مرتبہ جس کا مری تعریف سے بالا
میں نام تو اس کا ابھی ظاہر نہ کروں گا — ہاں کام کا اس کے تمہیں دیدونگا حوالا
یہ تذکرہ اس وقت جو تم دیکھ رہے ہو — ہمت سے اسی شخص نے چھپوا کے نکالا
مصروف تھا برسوں سے وہ ترتیب میں اسکی — اس بات سے واقف ہے ہر اک جاننے والا
شاعر کبھی ہو سکتے نہیں جس سے سبکدوش — احسان کا وہ بارِ گراں سر پہ ہے ڈالا
ہے اسکی شب و روز کی محنت کا نتیجہ — ہر رات سفید اس میں ہوئی دن ہوا کالا
اسکے لئے اردو کا ہر اک پرچہ خریدا — باقی نہیں چھوڑا کوئی گلدستہ رسالا
اس کام کا بیڑا جو اٹھاتا کوئی شاعر — گھربار کا لکھ دیتا مہاجن کو قبالا
خمخانۂ جاوید وہ ہے سیر سے جس کی — ہوجاتا ہے رنج و الم و غم کا ازالا
اس شخص نے احسان کیا بے غرضی سے — خالص یہ عنایت ہے نہیں دال میں کالا
اب جان پڑی قالبِ بے جاں میں سخن کے — بروقت خبر لی بخدا خوب سنبھالا
زندہ تو ابھی زندہ ہیں ان کا نہیں کچھ ذکر — مُردوں کو بھی زندہ کیا مٹی سے نکالا
تحریر کیا حال گذشتہ شعرا کا — یوں انکا وجود ازسرِ نو سانچے میں ڈھالا
یہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جس کا تعلق — اس عالمِ خاکی سے ہے تا عالمِ بالا
زندوں کے دل اور مردونکی روحیں ہوئیں شاداں — اس تذکرہ نے سب کا غرض کام نکالا
کاغذ بھی لکھائی بھی چھپائی بھی ہے نادر — ہر ایک طرح جیت لیا علم کا پالا
نایاب ہے بے مثل ہے کاغذ کی سفیدی — دیکھا نہ سفید ایسا کبھی روئی کا گالا
پھر اس کی چمک میں ہے کچھ اس قسم کی تیزی — کٹ جائیگا بدبیں کی بھی اب آنکھ کا جالا
کیا لالہ سریرام سے واقف نہیں شاعر — محسن کوئی ایسا تو کبھی دیکھا نہ بھالا
احسان کیا آپ نے یہ تذکرہ لکھ کر — سب مل کے کہو سلمہ اللہ تعالا

تاریخ نکالی ہے وجاہت نے نرالی	یہ تذکرہ چھاپا گیا لاریب نرالی

تقریظ ریختہ کلک گہر سلک شمع انجمن صاحبقرانی فروغ دودۂ گورگانی صاحبعالم مرزا محمد خورشید عالم بہادر یادگار مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی

کیا خدا کی شان ہے معشوق عاشق بنگئے	ہر حسین کہتا ہے میں اسکے خریداروں میں ہوں

زمزمہ سنجی حمد و نغمہ سرائی نعت کے بعد میخانۂ سخن کے متوالوں کو مژدہ اور ساغر نشان عشق و محبت کو نوید کہ یہ جام مے ارغوانی سہ آتشہ یعنی شعرا کے تینوں دوروں کا لب لباب پھر وہ بھی چھنا۔ نتھرا۔ صاف شفاف۔ تذکرہ کی صورت میں جلوہ گر ہو یوسف کنعاں کی طرح زمانے کا دل لبھا رہا ہے جو ایک نگاہ دیکھتا ہے ہزار جان سے اسکا خریدار اور شیدا بنجاتا ہے۔

شاہ و وزیر۔ امیر و فقیر۔ سب اسکے جلوہ دلکش کے تماشائی۔ اُف رے اس معشوق خیالی کی دلستانی و دلربائی۔ حیف نظر اس شاہد رعنا کی تجلی اور زیبائی جس نے ایک بار آنکھیں کھول کر اسکا تماشا دیکھا۔ اُس نے جان بیچکر یہ سودا مول لیا۔ کلام ہے جادو ہے۔ کرامت ہے اعجاز ہے۔ ہر مضمون کا نیا پہلو۔ ہر شعر کا نیا انداز ہے۔ تذکرہ نہیں سراپا جیتی جاگتی تصویروں کا مرقع۔ معشوقان طناز۔ یعنی شاہدان خیالی کا گلدستۂ ناز ہے۔ ہر نقطہ آنکھ کا تارا۔ ہر لفظ دیدۂ بینا۔ ہر سطر سرمۂ دنبالہ دار۔ ہر صفحہ ید بیضا۔ ہر ورق دل کا ورق ہے۔ بیان میں نہ گنجلک۔ نہ روزمرہ میں غلطی۔ نہ کوئی مضمون ادق ہے۔ کیوں نہو آخر ان پھولوں کا گلچیں۔ اس چمن کا بانی۔ اس باغ کا رکھوالا۔ کون ہے۔ رونق افزائے گلزار معانی۔ زینت بخش گلستان سخندانی علامۂ روزگار و زبان زد کاملان ہر شہر و دیار۔ خمخانۂ جاوید کا ساقی مے آشام۔ رائے سریرام ایم اے ہی نہیں بلکہ خاندانی امیر زادہ۔ راجہ ٹوڈرمل کا نبیرہ۔ شہنشاہ اکبر کے نورتن کا قیمتی سچا

نگینہ جسنے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اس سرمایہ کو جمع کرنیمیں صرف کیا ہو ہزار روپیہ اٹھا کر کتابوں کا انبار لگایا ہو۔ دو کون تذکرہ دیوان ہے جو یہاں نہیں۔ اس با اوصاف جامع تذکرہ کا شہرہ کہاں کہاں نہیں۔ برسوں کلام غیر مطبوع کی تلاش میں سرگرم جستجو رہا۔ کون سا شہر۔ کون سا قصبہ۔ ہندوستان میں ایسا ہے جہاں یہ خریدار سخن نقاد معانی نہ گیا۔ سالہا سال کی محنت۔ اُسپر صرف ہمت و دولت۔ اب کہیں خدا خدا کرکے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ ایک حصہ اس جواہر گراں بہا کا چھپ کر طیار ہوا ہے۔ چار ابھی ایسے ہی اور باقی ہیں۔ دیکھئے انکو خدا کب دکھاتا ہے۔ مگر ہاں اب اسکی سرپرستی حضرت بندگان عالی۔ اعلیٰ حضرت۔ قدر قدرت۔ دارا حشم۔ نوشیرواں معدلت۔ حضور نظام سریر آرائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و اقبالہٗ نے منظور فرمالی ہے۔ مولف کو ہر طرح آسانی ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ اس کارنامہ کو قبولیت اور زمانے کو اسکی دید کی مہلت۔ مؤلف کو عیش کامرانی۔ اور اس ذرہ بمقدار خورشید کو گردش روزگار سے امن و امان عطا فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہان آمین باد۔

محمد خورشید عالم مرزا گورگانی

۱۶ فروری ۱۹۰۸ء

تقریظ طبعزاد جامع کمالات صوری و معنوی منبع لیاقت و ذکا صاحب فکر رسا نواب مرزا اکبر علیخاں صاحب المتخلص بہ خرد رئیس دہلی

ہمہ در گفت گوے نے آید
آب جو در سبوے نے آید

ہر چند دنیا خود نگار خانہ طلسم و جادو ہے اُسمیں بقا کسکو ہے ہزاروں باکمال دیکھتے دیکھتے پریشان ہوگئے لاکھوں نام آور بے نشان ہوگئے دگرگوں ہر دم رنگ زمانہ ہے سچ ہے دنیا طلسمات کا کارخانہ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھے ۔۔۔ آنکھوں نے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھے

طفلی و شباب عیش و رنج و راحت	اس عمر میں انقلاب کیا کیا دیکھے

غرضکہ ہر بہار کے لئے خزاں اور ہر بقا کے لئے فنا ہے۔ ہائے ایک روز ہم بھی خواب و خیال ہو جائینگے گل کی طرح باد صرصر سے فنا ہو جاوینگے۔ بعد کو کہانی ہوگی۔ اور وہ زبانی ہوگی۔ البتہ جو کچھ قلمبند ہو گیا وہ حال ہمیشہ تازہ ہے۔ اُسکا حرف حرف دیکھنے والوں کو نیا اندازہ ہے۔ یہ کام میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ منصف و رئیس دہلی خلف الرشید آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی سے ہوا ہے۔ کہ نسخۂ لاجواب تذکرۃ الشعرا موسوم بہ خمخانۂ جاوید اسم باسمی تذکرہ کا نام رکھکر ملک پر احسان کیا ہے۔ میدان سخن میں نام کیا ہے۔ کتاب تالیف کیا کی ہے۔ داد سخنوری دی ہے۔ نسخہ کیا ہے حرز دل تعویذ سینہ ہے۔ شعرا کی جان سخنوروں کا ایمان ہے۔ تمام شعرائے جہاں ماضی و حال کا سچا فوٹو کھینچکر تذکرہ کو نگارخانۂ چین و فرنگ بنا دیا ہے۔ مردہ شعرا کو زندہ۔ زندوں کا نام کیا ہے۔ آجکل نقش اُمید ہے بعد کو آثار صنادید ہے۔ عجیب دلپسند کام کیا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ باوجود اختصار ۵۰۰ صفحہ پر کتاب کو ختم کیا ہے۔ میں نے صرف الف بے کی ردیف کو اکثر جگہ سے دیکھا نظم و نثر قابل تعریف۔ زبان با محاورہ۔ باوجود اختصار حرف حرف و لفظ لفظ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی ہے کیوں نہو بابو صاحب دہلی کے نامی لوگوں سے ہیں زبان اُردو انکے گھر کی لونڈی۔ شاعری انکی جاگیر۔ المختصر علاوہ ناظم و ناثر ہونیکے خدا تعالے نے صورت ظاہری و سیرت باطنی ایسی دی ہے جسکی نظیر مصداق اس شعر کے خود ہی ہیں۔ بیت

اُسکی تعریف یہی ہے کہ جہاں میں یکتا	اُسکی توصیف یہی ہے کہ نہیں ہے ہمسر

ہرچند میں نہ ناظم ہوں نہ ناثر الا اس تذکرہ کی خوبی اور بابو صاحب کے اصرار سے یہ چند سطریں لکھکر اپنا نام بھی پانچوں سواروں میں لکھواتا ہوں اور دعائے خیر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

قطعات تاریخ طبع تذکرۂ شعرا از نتائج افکار گہربار سخنور بیمثال شاعر نازک خیال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی خلف الصدق سرآمد سخنوران باکمال فخر شعرائے ماضی وحال جناب حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

علم کا دریا ہیں جو لالہ سری رام ایم۔ اے
تذکرہ لکھا ہے یا آئینۂ حالات ہے
کیا دکھائی ہے ترقی معانی و بیان
یہ تعلی و تجلی مضامیں دیکھئے

موج کیسی آگئی برسادیئے در خوش آب
بے نظیر و بے مثال و یادگار و لاجواب
آشکارا ہے بہار فکر سے رنگ شباب
آسمان فکر سے اترا ہیں پر آفتاب

ایک مصرع سے عیاں ہوں تین رنگ اب اے کمال
تذکرۂ ۔ خمخانۂ زیبا ۔ گرامی انتخاب
سنہ ۱۳۲۵ ہجری سنہ ۱۳۱۶ فصلی

ایضاً

حاکم و منصف ہیں جو لالہ سری رام ایم اے
صرف کی عالی دماغی خوب لکھا تذکرہ
روئے روشن کی طرح ہیں صاف کیا آب و تاب
ہر جگہ رنگ عبارت میں بھری انشا گری
مژدہ اے اہل سخن یہ حسن کی تصویر ہے
کیا بیاں ہیں لطف ہے کیسا زبانیں ہیں مزہ
یہ مضامین سخن کا ایک دلکش باغ ہے

عادل و منصف مزاج و ذی مراتب ذی وقار
اہل دانش پر کیا زور قلم کو آشکار
صورت گیسو مضامیں کچھ نہیں ہیں پیچدار
لوٹ اس تحریر پر کیونکر نہ ہوں جادو نگار
ہے یہی زیبا کہ دل اس پر کئے جائیں نثار
آپ سے گفتار صدقے نطق خود کرتا ہے پیار
لاکھ دل سے ہے فدا اس رنگ پر رنگ بہار

جو سخنور ہیں سوانح اونکے ہیں اسمیں رقم　　پھر نہ کیوں شانِ سخن ہو وہی شرف ذی اعتبار

خوب اک مصرع میں تاریخیں ہوئیں دو لے کمال
"بے بہا خمخانہ" ہے یہ "انتخاب لاجواب"
۱۳۲۵ھ　۱۹۰۰ء

ایضاً

سحر ہے افسوں ہے یا تسخیر ہے　　دیکھیں اس تحریر کو جادو مقال
حسن سے حالات اُنکے لکھدیے　　جو سخنور ہیں بہت نازک خیال
صفحۂ قرطاس پر نقاش نے　　نقش کھینچے ہیں عجیب و بیمثال
سال ہجری سے ملادے عیسوی　　ایک مصرع میں ہوں دو رنگ کمال

کاملینِ فن کو یوں مسرور کر
تذکرہ ۔ تصویرِ حیرت بے مثال
۱۳۲۵ھ　۱۹۰۰ء

ایضاً

ہے یہ خیالات کا ایک عجیب آئینہ　　دیکھے ہوں کیوں نہ دنگ جتنے ہیں نازک خیال
کھینچی ہے دلکش شبیہہ خوب کمالات کی　　شوق سے رکھیں نہ کیوں آنکھوں پر اہلِ کمال
اہلِ سخن کا ہے ایک تذکرہ لاجواب　　یا ہے سنئے رنگ کا قصہ ماضی و حال

دل میں اگر ہے خیال طبع کا لکھوں میں سال
کیوں نہیں کہتے کمال "تذکرہ بیمثال"
۱۹۰۰ء

قطعات تاریخ طبع "خمخانۂ جاوید" از نتائج طبع سید رشید الزماں اُمید ردولوی شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست تروا ضلع فرخ آباد

چوں رقم خمخانۂ جاوید شد
خامہ حیراں در بیان وصف او

بے عدیل و بے نظیر و لاجواب
حرف حرف و نقطہ نقطہ انتخاب

از پئے تاریخ طبعش گفت امید
گشت مطبوع جہاں باآب و تاب
۱۳۲۶ھ

ایضاً

لکھے شاعروں کے یہ حالات خوب
دکھاتی ہے تحریر حسن شباب

عجب تذکرہ یہ ہوا دلپذیر
نہ کیونکر ہوں مشتاق برنا و پیر

رقم کر دو امید یوں سال طبع
کہ اچھا چھپا نسخۂ بے نظیر
۱۹۰۸ء

قطعات تاریخ طبع خمخانۂ جاوید از نتائج افکار محمد نور الحسن فروغ خلف جناب شیخ محمد علیم الدین صاحب علیم پیشکار ریاست تروا ضلع فرخ آباد شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست تروا ضلع فرخ آباد

واہ کیا بے مثل لکھا تذکرہ
ہر طرف برپا ہے اسکی دھوم دھام
بن سنور تے ہیں عروسان سخن
سامع و قاری کو کردیتا ہے مست

شاعروں کا دلکش افسانہ ہے یہ
کیا مثال جشن شاہانہ ہے یہ
خوب اُنکی زلف کا شانہ ہے یہ
کچھ عجب تاثیر میخانہ ہے یہ

طبع کے دو مادّے لکھو فروغ
ساغر دلخواہ۔ خمخانہ ہے یہ
سنہ ۱۳۲۵ھ سنہ ۱۹۰۸ء

ہیں جو اک منصف سر ایم۔ ایم۔ اے
تذکرہ لکھا نہایت خوب ہے
ایک تحفہ ہے عجیب و یادگار
طالبوں کے واسطے مطلوب ہے
کیا زباں مطبوع طبع و دلپسند
کیا بیاں دلکش و محبوب ہے

یوں سنینِ طبع لکھوا سے فروغ
تذکرہ ۔ یہ بے بدل مرغوب ہے
۱۳۲۵ھ ۱۳۲۶ھ

ایضاً

کیا ہوا ہے تذکرہ یہ بے مثال
جو ہیں منصف داد وہ کیونکر نہ دیں
کس جگہ ہیں جوہری و قدرداں
گوہر نایاب کو آنکھوں سے لیں

دو ہوئیں تاریخیں یکجا اے فروغ
تذکرہ بے مثل ہے تاریخ میں
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء

تقریظ ریختۂ کلک جادو رقم سخنور فہیم صاحب طبع سلیم قاضی محمد علیم الدین صاحب علیم سررشتہ دار محکمہ پنچایت رزیڈنسی جے پور

درِ خمخانۂ جاوید را ساقی کشاد اینجا
صلای الصبوح از بہر خاص و عام داد اینجا
نہ ہے خمخانہ پر از بادہ مستی فزا باشد
کسی ناشاد اگر آمد ہم گردیدہ شاد اینجا
دریں خمخانہ ہر کس بادۂ پر زور را خوردہ
چو اشکِ نامراداں بر زمیں زود اوفتاد اینجا
چہ خمخانہ کہ باشد استوار بہر جاویداں
ہمانا زوار دبر زمیں سبع شداد اینجا
چہ خمخانہ کہ وقفِ اہلِ ذوق و شوق می باشد
بجز احباب اصلا نیست بر غیر اعتماد اینجا
چہ خمخانہ کہ مامن از برائے اہلِ عشرت ہست
نباشد ہیچ باک از فتنۂ و شر و فساد اینجا
بنازم بے نہایت ہمت فیاض نہ تارا
کہ کسب فیض ہا سازند جمشید و قباد اینجا

زہے نعمائے دانشور سخن را حامی و یاور
چہ خوش خمخانہ یا بزم جہان آرا کہ می بینم
چہ بزم بوستانِ عندلیبانِ نوا سنجاں
تعال اللہ چہ بزم دلکشا کز دشمناں خالی
حسوداں گر نمی سازند تحسین نیست پروائے
زر و مال جہاں ہرگز وفا باکس نمی سازد
بہ نقاشانِ اول گو کہ نقشِ خویش را شویند
بوقتِ نیک چوں گردیدہ چاپ ایں نامۂ نگیر
کہ گفتہ زود تر در صنعتِ ہجری بگوشِ من
پسِ تاریخِ ہجری ہر سالِ عیسوی اکنوں
سنِ فصلی قلم ذکرِ محبانِ فرید آورد
۱۳۲۵ھ
کتاب تذکرہ آئینۂ عالم بسبت گفت
۱۹۶۵
بالطافِ الٰہی یافتہ انجامِ نظمِ من

سزد آنکہ نبود مثل او والا نژاد اینجا
سخن سنجانِ والا گوہر اند از ہر سواد اینجا
بیا بنگر کہ ہرگز نیست دخلِ بوم و خاد اینجا
بہر سو پر طرب بنشستہ اند اہلِ وداد اینجا
برآمد از سخن سنجانِ عالم شور و داد اینجا
سخن باشد متاعِ نغز بنود بر کساد اینجا
نشستہ دو جہا اے دوستان نقشِ مراد اینجا
علیما از پئے تاریخ طبعم رو نہاد اینجا
سنش خمخانۂ جاوید با آب او ستاد اینجا
۱۳۲۶ھ
کتابِ عمزدا طرفہ طلسم آمد بیاد اینجا
۱۹۰۰ع
بحالِ ما مت ہر دم منت کلک و مداد اینجا
سروشِ ایزدی در وقتِ فکرم با مدد اینجا
کمیتِ فکرم از جولاں نمودم ایستاد اینجا

بدنیا تا بود نامِ خم و خمخانہ ھا باقی
خدایا بانیِ خمخانہ دائم شاد باد اینجا

ریویو رقم زدۂ جامع کمالات صوری و معنوی فضیلت مآب کمالات انتساب شمس العلما خان بہادر پروفیسر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب رئیس دہلی۔ ریویو تذکرۂ ہزار داستان خمخانۂ جاوید

میں شاعر نہیں ہوں کہ شاعروں کے تذکرہ کی پوری داد دے سکوں۔ مگر اردو کے شاعروں

کے تذکروں کی میری جتنی واقفیت ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ سب سے اول اُردو کے شاعروں
کا تذکرہ قاسم نے لکھا اگرچہ وہ چھپا نہیں لیکن اُسکے قلمی نسخے بہت دور دور شایع ہوئے پھر اس
تذکرے کو نواب مصطفےٰ خان شیفتہ وحسرتی نے زیر نظر رکھکر تذکرہ گلشن بے خار لکھا جو چھپا
اور بہت مقبولِ انام ہوا۔ اسکے بعد صہبائی نے تذکرہ گلستانِ سخن لکھا جو مرزا صابر کی تصنیف
سے مشہور ہوا اور چھپا ان تذکروں کے علاوہ اور پانچ چھ تذکرے چھپے مگر ان سب تذکروں پر شمس العلما
مولوی محمد حسین آزاد کے تذکرہ آبِ حیات نے پانی پھیر دیا۔ اب اس تذکرہ کے آگے اور کوئی
تذکرہ نہیں پوچھا جاتا اسکے بعد تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید کے ۴۴ صفحے میرے
مطالعہ میں آئے جسمیں اُن شاعروں کا کلام اور حال لکھا ہے۔ جنکے تخلص کے اول
الف ممدودہ والف مقصورہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کا حجم اور سب
تذکروں کے مجموعی حجم کے برابر ہوگا۔ اسکے مصنف رائے سری رام ایم۔ اے۔ فرزند خجستہ خصال آنریبل
رائے بہادر مدن گوپال۔ ایم۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ لا ہیں بظاہر اسپر تعجب ہوتا ہے کہ اس لایق
بیٹے نے اپنے لایق باپ کی طرح قانون میں فرد کامل ہونے میں سعی نہ کی فقط سرکاری قانونی
امتحان میں پاس ہونے پر بس کی۔ لیکن انگریزی میں ضرب المثل ہے
(شاعر بنانے سے نہیں بنتا وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے) انکی طبیعت قدرت
ہی نے شاعری کے لئے وضع کی تھی۔ وہ دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس خداداد
فہم مستقیم اور مذاق سلیم کے سبب سے انہوں نے ادنیٰ اور متوسط شاعروں کے کلام میں
سے ایسے تھوڑے اشعار منتخب کئے کہ اُستادوں کے کہے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں۔ اور اعلیٰ شاعروں کے کلام میں سے بہت بہت سے اشعار ایسے منتخب کئے کہ انسے
بہتر اوراشعار ان کے کل کلام میں نہیں پائے جاتے۔ قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی اچھا
شاعر نہیں ہوتا کہ اساتذہ سابقہ کے کلام پر اُسکی نظر نہ ہو اور وہ اُسکے ذہن میں محفوظ نہ ہوں پس
یہ مطلب فقط اس تذکرے کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہے کہ اچھا شاعر بننے کے لئے

شعرا کے دواوین اور کلیات کے پڑھنے سے مستغنی کرتا ہے۔ اسکو پڑھکر کہنا پڑیگا کہ گویا کل شاعروں کے کلام کا لُبِ لباب نظر سے گذر گیا۔ شاعروں کے اکثر حالات مصنف نے نثر میں ایسی فصاحت وبلاغت وسلاست سے لکھے ہیں کہ اونمیں بھی عمدہ نظم کا لطف آتا ہے۔ غرض یہ مصنف کا بڑا احسان اہلِ زبان پر ہے کہ اوسنے اُردو لٹریچر پر اپنے اس تذکرے کی تصنیف سے ایسا بڑا اضافہ کیا ہے کہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اسکی یہ ہزار داستان سخن کے بوستان جاوید میں ہمیشہ چہچہاتی اور اُسکے نام کی مدح سرائی کرتی رہے گی۔

ذکاء اللہ

تقریظ منظوم طبعزاد بلبل گلزار سخن طوطی شکرستان علم وفن سخنور نکتہ سنج سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی

بہار آئی ہے گلفام دینا ۔ لبالب بھر کے ساقی جام دینا
پیاسے ہیں بہت دن کے مے آشام ۔ شرابِ روح پرور کا پلا جام
پڑے ہیں دیکھ کے کانٹے زباں پر ۔ گھٹا گھنگھور چھائی آسمان پر
وہ مے دے جو نشے میں چور کردے ۔ وہ مے جو بے پئے مسرور کردے
چمن پر آج رنگت آرہی ہے ۔ کچھ آنکھوں میں تراوٹ آرہی ہے
کہیں بلبل کے لب پر ہے ترانا ۔ کہیں گلچیں کے ڈر سے سہم جانا
سخن رنگیں کوئی ایسا سنا دے ۔ کہ جو رنج والم دل سے بھلا دے
برس کر ابر جب سے کچھ کھلا ہے ۔ چمن کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے
قیامت ڈھائی غنچے نے چٹک کر ۔ گری ہے دل پہ بجلی سی کڑک کر
وہ شوخی سے صبا کا گدگدانا ۔ وہ پھولوں کا ادا سے مسکرانا

ہوا ہے سبزہ کا وہ لہلہانا — طیور خوش نوا کا چہچہانا

وہ مشتاق ستم سرو لب جو — تڑپ کر درد سے قمری کی کوکو

وہ ہر سو جلوہ فرما اسکی قدرت — تماشا دیکھ کر نرگس کو حیرت

وہ نہرونمیں رواں آب مصفا — خراماں ہر طرف طاؤس زیبا

وہ زیبائی وہ رعنائی گلوں کی — پھر اس پر خوشنوائی بلبلونکی

ہوا سے ہر طرف بادل کا پھٹنا — شب مہتاب سونے پر سہاگا

یہ گذری سیر جب میری نظر سے — لہو جاری ہوا زخم جگر سے

ابھر آئیں وہ دلکی ساری چوٹیں — کبھی کھائیں تھیں جتنی کاری چوٹیں

کسی کی وہ جفائیں یاد آئیں — مجھے اپنی وفائیں یاد آئیں

وہ اپنی اشک باری یاد آئی — وہ دلکی بیقراری یاد آئی

کسیکا مسکرانا یاد آیا — وہ ہنس ہنس کر رلانا یاد آیا

وہ یاد آئی کبھی کی اپنی حالت — نظر میں پھر گئی اس بت کی صورت

وہ شوق وصل نے پھر گدگدایا — وہ یاد یار نے پہلو دبایا

کھلا سینے میں پھر باغ تمنا — ہرے پھر ہو گئے داغ تمنا

جدائی سے کلیجہ شق ہوا پھر — بنا سینہ مرا ماتم سرا پھر

لہو پھر ہو گیا آنکھوں سے جاری — تڑپ کر پھر گذاری رات ساری

گریباں کو کیا پھر چاک میں نے — اڑائی سر پر اپنے خاک میں نے

نگاہوں نے ادھر صحرا کو تاکا — ادھر تلووں نے خاروں کو ٹٹولا

بن آئی پھر سپہر فتنہ زا کی — سر شوریدہ نے دیوار تاکی

جب اس درجہ کو نوبت اپنی پہنچی — تو پھر عقل مآل اندیش چونکی

تسلی دی مجھے دلکو دلاسا — پلائی کچھ دوا صدقے اتارا

بیاں کی میرے آگے اِک کہانی | سُنائی شعر بھی کچھ بہ مُنہ زبانی
مجھے تو عشق ہے شعر و سخن کا | ہوا وہ زور کم دیوانہ پن کا
مرے دل کو کیا قابو میں کیسا | دکھایا معجزہ جادو میں کیسا
مجھے سنبھلا ہوا جب اُسنے پایا | خزینہ اِک معانی کا دکھایا
سنا کر ذکر کچھ اِک تذکرے کا | کیا تقریظ لکھنے کا اِشارا
کتاب اِک ایسی رکھدی لا کر آگے | کہ وحشت جس سے کوسوں دور بھاگے
اگر ہر موئے تن میرا زباں ہو | تو ہاں کچھ اُسکی خوبی کا بیاں ہو
کہیں سادہ کہیں ہے طرز رنگیں | چُھٹے چھٹکے ہوئے سارے مضامیں
جہاں تعریف ہے زلفِ دوتا کی | وہاں پیچیدگی ہے کس بلا کی
کسی نے شوخیاں بھر دیں بیانیں | کسی نے گرمیاں کی ہیں بیانیں
کسی کی سادگی ہے قابلِ داد | کسی نے طرزِ نو کرلی ہے ایجاد
کسی کو ہے ادا بندی کا لپکا | کوئی تشبیہ کی جانب ہے لپکا
کسی کو استعارہ بھا گیا ہے | کوئی ڈھل کر زبان پہ آگیا ہے
معانی پُرنگا ہیں ہیں کسی کی | جگر کے پار آہیں ہیں کسی کی
کہیں شوخی کا ہے عالم نرالا | کہیں ہے سادگی کا بول بالا
تصوف میں کسی نے نام پایا | کسی نے مدح میں انعام پایا
کوئی الفاظ کی شوکت کا عادی | کسی کی بندشیں ہیں سیدھی سادی
کوئی نازک خیالی پر مٹا ہے | تو کوئی روزمرہ پر فدا ہے
کہیں ہے فارسی ترکیب ساری | کہیں اُردو زباں ہے پیاری پیاری
نئی ترکیب کا ہے کوئی موجد | پرانی طرز کا کوئی مقلد ہو
کہیں الفاظ کی جادوگری ہے | کسی نے گود پھولوں سے بھری ہے

کسی نے تیر کر جیتا ہے پالا ۔ کسی نے ڈوب کر موتی نکالا
کسی نے چوٹ کھا کر آہ کی ہے ۔ کسی نے دل کے اندر راہ کی ہے
کسی نے چٹکیاں لیں ہیں جگر میں ۔ سمایا ہے کوئی ظاہر نظر میں
ستم کے ٹکڑے روئے ہیں کسی نے ۔ کہیں موتی پروئے ہیں کسی نے
کسی نے پھول توڑے ہیں چمن سے ۔ کسے نے لعل اُگلے ہیں دہن سے
غرض ہر شعر چوٹی کا چُنا ہے ۔ سُنا جس نے اُسی نے سر دُھنا ہے
کسی نے تذکرہ لکھا ہے ایسا ۔ کبھی سنتے سُنا دیکھا ہے ایسا
کسی سے ہو سکے کب ایسی محنت ۔ پھرا اُس پر صرف دولت صرف ہمت
مؤلف اِسکے ہیں لالہ سری رام ۔ خلایق کے زبانزد اِنکا ہے نام
بھرے ہیں اُنمیں اوصاف حمیدہ ۔ لکھے ہیں شعر سارے چیدہ چیدہ
ہزاروں پر پھرا ہے اِنکے پانی ۔ کھچی ہے جب یہ تصویر معانی
کوئی شاعر نہیں چھوڑا ہے باقی ۔ ہوئے جس سے نہ جا کر یہ ملاقی
مہینوں بلکہ برسوں خاک چھانی ۔ گنوادی عشق میں اِسکے جوانی
کیا ہے کام یہ اِک عمر بھر میں ۔ سفر برسوں کیا ہے بحر و بر میں
جہاں قلمی کوئی دیوان دیکھا ۔ ہزاروں دیکے ظالم نے خریدا
کتابوں کی یہاں تعداد کیا ہے ۔ زمیں سے چھت تک اِک کمرہ بھرا ہے
ہزاروں ہیں کہیں دیوان اسمیں ۔ کہیں ہے تذکرے کی کان اسمیں
کتاب اِنسے بچی ہے کب جہاں میں ۔ نہیں اصلا غلو میرے بیاں میں
خریدی جو جہاں سے ہاتھ آئی ۔ یہی دولت یہ ہے اُنکی کمائی
لکھا ہے تذکرہ جادو کیا ہے ۔ زمانے سے نرالا بے بہا ہے
زمانہ ہے خریداروں میں اِسکے ۔ جسے دیکھو طلبگاروں میں اِسکے

کہاں تقدیر نے پہونچا دیا ہے	معنون نام نامی سے ہوا ہے
نظر تک حضرتِ آصف کی پہونچا	بہت دن میں نصیبا اسکا جاگا
قلم نے کی ہے برسوں جبہہ سائی	جب اس در تک ہوئی حاصل رسائی
یونہیں مشکل ہے شہ کی مدح خوانی	پھر اُس پر خسرو ملکِ معانی
فریدوں فر بھی ہے معجز رقم بھی	ملا ہے اسکو نیزہ بھی قلم بھی
اسی کی سلطنت ملکِ دکن میں	اسی کا راج اقلیمِ سخن میں
اُسکا کام ٹھہرا حکمرانی	اسی کا شغل ہے شیریں بیانی
دعاگو بالعالی کے ہزاروں	ثنا خواں خوش مقالی کے ہزاروں
قلمداں اسکا دکانِ جواہر	غزل ہے اُسکی یا کانِ جواہر
اُٹھا کر ہاتھ بیخود اب دعا کر	اثر بخشے خدا سے التجا کر
الٰہی شاہ کو دل شاد رکھنا	دکن کی سلطنت آباد رکھنا
اُسے حاصل ہو عیشِ کامرانی	عطا کر اُسکو عمرِ جاودانی
مؤلف کا رہے نام اس سے قائم	مزہ لیں پڑھ کے اسکو شاہ دائم

تقریظ از نتیجۂ افکار گہربار ناشر یگانہ منشی بدیع نگار شیریں گفتار منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اس تذکرے کی کیفیت جیسی ہمیں بالتفصیل معلوم ہے۔ شاید دوسرے کو نہو گی کیونکہ زمانۂ تدوین سے اسپر ہماری نظر پڑتی رہی ہے۔ اور جو جو دل چھیڑ دینے والے موقعے اُس زمانہ میں اسکے مدّوں کو پیش آئے ہیں وہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑے ہیں۔

ہمارے دوست لالہ سری رام صاحب نے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس بادیہ وش کو

اُٹھایا تھا۔ یعنی ایام طالبعلمی سے ہی اسکا ذھیر ڈالا تھا۔ اور اپنے آپ کو اجتماع سخن واہل سخن کا متوالا بنایا تھا۔ ادھر انٹرنس کے امتحان کی تیاری تھی اُدھر یہ بیماری تھی۔ کہ اس تیاری کے تمام اوقات وقف تذکرہ تھے۔ دیکھنے میں بی۔ اے کی امتحانی کتابوں کا مطالعہ تھا۔ مگر درحقیقت وہ اساتذۂ ماضی وحال کے تذکروں اُنکے دیوانوں اور چیدہ کلام کا انتخاب تھا۔ گو ایم۔ اے کا امتحان سر پر تھا۔ مگر تذکرہ کا پشتارہ بغل میں۔ غرض علمی امتحانوں سے لیکر قانونی امتحان تک یہی حالت رہی۔ کھانے کی سُدھ نہ پینے کی بُدھ۔ اسکے علاوہ اور بھی سیکڑوں مکروہات زمانہ سدِ راہ ہوئے۔ مگر اس دُھن کے پکے نے اپنی دُھن نہ چھوڑی۔ ماں باپ اور اس شوق سے ناراض رہے۔ تمام بزرگ مانع ہوئے۔ مگر لالہ سری رام صاحب نے ہی یہ کام نہ چھوڑا۔ سب بگاڑی مگر یارانِ تذکرے سے بنائے رکھی۔ اور اُسے انجام پر پہونچا کر چھوڑا۔

خمخانۂ جاوید کی تدوین میں جیسی جیسی دقتیں پیش آئیں اور جو جو مزاحمتیں دامنگیر ہوئیں انہیں کوئی تدوین کے والے پوچھے۔ یہ استقلال بے زوال ہی کا تصدق تھا۔ کہ اس خمخانۂ جاوید میں آج نوید کے شادیانے بج رہے ہیں۔ جس انہماک کو غفلت سمجھ رکھا تھا۔ وہ عین ہوشیاری اور کامل مُسرت نکلی۔ بھلا لالہ سری رام سے زیادہ کون سنا ہوسکتا ہے جنہوں نے اجتماع ضدین کو ثابت کر دکھایا۔ انٹرنس سے ایم۔ اے تک پاس کرتے چلے گئے۔ یاس کو پاس نہ آنے دیا۔ یہانتک کہ قانون پر بھی ہاتھ مار ہی دیا۔ یہ خداداد ملکہ تھا۔ جس نے تمام ہمچشموں میں تہلکہ ڈالدیا تھا۔ اِسکی بدولت منصفی ہتھکاری۔ اور علمی کامیابیوں کے طفیل خاندانی ناموری کو سنبھالا۔

اگلے تذکرہ نگاروں نے صرف گزشتہ تذکروں۔ بیاضوں اپنے وقت کے روشناس شاعروں کے حالات گھر بیٹھے لکھکر تذکرہ نویسوں میں اپنا نام شمار کرالیا۔ لالہ سری رام نے نامی شعرا کے خاندان کا پتا لگایا۔ اُنکی قربات سے ملے۔ اور وہ حالات حاصل کئے۔ جو اہل خاندان کو سینہ بسینہ پہنچے تھے۔ موجودہ مشہور شاعروں کے گھروں پر پہنچے۔ اُنکا کلام اُنکے بزرگوں کا کلام

اور قابلِ تذکرہ احوال بہم پہونچاکر لائے۔ کبھی کلکتہ کا سفر کیا۔ کبھی بنارس اور لکھنؤ کا دہاوا مارا۔ کبھی آگرہ پہنچے۔ کبھی بمبئی۔ کبھی اجمیر کبھی جے پور۔ کبھی بریلی پنجاب کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو چھان مارا جن نازک خیالوں کا کلام اُنکے خاندانی افلاس نے طاق نسیاں پر رکھ دیا تھا۔ اُن سے لیا۔ اور چھپوا کر اُن ازجہاں رفتہ کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ گویا اپنے آپ کو مسیحا ٹھہرا دیا۔

اس تذکرے میں جب کسی نامی شاعر کے حال پر نظر پڑے گی تو خاص خاص خاندانوں کا حال دیکھکر اُس خاندان کے لوگ خود چونک پڑیں گے۔

یہ لالہ سری رام ہی کے حصے کا کام تھا۔ اور انہیں کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ بھلا دوسرا آدمی ان کا سا حوصلہ انکی سی ذہانت۔ انکی سی سخن فہمی۔ انکی سی سخن شناسی۔ انکی سی نکتہ رسی تاوقتیکہ ایسی ہی امداد غیبی اور خداداد لیاقت نہو۔ کبھی حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ حافظہ اور ذہانت انکا خاندانی ورثہ ہے۔ راجہ ٹوڈرمل اکبری نورتن کے گوہر شب چراغ کو کون نہیں جانتا۔ آپ بھی اُسی خاندان کے نام لیوا ہیں بلکہ روشن چراغ ہیں۔ آپکے خاندان نے ایام غدر تک شاہانِ دہلی سے توسل رکھا۔ اور اخیر وقت تک خاندانی اعزاز کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپکے والدِ بزرگوار آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا بھی کچھ کم ذکی وفہیم نہ تھے۔ اُنکا تبحر علمی پنجاب میں ضرب المثل اور قانونی قابلیت مسلم تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے رکن اعظم اور علوم مشرقی ومغربی کے زبردست ماہر تھے۔ آپ متواتر ۶ سال تک پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے اور اپنی حُسن کارگذاری سے رعایا اور حکام دونوں کو رضامند رکھا۔ افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی ورنہ چیف کورٹ کی ججی کے علاوہ عنقریب امپریل کونسل کے ممبر نامزد ہوتے۔ آپ کی قانونی کتابیں پنجاب کی عدالتوں میں رائج اور وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ ہی کے ہونہار فرزند نے تذکرہ لکھکر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور زندوں کو عمرِ جاوید کا پٹہ لکھدیا۔ یعنی وہ اس خمخانۂ جاوید میں آگئے۔ اور مست ازل کے لقب سے ملقب ہوگئے۔

آپ کے عموی نامدار راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے جو اپنی لیاقت کے آپ ہی نظیر ہیں۔ اپنی غیر معمولی لیاقت اور علمی سرپرستی سے عموماً ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کو بہت بڑا فیض پہنچایا۔ سینکڑوں کتابیں سررشتہ تعلیم میں انہی کی تجویز اور راے پر تصنیف و تالیف ہو کر مروج کی گئیں۔ خود بھی لکھیں۔ اور اس سررشتہ کے اراکین کو بھی رستہ بتایا۔ غرض اس خاندان سے جو کچھ ہوا کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہے۔ جیکا جس طرف شوق ہوا۔ اُس نے اُسی میں ادنیٰ توجہ سے وہ کمال کر دکھایا۔ کہ ابناے زمانہ عش عش کرتے رہ گئے۔

بھلا جو تذکرہ اتنی مدت میں اسقدر تحقیقات اور اخراجات سے لکھا جاے کہ ایک ذات کا روپیہ اُسکی اغراض بہم پہنچانے میں ٹھیکری کر دیا جاے۔ وہ کیوں نہ سب تذکروں سے بہتر اور افضل ہو۔ یہ تذکرہ تجارت کی غرض سے نہیں لکھا گیا۔ صرف شوقِ زبان۔ شوقِ سخن فہمی و البقاے نام شعراے ہند بلکہ قیام زباں کی وجہ سے تدوین ہوا۔ اور اُسکا منافع کسی مفید عامہ امور کے واسطے وقف کر دینے کا ارادہ کر لیا

یہاںتک تو ہمنے اپنی ذاتی واقفیت کا خلاصہ لکھا تھا۔ اب ہم تذکرہ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ یہ تذکرہ بارہا نظر افروز مطالعہ ہو چکا ہے۔ مگر جب دیکھا ہے جب ہی ایک نہ ایک جدت پائی۔ پس اس لحاظ سے یہ نظر اور ہے اور وہ نظر اور تھی

اس تذکرے کے اول حصے میں الف سے لیکر بے تک کے بلبلانِ ہزار داستان جمع ہو کر اپنی اپنی روش نغمہ سنجی اور خاص خاص بولیوں سے دل لبھا رہے ہیں۔ ہر ایک کا انداز جدا سا ز جُدا بظاہر ایک ہی باغ کے فدائی ہیں۔ مگر دراصل عجیب عجیب نیرنگیوں کے شیدائی ہیں۔ کوئی حسن پرستی پر لوٹ ہے۔ تو کوئی خدا پرستی پر غش۔ کوئی کارخانۂ قدرت کی حکمتوں کا دلدادہ تو کوئی روزمرہ دہلی کی سخن سنجی پر دل و جان سے آمادہ۔ کوئی اپنے وقت کی ابتدائی زبان کو فخریہ کلام میں ظاہر کر رہا ہے۔ تو کوئی اُسی زبان کو اصلاح دے کر دوسرے پیرایہ میں نیا رنگ اور نیا انداز دکھا رہا ہے۔ کسی کا کلام دلمیں بیٹھا جاتا ہے۔ تو کسی کا عرش بریں تک پہنچا دینے کا بیڑا اٹھاتا ہے۔

کوئی فصاحت پر مٹا ہوا ہے۔ تو کوئی بلاغت پر فریفتہ۔ کسی نے سیدہی سیدہی بول چال اپنا وتیرہ ٹھہرالیا ہے۔ تو کسی نے خاص خاص اصطلاحات و محاورات کا نقشہ جمایا ہے۔ کوئی فلسفیانہ مسائل پر جھکا ہے۔ تو کوئی منطقیانہ دلائل پر مائل۔ گو شکلیں مختلف ہیں۔ مگر نتیجہ کلام ایک ہی ہے یعنی ہر ایک شخص اپنے ملک کی زبان کے قیام پر بطیب خاطر مائل اور اُسکی ترقی کا اپنے ہر ایک ہمعصر سے سائل ہے۔ چنانچہ ہم بھی اس امر کے ثبوت میں چند شعرا کے کلام کا انتخاب کر کے اُنکے رجحان طبع کو دکھلاتے اور کچھ کچھ حالات سُناتے ہیں۔

سب سے پہلے خواجہ حیدر علی آتش کے حال کو لیجئے اور حضرت ناسخ سے جس قسم کا برتاو تھا۔ اُسے دیکھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب آتش بیان ہی نہ تھے۔ بلکہ آتش مزاج اور نازک طبع بھی تھے۔ باوجودیکہ دونوں صاحبوں کی باہمی نوک جھونک رہتی تھی۔ لیکن حضرتِ ناسخ کا دنیا سے گزرنا اور آتش کا ترک سخن گوئی کرنا ایک عجیب پاس وضع اور انصافِ قلبی ظاہر کرتا ہے۔ آتش کا کلام صاف ہے پاکیزہ ہے۔ مگر وہ بات کہاں جو ناسخ کو حاصل تھی۔ وہ تشبیہہ و استعارہ کا بادشاہ تھا یہ میدانِ فصاحت کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا ایک ہی شعر ایسا ہے۔ جو آتشیں طبیعت کا نمونہ اور صاف گوئی کا چربہ ہے ؂

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

علیٰ ہٰذا شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کے حال پر نظر ڈالیے۔ تخلص کے ساتھ کلام اور طبع میں بھی وہ آزادی ہے۔ کہ اچھے اچھے وارستہ مزاجوں کو پرے بٹھاتی ہے۔ جس بات کی ابتدا کی انتہا پر پہنچایا۔ اُستاد ذوق کی محبت۔ ایام غدر کی مصیبت سن سنکر سنگدلوں کے پتھر دلوں کو موم بنا دیتی ہے نثر میں وہ کمال ہے کہ صوفی صافی تک سر دُھنتے ہیں۔ موسم زمستاں کا بیان۔ ابرِ کرم۔ شبِ قدر کی مثنوی پڑھو اور بے اختیار اس جدت کی داد دو۔ کلام سنو اور فصاحت پر میر ملو ؂

ہاتھ چھو میں گے سے گبر و مسلماں دو	ایک میں دستِ صنم ایک میں قرآں ہو گا۔

مثنوی زمستاں میں کہتے ہیں ؎

ساون کے گیت اُٹھارہے طوفاں دلوئیں ہیں	پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوئیں ہیں
ہر تان میں ملہار کی مستی کا شور ہے	بادل گرج کے پردے میں دیتا ٹکور ہے

غرض یہی حال شب قدر کے بیان میں ہے۔

اسی طرح مولوی مفتی صدرالدین خانصاحب آزردہ کے حال میں جو خاص خاص واقعات درج ہیں۔ وہ الگ ہی اپنا پُرلطف سماں باندہ رہے ہیں جس عاشقانہ مناسبت سے آزردہ تخلص کیا ہے۔ اُسی شیدایانہ رعایت سے اکثر کلام بھی موزوں فرمایا ہے ؎

اس دردِ جُدائی سے کہیں جان نکلجائے	آزردہ مرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر
ہو نہ دامنگیر کوئی جا نکر قاتل مجھے	تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر
یہ کہکے رخ ڈھالے اُنکے حجاب میں	اچھے بُرے کا حال کھلے کیا نقاب میں
عشق بازی کا مُنہ چڑانا ہے	اب وہ موسم نہیں شباب نہیں
مختصر حال چشم و دل یہ ہے	اس کو آرام اسکو خواب نہیں
ہے روزِ عید رنجش خاطر کو دو سلام	آؤ گلے لگو مرے کیسی نہیں نہیں

اس تذکرے کے آصفوں میں قابلِ ذکر دو آصف ہیں ایک نواب آصف الدولہ والئے اودہ جنکے ہاں دہلی کے اہل زبانوں نے جاکر پناہ لی۔ اور اُنھوں نے اس زبان میں شعرگوئی اختیار کرکے روزافزوں رفعت سے گرنے نہ دیا۔ دوسرے حضور پرنور میر محبوب علیخان بہادر نظام بالقابہ سلطانِ دکن جنہوں نے اس زبان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دیکر اُبھارا اور اپنے اُس کلام سے جو کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔ چار چاند لگا دیئے۔ زبان کی فصاحت دونوں حضرات کے کلام سے ٹپکتی ہے۔ مگر حضور نظام نے میر تقی کی روش پر بے تکلفانہ اشعار کہکر اُستاد ذوق اور حضرت داغ کو زندہ کردیا ہے۔ چنانچہ تیمناً و تبرکاً دونوں حضرات کے دو دو چار چار اشعار زیب ریویو کئے جاتے ہیں۔ آصف الدولہ آصف ؎

بڑے شکوہ سے جاتا ہے وقت فلہ و لکا		پُھکے گار و بروکیں کے معاملہ دل کا
ایکدن یار سے یہ میں نے کہا	ق	ابتو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگے کہ اے آصف		یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جان سے گئے

حضور نظام آصف ؎

آصف سے یہ چھپتا ہے نہ ہرگز کبھی چھپٹے		لپکا ہے اُسکو دید کا چسکا ہے چاہ کا
میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح		تو نہ ہوتا مرا اللہ نگہباں ہوتا
مار رکھتے کے یہ انداز نکالے تم نے		آن سے تیغ کبھی ناز سے خنجر نکلا
میخانے میں کیا لطف ہے کیا ناک ہے ساقی		آواز چلی آتی ہے لا اور پلا اور
ان حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نکرے		خونبہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں
بے وفا ایک تیری خاطر سے		سُن رہا ہوں عزار کی باتیں
ادہر میں ہوں اُدہر محشر میں تو ہو		جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو
بیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزہ ہے		یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دہرا ہے
کریں بتکدے سے عبث قصدِ کعبہ		یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے
بتکدے میں جو دیکھی ہے صورت		وہ بھلے کو خدا کے گھر نہوئی

آفتاب - یعنی فردوس منزل ابو المظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی کے اُردو اشعار اور اُنکی تصنیف پر ہی نظر نہ ڈالئے۔ بلکہ اُنکی مختصر ہسٹری کو ملاحظہ فرمائیے۔ تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ تذکرہ تاریخی حالات کا بھی ذخیرہ ہے۔ بادشاہ موصوف نے جواپنی ایک فارسی غزل میں اسوقت کی مصیبت۔ نکہ امونکی کیفیت نابینا کئے جانے کی کیفیت بیان کی ہے۔ قابلِ عبرت ہے۔ یوں تو آفتاب کی روشنی ایک عالم پر پڑتی ہے مگر حضرت کے اُردو اشعار۔ زبان کے روزمرے اور متوکلانہ طبیعت سے ایک اور جھلک دکھاتے ہیں جس سے عیش پرستی امن پسندی اور ذاتی آرام کیطرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

	قطعہ	
صبح تو جام سے گزرتی ہے		شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے		اب تو آرام سے گذرتی ہے
چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو		بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
خوب ہی سید ہا بنے گا دیکھ اے سرو چمن		اُسکی رعنائی سے مت تو اپنی رعنائی بلا
اسقدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب		دیکھکر ہوتا ہے تجھکو تنگدل گلزار کا

ادیب۔ سیف الحق ادیب دہلوی کے حالات اِس شرح و بسط سے لکھے ہیں۔ کہ اُن کے کسی ہمصفیر اور گہرے دوست کیا رشتہ دار کو بھی لکھنے نصیب نہوتے۔ ادیب کی جبلی طبیعت صحت الفاظ کی حد سے زیادہ مزاولت۔ جودت طبع اور رنگینی مزاج کو اُنکے برتاؤ اور کلام سے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے۔ ادیب ہمارے لنگوٹئے یار تھے۔ ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ خداداد ذہانت نے آتش کا پرکالہ بنا دیا تھا۔ تاریخ گوئی میں وہ ملکہ تھا۔ کہ یاروں سے گفتگو کرنے میں چاہتے تو تاریخی جملوں میں باتیں کئے چلے جاتے۔ کلام کی ندرت اشعار ذیل سے ظاہر ہے ؎

چشم آئینہ سے بچنا کہ مجھ سے بچاؤ		آجکل شوق تو ہے مت کو خود آرائی کا
موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں		کاش ہو نام قضا تیری مسیحائی کا
موت آ گئی ہے مجھے شام فراق ہی		دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا
کر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب		لپکا بلا پڑا ہے تجھے انتظار کا
جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا		ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا
مُنہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا		مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

اختر۔ کو نسے اختر حضرت سلطان العالم واجد علیشاہ رنگیلے والیٔ اودھ۔ آپ کے تاریخی حالات شاید اس تذکرہ سے زیادہ دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئیں۔ کیونکہ اِس کے مدون نے کوشش بلیغ سے اُس زمانے کے پرچہ نویسوں سے اصلی پرچے حاصل کئے اور اُن سے یہ حالات اخذ فرمائے علے ہٰذا اسی طرح کلام کے بہم پہنچانے میں بھی کسر نہ رکھی۔ ہمارے

ریویو میں اتنی گنجایش کہاں کہ اُنکا شمہ بھی درج ہو سکے ہاں شاعرانہ طبیعت کا کسی قدر ذکر کر دیتے ہیں آپ پُرگو شاعر اور ہر ایک فن سے کچھ نہ کچھ ماہر تھے۔ مرثیہ گوئی میں بھی کچھ کم نہ تھے۔ سلام بھی خوب کہتے تھے۔ مثنویاں بھی اچھی لکھتے تھے ناول بھی بنائے۔ فسانے بھی تیار کرائے۔ رقص وسرود کا بھی شوق رکھا اور خود بھی اس فن میں طاق بلکہ یگانۂ آفاق ہوئے۔ یہ اُنکے کوتہ اندیش ندیموں و بدخواہ مقربوں کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ جنھوں نے اپنی خود غرضی کو مدنظر رکھکر اس بادشاہِ وقت کو ایسے رنگ میں رنگا کہ رنگ رلیوں کے سوائے کسی کام کا نہ رکھا اس شوق نے کلام میں سوز و گداز پیدا کر دیا تھا۔ مختلف تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہاتھوں سے دل نکلکر بالشتوں اچھل پڑا ہے	ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھو گیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جا سب جانتی ہے دنیا	مظلوم و مضطر اختر نے کے ریپٹہ ہے میرا
مرے داغ دلکا لگے داغ اُسکو	رُخ ماہ پر ہو نشانی ہماری
رندانہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں	پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا
بولتا ہے بادشاہ اُردوے بازارِ خاص	اخترِ خوش لہجہ واہ ہے یہ زبانِ بےمثال

ہمارے یار مرزا عبدالغنی گورگانی بھی اس تذکرے میں موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ اپنے فن میں لاثانی تھے۔ جنکے آگے خوش بیانی نے ہار مانی تھی۔ انہیں دو ہری بادشاہی نصیب تھی۔ ایک خاندانی دوسری شاعری سخن پناہی۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ مرزا ارشد ایک طفلانہ مشاعرے میں جو اُن کے گھر سے چھ سات کوس دور بندے کے غریب خانہ پر کبھی ہوا کرتا تھا۔ تشریف لاکر دادِ سخن لیتے تھے پھر وہ زمانہ ہوا۔ کہ اُستادِ سخن مانے جانے لگے۔ طبیعت میں تیزی۔ جدت پسندی۔ خداداد بلکہ پروازی ابتدا سے تھی۔ ذکاوت۔ رسائی فکر انتہا کی تھی۔ آمد کا یہ حال تھا کہ سو سو دو دو سو شعر کی غزل لکھ ڈالنی کچھ بات ہی نہ تھی سب مجھے اُس زمانہ کا ایک شعر ابتک یاد ہے ؎

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر	ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

تم جان سکتے ہو جسکی ابتدا میں یہ طبیعت ہو۔ اُسکی انتہا میں کس درد کی فصاحت و بلاغت ہو گی اُستاد کو ان پر ناز تھا۔ اور اس شاگرد کو بدستور اُنکی خدمت میں سرنیاز۔ پڑھنے کا وہ انداز تھا کہ شعر کی صورت بندھ جاتی تھی۔ جس بات کا ذکر ہوتا۔ اُسکی تصویر آنکھوں کے آگے پھر جاتی تھی۔

مزاج میں وارفتگی۔ استغنا اور پریشانی اول سے کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ظرافت اور بذلہ سنجی اُنکے گھر کی لونڈی تھی۔ مرزا ارشد سا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔ میرے ساتھ جو خصوصیت تھی۔ وہ فرہنگ آصفیہ کی برجستہ تقریظوں سے ظاہر ہے۔ ہر چند اس تذکرے میں سے اُنکا حال لکھنا چاہتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ دل قابو سے نکلا جاتا ہے اور قلم ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے پس ان چند اشعار پر اُنکی طبیعت کی کیفیت موقوف رکھتا ہوں ۵

نیند آپ کی اُڑے مرے اوسان کیطرح	افسانہ گر سنو مرے حال تباہ کا
کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے	اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا
بتوں کا ستم رہنما ہو گیا	کہ رخ اپنا سوئے خدا ہو گیا
اجی شیخ جی زر سے ہے سیکشی	جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا
نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے	کہ کچھ رُک رُک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر
سیکش ہوں وہ گرد و میں ہو سے مجھے ساقی	اُڑتی ہے مُنہ میں مرے ساغر سے نکلکر
مانا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو	دھبا لگایا تو نے قیامت کے نام کو
وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں	کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو
کعبے میں بھی دیکھو لو ارشد کو تبخانے میں بھی	پوچھتے ہو کیا حقیقت اُس خدائی خوار کی

اگر خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی کے حال اور اُن کے کلام کو ملاحظہ فرمایئے تو اللہ اکبر عجیب چلبلی طبیعت اور خوبی خیالات کی بلو رحدت و چاشنی پائیگا۔ نتیجہ خیز ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دلچسپی ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ مضمون آفرینی گھر کی لونڈی ہے۔ اور

شوخ چشمی ایک ادنی باندی بات میں سے بات پیدا کرنی آپ ہی کا حصہ ہے۔ باقی سب قصہ ہے۔ نمونۂ کلام خود شاہدِ واجب الاحترام ہے۔ کلامِ اکبر ملاحظہ ہو ؎

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا		بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش		طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ		مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہوکر
لاکھ نعمت ہے اتنی آزادی		سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
بیڈ صب ہے جھوٹ سچ کی جھگڑی بحث ہند میں	قطعہ	سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو روسیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہمبر ہیں حکمراں		جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

غرض اس گلستانِ ہزار داستان میں جسقدر نامی شعرا ہیں۔ اُن کے حالات اس انداز سے درج تذکرہ فرمائے ہیں۔ گویا سوانح عمری لکھکر دکھادی ہے۔ ہم کہاں تک انتخاب کرکے لکھیں خود تذکرہ ہی ہمارے بیان کا شاہد ہے۔ آباد۔ آشفتہ۔ محمد میر اثر۔ احسان دہلوی۔ انشاء اللہ خاں۔ اسیر قطب الدین رشک۔ شاہ محمد اکبر ابو العلائی۔ اکبر حسین خان اکبر۔ امیر مینائی۔ نجم الدین برق۔ لکھنوی برق۔ انیس۔ الوز دہلوی۔ بحر لکھنوی۔ وغیرہ وغیرہ جسکے حال پر نظر ڈالتے ہیں بن دیکھے چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مجلسِ شعرا ہے جس میں صرف مشاعرہ ہی نہیں ہورہا۔ بلکہ اُن کے جوہروں اور قابلیتوں کا بھی سین دکھایا جارہا ہے اب دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس تذکرے کو مقبولِ خاص و عام فرمائے۔ اور اُسکے مدون کو عمر طبعی تک پہنچائے فقط

سید احمد دہلوی مؤلفِ فرہنگ آصفیہ و رسوم دہلی وغیرہ وغیرہ

۳ مارچ ۱۹۰۸ء روز دوشنبہ

قطعۂ تاریخ مع التقریظ طبع تذکرۂ شعرا موسوم بہ "خمخانۂ جاوید" از خامۂ عنبر

شمامۂ سرآمد سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی وحال حضرت حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

خمخانۂ جاوید مطبوع
حقا کہ عجائب تذکرہ ایست
ہر کس ز سروش نعرہ زناں
سرگرم سخن در تحسینش
از کیفِ معانی وے سرخوش
در لطف مذاقش وجد کناں
برخوبی وحسن صفا سینش
القصہ چو نقشے گشت عیاں
تاریخِ طبعش گفت جلال

شد فیض رسانِ بزم سخن
در ذکر و بیانِ بزم سخن
مستانہ میانِ بزم سخن
ہر پیر و جوانِ بزم سخن
پیمانہ کشانِ بزم سخن
لبہا و زبانِ بزم سخن
قربان دل وجانِ بزم سخن
از نام ونشانِ بزم سخن
یا دستانِ بزم سخن
۱۳۲۵ھ

ایضاً

مخخانہ نام تذکرہ فی الحال طبع شد
پرسید سالِ طبع چو از طبع خود جلال
از دست کہ داشت جہاں آرزوئے دید
گفت ایں سخن بگو کہ "چہ مخخانۂ جدید"
۱۳۲۵ھ

تقریظ از افکار دربار جانِ بلاغت کانِ فصاحت ناثر عدیم المثال ناظم نظامی خیال مولانا سید امجد علی صاحب اشہری متوطن اٹاوہ۔

ناظرین۔ راقم کو چالیس برس فن ادب کے مشغلہ میں گذری ہیں۔ ؏
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔

میری ابتدائی عمر میں قلعہ دہلی کا چراغ گُل ہو چکا تھا۔ اُردوئے معلیٰ کا نشان گر گیا تھا۔ دلی کے آخری تاجدار ابو ظفر رنگون کو اور لکھنؤ کے آخری نواب واجد علی شاہ کلکتہ کو جا چکے تھے۔ ہاں اُن کے درباروالوں کے بازاری حسن پرستیوں کے گرے ہوئے نشان دلی کے چاندنی چوک اور لکھنؤ کے امین آباد وغیرہ میں باقی تھے۔ اُنہیں کی پرواز پر میری مشقِ سخن شروع ہوئی۔

اسوقت میرزا غالب کی اُردوئے معلےٰ کو قبولیت عام حاصل تھی۔ اور لکھنؤ میں مرزا رجب علی بیگ سرور کے فسانۂ عجائب اور امانت کی اندر سبھا کا زور شور تھا۔ دلی کے آخری بادشاہ اور لکھنؤ کے آخری تاجدار کی حسرتناک غزلیں۔ ٹھمریاں۔ ہولیاں جلسوں میں گائی جاتیں تھیں۔

اسکے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ سادہ ململ نے زرتار کی جگہہ حاصل کی۔ جرٔت کے کام نے سادہ کاری کے ہاتھوں مات کھائی۔ یہ دور دو حصوں میں منقسم رہا۔ ایک حصہ نیچرل نگاروں سے مخصوص رہا۔ اس وادی میں آنریبل سر سید احمد خان بہادر۔ سید محمود۔ مولانا نذیر احمدؒ۔ نواب محسن الملک۔ علامہ شبلی۔ مولانا حالی۔ مولوی ذکار اللہ نے شہرت حاصل کی۔ دوسرے حصے میں پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی سجاد حسین مالک اودھ پنچ۔ مولوی عبدالحلیم شرر۔ حکیم محمد علی ناولسٹ ہردوئی۔ حضرتِ ریاض خیرآبادی۔ خان بہادر منشی ناصر علی دہلوی سخن کی بگڑی بات بناتے رہے۔ شاعروں میں۔ داغ و امیر مرثیہ گوؤں میں میرانیس و دبیر کے ڈنکے بجتے رہے اور آسمانِ سخن پر شاعری کے بادل گرجتے رہے۔ نیو فیشن والوں کے لئے مولانا حالی نے نظمِ جدید کی نئی بنیاد قائم کی۔

مجکو زمانہ کی ضرورتوں نے دونو گروہوں سے وابستہ رکھا۔ کبھی ایک غزل لکھکر اولڈ فیشن والوں کا شریک ہوگیا۔ کبھی ایک نظم لکھکر نیو فیشن والوں کے ساتھ ہولیا۔ یہ تو عامیانہ حالت تھی۔ آگے بڑھکر کلام الملوک ملوک الکلام کے ساتھ سابقہ پڑا۔ بائیس برس نواب سکندر بیگم صاحبہ

خلد نشین والیہ بھوپال اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ جنت آرام کے قرب حضوری میں گذرے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے شعر و سخن سے روز کا سروکار رہا۔

ابوظفر بادشاہِ دہلی اور نواب یوسف علی خان فرمانفرما سے رامپور کے دواوین کا مطالعہ کیا۔ جانعالم محمد واجد علیشاہ بادشاہِ اودھ کا دیوان منشی امیر علی خانصاحب وزیر السلطان نے عنایت فرمایا۔ نواب کلب علیخاں بہادر خلد آشیان فرمانفرما سے ریاستِ رامپور نے اپنے چار دیوان مرحمت کئے۔ اعلیحضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخان بہادر کے کلام معجز نظام سے وقتاً فوقتاً آگاہ ہوتا رہا۔ رزم و بزم میں میر انیس اور مرزا دبیر کی معجز بیانیوں نے اُردو میں شاہنامہ کی تصویریں سامنے دکھائیں۔

بیگمات اور خواتین میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے علاوہ ایران کی فرخندہ بیگم۔ جاورہ کی ضیا۔ لکھنؤ کی خاص محل دلّی کی چھوٹی بیگم اور بڑی بیگم (نزیل بھوپال) کے دیوان دیکھے۔

طبقۂ شعرا میں میرزا غالب۔ میر انیس۔ میرزا دبیر۔ نواب میرزا داغ۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر۔ جیسے لاثانی سخن طرازوں کے دیکھنے اور اُنکی زبان سے اُنکے کلام سننے کا فخر حاصل ہوا۔ اور یہ دوران کی معجز بیانیوں پر تمام ہوگیا۔

زاں بعد اُردو کا تیسرا دور شروع ہوا جس کی ابتدا اعلیحضرت اڈورڈ ہفتم دربار تاجپوشی دہلی ۱۹۰۳ء سے قرار دیتا ہوں یہ دور تصنیف کی حیثیت سے نگاہ میں نہیں جچتا۔ لیکن تالیف اور ترجمہ کی حیثیت سے اُردو میں جان ڈال رہا اور زبان میں وسعت پیدا کر رہا ہے۔ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر و اڈیٹر رسالہ مخزن۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ عصر جدید مسٹر ظفر علیخانصاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ دکن ریویو۔ مسٹر محمد اقبال صاحب وغیرہ وغیرہ کی سخن آرائیوں سے اس دور کی جھولی دامن گلچیں بن رہی ہے ۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اس کہنے سے میری مراد اپنی معلومات کا اظہار کرنا نہیں بلکہ اس سے اس بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ میں نے چالیس برس میں تین دور دیکھے۔ اور ہر صنف سخن کے دیکھنے کا موقع پایا۔ اسلئے اگر میں فنِ سخن کے متعلق کوئی راے قائم کروں تو وہ میرا نادیدہ خیال نہ ہوگا۔

تذکرہ

فارسی اور اردو میں تذکرہ اُس جامع کتاب کو کہتے ہیں جسمیں گذشتہ یا موجودہ یا دونوں زمانے کے قابلِ قدر اور نامور لوگوں کا ذکر کیا جاے۔ جو کسی ایک صنف سے متعلق ہو جیسے صنف علمار یا صنف شعرار یا صنفِ امرا وغیرہ فارسی میں میر غلام علی آزاد نے امرا اور شعرار کے تذکرے نہایت عمدہ لکھے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم نے علمار کا تذکرہ موسوم بہ اتحاف النبلار بڑی جامعیت سے تحریر فرمایا ہے۔ اور شعرار فارسی کا ایک تذکرہ شمع انجمن۔ نام لکھا ہے۔ قاضی محمد صادق خاں اختر کا تذکرہ آفتاب عالمتاب اتنا بڑا تذکرہ ہے جسمیں ہزاروں شعراے فارسی کو جگہ دیگئے ہے اور بھوپال میں اس سے شمع انجمن صبح گلشن۔ روز روشن نام کے تین بڑے بڑے ضخیم تذکرے لکھے گئے اور چھپ گئے ہیں۔ لیکن اردو میں کوئی مبسوط تذکرہ شایع نہیں ہوا بعض تذکرے جو ہیں وہ نہایت محدود ہیں۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں صرف چند شاعروں کو آبِ حیواں پلایا باقی کو پیاسا چھوڑا ہے اور یہ کام آسانی سے پورا ہو بھی نہیں سکتا۔ اسکے لئے ہر طرح کی لیاقت۔ فرصت دولت اور معلومات وسیعہ کی ضرورت ہے۔ یہ سب بھی جمع ہو جائیں تو سالہا سال تک ایک کام کو استقلال سے کرتے رہنا ہماری موجودہ طبایع کے حسب حال نہیں۔ لیکن جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے۔ تو اُسکے لئے غیر متوقع اسباب اور غیر معمولی سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس تذکرے کی تالیف اور اشاعت سے ظاہر ہے۔

تالیف واشاعت

سترہ سال اودھر دلی کے مشہور اور نامور رئیس آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب ممبر
کونسل واضع آئین لاہور آنجہانی کے لایق فرزند جناب رائے سری رام صاحب ایم - اے
منصف دہلوی کے دل میں خیال آیا کہ اُردو کا ایک مبسوط تذکرہ قلم بند کرنا چاہئے - اُسکے
لئے اونھوں نے مواد جمع کرنا شروع کیا - دلی کا کونہ کونہ چھانکر سیکڑوں دیوان ! اور مثنویاں
اور ہزاروں غزلیں اور بیاضیں اور متفرق اوراق معقول قیمت دیکر خرید کئے - اونمیں کتنے
دیوان ایسے ہیں جنکا دوسرا نسخہ موجود نہیں اور کسی کے دیکھنے میں نہیں آئے - بعض ایسے
ہیں جن سے بازاری اور درباری بول چال کا فرق علاحدہ ممیز ہوتا ہے - پھر دلی کے
علاوہ لاہور - آگرہ - لکھنو - الہ آباد - پٹنہ - کلکتہ - حیدر آباد وغیرہ وغیرہ میں جہاں کہیں ایسے
ذخیرۂ سخن کے ملنے کی اُمید تھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعراء گذشتہ و موجودہ کے کلام حاصل کئے
اور اٹھائیس حرفوں کے حساب سے کاغذ سادہ کے اٹھائیس مجلد بنواکر ایک ایک جلد کو
ایک ایک ردیف سے متعلق کیا - اور ہر ردیف کے شاعر کا کلام معہ اُسکے حالات کے
اُس ردیف کے مجلد میں ٹانکتے گئے - اور سالہا سال اس دیدہ ریزی کو جاری رکھا -
جب اسطور پر ایک وسیع ذخیرہ جمع ہوگیا تو اُسکو تالیف کی صورت میں لانے اور مسلسل قلمبند
کئے جانے اور ہر ایک کے مناسب حال وقال رائے دئیے جانے پر توجہ مبذول کی -
اور خدا کے فضل سے یہ مشکل کام ایک بڑی حد تک آسان ہوا - اُسکا ابتدائی حصہ یہ
مجموعہ ہے جو تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کے نام سے سات سو صفحوں پر چھپواکر شایع
کیا جاتا ہے - میرے نزدیک اگر یہ تذکرہ اُمید کے موافق تمام ہو جاوے تو اسکو اُردو شاعروں
کی انسائی کلوپیڈیا کہنا چاہئے - اب میں اُردو شاعری کے متعلق ایک اجمالی اور مختصر کیفیت
پیش کرتا ہوں - اُس سے آگے چلکر نتیجہ نکالونگا -

شاعری کے موجودہ مناظر

اُردو کے ابتدائی زمانہ میں رزم و بزم کے جو مناظر تھے وہ خواب وخیال ہو رہے ہیں
محلات شاہی کا نام و نشان نہیں جو اُردو کی تراش وخراش کا معدن تھے۔ امرا کے جلسہ
بھی بھولا ہوا افسانہ ہیں۔ اب تو لے دے کر سالانہ میلوں پرایویٹ جلسوں بازاری حسن
فروشوں کے بالاخانوں کے مناظر ہماری شاعری کے معراج سمجھے جاتے ہیں۔ ان
مقامات کا سچ سجا ہوا ایک رعنا نگار ہر منظر کی تصویر یوں کھینچتا ہے۔

میلہ کا منظر

ساون کا مہینہ ہے۔ سہ پہر کا وقت ہے۔ پانی برس کے کھل گیا ہے۔ بلند دیواروں پر
جا بجا دھوپ ہے۔ ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادہر اُدہر جاتے نظر آرہے ہیں سیکے۔
گاڑیاں۔ ٹمٹمیں۔ ڈولیاں۔ پالکیاں۔ چلی آتی ہیں۔ رنڈیوں کی ساری بہار ہے گوری رنگت
ململ کے دہانی ڈوپٹے سے پھوٹی نکلتی ہے۔ اودے گرنٹ کا پائجامہ پڑے بڑے پائنچوں
کا سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ ہاتھ گلے میں ہلکا ہلکا زیور ہے۔ ناک میں ہیرے کی کیل
کانوں میں سونے کی انتیاں۔ ہاتھوں میں کڑے۔ گلے میں موتیوں کا کنٹھا۔ ایک ایک
پر نظر ڈالنا چاہتی ہیں۔ مگر جب وہ دیکھنے لگتا ہے تو منہ پھیر لیتی ہیں۔
جا بجا کھلونے والوں مٹھائی والوں کی دوکانیں۔ خوانچے والے میوہ فروش۔ ہار والی تنبولی
ساقنیں نظر آتی ہیں تماشائیوں میں مفلس۔ مالدار بیوقوف عقلمند۔ شریف۔ رذیل۔ سخی۔ بخیل سب
اپنے عادات اور خصائل سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں کہ وہ اپنے تنزیب
کے انگرکھے۔ اور اودی صدری۔ نکہ وار ٹوپی۔ چست گھٹنے اور مخملی چڑہوں جوتے پر
اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ کوئی صاحب صندلی رنگا ہوا ڈوپٹہ سر سے آڑا باندھے ہوئے
رنڈیوں کو گھورتے پھرتے ہیں۔ کوئی صاحب اپنے چھوٹے سے لڑکے کی انگلی پکڑے
اُس سے باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب بازاری منظر کا حال سنئے۔

بازاری منظر

چوک کے بالاخانے آباد۔ زمین پر دری کا فرش اوسپر چاندنی بچھی ہے۔ نواڑ کا پلنگ ڈوریوں سے کسا ہوا ہے بڑے بڑے نقشی پاندان۔ مقابے۔ حسن دان۔ اوگالدان۔ اپنے اپنے قرینے سے رکھے ہوئے ہیں دیوار و ںپر تصویریں اور آئینے لگے۔ چھت پر چھت گیری بندھی ہے۔ اوسمیں چند ہانڈیاں لگی ہیں۔ سامنے دیوار میں ولایتی لیمپ روشنی دے رہا ہے نوجوان رئیس زادے دل بہلانے کو حاضر ہیں۔ سامنے پاندان کھلا ہوا ہے۔ ایک ایک کو پان لگا کے دئے جاتے ہیں۔ جو ہے انکے حکم کا تابع ہے۔ بن مانگے لوگ کلیجہ نکالکے دے دیتے ہیں کوئی دل ہتیلی پر رکھے ہے۔ کوئی جان قربان کر رہا ہے۔ یہاں کسی کی نذر ہی قبول نہیں ہوتی۔ کوئی بات نظر میں نہیں سماتی سب بے پروائی یہ کہ کوئی جان بھی دے تو انکے نزدیک کوئی مال نہیں محفل بھر میں سب کی نگاہ انکی طرف ہے یہ آنکھ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھتیں۔ اور جسکو دیکھ لیا اُس پر سیکڑوں نگاہیں پڑنے لگتی ہیں۔

جس کو تاکا بچ گیا چوکے جسے مارا اُسے	تمکو تیر اندازی آتی ہے نئے انداز کی

یہ منظر کم وبیش دلی کے چاندنی چوک۔ لکھنؤ کے امین آباد۔ آگرے کے کناری بازار لاہور کی انارکلی۔ حیدرآباد کے چار مینارے میں سب جگہ یکساں پایا جاوے گا۔ قدم قدم پر آپ کو دل پامال ہوتے ہوئے ملیں گے۔ اور آپ کتنے نکلیں گے۔

مرا بکوئے تو رفتن چہ مشکل افتاد است	بہر طرف کہ نظر میکنم دل افتاد است

عام مناظر کے بعد کسی خوش نصیب کو یہ منظر نظر آئیگا۔

خاص منظر

ایک پائیں باغ ہے باغ میں محل محل کے اندر کمرہ سجا ہوا ہے۔ اُس کے صدر میں ایک

زرنگار مسند بچھی اور مخملی گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اُس سے لگی ہوئی ایک ماہ لقا بیگم جلوہ فروز ہے مانگ نکلی ہوئی۔ چوٹی کمر تک پڑی ہوئی۔ سرخ وسفید رنگت۔ اونچا ماتھا کھنچی ہوئی بھویں۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ گال جیسے گلاب کی پتیاں۔ ملیحوئی ناک۔ چھوٹا سا دہانہ۔ پتلے پتلے نازک ہونٹ نقشے بھر میں کوئی چیز ایسی نہیں جس سے بہتر خیال میں آسکتی ہو۔ اُس پر امیرانہ رعب۔ بات کرنے میں مُنہ سے پھول جھڑتے معلوم ہوتے ہیں۔ لباس اور زیور بھی اس صورت کے لائق ہے۔ مہین دوپٹہ کندھوں سے ڈھلا ہوا۔ کیچلی کا شلوکہ سپنا سپنا سُرخ گرنٹ کا پائجامہ کانوں میں صرف یاقوت کے آویزے۔ ناک میں ہیرے کی کیل۔ گلے میں سونے کا طوق۔ ہاتھوں میں موتیوں کی سمرنیں۔ بازوؤں پر نورتن۔ پاؤنمیں سونے کی بیڑیاں۔ چہرے کی خوبصورتی لباس کی سادگی اور زیور کی مناسبت ہر چیز دلفریب۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

ان محدود مناظر کو دیکھکر عام نگاہیں خیال کر سکتی ہیں کہ ہمارے مشرقی شاعران مناظر کو دیکھکر کیا بات پیدا کر سکتے ہیں لیکن جب آپ گہری نگاہ ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ جیسے ایک فلسفی کو خوردبین کے ذریعہ سے ایک کائی کے ٹکڑے یا ریت کے ذرے اور پانی کے قطرے میں ایک نئی دنیا آباد نظر آتی ہے اور وہ اپنی معلومات سے دوسروں کو مستفید کرتا ہے ایسے ہی ان حقیر اور معمولی مناظر میں شاعر کی نگاہِ خوردبین کو وہ پوشیدہ رموز و لطایف دریافت ہوتے ہیں جو اُسکا حصہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اُنکو طرح طرح کے معنی آفرینیوں سے عام میں جلوہ گر کرتا ہے جسکو دیکھکر سخن شناس طبیعتیں اُسکے حسن بیان کی داد دیتیں اور اُسکی معنی آفرینی پر عشعش کرتی ہیں۔

چنانچہ آپ اسی تذکرے میں دیکھینگے کہ ان مشرقی شعرا نے اس بے بضاعتی پر کیا کمال دکھایا ہے اور معمولی مناظر سے کیا کیا باتیں پیدا کی ہیں۔

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو	ذی فہم سے لطف نکتہ دانی پوچھو
تو قیر کلام حق سمجھتا ہے کلیم	موسیٰ سے رموز لن ترانی پوچھو

یہ بات خاص مسرت کی ہے کہ اس تذکرے کو اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخاں بہادر فرمانروائے حیدرآباد نے اپنے نام نامی سے معنون ہونے کا افتخار بخشا ہے۔ اور مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر شاد مدار المہام سلطنت آصفیہ حیدرآباد نے اسکی نسبت خاص قدر دانی کا اظہار کیا ہے۔ امید کہ گورنمنٹ پنجاب اور ہندوستان کی سب گورنمنٹیں اور لائبریریاں اسکو خاص قدر دانی کا مستحق تصور فرماوینگی اور مغربی لائبریریوں میں بھی عزت سے دیکھا جاویگا۔

میں آخر میں جناب رائے سر رام صاحب ایم۔ اے منصف چیف کورٹ لاہور کو مبارکباد دیتا ہوں۔ کہ اون کی ساقی گری سے یہ خمخانہ وقفِ عام ہوا۔ اور جرعہ نوشانِ سخن کو بادہ سرجوش کی کیفیتیں حاصل ہوئیں اسکے بعد دعا کرتا ہوں کہ اس خمخانہ کے جو خم باقی ہیں وہ بھی جلد لنڈھائے جائیں۔

ساقی باقی جو کچھ ہے دیدے	باقی ساقی جو کچھ ہے لے لے

تاکہ جو لوگ پی چکے ہیں وہ اور نشہ تیز کرلیں اور جنکو ابھی ایک بوند نہیں ملی وہ پورے طور پر چھک جائیں اور اسیر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے اٹھیں۔

خالی خالی سے جو یوں میکدہ و جام و سبو	ساقیا ایک نظر میں تری سب بھر بائے

سید امجد علی اشہری

قطعہ تاریخ چکیدۂ خامۂ عنبر شمامہ معدن صدق و صفا منبع فہم و ذکا مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب حامد بیرسٹر لکھنؤ رئیس امروہہ

پلادے ساقیٔ مہوش شراب تاب و تواں	کہ اسکے نشہ سے ہو طبع زار میری رواں

رہے ہمیشہ ترا دور دور والے ساقی
یہ آرزو ہے کہ اسکا کروں میں ذکرِ جمیل
بلند مرتبہ عالی ہمم ستودہ صفات
سحابِ جود و کرم صاحبِ شکوہ و حشم
نہیں کسی پہ ہے پوشیدہ وہاں ایدل
عجیب ذات خجستہ صفات ہے اُنکی
کمال رکھتے ہیں ہر علم و فن میں وہ ایسا
حصول انکو ہے اِسدرجہ علم انگریزی
خلیق ایسے کہ ملتے ہیں خندہ پیشانی
ہوا ہے تیر محبت کا اِسکے دل کے پار
ممالغت جو کرے اُنکی دل کی جمعیت
جو دل کہ مردہ ہیں کرتا ہے اُنکو یہ زندہ
گرہ میں نقدِ وفا جسکے ہو وہ لے آکر
کتاب عمدہ و نادر جو اُن کی ہے تصنیف
کتاب تذکرہ تو ہے نسخۂ نایاب
عجب نہیں ہے کہ رنگینیٔ عبارت پر
ہزار طرح کی رنگینیٔ عبارت ہے
لکھی ہے اسکی عبارت بہت فصیح و بلیغ
کتاب کے ہیں جو بین السطور روشن تر
دلوں کو اُسکے مضامیں نہ کیوں کریں تسخیر
مجھے بھی فکر لکھوں اسکی معنوی تاریخ

وہ مے پلا کہ اثر سے ہو جسکے پیر جواں
ہوئے ہیں جسکے معرف تمام اہلِ جہاں
رئیس اعظم و ذی قدر و افتخارِ زماں
سپہرِ عظمت و اجلال کے مہِ تاباں
کہ نام اسکا سری رام ہے جہانمیں عیاں
ثنا و مدح میں قاصر ہوئی ہے میری زباں
کہ خود کمال یہ کہتا ہے مثل اُنکا کہاں
نکات جتنے ہیں اُسکے وہ سب ہیں اُنپہ عیاں
عزیز جانِ جہاں کی یہ خوبیاں ہیں عیاں
بخلق جس سے ملے ہیں وہ جھکے مثل کماں
ہوا کرے نہ پریشان زلفِ محبوباں
دمِ مسیح کا ہے رشک اُسکا حسن بیاں
متاعِ حُسن محبت کی کھول دی ہے دکاں
جواب اسکا نہ ممکن ہوا کسی عنواں
کہ سیر معنی ہے اسکی مفرح دل و جاں
ہزار ہا گلِ باغِ جہانی ہوں قربان
کریں جو سیر تو سیری نہ ہو کسی عنواں
فریفتہ ہوئے ہیں ولیے اُسپہ اہل جہاں
بیاضِ صبح دل و جاں سے اُسپہ ہیں قرباں
کتاب اُنکی ہے تصنیف جو ہیں سحر بیاں
اگرچہ شاعرِ ناقص ہوں اور ہیچمداں

ندائے غیب ہوئی سالِ عیسوی یہ لکھہ
کتابِ نو میں مضامین ہیں سراجِ جہاں
سنہ ۱۹۰۸ء

قطعات از فکر محقق فنِ تاریخ ماہر عروض مشاقِ قدیم منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر

بطبعِ جلیلہ بسالِ مسیح
بزیر و مبین سنش خواستم

طبع تذکرہ شد بحسب مراد
بحالت مسرت بدل شاد شاد

بظاہر ندا شد بپایے ادب
کریما پسند خلایق بباد
سنہ ۱۹۰۸ء

دیگر

تذکرہ نادر مصفا سے نظیر
در سنِ ہجری طبع شد بگمان

سالِ او گفتم بصوری معنوی
سیزدہ صد بست و شش زیب جہاں
سنہ ۱۳۲۶ ہجری

دیگر

بماہِ فروری در سالِ فصلی
بطبعِ ایں کتابِ شاد گشتم

بنا در صنعتِ سالِ طبع او
چہ عمدہ نادرِ سالش بگفتم
۱۳۱۹ف

دیگر

ہوا شوقِ تحریرِ تاریخ کا
کتاب مستعمل سے جب دم چھپی

لکھی میں نے تاریخ یہ برملا
مصفا ہے گلدستۂ شاعری
۱۳۲۶ھ

تقریظ تراویدۂ خامہ جادو طراز سحر پرداز بلبلِ گلزار شیوا بیانی و طوطیِ چمنستان شیریں زبانی مخلصی و محبی نواب میرزا سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی نبیرہ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر رخشاں جاگیردار لوہارو و داماد نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

ایک مرے دوست نے یہ مجھ سے کہا
نظر آتا ہے تیرا رنگ نیا

آج کچھ انبساط کی حد ہے
جانتا ہوں میں تجھکو تو بد ہے

وعدۂ وصل دلربا ہے آج
بہجت اس سے بھی کچھ سوا ہے آج

مفت کا تو نے مال مارا ہے
کوئی جادو جمال[۱] مارا ہے

کوئی ہتّے چڑھا بتِ کشمیر
چال کا چل گیا کسی پر تیر

زعفراں زار ہو کے آیا ہے
بے تردد خزانہ پایا ہے

کوئی منت تری بر آئی ہے
ایسی کیا چیز تو نے پائی ہے

کیا ترے ہوا کوئی فرزند
بے طرح ہو رہا ہے تو خورسند

مے انگور مفت ہاتھ لگی
آج کچھ روز سے سوا پی لی

کسی دشمن پہ ہاتھ صاف کیا
منہ سے کچھ پھوٹ تو ہوا تجھے کیا

خیر مقدم ہے یار جانی کا
کیا سبب اتنی شادمانی کا

یار کو گھر میں[۲] ڈال کر آیا
اپنے دشمن پر چال کر آیا

زاہدِ خشک کو پلائی ہے
بول کیا تجھ سے آفت آئی ہے

درِ جاناں سے اٹھ گئے درباں
پھوٹ کمبخت کچھ نہیں یا ہاں

---

[۱] جادو جمال مارا ہے۔ زبان کے اعتبار سے اسکے یہ معنی ہیں کہ کسی جادو جمال پر قبضہ کر لیا ہے۔

[۲] گھر میں ڈالنا مراد حبالہ نکاح میں لانا۔

محفل یار کا بلاوا ہے
پاسخ خط شوق آیا ہے

خواب دیکھا ہے کوئی خوش تعبیر
کوئی سوجھی فلاح کی تدبیر

تجکو ڈگری ملی عدالت سے
کہ رہائی ہوئی ندامت سے

حور وش کوئی تجھ پہ ریجھا ہے
کسی ظالم کا دل پسیجا ہے

رنج عقبیٰ سے ملگئی ہے نجات
چیز کیا آگئی ہے تیرے ہاتھ

جلوۂ برق طور دیکھ لیا
کچھ نہ کچھ تو ضرور دیکھ لیا

خواب میں شکل مصطفیٰ دیکھی
سچ بتا چیز ایسی کیا دیکھی

کسی خدمت پہ ہوگیا مامور
رنج و کلفت کے دن ہوئے سب دور

کوئی پر زر ٹھکانا ہاتھ آیا
آب و جد کا خزانہ ہاتھ آیا

کوئی بدظن ہوا ترا منقاد
کوئی حاصل ہوئی ہے تری مراد

رہ میں دیکھی ہے میت دشمن
کیا ہوا تجکو آج او پرفن

یار واغیار میں فساد ہوا
تیرا دل اس سے اتنا شاد ہوا

خط روانہ کیا کوئی سوئے دوست
تکیہ پر سر بنا ہے زانوے دوست

یار نے کچھ تسلیاں دی ہیں
دل نوازی سے چٹکیاں لیں ہیں

نسخۂ اکسیر کا ملا ہے کوئی
اس خوشی کا سبب بتا کوئی

دو شعر کا قطعہ

بیعت پیر مے فروش ہوئی
کہ فراموش فکر دوش ہوئی

غم فردا نہ پاس پھٹکے گا
اب تو ساقی نہ ہاتھ جھٹکے گا

ڈاربی[51] کا سٹارٹر[52] نکلا
یہ ٹکٹ وسس[53] کا کارگر نکلا

[51] ولایت میں اک گھوڑ دوڑ کا نام ہے۔ [52] سٹارٹر اس گھوڑے کا نام ہے جو ڈاربی میں شریک ہوتا ہے۔
[53] اس شرط کا ٹکٹ دس روپے کو فروخت ہوتا ہے جس خریدار کے ٹکٹ کے ساتھ کسی سٹارٹر کا نام نکل آتا ہے وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہوجاتا ہے

شو ہنبم[51] پترشی[52] میں تارا ہے / یا کوئی تو نے شیر مارا ہے
تیرا مقبول کچھ کلام ہوا / داغ کی طرح تیرا نام ہوا
قید خانے سے چھوٹ کر آیا / خندہ کیوں لب پہ ٹوٹ کر آیا
نوجوانی نے کیا اعادہ کیا / روز سے شغل مے زیادہ کیا
پرورش کچھ نظام نے کر دی / یا مدار المہام نے کر دی
کوئی منصب ہوا ترا جاری / عامرہ[53] سے کوئی رقم ہاری
ہوئی صادر عطائے سلطانی / بعنایات و فضل ربانی
جنگ و دولہ کا مل گیا ہے خطاب / ہو گیا تو بھی شہ کا رکن رکاب
شاہ آصف نے دی کوئی جاگیر / کی دعائے سحر نے کچھ تاثیر
ہفت سالہ امید بر آئی / داغ کی طرح آبرو پائی
سرفرازی شہ دکن نے کی / سحر سازی ترے سخن نے کی
آصفی بذل کا نزول ہوا / اجر امید کا حصول ہوا
تیرے منہ سے سنے ترے اشعار / بندگان حضور نے دو چار
یا سفارش تری کسی نے کی / بولی تجھ پر خدا کی ہو نیکی
قصد بیت الحرام تو نے کیا / ایسا کیا نیک کام تو نے کیا
شادمانی کے ہیں یہی اسباب / سب سے انکار تجھکو خانہ خراب
پھر سبب کونسا وہ ایسا ہے / جس سے تو بے ہنسائے ہنستا ہے
چیستاں بن گیا ہے تیرا سرور / تجھکو کہنا پڑیگا حال ضرور
عرض کی اس نے یہ مشفق من / عاجز آئے تمہاری عقل و فطن
کھا گئے بکتے بکتے سب بھیجا / یہ نہ دیکھا کہ سامنے ہے کیا

[51] سنسکرت میں نیک اور سعید کو کہتے ہیں [52] مراد زائچہ سے ہے۔ [53] عامرہ نام خزانۂ نظام دکن۔

یہ سری رام کا ہے خمخانہ	تذکرہ با ہزار افسانہ
تم سری رام کو بھی کچھ سمجھے	خاندانی رئیس دلی کے
انکے گھر کے ہیں جتنے چھوٹے بڑے	کوئی بی۔اے ہے کوئی ہے ایم۔اے
قدردان کمال و فضل و ہنر	صاحب عزت و فضیلت و زر
ذات کے کھتری ہیں نیک صفات	دوست سب دوستی میں انکے مات
خوبصورت جوان خوش تقریر	نیک رائی میں اپنی آپ نظیر
نیکیاں کرکے بھول جاتے ہیں	منتیں کرکے بھول جاتے ہیں
لوگ کہتے ہیں انکو دوست نواز	دل میں بے انتہا ہے سوز و گداز
بات کرتے ہیں سحر کا ہے اثر	ملکے۔ پڑتا ہے جانا انکے گھر
گھر گئے اور گھر کے گئے بالکل	یاد ہیں انکو مہر و لطف کے چھل
شہر دہلی کی جان ہیں تو یہ ہیں	آدمیت کی شان ہیں تو یہ ہیں
آنکھ سے دل کا حال پہچانیں	یہ قیافے کی انکے ہیں شانیں
سرمۂ چشم دلربا تحریر	رنج و اندوہ و غم زدا تقریر
دوست انکے شمار سے زائد	کوئی دشمن نہیں بجز حاسد
ملنے والے شناگر انکے ہیں	خوبیاں انمیں یہ ہیں۔ ایسی ہیں
بھول پن وہ مزاج میں ہے دخیل	رحم ہوتا ہے وقت قہر و کیل

دو شعر کا قطعہ

ایسی دیتے ہیں یہ سخن کی داد	کہ مصنف کا دل ہوا ازبس شاد
شکر دیکھا زبان پر ان کا	بار احسان کان پر ان کا

پانچ شعر کا قطعہ

اسلئے شکوہ مجھے ہے اپنے سوا	ان کا شاکی کوئی نہیں دیکھا

آمنا سامنا جہاں ہوگا — دوپہر وقت رائگاں ہوگا
ہے تقاضا کہ کچھ سناؤ کلام — عوض شعر ہوں اگر دشنام
وہ بھی سن سنکے دل سے ہوں خورسند — دوست اور دوست کے ارادتمند
بس چلے تو مجھے رکھیں دل میں — میں رہوں تو ہیں یہ محفل میں
شاعروں کے تو نت رواں یہ ہیں — اہل دہلی یہ نکتہ داں یہ ہیں
شمع اہل سخن یہ ہیں پروانہ — سب سے عادل زمانہ فرزانہ
عمر پینتیس تیس کے اندر — صاحب علم و فضل و فن و ہنر
دیکھئے گر نصاب کی تعلیم — ہے ام اے کی سند بفضل کریم
عہدۂ منصفی کے کارگذار — جس کا قانون پر ہے دار و مدار
قابل رشک ہے دماغ رسا — تذکرہ وہ ضخیم لکھ ڈالا
جسکے دیکھے سے عقل حیراں ہے — بس یہ حد کمال انساں ہے
صاحب فن شعر ماضی و حال — اسمیں موجود ہیں تمام و کمال
تذکرے پہلے اپنے گرد کیے — گرم بازار سبکے سرد کیے
ریختہ گو ہیں جتنے اہل سخن — یہ پھلا پھولا انکا ہے گلشن
اسمیں ہے درج حمد رب علا — اسمیں نعت حبیب پاک خدا
اسمیں شامل مناقب شہدا — اسمیں داخل صفات آل عبا
رہروان طریق عشق کے ذکر — عاشقان خدا کے رنج و فکر
میگساران معرفت کا حال — جنکی تصریح وجہ طول مقال
برق ایمن کی کارپردازی — خودنمائی و عاشق اندازی
چاہ کنعان کا قصہ دردانگیز — تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیز
مصر کی داستان پر عبرت — منتہا عیش مبتدا حسرت

قیس و لیلےٰ کے مندرج احوال | از الف تا بہ یا تمام و کمال
کوہکن کا تمام ہو جانا | عشق شیریں میں نام ہو جانا
خسرو پرویز غرض کی مکاری | آجتک ہے زبان پر جاری
پیرزن کا پیام مرگ انجام | کر دیا جس نے کوہکن کو تمام
وامق بدنصیب کا احوال | عشق عذرا نے کیسے کیا کیا چال
فصل گل کی بہار سامانی | خوش نصیبو نکی گل بدامانی
دستبرد خزاں کے افسانے | جنکی تفصیل کو خدا جانے
داغ لالے کے دلمیں پنہاں ہیں | یعنی گل چند روزہ مہماں ہیں
ایک دل میں ہزار ہا باتیں | سینکڑوں خوبیاں کراماتیں
دل کا نور صفا ہے برق طور | خشک سے آدمی کی جسکا ظہور
دل میں ہے جان مہر و الفت کی | کینہ و بغض کی عنایت کی
وہم ہیں اسمیں لاکھ صورت کے | سامنے ہیں ہزار آفت کے
بدگمانی کا ہے گزار اس میں | خوش یقینی کا ہے ہزار اسمیں
اسمیں تشویش بھی ہے لاتحال | مطمئن بھی ہے یہ بحد کمال
شادمانی کا ہے قیام اسمیں | رنج و غم کا ہے ازدحام اسمیں
اسمیں پنہاں شقاوتی شایں | اس سے پیدا سخاوتی آئیں
حسرت قتل و آرزو سے قید | ناامیدی اسے اسے امید
منبع کینہ و حسد یہ ہے | نیک تر یہ ہے سب سے بد یہ ہے
اسکے بسمیں تباہ کر دینا | سب سپید و سیاہ کر دینا
ساری دنیا سے بڑھکے راحت جو | بیشتر از قیاس محنت خو
ضبط و تمکیں میں بھاری پتھر ہے | بیقراری میں برق مضطر ہے

جھیل جاتا ہے ایسی دشواری — جس سے وہم و قیاس ہیں عاری
تیغ کے مُنہ پہ چڑھ کے رہتا ہے — ایسی ایسی کڑی یہ سہتا ہے
عشق کے اسمیں داغ ہوتے ہیں — جیسے روشن چراغ ہوتے ہیں
زخم و ناسور اسمیں پڑ جائیں — عشق و الفت کے خیمے گڑ جائیں
ابتلا کے مواد اسمیں سب — الغرض ہے یہ دل بڑا بیڈھب
کھیل اسکا ہے جان دینا — اپنے اوپر عذاب لے لینا
اسمیں رنگینیاں قیامت کی — سادگی ہے تو وہ بھی آفت کی
خارِ غم کی کھٹک رہے اسمیں — وحشتوں کی لٹک رہے اسمیں
نالہ و آہ کا یہی گھر ہے — اسکا منقاد دیدۂ تر ہے
اسکے کہنے میں عاشقِ ناکام — دلربا ہیں اسی کے اسمیں تمام
وصل کا شوق و ابتہاج اسے — بات کا پاس اسے ہے لاج اسے
دشمنی پر اگر یہ آجائے — خصم کی بوٹیاں چبا جائے
دوستی پر اگر کمر کس لے — بات کی پیچ میں جان تک دیدے
چشمِ زخمِ رقیب کا مسکن — ہے تصور میں یار کا مامن
نرمیاں اسمیں موم سے بھی زیاد — سختیوں میں ہے آہن و فولاد
اسکی گرمی کا نام سوزِ دروں — گر اُلٹ جائے تو ہو جوشِ جنوں
یہ نہیں آدمی کے قابو کا — آدمی بلکہ اس کا کٹ پتلا
عشق و الفت کے سارے راز و نیاز — پائیگا رقم بسوز و گداز
مختصر یہ کہ وہ کتاب لکھی — دل یہ کہتا ہے لاجواب لکھی
مجھسے اصرار ہے کہ لکھ تقریظ — ایسی خدمت مجھے ہوئی تفویض
اولیں تھا زبان سے ایما — پھر یہ تحریر میں پیام آیا

تار برقی کی آگئی نوبت
دوست کا امتثالِ امر کیا
ہرزہ گوئی قبول ہو جائے
لکھتے لکھتے مرا قلم جو تھما
اسم تاریخ طبع ہے درکار

ایک ہفتے کی میں نے لی مہلت
مجھ سے جو کچھ ہوا بُرا اچھا
تو یہ محنت وصول ہو جائے
ہمنشیں دوست نے یہ فرمایا
کیوں خموشی ہے یہ غدا کی سنوار

سائلؔ اب وقت کو نہ ہاتھ سے دو
باغِ مینو طراز تم لکھدو
۱۳۲۶ھ

تقریظ از رشحات قلم جناب حاذق الزمان حکیم رضی الدین احمد خانصاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ دہلی آنریری فیلو پنجاب یونیورسٹی

میرے دلی دوست و کرمفرما لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی منصف پنجاب نے اپنا مولفہ تذکرہ میرے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اُسکے متعلق اپنی ناچیز رائے ظاہر کروں یا بہ تبدیل الفاظ اُسپر تقریظ لکھوں۔

تقریظ لکھنے اور لکھوانے سے میرا یا اُنکا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ طلائی حرفوں سے انواع نثر کی کسی قسم میں رنگین عبارت لکھکر غیر واقعی تعریف کے ساتھ اصل کتاب میں ایک ضمیمہ اُسکی ضخامت کے لئے بڑھایا جاوے جیسا کہ ہمیشہ ریویو کرنے والے اکثر تصانیف پر تکلف کی میناکاری کرکے خوبصورت ڈائل چڑھا دیتے ہیں تاکہ عام مبصرین کی نظروں میں خاص قبولیت و دل پسندی کا محرک ہوا اور اس پیرایہ میں اس کتاب کی اشاعت بڑھے۔

مولف کا مقصد اور میرا ارادہ یہ ہے کہ اس جدید تالیف کی نسبت جو رائے میں رکھتا ہوں

اُسکو اس آزادی سے ظاہر کروں جس میں غیر واقعیت کا شائبہ نہو اور اُن تقریظ نویسوں کے مقصد و طرز سے علیحدہ ہو جن کا ابھی ذکر ہوا تاکہ اصلیت کا انکشاف ہو جائے میرے اس خیال کے مُصدق چند دلائل ہیں اولاً یہ تذکرہ بہ سبب اپنی اجماعی خوبیوں کے جو علاوہ امعان و غور کے نظر سے دیکھنے کے بادی النظر میں نمایاں ہوتی ہیں اپنی توصیف میں مبالغہ کا محتاج نہیں ثانیاً میرے معزز دوست مؤلف تذکرہ خود صاحبِ شہرت و دولت ہیں انکو اس کے ذریعے سے نہ عرصہ نام آوری میں آنے کی ضرورت ہے نہ جلبِ منفعت کی احتیاج برسوں کی عرق ریز مساعی میں جس کی محنت کا حال اُنہیں کے دل و دماغ سے پوچھا جائے ہزار ہا روپیہ صرف کر کے ایک ایسی بے نظیر تالیف کی ہے جس میں ہمارے ملکی زبان کی عہد بعہد تبدیلیوں ۔ اہل ملک کی اختلاف مذاق طبایع ۔ فطرتی جذبات ۔ اکتسابی قوت مشق ۔ قادر الکلامی ۔ وغیرہ وغیرہ کا روشن اور صاف آئینہ پیش کیا ہے اور جس سے اہل نگاہ کو وہ خط و خال نظر آتے ہیں جنکے دیکھنے کی اسوقت ضرورت ہے ۔ تذکرہ اپنی معنوی زبان سے کہہ رہا ہے لیس کمثلی ۔ ثالثاً میں خود کسی کی ہجیا ستایش یا خودستائی پسند نہیں کرتا اُسکو ممدوح و مداح دونوں کے لئے مستلزم منقصت خیال کرتا ہوں اس لئے جن لفظوں میں اپنا خیال اس مجلد کی نسبت ظاہر کرونگا وہ واقعیت سے محیط ہونگے اور بالکل غیر دل خوش کن ۔ سادے اور حتی الامکان سچے ۔

میں اس امر کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ تذکرہ نویسی کس قدر مشکل کام ہے یا اس کے لئے کیسی مختص قابلیت کی ضرورت ہے جو ہر شخص کا حصہ نہیں انتخاب کلام کے لئے کیسی بالغ نگاہی غائر نظری درکار ہے اور سلامتی طبع کے ساتھ کیا سامان فراہم ہونا چاہئے مگر اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ ان صفحوں میں مؤلف نے ایسا امتیازی پایہ حاصل کیا کہ انہوں نے خمخانہ جاوید جیسے تذکرہ کی تدوین کا بار اہتمام اپنے فرط لیاقت سے اُٹھایا ۔

مؤلف اعلےٰ مغربی تعلیم یافتہ ہیں اور یہ مسلم ہے کہ ادنیٰ ایم ۔ اے کی ڈگری کے ساتھ

قانون دانی کے فضائل مزید برآں ہیں لیکن یہ بات غیر معمولی ہے کہ ایشیائی علوم کا خاص وسلیم مذاق انکو طبعاً ہے اور باوجود علوم جدیدہ کے مزاولت کے علوم قدیمہ کے قدر وشوق مطالعہ انکا ایسا بڑھا ہوا ہے کہ بہت کم مثالیں اسکی ملک میں میسر آسکتی ہیں یہ تذکرہ ہی اس امر کی حجت ہے کہ ملکی زبان اور اہل زبان اور زبان داں ارکان کے کلام کا جمع کرنا انکی قدامت دوست وشوار پسند طبیعت کے علوم قدیمہ کی قدر پر حاوی ہونے کا مظہر ہے میرے واجب المحبت وعزت دوست (مؤلف) جس طرح علوم جدیدہ کے عالم ہیں قدیمہ علوم میں بھی ماہر ہیں۔ علم انکے خاندان میں متوارث ہے انکے والد ماجد ہندوستان کے نامور فاضل تھے انکے چچا اپنی ذی علمی سے پنجاب کے اہل علم کے سرآوردہ جماعت کے اعلیٰ ممبر سمجھے جاتے ہیں ہر شخص آنریبل رائے بہادر مسٹر مدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا اور رائے بہادر لالہ پیارے لال صاحب کو جانتا ہی نہیں بلکہ انکی مستند لیاقت کو مانتا ہے یہ ہی روحانی وموروثی اثرات تھے جنہوں نے مؤلف کو جدید وقدیم علوم کی شاہراہ کا سالک بنایا اور اس تذکرہ جیسی ضخیم کتاب کی تالیف کے لئے متوجہ کیا جسکی نسبت یہ کہنا بیمحل نہیں۔ کہ

بت خانۂ ہندرا دراست ایں	ناموس ہزار پیکر است ایں
ہر نکتہ بہ شعلہ ایست ہمدوش	ہر نقطہ بہ اخگرے ہم آغوش
حرفش زخراش دل نشانے	معنی زگداز ترجمانے
از ہر چہ گذشت روبرتاب	دریں نادرہ سرگذشت دریاب

اس میں شک نہیں کہ فی زمانا ایشائے شاعری کی وقعت ورواج کا آفتاب مرزبوم ہندوستان میں قریب الغروب ہے اور علوم جدیدہ کے خزائن کی مالک پارٹی ایسے نقد کلام کو سخت حقارت سے کمرا نہیں سمجھتے الامؤلف نے چونکہ اس مسئلہ پر سرسری نظر نہیں ڈالی اور بعد غور کلام کے فلسفہ کو سمجھکر اسکا مہتم بالشان اور عظیم فائدہ پبلک کے لئے

محسوس کیا اس واسطے تذکرے کے مدون کرنے کے لئے اُن عمومی اور سرسری خیالات کے علی الرغم قلم اوٹھایا۔

مجکو اس امر کا اعتراف ہے اور معزز مولف کے خیال سے اتفاق کہ مطلقاً کلام انسانی طبائع پر موثر ہے۔ لہذا جس قدر اُس میں موزونیت وخوبی ہوگی زیادہ موجب تاثیر ہوگا کیونکہ کائنات دو چیزیں ہیں جو طبائع پر اثر کرتی ہیں اُستاد الکل شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا فاضل کے دوست و ہمعصر ابو الحسن پروصی نے اپنے بے مثل تصنیف میں فیصلہ کردیا ہے کہ اشیاو اسمار دونوں طبائع انسانی میں موثر ہیں اور اُن سے ہم بعض فوق العادت اور عظیم تغیرات کا مشاہدہ کرتے ہیں صاحب تاریخ الحکما نے متقدمین کے حالات ذکر کرتے ہوئے ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے جسکی نقل یہاں خالی از لطف نہیں کیونکہ وہ بدیہی برہان کلام کی تاثیر کی ہے۔ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ دو حکیموں میں جو معاصر تھے مباحثہ ہوا ایک کا دعوے تھا کہ صرف اشیا کا تاثر ہوتا ہے۔ دوسرا مدعی تھا کہ اسما بھی خالی از اثر نہیں دونوں دعاوی کے ثبوت میں دلائل بیان کرتے تھے اور ایک دوسرے کے دلیل کی تردید کرتا تھا۔ اس مناظرہ نے طویل وقت لیا اور دن ختم ہونے لگا اُس وقت اُس مدعی نے جو اسمار کے تاثیر کا مثبت تھا اپنے مخاطب سے کہا کہ اے حمار تو نے فضول ولاطائل بحث میں اپنا اور میرا عزیز وقت ضایع کیا جو میرے اور تیرے زندگی کے لایق قدر ساعتوں کے برباد ہونے کی افسوسناک یادداشت رہنے والی ہے۔ یہ غیر مہذب فقرہ سنکر مخاطب کو غیظ وجوش آیا اور اپنے ہمراہیوں سے گویا ہوا کہ اس ناشایستہ بدزبان حریف کو جوارح سے جواب دیا جائے اُسکے حاضر الوقت معین گروہ نے اوس پر حملہ کیا قریب تھا کہ اُس بیچارہ فاضل کی زندگی کا چراغ اس بحث کے خاتمہ سے قبل گل ہو جاوے کہ اُسنے حملہ آوروں سے اپنے پاس آنے کے پہلے اپنے رقیب سے کہا کہ افسوس تم کلام کی تاثیر کے منکر ہو اور میرے محض ایک لفظ حمار کے اپنے مقابل استعمال سے جو چار مہملہ حرفوں سے ترکیب دیکر معرض نطق میں لایا گیا ہے اور وہ بجائے

خود میرے دعوے کے ثبوت کی محکم حجت ہے ایسے مشتمل ہوئے کہ مناظرہ کو مجادلہ بنا دیتے ہو اس مقولہ کو سنکر اُسکے مخاطب کو انفعال ہوا اور اُسنے تسلیم کر لیا کہ اسمار فی الحقیقت موثر ہیں یہ ایک حکایت تھی جو بسبیل ذکر تمثیلاً زبان قلم سے نکلی ورنہ شب و روز کے واقعات ہی اِس امر کی بین دلیل ہیں کہ دوستی۔ دشمنی۔ قرب۔ بُعد۔ مغایرت۔ مقارنت۔ وغیرہ جملہ نسبتوں اور تعلقات میں کلام کے تاثیر کو بڑا دخل ہے۔

ما وشما اسکے سبزہ زار تاریخ کے اوراق ان تذکروں سے گلزار بنے ہوئے ہیں کہ ہر دورو عہد میں کلام کی آبیاری سے رنگارنگ کے انقلاب۔ قوموں۔ دولتوں۔ میں پیدا ہوئے۔ ایک ایک لکچر و خطبہ نے ممالک ہلا دیئے ایک ایک نظم و مرثیہ نے غافلونکو بیدار بزدلونکو شجاع بنا دیا۔ کہیں مذہبی مصالح پورا کرنے میں کلام نے دخل پایا اور اپنے قوی تاثیر سے عالم روحانیت میں انفعال پیدا کرنے کے لئے مندروں میں بھجن اور گیت بنکر اور مجالس سماع میں غزل وغیرہ وغیرہ کا لباس پہنکر انسانی ہستی میں غیر متوقع اور قابل حیرت تغیر پیدا کرنیوالا ثابت ہوا جس سے روحانی کمالات میں نمایاں ترقی ہوئی۔

جب دور اندیش اور مصلح دماغوں نے اوسکی تاثیر کی بالبداہت ثبوت دیکھے تو اُسکی فصیح بلیغ کرنے میں ساعی ہوئے حتیٰ کہ اوسکو ایسی موزونیت کا خلعت پہنایا جو آجتک نظم کے نام سے موسوم چلا آرہا ہے۔

اس بات کا تحقق نہایت مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس صواب اندیش دماغ نے کلام کے اس اصلی مفہوم کو سمجھا اور اُسکی موزونیت کی داغ بیل دنیا میں ڈالی اگرچہ مورخوں نے قلم تحقیق اُٹھائے ہیں اور لکھا ہے مگر اختلاف کی جزئیات نے تحقیق میں اہمیت پیدا کر دی ہے جس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ اس ایجاد کا فخر کسکو ہے ابن اثیر اور بعض اُن کے متبع مورخ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس اختراع کو منسوب کرتے ہیں قاسم ابن سلام بغدادی شعر عربی کا یعرب بن قحطان کو موجد بتاتے ہیں۔ بعض اہل تاریخ اشعر بن سبا ے یمنی سے

نسبت دیتے ہیں اور بعض مہلمل سے فارسی زبان کا پہلا شاعر بہرام گور بتایا جاتا ہے جو وسیع سلطنت کا حکمراں تھا۔ اُسکے بعد یعقوب بن لیث یا ابوحفص سغدی کو اسکا مالک بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلاطین سامانیہ کے دورِ حکومت میں رودکی نے زبان فارسی کی شاعری کو کمالیت کے مرتبہ پر فائز کیا بعدازاں وقتاً فوقتاً مختلف اساتذہ کی مختلف موشگافیوں سے کمال کو پہونچی انگریزی زبان کی نظم گوئی میں چاسر کی اقدمیت کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ ہندی زبان میں والمیک اور کالیداس کو خالقِ نظم کہا جاتا ہے اُردو زبان میں ولی نظم کلام کی درگاہ کے پہلے سجادہ نشین مانے جاتے ہیں۔ ان تمام بزرگواروں کی فلسفیانہ فکر اور دوربین نگاہ نے اصل مقصد کلام کے حاصل کرنے میں کامیابی پائی اور دنیا کو دکھایا کہ کلام کی زبردست تاثیر زہر و تریاق کے اثر سے زیادہ فوری قوت رکھنے والی ہے اور جس سے قوی و ارواح میں تحریک۔ قدرتی واردات کے اظہار سے کیفیت۔ مشاہدہ و مناظر پر قوت غور۔ خیال میں استقلال پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ کی گردش سے جب انسانی مذاق کے سالک تبدیل ہوئے تو ایشیا میں یہ عمدہ و برگزیدہ مقصد بھی محض حسن و عشق کے منحوس و خیالی تصویروں کے دائرہ میں محدود ہو گیا اور فرقت کے صدمہ و وصل کی لذت کا مفسر رہ گیا لیکن باایںہمہ علوم کے خزانوں پر کسی قدر اسکو قبضہ باقی یا زبان کی دارالسلطنت پر پورا اقتدار قائم رہا اور نیز ہر زمانہ کے مذاق طبیعت اور اہلِ زمانہ کے خاص حالات زندگی کے مُشعر ہونے کا وصف رکھیا۔

فرضی حسن و عشق کے جھگڑوں نے اگرچہ اسکو اپنا مرکز بنا لیا مگر پھر بھی دلی جذبہ۔ فطرتی میلان طبعی جوش کے اظہار کے آلہ ہونے کی صفت اسمیں ایسی قائم رہے جو گزشتہ سلسلوں کو توضیح حال و خیال کے لئے ایک بہترین نمائشگاہ ہے۔

انھیں اصلی باتوں کو ملحوظ رکھکر لائق مؤلف نے ایسے تذکرے کی ضرورت کا ادراک کیا اور اپنے بلند خیالی سے اُسکے پورا کرنے کی کوشش کی۔

ہمارے ملکی زبان کی نظم کی بہت سے قابلِ قدر تذکرے لکھے گئے اور اہلِ ملک نے اُنکو عزت کے ہاتھوں میں لیا۔ شوق کی آنکھوں سے دیکھا لیکن یہ تذکرہ اپنی مخصوص خوبیوں کیوجہ سے اپنے طرز اور ایفائے ضرورت میں ایسی قیمتی اور قابل پسند چیز ہے جسکو ہماری زبان کی تصنیفات میں ایک مفید اضافہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔

اِس تذکرے میں مؤلف نے اصل مقصد نظم کی رعایت سے جسکو ظاہر کیا گیا ہے منتخب شعرا کے کلام کے انتخاب ہی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ نہایت فیاضی سے ملک کے اُن تمام شاعروں کے کلام کو درج کیا جنکے کلام تک اُنکی آگاہی کا ہاتھ پہونچا اس کے انصرام میں اُسکو بلیغ سعی کرنی پڑی یا کثیر صرف سے کام لینا پڑا اگر وہ مدعا ضرور حاصل ہوا جو اس تذکرہ کا موضوع ہے اِس تذکرے نے ایسی سہولت پیدا کر دی کہ ہر شخص مختلف اقطاع و امصار کے باشندونکی زبان اور خیالات سے بآسانی واقف ہو سکے گا اور اُسکو زمانۂ ماضی و حال کے تبادلہ خیالات و زبان کی واقفیت کا موقع ملیگا۔

ہجر و مواصلت کے شرمناک قصونکو چھوڑ کر خذ ما صفا دع ما کدر کی رعایت سے اہل ملک کے طبعی حالات۔ خصائل۔ عادات۔ روحانیت۔ زبان کی روئداد معلوم کرنے کا فائدہ مند کارنامہ ہے۔

سخن فہمی کے قدرتی انصاف سے انتخاب کلام میں کیا بہ حیثیت کوائف ذاتیہ شاعر کیا بہ اعتبار زبان کیا بہ صورت ادائے مقاصد لیسے شائستگی و تسلسل سے مولف نے کام لیا ہے کہ اُسکا عدیل آئندہ کبھی لیسے اور انتخاب کیلئے ملنا سہل نہیں معلوم ہوتا اہل کمال کے اندراج حالات میں جہانتک مؤلف کو علم ہوا ہے کمی نہیں کی اور نہایت صداقت سے بغیر رنگ آمیزی مدح و ذم اونکو قلم بند کیا گیا ہے جس سے ایک تذکرہ نویس کے پورے فرض کا ادا ہونا تسلیم ہوتا ہے۔

حسن ترتیب خوبی التقاط۔ مؤلف کے بے انتہا تہذیب۔ سلیقہ مندی۔ سخن شناسی پر دال

ہے جو اس تذکرے کے خصوصیت سے لایق ذکر صفت ہے۔

مجموعتًہ یہ تذکرہ تالیفی عالم میں بے مثل کہے جانے کا مستحق اور اُسکے مؤلف اُردو زبان کے مربی سمجھے جانیکے اہل ہیں جنکا پبلک کو شکرگذار ہونا چاہیئے کہ کیسے خوش اسلوب تالیف اُنکی کتب خانۂ زبان میں بڑھی جو اپنے محاسن سے نہ اہلِ سخن یا مشتاقانِ فنِ شعر کو ہی فائدہ پہونچانیوالی ہے بلکہ اُردو زبان کے مفید تر کتاب ہے۔

میں خمخانۂ جاوید کے مؤلف اپنے معزز دوست لالہ سری رام صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنکی کوشش مشکور ہوئی اور اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ جس شاقہ محنت اور سخت تردد سے مؤلف نے اپنے تذکرے کو لکھا ہے ایسے ہی مفرط شوق سے ملک اسکی منزلت کرے اور یہ عمدہ تالیف اُردو زبان کی ذخیرہ کتب میں ایسا ہی مکمل و دلفریب اُنکا اور کلام کا جاودوانی تذکرہ و یادگار سمجھا جاوے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔

وکم للہ من لطف خفی	یدق خفاہ عن فھم الذکی
وکم ھم تعانیہ صباحاً	فتعقبہ المسرۃ بالعشی







اِعلان

حضرات شعرا اور دیگر ناظرین تذکرہ کی خدمت میں التماس ہے کہ تذکرہ خمخانۂ جاوید کے بقیہ چار دفتر جو زیر ترتیب ہیں حتی الوسع جلد شائع ہونگے۔ جلد ثانی کی نظر ثانی ہو رہی ہے اور اس کی کاپی عنقریب شروع ہو جائیگی۔ جو حضرات اپنا یا اپنے بزرگوں کا غیر مطبوعہ کلام اور حالات درج تذکرہ کرانا چاہیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

تذکرہ کی خریداری کے لئے بھی اسی پتے سے درخواستیں آنی چاہئیں چونکہ درخواستیں کثرت سے آ رہی ہیں۔ تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں شائقین جلد درخواستیں بھیجیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت فی جلد صہ

تذکرہ کی رجسٹری موافق قانون کرا دی گئی ہے۔ کوئی صاحب قصد طبع نہ کریں

دفتر خمخانۂ جاوید۔ کوٹھی آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب مرحوم بیرسٹر

لاہور